لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

المواہب اللدنیۃ

بالمنح المحمدیۃ

اردو ترجمہ

مع حواشی شرح زرقانی

تصنیف

شارح بخاری امام علامہ احمد بن محمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

مولانا محمد صدیق ہزاروی

ناشر

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

بے شک تمہارے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی بہتر ہے۔

اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِّيَّة

بِالْمِنَحِ الْمُحَمَّدِيَّة ﷺ

(اردو ترجمہ)

الجزء الثانی

تصنیف

شارح بخاری امام علامہ احمد بن محمد قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ

(۸۵۱ــــ۹۲۳ھ)

ترجمہ

مولانا علامہ محمد صدیق ہزاروی مدظلہ العالی

سینئر مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)

۳۸۔ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور
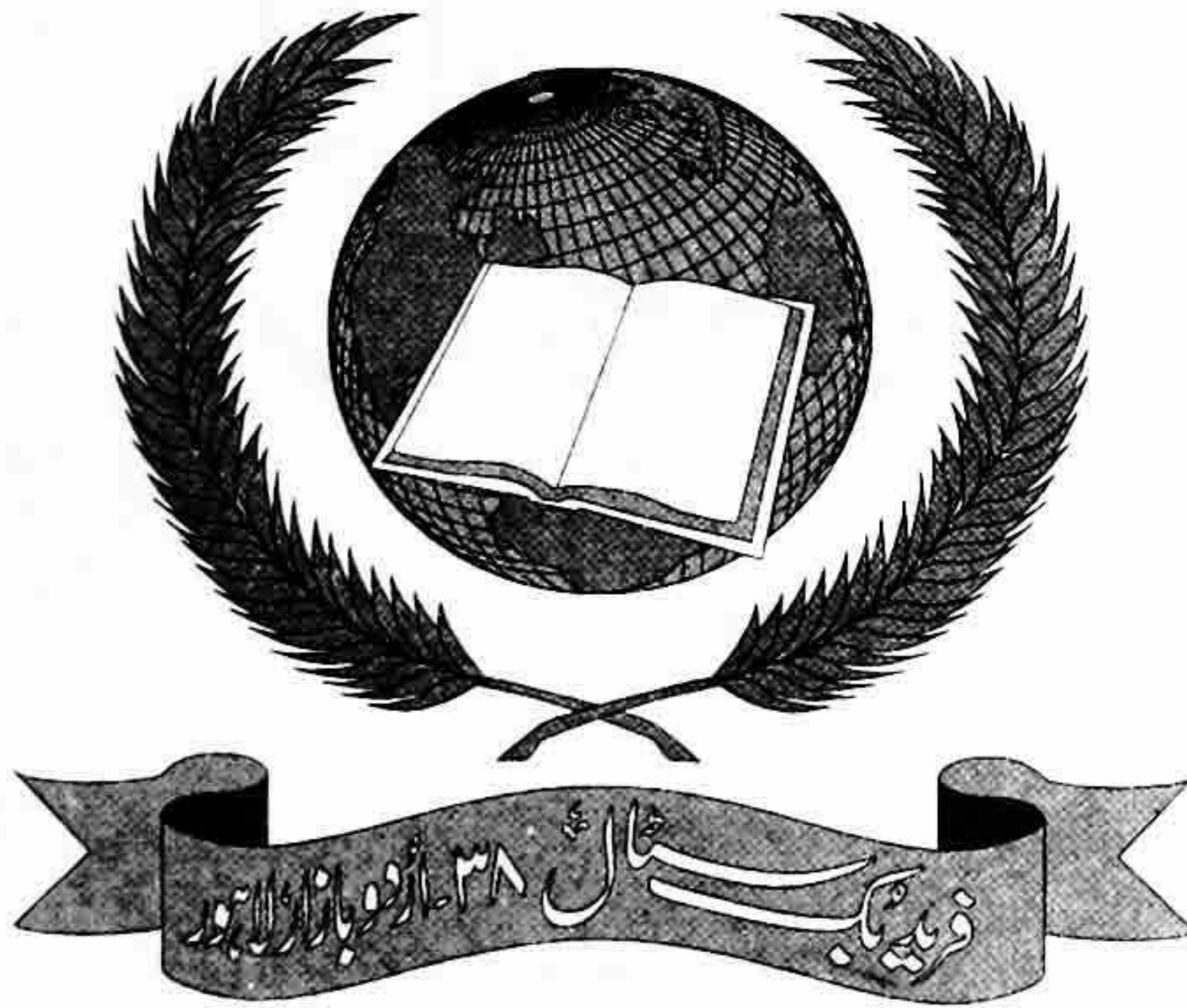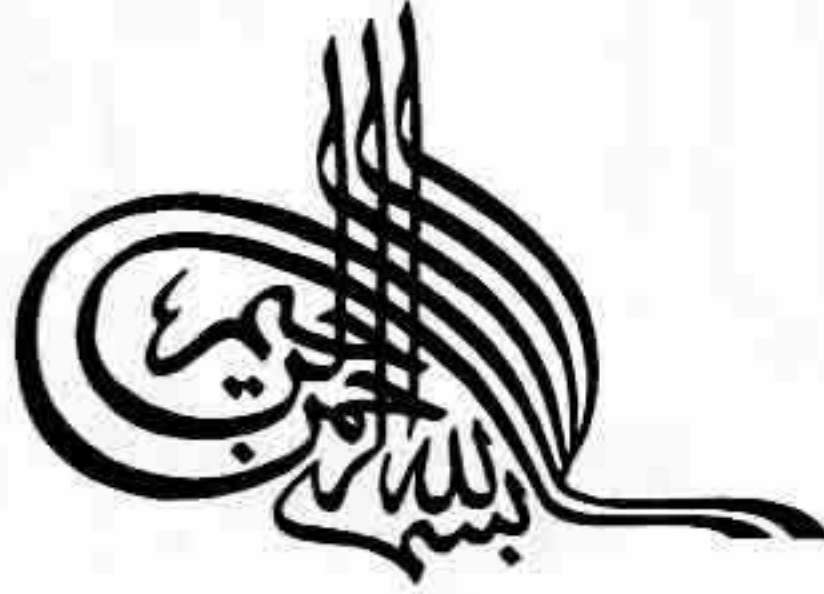
مطبع : رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
طبع اوّل : ربیع الاول ۱۴۲۵ھ / مئی ۲۰۰۴ء

Farid Book Stall®
Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور
فون نمبر ۰۹۲-۴۲-۷۳۱۲۱۷۳-۷۱۲۳۴۳۵
فیکس نمبر ۰۹۲-۴۲-۷۲۲۴۸۹۹
ای۔میل : info@faridbookstall.com
ویب سائٹ : www.faridbookstall.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرس

المواھب اللدنیہ (جلد ثانی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تیسرے مقصد کے مشمولات

(۱) اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو کمال خلقت اور جمال صورت کے ذریعے جو فضیلت عطا فرمائی۔
(۲) آپ پر عمدہ اخلاق اور پسندیدہ صفات کے ذریعے کرم فرمایا اور شرف عطا فرمایا۔
(۳) رسول اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کی ضرورت۔
اور اس مقصد میں چار فصلیں ہیں۔

فصل نمبر ۱

نبی اکرم ﷺ کی تخلیقِ کامل اور حسنِ صورت [۱]

یہ بات جان لینا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ پر ایمان کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب آپ پر یوں ایمان لایا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بدن مبارک کو اس طرح بنایا کہ آپ سے پہلے اور بعد کسی انسان کو آپ کی مثل نہیں بنایا۔ آپ کے بدن مبارک میں اس بات کی علامات موجود ہیں کہ آپ کے نفسِ کریم کی تخلیق نہایت عظیم ہے اور آپ کے اخلاق مبارکہ میں آپ کے قلب پاک کی عظمت پر دلالت پائی جاتی ہے۔

حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ نے کیا خوب فرمایا: [۲]

فھو الذی تم معناہ و صورتہ ثم اصطفاہ حبیبا باریٔ النسم
منزہ عن شریک فی محاسنہ فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

"یہی وہ ذات ہے جن کی صورت و معنٰی کی تکمیل ہوگئی پھر خالق نے اپنا دوست منتخب کیا آپ اس بات

---

[۱] (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۱۵' البدایہ النہایہ ج ۶ ص ۱۳' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۰۱)

[۲] حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ کا اسم گرامی شرف الدین ابو عبداللہ بن سعید بن عماد بن محسن بن عبداللہ بن منہاج بن بلال امنہاجی ہے آپ کا لقب بوصیری ہے۔ آپ فالج کا شکار ہو گئے تھے تو آپ نے بارگاہ نبوی میں قصیدہ لکھا قصیدہ مکمل ہوا تو اسی رات حضور ﷺ کی زیارت ہوئی آپ نے امام بوصیری کے جسم پر دست مبارک پھیرا صبح اٹھے تو بالکل صحیح تھے۔
(تفصیلی حالات شرح قصیدہ بردہ ابوالبرکات مولانا عبدالمالک خان کے آغاز میں ملاحظہ کریں ۱۲ ہزاروی)

سے بالاتر ہیں کہ کوئی آپ کے محاسن میں شریک ہو پس آپ میں جوہر حسن تقسیم نہیں ہو سکتا'' یعنی حسن کامل کی حقیقت آپ میں پائی جاتی تھی پھر وہ آپ ہی کا حسن مکمل و تام تھا اور یہ حسن آپ کے اور دوسروں کے درمیان تقسیم نہیں ہوا ورنہ آپ کا حسن تام و مکمل نہ ہوتا اس لیے کہ تقسیم کی صورت میں آپ کو بعض حصہ ملتا اور مکمل نہ ہوتا''۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک لشکر لے کر نکلے تو کسی قبیلے کے پاس ٹھہرے اس قبیلے کے سردار نے کہا کہ حضرت محمد ﷺ کا وصف بیان کیجئے آپ نے فرمایا میں تفصیل سے بیان نہیں کر سکتا اس نے کہا اجمالی طور پر بیان کر دیں آپ نے فرمایا جیسا بھیجنے والا ہے اسی کے اعتبار سے رسول بھی ہیں [1] ابن المنیر نے ''اسرار الاسرار'' میں یہ بات ذکر کی ہے۔ [2] تو کس کی مجال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قدر و منزلت بیان کرے یا آپ کے ان مذکورہ احوال پر مطلع ہو سکے جس سے امید کی جا سکے یا پوچھا جائے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ [3] نے ''کتاب الصلوٰۃ میں'' بعض بزرگوں سے نقل کیا وہ بزرگ فرماتے ہیں: ہمارے لئے نبی اکرم ﷺ کا تمام حسن ظاہر نہیں ہوا اگر آپ کا تمام حسن ہمارے سامنے ظاہر ہوتا تو ہماری آنکھیں آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکتیں۔

حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا:

اعیی الوری فھم معناہ فلیس یری للقرب والبعد فیہ غیر منفحم

کالشمس تظھر للعینین من بعد صغیرۃ و تکل الطرف عن امم

''لوگ آپ کی حقیقت کو سمجھنے سے عاجز ہو گئے پس کوئی شخص چاہے وہ آپ کے قریب زمانہ کا ہو یا دور کا آپ کے کمالات کے بیان سے عجز کے بغیر نہیں دیکھا' آپ کی مثال سورج کی طرح ہے جو دور سے آنکھوں کو چھوٹا دکھائی دیتا ہے اور قریب سے آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے''۔

اور یہ ان کے اس شعر کی طرح ہے:

انما مثلوا صفاتک للناس کما مثل النجوم الماء

''انبیاء کرام نے آپ کی صفات لوگوں کے لئے اس طرح بیان کی ہیں جیسے پانی میں ستارے دکھائی دیتے ہیں [4] تظھر (ظاہر ہونا) فرما کر سورج سے تشبیہ کی وجہ بیان کی یعنی ظہور کے اعتبار سے تشبیہ ہے۔ مطلق تشبیہ مراد نہیں کیونکہ سورج میں عیب ہے آپ میں نہیں۔

---

[1] یعنی بھیجنے والی ذات بہت بلند و بالا ہے تو اس نے اپنے شایانِ شان رسول کو بھیجا۔

[2] اس کتاب کا نام المقتفی ہے اور یہ نہایت عمدہ کتاب ہے اس کی پہلی قسم معراج شریف کے بارے میں اور دوسری قسم سیرت سے متعلق ہے اور ابن منیر ناصر الدین احمد بن محمد جذامی اسکندرانی بہت بڑے عالم تھے۔

[3] امام قرطبی معروف مفسر ہیں اندلس کے ایک شہر قرطبہ سے تعلق تھا محمد بن احمد ابن ابی بکر بن فرح ابو عبداللہ انصاری اندلسی نام ہے۔

[4] یعنی پانی میں ستاروں کو دیکھنے سے ان کی چمک آنکھوں کے لیے قابل برداشت ہو سکتی ہے اور بلا واسطہ نہیں دیکھ سکتے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے حسن مبارک کو پوشیدہ رکھا تا کہ دیکھ سکیں پھر بھی صحابہ کرام آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔

مطلق تشبیہ کی خرابی کو ابوالنواس (حسن بن ہانی بن عبدالاول عباسی شاعر) نے یوں بیان کیا ہے۔ [1]

تتیہ الشمس والقمر المنیر اذا قلنا کانهما الامیر
لان الشمس تغرب حین تمسی وان البدر ینقصه المسیر

''سورج اور روشن چاند فخر کرتے ہیں جب ہم کہتے ہیں گویا کہ وہ امیر ہیں کیونکہ سورج شام کے وقت غروب ہو جاتا ہے اور چاند چل چل کر چھوٹا ہو جاتا ہے آپ ﷺ کے حق میں یہ تشبیہات محض مثال دینے کے طور پر ہیں ورنہ آپ کی ذات والاصفات بہت بلند اور آپ کی بزرگی بہت گراں قدر ہے''۔

سرِ انور کی صفت

آپ کے سرِ انور مبارک کے سلسلے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ نے اپنی جامع (جامع ترمذی) میں اپنی سند سے حضرت ہند بن ابی ہالہ سے روایت کرتے ہوئے جو کچھ نقل کیا ہے وہ کافی ہے وہ فرماتے ہیں۔

کان رسول اللہ ﷺ عظیم الھامۃ. آپ بڑے (معتدل) سر والے تھے۔

(دلائل النبوۃ ج اص ۲۱۶ طبقات ابن سعد ج اص ۳۱۵)

حضرت نافع بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے ہمارے لئے رسول اکرم ﷺ کا وصف بیان کرتے ہوئے بتایا۔

کان عظیم الھامۃ. آپ کا سرِ انور بڑا تھا۔

چہرۂ انور

آپ کے چہرۂ انور کے حوالے سے تمہارے لیے وہ حدیث کافی ہے جسے حضرت امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے نقل کیا وہ فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ احسن الناس وجھا واحسنھم خلقا لیس بالطویل الذاھب ولا بالقصیر البائن. نبی اکرم ﷺ خوبصورت تھے اور سب سے اچھے اخلاق کے مالک تھے آپ نہ تو بہت لمبے قد والے تھے اور نہ ہی آپ کا قد بہت چھوٹا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۴۹ البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۱۷ دلائل النبوۃ ج اص ۱۹۴ طبقات ابن سعد ج اص ۳۱۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ سے زیادہ حسن والا کسی کو نہیں دیکھا گویا آپ کے چہرۂ انور میں سورج چل رہا ہو۔ (مسند امام احمد ج ۲ ص ۳۸۰ دلائل النبوۃ ج اص ۲۰۹ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۴۸)

طیبی فرماتے ہیں سورج کے اپنے فلک میں چلنے سے نبی اکرم ﷺ کے چہرے انور میں حسن مبارک کو تشبیہ دی ہے (کہ جس طرح سورج اپنے فلک میں چلتا ہے، حسن کا فلک چہرۂ مصطفیٰ ﷺ ہے۔ ۱۲ ہزاروی)۔

---

[1] ان کا اصل نام حسن بن ہانی ہے۔ ۱۴۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۸ھ میں بغداد شہر میں فوت ہوئے۔ (الأعلام ج ۲ ص ۲۲۵ ابن عساکر ج ۴ ص ۲۵۴ خزانۃ الأدب ج ا ص ۱۶۸ وفیات الأعیان ج ا ص ۱۳۵ تاریخ بغداد ج ۷ ص ۴۳۶ الشعر والشعراء ص ۳۱۳)

نوٹ: سر کا بڑا ہونا دماغی قوت کے کمال کی طرف اشارہ ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ انتہائی درجہ کی تشبیہ ہو کہ آپ کے چہرۂ انور کو سورج کا ٹھکانہ اور مکان قرار دیا۔
کسی شاعر نے خوب کہا ہے:

لم لا یضیء بک الوجود ولیلہ فیہ صباح من جمالک مسفر
فبشمس حسنک کل یوم مشرق وببدر وجھک کل لیل مقمر

''آپ کی وجہ سے وجود میں چمک کیونکر نہیں ہوگی جب کہ اس کی رات میں آپ کے جمال کی وجہ سے صبح روشن ہے آپ کے حسن سے ہر دن سورج طلوع ہوتا ہے اور آپ کے چہرہ انور کے چاند سے ہر رات چاندنی ہوتی ہے''۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت براء رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا نبی اکرم ﷺ کا چہرۂ انور تلوار کی طرح تھا؟ فرمایا نہیں بلکہ چاند کی طرح تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۵۵۲' جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۶۳۶' دلائل النبوۃ ج اص ۱۹۵' مسند احمد ج ۴ص ۲۸۱۔ ج ۵ص ۱۰۴)

گویا پوچھنے والے کا مطلب یہ تھا کہ لمبائی میں تلوار کی طرح تھے تو حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس کی بات کو رد کیا اور فرمایا بلکہ چاند کی طرح تھا یعنی گول تھا اور ممکن ہے تلوار سے تشبیہ کا مطلب یہ ہو کہ چمکتا تھا تو آپ نے فرمایا بلکہ اس سے اوپر تھا اور آپ نے چاند کا ذکر فرمایا کیونکہ چاند میں دو وصف ہیں گول بھی ہے اور چمکتا بھی ہے۔

حافظ نسابہ ابو الخطاب بن دحیہ رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب ''التنویر فی مولد البشیر والنذیر میں'' حضرت براء رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص صحیح تشبیہ نہ دے سکتا ہو اسے اس کا اقرار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ سائل نے آپ کے چہرۂ انور کو تلوار سے تشبیہ دی ہے اگر وہ سورج سے تشبیہ دیتا تو زیادہ بہتر تھا۔ (کشف الظنون ج اص ۵۰۲) تو حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس کے قول کو رد کر کے فرمایا بلکہ چودھویں کے چاند کی طرح ہیں اور آپ نے نہایت عمدہ تشبیہ دی ہے کیونکہ چاند اپنے نور سے زمین کو بھر دیتا ہے اور ہر دیکھنے والا اس سے مانوس ہوتا ہے اسی طرح اس کی روشنی میں پریشان کن گرمی نہیں ہوتی اور نہ آنکھوں پر بوجھ پڑتا ہے جبکہ سورج آنکھوں کو ڈھانک لیتا ہے اور دیکھنے والے کو نقصان ہوتا ہے۔

''صحیح مسلم کی'' ایک روایت جو حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور تلوار کی طرح تھا؟ فرمایا نہیں بلکہ سورج اور چاند کی طرح تھا اور گول تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۵۵۲' جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۶۳۶' مسند امام احمد ج ۴ص ۲۸۱۔ ج ۵ص ۱۰۴' البدایۃ والنہایہ ج ۶ص ۱۴' دلائل النبوۃ ج اص ۱۹۵)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کا چہرۂ انور گول تھا۔ یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ دونوں وصف جمع فرمائے کیونکہ تلوار کی طرح ہونے سے لمبائی بھی مراد ہو سکتی ہے اور چمک بھی جیسا کہ پہلے اشارہ ہو چکا ہے تو مسئول نے سائل کی بات کو اچھی طرح رد کیا۔

اور جب یہ بات معاشرے میں معروف ہے کہ سورج سے تشبیہ عام طور پر چمک کے حوالے سے ہوتی ہے اور چاند سے تشبیہ کا مقصد ملاحت (خوبصورتی) بیان کرنا ہوتا ہے کوئی دوسری بات مقصود نہیں ہوتی تو آپ نے ''مستدیر'' (گول)

کا لفظ فرما کر دونوں صفتوں میں تشبیہ کو بیک وقت بیان کیا یعنی حسن اور گولائی۔

حضرت محاربی' حضرت اشعث سے وہ ابواسحاق سے وہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے ایک مکمل روشن رات میں نبی اکرم ﷺ کو دیکھا اور آپ پر سرخ رنگ کا جوڑا تھا میں کبھی آپ کو دیکھتا اور کبھی چاند کو' تو آپ مجھے چاند سے زیادہ خوبصورت دکھائی دیتے۔

ایک روایت میں سرخ حلے کے ذکر کے بعد یوں ہے کہ میں آپ کے اور چاند کے درمیان مماثلت دیکھنے لگا (تو آپ زیادہ خوبصورت تھے)۔

حضرت امام ترمذی اور امام بیہقی رحمۃ اللہ' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم ﷺ کا وصف یوں نقل کرتے ہیں کہ آپ نہ تو بہت زیادہ بھاری جسم والے تھے (اور نہ زیادہ کمزور تھے) اور آپ کا چہرۂ مبارک مکمل طور پر گول نہ تھا (بلکہ اس میں قدرے گولائی تھی)۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۸)

ابوعبید نے ''الغرائب میں'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا آپ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ مبارک میں قدرے گولائی تھی حضرت ابوعبید نے اس کی شرح میں فرمایا: کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت زیادہ گول نہ تھا بلکہ اس میں کچھ گوشت کم تھا (لہٰذا مکمل گول نہ تھا) اور یہ بات اہل عرب کے ہاں بہت پسندیدہ ہے۔[1]

الذہلی (محمد بن یحییٰ بن عبداللہ نیشاپوری امیر المؤمنین فی الحدیث اور ائمہ عارفین میں سے ایک تھے متوفی ۲۰۸ھ (الاعلام ج ۷ص ۱۳۵' تاریخ بغداد ج ۳ص ۴۱۵' تذکرۃ الحفاظ ج ۲ص ۵۳۰)) الزہریات[2] میں نبی اکرم ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ کے رخسار مبارک نرم و نازک تھے۔ ابن اثیر نے کہا ہے کہ ''اسالۃ الخد'' کا مطلب رخساروں کا لمبا ہونا اور اٹھا ہوا نہ ہونا ہے۔

شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شاید اس شخص کے سوال کی وجہ یہی ہے جس نے پوچھا تھا کہ کیا آپ کا چہرۂ مبارک تلوار کی طرح ہے؟

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ کا چہرۂ مبارک روشن ہو جاتا گویا وہ چاند کا ایک ٹکڑا ہو اور ہمیں اسی جگہ سے پتہ چلتا تھا یعنی جس مقام سے سرور ظاہر ہوتا اور وہ آپ کی پیشانی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۵۶۔ ۴۴۱۸' البدایہ والنہایہ ج ۶ص ۱۴' دلائل النبوۃ ج اص ۱۹۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ خوشی خوشی تشریف لائے تو آپ کے چہرۂ انور کی (پیشانی) لکیریں چمک رہی تھیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۷۰۔ ۳۵۵۵۔ ۳۷۳۱۔ ۶۷۷۱' دلائل النبوۃ ج اص ۱۹۸)

اس لئے حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گویا وہ چاند کا ٹکڑا ہو۔

امام طبرانی نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنے چہرۂ

---

[1] ابوعبید قاسم بن سلام بغدادی' امام حافظ' مشہور مصنف تھے ۲۲۴ھ میں وفات پائی' التقریب میں کہا کہ آپ نہایت ثقہ تھا۔ غریب حدیث کی وہ کتاب ہے جس کی تشریح و تفسیر کی ضرورت ہو اور ابوعبید قاسم کے اقوال احادیث کی تشریح میں پائے جاتے ہیں۔ (زرقانی جلد ۴ص ۷۶)

[2] وہ کتاب جس میں امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ کی روایات جمع ہیں۔

انور کے ذریعے ہماری طرف متوجہ ہوتے تو گویا وہ چاند کا ٹکڑا ہو۔ یہ اس بات پر محمول ہے کہ توجہ کے وقت یہ صورت ہوتی تھی۔

امام طبرانی نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کئی طرق سے روایت کی ہے ان میں سے بعض طرق میں یوں ہے کہ گویا وہ چاند کا ہالہ ہو۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے اس قول کے حوالے سے پوچھا جاتا ہے کہ چاند کا ٹکڑا ہونے کی قید میں کیا راز ہے جب کہ بلیغ لوگوں کے کلام میں عام طور پر آپ کے چہرۂ انور کو چاند سے تشبیہ دی گئی ہے اور ٹکڑے کی قید نہیں ہے اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ یہ بات شعراء صحابہ کرام کے اشعار سے کہتے تھے لہٰذا اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ہے اور وہ جو کہا جاتا ہے کہ چاند میں پائی جانے والی سیاہی سے بچنے کی خاطر (مکمل چاند کی بجائے) چاند کا ٹکڑا کہا ہے' تو یہ تاویل مضبوط نہیں ہے کیونکہ آپ کو چاند سے تشبیہ روشنی اور چمک کی وجہ سے دی گئی اور وہ پورے چاند میں ہوتی ہے اس کے کسی ایک ٹکڑے میں نہیں گویا چہرے کے بعض حصے کو تشبیہ دی گئی پس مناسب یہی تھا کہ چاند کے بعض حصے سے تشبیہ دی جائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور چاند کے ہالہ کی طرح تھا۔ اسے ابونعیم نے نقل کیا ہے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۵۲۶' جامع الکبیر ج ۲ ص ۳۰۱)

امام بیہقی رحمۃ اللہ' حضرت ابواسحاق ہمدانی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ہمدان کی ایک عورت سے جس کا انہوں نے نام لیا تھا (لیکن راوی بھول گئے) روایت کرتے ہیں وہ کہتی ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ کئی بار حج کیا[1] تو میں نے آپ کو آپ کے اونٹ پر دیکھا آپ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے اور آپ کے ہاتھ میں عصا مبارک تھا (جس کا کنارہ مڑا ہوا تھا) اور آپ پر دو سرخ چادریں تھیں آپ کے بال مبارک کاندھوں کو چھونے کے قریب تھے جب آپ حجر اسود کے پاس سے گزرتے تو عصا سے اسے چھوتے (یا اشارہ کرتے) پھر اسے اٹھا کر چومتے۔

ابواسحاق کہتے ہیں میں نے کہا نبی اکرم ﷺ کی تشبیہ بیان کرو تو اس نے کہا آپ چودھویں رات کے چاند کی طرح تھے میں نے آپ سے پہلے اور بعد کسی کو آپ کی مثل نہیں دیکھا۔ (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۱۹۹' البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۱۷)

امام دارمی' بیہقی' ابونعیم اور طبرانی رحمۃ اللہ نے حضرت ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصف بیان کریں تو انہوں نے فرمایا اگر تم آپ کو دیکھتے تو کہتے سورج طلوع ہو گیا ہے (سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۰' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۰' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۹۳) ایک روایت میں ہے انہوں نے فرمایا بیٹا! اگر تم آپ کو دیکھتے تو طلوع ہونے والا سورج دیکھتے۔

حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ نے حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ان سے نبی اکرم ﷺ کا وصف بیان کرنے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے فرمایا آپ سفید رنگ (سرخی مائل) تھے اور آپ کا چہرۂ انور نہایت خوبصورت تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۶۴' مسند امام احمد ج ۵ ص ۴۵۴' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۰۵' البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۱۶' طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۲۱)

---

[1] یعنی ہجرت سے پہلے کئی بار حج کیا ورنہ ہجرت کے بعد آپ نے صرف ایک بار حج فرمایا۔ (زرقانی ج ۴ ص ۷۷)

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ نے حضرت ہند بن ابوہالہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بھرپور شخصیت کے مالک تھے (اور چہرۂ انور بھرا ہوا تھا) آپ کا چہرۂ مبارک چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔

(شرح السنہ ج ۳ص ۲۷۰' طبقات ابن سعد ج ۱ص ۴۲۲' مجمع الزوائد ج ۸ص ۲۷۳' شمائل ترمذی ص ۹۔ ۱۹۔ ۱۶۵' دلائل النبوۃ ج ۱ص ۲۸۶' البدایۃ والنہایہ ج ۶ص ۳۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۰۷۷' تاریخ دمشق ج ۱ص ۳۲۹' تاریخ اسلام ج ۲ص ۳۱۱' شمائل الرسول ص ۵۰' خصائص الکبریٰ ج ۱ص ۶۷' عیون الاثر ج ۲ص ۴۰۵)

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا (عاتکہ بنت خالد خزاعیہ سفر ہجرت میں جن کی بکری سے آپ ﷺ نے دودھ حاصل کیا) نے اپنے خاوند سے آپ کا وصف یوں بیان کیا کہ آپ کا چہرۂ انور روشن اور چمکتا تھا (جب صبح روشن ہو جائے تو کہتے ہیں تبلج الصبح) (عارف کبیر) سیدی علی بن وفا شاذلی رحمۃ اللہ کا قول کتنا عمدہ ہے فرماتے ہیں:

الا یا صاحب الوجہ الملیح سالتک لا تغیب عنی فانت روحی
متی ما غاب شخصک عن عیانی رجعت فلا تری الا ضریحی
بحقک جد لرقک یا حبیبی وداو لوعۃ القلب الجریح
ورق لمغرم فی الحب امسی واصبح بالھوی دنفا طریح
مجب ضاق بالأشواق ذرعا واوی منک للکرم الفسیح

''اے خوبصورت چہرے والے! میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھ سے غائب نہ ہوں پس آپ میری روح ہیں جب آپ کی ذات والا صفات مجھ سے غائب ہوتی ہے تو میں واپس لوٹتا ہوں پس تو میری قبر ہی دیکھے گا۔ اے میرے حبیب اپنے غلام کو پایئے (میں آپ کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں) اور زخمی دل کی جلن کا علاج کیجئے آپ اپنے اس محب پر رحم فرمائیں جس کا دل محبت میں جل چکا ہے وہ لا علاج مرض میں مبتلا ہے اور پھینک دیا گیا ہے ایسا محب کہ شوق کی وجہ سے اس کا سینہ تنگ ہو چکا ہے اور وسیع کرم کے لیے آپ کے ہاں پناہ مانگتا ہے''۔

''النہایہ میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ جب خوش ہوتے تو گویا آپ کا چہرہ آئینے کی طرح ہوتا اور دیواریں آپ کے چہرۂ انور میں نظر آتی تھیں۔

ابن ابی ہالہ کی روایت میں ہے کہ آپ کا چہرۂ انور اس طرح روشن ہوتا جس طرح چودھویں رات کا چاند چمکتا ہے۔ کیونکہ چاند اپنی روشنی سے زمین کو بھر دیتا ہے اور اسے دیکھنے والا ہر شخص اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس کا نور اذیت پہنچائے بغیر دیکھا جا سکتا ہے اور اس پر نظر ٹھہر سکتی ہے جب کہ سورج کا یہ حال نہیں ہے بلکہ وہ آنکھوں کو ڈھانپ لیتا ہے لہٰذا اسے دیکھنا ممکن نہیں ہوتا اور قمر کی بجائے بدر سے تشبیہ زیادہ بلیغ ہے کیونکہ بدر (چودھویں کا چاند) اپنے وقتِ کمال پر ہوتا ہے۔

جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھا تو کہا یا جب آپ کو دیکھتے تو کہتے:

لو کنت من شیء سوی بشر کنت المنور لیلۃ البدر

''اگر آپ بشر ہونے کے علاوہ کچھ ہوتے تو چودھویں کا چاند ہوتے اور یہ حقیقی تشبیہ ہے کیونکہ آپ کا

ایک اسم گرامی بدر ہے"۔

یہی وجہ ہے کہ جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ان لوگوں نے پڑھا

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

''وداع کی گھاٹیوں سے چودھویں کا چاند ہم پر طلوع ہوا''۔

اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

کالبدر والکاف ان انصفت زائدة	فیہ فلا تظننها کافا لتشبیہ

''اگر تم انصاف سے کام لو تو کالبدر میں کاف زائدہ ہے پس اسے تشبیہ کا کاف نہ کہو''۔

ابن الحلاوی کا قول کتنا عمدہ ہے:

یقولون یحکی البدر فی الحسن وجهه	وبدر الدجی عن ذلک الحسن ینحط
کما شبهوا غصن النقا بقوامه	لقد بالغوا فی المدح للغصن واشتطوا

''لوگ کہتے ہیں کہ چودھویں کا چاند حسن میں آپ کے چہرۂ انور کی ترجمانی کرتا ہے حالانکہ اندھیری رات کا چاند آپ کے چہرۂ مبارک کے حسن سے کم ہے جس طرح انہوں نے نقا (ایک بوٹی یا درخت) کی ٹہنی کو آپ کے قد سے تشبیہ دی لیکن انہوں نے ٹہنی کی تعریف میں مبالغہ کیا اور ظلم کیا''۔

چاند اور ٹہنی کو اس تشبیہ سے بہت زیادہ فخر حاصل ہوا علاوہ ازیں نبی اکرم ﷺ کی صفات میں یہ تشبیہات شعراء اور اہل عرب کی عادت کے مطابق ہیں ورنہ ان میں سے کوئی بھی تشبیہ نبی اکرم ﷺ کی خَلقی اور خُلقی صفات کے برابر نہیں ہو سکتی۔

امام العارفین سید محمد وفا شاذلی مالکی (ان کا اصل نام محمد بن محمد بن محمد اسکندری ہے ابوالفضل اور ابوالفتح القاب ہیں۔ مالکی مذہب ہیں ۷۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۶۵ھ میں قاہرہ میں وفات پائی) رحمۃ اللہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے انہوں نے کیا خوب فرمایا:

کم فیه للأبصار حسن مدهش	کم فیه للأرواح راح مسکر
سبحان من أنشاه من سبحاته	بشرا بأسرار الغیوب یبشر
قاسوه جهلا بالغزال تغزلا	هیهات یشبهه الغزال الأحور
هذا و حقک ماله من مشبه	وأری المشبه بالغزالة یکفر
یأتی عظیم الذنب فی تشبیهه	لولا لرب جماله یستغفر
فخر الملاح بحسنهم وجمالهم	و بحسنه کل المحاسن تفخر
فجماله مجلی لکل جمیلة	وله منار کل وجه نیر
جنات عدن فی جنی و جناته	ودلیله ان المراشف کوثر
هیهات ألهو عن هواه بغیره	والغیر فی حشر الأجانب یحشر
کتب الغرام علی فی أسفاره	کتبا تؤول بالهوی و تفسر

فدع الدعی وما ادعاہ فی الھوی فدعیہ بالھجر فیہ یھجر
و علیک بالعلم العلیم فانہ لخطیبہ فی کل خطب منبر

(الاعلام ج ۷ ص ۳۷' شذرات الذہب ج ۶ ص ۲۰۶' الدرر الکامنہ ج ۴ ص ۲۷۹)

''آپ کے حسن مبارک نے کتنی ہی آنکھوں کو مدہوش کیا اور آپ میں ارواح کے لئے نشہ دینے والی راحت ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے انوار سے آپ کو بشر پیدا کیا اور آپ غیبی خبروں کی بشارت دیتے ہیں۔ لوگوں نے غزل گوئی کے دوران آپ کو ہرن سے تشبیہ دی' عقل سے بڑی بعید بات ہے کہ ہرن کا دودھ پیتا بچہ آپ سے مشابہ ہو تمہارے رب کی قسم کوئی ان کی مثال نہیں' اور میرا خیال ہے کہ آپ کو ہرنی سے تشبیہ دینے والا حقیقتِ محمدی کا منکر ہے۔

آپ کو کسی سے تشبیہ دینا بہت بڑے گناہ کا سبب ہے' اگر شاعر آپ کا جمال پیدا کرنے والے سے مغفرت طلب نہ کرے۔ حسینوں کو اپنے حسن و جمال پر فخر ہے جبکہ خوبیاں آپ کے حسن و جمال پر نازاں ہیں۔ آپ کا جمال ہر حسین کے لیے ظاہر ہے' اور ہر چہرے کی خوبصورتی کا منبع آپ ہی ہیں۔

آپ کے رخساروں کی خوبصورتی میں جناتِ عدن کی جھلک ہے' اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ کوثر آپ سے استفادہ کرنے والا ہے ناممکن بات ہے کہ میں غیر کی محبت کے سبب آپ کی محبت کو بھول جاؤں اور یہ غیر بروز قیامت اجنبیوں میں اٹھایا جائے گا۔

محبت کی بڑی کتابوں میں آپ کی محبت مجھ پر لازم کردی گئی جس کی تفسیر اور تاویل محبت کے ساتھ ہی کی جاتی ہے۔ محبت کے دعویدار کو اور محبت میں اس کے دعویٰ کو چھوڑ دے' اسے فرقت میں ہی رہنے دو وہ اسی قابل ہے۔

اور تو بہت علم والے عالم سے مدد مانگ کیونکہ وہ آپ کے مدح خواں کے لیے ہر مشکل میں مددگار ہے''۔

آنکھ مبارک [1]

آپ کی بصارت مبارکہ کا وصف اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔

(النجم: ۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ رات کے وقت بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح دن کی روشنی میں دیکھتے تھے۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۷۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ اندھیرے میں اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح روشنی میں دیکھتے تھے۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۷۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کیا تم میری توجہ (اور قبلہ) اس طرف کو سمجھتے

[1] (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۱۰' البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۱۷)

ہو پس اللہ کی قسم مجھ پر تمہارا رکوع اور سجدہ بھی پوشیدہ نہیں ہے میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۸-۷۴۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۹' مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۳-۳۶۵-۳۷۵' مسند ابو عوانہ رقم الحدیث: ۱۳۸' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۷۳' الدر المنثور ج ۵ ص ۹۸' شرح السنہ ج ۱۳ ص ۲۸۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۴۸۱-۳۱۶۹۲' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۹۶۱)

"صحیح مسلم میں" حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ایھا الناس ' انی امالکم فلا تسبقونی بالرکوع ولا بالسجود فانی اراکم من امامی ومن خلفی.

اے لوگو! میں تمہارا امام ہوں پس رکوع اور سجدہ میں مجھ سے سبقت نہ کرو بے شک میں تمہیں اپنے آگے اور پیچھے کی طرف سے بھی دیکھتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۲' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۹۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۲۸' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۱۳۷' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۹۵۸۷' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۷۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۴۹۵)

ارشاد خداوندی ہے:

اَلَّذِیْ یَرٰکَ حِیْنَ تَقُوْمُ O وَ تَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ O (الشعراء: ۲۱۸-۲۱۹)

جو تمہیں دیکھتا ہے جب تم کھڑے ہوتے ہو اور نمازیوں میں تمہارے دورے کو۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ اپنے پیچھے صفوں کو بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح سامنے دیکھتے تھے اسے حمیدی نے اپنی مسند میں اور ابن منذر نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

(تفسیر البغوی ج ۳ ص ۳۴۳' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۹۶۲' الدر المنثور ج ۵ ص ۹۸)

اور یہ دیکھنا ادراک کا دیکھنا تھا (یعنی معلوم ہو جانا) اور یہ آلہ یعنی آنکھ پر موقوف نہیں ہے یہ اہل حق کا مذہب ہے نہ اس میں شعاع کی ضرورت ہے اور نہ اس چیز کے سامنے ہونے کی حاجت ہے۔

یہ جو قدیم بلند ذات کی نسبت سے ہے جہاں تک مخلوق کا تعلق ہے تو اس کے حق میں دیکھنے کے لئے آنکھ شعاع اور (اس چیز کا جس کو دیکھا جا رہا ہے) بالمقابل ہونا ضروری ہے اور اس پر اتفاق ہے اسی لئے یہ دیکھنا نبی اکرم ﷺ کا معجزہ تھا اور آنکھ میں دیکھنے کی قدرت پیدا کرنے والا اس بات پر قادر ہے کہ آنکھ کے غیر میں یہ قوت پیدا کر دے۔

الحرالی رحمۃ اللہ (علی بن احمد بن حسن جو قبیلہ بر بر کی طرف منسوب ہیں اور بے شمار تصانیف کے مصنف ہیں) فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو حقیقتِ امر پر دلیل بنایا یعنی آپ کو عملی وسعت کے اعتبار سے باطنی اطلاع اور معرفت حاصل تھی جب آپ نے لوگوں کو اپنے رب کی پہچان کرائی اپنی ذاتی کمالات کی پہچان نہیں کرائی تو اللہ تعالیٰ نے پہلے اور پچھلے تمام امور پر آپ کو مطلع فرما دیا اور جب یہ سب کچھ دلوں کے ادراک پر مشتمل تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مثل آنکھوں کا ادراک بھی بنا دیا پس آپ محسوسات کو اپنی پیٹھ کے پیچھے اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح اپنے سامنے دیکھتے تھے۔ (حرالی کا کلام مکمل ہوا)۔ (الاعلام ج ۴ ص ۲۵۶' نفح الطیب ج ۱ ص ۴۱۷' میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۱۸' لسان المیزان ج ۴ ص ۲۰۴' طبقات المفسرین ج ۱ ص ۳۹۲)

زاہدی بختیار محب بن محمود (یعنی ابو الرجاء الغزمینی ملقب نجم الدین متوفی ۶۵۸ھ) شارح مختصر القدوری نے اپنے

رسالہ "الناصریہ" میں لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے دونوں کاندھوں کے درمیان سوئی کے سوراخ جیسی دو آنکھیں تھیں جن سے آپ دیکھتے تھے اور لباس ان کے راستے میں حائل نہ ہوتا۔ (یہ روایت غریب ہے معروف نہیں)

(فتح الباری ج۱ص ۶۷۷ الاعلام ج۷ص۱۹۳ الفوائد البھیہ ص۲۱۲ کشف الظنون ج۱ص ۶۲۸)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ قبلہ کی جانب دیوار پر صورتیں منقش ہو جاتی تھیں جس طرح شیشے میں ہوتا ہے تو آپ ان کے افعال کا مشاہدہ فرماتے تھے۔ یہ بات اگر نبی اکرم ﷺ سے صحیح طریقے پر منقول ہو تو مقبول ہے ورنہ یہ رائے کا مقام نہیں ہے علاوہ ازیں یہ بات زیادہ مناسب ہے کہ یہ آپ کا معجزہ تھا اور آپ کو کسی آلہ کے بغیر ادراک ہو جاتا تھا۔ واللہ اعلم۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ دل سے دیکھنا تھا بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد علم ہے وہ وحی کے ذریعے ہو کہ ان کے افعال کی کیفیت بتائی گئی یا الہام کیا گیا لیکن پہلی بات (کہ کسی آلہ کے بغیر ادراک ہوتا تھا) صحیح اور بہتر ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس سے محض علم مراد ہے ان پر اعتراض کیا گیا جو ابن جوزی نے اپنی بعض کتب میں کسی سند کے بغیر لکھا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں ہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس سے علم غیب کی نفی ہو گی اور یہ دونوں باتیں کس طرح جمع ہوں گی؟

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ اس پہلی حدیث کا ظاہر بتا رہا ہے کہ یہ نماز کی حالت سے خاص ہے اور مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا اور جب ہم آنکھوں سے دیکھنے کی طرف جائیں اور یہی بہتر ہے تو کوئی اعتراض نہیں کیونکہ یہ غیب کے ذریعے علم کی نفی ہے اور وہ مشاہدہ سے ہوتا ہے۔

حافظ شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ کی کتاب "المقاصد الحسنہ" میں ہے اس حدیث کے بارے میں فرمایا کہ ہمارے شیخ، شیخ الاسلام ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں لیکن میں کہتا ہوں "تخریج احادیث الرافعی" میں ذکر خصائص کے ساتھ ہی لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ پیٹھ کے پیچھے بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح آگے دیکھتے تھے۔ صحیحین وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ کی روایت سے اس کا معنی مراد ہے۔

(تذکرۃ الموضوعات ص ۸۷ کشف الخفاء ج۲ص ۲۵۰ الاسرار المرفوعہ رقم الحدیث: ۳۰۰)

اس سلسلے میں جو احادیث آئی ہیں ان میں حالتِ نماز کی قید ہے اسی طرح اس حدیث کو اور اس حدیث کو کہ میں اس دیوار کے پیچھے نہیں جانتا' جمع کیا جا سکتا ہے۔

ہمارے شیخ امام سخاوی رحمۃ اللہ نے فرمایا: یہ اس بات کی خبر ہے کہ یہ (دیوار کے پیچھے علم نہ ہونے والی) حدیث آئی ہے اور اگر یہ ہے تو ان دونوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں کیونکہ دونوں کا محل الگ الگ ہے۔

اگر کہا جائے کہ اس حدیث پر ان بے شمار احادیث کی وجہ سے اعتراض ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے زمانے کے غیبی امور اور بعد کے بارے میں بھی خبر دی ہے اور وہ امور اسی طرح واقع ہوئے جس طرح آپ نے خبر دی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ علم کی نفی اصل وضع کے اعتبار سے ہے یعنی غیب کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات سے خاص ہے اور جو کچھ نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے بیان ہوا وہ وحی یا الہام کے ذریعے ہوا۔

اور اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کی اونٹنی گم ہو گئی تو بعض منافقین نے گفتگو کی اور کہا کہ حضرت محمد ﷺ آسمانی خبروں کے بارے میں دعویٰ کرتے ہیں لیکن آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کی اونٹنی کہاں ہے؟ جب

آپ کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمایا اللہ کی قسم میں وہی بات جانتا ہوں جو مجھے میرے رب نے بتائی اور میرے رب نے مجھے بتایا ہے کہ میری اونٹنی فلاں فلاں جگہ ہے اس کی لگام ایک درخت کے ساتھ اٹک گئی ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام تشریف لے گئے اور جس طرح آپ نے فرمایا تھا اسی طرح پایا۔[1]

تو صحیح بات یہ ہے کہ دیوار کے پیچھے یا اس کے علاوہ کو نبی اکرم ﷺ اسی صورت میں جانتے ہیں جب آپ کا رب آپ کو آگاہ فرمائے۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے ''شفاء شریف میں'' فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ ثریا میں گیارہ ستارے دیکھا کرتے تھے اور امام سہیل رحمۃ اللہ نے بارہ ستاروں کا ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن ابی ہالہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب توجہ فرماتے تو پوری طرح توجہ فرماتے اور آپ کی نگاہ جھکی ہوتی' آسمان کے مقابلے میں زمین کی طرف طویل نظر فرماتے اور آپ کا زیادہ تر دیکھنا آنکھ کے کنارے سے ہوتا تھا۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۴۵' مسند احمد ج ۵ ص ۹۷۔ ۱۰۵' المستدرک ج ۲ ص ۲۰۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۱۱۴' الشمائل رقم الحدیث: ۱۱۴' تہذیب ابن عساکر ج ۱ ص ۳۲۲)

اس حدیث میں ''ملاحظہ'' کا لفظ ہے جو ''لحظ'' سے ''مفاعلہ'' ہے اور یہ آنکھ کے کنارے سے دیکھنا ہے جو کنپٹی سے ملی ہوتی ہے اور وہ جو ناک سے ملی ہوتی ہے وہ ''موق'' اور ''ماق'' کہلاتی ہے۔

اور یہ بات کہ آپ بھرپور نظر فرماتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ نظر چراتے نہیں تھے اور یہ بھی کہا گیا کہ کسی چیز کو دیکھنے کے لیے اپنی نظر کو دائیں بائیں نہیں پھیرتے تھے کیونکہ اس طرح وہ شخص کرتا ہے جو عقل کا کمزور اور ہلکا ہو۔

بلکہ پوری طرح متوجہ ہوتے اور پوری طرح پیٹھ پھیرتے یہ بات ابن اثیر نے کہی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی آنکھیں بڑی تھیں' پلکیں طویل اور آنکھوں میں سرخ ڈورا تھا۔ (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۱۲)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا دہن مبارک کشادہ تھا' آنکھیں فراخ اور سرخی مائل اور ایڑیاں مبارک دبلی پتلی تھیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۷' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۴۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۷۔ ۱۰۳)

آنکھوں کی سفیدی میں سرخی نہایت پسندیدہ ہوتی ہے اس کو ''الشکلہ'' کہا جاتا ہے اور ''الشھلہ'' کا مطلب یہ ہے کہ سیاہی میں سرخی ہو یہی مفہوم زیادہ صحیح ہے بعض حضرات نے آنکھوں کی لمبائی مراد لی ہے وہ صحیح نہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا انہوں نے نبی اکرم ﷺ کا وصف بیان کرتے

---

[1] اس گفتگو سے واضح ہوا کہ دیوار کے پیچھے علم نہ ہونے والی حدیث ثابت نہیں ہے اور اگر ثابت بھی ہو تو اس سے آپ کے علم پر کوئی اعتراض نہیں اگر پہاڑوں کے پیچھے کی خبریں دے سکتے ہیں تو دیوار کے پیچھے کی خبر دینا آپ کے لیے مشکل نہیں لیکن اس بات کی تعلیم دی کہ علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور مخلوق کو وہ جتنا چاہے عطا فرمائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو 'ما کان و ما یکون '' جو ہو گیا اور جو ہو گا سب کا علم عطا فرمایا ۱۲ ہزاروی۔

ہوئے فرمایا چہرۂ انور میں کسی قدر گولائی تھی اور وہ سرخی مائل سفید تھا آنکھیں سرگیں اور پلکیں گھنی اور لمبی تھیں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۸' دلائل النبوۃ ج ۱ص ۲۱۳)

انہوں نے ہی حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آنکھ کی پتلی سیاہ اور پلکیں لمبی تھیں۔

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے یمن کی طرف بھیجا تو ایک دن میں خطبہ دینے کھڑا ہوا یہودیوں کا ایک عالم کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں تورات کی ایک جز تھی جسے وہ دیکھ رہا تھا اس نے جب مجھے دیکھا تو مجھ سے کہا ابوالقاسم ﷺ کا وصف بیان کیجیے میں نے کہا۔

آپ ﷺ کا قد مبارک نہ تو زیادہ لمبا تھا اور نہ ہی بہت چھوٹا' پوری حدیث بیان کی۔

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر میں خاموش ہو گیا تو اس عالم نے پوچھا کیا ہوا؟ میں نے کہا مجھے یہی یاد ہے اس عالم نے کہا کہ آپ کی آنکھوں میں سرخی تھی' داڑھی بہت اچھی تھی آپ فرماتے ہیں: میں نے کہا اللہ کی قسم آپ کی صفت یہی ہے یہودیوں کے عالم نے کہا میں نے یہ صفات اپنے آباؤ اجداد کی کتاب میں پائی ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ نبی ہیں اور آپ تمام مخلوق کی طرف رسول ہیں۔

سماعت مبارکہ

نبی اکرم ﷺ کی سماعت مبارکہ کے بارے میں اتنی بات کافی ہے آپ نے فرمایا:

انی اری ما لا ترون واسمع ما لا تسمعون' اطت السماء وحق لها ان تئط' لیس فیها موضع اربع اصابع الا وملک واضع جبهته ساجد لله تعالٰی.

بے شک میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور جو کچھ میں سنتا ہوں تم نہیں سنتے آسمان نے آواز نکالی اور اس کا حق ہے کہ وہ چرچرائے اس میں چار انگلیوں کی جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ اللہ تعالٰی کے حضور سجدہ ریزی کے لیے اپنی جبین رکھے ہوئے نہ ہو۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۰' مسند احمد ج ۵ص ۱۷۳' المستدرک ج ۲ص ۵۱۰۔ ج ۴ص ۵۴۴۔ ۵۷۹' حلیۃ الاولیاء ج ۲ص ۲۳۶' شرح السنہ ج ۱۴ص ۳۷۰' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۳۴۷' ج ۳ص ۲۶۵۔ ج ۵ص ۲۹۳' ج ۶ ص ۲۹۷' دلائل النبوۃ رقم الحدیث ۱۵۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۸۲۹۔ ۲۹۸۳۸' القاموس المحیط ج ۲ص ۳۶۲)

ابونعیم نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ نے ان سے فرمایا کیا تم وہ بات سنتے ہو جو میں سنتا ہوں؟ انہوں نے عرض کیا ہم تو کچھ بھی نہیں سن رہے آپ نے فرمایا: میں آسمان کے چرچرانے کی آواز سن رہا ہوں اور اس چرچرانے کی وجہ سے اس پر کوئی ملامت نہیں کیونکہ اس میں ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں جس پر کوئی فرشتہ سجدہ نہ کر رہا ہو یا کھڑا نہ ہو۔

پیشانی مبارک اور جسم کے بعض اعضاء [1]

رسول اللہ ﷺ کی پیشانی مبارک واضح تھی اور ابروؤں کے بال ملے ہوئے تھے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے اسی طرح آپ کا وصف بیان فرمایا ابن سعد اور ابن عساکر کے نزدیک اسی طرح ہے انہوں نے فرمایا آپ کے ابروؤں کے بال باہم ملے ہوئے تھے اور پیشانی واضح تھی۔ (طبقات ابن سعد ج۱ص۳۱۶)

حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا تو آپ ایک ایسے شخص تھے جس کا جسم خوبصورت' پیشانی بڑی اور ابرو پتلے ہوں۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

جبينه مشرق من فوق طرته	يتلو الضحى ليله والليل كافره
بالمسک خطت على كافور جبهته	من فوق نوناتها سينا ضفائره
مكحل الخلق ما تحصي خصائصه	منضر الحسن قد قلت نظائره

''آپ کی مبارک پیشانی چمکتی تھی اور دستار مبارک کے کناروں سے چمک تجاوز کر جاتی اور آپ کا نور بالوں کی سیاہی پر غالب آ جاتا اور بالوں کی سیاہی اس روشنی کو چھپانے والی تھی (تاکہ لوگ آپ کی طرف دیکھ سکیں) آپ کی مبارک پیشانی کے کافور پر مینڈھیوں نے پیشانی کے نونوں پر سین لکھ دیا تھا۔ آپ کی تخلیق مکمل تھی اور خصائص بے شمار ہیں حسن اس قدر زیادہ کہ اس کی نظیر قلیل (یعنی معدوم) ہے''۔

ابن ابی ہالہ نے کہا کہ آپ ''ازج الحواجب'' تھے اور اس کی وضاحت یوں کی کہ آپ کی پلکیں لمبی کمان کی طرح تھیں اور بال کانوں تک تھے پھر فرمایا: آپ کی پلکیں دراز تھیں اور ملی ہوئی نہ تھیں ان کے درمیان ایک رگ تھی جو غصے کے وقت خوب سرخ ہو جاتی اور بھری ہوئی ہوتی جس طرح دودھ آنے کی صورت میں تھن بھر جاتے ہیں۔

حضرت مقاتل بن حیان فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اے پاک اور لوگوں سے دور رہنے والی خاتون کے بیٹے! سنیں اور مانیں میں نے آپ کو باپ کے بغیر پیدا کر کے تمام جہان والوں کے لیے نشانی بنایا ہے پس میری ہی عبادت کریں اور مجھ ہی پر بھروسہ کریں اور اہل سوران کی طرف جائیں (اور کہیں) کہ میں اللہ ہوں جو زندہ قائم رکھنے والا ہے جس کے لیے زوال نہیں ہے۔ اس نبی امی کی تصدیق کرو جو اونٹوں' زرہ' عمامہ' نعلین اور عصا مبارک والے ہوں گے اور ان کے بال زیادہ گھنگھریالے نہیں ہوں گے' پیشانی واضح ہوگی' پلکوں کے بال گھنے ہوں گے' جوڑوں اور کندھوں کے درمیان جگہ مضبوط ہوگی' آنکھیں سرمگین' ناک مبارک پتلی اور لمبی ہوگی' رخسار واضح اور داڑھی گھنی ہوگی اور آپ کے چہرے پر پسینہ موتیوں کی طرح ہوگا اور اس سے کستوری کی خوشبو آئے گی اور گردن مبارک چاندی کی طرح سفید ہوگی۔ (الکاشف ج۳ص۱۵۱' تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۱۷۴' التہذیب ج۱۰ص۲۷۷' میزان الاعتدال ج۴ص۱۷۱' طبقات المفسرین ج۲ص۳۲۹)

---

[1] (دلائل النبوۃ ج۱ص۲۱۴' البدایۃ النہایہ ج۶ص۱۷)

جو کچھ ابن ابی ہالہ نے بیان کیا ہے وہ حضرت مقاتل بن حیان کی حدیث اور حضرت ام معبد کی روایت کے خلاف ہے انہوں نے فرمایا کہ آپ کے ابرو ملے ہوئے تھے۔

ابن اثیر نے کہا پہلی بات زیادہ صحیح ہے یعنی آپ کے دونوں ابرو ملے ہوئے نہ تھے۔

کئی لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کا وصف یوں بیان کیا کہ آپ عظیم الھامۃ تھے یعنی آپ کا سر انور (مناسب حد تک) بڑا تھا' ابن ابی ہالہ کی مشہور حدیث میں اسی طرح ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ضخم الراس'' یعنی سر انور بڑا تھا اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کر کے صحیح قرار دیا اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا اور صحیح بخاری کے مطابق حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ کی ہڈیوں کے کنارے بڑے تھے جس طرح امام ترمذی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی ہی کی روایت ہے کہ آپ کے گھٹنے' کہنیاں اور کاندھے بھی بڑے بڑے تھے (کاندھوں کے ملنے کی جگہ مراد ہے)۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۷-۳۶۳۸)

اور ناک کے اوپر والا حصہ پتلا تھا حضرت ابن سعد اور ابن عساکر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کا وصف یوں نقل کیا کہ ناک مبارک کا درمیان والا حصہ بلند تھا ابن ابی ہالہ نے فرمایا: کہ آپ کی ناک مبارک پتلی' لمبی اور نورانی تھی جو شخص اس میں غور نہ کرتا وہ ناک مبارک کے بانسے کو لمبا سمجھتا تھا۔

دہن مبارک [1]

آپ کے دہن مبارک کے حوالے سے ''صحیح مسلم میں'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے آپ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا دہن مبارک کشادہ تھا ابن ابی ہالہ نے اسی طرح بیان کیا ہے آپ کلام شروع کر کے کناروں پر ختم کرتے اور اس کی وجہ دہن مبارک کی کشادگی تھی۔

اور اہل عرب کے ہاں منہ کا کشادہ ہونا قابل تعریف ہے اور منہ کا چھوٹا ہونا قابلِ مذمت ہے۔

شمر بن عطیہ اسدی الکاہلی الکوفی نے کہا کہ آپ کے دانت مبارک بڑے تھے۔ (الکاشف ج ۲ ص ۱۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت جسے بزار اور بیہقی نے نقل کیا ہے اس میں آپ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے رخسار مبارک سفید اور دہن مبارک کشادہ تھا۔

ابن ابی ہالہ نے آپ کے وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: آپ کے دانتوں کے درمیان قدرے کشادگی تھی اور وہ چمکتے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ آپ کے سامنے کے دانت چمکتے تھے۔ ابن سعد نے اسے حضرت

[1] (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۱۴)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

ابن عساکر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ کے سامنے والے دانت چمکتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے دانتوں کے درمیان (قدرے) وقفہ تھا۔ جب آپ گفتگو کرتے تو یوں معلوم ہوتا کہ سامنے والے دانتوں سے نور نکل آیا ہے یہ بات امام ترمذی نے شمائل میں ذکر کی ہے نیز امام دارمی نے بھی اور امام طبرانی نے ''الاوسط میں'' اسے نقل کیا۔

(مجمع الزوائد ج۸ص۲۷۹' دلائل النبوۃ ج۱ص۲۱۵)

رسول اللہ ﷺ کے ہونٹ مبارک تمام لوگوں کے ہونٹوں سے زیادہ خوبصورت تھے اور دہن مبارک سب سے زیادہ لطیف تھا۔

بحر من الشھد فی فیہ مراشفہ یاقوتہ صدف فیہ جواھرہ

''آپ کے دہن مبارک میں شہد کا سمندر ہے اور آپ کی زبان مبارک یاقوت ہے اور ایسا صدف ہے جس میں اس کے موتی ہیں''۔

حضرت ابوقر صافہ (معروف صحابی) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں' میری ماں اور میری خالہ نے نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی جب ہم واپس ہوئے تو میری ماں اور خالہ نے مجھ سے کہا بیٹا! ہم نے ان کی طرح خوبصورت چہرے' صاف کپڑوں اور نرم گفتگو والا کوئی شخص نہیں دیکھا اور ہم نے دیکھا کہ گویا آپ کے دہن مبارک سے نور نکل رہا ہے۔ (الاصابہ ج۱ص۲۶۳)

لعاب مبارک [1]

نبی اکرم ﷺ کے لعاب مبارک سے متعلق ''صحیح بخاری و مسلم میں'' حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ خیبر کے دن نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کل میں اس شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اس سے محبت کرتے ہیں جب دوسرے دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہر ایک کو امید تھی کہ آپ ان کو جھنڈا عطا فرمائیں گے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: حضرت علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کہاں ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے' آپ نے فرمایا: ان کو بلاؤ جب ان کو لایا گیا تو نبی کریم ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعاب مبارک لگایا جس سے وہ ٹھیک ہو گئے گویا انہیں کوئی تکلیف نہ تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۴۲۔۲۹۷۵۔۳۷۰۱۔ ۴۲۱۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۲' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۲۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۱' مسند احمد ج۴ص۵۲' السنن الکبریٰ ج۹ص۱۳۱' دلائل النبوۃ ج۴ص۲۰۸۔۲۱۳' مجمع الزوائد ج۹ص۱۲۳' المعجم الکبیر طبرانی ج۱۸ص۲۳۷' التمہید ج۲ص۲۱۸' اتحاف السادۃ

[1] (دلائل النبوۃ ج۶ص۲۲۶)

المتفقین ج ۱ص ۱۰۶۔ ج ۷ص ۱۸۸' حلیۃ الاولیاء ج ۴ص ۳۵۶' المستدرک ج ۳ص ۴۳۷)

اور پانی کا ایک ڈول لایا گیا آپ نے اس سے نوش فرمایا پھر کنویں میں ڈال دیا راوی فرماتے ہیں یا کنویں میں کلی کر کے پانی ڈالا تو اس سے کستوری کی خوشبو آنے لگی اس حدیث کو امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۵۹۔ ۶۶۰' مسند احمد ج ۴ص ۳۱۵)

نبی اکرم ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں کنویں میں لعاب مبارک ڈالا تو مدینہ طیبہ میں اس سے میٹھا پانی نہ تھا۔

نبی اکرم ﷺ عاشورہ کے دن ان بچوں کو جو آپ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بچوں کو بلاتے اور ان کے مونہوں میں لعاب مبارک ڈالتے اور ان کی ماؤں سے فرماتے ان کو رات تک دودھ نہ پلانا چنانچہ ان کو آپ کا لعاب مبارک ہی کافی ہوتا۔

(دلائل النبوۃ ج ۶ص ۲۲۶' مجمع الزوائد ج ۳ص ۱۸۶' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۰۰۸' الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۸ص ۸۱)

حضرت عمیرہ بنت مسعود اور ان کی بہنیں رضی اللہ عنہن نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بیعت ہونے کے لیے حاضر ہوئیں اور یہ پانچ تھیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ خشک گوشت کے ٹکڑے تناول فرما رہے ہیں آپ نے ان (خواتین) کے لیے گوشت چبایا اور پھر ان میں سے ہر ایک نے ایک ایک ٹکڑا چبایا تو دنیا سے رخصت ہونے تک ان کے مونہوں سے بدبو نہیں آئی۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت عقبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ کی پیٹھ اور پیٹ پر لعاب ڈال کر ہاتھ پھیرا اور انہیں پھنسیاں تھیں تو انہوں نے اس سے اچھی خوشبو کبھی نہیں سونگھی۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو سخت پیاس لگی ہوتی تھی نبی اکرم ﷺ نے ان کی زبان کو چوسا تو ان کی پیاس ختم ہو گئی۔

امام العارفین حضرت سیدی محمد وفا شاذلی رحمۃ اللہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے انہوں نے کیا خوب فرمایا:

جنی النحل فی فیه و فیه حیاتنا ولکنه من لی بلثم لثامه

رحیق الثنایا والمثانی تنفست اذا قال فی فیح بطیب ختامه

''آپ کے دہن مبارک میں شہد ہے' میٹھا کلام ہے اور اس میں ہماری زندگی ہے لیکن کون میرے لیے اس کو ظاہر کرنے کی ضمانت دے گا (تاکہ میں عالم بیداری میں زیارت کروں) وہ صاف ستھری شراب اور خوبصورت آواز ہے جب کلام کرتے ہیں تو خوشبو پھیلتی ہے جو کستوری سے مہر شدہ ہے''۔

رسول اکرم ﷺ کی فصاحت

جہاں تک نبی اکرم ﷺ کی زبان کی فصاحت' کلمات کے جامع ہونے اور عمدہ فی البدیع بیان کا تعلق ہے تو آپ تمام مخلوقِ خداوندی سے زیادہ فصیح تھے آپ کا کلام سب سے میٹھا اور ادائیگی میں سب سے جلد ادا ہونے والا تھا اور گفتگو

نہایت شیریں تھی حتیٰ کہ آپ کا کلام مبارک دلوں کے ریشہ ریشہ میں پیوست ہو جاتا اور ارواح کو نکال لیتا تھا۔

(طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۸۳' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۷۹' البدایۃ النہایہ ج ۶ ص ۳۰' الشفاء ج ۱ ص ۷۰)

ینظم درالثغر نثر مقولہ فیا حسنہ فی نثرہ و نظامہ

یناجی فینجی من یناجی من الجوی فکل کلیم برؤہ فی کلامہ

''آپ نثر میں کلام کرتے' سامنے کے دانت مبارک موتیوں کی طرح چمکتے' پس آپ کی نثر و نظم کا حسن تعجب خیز ہے۔ آپ کلام فرماتے تو مخاطب کو عشق کی تکلیف سے نجات مل جاتی آپ کے کلام میں ہر زخمی کے لیے شفاء تھی''۔

نبی اکرم ﷺ کی زبان اقدس کی فصاحت ایک ایسی انتہا ہے جس تک رسائی نہیں ہو سکتی اور ایک ایسی منزل ہے جس کی انتہا کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان مبارک کو اپنی تلواروں میں سے ایک تلوار قرار دیا جو اس کی مراد کو بیان کرتی تھی اور اس کے ذریعے آپ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کی طرف بلاتے تھے نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حکمتوں کو بیان فرماتے اور اس کے ذکر کی حقیقت سے اس کی مراد کو واضح فرماتے۔

آپ بولتے تو تمام مخلوق سے زیادہ فصیح ہوتے اور جب وعظ فرماتے تو سب سے زیادہ خیر خواہی کرنے والے ہوتے تھے آپ نامناسب اور غیر شائستہ بات نہ فرماتے آپ کی مکمل گفتگو کا نتیجہ علم ہوتا تھا اور وہ شریعت اور حکمتوں کی تعمیل پر مبنی ہوتا کسی شخص کی گفتگو نبی اکرم ﷺ کی گفتگو سے زیادہ مضبوط اور اس سے زیادہ شیریں نہیں ہوتی تھی۔

آپ اللہ تعالیٰ کی مراد کو اپنی زبان مبارک سے بیان فرماتے تھے اور آپ اپنے بیان سے اللہ تعالیٰ کے بندوں پر حجت قائم فرماتے اس کے فرائض' اوامر اور نواہی کو واضح فرماتے اس کے وعدہ وعید اور سزاؤں اور ہدایت کے سلسلے میں آپ وضاحت فرماتے تھے آپ کا قلب پاک تمام مخلوق سے زیادہ مضبوط' آپ کی زبان سب سے زیادہ فصیح اور بیان سب سے زیادہ واضح ہوتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کلام فرماتے تو آپ کا کلام نہایت واضح اور مفصل ہوتا جس کو لوٹانے والا لوٹا سکتا تھا' اس قدر جلدی نہ ہوتا کہ کوئی یاد نہ رکھ سکے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تم لوگوں کی طرح تیزی سے نہیں بولتے تھے آپ اس طرح گفتگو فرماتے کہ کوئی شخص اس کو لوٹانا چاہے تو لوٹا سکے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۵۵' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۹' مسند احمد ج ۶ ص ۱۱۸۔ ۱۳۸۔ ۱۵۷۔ ۲۵۷)

اور آپ ایک کلمہ تین بار لوٹاتے تا کہ سمجھا جا سکے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۴۰)

آپ فرماتے تھے: کہ میں تمام عرب والوں سے زیادہ فصیح ہوں۔ (کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۳۲۔ ج ۲ ص ۸۵۰' المغنی عن حمل الاسفار ج ۲ ص ۳۶۴' الاسرار المرفوعہ ص ۱۱۷' الشفاء ج ۱ ص ۸۰) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا وجہ ہے

کہ آپ ہم سب سے زیادہ فصیح ہیں جب کہ ہمارے درمیان سے تشریف نہیں لے گئے؟ آپ نے فرمایا: میں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی لغت پڑھی ہے حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے یہ یاد کرائی۔

(المغنی ج ۲ ص ۳۶۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۴۶۲)

عسکری نے ''الامثال میں'' ایک ضعیف سند سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں بنو ہند نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (مکمل حدیث ذکر کی) اور اس میں ان کے خطبہ اور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے جواب کا ذکر بھی فرمایا وہ فرماتے ہیں: ہم نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! ہم اور آپ ایک ہی باپ (دادا) کی اولاد ہیں اور ایک ہی شہر میں پیدا ہوئے اور آپ اہل عرب سے ایسی زبان میں کلام کرتے ہیں کہ اس میں سے اکثر کو ہم نہیں سمجھ پاتے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور خوب سکھایا اور میری پرورش بنو سعد بن بکر میں ہوئی ہے (اور ان کی فصاحت مشہور ہے)۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۶۷۳)

حضرت محمد بن عبد الرحمٰن زہری اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا کوئی شخص اپنی عورت کو ٹال سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جب کہ مفلس ہو (اس شخص نے ''یدالک'' کا لفظ استعمال کیا تھا اور آپ نے مفلج کا لفظ استعمال فرمایا) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! اس شخص نے آپ سے کیا کہا تھا اور آپ نے کیا جواب دیا؟ آپ نے فرمایا: اس نے پوچھا تھا کیا کوئی شخص اپنی عورت کو ٹال سکتا ہے؟ تو میں نے کہا ہاں جب مفلس ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں تمام عرب میں گھوما پھرا ہوں اور میں نے ان کے فصحاء کو بھی سنا ہے لیکن میں نے آپ سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں سنا۔ آپ نے فرمایا مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور میری پرورش بنو سعد میں ہوئی ہے۔

قاموس (لغت کی کتاب) میں ہے (دائکہ یعنی ماطلہ ٹال مٹول کرنا) اور مفلج میم پر پیش اور فاء پر زبر ہے یہ الفج سے اسم فاعل ہے ''الفج الرجل وھو مفلج'' اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص فقیر ہو اور یہ غیر قیاسی ہے جیسے احصن سے محصن (صاد پر زبر کے ساتھ) اسھب سے مسھب بھی عین کلمہ کے فتح کے ساتھ ہے یہ الفاظ شاذ (غیر قیاسی ہیں) قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ان پر کسرہ (زیر) ہو لیکن ابن اثیر نے کہا ہے کہ صرف تین حروف یعنی اسھب' احصن' اور الفج میں یہ صورت ہے۔ دوسرے حضرات نے فرمایا کہ ''ایدالک'' کا معنی یہ ہے' کیا کوئی شخص اپنی بیوی سے جماع سے پہلے کھیل کود کر سکتا ہے اور اس کو مطل قرار دیا کیونکہ اس کی سب سے بڑی غرض جماع ہے آپ نے فرمایا ہاں جب عاجز ہو' تا کہ یہ بات شہوت کو حرکت دے اور اس کے عاجز ہونے کی وجہ سے اسے مفلس قرار دیا۔

(القاموس المحیط الفیروز آبادی ج ۳ ص ۳۱۲)

ابن اثیر نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ مہر کی ادائیگی میں ڈھیل کرے اگر فقیر ہو۔ اور وہ جو مروی ہے کہ میں ''ضاد'' کی ادائیگی کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ فصیح ہوں تو ابن کثیر نے کہا اس کی کوئی اصل نہیں۔ (امام قسطلانی

فرماتے ہیں) لیکن اس کا مفہوم صحیح ہے۔ واللہ اعلم

(الدررالمنتثرۃ ص ۲۳' کشف الخفاء ج اص ۲۳۲' تذکرۃ الموضوعات ص ۸۷'الاسرارالمرفوعہ ص ۱۱۶'الفوائدالمجموعہ ص ۳۲۱)

فصاحت کی تعریف

فصاحت کی تعریف یہ ہے کہ کلمہ تنافر' غرابت اور مخالفتِ قیاس سے خالی ہو۔

تنافر سے مراد یہ ہے کہ حروف کے مخارج قریب قریب ہوں جیسے "غدائرہ مستشزرات الی العلاء" اس میں سین' شین' تاء اور زاء کے مخارج قریب قریب ہیں اور غرابت یہ ہے کہ کلمہ میں کسی دوسرے معنیٰ کا احتمال ہونے کی وجہ سے وہ پہلے مرحلہ میں مراد پر دلالت نہ کرے۔

اور مخالفتِ قیاس یہ ہے کہ کلمہ خلافِ قیاس استعمال ہو جس طرح ایک کلمہ میں ایک جیسے دو حرفوں کو ادغام کے بغیر چھوڑ دینا جیسے الحمد للہ العلی الاجلل۔ الاجلل میں لام کا دوسرے لام میں ادغام نہیں کیا گیا اور فصاحت' کلام' کلمہ اور متکلم تینوں میں ہوتی ہے۔

اور بلاغت کا مطلب یہ ہے کہ فصاحت کے ساتھ ساتھ کلام حال کے تقاضے کے مطابق ہو' عمدہ کلام ہو' رکیک (گھٹیا) کلام نہ ہو۔

آپ ﷺ کی بلاغت اور اقوال کے کچھ نمونے

رسول اکرم ﷺ کی فصاحت معجزہ کی حد تک پہنچی ہوئی تھی اور اس کی انتہا یہ تھی کہ وہ ذہنوں سے پہلے دلوں کو پھاڑتی تھی اور کانوں کو کھٹکھٹانے سے پہلے پسلیوں کو کھٹکھٹاتی تھی جو نہایت صاف اور فوقیت رکھنے والی تھی آپ کے لیے تمام انسانوں پر حقوق ثابت ہیں جو نافرمانی کے مقابل نہیں ہیں۔

رسول اکرم ﷺ جامع کلمات اور بدیع حکمتوں کے مالک تھے کھٹکھٹانے والی جھڑک' اور ایسے اوامر و اوصاف کے مالک تھے جو آپ پر ختم اور جاری ہیں پھیلے ہوئے موتی اور روشن چمکتے ہوئے ستارے' مضبوط فیصلے اور وصیتیں اور وہ مواعظ جو دلوں کے لیے فیصلہ کن اور ایسے دلائل جو سخت جھگڑالو مخالف کو بھی لگام ڈال دے' کے مالک تھے۔

نبی اکرم ﷺ کے حق میں یہ وصف بھی کم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں آپ کے فضل و شرف کو زیادہ کیا ہے۔

امام حاکم نے اپنی "مستدرک میں" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کرتے ہوئے اس بات کو صحیح قرار دیا کہ جنتی حضرت محمد ﷺ کی لغت (زبان) میں کلام کریں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی فصاحت کا علم کسی دلیل کا محتاج نہیں اور کوئی موافق و مخالف اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

علماء کرام (جیسے ابن سنی' قضاعی' اور ابن صلاح وغیرہ) نے نبی اکرم ﷺ کے یکتا' مختصر اور بدیع کلام کو جمع کیا ہے۔ جس کے لیے پہلی کتب نے سبقت نہیں کی اور حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ کی کتاب "الشفاء میں" اس قدر ہے کہ اس سے علیل آدمی شفاء پائے جیسا کہ آپ نے فرمایا:

المرء مع من احب — انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٦١٦٨' صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٠٣٤' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٥١٢٧' الضعفاء ج ٢ ص ٥٩٠' جامع ترمذی رقم الحدیث:٢٣٨٦' مسند احمد ج ١ ص ٣٩٢' الشفاء ج ١ ص ٧٨)

نیز فرمایا:

اسلم تسلم یوتک اللہ اجرک مرتین۔ — اسلام قبول کرو محفوظ ہو جاؤ گے (اور) اللہ تعالیٰ تمہیں دوگنا اجر دے گا۔

اور فرمایا:

السعید من وعظ بغیرہ — نیک بخت وہ ہے جو دوسروں کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرے۔

(الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث:٩٣' اتحاف السادۃ المتقین ج ١٠ ص ٢٣٥' الدر المنثور ج ٢ ص ٢٢٥' سنن ابن ابی عاصم ج ١ ص ٧٨' الاسرار المرفوعہ ص ٢١٦' الفوائد المجموعہ رقم الحدیث ٤٥٦' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث ٢٠٠' الشفاء ج ١ ص ٨٠' مناہل الصفاص ص ٥٢ رقم الحدیث:١٢٠)

اور جو کچھ ''الشفاء میں'' ذکر نہیں کیا گیا ان کلمات میں سے یہ ہیں:

انما الاعمال بالنیات. — بے شک اعمال (کے ثواب) کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

اور فرمایا:

لیس للعامل من عملہ الا ما نواہ — عمل کرنے والے کے لیے اس کے عمل سے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔

ان دو حدیثوں کے تحت علم کے خزانے جمع ہیں اسی لئے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ حدیث ''انما الاعمال بالنیات'' نصف علم میں داخل ہے اس لئے کہ دین کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور نیت باطن سے متعلق ہے اور عمل کا ظاہر سے تعلق ہے نیز نیت دل کی عبادت ہے اور عمل اعضاء کی عبادت ہے۔

بعض ائمہ (جیسے امام احمد' ابن حدینی اور ابوداؤد رحمہم اللہ) نے فرمایا کہ یہ حدیث دین کا تہائی حصہ ہے کیونکہ دین قول' عمل اور نیت کا نام ہے۔

اس کے علاوہ آپ نے یہ بھی فرمایا:

نیۃ المرء خیر من عملہ. — آدمی کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

(المعجم الکبیر ج ٦ ص ٢٢٨' اتحاف السادۃ المتقین ج ١٠ ص ١٥' حلیۃ الاولیاء ج ٣ ص ٢٥٥' الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث:١٦٦' کشف الخفاء ج ٢ ص ٤٣٨' المغنی عن حمل الاسفار ج ٤ ص ٣٥٥)

بعض محدثین نے فرمایا کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا صحیح ثابت نہیں (یعنی یہ حضور علیہ السلام کا قول نہیں) قضاعی (ابوعبد اللہ محمد بن سلامہ مصری) نے اسماعیل بن عبد الرحمٰن الصفاء سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: ہمیں حضرت علی بن عبد اللہ الفضل نے خبر دی ہے وہ فرماتے ہیں ہم سے حضرت محمد بن حنیفہ واسطی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے حضرت محمد بن عبد اللہ حلبی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے یوسف بن عطیہ نے بیان کیا وہ بواسطہ حضرت ثابت' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا:

نیۃ المؤمن ابلغ من عملہ. مؤمن کی نیت اس کے عمل کے مقابلے میں ابلغ (زیادہ پہنچنے والی) ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۱۵)

اور انہوں نے فرمایا کہ اس سند میں کوئی روشنی نہیں (یعنی ضعیف ہے) اور یوسف بن عطیہ متروک الحدیث ہے۔

حضرت عثمان بن عبد اللہ شامی نے حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا:

نیۃ المومن خیر من عملہ ونیۃ الفاجر شر من عملہ

مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور فاجر (کافر) کی نیت اس کے عمل سے زیادہ بری ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۱۵' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۶۱۔۱۰۹' تاریخ بغداد ج ۹ ص ۲۳۷)

ابن عدی نے کہا کہ عثمان بن عبد اللہ شامی کی بہت سی موضوع روایات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے اور ابن جوزی نے کہا اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں اور کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نیت پوشیدہ چیز ہے اور عمل ظاہر ہے اور پوشیدہ عمل افضل ہوتا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر وفکر کی نیت کرے تو اس کی یہ نیت ذکر وفکر سے بہتر ہوگی حالانکہ یہ بات صحیح نہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ محض نیت اس عمل سے بہتر ہے جو نیت کے بغیر ہو اور یہ بات بھی عقل سے دور ہے کیونکہ جب عمل نیت سے خالی ہو تو اس میں بھلائی بالکل نہیں ہوگی۔

یہ بھی کہا گیا کہ نیت دل کا عمل ہے اور فعل' اعضاء کا عمل ہے اور دل کا عمل' اعضاء کے عمل سے بہتر ہے کیونکہ دل' اعضاء کا سردار ہے اور اس کے اور اعضاء کے درمیان ایک تعلق ہے جب دل کو تکلیف ہوتی ہے تو جسم مضطرب ہو جاتا ہے اور رنگ بدل جاتا ہے بے شک دل بادشاہ نگران ہے اور اعضاء اس کا لشکر اور رعایا ہیں اور بادشاہ کا عمل' رعایا کے عمل سے ابلغ ہوتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ جب نیت تمام اعمال کی اصل' روح اور مغز ہے اور اعمال اس کے تابع ہیں تو اس کی صحت سے اعمال صحیح ہوں گے اور اس کے فساد سے اعمال میں فساد پیدا ہوگا۔ اور یہ نیت ہی اچھے عمل کو فاسد عمل میں بدلتی ہے اور غیر صالح عمل کو صالح بنا دیتی ہے جس پر ثواب ملتا ہے اور اس پر جو ثواب ملتا ہے وہ عمل کے ثواب سے دوگنا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے۔

ابوبکر بن درید[1] نے اپنی کتاب "مجتبیٰ" میں فرمایا: (اور اللہ بہتر جانتا ہے) کہ مؤمن اچھے کاموں میں سے بعض کی نیت کرتا ہے جیسے صدقہ اور روزہ وغیرہ تو ہوسکتا ہے وہ عمل سے عاجز ہو جائے لیکن اس نے نیت کر رکھی تھی تو اس کی یہ نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۹۳' راجع البخاری رقم الحدیث: ۶۴۹۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲-۳-۴-۲۵۹' سنن دارمی رقم الحدیث: ۷۰' مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۹)

نبی اکرم ﷺ کا ایک ارشاد گرامی یوں ہے۔

یا خیل الله ارکبی. اے اللہ کے لشکر! سوار ہو جاؤ۔

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۹۰' الکاف الشاف ص ۹۷۷' تفسیر الطبری ج ۶ ص ۱۳۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۳۶۳)

اسے ابوالشیخ[2] نے "الناسخ والمنسوخ میں" حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے اور عسکری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے' ابن عائذ نے مغازی میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

ابن عائذ کے نزدیک اس کے الفاظ یوں ہیں فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ اس دن یعنی غزوۂ احزاب کے دن ایک منادی بھیجا کہ وہ یوں ندا کرے "یا خیل الله ارکبی" عسکری نے اور ابن درید نے "اپنی مجتبیٰ میں" کہا کہ یہ مجاز کے طور پر ہے آپ کا ارادہ یہ تھا کہ اے اللہ کے گھوڑوں پر سوار لوگو! سوار ہو جاؤ تو آپ نے مختصر طور پر فرمایا۔[3]

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

الولد للفراش وللعاهر الحجر. بچہ بستر والے (باپ) کے لیے ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۵۳-۲۲۱۸-۲۷۴۵-۴۳۰۳-۶۸۱۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۷۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۰۶' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۵۷' مسند احمد ج ۱ ص ۵۹' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۹۷' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۵۲' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۰۸۵' الدر المنثور ج ۲ ص ۳۳۵' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۳-ج ۷ ص ۲۵۱' السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۸۶' دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۸۹)

اس حدیث کو امام بخاری' امام مسلم اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے اس کا معنیٰ یہ ہے (اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) کہ زانی کا حصہ پتھر ہے بچے کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں اور کہا گیا ہے کہ اس کا حصہ سختی ہے یعنی اس پر حد نافذ کی جائے جس کی انتہا پتھر سے مارنا ہے اور یہ بھی کہا کہ پتھر سے یہاں کنایہ مراد ہے کہ جب وہ عورت اس کی بیوی نہیں ہے تو بچے کی طرف اس کا رجوع ذلت ورسوائی کے ساتھ ہوگا۔ (واللہ اعلم)

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] ابوبکر محمد بن حسن بن درید اموی بصری تھے لغت بصری کا علم ان پر ختم تھا باقی تمام لوگوں سے ان کا حفظ اور علم بڑھا ہوا تھا اور وہ اشعار پر بہت قدرت رکھتے تھے۔ ساٹھ سال تک علم کی خدمت کی وہ ۲۲۳ھ میں پیدا ہوئے اور رمضان ۳۲۱ھ میں عمان میں انتقال فرمایا۔ (زرقانی جلد ۴ ص ۱۰۸)

[2] ابوالشیخ سے مراد عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حیان اصبہانی ہیں' حافظ' امام' مصنف' ثقہ تھے محرم الحرام ۳۶۹ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

[3] حدیث کے الفاظ یوں ہیں کہ اے اللہ کے گھوڑو! سوار ہو جاؤ اور مراد سوار ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

كل الصيد فى جوف الفرا. ہر شکار جنگلی گدھے کے پیٹ میں ہے۔

فرا میں فاء پر زبر ہے اور جنگلی گدھے کو فرا کہا جاتا ہے اور اسے رامھرمزی [1] نے ''الامثال میں'' نقل کیا ہے اس کی سند جید (عمدہ) ہے لیکن مرسل ہے (یعنی صحابی کا ذکر نہیں ہے) عسکری کے نزدیک بھی اسی طرح ہے اور وہ فرماتے ہیں: ''جوف'' فرمایا یا جنب (پہلو)۔ (الاعلام ج ۲ ص ۱۹۴' تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۹۰۵' یتیمۃ الدہر ج ۳ ص ۴۹۰)

ان الفاظ کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو مخاطب کیا۔

پہلے پہل وہ آپ سے دشمنی رکھتے تھے اور آپ کے خلاف اشعار کہتے تھے جب وہ اسلام قبول کر کے حاضر ہوئے تو آپ نے یہ الفاظ فرمائے۔

گویا آپ نے فرمایا: کہ جنگلی گدھے کا شکار سب سے بڑے جانور کا شکار ہے اور باقی تمام شکار اس سے نچلے درجہ میں ہیں جس طرح آپ (سفیان بن حارث) میرے خاندان کے بڑے لوگوں میں سے ہیں میرے ساتھ آپ کا سب سے زیادہ قرب ہے اور جو لوگ میرے پاس آئے ہیں آپ ان میں سے زیادہ معزز و مکرم ہیں دوسرے اس سے نچلے درجہ میں ہیں۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الحرب خدعة. لڑائی ایک چال ہے۔

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی کو خدعہ کا نام دیا امام مسلم کے نزدیک ''نام رکھا'' کے الفاظ نہیں ہیں اور '' خدعة '' کی خاء پر زبر' زیر' پیش تینوں آتے ہیں لیکن زبر مشہور ہے اور دال ساکن ہے۔

ثعلب وغیرہ نے کہا کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لغت ہے (یعنی خاء پر زبر) اور دوسری لغت خاء پر پیش دال ساکن اور تیسری لغت میں خاء پر پیش اور دال پر زبر ہے۔

یہ بات آپ نے غزوۂ احزاب کے دن فرمائی جب آپ نے نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور فرمایا کہ قریش' غطفان اور یہودیوں کے درمیان لڑائی پیدا کریں (ایک دوسرے سے متنفر کریں) اور اس سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ کثرت کی بجائے حسن تدبیر زیادہ نفع بخش ہوتی ہے۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ لڑائی کے دوران کفار کے مقابلے میں کوئی چال اختیار کرنا جائز ہے جیسے بھی ممکن ہو لیکن نہ تو عہد توڑے اور نہ امن دینے کے بعد اس کی خلاف ورزی کرے۔

اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

ایاکم و خضراء الدمن. مینگنی کے ڈھیر پر اُگنے والی سبزی سے بچو۔

یہ حدیث الرامھرمزی نے اور العکسری نے ''الامثال میں'' ذکر کی ہے ابن عدی نے اسے الکامل میں ابوبکر بن درید

[1] رامھرمزی' حافظ' متقی تھے ان کا نام ابومحمد حسن بن عبدالرحمٰن فارسی تھا اور بڑے بڑے ائمہ میں سے تھے۔ ۳۶۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

نے "المجتبیٰ میں" قضاعی نے "مسند شہاب میں" اور دیلمی نے واقدی سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں:

ہم سے محمد بن سعید بن دینار نے بیان کیا انہوں نے ابو وجزہ بن یزید بن عبید سے انہوں نے عطاء بن یزید لیثی سے اور انہوں نے حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ سے مرفوعاً روایت کیا عرض کیا گیا یا رسول اللہ! اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا وہ خوبصورت عورت جو برے خاندان سے تعلق رکھتی ہو۔ (الاعلام ج ۶ ص ۸۰' المعجم الادباء ج ۵ ص ۲۹۶' فیات الاعیان ج ۱ ص ۴۹۷' طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۱۴۵' نزہۃ الالباء رقم الحدیث: ۳۲۲' المعجم الشعراء رقم الحدیث: ۴۶۱' تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۹۵' خزانۃ الادب ج ۱ ص ۴۹۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۸۹' الاحکام النبوۃ ج ۲ ص ۲۲' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۲۷)

ابن عدی نے کہا کہ اس میں واقدی متفرد ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ خراب عورتوں سے نکاح کو آپ نے ناپسند فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ بری رگیں اس کی اولاد کو کھینچتی ہیں۔

اس حقیقت کی وضاحت یوں ہے کہ ہوا مینگنیوں کو زمین کے ایک ٹکڑے میں جمع کرتی ہے پھر اس پر مٹی جمع ہوتی ہے جب بارش ہوتی ہے تو اس سے تازہ عمدہ سبزی اُگتی ہے جو ادھر ادھر جھکتی ہے لیکن اس کے نیچے اصل خبیث ہے پس اس کا ظاہر اچھا اور باطن قبیح فاسد ہوتا ہے **الدمن** ' **دمنۃ** کی جمع ہے۔

زفر بن حارث کا شعر ہے:

وقد ینبت المرعی علی دمن الثری وتبقی حزازات النفوس کما ھیا

"بعض اوقات نمناک گوبر پر سبزی اُگتی ہے اور دلوں کا کینہ پہلے کی طرح باقی رہتا ہے"۔

اس شعر کا معنیٰ یہ ہے کہ دو آدمی بعض اوقات صلح اور محبت کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ ان کے اندر بغض و عداوت ہوتی ہے جس طرح چارہ (سبزی) مینگنیوں کے ڈھیر پر اُگتا ہے یہ قاعدہ عام طور پر پایا جاتا ہے یا ہمارے زمانے میں ہر کلی قاعدہ ہے (سب کی یہی حالت ہے) ہمارے شیخ (امام سخاوی نے المقاصد الحسنہ میں) اسی بات کی طرف اشارہ کیا۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الانصار کرشی و عیبتی۔ انصار میری اوجھ (معدہ) اور میرا صندوق ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۰۱' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۹۰۷' مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۶۔۱۸۸۔۲۰۱' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۲۰۱' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۷' شرح السنۃ ج ۱۴ ص ۱۶۷' الدر المنثور ج ۳ ص ۲۷۰)

اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے یعنی یہ میری پوشیدہ باتوں کی جگہ اور راز دان ہیں دونوں لفظوں کا یہی مطلب ہے کیونکہ جگالی کرنے والا اونٹ اپنے گھاس کو اپنی اوجھ میں جمع کرتا ہے اور آدمی اپنے کپڑے کو اپنے صندوق میں رکھتا ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جن پر میں اعتماد کرتا ہوں میں نے ان کے ہاں پناہ لی اور ان کے ذریعے مجھے قوت حاصل ہوتی ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ کرش سے جماعت مراد ہے یعنی یہ میری جماعت ہے اور میرے صحابہ کرام ہیں اور کہا جاتا ہے "علیہ کرش من الناس" یعنی اس پر لوگوں کی ایک جماعت ہے۔

ترمذی شریف کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا:

الا ان عیبتی التی اوی الیها اهل بیتی وان کرشی الانصار. (جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۹۰۴)	سنو! میرا صندوق جس سے میں ٹھکانہ پکڑتا ہوں وہ میرے اہل بیت ہیں اور میری اوجھ انصار ہیں۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

ولا یجنی علی المرء الا یده	انسان اپنے جرم کا نقصان خود اٹھاتا ہے۔

اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے روایت کیا امام احمد اور امام ابن ماجہ (رحمہم اللہ) نے حضرت عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے:

لا یجنی جان الا علی نفسه	جو شخص جرم کرتا ہے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۹' المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۳۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۰۱۰۶)

اور اس سے نبی اکرم ﷺ کی مراد یہ ہے کہ آدمی دوسروں کے کرنے میں پکڑا نہیں جاتا۔ اگر چہ کوئی قتل کرے زخمی کرے یا زنا کرے۔

بلکہ ہاتھ سے کیے ہوئے جرم میں پکڑا جاتا ہے تو اس کے ہاتھ نے ہی اسے یہاں تک پہنچایا ہے۔

اور ارشاد نبوی ہے:

لیس الشدید من غلب الناس انما الشدید من غلب نفسه.	وہ شخص پہلوان نہیں جو لوگوں پر غالب آئے بلکہ پہلوان وہ ہے جو اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔

(موارد الظمان رقم الحدیث: ۲۵۱۸' مشکل الآثار ج ۲ ص ۲۵۴' شرح السنہ ج ۱۳ ص ۱۶۰' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۴۷۷' کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۳۸)

اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں ذکر کیا اور امام بخاری و مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے ان الفاظ سے نقل کیا ہے۔

لیس الشدید بالصرعة انما الشدید الذی یملک نفسه عند الغضب.	پچھاڑنے والا پہلوان نہیں بے شک پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۱۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۷-۱۰۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۶-۲۶۸-۵۱۷' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۲۳۵' مشکل الآثار ج ۲ ص ۲۵۴' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۹۰۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث ۵۱۰۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۱۶۸' تاریخ جرجان ص ۴۵۱' تفسیر قرطبی ج ۴ ص ۲۰۸)

یعنی وہ اپنے سب سے مضبوط دشمن اور سب سے بڑے مخالف کو قابو میں رکھتا ہے اسی لیے کہا گیا:

اعدی عدولک نفسک التی بین	تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو تمہارے

جنبیک. دو پہلوؤں کے درمیان ہے۔

(المغنی ج ۳ ص ۴' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۲۰۶۔ ج ۹ ص ۳۳)

یہ مجاز کے باب سے ہے اور فصیح کلام سے ہے اس لئے کہ جب انسان کو سخت غصہ آتا ہے اور اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو وہ اپنی بردباری سے اس پر قابو پالیتا ہے اور ثابت قدمی سے اس کو یوں پچھاڑتا ہے جس طرح پہلوان لوگوں کو پچھاڑتا ہے اور لوگ اسے پچھاڑ نہیں سکتے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

لیس الخبر کالمعاینۃ. خبر' دیکھنے کی طرح نہیں ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۱' موارد الظمآن رقم الحدیث ۲۰۸۷' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۳' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۳۸' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۳۶۳' التمہید ابن عبد البر ج ۴ ص ۳۴۴' تاریخ جرجان ص ۳۷۔۵۰۵' تاریخ بغداد ج ۳ ص ۲۰۰۔ ج ۶ ص ۵۶۔ ج ۸ ص ۱۹' تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۲۹۸۔ ج ۲۰ ص ۱۷۱' الضعفاء ابن عدی ج ۱ ص ۳۰۳۔ ج ۴ ص ۱۵۸۰۔ ج ۷ ص ۲۴۹۳' الدرر المنتثرۃ ص ۱۳۴' تذکرۃ الموضوعات ص ۲۰۴' کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۳۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۱۱۰۔ ۴۴۱۲۶)

اس حدیث کو امام احمد' ابن منیع' طبرانی اور عسکری نے روایت کیا ہے۔

اور آپ نے فرمایا:

المجالس بالامانۃ. مجلسیں' امانت کے ساتھ ہیں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۴۲' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۸۶۹' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۲۴۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۱۶۔ ج ۸ ص ۳۲۳' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۰۹۳' فتح الباری ج ۱۱ ص ۹۷' المغنی عن حمل الاسفار ج ۲ ص ۷۶' کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۷۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۳۷۹۔ ۲۵۳۷۷۔ ۲۵۴۴۴)

اس حدیث کو امام عقیلی نے حسین بن عبد اللہ بن ضمرہ کے ترجمہ میں (تعارف میں) نقل کیا ہے وہ اپنے باپ سے وہ ان کے دادا سے اور وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں اور حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

اذا حدث الرجل ثم التفت فھی امانۃ. جب کوئی شخص بات کر کے ادھر ادھر دیکھے تو وہ امانت ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۵۹' السنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۸۶۸' مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۰۶۱' کشف الخفاء ج ۱ ص ۹۰' الدر المنثور ج ۵ ص ۲۲۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۱۶' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۲۴۷' المغنی ج ۲ ص ۱۷۲' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۹۸' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۶۳۷' مشکل الآثار ج ۴ ص ۳۳۶' شرح السنہ ج ۱۳ ص ۱۹۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۳۷۸)

امام ابوداؤد نے اسے اپنی سنن میں' امام ترمذی نے اپنی جامع میں اور ابن ابی الدنیا نے ''الصمت میں'' اور اس کے

علاوہ لوگوں نے بھی روایت کیا ہے۔

ان دو حدیثوں میں آداب معاشرہ اور آداب صحبت نیز راز کو چھپانے کی ترغیب دی گئی نیز اچھی دوستی' عہد کو پورا کرنے' باہم اصلاح کی راہ اختیار کرنے مسلمان' بھائیوں کے درمیان چغل خوری سے بچنے کی تعلیم دی گئی کیونکہ چغلی اس قدر دشمنی پیدا کرتی ہے جو معمولی سمجھ رکھنے والے پر بھی مخفی نہیں ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

البلاء موکل بالمنطق. گفتگو کے وقت امتحان ہوتا ہے۔

(الکشاف رقم الحدیث:۱۵۷' الدرر المنتشر ۃ رقم الحدیث:۵۸' الموضوعات ج ۳ ص ۸۳' الفوائد المجموعہ رقم الحدیث:۳۲۰' تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۲۹۶' کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۴۳۔۳۴۴' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث:۱۷۰' تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۲۷۹' اللالی المصنوعہ ج ۲ ص ۱۵۸' جمع الجوامع رقم الحدیث:۱۰۳۱۶' کنز العمال رقم الحدیث:۴۶۴۰۰)

اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے اور امام بخاری نے ''الادب المفرد میں'' حضرت ابراہیم سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور امام دیلمی نے حضرت داؤد رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔

ابن جوزی نے ''الموضوعات میں'' حضرت ابودرداء اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

ہمارے شیخ (امام سخاوی) نے ''المقاصد الحسنہ میں'' فرمایا: کہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ان تمام باتوں کے باوجود اسے موضوع قرار دینا اچھی بات نہیں اور اس حدیث کے معنیٰ پر نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی گواہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک اعرابی کی عیادت کے لئے اس کے پاس تشریف لے گئے تو فرمایا ''لا باس طھور'' کوئی حرج نہیں یہ پاکیزگی کا باعث ہے اعرابی نے کہا بلکہ یہ بخار ہے جو بوڑھے شخص پر جوش مار رہا ہے جو اسے قبر تک پہنچائے گا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تو پھر اسی طرح سہی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۶۱۶۔۵۶۵۶۔۵۶۶۲۔۷۴۷۰' مسند احمد ج ۶ ص ۴۴' الادب المفرد رقم الحدیث:۵۱۴' السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۸۳' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۱۵۲۹' شرح السنہ ج ۵ ص ۲۲۳' المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۳۴۲' الاذکار النوویہ رقم الحدیث:۱۲۵' زاد المسیر ج ۹ ص ۲۱۸' تہذیب خصائص علیٰ نسائی رقم الحدیث:۷۰)

اسی مفہوم کو اس شعر میں بیان کیا گیا ہے:

لا تنطقن بما کرھت فربما نطق اللسان بحادث فیکون

''زبان سے ناپسندیدہ بات نہ کہو کیونکہ بعض اوقات زبان پر کسی آنے والی بات کا ذکر ہوتا ہے تو وہ ہو جاتی ہے''۔

اور سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا:

ترک الشر صدقۃ. (کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۶۰) برائی کو چھوڑنا صدقہ ہے۔

بعض حضرات نے اس کو روایت کیا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص برائی سے اور لوگوں کو اذیت پہنچانے سے باز

رہا گویا اس نے ان پر صدقہ کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ برائی کو ترک کرنے کی فضیلت صدقہ کرنے کی فضیلت کی طرح ہے۔

اور ارشاد نبوی ہے:

وای داء ادوا من البخل. بخل (کنجوسی) سے بڑھ کر کونسی بیماری ہوسکتی ہے؟

(المغنی ج ۳ ص ۲۴۹، تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۱۷، مکارم الاخلاق ص ۵۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۸۵۸۔۳۶۸۵۹)

اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ نے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بخل کو بیماری قرار دیا حالانکہ یہ بخیل آدمی کو تکلیف نہیں پہنچاتا۔ اور اسے بیماری کے مشابہ قرار دیا کیونکہ یہ انسان کو خراب کر دیتا ہے اور اس کے لیے برے تذکرے کی راہ کھولتا ہے جس طرح بیماری کمزور کر دیتی اور تھکا دیتی ہے۔

اس حدیث کا مقصود بخل سے روکنا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

لا ینتطح فیھا عنزان. اس میں دو نیزے نہیں ٹکراتے۔

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۵۲۴، تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۹۹، العلل المتناہیہ ج ۱ ص ۱۷۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۱۳۱)

یعنی ان میں دو باتیں وعدہ خلافی اور جھگڑا جاری نہیں ہوتا۔[1]

اور ارشاد گرامی ہے:

الحیاء خیر کلہ. حیاء پورے کا پورا بھلائی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۹۶، مسند احمد ج ۴ ص ۴۲۶، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶، المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۱۷۱، اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۳۰۷، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۵۱۔ ج ۶ ص ۲۶۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۷۶۲۔۵۷۸۵)

اور ارشاد فرمایا:

الیمین الفاجرۃ تدع الدیار بلاقع جھوٹی قسم زمین کو ویران اور بنجر بنا کر رکھ دیتی ہے۔

(السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۳۵، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۶۲۲، الدر المنثور ج ۲ ص ۴۵، جامع مسانید ج ۱ ص ۱۱۴۔۲۵۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۶۳۸۸)

اس حدیث کو ''مسند فردوس میں'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا گیا ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

سید القوم خادمھم. قوم کا سرداران کا خادم ہوتا ہے۔

---

[1] حضرت عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ نے جب یہودی عورت عصماء بنت مروان کو قتل کیا تو نبی اکرم ﷺ نے ان کی شان میں یہ بات فرمائی۔ (کشف الخفاء ج ۱ ص ۵۶۱۔۵۶۲، تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۱۸۷، الدرر المنتثرۃ ص ۹۵، الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۰۱، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۹۲۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۵۱۶۔۲۴۸۳۴۔۲۴۸۳۵)

اس حدیث کا ابوعبدالرحمٰن سلمی نے اپنی کتاب ''آداب الصحبۃ میں'' حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ضعف اور انقطاع ہے ان کے علاوہ لوگوں نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

فضل العلم خیر من فضل العبادۃ. علم کی فضیلت (محض) عبادت کی فضیلت سے زیادہ ہے۔

(المستدرک ج ا ص ۹۲' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۱۲' کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۱۱' مجمع الزوائد ج ا ص ۱۲۰' الدرالمنثور ج ا ص ۳۵۰' المعجم الکبیر طبرانی ج ۱۱ ص ۳۸' العلل المتناہیہ ج ا ص ۶۷' الکامل فی الضعفاء ج ۴ ص ۱۵۱۴' الترغیب والترہیب ج ا ص ۹۳۔ ج ۲ ص ۵۶۰)

اس حدیث کو امام طبرانی اور امام بزار نے روایت کیا۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

الخیل فی نواصیھا الخیر گھوڑوں کی پیشانیوں میں بھلائی ہے۔

حضرت امام بخاری اور حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے اس حدیث کو حضرت امام مالک سے انہوں نے حضرت نافع سے اور انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا۔

الخیل فی نواصیھا الخیر الی یوم القیامۃ. قیامت تک گھوڑوں کی پیشانیوں میں بھلائی رہے گی۔

دوسرے محدثین کے نزدیک یوں ہے 'معقود بنو اصیھا الخیر'' ان کی پیشانیوں میں بھلائی باندھ دی گئی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۴۹۔ ۳۶۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸۷۔ ۲۷۸۸' مسلم الامارۃ رقم الحدیث: ۹۶' مسند احمد ج ۲ ص ۲۸' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۴۶۷' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۸۱' ج ۶ ص ۳۲۹۔ المعجم الکبیر ج ۸ ص ۳۰۶' تفسیر قرطبی ج ا ص ۸۰' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۵۹۔ ۲۶۱' حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۴۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۲۵۸)

اور ارشادِ نبوی ہے:

اعجل الاشیاء عقوبۃ البغی. حد سے تجاوز کرنے والے کی سزا تمام سزاؤں سے جلدی ملتی ہے۔

کیونکہ باقی سزائیں مؤخر ہو جاتی ہیں لیکن کسی پر زیادتی کرنے والے کو فوری طور پر دنیا میں بھی سزا ملتی ہے اگر اللہ تعالیٰ معاف نہ کرے (زرقانی ج ۴ ص ۱۲۰)

اور ارشاد فرمایا:

ان من الشعر لحکما. بے شک بعض اشعار حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔

اس حدیث کو حضرت امام ابوداؤد رحمۃ اللہ نے حضرت صخر بن عبداللہ بن بریدہ سے روایت کیا وہ اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں وہ (حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ

نے فرمایا:

ان من البیان لسحرا وان من العلم جھلا وان من الشعر حکما. بے شک بعض بیان جادو' بعض علم' جہالت اور بعض اشعار حکمت ہوتے ہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٥٠١٠۔٥٠١١۔٥٠١٢' صحیح بخاری رقم الحدیث:٦١٤٥' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٣٧٥٥۔٣٧٥٦' مسند دارمی رقم الحدیث:٦٨' جامع الترمذی رقم الحدیث:٦٩' مسند احمد ج ٣ ص ٤٥٦۔ ج ٥ ص ١٢٥' تاریخ بغداد ج ٣ ص ٩٨' تاریخ ابن عساکر ج ٦ ص ٤٢٥' الضعفاء للعقیلی ج ١ ص ٣٠٠' علل الحدیث رقم الحدیث:٢٤١۔٢٢٥٩' حلیۃ الاولیاء ج ٨ ص ٣٠٩)

(بہت بڑے تابعی) حضرت صعصعۃ بن صوحان رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے سچ فرمایا آپ کا یہ فرمانا کہ بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔

تو ایک شخص جس کے ذمہ کچھ حق ہوتا ہے اور وہ صاحب حق کے مقابلے میں دلائل کے ذریعے زیادہ گفتگو کر لیتا ہے تو اپنے بیان سے قوم پر جادو کر کے وہ حق لے جاتا ہے۔

اور آپ کا ارشاد گرامی کہ بعض علم' جہالت ہوتے ہیں تو کسی عالم کا ایسی بات کے لیے تکلف کرنا جسے وہ نہیں جانتا' اس کو جاہل بنا دیتا ہے اور آپ کا ارشاد گرامی کہ بعض شعر حکمت ہوتے ہیں اس میں مواعظ اور مثالیں بھی شامل ہیں جن کے ذریعے لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ بعض اشعار ایسے نہیں ہوتے کیونکہ لفظ ''من'' تبعیضیہ ہے (کسی چیز کے بعض ہونے کو بیان کرتا ہے) اور صحیح بخاری میں ہے:

ان من الشعر حکمۃ. بعض اشعار حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔

یعنی وہ سچا قول ہوتا ہے جو حق کے مطابق ہوتا ہے۔

طبری نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو اشعار کو مطلقاً ناپسند کرتے ہیں اور وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

الشعر مزامیر الشیطان. شعر' شیطان کے گانے بجانے کا آلہ ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ جب شیطان کو زمین پر اتارا گیا تو اس نے کہا اے میرے رب! میرے لئے قرآن بنا دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیرا قرآن شعر ہے۔

پھر اس کا جواب دیا کہ یہ احادیث کمزور ہیں اور بات یہی ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ والی روایت میں علی بن زید الہانی ہے جو ضعیف ہے۔

اور اگر ان کو قوی احادیث تسلیم کیا جائے تو زیادہ شعر گوئی مراد ہوگی اور اشعار کے جواز پر بے شمار احادیث دلالت کرتی ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ نے ''الادب المفرد میں'' حضرت عمرو بن الشرید سے روایت کیا وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے امیہ بن ابی الصلت کے اشعار پڑھنے کا حکم دیا تو میں نے ایک سو قافیہ پڑھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:١' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٣٧٥٨' مسند احمد ج ٤ ص ٣٨٨۔٣٩٠'

الادب المفرد رقم الحدیث ۲۹۱_۸۷۲)

رسول اکرم علیہ کا ارشاد گرامی ہے:

الصحة والفراغ نعمتان. صحت اور فراغت دو نعمتیں ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۱۲، مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۲، المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۳۹۲، الاحکام النبویہ فی الصناعۃ الطبیہ ص ۱۲۷، تہذیب ج ۱ ص ۴۴۵، فتح الباری ج ۱۱ ص ۲۷۶)

نوٹ: صحیح بخاری میں ہے دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں لوگ خسارے میں ہیں ایک صحت، دوسری فراغت۔

اور ارشاد فرمایا:

استعینوا علی الحاجات بالکتمان حاجات کو پورا کرنے پر چھپانے کے ذریعے مدد مانگو

فان کل ذی نعمة محسود. کیونکہ ہر نعمت والے سے حسد کیا جاتا ہے۔

(کشف الخفاء ج ۱ ص ۱۳۵، اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۵۴، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۹۵، الموضوعات ج ۲ ص ۱۶۵، حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۹۶، التمہید ج ۱۰ ص ۱۵۲، الدرر المنتشرۃ ص ۱۴، الکامل فی الضعفاء ج ۳ ص ۱۲۴۰، تذکرۃ الموضوعات ص ۲۰۵، اللالی المصنوعہ ج ۲ ص ۴۳، المغنی ج ۳ ص ۱۸۴، علل الحدیث رقم الحدیث: ۲۲۵۸، تنزیہ الشریعۃ ج ۲ ص ۱۳۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۸۰۰_۱۶۸۰۹)

اس حدیث کو امام طبرانی رحمۃ اللہ نے اپنی تینوں "معاجم" (المعجم الکبیر، المعجم الصغیر اور المعجم الاوسط میں) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ اسے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔

الخلعی (ابوالحسن علی بن حسن بن حسین) نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یوں روایت کیا:

استعینوا علی قضاء الحوائج بالکتمان لها. حاجات کو پورا کرنے پر چھپانے کے ذریعے مدد حاصل کرو (یعنی صدقہ وغیرہ چھپا کر دو)۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

المکر والخدیعة فی النار. مکروفریب اور دھوکہ آگ میں ہوں گے (یعنی مکار اور دھوکہ باز)۔

(المستدرک ج ۴ ص ۶۰۷، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۰۲، الدر المنثور ج ۱ ص ۳۰، تغلیق التعلیق رقم الحدیث: ۷۵۲، البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۰۵، الکامل فی الضعفاء ج ۲ ص ۵۸۴۔ ج ۶ ص ۲۰۹۲، المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۱۶۹، اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۴۸۶، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۵۷۲، موارد الظمان ص ۱۱۰۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۷۲۵۴۳، مراسیل ابوداؤد ص ۲۰)

اس حدیث کو امام دیلمی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ مکروفریب کرنے والا نہ متقی ہوتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے کیونکہ جب وہ مکر کرے گا تو وعدہ خلافی کرے گا اور جب وعدہ خلافی کرے گا تو دھوکہ دے گا اور جب یہ دونوں کام کرے گا تو اپنے آپ کو ہلاک کرے گا اور یہ بات متقی آدمی میں نہیں ہوتی اور جو عادت تقویٰ سے دور رکھے وہ جہنم میں لے جاتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

من غشنا فلیس منا. جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۴' مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۸' سنن دارمی ج ۲ ص ۲۴۸' السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۲۵۵' المستدرک ج ۲ ص ۹' المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۱۶۹' الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۵۷۱' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۷۸۔۷۹' تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۲۵۲۔ ج ۷ ص ۱۵۰' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۱۸۹' کشف الخفاء ج ۲ ص ۴۱۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۴۰)

اس حدیث کو حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ نے روایت کیا ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

المستشار مؤتمن. جس سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ امانت دار ہوتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۲۸' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۲۲۔۲۸۲۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۴۵۔۳۷۴۶' مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۴' سنن دارمی ج ۲ ص ۲۱۹' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۱۲' المستدرک ج ۴ ص ۱۳۱' المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۴۰۹' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۹۶۔۹۷' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۹۰' کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۸۷' العلل المتناھیۃ ج ۲ ص ۲۶۰' الدرر المنتثرۃ ص ۱۴۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۹۴۵)

اس حدیث کو حضرت امام احمد اور دوسرے محدثین رحمۃ اللہ نے روایت کیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص تجھے اپنا راز بتائے اور تجھے اپنی ذات کا امین قرار دے تو اس نے تجھے اپنی جگہ سمجھا پس تجھ پر واجب ہے کہ تو اسے اسی بات کا مشورہ دے جسے تو اچھا سمجھتا ہے کیونکہ یہ امانت کی طرح ہے کہ آدمی اسی کے پاس امانت رکھتا ہے جس پر اس کو یقین ہوتا ہے اور وہ راز جس کے افشاء ہونے سے بعض اوقات جان جانے کا خطرہ ہوتا ہے وہ نہایت قابل اعتماد آدمی کو ہی بتایا جائے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الندم توبة . ندامت توبہ ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۲' مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۶۔۴۲۳' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۵۴' المستدرک ج ۴ ص ۲۴۳' مسند الحمیدی ج ۱ ص ۵۹ رقم الحدیث: ۱۰۵' شرح السنہ ج ۵ ص ۹۱' کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۵' علل الحدیث رقم الحدیث: ۱۸۱۶۔۱۸۴۱۔۱۸۸۹۔۱۹۱۸' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۹۹' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۵۱۔ ج ۱۰ ص ۳۹۸' الکامل ج ۱ ص ۲۰۴۔ ج ۴ ص ۱۳۲۹' تنزیہ الشریعۃ ج ۲ ص ۴۳۶)

اسے امام طبرانی نے "الکبیر میں" روایت کیا ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

الدال علی الخیر کفاعله. نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۶ ص ۲۳۰۔ ج ۷ ص ۲۲۷' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۶۔ ج ۳ ص ۱۷۳' تفسیر قرطبی ج ۶ ص ۴۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۱۱۵۔ ج ۴ ص ۵۰۱' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۲۶۶' کشف الخفاء ج ۱ ص ۴۸۰' الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث: ۸۳' الکامل ج ۲ ص ۵۷۳۔ ج ۳ ص ۱۱۴۵۔ ج ۵ ص ۱۷۴۴' المغنی ج ۱ ص ۱۲' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۲۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۰۵۲۔

۱۶۰۵۵۔ ۱۶۳۱۹)

اس حدیث کوالعسکری اور ابن جمیع نے روایت کیا اور اس کے طریق سے حضرت منذری ہیں جنہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک مرفوع حدیث یوں نقل کی ہے:

وکل معروف صدقة والدال علی الخیر کفاعله واللہ یحب إغاثة اللهفان.

ہر نیکی صدقہ ہے اور نیکی پر رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہے اور اللہ تعالیٰ پریشان حال کی مدد کو پسند کرتا ہے۔

معنیٰ یہ ہے کہ جو شخص نیکی پر تمہاری رہنمائی کرے اور تجھے اس کی طرف راستہ دکھائے پس تو اس کی ہدایت کے مطابق اس بھلائی کو پالے تو گویا اس نے یہ نیکی کی۔

اور ارشاد نبوی ہے:

حبک الشیٔ یعمی ویصم.

کسی چیز سے تمہاری محبت (اس کے عیب دیکھنے اور سننے سے) تجھے اندھا اور بہرہ کردیتی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۰' مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۴۔ ج ۶ ص ۴۵۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۲۷۶۔ ج ۹ ص ۶۷۴' مشکوٰۃ المصابیح ج ۹ ص ۶۸۴۔ رقم الحدیث: ۴۹۰۸' کشف الخفاء ج ۱ ص ۴۱۰' تذکرۃ الموضوعات ص ۱۹۹' تنزیہ الشریعہ ج ۱ ص ۴۰۳' الاسرار المرفوعہ ص ۱۷۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۱۰۴' الدرر المنتشرۃ ص ۷۱' الکامل ج ۲ ص ۴۷۲)

اس حدیث کو امام ابوداؤد اور عسکری نے بقیہ بن ولید کی حدیث سے نقل کیا وہ حضرت ابوبکر بن عبداللہ بن ابی مریم سے وہ خالد بن محمد ثقفی سے وہ حضرت بلال بن ابی الدرداء سے اور وہ اپنے والد سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں اور اس میں حضرت بقیہ اکیلے نہیں بلکہ ان کی اتباع کی گئی اور ابن ابی مریم ضعیف ہیں۔

صغانی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا لیکن عراقی نے تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ کسی نے بھی ابن ابی مریم پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگائی اور اس پر ابوداؤد کی خاموشی ہمارے لیے کافی ہے پس یہ حدیث موضوع تو کیا زیادہ ضعیف بھی نہیں بلکہ حسن ہے۔

عسکری نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی مراد یہ ہے کہ تمہاری بعض محبتیں وہ بھی ہیں جو تمہیں راہ ہدایت سے اندھا اور حق سننے سے بہرہ کردیتی ہیں اور جب آدمی کے دل پر محبت غالب آجاتی ہے اور عقل یا دین وغیرہ اسے روک نہیں سکتے تو اس کی محبت اسے چھوڑنے سے بہرہ اور ہدایت سے اندھا کردیتی ہے۔

اسی لئے کسی شاعر نے کہا:

وعین الرضی عن کل عیب کلیلة ولکن عین السخط تبدی المساویا

''رضامندی کی آنکھ ہر عیب سے رات کی طرح ہوتی اور ناراضگی کی نگاہ برائیوں کو ظاہر کرتی ہے''۔[1]

---

[1] یعنی جب آدمی کسی سے راضی ہوتا ہے تو اس کے عیب نظر نہیں آتے اور جب اس سے ناراض ہوتا ہے تو اس کی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہمارے شیخ (السخاوی رحمۃ اللہ) نے "المقاصد الحسنہ میں" اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

العاریۃ مؤداۃ والمنحۃ مردودۃ والدین مقضی والزعیم غارم. ادھار لی ہوئی چیز واپس کی جائے (عارضی) عطیہ لوٹایا جائے قرض کی ادائیگی ہونا ضروری ہے اور کفیل ذمہ دار ہوتا ہے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۳۵۶۵' جامع ترمذی رقم الحدیث ۱۲۶۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۳۹۸-۲۳۹۹' مسند احمد ج۵ص ۲۶۷' السنن الکبریٰ ج۶ص۸۹' المعجم الکبیر ج۸ص۱۶۰' مجمع الزوائد ج۴ص۱۴۵' شرح السنہ ج۸ص۲۲۵' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۲۹۵۶' سنن دار قطنی رقم الحدیث:۱۶۵' حلیۃ الاولیاء ج۹ص۱۶۳' کشف الخفاء ج۲ص۶۷' الاسرار المرفوعہ ص۲۴۳' کنز العمال رقم الحدیث:۱۴۵۷۴-۲۹۸۱۳-۲۹۸۱۶)

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

سبقک بھا عکاشۃ. [1] حضرت عکاشہ تم سے سبقت کر گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۵۴۱-۶۵۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۳۶۷-۳۷۱-۳۷۴' جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۴۴۶' مسند احمد ج۱ص ۲۷۱-۴۰۱-۴۰۱ ج۲ص ۳۰۲- ج۴ص ۴۳۶' سنن دارمی ج۲ص ۳۲۸' المستدرک ج۴ص ۵۷۷' المعجم الکبیر ج۱۰ص ۶- ج۱۸ص ۱۷۰' مجمع الزوائد ج۴ص ۱۳' اتحاف السادۃ المتقین ج۴ص ۴۲۴' شرح السنہ ج۱۴ص ۳۰۰' الدر المنثور ج۶ص ۱۵۹' الدرر المنتثرۃ ص ۹۵)

سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

عجب ربک. تمہارا رب اس پر خوش ہوا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۷۹۸-۳۰۱۰' اتحاف السادۃ المتقین ج۹ص۶۲' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۳۹۶۰' شرح السنہ ج۱۱ص ۷۶' تفسیر قرطبی ج۵ص ۱۷' کنز العمال رقم الحدیث:۱۰۶۶۷)

یہ حدیث حضرت امام بخاری وغیرہ سے متعدد روایات میں مروی ہے اور اس کا معنیٰ جس طرح ابن اثیر نے بیان کیا' یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم و کبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ انسان جب کسی چیز کے مقام کو عظمت والا دیکھتا ہے تو تعجب کرتا ہے اور اس پر اس کا سبب پوشیدہ ہوتا ہے تو اس نے ان کو اس بات کی خبر دی جس کو وہ پہچانتے ہیں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان چیزوں کا کیا مقام ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور اس نے ثواب عطا فرمایا تو اسے مجازاً تعجب قرار دیا حقیقت میں تعجب نہیں ہے لیکن پہلی بات زیادہ مناسب ہے۔

(سابقہ حاشیہ) برائیوں کو ظاہر کرتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[1] نبی اکرم ﷺ نے ان ستر ہزار افراد کا ذکر کیا جو حساب و کتاب کے بغیر میں جنت میں جائیں گے تو حضرت عکاشہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ مجھے بھی ان میں سے کر دے آپ نے فرمایا تو ان میں سے ہے پھر دوسرا کھڑا ہوا تو آپ نے پھر فرمایا عکاشہ تم سے سبقت کر گئے۔ (صحیح بخاری)

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

قتل صبرا. وہ شخص باندھ کر قتل کیا گیا۔

اس حدیث کو متعدد محدثین نے روایت کیا ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

لیس المسئول با علم من السائل. جس سے پوچھا گیا وہ پوچھنے والے سے زیادہ جاننے والا نہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث :۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۵' مسند احمد ج ۱ص ۵۱' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۔۴۷۷۷' السنن الکبریٰ ج ۴ص ۳۲۵' التمہید ج ۹ص ۲۴۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲' الترغیب والترہیب ج ۱ص ۱۴۹' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۹۵' الدر المنثور ج ۱ص ۲۱۰۔ ج ۳ص ۶۹' صحیح ابن خزیمہ ج ۱ص ۳۰۶۵' موارد الظمان ص ۱۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۔۴۰۔ ۱۳۵۸)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ولا ترفع عصاک عن اھلک ادبا. اور اپنے گھر والوں سے ادب سکھانے (کے لئے استعمال ہونے) والا ڈنڈا نہ اٹھاؤ۔

(مسند احمد ج ۵ص ۲۳۸' مجمع الزوائد ج ۱ص ۱۰۵۔ ج ۸ص ۱۰۶' حلیۃ الاولیاء ج ۷ص ۳۲۲' المستدرک ج ۴ص ۴۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ص ۳۹۲' علل الحدیث رقم الحدیث: ۱۲۵۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۹۹۶)

اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ نے روایت کیا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ گھر والوں کی تربیت اور ان کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر رکھنے کا عمل ترک نہ کرے اور ان کو اطاعت خداوندی پر جمع رکھے۔

کہا جاتا ہے شق العصا (فلاں نے لاٹھی توڑ دی) یعنی وہ جماعت سے الگ ہو گیا لاٹھی سے مارنا مراد نہیں لیکن آپ نے اس کو ایک مثال قرار دیا یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی تربیت اور فساد سے منع کرنے سے غافل نہ ہو۔ یہ بات ابن اثیر نے کہی ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

ان مما ینبت الربیع ما یقتل حبطا او یلم. بے شک جو کچھ ربیع (نہر) اُگاتی ہے وہ پیٹ بھرنے کی وجہ سے ہلاک کر دیتا ہے یا ہلاکت کے قریب کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۶۵' مسند احمد ج ۳ص ۹۱' السنن الکبریٰ ج ۳ص ۱۹۸' الدر المنثور ج ۶ص ۸)

اس حدیث کو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے روایت کیا ہے اس کو ابن درید نے ذکر کیا اور کہا کہ یہ یکتا مختصر کلام ہے اس کے مفہوم کی طرف نبی اکرم ﷺ سے کسی نے سبقت نہیں کی۔

یعنی جو کچھ چھوٹی نہر اُگاتی ہے (ربیع سے موسم بہار مراد نہیں) اور اگانے کی نسبت ربیع کی طرف مجازی ہے کیونکہ حقیقتاً اُگانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور "من تبعیضیہ" نہیں (یعنی بعض اگنے والی چیز مراد نہیں)۔

"حبط" میں حاء اور باء دونوں پر زبر ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ کھانے کی وجہ سے پیٹ پھول جائے اور وہ مر جائے "یلم" میں یاء پر پیش ہے یعنی ہلاکت کے قریب ہو اور یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو دنیا جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں اور جہاں خرچ کرنا چاہیے وہاں خرچ نہیں کرتے۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خیر المال عین ساهرة لعین نائمة. بہترین مال سونے والی آنکھ کے لیے جاگنے والا (جاری) چشمہ ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ پانی کا چشمہ ہے جو دن رات جاری رہتا ہے اور اس کا مالک سویا ہوا ہے تو اس کے ہمیشہ جاری رہنے کو بیداری قرار دیا (یعنی اس کا مالک اس کے حصول کے لیے تھکاوٹ اور محنت برداشت نہیں کرتا)۔

اور ارشاد فرمایا:

خیر مال المرء مهرة مامورة او سكة مابورة. انسان کا بہترین مال زیادہ بچے جننے والی اونٹنی اور کھجوروں کے پھل دار درخت ہیں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۸، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۵۸، فتح الباری ج ۸ ص ۵۰۳)

اس حدیث کو امام احمد اور طبرانی رحمۃ اللہ نے حضرت سوید بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

"مامورہ" کا معنی زیادہ بچے جننے والی اور "سکہ مابورۃ" ایسا راستہ جو کھجوروں سے ڈھانکا گیا ہو۔ التابیر کھجور کو پیوند لگانا۔ (زیادہ پھل دینے والا درخت)۔

اور ارشاد فرمایا:

من ابطاء به عمله لم يسرع به نسبه. جس کا عمل تاخیر کرے اس کا نسب اس کے لیے جلدی نہیں کرتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۵، مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۲، موارد الظمان ص ۸۷، تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۸)

اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔

اور ارشاد نبوی ہے:

زر غبا تزدد حبا. کبھی کبھی ملاقات کر و محبت بڑھتی ہے۔

(المستدرک ج ۳ ص ۳۴۷۔ ج ۴ ص ۳۳۰، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۷۵، الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۶۶، المعجم الکبیر ج ۴ ص ۲۶، اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۱۶۲۔۱۶۳، کشف الخفاء ج ۱ ص ۵۲۸، فتح الباری ج ۱۰ ص ۶۱۱، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳۲۲، الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث: ۹۱، علل الحدیث رقم الحدیث: ۲۱۷۲۔۲۴۳۱، العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۲۵۳، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۵۹۶، تاریخ ابن عساکر ج ۷ ص ۲۸۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۴۷۷۸)

اس حدیث کو امام بزار رحمۃ اللہ نے نقل کیا ہے اور حارث بن ابی اسامہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اس باب کی بعض احادیث میں ہے کہا گیا اے ابوہریرہ! آپ کل کہاں تھے؟ فرمایا: میں اپنے بعض گھر

والوں کو دیکھنے گیا تھا فرمایا اے ابوہریرہ! کبھی کبھی جایا کرو (اس سے) محبت بڑھتی ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انکم لن تسعوا الناس باموالکم فسعوھم باخلاقکم. — تم سب لوگوں کو مال کے ذریعے بدلہ دینے کی طاقت نہیں رکھتے پس ان سے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔

(مجمع الزوائد ج۸ص۲۲' فتح الباری ج۱۰ص۵۶۲' المطالب العالیہ رقم الحدیث:۲۵۳۹' اتحاف السادۃ المتقین ج۶ص۲۲۰۔ ج۷ص۳۲۰۔۳۳۷' المغنی ج۳ص۴۹)

اسے ابو یعلی اور بزار نے متعدد طرق سے روایت کیا ان میں سے ایک ان الفاظ کے ساتھ حسن ہے:

انکم لن تسعوا الناس باموالکم ولکن یسعھم منکم بسط الوجہ و حسن الخلق. — بے شک تم اپنے مالوں کے ذریعے لوگوں سے حسن سلوک کی طاقت نہیں رکھتے البتہ تم کشادہ روئی اور اچھے اخلاق کے ذریعے ان کے احسانات کا بدلہ دو۔

اور ارشاد فرمایا:

الخلق الحسن یذیب الخطایا کما یذیب الماء الجلید والخلق السئ یفسد العمل کما یفسد الخل العسل. — اچھے اخلاق گناہوں کو اس طرح مٹا دیتے ہیں جس طرح پانی مضبوط چیز کو پگھلا دیتا ہے اور برے اخلاق عمل کو اس طرح خراب کرتے ہیں جس طرح سرکہ' شہد کو خراب کر دیتا ہے۔

(المعجم الکبیر ج۱۰ص۳۸۸' مجمع الزوائد ج۸ص۲۴' الترغیب والترہیب ج۳ص۴۱۱' کنز العمال رقم الحدیث:۵۱۳۲۔۵۱۳۳)

اور ارشاد فرمایا:

ان ھذا الدین متین فاوغل فیہ برفق' ولا تبغض الی نفسک عبادۃ اللہ فان المنبت لا ارضا قطع ولا ظھرا ابقی. — بے شک یہ دین مضبوط ہے پس اس میں (تکلف کے بغیر) نرمی کے ساتھ چلو اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے متنفر نہ کرو کیونکہ جو شخص سفر میں اپنے ساتھیوں سے بچھڑ جاتا ہے نہ وہ منزل مقصود تک پہنچتا ہے نہ اس کے پاس سواری باقی رہتی ہے۔

(مجمع الزوائد ج۱ص۶۲' فتح الباری ج۱۱ص۳۵۹' السنن الکبریٰ ج۳ص۱۸۔۱۹' الزہد رقم الحدیث:۴۱۵' اتحاف السادۃ المتقین ج۴ص۲۶۴۔ ج۶ص۳۶۸' الدر المنثور ج۱ص۹۲' التمہید ج۱ص۱۹۵' المغنی ج۴ص۷۷' کنز العمال رقم الحدیث:۵۳۵۰۔۵۳۵۱)

اس حدیث میں ابن سوقہ پر اختلاف کیا گیا کہ بعض نے ان کے واسطے سے حضرت ابن منکدر سے مرفوعاً روایت کی (اور یہ مرسل ہے کیونکہ صحابی کو چھوڑ دیا گیا) اور بعض نے ابن سوقہ سے انہوں نے ابن منکدر سے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی (اور یہ حدیث متصل ہے مرسل نہیں)۔

پھر یہ بھی اختلاف ہے کہ کس صحابی سے روایت کی ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یا حضرت عائشہ یا حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہم سے؟ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے اپنی تاریخ میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ حضرت ابن منکدر رحمۃ اللہ سے مرسل روایت ہے (کسی صحابی کا ذکر نہیں ہے) اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ شخص راستے میں عاجز ہو کر رہ گیا مقصد تک نہ پہنچ سکا اپنا کام بھی پورا نہ کر سکا اور اس کی سواری بھی تھک گئی۔

''الـوغـول'' کا معنیٰ داخل ہونا ہے گویا فرمایا کہ یہ دین باوجود آسان ہونے کے شدید (سخت) ہے پس خوب عبادت کرو لیکن اس میں نرمی کا پہلو بھی اختیار کرو کیونکہ جو شخص اپنے آپ کو آسانی میں ڈالے بغیر زیادہ سے زیادہ عبادت کرتا ہے اور طاقت سے زیادہ کا تکلف کرتا ہے قریب ہے کہ وہ تھک جائے حتیٰ کہ واجبات کو ہی چھوڑ دے اب اس کی مثال اس شخص جیسی ہو گی جو اپنی سواری پر سختی کرتا ہے اور اس کو جلدی چلنے پر مجبور کرتا ہے تاکہ جلدی پہنچے پس وہ سواری سے محروم رہتا ہے اور اب نہ تو وہ منزل تک پہنچ سکتا ہے اور نہ سواری صحیح سالم رہتی ہے کہ اس کے بعد اس سے نفع اٹھائے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من شاد هذا الدين غلبه.

جو شخص اس دین پر غالب آنے کی کوشش کرتا ہے اس پر یہ غالب آجاتا ہے۔

اس حدیث کو عسکری نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا امام بخاری کے نزدیک یہ حضرت معن بن محمد غفاری سے مروی ہے اور وہ حضرت ابوسعید مقبری سے اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔

کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الدين يسر ولن يشاد الدين احد الا غلبه فسددوا و قاربوا وبشروا واستعينوا بالغدوة والروحة و شيء من الدلجة.

بے شک یہ دین آسان ہے اور کوئی شخص اس پر غلبہ حاصل کرنا چاہے تو یہ اس پر غالب آجاتا ہے پس سیدھے رہو (اعتدال پر رہو) قریب قریب رہو خوشخبری حاصل کرو اور صبح و شام اور رات کے آخری حصے (میں عبادت) کے ذریعے مدد حاصل کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹-۵۶۷۳-۶۴۶۳-۷۲۳۵، اتحاف السادۃ المتقین ج۶ص ۳۶۸، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۲۴۶، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۵۴۸۴، التمہید ج۵ ص ۱۲۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۳۴۳)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الكيس من دان نفسه و عمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع نفسه هواها و تمنى على الله الاماني.

سمجھدار آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کو عبادت میں لگائے رکھتا ہے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرتا ہے اور عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہش کی اتباع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے امیدیں وابستہ کیے ہوئے ہے (اور آرزوئیں رکھتا ہے)۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۶۰، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۵۹، مسند احمد ج۴ص ۱۲۴، فتح الباری ج۹ص ۴۲۸، السنن الکبریٰ ج۳ص ۳۶۹، المستدرک ج۱ص ۵۷۔ ج۴ص ۲۵۱، المعجم الکبیر ج۷ص ۳۳۸-۳۴۱، اتحاف السادۃ المتقین ج۷ص ۴۴۔ ج۸ص ۴۲۸،

شرح السنہ ج۱۴ص۳۰۸' المعجم الصغیرج۲ص۳۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۵۲۸۹' الترغیب والترہیب ج۴ص۲۵۲' حلیۃ الاولیاء ج اص۲۶۷۔ ج۸ص۱۷۳' کشف الخفاء ج۲ص۱۹۶' المغنی ج۲ص۳۲۶۔ ج۳ص۳۶۸' الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث:۱۲۷)

اس حدیث کو حاکم نے شداد بن اوس سے نقل کیا اور فرمایا امام بخاری کی شرط پر صحیح ہے لیکن امام ذہبی نے ان کا تعاقب کیا کہ اس میں ابن ابی مریم ہے اور وہ ضعیف ہے عسکری' قضاعی' ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما حاک فی نفسک فدعہ. جو کچھ تمہارے دل میں کھٹکے اسے چھوڑ دو۔

(الدر المنثور ج۲ص۲۵۵' المعجم الکبیر ج۸ص۱۳۸' مجمع الزوائد ج۷ص۲۹۸' اتحاف السادۃ المتقین ج۷ص۲۹۸۔ مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث:۲۰۱۰۴)

اس حدیث کو امام طبرانی نے ''الکبیر میں'' حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

تنکح المرأۃ لجمالھا ومالھا ودینھا وحسبھا فعلیک بذات الدین تربت یداک. عورت سے اس کے حسن' مال' دین اور ذات (خاندان) کی بنیاد پر نکاح کیا جاتا ہے پس تجھ پر دین والی (کو اختیار کرنا) لازم ہے تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۸۵۸' صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۰۹۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۰۴۷' سنن نسائی رقم الحدیث ۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۳' مسند احمد ج۲ص۴۲۸' السنن الکبریٰ ج۷ص۷۹' اتحاف السادۃ المتقین ج۵ص۳۴۰' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۳۰۸۲' حلیۃ الاولیاء ج۸ص۳۸۳' الترغیب والترہیب ج۳ص۴۵' سنن دارقطنی ج۳ص۳۰۳۔ رقم الحدیث:۲۱۳' المطالب العالیہ رقم الحدیث:۱۵۷۰' شرح السنہ ج۹ص۸' المغنی ج۲ص۳۹' الدر المنثور ج اص۲۵۷' سنن سعید ابن منصور رقم الحدیث:۵۰۶' کنز العمال رقم الحدیث:۴۴۵۵۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ نے اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الشتاء ربیع المومن قصر نھارہ فصامہ و طال لیلہ فقامہ. سردیوں کا موسم' مؤمن کی بہار ہے اس کے دن چھوٹے ہوتے ہیں پس وہ دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات لمبی ہوتی ہے تو (عبادت کے لیے) قیام کرتا ہے۔

(مسند احمد ج۳ص۷۵' السنن الکبریٰ ج۴ص۲۹۷' مجمع الزوائد ج۳ص۲۰۰' حلیۃ الاولیاء ج۵ص۲۲۴' العلل المتناہیہ ج اص۳۱۳' کشف الخفاء ج۲ص۶۔۱۴۰' الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث:۹۷' الکامل ج۳ص۹۸۱' تاریخ ابن عساکر ج۵ص۲۲۴' کنز العمال رقم الحدیث:۳۵۲۰۸۔۳۵۲۰۹)

اس حدیث کو امام بیہقی' امام احمد اور ابونعیم نے اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے عسکری نے مکمل روایت کی ان تمام کی روایت دراج کی حدیث سے ہے وہ حضرت ابوالھیثم سے اور وہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور اس کے کئی شواہد ہیں (دیگر کئی احادیث اس کی تائید کرتی ہیں)۔

موسم سرما مؤمن کی بہار اس لئے ہے کہ وہ اس میں عبادات کی چراگاہوں سے (روحانی) خوراک حاصل کرتا ہے' عبادات کے میدانوں میں سیر کرتا ہے اور جو عبادات اس کے لئے آسان کی گئی ہیں ان کے حوالے سے اعمال کے باغ میں اپنے دل کو خوش رکھتا ہے مؤمن (اس موسم میں) دن کے وقت کسی مشقت کے بغیر روزہ رکھنے پر قادر ہوتا ہے اور اسے بھوک لگتی ہے نہ پیاس کیونکہ اس کے دن چھوٹے اور ٹھنڈے ہوتے ہیں لہٰذا ان میں روزے کی مشقت نہیں ہوتی۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

القناعة مال لا ينفد و كنز لا يفنى. قناعت ایسا مال ہے جو ختم نہیں ہوتا اور ایسا خزانہ ہے جو فنا نہیں ہوتا۔

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۵۱' الدر المنثور ج ۴ ص ۱۳۰' امالی ج ۲ ص ۱۹۸' الکامل ج ۴ ص ۱۵۰۷' علل الحدیث رقم الحدیث: ۱۸۱۳' الفقیہ ج ۲ ص ۳۹' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۵۹۰)

اس حدیث کو امام طبرانی نے ''الاوسط میں'' حضرت منکدر بن محمد مکندر سے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور قضاعی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا لیکن اس میں ''و كنز لا يفنى'' نہیں ہے۔

قناعت کے بارے میں بہت سی احادیث مروی ہیں اور اگر قناعت کا صرف یہی فائدہ ہوتا کہ اس میں عزت نفس برقرار رہتی ہے تو یہ بھی کافی تھا۔ نبی اکرم ﷺ یوں دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ قَنِّعْنِىْ بِمَا رَزَقْتَنِىْ. یا اللہ! مجھے اس پر قناعت کی توفیق عطا فرما جو کچھ تو نے مجھے عطا کیا ہے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۵۱۰۔ ج ۲ ص ۳۵۶۔ ۳۵۷' الدر المنثور ج ۴ ص ۱۳۰' تاریخ جرجان رقم الحدیث: ۹۱' کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۵۱' علل الحدیث رقم الحدیث: ۲۰۵۲' تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۲۴۸' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۰۳۰)

کسی شاعر نے کہا ہے:

ما ذاق طعم الغنى من لا قنوله ولن ترى قانعا ما عاش مفتقرا

''جو شخص قناعت (صبر) نہیں کرتا اس نے مالداری کا ذائقہ نہیں چکھا اور تم ہرگز نہیں دیکھو گے کہ کوئی قناعت کرنے والا زندگی بھر محتاج رہا ہو''۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما خاب من استخار ولا ندم من استشار ولا عال من اقتصد. جس نے اللہ تعالیٰ سے بھلائی طلب کی وہ نامراد نہیں ہوتا جو مشورہ کرتا ہے وہ پشیمان نہیں ہوتا اور جو میانہ روی اختیار کرتا ہے وہ محتاج نہیں ہوتا۔

(المعجم الصغیر ج ۲ ص ۷۸' کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۶۰' فتح الباری ج ۱۱ ص ۲۲۰' تاریخ بغداد ج ۳ ص ۵۴' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۸۰۔ ج ۸ ص ۹۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۱۶۴' الاسرار المرفوعہ رقم الحدیث: ۱۹۵' الدر المنثور رقم الحدیث: ۹۰' لسان المیزان ج ۴ ص ۱۳۴)

اس حدیث کو امام طبرانی نے ''الاوسط میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔
اور آپ نے ارشاد فرمایا:

الاقتصاد فی النفقۃ نصف المعیشۃ والتودد الی الناس نصف العقل وحسن السوال نصف العلم.

اخراجات میں اعتدال نصف معیشت ہے' لوگوں سے محبت کرنا نصف عقل ہے اور اچھی طرح سوال کرنا نصف علم ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۰۶۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۶۱' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۰' الدر المنثور ج ۴ ص ۱۷۸' کشف الخفاء ج ۱ ص ۱۷۹' علل الحدیث رقم الحدیث: ۲۳۵۴' میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۸۳۹۹' لسان المیزان ج ۴ ص ۱۳۴۔ ج ۶ ص ۳۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۴۳۴)

اس حدیث کو امام بیہقی رحمۃ اللہ نے ''شعب الایمان میں'' عسکری نے ''الامثال میں'' نیز ابن السنی (ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق محدث' متوفی ۳۶۴ھ) نے' دیلمی نے اپنے طریق سے اور قضاعی نے بھی روایت کیا۔

(الاعلام ج ۱ ص ۲۰۹' طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۹۶' شذرات الذہب ج ۳ ص ۴۷)

ان سب نے بواسط حضرت نافع' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا امام بیہقی نے اسے ضعیف قرار دیا لیکن اس کے کئی شواہد ہیں عسکری نے اس کو بواسط خلاد بن عیسیٰ' حضرت ثابت سے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الاقتصاد نصف العیش وحسن الخلق نصف الدین.

میانہ روی نصف معیشت ہے اور اچھا اخلاق آدھا دین ہے۔

اسے طبرانی اور ابن لال (احمد بن علی) نے اسی طرح ذکر کیا ہے اور اس کے شواہد میں سے ہے جو عسکری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ:

السوال نصف العلم والرفق نصف المعیشۃ وما عال امرؤ فی اقتصاد.

سوال نصف علم ہے اور نرمی نصف معیشت ہے اور آدمی اعتدال کی صورت میں محتاج نہیں ہوتا۔

دیلمی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت نقل کی ہے:

السوال نصف العلم والرفق نصف المعیشۃ.

سوال نصف علم ہے اور نرمی (اخراجات میں اعتدال) نصف معیشت ہے۔

صحیح ابن حبان میں ایک طویل حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا:

یا ابا ذر لا عقل کالتدبیر ولا ورع کالکف ولا حسب کحسن الخلق.

اے ابوذر! تدبیر کی طرف کوئی عقل نہیں (گناہوں سے) پرہیز کی طرح کوئی تقویٰ نہیں اور اچھے اخلاق کی طرح کوئی حسب نہیں۔

امام بیہقی نے ''شعب الایمان میں'' انہی الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے امام بیہقی اور عسکری دونوں نے حضرت علی

المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

التـعـود دنصف الـدين ومـا عـال امـرؤ قـط علي اقـتـصـاد. باہم محبت نصف دین ہے اور اعتدال کی راہ اختیار کرنے والا محتاج نہیں ہوتا۔

(الدرالمنثور ج۶ص۳۴۳' کشف الخفاء ج۱ص۱۸۰' اتحاف السادۃ المتقین ج۸ص۱۶۴۔۱۶۸)

یعنی جو شخص خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرتا ہے اور فضول خرچی نہیں کرتا وہ محتاج نہیں ہوتا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الـمؤمـن مـن امـنـه الـنـاس. (کامل) مؤمن وہ ہے جس سے لوگ بے خوف ہوں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۶۲۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۹۳۴' سنن نسائی باب ۸' مسند احمد ج۲ص۳۷۹۔ ج۳ص۱۵۴۔ ج۶ص۲۲' المستدرک ج۱ص۱۱' اتحاف السادۃ المتقین ج۶ص۲۵۴' مجمع الزوائد ج۱ص۵۴۔ ج۳ص۲۶۸' کشف الخفاء ج۲ص۴۰۸' الترغیب والترہیب ج۳ص۳۵۳' المغنی ج۲ص۱۹۲' موارد الظمان رقم الحدیث:۲۶' التمہید ج۹ص۲۴۴' کنز العمال رقم الحدیث:۷۴۸)

اور ارشاد فرمایا:

الـمـسـلـم مـن سـلـم الـمـسـلـمـون مـن لسانه و يـده والـمـهـاجـر مـن هـجـر مـا حـرم الـلـه . (کامل) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور (حقیقی) مہاجر وہ ہے جو اس کام کو چھوڑ دے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۴۸۴' جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۶۲۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۴۸۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۶۵۔۶۹' مسند احمد ج۲ص۱۶۳۔۱۹۵۔۲۰۵۔۲۱۲۔ ج۳ص۱۵۴' سنن دارمی ج۲ص۳۰۰' السنن الکبریٰ ج۱۰ص۱۸۷' مسند الحمیدی ج۲ص۲۷۱۔ رقم الحدیث:۵۹۵' المستدرک ج۱ص۱۰۔ ج۳ص۵۱۷' المعجم الکبیر ج۱ص۳۵۶۔ ج۱۸ص۳۰۹' اتحاف السادۃ المتقین ج۶ص۲۵۳' مجمع الزوائد ج۱ص۵۴۔۵۶' حلیۃ الاولیاء ج۳ص۳۳۳' التمہید ج۹ص۲۴۴' مشکوٰۃ المصابیح ج۶ص۳۳' تاریخ ابن عساکر ج۲ص۴۶۱' تغلیق التعلیق رقم الحدیث:۲۲' تاریخ بغداد ج۵ص۱۳۹' موارد الظمان رقم الحدیث:۲۵۔۲۶' کنز العمال رقم الحدیث:۷۳۸۔۷۳۹۔۷۴۰)

اور ارشاد نبوی ہے:

قـلـة الـعـيـال احـد الـيـسـاريـن. زیر کفالت لوگوں کا کم ہونا دو آسانیوں میں سے ایک ہے۔

(الدرالمنثور ج۴ص۱۷۹' اتحاف السادۃ المتقین ج۸ص۱۶۵۔ ج۵ص۲۹۱' کشف الخفاء ج۲ص۱۴۸' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث:۱۳۲' المغنی ج۱ص۲۴' کنز العمال رقم الحدیث:۴۴۵۰۶)

اسے مسند الفردوس کے مصنف نے اس طرح نقل کیا ہے:

الـتـدبـيـر نـصـف الـمـعـيـشـة والتعود د نصف الـعـقـل والـهـم نـصـف الـهـرم وقلة الـعـيـال احد تدبیر نصف معیشت ہے لوگوں سے محبت نصف عقل ہے' غم نصف بڑھاپا ہے اور اولاد کا کم ہونا دو آسانیوں

الیسارین. میں سے ایک ہے۔

(نوٹ):- انسان کے لیے ایک آسانی یہ ہے کہ اسے مال حاصل ہوگا اور دوسری یہ کہ خرچ کم ہوا گر اس کے زیر کفالت لوگ کم ہوں گے تو زیادہ محنت کی ضرورت نہ ہوگی۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اد الامانة الی من ائتمنک ولا تخن من خانک. جس نے تمہارے پاس امانت رکھی ہے اس کو واپس کرو اور جو تم سے خیانت کرتا ہے تم اس سے خیانت نہ کرو۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۲۶۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۵۳۴۔۳۵۳۵' مسند احمد ج ۳ ص ۴۱۴' سنن دارقطنی ج ۳ ص ۳۵' المعجم الکبیر ج اص ۲۳۴۔ ج ۸ ص ۱۵۰' المعجم الصغیر ج اص ۱۷۱' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۲۷۱' المستدرک ج ۲ ص ۴۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۲۹۳۴' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۴۵' لسان المیزان ج ۴ ص ۱۴۳۷' میزان الاعتدال رقم الحدیث:۴۰۲۶' کشف الخفاء ج اص ۷۵' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۳۲' شرح السنہ ج ۸ ص ۲۰۶' الدرالمنثور ج ۲ ص ۱۷۵' التاریخ الکبیر ج ۴ ص ۳۶۰' العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۱۰۲۔۱۰۳' کنز العمال رقم الحدیث:۵۴۹۴)

اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمۃ اللہ نے حضرت شریک اور حضرت قیس بن ربیع کی روایت سے نقل کیا ہے وہ دونوں حضرت ابوصالح کی روایت سے اور حارث حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ کی روایت سے نقل کرتے ہیں اور وہ دونوں (حضرت حارث اور حضرت حسن بصری) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے اور اسے امام دارمی نے اپنی مسند میں اور امام دارقطنی اور امام حاکم نے بھی روایت کیا امام حاکم نے کہا کہ یہ امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے لیکن ابن حزم اور اسی طرح ابن قطان اور امام بیہقی نے اسے معلول قرار دیا (یعنی اس میں کوئی خرابی ہے ابو حاتم نے کہا یہ حدیث منکر ہے (ضعیف ہے) اور امام شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا یہ حدیث اصحاب حدیث کے ہاں ثابت نہیں امام احمد نے فرمایا یہ حدیث باطل ہے میں اسے صحیح طریق کے ساتھ نبی اکرم ﷺ سے نہیں جانتا۔

اور ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمۃ اللہ) نے فرمایا کہ اس کا دوسری سند کے ساتھ مل جانا اس کو قوی بنا دیتا ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

الرضاع یغیر الطباع.[1] دودھ پلانا طبیعتوں کو بدل دیتا ہے۔

(کشف الخفاء ج اص ۵۱۹' مسند شہاب رقم الحدیث:۳۵' الاحکام النبویہ ج ۲ ص ۲۲' کنز العمال رقم الحدیث:۱۵۶۵۳)

اسے ابوالشیخ نے اسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا۔

اور ارشاد فرمایا:

لا ایمان لمن لا امانة له ولا دین لمن لا عهد له. اس کا ایمان (کامل) نہیں جو امانت کی پاسداری نہیں کرتا اور جو ایفائے عہد نہیں کرتا اس کا دین (کامل) نہیں۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ بچہ جن لوگوں کے ہاں دودھ پیتا ہے ان کے اخلاق اس پر اثر انداز ہوتے ہیں لہٰذا اگر بچے کو کسی سے دودھ پلایا جائے تو نیک اور اچھے اخلاق والے لوگوں کا انتخاب کیا جائے۔۱۲ ہزاروی

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۵۔۱۵۴۔۲۱۰۔۲۵۱' المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۳۰' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۹۶' الدر المنثور ج ۱ ص ۴۲۔ ج ۲ ص ۱۷۵'
کشف الخفاء ج ۲ ص ۴۸۵' التمہید ج ۹ ص ۲۵۵' شرح السنہ ج ۱ ص ۷۵' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۵' تاریخ جرجان رقم الحدیث: ۱۰۵'
حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۲۰' الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۲۴۱' موارد الظمان رقم الحدیث: ۴۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۵۰۳)

اس حدیث کو امام احمد اور امام ابویعلیٰ نے اپنی مسندوں میں اور امام بیہقی نے ''شعب الایمان میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا۔

اور آپ نے فرمایا:

النساء حبائل الشیطان. عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں۔

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۴۳۶' الدر المنثور ج ۲ ص ۲۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۲۸۰' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۵۷' المغنی ج ۳ ص ۹۶) نوٹ: یعنی شیطان عورتوں کے ذریعے انسان کو گمراہ کرتا ہے اسی لئے عورتوں کو غیر محرموں سے پردے کا حکم ہے۔ ۱۲ ہزاروی

اس حدیث کو ''مسند الفردوس میں'' حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

حسن العهد من الایمان. اچھی طرح وعدہ پورا کرنا ایمان سے ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۴۲' التاریخ الکبیر ج ۱ ص ۳۱۵' الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث: ۴۷' کشف الخفاء ج ۱ ص ۴۱۴۔ ص ۴۳۱' الاسرار المرفوعہ رقم الحدیث: ۱۸۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۰۹۳۷)

اس حدیث کو امام حاکم نے ''المستدرک میں'' نقل کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ ایک بوڑھی خاتون نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ میرے پاس تشریف فرما تھے آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا جثامہ مزنیہ ہوں آپ نے فرمایا: تم حسانہ ہو (یعنی یہ نام مناسب ہے) تم لوگ کیسے ہو تمہارا کیا حال ہے ہمارے بعد تم کیسے رہے؟ اس نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ہم خیریت سے ہیں جب وہ چلی گئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے اس بوڑھی عورت کی طرف اس طرح توجہ فرمائی؟ آپ نے فرمایا: یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے زمانے میں ہمارے پاس آتی تھی اور اچھا وعدہ ایمان سے ہے۔ امام حاکم نے فرمایا: یہ حدیث امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ کی شرط پر صحیح ہے اور اس میں کوئی علت (خرابی) نہیں۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۳۵' امالی الشجری ج ۲ ص ۱۵۲' الجامع الکبیر ج ۲ ص ۳۱۷' مسند شہاب رقم الحدیث: ۹۲۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۴۴۴)

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

الخمر جماع الاثم. شراب تمام گناہوں کی جامع ہے۔

(یعنی تمام گناہوں کی بنیاد ہے)۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۲۲۵' کشف الخفاء ج ۱ ص ۴۶۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۵۴۱' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۱۲' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۵۷)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جمال الرجل فصاحة لسانه. انسان کا حسن اس کی زبان کی فصاحت ہے۔

(کشف الخفاء ج ۱ص ۳۹۹' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث :۲۰۴' کنز العمال رقم الحدیث:۲۸۷۷۵)

اس حدیث کو قضاعی نے حضرت اوزاعی کی روایت سے اور عسکری نے حضرت منکدر بن محمد بن منکدر رحمۃ اللہ کی روایت سے نقل کیا اور وہ دونوں حضرت محمد بن منکدر سے اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔

نیز الخطیب اور ابن طاہر نے بھی اسے نقل کیا ہے اور اس کی سند میں احمد بن عبدالرحمٰن بن جارود الرقی ہیں اور امام دیلمی نے اسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ:

الجمال صواب المقال والكمال حسن الفعال بالصدق. — جمال درست گفتگو ہے اور کمال سچائی کے ساتھ اچھے عمل کا نام ہے۔

عسکری کے نزدیک حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! انسان میں جمال (حسن) کیا ہے؟ تو فرمایا اس کی زبان کی فصاحت۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

منهومان لا يشبعان طالب علم و طالب دنيا. — دو حریص سیر نہیں ہوتے ایک علم کا طالب اور دوسرا طالبِ دنیا۔

(المستدرک ج ۱ص ۹۲' المعجم الکبیر ج ۱۰ص ۲۲۳' کشف الخفاء ج ۲ص ۳۹۸' اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ص ۱۵۸۔ص ۲۴۲' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث :۲۱۔۱۷۷' الاسرار المرفوعہ رقم الحدیث :۹۵' العلل المتناہیہ ج ۱ص ۸۶۔ص ۸۷' درالمنتثرۃ رقم الحدیث :۱۶۲' تفسیر ابن کثیر ج ۸ص ۴۵۹' المغنی ج ۳ص ۲۳۲۔ص ۲۷۴' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث :۲۶۰' مجمع الزوائد ج ۱ص ۱۳۵' کنز العمال رقم الحدیث :۲۸۹۳۲۔۲۸۹۳۳۔۴۴۱۱۳۔۲۸۹۳۴)

اس حدیث کو امام طبرانی نے ''الکبیر میں'' روایت کیا اور قضاعی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا جبکہ امام بیہقی کے نزدیک ''المدخل میں'' حضرت قاسم سے مروی ہے فرماتے ہیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دو حریص سیر نہیں ہوتے ایک طالبِ علم اور دوسرا طالبِ دنیا اور یہ دونوں برابر نہیں دنیا دار سرکشی میں بڑھتا ہے اور علم والا رحمٰن کی رضا زیادہ کرتا ہے۔

انہوں نے فرمایا: یہ موقوف منقطع ہے[1] بزار اور عسکری وغیرہ نے بھی اس کو اسی طرح روایت کیا اور اس اجتماع کی وجہ سے یہ قوی ہوگئی اگرچہ الگ الگ طریق سے ضعیف ہے۔ واللہ اعلم

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا فقر اشد من الجهل ولا مال اكثر من العقل ولا وحشة اشد من العجب. — جہالت سے بڑھ کر کوئی فقر نہیں عقل سے بڑھ کر کوئی مال نہیں اور خود پسندی (تکبر) سے بڑھ کر کوئی تنہائی نہیں۔

(المعجم الکبیر ج ۳ص ۶۸' کشف الخفاء ج ۲ص ۴۹۹' مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۲۸۳' حلیۃ الاولیاء ج ۲ص ۳۶' البدایہ النہایہ ج ۸ص ۴۱' تاریخ ابن عساکر ج ۴ص ۲۲۱' کنز العمال رقم الحدیث :۴۴۱۳۵۔۴۴۲۳۷۔۴۴۳۸۹)

---

[1] جس حدیث میں ایک راوی یا ایک سے زیادہ مختلف مقامات سے چھوٹے ہوئے ہوں وہ منقطع ہوتی ہے اور موقوف وہ حدیث جس میں صحابی کا قول ہو۔ ۱۲ ہزاروی

اور ارشادِ نبوی ہے:

الذنب لا ینسی والبر لا یبلی والدیان لا یموت فکن کما شئت.

گناہ مٹتا نہیں (نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے) نیکی کا ثواب منقطع نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کے لئے موت نہیں بس جس طرح چاہے ہو جا۔ (کشف الخفاء ج۲ص۱۸۳)

اس کو ''مسند الفردوس میں'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا گیا اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما جمع شیء الی شیء احسن من حلم الی علم.

کسی چیز کا دوسری چیز کے ساتھ جمع ہونا بردباری اور علم کے جمع ہونے سے زیادہ بہتر نہیں۔

(کشف الخفاء ج۲ص۴۱۶۔ص۴۱۷۔۴۵۹، مجمع الزوائد ج۱ص۱۲۱)

اس روایت کو عسکری نے حضرت جعفر بن محمد سے نقل کیا انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے حضرت علی بن حسین سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے کچھ اضافے کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے (اضافہ یہ ہے):

وافضل الایمان التحبب الی الناس ثلاث من لم تکن فیہ فلیس منی ولا من اللہ حلم یرد بہ جھل الجاھل وحسن الخلق یعیش بہ فی الناس وورع یحجزہ عن معاصی اللہ.

بہترین ایمان یہ ہے کہ لوگوں سے محبت ہو اور تین باتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں نہ ہوں اس کا مجھ سے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں ایسی بردباری جس کے ذریعے جاہل کی جہالت کو رد کیا جائے، اچھے اخلاق جس کے ساتھ لوگوں کے درمیان زندگی گزارے اور تقویٰ جو اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکے۔

ان (عسکری) کے نزدیک حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس طرح بھی مرفوعاً مروی ہے:

ما اوی شیء الی شیء احسن من حلم الی علم و صاحب العلم غرثان الی حلم.

کوئی چیز دوسری چیز کو ٹھکانہ نہ دے (اس سے مل جائے) تو بردباری اور علم کے باہم مل جانے سے بہتر ملنا نہیں ہے اور عالم، بردباری کا محتاج ہوتا ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

التمسوا الرزق فی خبایا الارض.

زمین کے پوشیدہ مقام سے رزق تلاش کرو۔

(کشف الخفاء ج۱ص۲۰۳، کنز العمال رقم الحدیث:۹۳۰۳)

اس کو بنت عبد الصمد بن علی بن محمد الھرثمیۃ کی جزء میں حضرت ابن ابی شریح سے روایت کیا اور اس سے مراد کھیتی باڑی کرنا ہے۔

اور انہوں نے یہ شعر پڑھا:

تتبع خبایا الارض وادع ملیکھا لعلک یوما ان تجاب فترزقا

''زمین کی پوشیدہ جگہوں کے پیچھے جاؤ اور اس کے مالک سے دعا کرو یقیناً کسی دن تمہاری دعا قبول ہو

گی پس تمہیں رزق ملے گا''۔

اورارشادنبوی ہے:

کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل وعد نفسک فی اھل القبور.

دنیا میں اجنبی کی طرح یا مسافر کی طرح رہو اور اپنے آپ کو قبرستان والوں میں شمار کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۴۱۶' جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۳۳۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۱۱۴' شرح السنہ ج۱۴ص۲۳۱' اتحاف السادۃ المتقین ج۱۰ص۲۳۶' المعجم الکبیر ج۱۲ص۳۹۹' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث:۵۲۷۴' التاریخ الصغیر ج۱ص۳۰' کشف الخفاء ج۲ص۱۹۴' حلیۃ الاولیاء ج۱ص۳۱۳۔ ج۳ص۳۰۱' الزہد لابن المبارک رقم الحدیث:۵' امالی ج۲ص۱۹۳' تاریخ ابن عساکر ج۵ص۱۷۴' تاریخ بغداد ج۴ص۹۶۔ ج۱۳ص۴۷۳' درالمنثور ج۳ص۳۱۹)

اس حدیث کو امام بیہقی نے ''شعب الایمان میں'' نیز عسکری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا ہے اور امام بخاری و امام ترمذی وغیرہ رحمہم اللہ نے اس کو ذکر کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

صنائع المعروف تقی مصارع السوء و صدقة السر تطفیء غضب الرب و صلة الرحم تزید فی العمر.

نیک کام بری موت سے بچاتے ہیں اور پوشیدہ طور پر صدقہ دینا اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور صلہ رحمی عمر کو بڑھاتی ہے۔

(المعجم الکبیر ج۸ص۳۱۲' درالمنثور ج۱ص۳۵۴۔ ج۳ص۲۵۶' مجمع الزوائد ج۳ص۱۱۵' کشف الخفاء ج۲ص۲۹۔ص۴۲' الترغیب والترہیب ج۲ص۳۰' مسند شہاب رقم الحدیث:۱۰۱۔۱۰۲' کنز العمال رقم الحدیث:۱۵۹۶۵۔۱۵۹۶۶۔۱۵۹۷۳)

اورارشادنبوی ہے:

العفو لا یزید العبد الا عزا والتواضع لا یزیدہ الا رفعة وما نقص مال من صدقة. (اتحاف السادۃ المتقین ج۸ص۳۹۔ص۳۵۳)

معاف کرنا بندے کی عزت میں اضافہ کرتا ہے اور تواضع اس کو بلندی عطا کرتی ہے اور صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ نے یوں روایت کیا ہے:

ما نقصت صدقة من مال وما زاد اللہ بعفو الا عزا وما تواضع احد للہ الا رفعہ اللہ.

صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا اور عفو و درگزر سے اللہ تعالیٰ عزت کو بڑھاتا ہے اور کوئی شخص تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سربلندی عطا کرتا ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۰۲۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۶۹' مسند احمد ج۲ص۲۳۵۔۳۸۶' سنن دارمی رقم الحدیث:۳۴' المعجم الکبیر ج۱۱ص۴۰۵' شرح السنہ ج۶ص۱۳۳' السنن الکبریٰ ج۱۰ص۲۳۵۔ ج۴ص۱۸۷' مجمع الزوائد ج۳ص۱۱۰' الترغیب و الترہیب ج۲ص۵۔ ج۳ص۳۰۷' کنز العمال رقم الحدیث:۱۵۷۶۷)

اور قضاعی نے حضرت ابو سلمہ (عبدالرحمٰن بن عوف زہری رحمۃ اللہ) سے انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا:

ما نقص مال من صدقة ولا عفا رجل عن مظلمة الا زاده الله تعالى بها عزا.

صدقہ دینے سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی اور جب کوئی شخص کسی کی زیادتی معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اس وجہ سے اس کی عزت کو بڑھاتا ہے۔

امام دیلمی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا آپ نے فرمایا:

والذی نفس محمد بیده لاینقص مال من صدقة.

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں حضرت محمد علیہ السلام کی جان ہے صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا۔

اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ نے نقل کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ سَمْعِیْ وَمِنْ شَرِّ بَصَرِیْ وَمِنْ شَرِّ لِسَانِیْ وَمِنْ شَرِّ قَلْبِیْ وَمِنْ شَرِّ مَنِیِّیْ.

یا اللہ! میں اپنے کانوں کے شر' اپنی آنکھوں کے شر' اپنی زبان کے شر اپنے دل کے شر اور اپنے مادۂ منویہ کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے اپنی جامع (سنن) میں اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت شکل (بن حمیدی العبسی صحابی رضی اللہ عنہ جو کوفہ میں اترے) سے روایت کیا۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۵۱' مسند امام احمد ج ۳ ص ۴۲۹' المستدرک ج ۱ ص ۵۳۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۸۵۔ ص ۳۰۳' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۹۱۲' المغنی ج ۱ ص ۳۲۵' مکارم الاخلاق رقم الحدیث: ۹۴' مصنف ابن شیبہ ج ۱۰ ص ۱۹۳۔ ج ۱۵ ص ۱۳۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۴۱۔ ۳۷۱۱)

اور نبی اکرم علیہ السلام نے یوں دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنٰی.

یا اللہ! میں مالداری کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اس حدیث کو امام ترمذی' امام نسائی' امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۶۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۹' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۳۸' امالی ج ۲ ص ۲۱۱)

اور رسول اکرم علیہ السلام نے فرمایا:

ان الدنيا عرض حاضر ياكل منها البر والفاجر وان الاخرة وعد صادق يحكم فيها ملك عادل قادر يحق فيها الحق و يبطل الباطل فكونوا ابناء الاخرة ولا تكونوا ابناء الدنيا فان كل ام يتبعها ولدها.

بے شک دنیا حاضر سامان ہے اس سے ہر نیک و بد کھاتا ہے اور بے شک آخرت سچا وعدہ ہے اس میں عادل و قادر بادشاہ فیصلہ کرے گا اس میں حق ثابت ہوگا اور باطل مٹ جائے گا پس تم آخرت کے بیٹے بنو کیونکہ ہر بچہ اپنی ماں کے پیچھے جاتا ہے۔

اس حدیث کو ابونعیم نے "الحلیہ میں" حضرت شداد کی حدیث سے نقل کیا ہے۔

(السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۱۶' مسند الشافعی رقم الحدیث: ۶۷' میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۳۲۰۸)

رسول اکرم علیہ السلام نے فرمایا:

اخسر الناس صفقة من اذهب اخرته بدنیا غیرہ. (جمع الجوامع رقم الحدیث:۸۳۱)

تجارت کے لحاظ سے سب سے زیادہ خسارے میں وہ شخص ہے جو دوسروں کی دنیا کے لئے اپنی آخرت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

ابن نجار نے حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ سب سے زیادہ گھاٹے کا سوداگر وہ شخص ہے جس نے اپنی امیدوں میں اپنے ہاتھوں کو پرانا کر دیا اور زمانے نے اس کی خواہشات میں اس کی مدد نہ کی پس وہ دنیا سے کسی سامان کے بغیر گیا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی دلیل کے بغیر پہنچا۔

ارشاد نبوی ہے:

ان من کنوز البر کتمان المصائب.

مصائب کو چھپانا نیکی کے خزانوں میں سے ہے۔

اور فرمایا:

الیمین حنث او ندم.

قسم کو یا توڑا جاتا ہے یا اس پر ندامت ہوتی ہے۔

اسے ابو یعلیٰ اور ابن ماجہ نے روایت کیا البتہ ابن ماجہ نے (الیمین کی جگہ) الحلف (قسم) فرمایا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۰۳' کشف الخفاء ج۱ص ۴۳۷۔ ج۲ص ۵۵۸' مسند شہاب رقم الحدیث:۱۱۶۹' موارد الظمان رقم الحدیث:۱۱۷۵' الترغیب والترھیب ج۲ص ۸۷'المعجم الصغیر ج۲ص ۱۱۲' میزان الاعتدال رقم الحدیث:۱۱۷۹' کنز العمال رقم الحدیث:۴۶۳۹۷)

اور سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

لا تظهر الشماتة باخیک فیعافیه الله و یبتلیک.

اپنے بھائی کی پریشانی پر خوشی کا اظہار نہ کرو پس اللہ تعالیٰ اسے عافیت دے کر تمہیں مبتلا کر دے گا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۵۰۶' شرح السنہ ج۱۳ص ۱۴۱' اللآلی المصنوعہ ج۲ص ۲۲۸' در المنثور رقم الحدیث:۱۷۸' اتحاف السادۃ المتقین ج۸ص ۵۳' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث:۹۵۴' کشف الخفاء ج۲ص ۴۹۸' الفوائد المجموعہ رقم الحدیث:۲۶۵' تنزیہ الشریعہ ج۲ص ۳۶۹' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۳۱۱' حاوی الفتاوی ج۱ص ۵۵۶' حلیۃ الاولیاء ج۵ص ۱۸۶' تذکرۃ الموضوعات ص ۲۱۷' المغنی ج۳ص ۱۸۴)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ نے بواسطہ حضرت مکحول' حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور فرمایا: یہ حسن غریب ہے اور امام طبرانی نے بھی اسے نقل کیا اور ابن ابی الدنیا کی روایت میں "فیعافیہ اللہ" کی جگہ "فیرحمہ اللہ" ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ سے ہی مرفوعاً مروی ہے:

من عیر اخاه بذنب لم یمت حتی یعمله.

جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کو کسی گناہ کی عار دلائے تو وہ مرنے سے پہلے اس عمل کو کرے گا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۵۰۵' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۴۸۵۵' کشف الخفاء ج۲ص ۳۶۵' شرح السنہ ج۱۳ص ۱۴۰' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث:۱۷۱' تنزیہ الشریعہ ج۲ص ۲۹۵' الترغیب والترھیب ج۳ص ۳۱۰' اللآلی المصنوعہ ج۲ص ۱۵۷' الموضوعات

نوٹ: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی ایسے کام سے رکنے یا کرنے کی قسم کھائے جو گناہ ہے تو اسے یا تو قسم توڑ کر کفارہ دینا ہوگا یا وہ کام کرے گا جو پسندیدہ نہیں پھر اس پر ندامت ہوگی لہٰذا قسم کھانے سے بچنا چاہیے۔ ۱۲ہزاروی

ج ۳ ص ۸۲ المغنی ج ۳ ص ۱۲۸ اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۵۰۴ الکامل ج ۶ ص ۲۱۸۱)

رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

جف القلم بما انت لاق.

اس بات کے ساتھ قلم خشک ہو گیا جو تجھے حاصل ہونے والی ہے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۶۵۹۶۔۵۵۱ ۷ فتح الباری ج ۱۱ ص ۶۰۱ تاریخ دمشق ج ۱ ص ۳۹۳)

''**فتح المنة بشرح الاخبار لمحي السنه** کے'' مصنف نے فرمایا: یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ تقدیر کے ساتھ قلم چلا اور اس سے فراغت ہو گئی کیونکہ کسی کام کو شروع کرنے کے بعد اس سے فراغت سیاہی سے قلم کے خشک ہونے کو لازم ہوتی ہے تو یہ لازم کا ملزوم پر اطلاق ہے۔

اور یہ لفظ کلام عرب میں نہیں پایا گیا بلکہ یہ ان الفاظ میں سے ہے جن تک اربابِ بلاغت کی رسائی نہیں ہوئی صرف فصاحتِ نبوی اس کا تقاضا کرتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اليوم الرهان و غدا السباق والغاية الجنة والهالك من دخل النار.

(المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۱۱۹)

آج کا دن (دنیوی زندگی) اعمال کے لیے بطور ادہار لی گئی اور کل اس کا بدلہ ملے گا اور انتہا جنت ہے اور جو شخص جہنم میں گیا وہ ہلاک ہوا۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

من ضمن لي ما بين لحييه وما بين رجليه ضمنت له على الله الجنة.

جو شخص مجھے اپنے دو جبڑوں کے درمیان (زبان) اور دو ٹانگوں کے درمیان (شرمگاہ) کی ضمانت دے میں اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

اس حدیث کا ایک جماعت نے بواسطہ عسکری حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۰۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۲۰۵)

صحیح بخاری و ترمذی میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

من يضمن لي ما بين لحييه وما بين رجليه اضمن له الجنة.

جو شخص مجھے دو جبڑوں کے درمیان (زبان) کی اور دو پاؤں کے درمیان (شرمگاہ) کی ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دوں گا۔

دو جبڑوں کے درمیان سے مراد زبان اور گفتگو ہے اور دو پاؤں کے درمیان سے شرمگاہ مراد ہے۔

داؤدی کہتے ہیں دو جبڑوں کے درمیان سے منہ مراد ہے پس یہ حدیث گفتگو کھانے اور پینے اور ہر اس عمل کو شامل ہے جس کا تعلق منہ سے ہے۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

من توكل لي ما بين فقميه و رجليه

جو شخص مجھے دو جبڑوں کے درمیان اور دو پاؤں کے

اتوکل له بالجنة. درمیان کی ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دوں گا۔

الفقم فاء پر پیش اور زبر دونوں طرح ہے اور اس سے جبڑا مراد ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

من تکفل لی تکفلت له. جو مجھے (ان باتوں کی) ضمانت دے میں اسے (جنت کی) ضمانت دوں گا۔

الفاظ مختلف ہیں مفہوم ایک ہی ہے۔

دیلمی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من وقی شر قبقبه و ذبذبه و لقلقه و جبت له الجنة. جو شخص پیٹ اور زبان کے شر سے محفوظ رہا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔

اور الاحیاء کے الفاظ اس طرح ہیں کہ جس نے اپنے پیٹ کو قبقبہ سے بچایا اور یہ وہ آواز ہے جو پیٹ سے سنی جاتی ہے گویا یہ اس آواز کی حکایت ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ حرام اور مشتبہ چیزیں کھانے نیز شرمگاہ اور زبان سے کنایہ ہو۔

تو اس قسم کی بے شمار احادیث ہیں جن کا شمار مشکل ہے یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو فصاحت اور جامع کلمات کے ساتھ گفتگو میں اس قدر ترقی عطا کی گئی کہ کسی دوسرے درجہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

اور آپ نے ایسا مقام پایا کہ اس میں آپ کی قدر و منزلت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

بلاغت کی جامع وجہ

نبی اکرم ﷺ کے کلام میں بلاغت کی جو وجوہ شمار کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے شریعت اور اسلام کے قواعد سے متعلق متفرق امور کو چار احادیث میں جمع فرمایا وہ یہ ہیں:

انما الاعمال بالنیات. اعمال (کے ثواب) کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

الحلال بین والحرام بین. حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی ظاہر ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۸' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۲۰۵' مشکل الاثار ج ۱ ص ۳۲۴' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۵' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۷۶۲' الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۵۴۴' مسند ابی حنیفہ رقم الحدیث: ۱۲۰' التمہید ج ۹ ص ۲۰۱' الکامل ج ۴ ص ۱۶۲۹)

البینة علی المدعی والیمین علی من انکر. گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور قسم منکر پر ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۴۱' سنن الکبریٰ ج ۸ ص ۲۷۹' شرح السنہ ج ۱۰ ص ۱۰۱' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۲۳۰' تلخیص الحبیر ج ۴ ص ۳۹۔ ص ۲۰۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۷۶۹' نصب الرایہ ج ۴ ص ۹۵' سنن دارقطنی ج ۴ ص ۱۵۷' کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۴۲' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۳۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۵۲۸۲۔۱۵۲۸۳)

لا یکمل ایمان المرء حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه. انسان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے وہ بات پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۱' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۵' سنن نسائی ج ۸ ص ۱۱۵۔ ص ۱۲۵' مسند امام

احمد ج ۳ ص ۱۷۶، سنن دارمی ج ۲ ص ۳۰۷، اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۹۱۔ ج ۷ ص ۳۵۸۔ ص ۵۳۰، شرح السنہ ج ۳ ص ۶۰، مسند ابی عوانہ ج ۱ ص ۳۳، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۵۷۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۹۶۹۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۶)

پہلی حدیث عبادات کی چوتھائی پر مشتمل ہے۔
دوسری حدیث معاملات کے چوتھے حصے پر مشتمل ہے۔
تیسری حدیث میں فیصلوں کی چوتھائی کا بیان ہے۔
اور چوتھی حدیث میں آداب اور انصاف کے چوتھے حصے کا بیان ہے اور اس کے تحت جرائم سے بچنے کی تلقین ہے۔
یہ بات ابن منیر نے کہی ہے۔

لغتِ قریش کے علاوہ بلاغت کے کچھ نمونے

نبی اکرم ﷺ کی بلاغت سے وہ کلام بھی شمار کیا گیا جو آپ ہر بلیغ لغت والے سے فرماتے تھے اور یہ فصاحت میں وسعت کی دلیل ہے اور الفت پیدا کرتا ہے۔

چنانچہ آپ شہریوں سے تیل سے زیادہ نرم اور سفید بادلوں سے زیادہ باریک کلام کے ساتھ گفتگو فرماتے اور دیہاتیوں سے ایسا کلام فرماتے جو پہاڑ سے زیادہ مضبوط اور کاٹنے والی تلوار سے زیادہ تیز ہوتا ہے۔

مدینہ طیبہ والوں نے جب آپ سے دعا کے لئے گذارش کی تو دیکھئے آپ نے کس قسم کی دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَھُمْ فِیْ مِکْیَالِھِمْ وَ بَارِکْ لَھُمْ فِیْ صَاعِھِمْ وَ مُدِّھِمْ.

یا اللہ! ان کے لئے ان کے ماپ میں برکت عطا فرما اور ان کے صاع اور مد میں برکت عطا فرما۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱۳۰۔ ۶۷۱۴۔ ۷۳۳۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۶۲۔ ۴۶۵، مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۹، سنن دارمی ج ۲ ص ۲۵۷، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۸۸۵، السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۳۰۴، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۶۹۹، التمہید ج ۱ ص ۲۷۸، مشکل الاثار ج ۲ ص ۹۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۸۷۶)

اور ایک دوسری حدیث میں ہے:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ تَمْرِنَا وَ بَارِکْ لَنَا فِیْ مَدِیْنَتِنَا وَ بَارِکْ لَنَا فِیْ صَاعِنَا وَ بَارِکْ لَنَا فِیْ مُدِّنَا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَدْعُوْکَ لِلْمَدِیْنَۃِ بِمِثْلِ مَا دَعَاکَ اِبْرَاھِیْمُ لِمَکَّۃَ وَ مِثْلَہٗ مَعَہٗ.

یا اللہ! ہمارے لئے ہماری کھجوروں میں برکت عطا فرما ہمارے لیے ہمارے شہر میں برکت دے ہمارے لئے ہمارے صاع میں برکت عطا فرما اور ہمارے لئے ہمارے مد میں برکت عطا کر دے۔ یا اللہ! میں تجھ سے مدینہ طیبہ کے لئے اسی قسم کی دعا کرتا ہوں جو دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے لئے کی تھی اور اس کے ساتھ اس کی مثل بھی۔

بنو نہد ایک وفد کی صورت میں بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے تو طہفہ بن رہم النہدی نے کھڑے ہو کر خشک سالی کی شکایت کی اور یوں کہا:

اتیناک یا رسول اللہ! من غوری تھامۃ باکوار المیس ترتمی بنا العیس نستحلب

یارسول اللہ! ہم آپ کے پاس تہامہ کی مغربی پست جانب سے حاضر ہوئے ہیں المیس (درخت) کے کجاووں

الصبیر و نستخلب الخبیر و نستعضد البریر و نستخیل الرهام و نستجیل الجهام من ارض غائلة النطا غلیطة الوطا قد نشف المدهن و یبس الجعثن وسقط الاملوج و مات العسلوج و هلک الهدی و مات الودی برئنا الیک یا رسول الله من الوثن والعنن وما یحدث الزمن لنا دعوة السلام و شریعة الاسلام ما طمی البحر و قام تعار ولنا نعم همل اغفال ما تبل ببلال و وقیر کثیر الرسل قلیل الرسل اصابتها سنیة حمراء مؤزلة ولیس لها علل ولا نهل.

کے ساتھ اونٹ ہمارا قصد کرتے ہیں ہم بادلوں سے بارش کے طلبگار ہیں ہم سبزی اور گھاس کاٹنا چاہتے ہیں اور ہم پیلو کا پھل چننا چاہتے ہیں ہم تھوڑے بادلوں میں پانی خیال کرتے ہیں ہمارے خیال میں ان بادلوں کو ہوا اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر لے جاتی ہے اور ان میں پانی نہیں ہے زمین دوری کی وجہ سے اور اس لئے کہ اس پر چلنا مشکل ہے ہلاکت خیز ہے پہاڑ کے گڑھے خشک ہو گئے اور سبزیوں کی جڑیں بھی خشکی کا شکار ہو گئی ہیں۔ درختوں کے پتے گر گئے اور ٹہنیاں خشک ہو کر ٹوٹ گئیں اونٹ ہلاک ہو گئے اور کھجوروں کے درخت خشک ہو گئے ہم شرک اور ظلم سے بری الذمہ ہو کر حاضر خدمت ہیں نیز اس عمل سے جسے زمانوں نے ظاہر یا ہمارے لئے سلامتی کی دعوت اور شریعتِ اسلام ہے جب تک سمندر کی موجیں بلند اور تعار پہاڑ قائم رہے گا ہمارے پاس جانور کسی چرواہے کے بغیر ہیں اور ایسی اونٹنیاں ہیں جو دودھ نہیں دیتیں ایسے ریوڑ ہیں جو چارے کی تلاش میں دور دور بکھر گئے اور ان کا دودھ کم ہے انہیں سرخ شدید قحط پہنچا ہے نہ ان کے لیے پہلے پینا ہے اور نہ دوبارہ۔

نبی اکرم ﷺ نے دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَھُمْ فِیْ مَحْضِنِھَا وَ مَخْضِھَا وَ مُذْقِھَا وَابْعَثْ رَاعِیَھَا فِی الدَّثْرِ بِیَانِعِ الثَّمَرِ وَافْجُرْلَہُ الثَّمَدَ وَ بَارِکْ لَہٗ فِی الْمَالِ وَالْوَلَدِ مَنْ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ کَانَ مُسْلِمًا وَ مَنْ اٰتَی الزَّکٰوۃَ کَانَ مُحْسِنًا وَ مَنْ شَھِدَ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کَانَ مُخْلِصًا لَّکُمْ یَا بَنِیْ نَھْدٍ وَ دَائِعُ الشِّرْکِ وَوَضَائِعُ الْمِلْکِ لَا تُلْطَطُ فِی الزَّکٰوۃِ وَلَا تُلْحَدُ فِی الْحَیَاۃِ وَ لَا تُتَثَاقَلُ عَنِ الصَّلٰوۃِ.

یا اللہ! ان کے خالص اور مکھن دینے والے دودھ میں برکت عطا فرما' ان کے چرواہے کو ایسی جگہ بھیج جہاں پانی زیادہ ہو اور تھوڑے پانی کو زیادہ کر دے اس کے مال اور اولاد میں برکت عطا فرما جو نماز ادا کرے وہ مسلمان جو زکوٰۃ دے وہ نیکوکار ہے اور جو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ مخلص ہے اے بنونہد! تمہارے لیے زمانہ شرک کے وعدوں کی پابندی اور وہ وظائف ہوں گے جو مسلمانوں کے لئے ہیں زکوٰۃ سے انکار نہ کیا جائے اور جب تک زندگی ہو حق سے ملال نہ ہو اور نہ نماز میں سستی ہو۔

(العلل المتناہیہ ج اص ۱۷۹' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۹۲۷' الشفاء ج اص ۲۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۶۰۷۔ ۳۰۳۱۷۔ ۳۰۳۲۵' المستدرک ج ۴ص ۳۲۷)

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے بنونہد کو ایک تحریر دی جو اس طرح ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

من محمد رسول الله الى بني نهد بن زيد السلام على من امن بالله عزوجل و رسوله لكم يا بني نهد في الوظيفة الفريضة ولكم الفارض والفريش و ذوالعنان الركوب والفلوا الضبيس لا يمنع سر حكم لا يعضد طلحكم ولا يحبس دركم مالم تضمروا الاماق و تاكلوا الرباق من اقربما في هذا الكتاب فله من رسول الله الوفاء بالعهد والذمة ومن ابى فعليه الربوة.

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم کرنے والا ہے

(یہ تحریر) اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی طرف سے بنونہد بن زید کی طرف ہے اس شخص پر سلام ہو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لایا۔ اے بنونہد! زکوٰۃ کے سلسلے میں بوڑھا جانور تمہارے لئے ہوگا (ہم نہیں لیں گے جس طرح ہم زیادہ عمدہ مال نہیں لیتے) بیمار جانور بھی اور بچہ جننے والی اونٹنی بھی تمہارے لئے ہوگی جس گھوڑے پر آسانی سے سواری ہو سکے اور جس پر سوار ہونا مشکل ہو وہ بھی نہیں لیں گے کوئی شخص تمہاری چراگاہ میں داخل نہیں ہوگا اور نہ تمہارے درخت کاٹے گا۔ تمہارے دودھ والے جانوروں کو چراگاہ سے روکا نہیں جائے گا جب تک تمہارے دل حق سے تنگ نہ ہو جائیں یہاں تک کہ معاہدہ توڑ دو۔ جس نے اس بات کا اقرار کیا جو اس تحریر میں ہے اس کے لیے رسول اکرم ﷺ کی طرف سے عہد و پیمان کو پورا کرنا ہے اور جو انکار کرے اس پر (بطور سزا زکوٰۃ میں) اضافہ ہوگا۔

بنونہد کی گفتگو، رسول اکرم ﷺ کا جواب اور پھر آپ کی تحریر میں جو الفاظ استعمال ہوئے وہ بلاغت کا مرقع ہیں ان میں کچھ مشکل الفاظ کی وضاحت اس طرح ہے۔

الميس: ایک سخت قسم کا درخت جس سے اونٹوں کے کجاوے وغیرہ بنتے ہیں۔ **الصبير**: گہرے سفید بادل۔ **السخير** اونٹ وغیرہ کے بالوں اور کھیتی وغیرہ کو کہا جاتا ہے۔ **البرير**: پیلو کا پھل جو قحط سالی میں کھاتے تھے۔ **الرهام**: کمزور بارش (واحد رھمہ ہے)۔ **الجهام**: ایسے بادل جن میں پانی نہ ہو۔ **النطاء**: دوری کی وجہ سے مہلک۔ **المدهن**: پہاڑ میں سوراخ۔ **الجعثن**: سبزی کی جڑ۔ **العسلوج**: خشک ٹہنی اس کی جمع (عسالیج ہے)۔ **الاملوج**: درختوں کے پتے' **الهدى**: وہ اونٹ جو حرم شریف کی طرف لے جائے جاتے ہیں۔ **الودى**: کھجور کے درخت۔ **الوثن**: بت۔ **العنن**: ایک طرف کو ہو جانا۔ **طمى البحر**: سمندر کی موجیں بلند ہوئیں۔ **نعم همل**: وہ جانور جن کے لیے چارہ نہیں۔ **الابل الاغقال**: وہ جانور جن کا دودھ نہیں۔ **محصنها**: خالص دودھ والا۔ **مخضها**: مکھن والا دودھ۔ **مذقها**: پانی ملا ہوا۔ **الدثر**: کثیر مال۔ **الثمد**: تھوڑا پانی۔ **ودائع الشرك**: زمانہ شرک کے معاہدے۔ **وضائع الملك**: بادشاہ کی طرف سے مقررہ وظائف۔ **لا تلطط**: نہ منع کرے۔ **لا تلحد**: بے دینی اختیار نہ کرے۔ **الوظيفه**: واجب حق۔ **الفريضه**: بوڑھا جانور۔ **الفارض**: مریض جانور۔ **الفريش**: بچہ جننے والی اونٹنی۔ **ذوالعنان**: مطیع جانور۔ **الركوب**: جس جانور پر سواری آسان ہو۔ **الضبيس**: مشکل سخت۔ **سرح**: چراگاہ۔

درکم: تمہارے دودھ دینے والے جانور۔ الاماق: غصہ رونا۔ الوباق: جانور کی رسی عہد مراد ہے۔ الوبوۃ: زیادہ۔

تو نبی اکرم ﷺ کی اس دعا اور خط کو دیکھئے کس طرح ان کی لغت کے مطابق ہے بلکہ حسن نظم اور ظہور میں اس سے زیادہ عمدہ ہے۔

اور یہ نبی اکرم ﷺ کی اس تحریر کے مقابلے میں کہاں؟ جو آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو زکوۃ کے بارے میں عطا فرمائی اور وہ تحریر جو قریش اور انصار کو ایک جماعت قرار دینے کی خاطر معرض وجود میں آئی:

انهم امة واحدة دون الناس من قريش على رباعتهم ' يتعاقلون بينهم معاقلهم الاولى' و يفكون عانيهم بالمعروف والقسط بين المؤمنين' وان المومنين المتقين ايديهم على من بغى عليهم ' او ابتغى دسيعة ظلم ' وان سلم المؤمنين واحد على سواء و عدل بينهم' وان كل غازية غزت يعقب بعضهم بعضا' ومن اعتبط مومنا قتلا فهو قود الا ان يرضى ولى المقتول' ومن ظلم واثم فانه لا يوتغ الا نفسه' واولاهم بهذه الصحيفة البر المحسن.

(السیرۃ لابن ہشام ج۲ص۱۴۶' البدایۃ النہایہ ج۳ص ۲۲۳' المنتظم ج۳ص۷۰' طبقات ابن سعد ج۱ص۱۸۳)

کہ وہ ایک ہی جماعت ہیں قریش کے ان لوگوں کو چھوڑ کر جو اپنے پرانے طریقے پر ہیں یہ لوگ دیت وغیرہ اسی طرح ادا کرتے ہیں جس طرح پہلے ادا کرتے تھے وہ اپنے قیدیوں کو دستور شریعت کے مطابق چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں مؤمنوں کے درمیان انصاف سے کام لیتے ہیں اور متقی مؤمن سرکشی کرنے والوں اور ظلم کے طور پر عطیات وصول کرنے والوں کے خلاف ان کے دست و بازو ہیں اور مسلمان ایک ہی حالت پر ہیں اور وہ عدل و استقامت ہے اور وہ باری باری جہاد کے لئے جاتے ہیں اور جو شخص کسی مؤمن کو قتل کرے تو اس کا قصاص ہے مگر یہ کہ مقتول کا ولی راضی ہو جائے اور جو شخص ظلم یا گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ اپنے آپ کو ہی ہلاک کرتا ہے اور اس تحریر کا زیادہ مستحق وہی شخص ہے جو نیکی اور احسان کرنے والا ہے۔

دسیعه ظلم : بڑا ظلم۔ رباعتھم: ان کا پرانا معاملہ جس پر وہ تھے۔ یتعاقلون بینھم معاقلھم الاولی: یعنی ان کا جو طریقہ چل رہا تھا کہ وہ دیت لیتے دیتے تھے یہ عقل سے باب تفاعل ہے اور معاقل دیتوں کو کہتے ہیں جو معقلۃ کی جمع ہے کہا جاتا۔ بنو فلان علی معاقلھم التی کانوا علیھم: یعنی اپنے پہلے والے مراتب اور حالتوں پر ہیں۔ ولا یوتغ: ہلاک نہیں ہوگا۔ و یعقب بعضھم بعضا: یعنی ان کے درمیان باری باری جنگ ہوتی ہے جب ایک گروہ نکلتا ہے پھر لوٹتا ہے تو اسے دوبارہ آنے کی تکلیف نہیں دی جاتی حتیٰ کہ اس کے بعد دوسرا آئے۔

یہ تحریر اسی طرح اختصار کے ساتھ ابن شطب نے روایت کی ہے۔

کلام میں نرمی اور شہریوں کے انداز اور جمہور کے عرف کے مطابق نبی اکرم ﷺ کا وہ مکتوب گرامی کہاں ہے (یعنی تمہارے پیش نظر رہے) جو مشعار ہمدانی (ابوثور مالک بن نمط) کے لئے لکھا جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے تو ہمدان کا وفد آپ سے ملا اور مالک بن نمط نے کہا یا رسول اللہ! یہ تمام ہمدان شہروں اور دیہاتوں کے اشراف میں آپ کی خدمت میں تیز چلنے والی اونٹنی پر آئے ہیں اسلام سے وابستہ ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کا خوف نہیں رکھتے خارف اور یام قبیلے کی اولاد ہے وہ کسی کی چغلی اور فساد پھیلانے کی وجہ سے عہد نہیں توڑتے اور نہ ہی کسی سخت مصیبت کی

وجہ سے عہد شکنی کرتے ہیں جب تک لعلع پہاڑ قائم ہے اور جب تک غیر آباد زمین پر گائے کے بچے موجود ہیں۔

تو نبی اکرم ﷺ نے ان کی طرف لکھا:

هذا كتاب من محمد رسول الله لمخلاف خارف واهل جناب الهضب و حفاف الرمل، مع وافدها ذى المشعار مالك بن نمط ومن اسلم من قومه على ان لهم فراعها ووهاطها وعزازها، ما اقاموا الصلاة واتوا الزكاة، يا كلون علافها، و يرعون عفاها، لنا من دفئهم و صرامهم ما سلموا بالميثاق والامانة، ولهم من الصدقة الثلب والناب والفصيل والفارض والداجن والكبس الحورى، و عليهم فيها الصالغ والقارح.

(السیرۃ لابن ہشام ج ۴ ص ۲۴۵)

یہ خط اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی طرف سے مخلاف خارف جناب الھضب اور حفاف الرمل (جگہوں کے نام) والوں کی طرف اور ان کے ساتھ ساتھ ان کے راہنمائے وفد ذی المشعار مالک بن نمط اور ان کی قوم میں سے جو لوگ ایمان لائے کی طرف ہے کہ پہاڑ کی بلند جگہ نیز نرم اور سخت زمین ان کے لئے ہے جب تک وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں وہ وہاں کی سبزی کھائیں اور مباح جگہ پر جانوروں کو چرائیں ہمارے لئے ان کے اونٹوں کے بچے اور ان کی کھجوریں ہیں جو عہد و پیمان کے مطابق وہ ادا کریں اور ان کے لئے صدقہ میں بوڑھے اونٹ اور اونٹنیاں ہیں، اس کے علاوہ اونٹوں کے چھوٹے بچے اور بڑے اونٹ نیز جو گھروں میں مانوس ہیں اور وہ مینڈھا جس کی اون میں سرخی ہے اور زکوٰۃ کے سلسلے میں ان پر لازم ہے کہ پوری عمر والی بکری اور وہ گھوڑا جو چار سال کا ہو کر پانچویں سال میں داخل ہو۔ (یعنی زکوٰۃ میں نہ تو بہت عمدہ مال لیا جائے اور نہ ہی کمزور اور ناقص، بلکہ متوسط درجہ کا مال لیا جائے)۔

الجناب الهضب: جگہ کا نام۔ حفاف الرمل: جگہ کا نام۔ فراعها: پہاڑ یا زمین کا بلند حصہ۔ وهاط: ہموار زمین۔ عزاز: سخت زمین۔ علاف: (علف کی جمع) گھاس۔ دف: اونٹوں کے بچے اور جو نفع اٹھایا جائے۔ الثلب: بوڑھے اونٹ۔ الناب: بوڑھی اونٹنی۔ الفصيل: وہ بچہ جو ماں سے جدا ہوا۔ الفارض: جوان اونٹ۔ الداجن: وہ جانور جو گھروں سے مانوس ہو۔ الكبش الحورى: وہ مینڈھا جس کی اون میں سرخی ہو۔ الصانع: جس بکری کے دانت پورے ہوں۔ القارح: وہ گھوڑا جو پانچویں سال میں داخل ہو۔

نبی اکرم ﷺ کا یہ مکتوب گرامی بھی اسی جنس سے ہے جو آپ نے قطن بن حارثہ علیمی کلبی کو لکھا۔ یہ خط آپ کے حکم سے حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا جس کا مضمون اس طرح ہے:

هذا كتاب من محمد لعمائر كلب واحلافها، ومن ظأره الاسلام من غيرهم مع قطن ابن حارثة العليمى، باقام الصلاة لوقتها وايتاء الزكاة بحقها فى شدة عقدها

یہ خط حضرت محمد ﷺ کی طرف سے کلب قبیلہ کی ذیلی شاخوں، ان کے حلیفوں اور ان کے علاوہ جن پر اسلام کی شفقت و توجہ ہے، کی طرف ہے جو قطن ابن حارثہ علیمی کے ذریعے بھیجا گیا ہے اس میں وقت پر نماز قائم کرنے،

ووفاء عهدها ' بمحضر من شهود المسلمين ' وسمى جماعة منهم دحية بن خليفة الكلبي 'عليهم من الهمولة الراعية البساط الظار في كل خمسين ناقة غير ذات عوار ' والحمولة المائرة لهم لاغية ' و في الشوى الورى مسنة حامل او حائل ' وفيما سقى الجدول من العين المعين العشر ' وفي العشرى شطره بقيمة الامين لا يزاد عليهم وظيفة ولا يفرق. شهد على ذلك الله و رسوله.

زکوٰۃ اس کے حق کے ساتھ ادا کرنے کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان کو سخت پابندی کے ساتھ ادا کیا جائے' یہ مسلمانوں کی موجودگی میں لکھا گیا آپ نے ان کا نام جماعت رکھا ان میں حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ (حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہما) بھی تھے۔ ان پر چرنے والے جانوروں میں جن کے ساتھ ان کے بچے بھی ہوں دودھ پلانے والی اونٹنیوں میں ایک اونٹنی لازم ہوگی جو بے عیب ہو اور جس اونٹ پر سامان لادا جاتا ہے اس میں زکوٰۃ نہیں ہوگی اور موٹی تازی بکریاں جو ایک سال کی عمر کو پہنچ جائیں حاملہ ہوں یا ایک سال کی ہوں ان میں زکوٰۃ ہوگی اور جو زمین جاری چشمے سے نکلنے والی چھوٹی نہر سے سیراب ہو اس میں عشر ہوگا اور بارانی زمین میں اس کا نصف کسی تجربہ کار کے قیمت لگانے سے ہوگا نہ ان پر کسی وظیفہ میں زیادتی کی جائے اور نہ تفریق کی جائے اس پر اللہ اور اس کا رسول گواہ ہیں۔

یہ خط ثابت بن قیس بن شماس نے لکھا[1] حضرت وائل بن حجر کو جو مکتوب گرامی تحریر فرمایا وہ اسی انداز کا ہے یہ خط ان سرداروں کی طرف لکھا گیا جن کو ان کی مملکتوں پر قائم رکھا گیا اور وہ سردار جو حسن و جمال کا پیکر تھے۔ آپ نے اس خط میں فرائض کا ذکر فرمایا۔ یہ مکتوب گرامی اس طرح ہے:

في التيعة شاة لا مقورة الألياط ولا ضناك' وانطوا الثبجة وفي السيوب الخمس' ومن زنى مم بكر فاصقعوه مائة واستوفضوه عاما' ومن زنى مم ثيب فضرجوه بالاضاميم' ولا توصيم في الدين' ولا غمة في فرائض الله ' وكل مسكر حرام ' ووائل بن حجر يترفل على

چالیس بکریوں میں ایک بکری ہوگی جو کمزوری کی وجہ سے ڈھیلے چمڑے والی نہ ہو اور نہ زیادہ گوشت والی ہو اور درمیانے قسم کا مال (زکوٰۃ میں) دو مدفون مال میں خمس (پانچواں حصہ) ہوگا اور جو شخص کنواری عورت سے زنا کرے اسے ایک سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لئے جلاوطن کر دو (ابو العزیز) اور جو شخص شادی ہو کر زنا کرے اسے رجم کرو

[1] ظأرہ الاسلام: ظاء اور پھر ہمزہ اور آخر میں ہ ہے ان پر مہربانی کی۔ فی الہمولہ: ہاء پر زبر وہ جو خود چرے فعولۃ کا وزن مفعولہ کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ البساط: جس کے ساتھ بچے ہوں الظنار: اونٹنی اپنے بچے کے علاوہ کی طرف متوجہ ہو۔ الحمولہ المائرۃ لہم لاغیۃ: جس اونٹ پر کھانا یا تجارت کا سامان لادا گیا اس کی زکوٰۃ نہ لی جائے کیونکہ وہ عمل کے لئے ہیں۔ الشوی: شین پر زبر واؤ کے نیچے زیر اور یاء پر شد ہے یہ شاۃ کی جمع ہے۔ الوری: موٹی۔

الاقیال. [1] شرعی سزاؤں کے نفاذ میں سستی نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کے فرائض کو چھپایا نہ جائے اور ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے حضرت وائل بن حجر ان سرداروں کی قیادت فرما رہے تھے۔

اسی کے قریب وہ خطوط ہیں جو اکیدر اور اہل درمہ کو تحریر فرمائے جس طرح آپ کے خطوط میں گزر چکا ہے۔ حضرت عطیہ سعدی کی حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الید العلیاء ھی المنطیة والسفلی ھی المنطاة. اوپر والا ہاتھ دینے والا ہے اور نچلا ہاتھ لینے والا ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۷ص ۱۶۷۔ص ۱۶۹' الدر المنثور ج ۱ص ۳۵۹' المستدرک ج ۴ص ۳۲۷' السنن الکبریٰ ج ۴ص ۱۹۸' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۹۸' جمع الجوامع رقم احادیث: ۶۰۱۰' مناہل الصفا ص ۴۸۔رقم الحدیث: ۴۷' تاریخ ابن عساکر ج ۷ص ۱۲۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۱۲۹۔۱۶۷۰۷۔۱۷۰۰۶)

وہ فرماتے ہیں: حضور علیہ السلام نے ہم سے ہماری زبان میں گفتگو فرمائی۔ یہ بات نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت سے ہے کہ آپ بلیغ لغت والے کے ساتھ اسی کی لغت میں گفتگو فرماتے تھے حالانکہ لغت میں الفاظ کی ترکیب اور کلمات کے اسلوب کے حوالے سے اختلاف ہے اور وہ لوگ اپنی لغت سے آگے نہیں بڑھ سکے تھے اگر وہ کوئی دوسری لغت سنیں تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ کوئی عربی، عجمی زبان سن رہا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو یہ قوت بارگاہِ خداوندی سے ودیعت ہوئی تھی کیونکہ آپ کو تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا تھا اور آپ سیاہ وسرخ سب کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔

زبان سے گفتگو بیان کی غایت ہوتی ہے اور کوئی متکلم اپنی لغت کے بغیر گفتگو نہیں کر سکتا ہاں کوئی ترجمانی کرنے والا ہو تو وہ ترجمانی میں کوتاہی کرنے والا اور اصل کے مقابلے میں نچلے درجہ میں ہوتا ہے جب کہ ہمارے آقا ﷺ کا معاملہ اس سے الگ ہے جیسا کہ گزر گیا آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہوا کہ آپ جس لغت میں گفتگو فرماتے اس لغت والوں سے زیادہ فصیح اللسان ہوتے اور یہ بات آپ کے لائق بھی ہے کیونکہ آپ کو تمام اچھی بشری قوتیں دوسرے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ دی گئیں حالانکہ وہ مختلف جنسوں سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ بات نہ تو قیاس میں آ سکتی ہے اور نہ اس کی تحقیق مشتبہ ہو سکتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی آواز مبارک

آپ کی آواز مبارک کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو خوبصورت اور اچھی آواز والا بنا کر بھیجا حتیٰ کہ ہمارے نبی کو بھیجا تو آپ کا چہرۂ مبارکہ بھی حسین اور آواز بھی اچھی

[1] الاقیال: سردار جو بادشاہوں سے نچلے درجہ میں ہوں۔ العباھلہ: جو اپنی حکومت پر برقرار رکھے گئے۔ الاوراع: (رائع کی جمع) اچھی شکل و صورت والے۔ المشابیب: سردار خوبصورت۔ الیعة: چالیس بکریاں یا جانوروں کی کم از کم تعداد جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ مقورۃ الالیاط: کمزور جانور۔ ضناک: موٹا تازہ۔ انطوا: دو۔ البثجة: درمیانہ مال' السیوب: پوشیدہ خزانہ۔ فاصقعوہ: اسے مارو۔ استوفضوہ: ملک بدر کرو۔ الاضامیم: پتھر۔ توصیم: سستی۔ غمة: پوشیدگی۔ یترفل: سردار ہونا

تھی۔ (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۸۳)

اسی قسم کی حدیث حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے بھی مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب آپ کلام فرماتے تو آپ کے سامنے کے دانتوں سے نور نکلتا ہوا دکھائی دیتا۔

آپ کی آواز مبارک وہاں تک پہنچتی تھی جہاں تک دوسروں کی آواز نہیں پہنچتی تھی۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا تو پردہ نشین کنواری لڑکیوں نے اپنے پردے میں سن لیا۔

نوٹ: چونکہ کنواری لڑکیوں کو بالکل اندر پردے میں رکھا جاتا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کی آواز بہت دور تک جاتی تھی۔ ۱۲ ہزاروی (مسند امام احمد ج ۴ ص ۴۲۴، دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۵۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جمعۃ المبارک کے دن منبر پر تشریف فرما ہوئے تو فرمایا اے لوگو! بیٹھ جاؤ، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بنو غنم قبیلے میں تھے تو وہ وہاں ہی بیٹھ گئے۔

(دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۵۶، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۱۶)

حضرت عبدالرحمٰن بن معاذ التیمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا تو ہمارے کانوں کو کھول دیا ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے کان کھول دیئے حتیٰ کہ ہم اپنے خیموں میں آپ کا کلام سنتے تھے۔ (الکاشف ج ۲ ص ۱۶۴)

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم آدھی رات کے وقت خانہ کعبہ کے پاس حضور ﷺ کی قرأت سنتے حالانکہ میں اپنی چارپائی پر ہوتی تھی۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۱۷۹، دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۵۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۱۷۳)

رسول اکرم ﷺ کا ہنسنا اور رونا

آپ کی مبارک ہنسی کے بارے میں صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو کبھی بھی کھل کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے حلق کا گوشت [1] نظر آئے بلکہ آپ تبسم فرماتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ اس طرح نہیں ہنستے تھے کہ مکمل طور پر اسی طرف متوجہ ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۲۸۔ ۶۰۹۲، المستدرک ج ۳ ص ۴۵۶، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۰۵)

اور یہ حدیث اس کے منافی نہیں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اس واقعہ میں ہے کہ جب ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے رمضان المبارک میں (دن کے وقت) اپنی بیوی سے جماع کیا تھا [2] تو

---

[1] منہ کے بالکل آخر میں حلق کے اوپر ایک گوشت کا ٹکڑا لہاۃ کہلاتا ہے۔

[2] ایک شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے کہا میں ہلاک ہو گیا فرمایا کیا ہوا؟ عرض کیا میں نے روزے کی حالت میں بیوی سے جماع کر لیا ہے فرمایا مسلسل دو ماہ کے روزے رکھ سکتے ہو؟ کہا نہیں آپ نے فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ اس نے کہا نہیں اتنے میں کھجوروں کا ایک ٹوکرا آیا آپ نے فرمایا اسے لے جاؤ اور صدقہ کر دو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ اپنے آپ سے زیادہ محتاج پر صدقہ کروں اللہ تعالیٰ کی قسم مدینہ طیبہ میں مجھ سے زیادہ محتاج کوئی نہیں تو آپ ہنس پڑے (زرقانی ج ۴ ص ۱۸۰)

نبی اکرم ﷺ ہنس پڑے حتی کہ آپ کی داڑھیں مبارک نظر آنے لگیں اسے امام بخاری رحمۃ اللہ نے روایت کیا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۸۷، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۰۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۳۷۹، الضعفاء ج ۱ ص ۱۲۳)

اور داڑھیں اسی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں جب زیادہ ہنسا جائے تو دونوں احادیث ایک دوسرے کے منافی اس لئے نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھنے کی نفی کی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مشاہدہ بیان کیا ہے اور ثابت کرنے والی بات نفی والی بات پر مقدم ہوتی ہے۔

اہلِ لغت نے کہا کہ تبسم، ہنسنے کا آغاز ہے اور ہنسا سرور کی وجہ سے چہرے کا اس قدر کھلکھلانا ہے کہ دانت ظاہر ہو جائیں اگر وہ آواز سے ہو اور دور والا سن لے تو یہ قہقہہ ہے ورنہ اسے ضحک (ہنسنا) کہتے ہیں اور اگر آواز بھی نہ ہو تو یہ تبسم ہے۔

ابن ابی ہالہ نے کہا:

جل ضحکہ التبسم و یفتر عن مثل حب الغمام. کہ آپ اکثر تبسم فرماتے تھے اور جب کبھی ہنستے تو دانت مبارک ظاہر ہو جاتے۔

''حب الغمام'' اولوں کو کہتے ہیں (دانتوں کو تشبیہ دی ہے)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

احادیث کو جمع کرنے سے جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ عام طور پر تبسم سے زیادہ نہیں ہنستے تھے اور کبھی زیادہ ہو جاتا تو وہ ہنسی ہوتی (قہقہہ نہ ہوتا) اور فرمایا مکروہ زیادہ ہنسا ہے (اور قہقہہ لگانا ہے) کیونکہ اس سے وقار چلا جاتا ہے۔

ابن بطال نے کہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ان افعال کی پیروی کرنی چاہیے جن کو آپ نے ہمیشہ اختیار فرمایا۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے ''الادب المفرد میں'' اور حضرت امام ماجہ رحمۃ اللہ نے (سنن ابن ماجہ میں) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تکثر الضحک فان کثرۃ الضحک تمیت القلب. زیادہ نہ ہنسو کیونکہ زیادہ ہنسا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۰۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۳، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۰، المعجم الکبیر ج ۲ ص ۱۶۸، کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۵۷، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۱۶، اتحاف السادۃ المتقین ص ۳۹۴، الادب المفرد رقم الحدیث: ۲۵۲-۲۵۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اذا ضحک یتلألأ فی الجدار. (نبی اکرم ﷺ) جب ہنستے تو دیوار چمک اٹھتی۔

یعنی دیوار پر اس طرح نور چمکتا جس طرح سورج چمکتا ہے جب نبی اکرم ﷺ کی حضرت جبریل علیہ السلام سے تازہ تازہ ملاقات ہوتی تو آپ ہنستے نہیں تھے حتی کہ وہ چلے جاتے بلکہ آپ جب خطبہ دیتے یا قیامت کا ذکر کرتے تو سخت غصہ آتا اور آپ کی آواز بلند ہو جاتی [1] گویا کسی لشکر سے ڈرانے والے ہیں۔ آپ فرماتے وہ صبح کے وقت آیا یا شام

[1] حضرت امام زرقانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث کے مطابق خطیب کے لئے سنت ہے کہ سامعین کی حالت کے مطابق خطاب کرے اس میں رغبت بھی ہو اور ڈرایا بھی جائے اپنی آواز کو بلند کرے اور کلام میں حرکت پیدا کرے (زرقانی جلد ۴ ص ۱۸)

کے وقت آیا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۵؍ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳؍ السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۰۶؍ شرح السنہ ج ۴ ص ۲۵۴؍ اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۲۳۰۔ ج ۷ ص ۱۱۴۔ ۱۱۵ ص ۱۱۵۔ ج ۱۰ ص ۲۵۴؍ المغنی ج ۲ ص ۳۶۵۔ ۳۴۴/۴؍ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۴۰۷؍ الاسماء والصفات رقم الحدیث: ۱۸۸؍ المنتقی ص ۸۳۔ رقم الحدیث: ۲۹۷؍ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۹۷۴)

نبی اکرم ﷺ کا رونا بھی آپ کی ہنسی کی طرح ہوتا تھا اس میں نہ تو ہچکی ہوتی اور نہ آواز بلند ہوتی جس طرح آپ کی ہنسی قہقہہ کی شکل میں نہیں ہوتی تھی لیکن آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے اور آپ کے سینے سے آواز آتی تھی آپ اپنی امت پر خوف اور ڈر کی وجہ سے کسی میت پر بطور رحمت روتے تھے نیز خوف خدا سے روتے قرآن پاک سن کر اور کبھی کبھی رات کی نماز میں روتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جمائی سے محفوظ فرمایا تھا۔

''تاریخ بخاری اور مصنف ابن ابی شیبہ میں'' حضرت یزید بن اصم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو جمائی کبھی نہیں آئی۔ ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں ہے کہ کسی نبی کو کبھی بھی جمائی نہیں آئی۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۷۴۷)

دست مبارک کا وصف

نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک کے بارے میں متعدد حضرات نے فرمایا کہ آپ کے ہاتھ مضبوط تھے یعنی انگلیاں سخت تھیں آپ کے بازو مضبوط اور ہتھیلیاں کشادہ تھیں۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔

(دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۴۲؍ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۴)

نبی اکرم ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے رخسار پر دست مبارک پھیرا تو انہوں نے آپ کے دستِ مبارک میں ٹھنڈک اور خوشبو پائی گویا وہ عطار کی صندوقچی سے نکالا گیا ہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۰)

امام طبرانی اور بیہقی رحمۃ اللہ نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں:

میں نبی اکرم ﷺ سے مصافحہ کرتا یا میرا جسم آپ کے جسم سے لگتا تو میں بعد میں اپنے ہاتھ سے اس بات کو پہچانتا اور وہ کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوتا تھا۔

حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے مجھے اپنا ہاتھ پکڑوایا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔ (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۵۶)

حضرت مستورد بن شداد اپنے والد (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کا دست مبارک پکڑا تو وہ ریشم سے زیادہ نرم اور برف سے زیادہ ٹھنڈا تھا۔

نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیمار پرسی کے لئے ان کے پاس تشریف لے گئے وہ فرماتے ہیں آپ نے اپنا دستِ مبارک میری پیشانی پر رکھا اور میرے چہرے سینے اور پیٹ کو چھوا تو مجھے مسلسل یہی خیال رہتا کہ میں قیامت تک آپ کے ہاتھ کی ٹھنڈک اپنے جگر میں محسوس کرتا رہوں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۵۹؍ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۵۳؍ مسند امام احمد ج ۱ ص ۱۶۸۔ ۱۷۱؍ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۴؍ المستدرک ج ۱ ص ۳۴۲؍ الادب المفرد رقم الحدیث: ۴۹۹؍ سنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۸۱۔ ج ۹ ص ۱۸؍ تاریخ ابن عساکر ج ۶ ص ۱۰۳؍ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۷۸)

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے آپ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک سے زیادہ نرم کوئی ریشم اور دیباج نہیں چھوا۔ (دیباج ریشم کی ایک قسم ہے)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱، مسند امام احمد ج ۳ ص ۱۰۷)

کہا گیا کہ نبی اکرم ﷺ (کے دست مبارک) کا یہ وصف اس حدیث کے خلاف ہے جو ابن ابی ہالہ سے مروی ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ نے اسے آپ ﷺ کی صفت میں ذکر کیا ہے جیسا کہ پہلے گزر گیا کہ اس میں آتا ہے کہ آپ کے ہاتھ اور آپ کے پاؤں سخت تھے "**ششن الکفین و القدمین**" کے الفاظ ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح بیان کیا جو متعدد طرق سے امام ترمذی، امام حاکم اور دوسرے محدثین نے ذکر کیا۔ ابن ابی خیثمہ کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

ان دونوں قسم کی روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ نرمی سے جلد کی نرمی مراد ہے اور جب کہ ہڈیاں مضبوط تھیں تو گویا آپ میں بدن کی نرمی اور قوت دونوں جمع تھیں۔

ابن بطال نے کہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ہتھیلی گوشت سے پر تھی لیکن اس ضخامت (بھرپور ہونے) کے باوجود نرم تھی جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔

وہ فرماتے ہیں: اصمعی [1] کا یہ قول کہ "الششن" کا معنیٰ ہتھیلی کا سخت ہونا ہے تو یہ اس حدیث کے موافق نہیں ہے لیکن جو کچھ خلیل نے وضاحت کی ہے (کہ اس سے آپ کی انگلیوں کا سخت ہونا مراد ہے اور یہ بات مردوں میں کمال ہے) یہ تفسیر زیادہ مناسب ہے۔

ابن بطال فرماتے ہیں اگر اصمعی کی بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ششن سے مراد ہتھیلی کا سخت ہونا ہے تو اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی ہتھیلی کے دو وصف بیان کئے ہوں یعنی جب آپ جہاد میں اپنی ہتھیلی استعمال فرماتے تھے یا گھر میں کام کاج کرتے تھے تو آپ کی ہتھیلی ان مقاصد کے تحت سخت ہوتی اور جب یہ کام چھوڑ دیتے تو اپنی اصل اور فطرت کی طرف لوٹ جاتی یعنی نرم ہو جاتی تھی۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ ابو عبیدہ نے الششن کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے کہ آپ کا دست مبارک سخت اور چھوٹا تھا۔ اس پر ان کا تعاقب کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کے وصف میں یہ بات ثابت ہے کہ آپ کی مبارک انگلیاں (مناسب حد تک) لمبی تھیں۔ (الشفاء شریف ج ۱ ص ۱۶۳)

نبی اکرم ﷺ کے دستِ مبارک کے نرم ہونے کی تائید نعمان کی روایت سے ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ کی ہتھیلیاں قدرے لمبی تھیں۔

تو یہ نرم ہونے والے وصف کے موافق ہیں۔

اور الششن میں تحقیق یہ ہے کہ آپ کی ہتھیلیاں گوشت سے بھرپور تھیں نہ سخت تھیں اور نہ چھوٹی۔

ابن خالویہ نے نقل کیا کہ اصمعی نے جب الششن کی وہ وضاحت کی جو پہلے گزر چکی ہے تو ان سے کہا گیا کہ نبی اکرم ﷺ

---

[1] الاصمعی۔ ابو سعید عبد المالک بن قریب بن عبد الملک بن علی بن اصمع اپنے دادا اصمع کی طرف منسوب ہیں بنو باہلہ قبیلے سے تعلق تھا بصری کہلاتے تھے آپ نہایت ثقہ اور سچے ہیں امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے ان سے روایت کی ہے، بصرہ میں انتقال ہوا۔

کی صفت میں یوں مذکور ہے کہ آپ کی ہتھیلیاں نرم تھیں تو انہوں نے قسم کھائی کہ آئندہ کبھی کسی حدیث کی وضاحت نہیں کریں گے۔

امام طبرانی اور امام بزار رحمہما اللہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک سفر میں مجھے اپنے پیچھے بٹھایا تو میں نے آپ کے جسم مبارک سے زیادہ کسی چیز کو نرم نہ پایا۔

غزوۂ حنین کے دن حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ [1] کے چہرۂ انور کو زخم پہنچا تو ان کے چہرے اور سینے پر خون جاری ہو گیا نبی اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ان کے چہرے اور سینے سے خون دور کیا پھر ان کے لیے دعا فرمائی تو آپ کے دستِ مبارک کا یہ اثر ہوا کہ جہاں تک آپ نے ہاتھ پھیرا گھوڑے کی سفیدی کی طرح وہ سب جگہ سفید چمکدار ہو گئی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ نے اپنی تاریخ میں نیز امام بغوی اور ابن مندہ دونوں نے معرفۃ الصحابہ کے سلسلے میں حضرت صاعد بن علاء بن بشر کے طریق سے روایت کیا وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا بشر بن معاویہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے باپ معاویہ بن ثور کے ہمراہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ تو ان کے چہرے پر نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پھیرنے کی وجہ سے چمک تھی اور وہ جس بیمار کو ہاتھ لگاتے وہ ٹھیک ہو جاتا۔

نبی اکرم ﷺ نے مدلوک ابوسفیان (مدلوک نام ہے اور ابوسفیان کنیت ہے' صحابی ہیں' شام میں رہے) کے سر پر ہاتھ پھیرا تو جہاں جہاں آپ کا ہاتھ پھرا وہ جگہ سیاہ تھی جب کہ باقی حصہ سفید ہو گیا تھا اسے امام بخاری نے اپنی تاریخ میں نیز امام بیہقی نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ (دلائل النبوۃ ج ٦ ص ٢١٥' التاریخ الکبیر ج ٤ ص ٢ رقم الحدیث: ٥٥)

حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے سر کے بارے میں بھی اسی طرح منقول ہے اسے امام بغوی' امام بیہقی اور ابن مندہ نے ذکر کیا۔

امام بیہقی نے صحیح قرار دیتے ہوئے اور امام ترمذی نے حسن قرار دیتے ہوئے حضرت ابوزید انصاری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا (وہ فرماتے ہیں) کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے سر اور داڑھی پر پھیرا پھر فرمایا یا اللہ اس کو خوبصورت رکھنا فرماتے ہیں وہ ایک سو سال سے اوپر عمر کے ہو گئے لیکن ان کی داڑھی میں کوئی سفید بال نہیں تھا اور وہ کشادہ رو تھے' انتقال فرمانے تک ان کے چہرے پر ناراضگی کا ظہور نہیں ہوا۔ (مسند احمد ج ٥ ص ٧٧۔ ص ٣٤٠' المستدرک ج ٤ ص ١٣٩' مجمع الزوائد ج ٩ ص ٣٧٨' دلائل النبوۃ ج ٦ ص ٢١٠۔ ص ٢١٢' المعجم الکبیر ج ١٧ ص ٢٨)

نبی اکرم ﷺ نے حضرت حنظلہ بن حذیم رضی اللہ عنہ کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور فرمایا تجھے برکت حاصل ہو۔ تو ان کے پاس کوئی بکری لائی جاتی جس کے تھنوں میں ورم ہوتا یا کسی اونٹ یا انسان کو ورم ہوتا تو وہ اپنے ہاتھ پر لعاب ڈالتے اور اسے پیشانی کے بالوں کی جگہ پر ملتے اور فرماتے "اللہ کے نام سے رسول اکرم ﷺ کے دستِ مبارک کے اثر پر" پھر اسے ورم کی جگہ پر ملتے تو ورم چلا جاتا۔ (مسند امام احمد ج ٥ ص ٦٨' دلائل النبوۃ ج ٦ ص ٢١٤' تاریخ بخاری ج ٢ ص ١ رقم الحدیث: ٣٧)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا آپ دعا میں ہاتھ بلند

[1] حضرت عائذ بن عمرو بن ہلال بن عبید بن یزید المزنی صحابی ہیں انہوں نے (حدیبیہ میں) درخت کے نیچے حضور ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی' صحابی کے صاحبزادے ہیں' بصرہ میں رہے اور وہیں ٦١ ھ میں وصال ہوا۔

کرتے حتیٰ کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی۔

متعدد احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ آپ کی بغلیں سفید تھیں۔

طبری نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی ہے کہ دوسرے لوگوں کی بغلوں کا رنگ بدلتا رہتا ہے لیکن آپ کے لئے یہ بات نہیں ہے۔

امام قرطبی نے اس کی مثل ذکر کیا البتہ انہوں نے یہ اضافہ بھی کیا کہ آپ کی بغلوں میں بال نہیں تھے۔

لیکن ''شرح تقریب الاسانید کے'' مصنف نے کہا کہ یہ بات کسی طریقے سے بھی ثابت نہیں ہے اور انہوں نے فرمایا کہ خصائص احتمالات سے ثابت نہیں ہوتے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کا اس بیان سے کہ آپ کی بغلیں سفید تھیں یہ بات لازم نہیں آتی کہ وہاں بال نہ ہوں۔

حضرت عبد اللہ بن اقرم خزاعی نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کی بغلوں کی سفیدی کو دیکھتا تھا انہوں نے ''عفرۃ'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنیٰ ایسی سفیدی ہے (جو خاکستری رنگ کی ہو) خالص نہ ہو۔ ہروی وغیرہ نے اسی طرح کہا ہے مزید تفصیل خصائص کے بیان میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

بنو حریش کے ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے معانقہ فرمایا تو آپ کی بغلوں کا پسینہ مجھ پر گرا جو کستوری کی خوشبو کی مثل تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: کہ آپ ''ذو مسربۃ'' تھے یعنی آپ کے سینے اور ناف کے درمیان بالوں کی (باریک) لکیر تھی۔

ابن ابی ہالہ نے فرمایا: کہ وہ لکیر باریک تھی اور ابن سعد' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ لکیر لمبی تھی۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ کے نزدیک اس طرح ہے کہ آپ کے سینہ مبارک سے ناف تک کچھ بال تھے جو ایک شاخ کی طرح تھے اس کے علاوہ آپ کے سینے یا پیٹ پر کوئی بال نہیں تھا۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے پیٹ مبارک کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ما رایت بطن رسول اللہ ﷺ الا ذکرت القراطیس المثنی بعضھا علی بعضھا.

میں نے نبی ﷺ کے پیٹ مبارک کو یوں دیکھا جس طرح کاغذ ایک دوسرے پر لپٹے ہوئے ہوتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

کان صلی ﷺ ابیض کانما صیغ من فضۃ رجل الشعر مفاض البطن عظیم مشاش المنکبین.

نبی اکرم ﷺ سفید رنگ کے تھے گویا چاندی سے ڈھالے گئے ہوں بالوں میں کنگھی کی ہوئی پیٹ کشادہ سینہ کے برابر تھا اور کاندھوں کے جوڑ بڑے تھے۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ' حضرت محرش کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے رات کے وقت جعرانہ سے عمرہ کیا تو میں نے آپ کی پیٹھ کو دیکھا گویا وہ ڈھلی ہوئی چاندی ہے۔

(سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۸۰۳ ج ۵ ص ۲۰۰' مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۶۔ ج ۴ ص ۶۹۔ ج ۵ ص ۳۸)

امام بخاری رحمۃ اللہ نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کے کاندھوں کے درمیان دوری تھی۔

یعنی آپ کا سینہ مبارک چوڑا تھا اور ابن سعد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے "رحب الصدر" کے الفاظ نقل کئے ہیں اس کا معنیٰ بھی کشادگی ہے یعنی سینہ مبارک کشادہ تھا۔

رسول اکرم ﷺ کا قلبِ اقدس [1]

قلب (دل) فؤاد کے اندر گوشت کا ایک لوتھڑا ہوتا ہے جو ایک رگ کے ساتھ لٹکا ہوتا ہے پس یہ فؤاد کے مقابلے میں خاص ہے اور قلب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ دل مختلف خیالات اور ارادوں کے ساتھ بدلتا ہے اور قلب کا معنیٰ بھی الٹ پلٹ ہونا ہے شاعر کہتا ہے:

وما سمی الانسان الا لنسیہ　　　ولا القلب الا انہ یتقلب

"انسان کو انسان اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ بھولتا ہے اور دل کو قلب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بدلتا رہتا ہے"۔

زمخشری نے کہا کہ یہ "تقلب" سے مشتق ہے اور یہ مصدر ہے اور یہ بہت زیادہ بدلتا ہے (اس لئے مصدر کے ساتھ تعبیر کیا گیا) کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا آپ نے فرمایا:

هذا القلب كمثل ريشة ملقاة بفلاة　　یہ دل ایک پر کی طرح ہے جو کسی صحرا میں پڑا ہوا ہو

يقلبها الريح بطنا لظهر.　　اسے ہوائیں پلٹ دیتی ہے کہ اوپر کا نیچے (اور نیچے کا اوپر) ہو جاتا ہے۔

(زمخشری نے) کہا کہ قلب اور فؤاد میں فرق یہ ہے کہ فؤاد قلب کا وسط (درمیان) ہوتا ہے اور اسے فؤاد اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اس کو روشن کرتا ہے۔

جوہری نے قلب اور فؤاد کی ایک دوسرے سے وضاحت کی ہے زرکشی نے کہا کہ ان کے غیر کا قول زیادہ اچھا ہے یعنی فؤاد قلب کا پردہ ہے اور قلب اس کے اندر ایک دانہ اور سویداء ہے۔ [2]

اس فرق کی تائید نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے ہوتی ہے:

الین قلوبا وأرق افئدة. [3]　　ان کے قلوب (دل) نرم اور افئدہ (دل) نازک ہیں۔

اور یہ بعض لوگوں کے اس قول سے زیادہ ہے کہ آپ لفظی اختلاف کی وجہ سے تکرار کے ساتھ لائے۔

(مطلب یہ ہے کہ یہ محض لفظی اختلاف نہیں بلکہ دونوں میں معنوی طور پر بھی فرق ہے)۔

امام راغب نے فرمایا کہ قلب سے وہ معانی مراد ہیں جو آپ کے ساتھ ہیں جیسے علم اور شجاعت۔

یہ بھی کہا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ "قلب" کا ذکر فرماتا ہے تو اس سے عقل اور علم کی طرف اشارہ ہوتا ہے جیسے ارشادِ خداوندی ہے:

---

[1] (الشفاء شریف ج ۱ ص ۶۷)

[2] حبۃ (دانہ) اور سویداء کا مطلب یہ ہے کہ قلب کے درمیان میں ایک سیاہ لوتھڑا ہے کہا جاتا ہے "اجعل ذلک فی سویداء قلبک" یعنی قلب کے اندر رکھو۔ (زرقانی ج ۴ ص ۱۸۹)

[3] اہل یمن کے بارے میں فرمایا کہ وہ تمہارے پاس اس طرح آئے کہ ان کے دل (قلوب) نرم اور دل (افئدہ) رقیق ہیں۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِمَنۡ کَانَ لَہٗ قَلۡبٌ. (ق:۳۷) بے شک اس میں اس شخص کے لئے نصیحت ہے جس کے پاس قلب (علم وعقل) ہو۔

اور جب لفظ صدر ذکر کیا جائے تو اس سے علم وعقل کے علاوہ دیگر قوتیں جیسے شہوت اور غضب وغیرہ بھی مراد ہوتی ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے اس کے لئے دل بنایا جس سے سمجھتا ہے اور وہ اس کے وجود کی اصل ہے جب اس کا دل درست ہوتا ہے تو اس کا تمام جسم درست ہوتا ہے اور جب اس کا دل خراب ہوتا ہے تو تمام جسم خراب ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے دل کو راز اور اخلاص کا مقام بنایا یعنی اللہ تعالیٰ اپنا راز جس بندے کے دل میں چاہتا ہے امانت کے طور پر رکھتا ہے۔

تو سب سے پہلا دل جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت کو رکھا وہ نبی اکرم ﷺ کا قلب اقدس ہے کیونکہ آپ مخلوق میں سے سب سے افضل ہیں اور آپ کی صورت مبارکہ انبیاء کرام کی صورتوں میں سے سب سے آخر میں ظاہر کی گئی پس آپ ان (انبیاء کرام علیہم السلام) کے اول بھی ہیں اور آخر بھی۔

اور اللہ تعالیٰ نے دلوں کے اخلاق کو ان نفوس کے لئے اسرارِ قلوب پر علامات بنایا ہے پس جس کا دل اسرار الہیّہ کا امین ہوگا اس کے اخلاق تمام مخلوق کے لیے عام ہوں گے۔[1]

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے لئے ایک مخصوص جسم بنایا جو آپ کو تمام عالمین سے خاص کرتا ہے۔ پس آپ کے جسم اقدس کی خصوصی علامات ایسی نشانیاں ہیں جو آپ کے نفس شریف اور اخلاق عظیم پر دلالت کرتی ہیں۔

اور آپ کے اخلاقِ عظیم کی علامات آپ کے قلب مقدس کے راز کی دلیل ہیں۔ اور جب آپ کا قلب اقدس سب سے وسیع دل ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر مطلع ہوا جیسا کہ حدیث میں ہے [2] تو زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ یہی اس بندے کا دل ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ما وسعنی ارضی ولا سمائی ووسعنی قلب عبدی المومن. میں (یعنی مجھ پر ایمان اور میری محبت و معرفت) میری زمین اور میرے آسمان کی وسعتوں میں نہیں آ سکتا میں اپنے بندہ مؤمن کے دل میں سماتا ہوں۔

اور جب معراج سے پہلے نبی اکرم ﷺ کا کمال دیگر انبیاء کرام کی طرح تھا تو آپ کا سینہ مبارکہ تنگ تھا پس جب سینۂ مبارکہ کھل گیا تو دل میں وسعت پیدا ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے بوجھ اتار دیئے اور آپ کے ذکر کو بلند کیا۔

اور حدیث صحیح میں ثابت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کے سینہ مبارکہ کو چاک کیا اور اس سے ایک لوتھڑا نکالا اور فرمایا یہ آپ کے پاس شیطان کا حصہ تھا پھر ایک سونے کے تھال میں زمزم کے پانی کے ساتھ دھویا پھر اسے بند کر

[1] اور وہ سب قوموں کو نہایت نرمی کے ساتھ سمجھائے گا اور سخت مزاج نہیں ہوگا جس طرح حضور ﷺ سے فرمایا کہ اگر آپ سخت مزاج تنگ دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کو چھوڑ دیتے۔ (زرقانی ج ۴ ص ۱۸۹)

[2] اس حدیث کی سند معروف نہیں اور اسے اسرائیلی روایات سے قرار دیا گیا اور معنی یہ ہے کہ ایمان اور اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت کے لئے دل کو وسیع کر دیا گیا ورنہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے وہ دلوں میں نہیں اترتا۔ (زرقانی ج ۴ ص ۱۹۰)

کے اپنے مقام پر رکھ دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں' آپ کے سینہ مبارکہ میں سلائی کا نشان دیکھا کرتا تھا۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۱' مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۱-۱۴۹-۲۸۸)

نبی اکرم ﷺ کی ذات کریمہ میں اس لوتھڑے کو پیدا کر کے پھر نکالا گیا کیونکہ اس کا تعلق اجزائے جسمانیہ سے ہے لہٰذا تخلیق انسانی کی تکمیل کے لئے اسے پیدا کیا گیا اور یہ ضروری تھا پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسے نکالا گیا یہ بات امام سبکی نے فرمائی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ اور امام حاکم نے بیان کیا اور مؤخر الذکر نے اسے صحیح قرار دیا کہ آپ نے فرمایا پھر ان فرشتوں نے میرا قلب (دل) نکالا اور اس سے دو سیاہ لوتھڑے نکالے پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا میرے پاس پانی اور برف لاؤ چنانچہ انہوں نے اس سے میرے اندر کو دھویا پھر کہا ٹھنڈا پانی لاؤ پس اس کے ساتھ میرے دل کو دھویا پھر کہا میرے پاس سکون لاؤ اور اسے میرے دل میں پھیلا دیا پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا اس کی سلائی کر دو چنانچہ اس نے سی دیا اور اس پر مہرِ نبوت لگا دی۔ (مسند امام احمد ج ۴ ص ۱۸۴)

امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ میرے پاس دو فرشتے آئے جو دو سارس (پرندوں) کی صورت میں تھے ان کے پاس برف' اولے اور ٹھنڈا پانی تھا پس ان میں سے ایک نے میرا سینہ چاک کیا اور دوسرے نے اپنی چونچ سے اس میں ڈالا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کس بات کے ساتھ آپ کی نبوت کا آغاز ہوا؟ آپ نے فرمایا: میں صحرا میں چل رہا تھا اور اس وقت میں دس سال کا تھا اچانک میں نے دو آدمیوں کو (انسانی صورت میں دو فرشتوں کو) اپنے قریب دیکھا ان میں سے ایک کہہ رہا تھا کیا یہ وہی ہے؟ دوسرے نے کہا ہاں وہی ہے پھر ان دونوں نے مجھے پکڑا اور مجھے پیٹھ کے بل لٹا کر میرے پیٹ کو چیرا ان میں سے ایک سونے کے تھال میں سے پانی ڈالتا تھا اور دوسرا میرے پیٹ کے اندر کو دھوتا تھا ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا ان کا سینہ پھاڑو تو میں نے دیکھا میرا سینہ پھاڑا گیا لیکن مجھے کوئی درد محسوس نہ ہوا پھر کہا ان کا دل پھاڑیں چنانچہ اس نے میرا دل (قلب) چیرا پھر کہا اس سے کینہ اور حسد نکال دیں۔ چنانچہ اس نے گوشت کے لوتھڑے جیسی چیز نکال کر پھینک دی پھر کہا ان کے دل میں مہربانی اور رحمت ڈالیں چنانچہ اس نے چاندی جیسی کوئی چیز داخل کی پھر خوشبو نکالی جو اس کے پاس تھی اور اسے اس پر چھڑکا اور میرے انگوٹھے پر مارا پس میں یوں واپس ہوا کہ میں چھوٹوں پر رحمت اور بڑوں پر مہربانی کے جذبہ سے سرشار تھا۔

اس حدیث کو حضرت عبد اللہ بن امام احمد رحمۃ اللہ نے ''زوائد مسند میں'' نیز ابو نعیم نے بھی روایت کیا اور کہا کہ اس میں معاذ راوی اپنے والد سے روایت کرنے میں اکیلے ہیں اور عمر مبارک کا ذکر بھی صرف انہوں نے کیا ہے۔ [1]

ابو نعیم کے نزدیک یہ حضرت یونس بن میسرہ کی روایت ہے اس میں اس طرح ہے کہ میرے اندر سے زائد چیزوں کو نکالا پھر اسے دھویا اور اس پر خوشبو چھڑکی پھر کہا مضبوط دل ہے اس میں جو کچھ واقع ہوگا وہ اسے یاد رکھے گا نیز اس میں دو آنکھیں اور دو کان ہیں جو سنتے ہیں اور آپ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ [2]

---

[1] کیونکہ یہ ثقہ راوی ہیں لہٰذا ان کا تنہا ہونا نقصان دہ نہیں نیز اس حدیث کو ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا۔

[2] اگرچہ آپ نے اعلانِ نبوت چالیس سال کے بعد فرمایا لیکن جب آپ نے بچپن میں یہ عجیب حالت دیکھی تو معلوم ہو گیا کہ آپ کی ایک شان ہے چنانچہ وحی نازل ہونے پر آپ نے جان لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے شیطان کی طرف سے نہیں۔ (زرقانی ج ۴ ص ۱۹۲)

جو سب سے بعد میں آنے والے ہیں (قیامت کے دن) سب لوگ آپ کے قدموں میں اکٹھے ہوں گے آپ کامل سلیم زبان سچی، نفس مطمئن اور جسم اعتدال پر ہے اور آپ سخی ہیں آپ کے شکم اطہر اور قلب مبارک کا شق کیا جانا آپ کے بچپن میں کئی بار ہوا اور یہ ارہاص کے طور پر تھا اور بعثت سے پہلے معجزہ کا ارہاص کے طور پر واقع ہونا جائز ہے اور رسول اکرم ﷺ کے لئے ایسے واقعات بے شمار ہیں۔

اور اس اعتراض کا جواب بھی یہی ہے کہ کہا جاتا ہے یہ کام آپ کے بچپن میں واقع ہوئے اور یہ معجزات ہیں جبکہ معجزاتِ نبوت (اعلانِ نبوت) سے پہلے نہیں ہوئے۔ (تو یہی جواب ہے کہ یہ ارہاصات ہیں جو جائز ہیں)۔

اکثر اہلِ اصول نے فرمایا کہ معجزہ تب ہوتا ہے جب اس کے ساتھ نبوت کا دعویٰ پایا جائے جس طرح کتاب کے آغاز میں کہا گیا اور اس کی تحقیق ان شاء اللہ چوتھے مقصد میں آئے گی۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ O (الم نشرح:۱) کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھولا۔

سے یہی مراد ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ آپ کے لیے جس کھولنے کا ذکر ہے اس سے معرفت و اطاعت مراد ہے پھر انہوں نے اس سلسلے میں کئی وجوہ ذکر کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کو سرخ و سیاہ اور جنوں، انسانوں کی طرف بھیجا گیا تو آپ کے قلبِ مبارک سے پریشانیوں کو دور کر دیا گیا اور آپ کا سینہ کشادہ کر دیا گیا تاکہ تمام امور کے لئے وسیع ہو اور اس میں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو بلکہ پریشانی اور خوشی دونوں حالتوں میں سینہ مبارک کشادہ رہے اور آپ کو جن امور کا مکلف بنایا گیا وہ ان کی ادائیگی میں مشغول رہے۔

سوال: الم نشرح صدرک کیوں فرمایا (صدرک کی بجائے) قلبک کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: وسوسوں کا مقام سینہ ہوتا ہے جیسے ارشادِ خداوندی ہے:

یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ O (الناس:۵) وہ جو لوگوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔

تو ان وسوسوں کو زائل کرنا اور ان کو خیر کی طرف بلانے والے امور سے بدلنا ہی ''شرح صدر'' ہے اس لئے اس شرح کا تعلق صدر سے ہے قلب سے نہیں ہے۔

حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

دل عقل و معرفت کا محل ہے اور شیطان اسی کا قصد کرتا ہے وہ سینے کی طرف آتا ہے جو دل کا قلعہ ہے جب وہ کسی راستے میں داخل ہوتا ہے تو اس میں لوٹ مار کرتا ہے اور اس میں اپنا لشکر اتارتا ہے چنانچہ اس میں غموں، پریشانیوں اور حرص وغیرہ کو پھیلا دیتا ہے لہٰذا اس وقت دل تنگ ہو جاتا ہے اور عبادت میں لذت حاصل نہیں ہوتی اور نہ اسلام میں کوئی مٹھاس محسوس ہوتی ہے۔ اور جب شروع سے ہی دشمن کو پھینک دیا جائے تو امن حاصل ہو جاتا ہے، تنگی دور ہو جاتی ہے، سینہ کھل جاتا ہے اور عبادت کی ادائیگی آسان ہو جاتی ہے۔

ایک نکتہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا یوں نقل کی ہے:

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ. (طٰہٰ:۲۵) اے میرے رب میرے سینے کو کھول دے۔

اور ہمارے نبی کریم ﷺ کے بارے میں فرمایا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ O (نشرح:۱) کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کے سینے کو کھول نہیں دیا۔

تو نبی اکرم ﷺ کو سوال کے بغیر یہ اعزاز عطا ہوا پھر حضور علیہ السلام کا وصف یوں بیان فرمایا:

وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا O (الاحزاب:۴۶) اور آپ روشن چراغ ہیں۔

تو فرق ملاحظہ کیجیے سینے کی کشادی یہ ہے کہ وہ نور کے قابل ہو جائے اور سراج منیر وہ ہے جس سے نور کا فیض حاصل کیا جائے اور یہ واضح فرق ہے۔

ابو علی دقاق رحمۃ اللہ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام مرید تھے کہ عرض کیا:

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ. (طٰہٰ:۲۵) اے میرے رب! میرے لئے میرے سینے کو کھول دے۔

اور ہمارے نبی اکرم ﷺ مراد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ O کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ نہیں کھولا۔

نبی ﷺ کا ہم بستری کرنا[1]

آپ کے جماع کی حالت یہ تھی کہ آپ رات اور دن کی ایک ساعت میں اپنی ازواج مطہرات کے ہاں تشریف لے جاتے اور وہ گیارہ تھیں۔

راوی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ کو اس کی طاقت تھی؟ انہوں نے فرمایا: ہم باہم گفتگو کرتے تھے کہ آپ کو تیس آدمیوں کی قوت عطا ہوئی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۶۸۔۲۸۴۔۵۰۶۸۔۵۲۱۵)

اسماعیلی نے اپنے مستخرج میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے چالیس افراد کی قوت کا ذکر کیا ہے' ابونعیم نے حضرت مجاہد سے روایت کیا کہ ان میں سے ہر شخص جنتی افراد میں سے ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: مؤمن کو جنت میں اتنی اتنی قوت عطا کی جائے گی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اسے اس کی طاقت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: اسے ایک سو آدمیوں کے برابر طاقت دی جائے گی۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۵۳۶' اتحاف السادۃ المتقین ج۱۰ص۵۴۵' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۵۶۳۶' تفسیر ابن کثیر ج۸ص۱۱' کنز العمال رقم الحدیث:۳۹۳۶۱)

امام ترمذی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح غریب ہے ہم اسے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے صرف عمران القطان کی روایت سے جانتے ہیں۔

پس جب ہم چالیس کو ایک سو سے ضرب دیتے ہیں تو یہ چار ہزار کی تعداد بنتی ہے اس سے وہ اعتراض بھی دور ہو گیا

[1] (الشفاء شریف ج۱ص۸۷' طبقات ابن سعد ج۱ص۲۸۲)

کہ نبی اکرم ﷺ کو چالیس آدمیوں کے برابر قوت دی گئی جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک سو یا ایک ہزار مردوں کے برابر قوت دی گئی (کیونکہ حضور ﷺ کو چار ہزار افراد کے برابر قوت حاصل ہوئی)۔

ابن عربی فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کو جماع کے سلسلے میں مخلوق پر ظاہری قوت حاصل تھی جب کہ کھانے میں قناعت تھی تاکہ عام امور میں آپ کے لیے دو فضیلتیں جمع ہو جائیں جس طرح شرعی امور میں آپ کو دو قوتیں حاصل تھیں تاکہ دونوں جہانوں میں آپ کی حالت کامل ہو۔ اور نبی اکرم ﷺ رات کے وقت اپنی نو ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس ایک ہنڈیا لے کر آئے تو میں نے اس سے کھایا چنانچہ مجھے چالیس مردوں کے برابر قوت جماع عطا کی گئی۔

(طبقات ابن سعد ج ا ص ۲۸۲، جمع الجوامع ص ۲۶۶، کشف الخفاء ج ا ص ۲۰۰، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۷۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۲۲۸_۳۱۸۹۷_۳۱۸۹۶_۳۱۷۹۷_۴۴۸۵۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے قلت جماع کی شکایت کی تو وہ مسکرائے حتی کہ جبریل علیہ السلام کے سامنے والے دانتوں کی چمک سے رسول اللہ ﷺ کی مجلس روشن ہو گئی انہوں نے عرض کیا آپ ہریسہ کیوں نہیں کھاتے اس میں چالیس آدمیوں کے برابر قوت ہے۔ [1]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے ہریسہ کھلایا جس سے میری پشت مضبوط ہوگئی اور مجھے نماز پر قوت حاصل ہوگئی۔

حضرت جابر بن سمرہ، ابن عباس اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

یہ تمام روایات کمزور ہیں بلکہ ابن ناصر الدین نے اپنی جزء (کتب حدیث کی ایک قسم) جس کا نام "**رفع الدسیسه بوضع حدیث الهریسه**" رکھا ہے، میں اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو چالیس سے زائد افراد (وہ بھی جنتی) کی قوت عطا کی گئی۔ اس حدیث کو حارث بن ابی اسامہ نے روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو احتلام سے محفوظ فرمایا تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا:

ما احتلم نبی قط و انما الاحتلام من الشیطان. کسی نبی کو کبھی بھی احتلام نہیں ہوا احتلام تو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔

قدم مبارک

نبی اکرم ﷺ کے قدم مبارک کا وصف اکثر محدثین نے یوں بیان کیا ہے کہ آپ "شثن القدمین" تھے یعنی آپ کی مبارک انگلیاں موٹی تھیں۔ (دلائل النبوۃ ج ا ص ۲۴۲، البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۲۴)

حضرت میمونہ بنت کردم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا پس میں آپ کے مبارک

[1] گندم اور گوشت کو ملا کر ایک کھانا تیار کیا جاتا ہے اسے ہریسہ کہتے ہیں۔

پاؤں کی انگلیوں کو نہیں بھولی کہ انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی باقی انگلیوں سے بڑی تھی۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۳۶۶' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۰' دلائل النبوۃ ج ا ص ۲۴۶)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاؤں مبارک کی سب سے چھوٹی انگلی ظاہر میں بڑی نظر آتی تھی۔

لوگوں کی زبانوں پر یہ مشہور ہے کہ شہادت والی انگلی' درمیانی انگلی سے زیادہ لمبی تھی۔ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہنے والے سے غلطی ہوئی یہ بات آپ کے پاؤں مبارک کی انگلیوں کے بارے میں ہے۔

ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمۃ اللہ) نے ''المقاصد الحسنہ میں'' فرمایا جن لوگوں نے آپ کی ہاتھ کی انگشتِ شہادت کے لمبا ہونے کا قول کیا ہے ان کے امام کمال دمیری (محمد بن موسیٰ بن عیسیٰ بن علی الدمیری) ہیں لیکن یہ خطاء ہے جو مطلق روایت پر اعتماد کی وجہ سے پیدا ہوئی۔

(الاعلام ج ۷ ص ۱۱۸' مفتاح السعادۃ ج ا ص ۱۸۶' الضوء اللامع ج ۱۰ ص ۵۹' حسن المحاضرۃ ج ا ص ۲۰۷' روضات الجنات ج ۴ ص ۲۰۸' معجم المطبوعات رقم الحدیث: ۸۸۷)

دمیری کی عبارت اس طرح ہے۔

اسی طرح ابن ہارون نے عبداللہ بن مقسم سے انہوں نے مقسم کی صاحبزادی سارہ سے روایت کیا کہ انہوں نے میمونہ بنت کردم سے سنا انہوں نے خبر دی کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی انگلیوں کو اس طرح دیکھا۔

تو اس میں مطلق انگلیوں کا ذکر تھا جس سے انہوں نے درمیانی انگلی کو انگشتِ شہادت سے لمبا قرار دیا اور آپ کے ہاتھ مبارک کا تعین کیا کیونکہ مقصود اس وصف کا ذکر تھا جو حضور علیہ السلام کو دوسروں سے خاص کرتا ہے۔

لیکن مسند امام احمد میں یزید بن ہارون کی مذکورہ روایت پاؤں کے ساتھ مقید ہے اور اس کے الفاظ جیسا کہ پہلے بیان ہوئے' اس طرح ہیں کہ میں نے آپ کے پاؤں کی انگلیوں میں سے شہادت والی انگلی کا دوسری انگلیوں سے لمبا ہونا نہیں بھلایا۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ نے ''الدلائل میں'' یزید بن ہارون کے طریق سے اسی طرح نقل کیا اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ مکرمہ میں دیکھا آپ اپنی اونٹنی پر تھے اور میں اپنے والد کے ہمراہ تھی میرے والد آپ کے قریب ہوئے اور انہوں نے آپ کا پاؤں مبارک پکڑا آپ نے اپنا پاؤں ٹھرائے رکھا (تا کہ وہ دیکھ سکیں) وہ فرماتی ہیں پس میں آپ کے مبارک قدم سے شہادت والی انگلی کی دوسری انگلیوں پر لمبائی نہیں بھولی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ جب قدم رکھتے تو پورا قدم رکھتے درمیان والا حصہ جھکا ہوا نہ ہوتا۔ (دلائل النبوۃ ج ا ص ۲۴۵)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے پاؤں کا درمیان والا حصہ جھکا ہوا نہ تھا ہوتا آپ پورے قدم پر زور ڈالتے۔

حضرت ابن ابی ہالہ فرماتے ہیں: ''خمصان الاخمصین'' یعنی پاؤں کا درمیان والا حصہ اٹھا ہوا تھا۔

ابن اثیر کہتے ہیں ''الاخمص'' قدم کا وہ (نچلا) حصہ جو چلتے وقت زمین پر نہیں لگتا اور ''الخمصان'' اس میں مبالغہ ہے یعنی آپ کے قدم مبارک کی وجہ جگہ زمین سے زیادہ دور رہتی تھی۔

ابن اعرابی سے اس سلسلے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر وہ جگہ جو زمین سے نہیں ملتی اس قدر ہو کہ بالکل نہ اٹھتی ہو تو قدم کا نچلا حصہ برابر نہیں ہوگا اور یہ زیادہ اچھا ہے اور جب برابر ہو یا بہت اٹھا ہوا ہو تو یہ قابلِ مذمت ہوتا ہے تو معنی یہ ہوگا کہ آپ کے پاؤں کا نچلا حصہ اعتدال کے ساتھ تھا نہ تو بالکل زمین سے لگتا اور نہ زیادہ اٹھا ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب آپ قدم مبارک رکھتے تو پورے کا پورا پاؤں رکھتے درمیان میں خلا نہ ہوتا۔

''مسیح القدمین'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے پاؤں نرم تھے ان میں ٹوٹ پھوٹ یا شگاف نہ تھا جب ان پر پانی لگتا تو فوراً الگ ہو جاتا جس طرح ابن ابی ہالہ نے کہا ہے کہ اس سے پانی دور ہو جاتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا بھی یہی مفہوم ہے۔

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سب سے زیادہ خوبصورت قدم والے تھے۔

رسول اکرم ﷺ کا قد مبارک [1]

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا قد مبارک نہ تو چھوٹا تھا اور نہ زیادہ لمبا بلکہ لمبائی کے زیادہ قریب تھا۔ (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۵۰' البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۲۵)

امام بیہقی نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ زیادہ لمبے نہ تھے اور آپ درمیانے قد سے قدرے اوپر تھے جب قوم کے ساتھ ہوتے تو ان کو ڈھانپ لیتے (نمایاں ہوتے) اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن امام احمد رحمۃ اللہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ربعہ تھے اور لمبائی کے زیادہ قریب تھے۔

مطلب یہ ہے کہ عام حالات میں درمیانہ قد تھا اور جب دوسروں میں موجود ہوتے تو طوالت کے قریب ہوتے اور سب میں نمایاں نظر آتے۔ ۱۲ ہزاروی

''ربعۃ'' کا معنیٰ ''مربوع'' ہے اور تانیث نفس کے اعتبار سے ہے (نفس مونث ہے) اور آنے والی حدیث میں وضاحت کی گئی ہے کہ آپ نہ تو زیادہ لمبے تھے اور نہ چھوٹے قد کے تھے اور زیادہ لمبے (الطّویل البائن) سے مراد یہ کہ لمبائی حد سے بڑھی ہوئی ہو اور قد ادھر ادھر ڈھلکتا ہو۔

ابن ابی ہالہ نے کہا کہ آپ کا قد مبارک ''مربوع'' سے لمبا اور ''مشذّب'' سے چھوٹا تھا یعنی آپ دبلے پتلے بہت زیادہ لمبے قد کے نہ تھے جس طرح دوسری حدیث میں کہ آپ ''الطّویل الممغط'' نہیں تھے۔

''ممغط'' انتہائی لمبے قد والے کو کہتے ہیں جب دن لمبا ہو جائے تو کہا جاتا ہے ''امغط النہار'' اسی طرح جب تم رسی کو

---

[1] (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۵۰' البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۲۵)

کھینچوتو کہتے ہو "مغطت الحبل" میں نے رسی کو کھینچا اصل میں یہ "منغمط" تھا نون کو میم سے بدل کر ادغام کیا "مغمط" ہو گیا (غین کی بجائے) عین کے ساتھ بھی ہے دونوں کا ایک ہی معنیٰ ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نہ تو حد سے زیادہ لمبے تھے اور نہ حد سے زیادہ چھوٹا قد تھے جب آپ اکیلے چلتے تو "الربعۃ" کی طرف منسوب ہوتے (یعنی درمیانہ قد) اور جب دوسرے لوگوں کے ساتھ چلتے تو ان میں سے جو لمبا ہوتا آپ اس سے لمبے قد والے ہوتے بعض اوقات دو لمبے قد والوں کے ساتھ چلتے تو آپ ان دونوں سے زیادہ لمبے معلوم ہوتے اور جب آپ الگ ہوتے تو درمیانے قد والے ہوتے۔

ابن سبع نے "الخصائص میں" یہ اضافہ کیا کہ جب آپ تشریف فرما ہوتے تو آپ کے کاندھے مبارک تمام اہل مجلس سے بلند ہوتے۔

ابن ابی ہالہ نے آپ کے وصف میں لکھا کہ آپ "بادن متماسک" تھے یعنی آپ کے اعضاء مبارک اعتدال پر تھے گویا بعض اعضاء دوسرے بعض کو روکے ہوئے ہیں۔

بال مبارک

آپ کے مبارک بالوں کے بارے میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور علیہ السلام کے بالوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: آپ کے بال دو قسم کے بالوں کے درمیان تھے نہ تو بالکل سیدھے تھے اور نہ ہی بالکل گھنگریالے تھے' آپ کے بال کانوں اور کاندھوں کے درمیان رہتے تھے۔[1] (البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۲۱' طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۲۹' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۱۹' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۰۵_۵۹۰۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۴_۱۱۳' موطا رقم الحدیث: ۱' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۵۴' مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۵_۲۰۳_۲۴۰)

امام بخاری اور امام مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کے بال قدرے گھنگریالے تھے نہ بالکل سیدھے اور نہ بالکل گھنگریالے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ کانوں کے نصف تک تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۶' سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۱۸۶' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۰۱' سنن نسائی ج ۸ ص ۱۳۳' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۳_۱۶۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں اور نبی اکرم ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے اور آپ کے بال کانوں کی لو سے ذرا اوپر تک تھے۔ (جمہ سے اوپر اور وفرہ سے نیچے) وفرہ وہ بال جو کانوں کی نرم جگہ (لو) تک پہنچتے ہوں (اور جمہ جو اس سے ذرا کم ہوں)۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۵۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۳۵' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۱۸۷)

ابن ابی الدنیا نے بھی کہا کہ آپ کے بال تھوڑے تھوڑے گھنگریالے تھے بالکل سیدھے اور بالکل گھنگریالے نہ تھے اگر خود بخود مانگ نکل جاتی تو آپ مانگ نکالتے ورنہ چھوڑ دیتے آپ کے بال کاندھوں کی لو سے تجاوز کرتے تو وہ ایک ہی مینڈھی کی شکل میں ہوتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے بال کھلے لٹکے ہوئے چھوڑتے تھے' مشرکین

[1] جب کنگھی کرتے تو کاندھوں تک آ جاتے اور کنگھی کے بغیر کاندھوں سے اوپر رہتے تھے۔

سروں میں مانگ نکالتے تھے جب کہ اہل کتاب کھلے چھوڑتے تھے اور آپ ان باتوں میں اہلِ کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے جن میں آپ کو کوئی حکم نہ دیا گیا پھر آپ نے سرانور میں مانگ نکالنا شروع کر دی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۹۱۷)

بالوں کو کھلا چھوڑنے سے مراد یہ ہے کہ ان کو پیشانی پر کھلا چھوڑنا اور گوندھے ہوئے بالوں کی طرح رکھنا۔

اور فرق کا معنیٰ بالوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنا یعنی مانگ نکالنا ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں بالوں میں مانگ نکالنا سنت ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اسی طریقے کی طرف رجوع فرمایا اور صحیح بات یہ ہے کہ مانگ نکالنا اور کھلے چھوڑنا دونوں طرح جائز ہے لیکن مانگ نکالنا سنت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بال کانوں کی لو سے کچھ اوپر تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ کانوں تک تھے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ کاندھوں کو چھوتے تھے۔

حضرت ابورمثہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ کاندھوں تک پہنچتے تھے

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۷، صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۵، سنن نسائی رقم الحدیث:۶۰ ج ۸ ص ۱۸۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۱۸۳)
(کتفیہ یا منکبیہ فرمایا مفہوم ایک ہی ہے)۔

ایک روایت میں ہے کہ کاندھوں تک بالوں والوں میں سے کسی کو آپ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۱۸۳، جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۷۲۴، سنن نسائی رقم الحدیث:۶۰ ج ۸ ص ۱۸۳)

جمہ وہ بال جو کاندھوں کی طرف اتریں اور وفرہ جو کانوں کی لو تک اتریں اور اللمۃ وہ جو کاندھوں تک ہوں۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ان روایات کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ جو کانوں سے ملے ہوتے تھے وہ کانوں کی لو تک پہنچتے تھے اور جو اس کے پیچھے ہوتے وہ کاندھوں تک پہنچتے۔

وہ فرماتے ہیں: یہ بھی کہا گیا کہ یہ مختلف اوقات کی بات ہے جب آپ ان کو چھوٹے نہ کراتے تو کاندھے تک پہنچتے۔ اور جب چھوٹے کرواتے تو کانوں کے نصف تک پہنچتے تو اس طرح کبھی لمبے اور کبھی چھوٹے ہوتے تھے۔

حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں ہمارے ہاں تشریف لائے تو آپ کے بال چار مینڈھیوں کی صورت میں تھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۱۹۱)

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی داڑھی مبارک میں چند بال سفید تھے۔

امام مسلم کی ہی ایک اور روایت میں ہے کہ (آپ کے بالوں میں) سفیدی کم دیکھی گئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر میں چاہوں تو حضور ﷺ کے سر مبارک میں سفید بالوں کو گن سکتا ہوں جن پر آپ نے خضاب نہیں لگایا تھا انہی سے ہے کہ آپ نے خضاب نہیں لگایا آپ کی داڑھی مبارک، کنپٹیوں اور سر میں چند متفرق بال سفید تھے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ان سفید بالوں نے آپ کے حسن میں فرق نہیں ڈالا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۹۴-۵۸۹۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵' مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۸-۲۱۶-۲۲۳-۲۲۷-۲۶۲-۲۶۶-۲۷۰-ج ۴ ص ۱۹۰-ج ۵ ص ۹۰-۹۲-۱۰۰-۱۰۳)

شیخ عبدالجلیل نے ''شعب الایمان میں'' فرمایا: اور ان سے فاکھانی نے نقل کیا کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ عورتیں عام طور پر سفید بالوں کو پسند نہیں کرتیں اور جو آدمی حضور ﷺ سے کسی بات کو ناپسند کرے وہ کافر ہے۔

''نہایہ میں'' فرمایا: کہ یہاں حدیث میں سفیدی کو عیب قرار دیا گیا حالانکہ یہ عیب نہیں کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ یہ وقار اور نور ہے اور سفید بالوں کی تعریف کی گئی تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف سے اسے عیب قرار دینا بالخصوص حضور ﷺ کے حق میں' عجیب بات ہے۔

دونوں قسم کی احادیث کو یوں جمع کرنا ممکن ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے (حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد) حضرت ابوقحافہ کو دیکھا کہ ان کے سر میں سفید بال ہیں (جو ثغامہ بوٹی کی طرح ہیں) تو ان کو بدلنے کا حکم دیا اور ناپسند فرمایا اسی لئے فرمایا سفیدی کو بدل دو۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۵۲' سنن نسائی ج ۸ ص ۱۳۷' مسند احمد ج ۱ ص ۱۶۵۔ ج ۲ ص ۲۶۱۔ ج ۳ ص ۲۴۷' المستدرک ج ۳ ص ۲۴۵' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۱۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۴۲۰' الدر المنثور ج ۱ ص ۱۱۵' المعجم الصغیر ج ۱ ص ۱۷۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۳۱۷-۱۷۳۲۹)

پس جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کو آپ کی اس عادت کا علم تھا تو انہوں نے اس قول کی بنیاد پر فرمایا کہ سفید بالوں کی وجہ سے آپ کے حسن میں فرق نہیں پڑا اور انہوں نے اس بات کو آپ کی رائے پر محمول کیا اور دوسری حدیث نہ سنی' ہو سکتا ہے ان میں سے ایک حدیث دوسری حدیث کے لئے ناسخ ہو۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت ابو جحیفہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا اور آپ کے یہ بال سفید تھے راوی نے اپنی انگلی داڑھی کی بچی پر رکھی۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے سفید بالوں کی وجہ سے آپ کے حسن کو نہیں بدلا۔ آپ کے سر انور اور داڑھی مبارک میں صرف سترہ یا اٹھارہ بال سفید تھے۔

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ کے سفید بال سیاہ بالوں میں ملے ہوئے تھے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۴۴)

''صحیح بخاری و مسلم میں'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو زرد رنگ کا خضاب لگائے ہوئے دیکھا۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۵' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۱۴-۱۶۶-۱۵۵۲-۱۶۰۹-۲۸۶۵-۵۸۵۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۷۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سفید بال تقریباً بیس تھے۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ تو بوڑھے ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے سورہ ھود' سورہ واقعہ' سورہ المرسلات' سورہ عم یتساءلون اور ''اذا الشمس

کورت" نے بوڑھا کر دیا ہے۔[1]

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۷، المستدرک ج ۲ ص ۳۴۳، دلائل النبوۃ ج ا ص ۳۵۸، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۷، اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۵۵۰۔ ج ۱۰ ص ۴۶۱، مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۳۵۴، الدر المنثور ج ۳ ص ۳۱۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۸۸)

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے ہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ کے سر انور میں چند بال چوٹی پر سفید تھے جب تیل لگاتے تو وہ چھپ جاتے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی داڑھی مبارک سیاہ اور بال خوبصورت تھے۔

اس سلسلے میں علماء کرام کا اختلاف ہے کہ کیا حضور علیہ السلام نے خضاب لگایا یا نہیں؟

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء نے منع کیا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں مختار یہ ہے کہ آپ نے کبھی کبھی لگایا لیکن زیادہ وقت چھوڑے رکھا لہٰذا جس نے جو حالت دیکھی اسے بیان کیا اور وہ سچا ہے فرماتے ہیں یہ تاویل متعین کی طرح ہے۔

پس حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما جو صحیح بخاری و مسلم میں ہے اسے چھوڑنا اور اس کی تاویل ممکن نہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۶۴۔ ۴۲۱۰، سنن نسائی رقم الحدیث: ۶۵)

آپ کے بالوں میں کس قدر سفیدی تھی اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں پس ان کو جمع کرنے کی صورت یہی ہے کہ سفیدی کم تھی لہٰذا جس نے سفیدی کو ثابت کیا اس نے تھوڑے بالوں کو دیکھا اور جس نے نفی کی اس کی مراد یہ ہے کہ زیادہ بال سفید نہ تھے جس طرح دوسری روایت میں فرمایا: کہ سفیدی بہت کم دیکھی گئی۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے سر انور کے اگلے حصے اور داڑھی مبارک میں سفید اور سیاہ بالوں کی آمیزش تھی جب آپ تیل لگاتے تو سفیدی نظر نہ آتی۔ اور جب بال بکھرتے تو سفیدی نظر آتی اور آپ کی داڑھی مبارک کے بال زیادہ تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ سر انور میں اکثر تیل لگاتے اور داڑھی میں کنگھی کرتے۔

ابن ابی ہالہ نے آپ کا وصف بیان کیا کہ آپ کی گردن کے نیچے سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی اس کے علاوہ بال نہیں تھے۔ اور آپ کے بازوؤں، کاندھوں اور سینے کے اوپر والے حصوں پر بال زیادہ تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا کہ حجام آپ کے بال مونڈھ رہا تھا اور صحابہ کرام آپ کے گرد تھے اور آپ کا ہر بال کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ میں گرتا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵)

ان شاءاللہ حجۃ الوداع کے بیان میں آپ کے سر انور کے بال مونڈوانے کا ذکر ہوگا۔

اور میرے علم کے مطابق یہ بات مروی نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حج اور عمرہ کی ادائیگی کے علاوہ سر منڈوایا ہو پس بالوں کو سر پر باقی رکھنا سنت ہے اور اس بات کا علم ہونے کے باوجود اس کے منکر کو ادب سکھانا ضروری ہے اور جو شخص

---

[1] چونکہ ان سورتوں میں سعادت مندوں، بدبختوں اور احوال قیامت کا ذکر ہے اس لئے آپ امت کے بارے میں سوچتے رہتے تھے جب ان سورتوں کی تلاوت فرماتے۔ ۱۲ ہزاروی

بال نہ رکھ سکتا ہو اس کے لئے ان کو دور کرنا جائز ہے۔ [1]

اور میں نے ذی قعدہ ۸۹۷ھ میں شیخ ابو حامد المرشدی کے پاس ایک بال دیکھا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کا بال مبارک ہے میں نے مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہونے والے امام مقری خلیل العباسی کے ہمراہ اس کی زیارت کی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ان کے احسان کا بدلہ عطا فرمائے۔

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہمارے پاس نبی اکرم ﷺ کا بال مبارک ہے جو ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ یا (فرمایا) ان کے گھر والوں سے حاصل ہوا ہے تو انہوں نے فرمایا اگر میرے پاس نبی اکرم ﷺ کا بال مبارک ہو تو مجھے یہ بات دنیا اور اس کی تمام دولت سے بڑھ کر پسند ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۰۔۱۷۱)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنی داڑھی مبارک کی چوڑائی اور لمبائی سے بال کاٹتے تھے۔ اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ [2] (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۶۲، اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۲۸۲)

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا کہ نبی اکرم ﷺ مونچھوں کو کاٹتے تھے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۶۰، الدر المنثور ج ۱ ص ۱۱۲، تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۱۰۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۷۹)

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے ہی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی مونچھیں نہیں کاٹتا وہ ہم میں سے نہیں۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۶۱، سنن نسائی ج ۸ ص ۱۲۹، مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۶۔۳۶۸، المعجم الکبیر ج ۵ ص ۲۰۸، اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۴۱۱۔۴۱۳، المعجم الصغیر ج ۱ ص ۱۰۰، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۴۳۸، کشف الخفاء ج ۲ ص ۴۳۰، الدر المنثور ج ۱ ص ۱۱۲، شرح السنہ ج ۱۲ ص ۱۰۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۲۴۲)

"صحیح بخاری و مسلم میں" ہے کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

خالفوا المشركين و فروا اللحى و احفوا الشوارب. مشرکین کی مخالفت کرو (یعنی) داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھوں کو پست کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۶۳، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۹۲۔۵۸۹۳، سنن نسائی ج ۱ ص ۱۶، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۔۵۲۔۲۲۹۔۴۸۹، المعجم الصغیر ج ۲ ص ۱۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۲، مسند ابی عوانہ ج ۱ ص ۱۸۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۲۱۷)

---

[1] مطلب یہ ہے کہ کسی مجبوری کے تحت بال نہ رکھ سکتا ہو لیکن سنت کا منکر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں لیکن بال رکھنے کو سنت نہ سمجھتا ہو تو وہ گناہ گار ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] نبی اکرم ﷺ نے ہر کام میں اعتدال کو پسند فرمایا اس لئے داڑھی میں بھی اعتدال ہے لہٰذا ایک قبضہ (مٹھی) بھر داڑھی سنت ہے اور علماء کرام نے ایسے لوگوں کو بیوقوف قرار دیا جو حد سے زیادہ لمبی داڑھی رکھتے ہیں کیونکہ ہر کام میں درمیانی راہ اختیار کرنا بہتر ہے امام زرقانی نے اس پر تفصیلاً گفتگو کی ہے ملاحظہ کیجئے۔ (زرقانی ج ۴ ص ۲۱۱)

مونچھوں کو کاٹنے اور مونڈنے میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کونسا طریقہ افضل ہے؟

موطأ میں ہے کہ مونچھوں کے بال اس قدر کاٹے جائیں کہ ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے۔

ابن عبدالحکم نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں مونچھوں کو پست کیا جائے اور داڑھی کو بڑھایا جائے اور مونچھوں کا مونڈ نا مراد نہیں اور میں نے دیکھا کہ مونچھیں مونڈنے والے کو جھڑکا جاتا تھا۔ [1]

حضرت اشہب فرماتے ہیں: کہ مونچھیں منڈوانا بدعت ہے انہوں نے فرمایا میرا خیال یہ ہے کہ ایسا کرنے والے کو سزا دی جائے۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: مختار بات یہ ہے کہ مونچھوں کو کاٹے حتیٰ کہ ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے جڑ سے ہی نہ مونڈے۔

حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ہم نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ سے اس سلسلے میں کوئی واضح بات نہیں پائی۔

حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین (حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہما) کے نزدیک سر کے بال اور مونچھیں کاٹنے کی بجائے ہلکی کرنا افضل ہے۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ کے بارے میں ''الاثرم'' فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ وہ بڑی شدت کے ساتھ مونچھوں کو پست کرتے تھے۔

مونچھوں کو کاٹنے کی کیفیت کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا ان کے دونوں کناروں کو بھی کاٹا جائے یا ان کو چھوڑا جائے جیسا کہ بہت سے لوگ کرتے ہیں۔

تو حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ نے ''احیاء العلوم میں'' فرمایا: کہ مونچھوں کے کناروں کو باقی رکھنے میں کوئی حرج نہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔

کیونکہ اس سے منہ ڈھانپا نہیں جاتا اور نہ اس میں کھانے کی چربی وغیرہ باقی رہتی ہے کیونکہ وہ وہاں تک نہیں پہنچتا۔

حضرت امام ابوداؤد رحمۃ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ہم مونچھوں کے کناروں کو حج اور عمرہ کے علاوہ کاٹ دیتے تھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۰۱)

بعض علماء نے ان کو باقی رکھنا مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ اس میں عجمیوں بلکہ مجوسیوں اور اہل کتاب سے مشابہت ہے اور یہ بات درستگی کے زیادہ لائق ہے کیونکہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے مجوسیوں کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ مونچھوں کے کناروں کو بڑھاتے اور داڑھی منڈواتے ہیں پس ان کی مخالفت کرو۔ پس آپ مونچھوں کے کناروں کو اس طرح کاٹتے تھے جس طرح بکری یا اونٹ کے بال کاٹے جاتے ہیں۔ (السنن الکبریٰ ج اص ۱۵۱، اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ص ۴۰۹، حلیۃ الاولیاء ج ۴ص ۹۴، فتح الباری ج ۱۰ص ۴۲۶)

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ضمن میں نقل کیا (کہ وہ فرماتے ہیں) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! اہل کتاب اپنی عثانین (داڑھیاں) کاٹتے اور مونچھوں کے کنارے

---

[1] امام زرقانی نے فرمایا اس جھڑکنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ طریقہ اختیار کرنا مجوسیوں سے مشابہت ہے۔ (زرقانی ج ۴ص ۲۱۲)

بڑھاتے ہیں تو آپ نے فرمایا مونچھوں کے کنارے کاٹو اور اپنی داڑھیاں بڑھاؤ اور (یوں) اہلِ کتاب کی مخالفت کرو۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۵ الدر المنثور ج ۳ ص ۹۷ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۳۱ المغنی ج ۱ ص ۱۴۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۲۵۷)

''شرح تقریب الاسانید'' میں ہے کہ عثانین عثون کی جمع ہے اور یہ لفظ داڑھی کے لئے بولا جاتا ہے۔

زیرناف بال

زیرناف بالوں کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ چونے سے اکھیڑتے نہیں تھے بلکہ جب یہ بال زیادہ ہو جاتے تو آپ ان کو مونڈتے تھے۔ لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

(السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۵۲ حاوی الفتاوی ج ۱ ص ۵۲۵۔۵۲۹ شرح السنہ ج ۱۲ ص ۱۱۳ فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۴۲ الدر المنثور ج ۱ ص ۱۱۴ تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۱۰۱ اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۵۷ تاریخ اصبہان ج ۱ ص ۳۲۱)

امام ابن ماجہ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ نے جو حدیث نقل کی ہے اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن اس میں ارسال (راوی چھوٹنے) کی علت ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو صحیح تسلیم نہیں کیا (جس میں انہوں نے فرمایا) کہ نبی اکرم ﷺ (زائد) بالوں کو صاف کرنا چاہتے تو زیرناف بالوں سے ابتدا کرتے اور ان کو چونے سے صاف کرتے اور جسم کے باقی حصے سے آپ کی زوجہ بالوں کو صاف کرتی تھیں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۵۱۔۳۷۵۲ حاوی الفتاوی ج ۱ ص ۵۲۴۔ص ۵۲۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۳۱۴)

وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ جحفہ کے حمام میں داخل ہوئے تو یہ حدیث ان تمام لوگوں کے نزدیک موضوع ہے جو حدیث کی معرفت رکھتے ہیں جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے فرمایا بلکہ عرب کے لوگوں کو اپنے ملک میں حمام کی پہچان نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد ہوئی۔

حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ نے حضرت ابو جعفر باقر رحمۃ اللہ کی مرسل روایت سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنے ناخنوں اور مونچھوں کو جمعۃ المبارک کے دن کاٹنا اچھا سمجھتے تھے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۴۰۹ اخلاق النبوۃ ص ۲۵۷)

اس حدیث کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متصل سند کے ساتھ مروی حدیث شاہد ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے اسے بھی حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ نے ''شعب الایمان میں'' نقل کیا ہے۔

اس سلسلے میں حضرت امام احمد رحمۃ اللہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: جمعہ کے دن زوال سے پہلے سنت ہے ان سے ایک روایت میں جمعرات کا ذکر ہے اور ایک روایت میں وہ فرماتے ہیں: کہ (انسان کو) اختیار ہے۔

حافظ ابو الفضل ابن حجر رحمۃ اللہ نے فرمایا: کہ ایسی ہر بات پر اعتماد ہے وہ جس طرح بھی ضرورت محسوس کرے وہی مستحب ہے۔

انہوں نے فرمایا: کہ جمعرات کے دن ناخن کاٹنے کے استحباب کے سلسلے میں کوئی حدیث نہیں اسی طرح اس کی کیفیت کے بارے میں بھی کوئی بات ثابت نہیں اور نہ ہی نبی اکرم ﷺ سے کسی دن کی تعیین ثابت ہے۔

اور جو عبارت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ کی طرف منسوب ہے اس کے بارے میں ہمارے شیخ (علامہ سخاوی رحمۃ اللہ) نے فرمایا کہ وہ باطل ہے۔

ناخن کاٹنے سے مراد ناخنوں کے اس حصے کو زائل کرنا ہے جو انگلیوں کے سروں سے ملا ہوتا ہے کیونکہ اس کے نیچے میل جمع ہوتی ہے پس اس سے گھن آتی ہے اور بعض اوقات اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ اس کے نیچے تک پانی نہیں پہنچتا جب کہ اس کا دھونا فرض ہوتا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کے اصحاب سے اس سلسلے میں دو وجہ منقول ہیں۔

حضرت التولی (میم پر پیش تاء اور واو پر زبر اور لام کے نیچے زیر ہے حضرت امام شافعی کے مقلد ہیں) نے قطعی طور پر فرمایا کہ اس صورت میں وضو صحیح نہیں ہوتا اور حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ نے قطعی طور پر فرمایا کہ اس قسم کی صورت معاف ہوتی ہے۔

حضرت امام طبرانی رحمۃ اللہ نے "الاوسط میں" حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ اپنی مسواک اور کنگھی جدا نہیں کرتے تھے (ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے) اور جب داڑھی مبارک کو کنگھی کرتے تو آئینے میں دیکھتے۔ (مجمع الزوائد ج۹ ص۲۲۔ فتح الباری ج۱۰ ص۴۴۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس میں سے ہر رات تین سلائیاں ایک آنکھ میں اور تین سلائیاں دوسری آنکھ میں لگاتے تھے۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ، امام ترمذی اور امام احمد رحمۃ اللہ نے روایت کیا ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۵۷۔ ۲۰۴۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۹۹، مسند احمد ج۱ ص۳۵۴، اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۱۷۰)

امام احمد رحمۃ اللہ کے الفاظ اس طرح ہیں:

کان یکتحل بالاثمد کل لیلۃ قبل ان ینام و کان یکتحل فی کل عین ثلاثۃ امیال.

نبی اکرم ﷺ ہر رات سونے سے پہلے "اثمد" سرمہ لگاتے تھے اور ہر آنکھ میں تین سلائیاں لگاتے۔

حضرت امام نسائی نے اور حضرت امام بخاری (رحمۃ اللہ) نے اپنی تاریخ میں حضرت محمد بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا نبی اکرم ﷺ خوشبو لگاتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ہاں آپ کستوری اور عنبر لگاتے جو مردوں کے مناسب ہے۔ (مردوں کے مناسب وہ خوشبو ہے جو نظر نہ آئے لیکن اس کی مہک پھیلے اور عورتوں کے مناسب خوشبو وہ ہے جس کی مہک نہ پھیلے البتہ وہ نظر آئے ۱۲ ہزاروی)۔

(سنن نسائی ج۸ ص۱۵۱)

رسول اکرم ﷺ کی رفتار [1]

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب چلتے تو آگے کی طرف اچھی طرح جھکاؤ رکھتے گویا بلندی سے اتر رہے ہوں۔ (مسند احمد ج۳ ص۲۷۰، المستدرک ج۲ ص۶۰۶)

---

[1] (طبقات ابن سعد ج۱ ص۲۸۶)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ نے روایت کیا اور حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا۔
امام بزار رحمۃ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ جب آپ قدم مبارک رکھتے تو مکمل طور پر رکھتے تھے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے ''الشمائل میں'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے کسی شخص کو نبی اکرم ﷺ کے مقابلے میں زیادہ تیز چلتے ہوئے نہیں دیکھا گویا زمین آپ کے لیے لپیٹ دی جاتی تھی ہم اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتے (اور تیز چلتے) لیکن آپ کسی مشقت میں پڑے بغیر تیز چلتے تھے۔

(البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۱۷)

حضرت یزید بن مرثد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ جب چلتے تو تیز تیز چلتے حتیٰ کہ کوئی شخص آپ کے پیچھے تیز چل کر بھی آپ تک نہ پہنچتا۔ اسے ابن سعد نے نقل کیا ہے۔
یہ بات بھی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب چلتے تو اعضاء کی قوت کے ساتھ چلنے میں ڈھیل نہیں ہوتی تھی۔
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب چلتے تو پاؤں اچھی طرح اٹھاتے تھے۔

(جامع ترمذی الشمائل رقم الحدیث: ۶۰' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۵۲' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۲' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۴)

ابن ابی ہالہ نے کہا:

اذا زال زال تقلعا یخطو تکفیا و یمشی ھونا ذریع المشیۃ اذا مشی کانما ینحط من صبب.

جب آپ چلتے تو قدم اٹھا کر اور نرم رفتار سے چلتے لیکن قدموں کے درمیان کشادگی ہوتی جب آپ چلتے تو یوں محسوس ہوتا کہ ڈھلوان میں اتر رہے ہوں۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

اذا زال زال قلعا

جب چلتے تو قدم اٹھا کر چلتے۔

لفظ (قلعا) کے قاف پر زبر اور پیش دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور یہ مصدر ہے جو (اسم) فاعل کے معنیٰ میں ہے یعنی آپ ہمیشہ اپنے پاؤں کو زمین سے اٹھا کر چلتے تھے اور پیش کے ساتھ مصدر ہے یا اسم ہے اور یہ کھولنے کے معنیٰ میں ہے۔
ہروی نے کہا میں نے یہ حرف کتاب غریب الحدیث میں پڑھا ہے یہ کتاب ابن انباری کی تصنیف ہے اس میں قلعا قاف پر زبر اور لام کی زیر کے ساتھ ہے' میں نے ازہری کے خط سے بھی اسی طرح پڑھا ہے اور جس طرح دوسری حدیث میں آیا ہے:

کانما ینحط من صبب.

گویا آپ بلندی سے اترتے ہوں۔

اس (قلع) کا مفہوم بھی یہی ہے اوپر سے نیچے کی طرف اترنا اور زمین سے پاؤں اٹھا کر چلنا ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔
مقصد یہ ہے کہ آپ ثابت قدمی کے ساتھ چلتے اور اس حالت میں آپ سے زیادہ جلدی اور آگے بڑھنا نہ پایا جاتا۔
''ذریع المشیۃ'' کا معنیٰ کھلے کھلے قدم اٹھانا ہے یہ بات ابن اثیر نے کہی ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ تقلع کا معنیٰ زمین سے مکمل طور پر اٹھ جانا ہے۔ جس طرح بلندی سے اترنے والا ہوتا ہے اور یہ انداز رفتار عزم و ہمت اور بہادر لوگوں کا انداز ہ ہے۔ رفتار کے مختلف طریقوں میں سے یہ طریقہ زیادہ معتدل اور اعضاء کو زیادہ راحت پہنچانے والا ہے کئی لوگ ایک ٹکڑے کی طرح چلتے ہیں۔ گویا لکڑی ہے جو اٹھائی ہوئی ہے اور یہ طریقہ مذموم ہے۔

یا وہ تھکا دینے والی رفتار سے چلتے ہیں جیسے غصے والا اونٹ چلتا ہے اور یہ طریقہ بھی مذموم ہے (تیز چلنا مراد ہے)۔

یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کی عقل کمزور ہے خصوصاً جب وہ چلتے ہوئے دائیں بائیں متوجہ ہو۔

بعض مسند روایات میں ہے کہ چلنے والوں نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر چلنے کے بارے میں شکایت کی تو آپ نے فرمایا تھوڑے تیز چلو لیکن اس طرح کہ چلنے والا تھک نہ جائے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہمراہ نبی اکرم ﷺ اس طرح چلتے کہ وہ آپ کے آگے چلتے اور آپ انکے پیچھے ہوتے اور فرماتے میری پیٹھ کو فرشتوں کے لئے چھوڑ دو اور کسی کہنے والے کے اس قول کا یہی مفہوم ہے کہ آپ اپنے صحابہ کرام کو چلاتے اور ان کو اکیلے اکیلے اور جماعت کی صورت میں آگے چلاتے تھے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۸، مشکل الاثار ج ۳ ص ۱۰)

ایک غزوہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ اس طرح چلے کہ آپ کی مبارک انگلی زخمی ہوگئی اور اس سے خون جاری ہو گیا آپ نے فرمایا:

ھل انت الا اصبع دمیت وفی سبیل اللہ ما لقیت

''تو ایک انگلی ہی تو ہے جس سے خون جاری ہوا اور جو کچھ تجھے پہنچا اللہ تعالیٰ کے راستے میں پہنچا''۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۴۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۲، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۴۵، مسند احمد ج ۴ ص ۳۱۲، المعجم الکبیر ج ۲ ص ۱۸۵، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۷۶، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۴۴، الشمائل ترمذی رقم الحدیث: ۱۲۴، التمہید ج ۶ ص ۴۸۹، الدر المنثور ج ۶ ص ۳۶۰، مشکل الاثار ج ۴ ص ۲۹۹)

سورج اور چاند کی روشنی میں نبی اکرم ﷺ کا سایہ نہ ہوتا تھا یہ بات امام ترمذی حکیم نے حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے ابن سبع نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نور تھے پس جب آپ سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تو آپ کا سایہ ظاہر نہ ہوتا۔

ان کے علاوہ حضرات نے کہا کہ اس بات پر نبی اکرم ﷺ کی دعا کا یہ حصہ گواہی دیتا ہے آپ نے یوں دعا مانگی:

وَاجْعَلْنِیْ نُوْرًا

اور مجھے نور بنا دے۔

آپ کا رنگ مبارک [1]

نبی اکرم ﷺ کے رنگ مبارک کا وصف جمہور صحابہ کرام نے سفیدی کے ساتھ بیان کیا ہے ان میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت ابو جحیفہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابن ابی ہالہ، حضرت حسن بن علی، حضرت ابو الطفیل، حضرت محرش کعبی، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت براء، رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت اسی طرح ہے۔

[1] (البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۱۵، دلائل النبوۃ ج ا ص ۲۰۱)

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کا رنگ سفید تھا۔
حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا سفید گندمی رنگ تھا۔
مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے:
ابیض ملیح الوجہ. آپ کے چہرہ انور کا رنگ سفید گندمی تھا۔
حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کی ایک روایت امام طبرانی نے نقل کی ہے اس میں فرماتے ہیں:
ما انسی شدۃ بیاض وجھہ مع شدۃ سواد شعرہ. میں آپ کے چہرہ کا بہت زیادہ سفید اور بالوں کا بہت زیادہ سیاہ ہونا نہیں بھولا۔
حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا یہ شعر آپ کے چہرے کی سفیدی کو بیان کرتا ہے:
وابیض یستسقی الضمام بوجھہ ثمال الیتامی عصمۃ للأرامل
''آپ سفید (گندمی رنگ) والے تھے آپ کے چہرہ انور کی برکت و وسیلہ سے بادل بارش برساتے آپ یتیموں کے ماویٰ اور بیواؤں کے محافظ تھے۔
اور حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا آپ ابیض مشرب تھے اور مشرب وہ ہوتا ہے جس کے سفید رنگ میں سرخی ہو۔ جس طرح دوسری روایت میں:
ابیض مشرب بحمرۃ.
حضرت انس رضی اللہ عنہ کا جو قول صحیح مسلم میں ہے کہ انہوں نے فرمایا آپ:
ازھر اللون تھے تو اس کا یہی مطلب ہے۔
''سنن نسائی میں'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (فرماتے ہیں:) کہ نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرماتے ایک شخص نے حاضر ہو کر کہا تم میں سے عبدالمطلب کا بیٹا (پوتا) کون ہے؟
انہوں نے کہا:
ھذہ الا مغر المرتفق. یہ ایسے سفید رنگ والے جس میں سرخی ملی ہوئی ہے اور کہنی پر ٹیک لگا رکھی ہے۔
الامغر۔ جس رنگ میں سرخی کی آمیزش ہو۔
المرتفق۔ کہنی کا سہارا لئے ہوئے۔
صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ:
لیس بابیض امھق. آپ خالص سفید رنگ والے نہ تھے۔
حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: داؤدی نے مروزی کی اتباع میں یوں نقل کیا:
امھق لیس بابیض. آپ سفید رنگ والے تھے لیکن زیادہ سفید نہیں تھا۔
(اصل میں ''ابیض لیس بامھق'' ہے)۔

ابوحاتم وغیرہ کی روایت میں ''اسمر'' کا لفظ ہے یعنی گندمی رنگ والے۔

بعض حضرات نے اس بات کو مشکل قرار دیا اور کہا کہ ان میں سے اکثر روایات ایک دوسرے کی نفی کرتی ہیں اور بعض میں تطبیق دینا اور ان کو جمع کرنا ممکن ہے جس طرح سفید رنگ اور سرخ والی روایات لیکن بعض روایات کو جمع کرنا ممکن نہیں جیسے وہ روایات جس میں شدید سفیدی کا ذکر ہے' گندمی رنگ والی روایات کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں۔

داؤدی نے مروزی کی اتباع میں جو روایت نقل کی ہے کہ ''امهق لیس بابیض'' اس پر اعتراض کیا گیا ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے فرمایا: یہ وہم ہے اسی طرح وہ روایت جس میں کہا گیا کہ ''آپ نہ سفید رنگ والے تھے اور نہ گندمی رنگ والے'' تو یہ روایت صحیح نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے فرمایا: یہ بات عمدہ نہیں کیونکہ جہاں سفید رنگ کی نفی کی گئی ہے تو اس سے مراد زیادہ سفیدی ہے اور جہاں گندمی رنگ کی نفی ہے تو اس سے بھی سخت گندمی رنگ کی نفی ہے بلکہ آپ کے سفید رنگ میں سرخی تھی۔

اور اہل عرب اس قسم کے سب لوگوں پر ''اسمر'' (گندمی رنگ والے) بولتے ہیں۔

اسی لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے جیسے امام احمد' امام بزار اور ابن مندہ نے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ:

کان اسمر. گندمی رنگ والے تھے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ نے دوسری سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا انہوں نے حضرت محمد ﷺ کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

کان ابیض بیاضہ الی السمرۃ. آپ سفید رنگ والے تھے اور سفیدی میں گندمی رنگ تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں نبی اکرم ﷺ کا وصف یوں بیان کیا گیا ہے کہ جسم مبارک اور گوشت کے اعتبار سے دو آدمیوں کے برابر تھے (یعنی اعتدال پر تھے) سرخ رنگ سفیدی مائل تھا۔

ان تمام روایات کے مجموعہ سے معلوم ہوا کہ سمرہ سے مراد وہ سرخی ہے جو سفیدی سے ملی ہو اور جہاں سفید رنگ کا ذکر ہے تو اس سے بھی سرخی ملا ہوا رنگ مراد ہے اور جہاں سفید رنگ کی نفی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خالص سفید رنگ جس میں سرخی نہ ملی ہو اس کی نفی ہے کیونکہ ایسے رنگ کو اہل عرب ناپسند کرتے تھے اور وہ ''امهق'' کہتے تھے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ مروزی کا یہ قول کہ ''امهق لیس بابیض'' میں قلب ہے (یعنی الٹ ہے اصل یوں ہے ''ابیض لیس بامهق'')۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی توجیہہ کرتے ہوئے کہا جائے کہ امہق سے مراد سبز رنگ جو سفیدی میں انتہا کو نہ پہنچا ہو اور نہ ہی سرخی زیادہ ہو۔

رؤبۃ (بن عجاج) سے منقول ہے کہ پانی کی سبزی کو ''امهق'' کہا جاتا ہے اور یہ تاویل' روایت کے ثابت ہونے پر مکمل ہوگی۔

اور حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں گزر چکا ہے کہ آپ سفید رنگ والے تھے اسی طرح حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ہے جسے امام مسلم اور امام ترمذی رحمۃ اللہ نے نقل کیا۔

حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ابن اسحاق نے نقل کی ہے اس میں اس طرح ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی مبارک پنڈلی کو دیکھا تو گویا وہ کھجور کی گوند کی طرح ہے۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ نے عمرۂ جعرانہ کے ضمن میں حضرت محرش کعبی کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے آپ کی پشت مبارک کو دیکھا تو گویا وہ چاندی کی ڈلی جیسی تھی۔

حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کا وصف بیان کرتے ہوئے سنا وہ فرماتے تھے کہ آپ نہایت درجہ سفید تھے اسے یعقوب بن سفیان اور امام بزار نے مضبوط سند کے ساتھ بیان کیا ہے ان دونوں روایتوں کو جمع کیا جا سکتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جسم کے اس حصے میں سفید رنگ میں سرخی ملی ہوئی تھی جو سورج اور ہوا میں روشن ہوتا ہے جیسے چہرہ اور گردن مبارک لیکن جو حصہ کپڑوں کے نیچے تھا وہ سفید روشن تھا یہ بات ابن ابی خیثمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو حضور علیہ السلام کے وصف کے بارے میں ہے اس کے بعد نہایت تفصیل سے ذکر کیا اور اس میں اضافہ کیا کہ آپ کا مبارک رنگ جس میں کوئی شک نہیں کیا جاتا تھا سفید روشن تھا۔

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ بعض حضرات نے ان لوگوں کے قول کو ضعیف قرار دیا ہے جنہوں نے کہا کہ گندمی رنگ سے جسم کا وہ حصہ موصوف تھا جس تک دھوپ نہیں پہنچتی تھی۔ کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ پر آپ کا کوئی معاملہ پوشیدہ نہ تھا کہ آپ حضرت محمد ﷺ کی صفت لازمہ کے علاوہ کوئی وصف بیان کرتے کیونکہ ان کو آپ ﷺ کا قرب حاصل تھا۔

ہاں بعض آنے والے جنہوں نے اس وقت حضرت محمد ﷺ سے ملاقات کی ہو جب سورج کی وجہ سے آپ کے رنگ میں تبدیلی آئی ہو وہ یہ بات بیان کریں تو صحیح قرار پاتی ہے پس حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں جس ''سمرۃ'' (رنگ) کا ذکر ہے اسے اس سرخی پر محمول کیا جائے گا جو سفیدی سے ملی ہوئی ہو۔

تنبیہ

''شفاء شریف میں'' حضرت احمد بن سلیمان جو سحنون کے شاگرد اور راوی ہیں' سے منقول ہے کہ جو شخص کہے کہ نبی اکرم ﷺ سیاہ رنگ والے تھے اسے قتل کر دیا جائے۔

اس سے ثابت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی صفات عالیہ کے سلسلے میں جھوٹ کفر ہے جو موجب قتل ہے لیکن یہ بات (مطلقاً) نہیں بلکہ ضروری یہ ہے کہ اس کے ساتھ کوئی قرینہ پایا جاتا ہو جس سے معلوم ہو کہ وہ شخص آپ کی توہین کرتا ہے جس طرح اس مذکور مسئلہ میں ہے کیونکہ سیاہ رنگ کو فضیلت حاصل نہیں ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ کے پسینہ اور خون مبارک کی خوشبو

نبی اکرم ﷺ کی ریح' پسینہ اور فضلات خوشبودار تھے اور اچھی خوشبو آپ کی صفت تھی اگرچہ آپ نے خوشبو نہ لگائی ہو۔ (الشفاء ج ا ص ٦١' دلائل النبوۃ ج ا ص ٢٥٤' البدایۃ والنہایہ ج ٦ ص ٢٥)

ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں:

ما شممت ریحا قط ولا مسکا ولا عنبرا الطیب من ریح رسول اللہ ﷺ.

میں نے کبھی بھی کوئی خوشبو، کستوری اور عنبر نہیں سونگھا جو حضور ﷺ کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار ہو۔

صحیح بخاری میں ہے:

ولا شممت مسکۃ ولا عنبرۃ اطیب من رائحۃ النبی ﷺ.

اور میں نے کوئی کستوری اور عنبر حضور ﷺ کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھی۔

جامع ترمذ میں ہے فرماتے ہیں:

ولا شممت مسکا قط ولا عطرا کان اطیب من عرق رسول اللہ ﷺ.

میں نے ایسی کستوری اور عطر کبھی نہیں سونگھا جو سرکار دو عالم ﷺ کے پسینہ سے زیادہ عمدہ ہو۔

حضرت عتبہ بن فرقد سلمی رضی اللہ عنہ کی زوجہ ام عاصم فرماتی ہیں: حضرت عتبہ کے ہاں ہم چار عورتیں تھیں ہم میں سے ہر ایک خوشبو لگانے میں بہت زیادہ کوشش کرتی تھی تا کہ وہ سب سے زیادہ خوشبودار ہو جب کہ حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ صرف تیل لگاتے کوئی خوشبو نہ لگاتے لیکن جب حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ باہر لوگوں کے پاس جاتے تو وہ کہتے ہم نے حضرت عتبہ کی خوشبو سے بڑھ کر کسی کی خوشبو نہیں سنی۔

میں نے ایک دن کہا کہ ہم خوشبو لگانے کی بہت زیادہ کوشش کرتی ہیں لیکن آپ ہم سب سے زیادہ خوشبودار ہوتے ہیں ایسا کیوں ہے؟ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مجھے سرخ پھنسیاں نکل گئی تھیں تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی آپ نے مجھے کپڑے اتارنے کا حکم دیا میں نے اپنا ستر ڈھانپتے ہوئے باقی کپڑے اتار دیئے نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ پر لعاب ڈالنے کے بعد اسے میری پیٹھ اور پیٹ پر پھیرا تو اس دن سے یہ خوشبو میرے جسم سے ملی ہوئی ہے اسے طبرانی نے اپنی معجم صغیر میں روایت کیا۔

ابو یعلیٰ اور طبرانی نے اس شخص کا قصہ نقل کیا جس میں اس نے حضور علیہ السلام سے اپنی صاحبزادی کی (بطور دلہن) تیاری کے لئے مدد طلب کی پس آپ کے پاس کچھ نہ تھا تو آپ نے ایک شخص سے شیشی منگوائی اور اس میں اپنا پسینہ ڈالا اور فرمایا اسے کہو اس سے خوشبو لگائے چنانچہ وہ جب بھی اس سے خوشبو لگاتی تو تمام اہل مدینہ اس خوشبو کی مہک سے مستفید ہوتے چنانچہ انہوں نے اس گھر کو خوشبو والوں کا گھر قرار دیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ میں کچھ خصائل تھے آپ کسی راستے پر جاتے تو آپ کے پیچھے جانے والے کو آپ کے پسینہ مبارکہ کی خوشبو سے پتہ چل جاتا اور معلوم ہو جاتا کہ آپ کدھر تشریف لے گئے ہیں اور آپ جس پتھر کے پاس سے گزرتے وہ آپ کو سجدہ کرتا اسے دارمی، بیہقی اور ابو نعیم نے روایت کیا۔ (تاریخ الکبیر ج ۳ ص ۱۵۴، الشفاء ج اص ۶۳، مناہل الصفاص ۱۴۱۔ رقم الحدیث: ۶۶، سنن دارمی ج اص ۳۲، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۲، کشف الاستار ج ۳ ص ۱۶۱، مسند ابی یعلی ج ۵ ص ۴۳۳)

کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے:

فلو ان رکبا یمموک لقادهم نسیمک حتی یستدل به الرکب

''اگر کوئی سوار آپ کا ارادہ کریں تو آپ کے مبارک بدن کی خوشبوان کی رہنمائی کرتی ہے حتی کہ اس کے ذریعے ان سواروں کی رہنمائی ہو جاتی ہے''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ طیبہ کے کسی راستے سے گزرتے تو صحابہ کرام اس سے عمدہ خوشبو پاتے اور فرماتے کہ نبی اکرم ﷺ اس راستے سے گزرے ہیں۔

اس حدیث کو ابو یعلی اور بزار نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا۔

کسی شاعر کا یہ قول کتنا عمدہ ہے:

یروح علی غیر الطریق التی غدا علیها فلا ینهی علاه نهاته

تنفسه فی الوقت انفاس عطره فمن طیبه طابت له طرقاته

تروح له الارواح حیث تنسمت لها سحرا من حیه نسماته

''شام کو اس راہ پر چلتے ہیں جس پر صبح نہیں چلے انہیں روکنے والے ان کی بلندیوں کو نہیں روک سکے' ان کا سانس لینا' خوشبوؤں کا منبع ہے' ان سانسوں کی خوشبو سے ان کے راستے مہک اٹھے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ کا چہرہ سب سے زیادہ خوبصورت اور آپ کا رنگ سب سے زیادہ نورانی تھا۔ جس وصف بیان کرنے والے نے ان کا وصف بیان کیا اس نے اسے چودہویں رات کے چاند سے تشبیہ دی اور آپ کے چہرۂ انور پر پسینہ موتیوں کی طرح ہوتا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اور آپ نے دوپہر کے وقت کچھ آرام فرمایا (قیلولہ کیا) آپ کو پسینہ آیا تو میری ماں ایک شیشی لے آئیں اور اس میں آپ کا پسینہ مبارکہ ڈالنے لگیں' رسول اکرم ﷺ بیدار ہوئے تو فرمایا: اے ام سلیم! کیا کر رہی ہو؟ عرض کیا آپ کا پسینہ مبارکہ خوشبو کے لئے حاصل کر رہی ہوں یہ سب سے عمدہ خوشبو ہے۔

صحیح مسلم کی ہی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لاتے اور ان کے بچھونے پر آرام فرماتے اور اس میں کوئی حرج نہیں (کیونکہ وہ جانتی تھیں اور اس پر خوش ہوتی تھیں) فرماتے ہیں: ایک دن آپ تشریف لائے اور ان کے بستر پر آرام فرما ہوئے کسی نے آکر ان کو بتایا کہ نبی اکرم ﷺ تمہارے گھر میں تمہارے بستر پر سوئے ہوئے ہیں حضرت انس فرماتے ہیں: حضرت ام سلیم آئیں اور اس وقت نبی اکرم ﷺ کو پسینہ آیا ہوا تھا اور وہ چمڑے کے ایک ٹکڑے پر جمع ہونے لگا حضرت ام سلیم نے اپنی صندوقچی کھول کر اس پسینہ مبارکہ کو اپنی شیشیوں میں نچوڑ لیا۔

رسول اکرم ﷺ گھبرا کر اٹھے اور فرمایا: اے ام سلیم! کیا کر رہی ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اپنے بچوں کے لئے اس کی برکت کی امید رکھتے ہیں آپ نے فرمایا تم نے صحیح کیا۔

وہ جو کہا جاتا ہے کہ گلاب آپ کے پسینے یا آپ کے براق کے پسینے سے پیدا ہوا تو ہمارے شیخ نے فرمایا: کہ یہ مشہور احادیث ہیں (لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہیں) لیکن حضرت امام نووی رحمۃ اللہ نے فرمایا یہ صحیح نہیں اور شیخ الاسلام حضرت

امام ابن حجر رحمۃ اللہ نے فرمایا یہ موضوع ہے اس بات میں ابن عساکر نے سبقت کی ہے انہوں نے مسند الفردوس میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا۔

سفید گلاب معراج کی رات میرے پسینے سے پیدا ہوا' سرخ گلاب حضرت جبریل علیہ السلام کے پسینے سے پیدا کیا گیا اور زرد گلاب براق کے پسینے سے پیدا کیا گیا۔ (تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۲۷۰' کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۰۲۔ ج ۲ ص ۳۵۲۔ ۴۶۵' اللآلی المصنوعہ ج ۲ ص ۱۴۸' الاسرار المرفوعہ ص ۱۳۵۔ ۳۷۷' الموضوعات ج ۳ ص ۶۲)

یہ حدیث انہوں نے مکی بن بندار زنجانی کے طریق سے روایت کی ہے۔

ہم سے حسن بن علی بن عبدالواحد قرشی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے ہشام بن عمار زہری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہوئے بیان کیا پھر فرمایا حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابوعبید حاکم نے ایک شخص کے واسطے سے حضرت مکی سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا اور حضرت مکی اس میں تنہا ہیں۔

ابوالحسین بن فارس لغوی (احمد بن فارس بن زکریا القزوینی الرازی) نے اپنی تصنیف ''الریحان والراح میں'' حضرت مکی سے اسے روایت کیا اور مکی ان لوگوں میں سے ہیں جن پر امام دار قطنی نے وضع حدیث کی تہمت لگائی۔

(الاعلام ج ۱ ص ۱۹۳' وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۵' یتیمۃ الدھر ج ۳ ص ۴۶۳)

اس روایت کا ایک اور طریق ہے جسے ابوالفرج نہروانی نے ''الجلیس الصالح کے'' پچانوے باب میں نقل کیا وہ یہ کہ محمد بن عنبسہ ابن حماد فرماتے ہیں: ہم سے ہمارے والد نے بیان کیا انہوں نے واسطہ جعفر بن سلیمان' حضرت مالک بن دینار سے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

جب مجھے معراج کرایا گیا تو میرے بعد زمین روئی تو اس کی سبزی میں ایک خاردار جھاڑی پیدا ہوئی جب میرے پسینہ کا قطرہ زمین پر لوٹا تو سرخ گلاب اُگا سنو! جو شخص میری خوشبو سونگھنا چاہے وہ سرخ گلاب سونگھے۔

پھر ابوالفرج نے کہا اس حدیث میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ ان باتوں میں سے زیادہ آسان ہے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو عزت بخشی اور آپ کی فضیلت اور بلندئی مرتبہ پر دلالت ہے۔ امام سخاوی کا قول مکمل ہوا (مصنف فرماتے ہیں:) میں نے یہ روایت (موضوع ہونے کے باوجود) اس لئے ذکر کی ہے تاکہ اس کا علم حاصل ہو جائے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کے رخسار پر ہاتھ مبارک پھیرا فرماتے ہیں: میں نے آپ کے ہاتھ مبارک کی ٹھنڈک اور خوشبو اس طرح پائی کہ گویا اس کو عطار کی صندوقچی سے نکالا گیا ہو۔ دوسرے حضرات نے یوں بیان کیا کہ آپ خوشبو لگاتے یا نہ' آپ سے مصافحہ کرنے والا دن بھر آپ کے دستِ مبارک کی خوشبو پاتا اور آپ کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھتے تو بچوں کے درمیان اس خوشبو کو پہچانا جاتا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے جن خبر دینے والوں کی طرف نسبت کی ہے ان سے اور نبی اکرم ﷺ کے شمائل جمع کرنے والوں سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو زمین پھٹ جاتی اور وہ آپ کے پاخانہ اور پیشاب کو نگل لیتی اور اس جگہ سے خوشبو آتی دوسرے حضرات نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کے پاخانہ اور پیشاب پر کوئی شخص کبھی بھی مطلع نہ ہو سکا۔

واقدی کے کاتب محمد بن سعد نے مسند میں بیان کیا کہ جس طرح شفاء کے بعض نسخوں میں ہے کہ محدثین فرماتے ہیں: نہ یہ روایت ہے اور نہ ابن جبیر کے اصل کے حواشی میں سے ہے بلکہ ان کے غیر کے حواشی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے ہیں لیکن ہمیں وہاں کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تو نہیں جانتی کہ زمین انبیاء کرام علیہم السلام سے نکلنے والی چیز کو نگل لیتی ہے پس ان سے کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ (الشفاء ج ۱ ص ۶۳)

ابن سبع کی الشفاء میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھا جب آپ نے قضائے حاجت کا ارادہ کیا تو میں رک گیا آپ مکان میں داخل ہوئے اور قضائے حاجت فرمائی پھر میں اس جگہ داخل ہوا جہاں سے آپ باہر تشریف لائے تھے تو وہاں پیشاب اور پاخانہ کا کوئی اثر نہ تھا میں نے وہاں تین پتھر دیکھے میں نے ان کو اٹھایا تو ان سے عطر کی خوشبو آ رہی تھی۔ (مصنف رحمۃ اللہ فرماتے ہیں) حافظ عبد الغنی مقدسی سے پوچھا گیا کہ کیا یہ بات مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاخانہ وغیرہ کو زمین نگل لیتی تھی؟ انہوں نے فرمایا یہ غریب طریق سے مروی ہے لیکن ظاہر اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ کسی صحابی سے یہ بات مروی نہیں کہ اس نے آپ کے پاخانہ کو دیکھا ہو یا اس کا ذکر کیا ہو لیکن آپ کے پیشاب کو کئی حضرات نے دیکھا ہے اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے اسے پیا بھی ہے۔ واللہ اعلم

لیکن امام بیہقی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ وہ حدیث جس کی خبر ہمیں ابو الحسین بن بشر نے دی وہ فرماتے ہیں: کہ ہمیں اسماعیل بن محمد صفار نے خبر دی وہ فرماتے ہیں: ہم سے زید بن اسماعیل صائغ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں: ہم سے حسین بن علوان نے بواسطہ ہشام بن عروہ' حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا۔

اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا آپ فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو میں آپ کے پیچھے جاتی (یعنی آپ کے باہر آنے کے بعد) تو مجھے بھی نظر نہ آتا البتہ مجھے عطر کی خوشبو آتی میں نے یہ بات آپ کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارے (انبیاء کرام) کے جسم اہل جنت کی ارواح پر پیدا ہوتے ہیں اور جو کچھ ان سے نکلتا ہے اسے زمین نگل لیتی ہے۔

تو یہ حسین بن علوان کی موضوع روایات میں سے ہے اسے ذکر کرنا مناسب نہیں البتہ اس مقصد کے لئے ذکر کیا جاتا ہے کہ اس کا موضوع ہونا معلوم ہو پس صحیح مشہور احادیث جو آپ کے معجزات کے سلسلے میں مروی ہیں وہ ابن علوان کے اس جھوٹ کے مقابلے میں کافی ہیں لیکن یہ حدیث ابن علوان کے طریق کے بغیر بھی مروی ہے۔

امام دارقطنی نے ''الافراد میں'' ذکر کیا کہ ہم سے محمد بن سلیمان باہلی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے محمد بن حسان اموی نے بیان کیا' وہ فرماتے ہیں عبدہ بن سلیمان نے بواسطہ ہشام بن عروہ' حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں خبر دی انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ام المومنین نے عرض کیا یارسول اللہ! میں دیکھتی ہوں آپ بیت الخلاء میں داخل ہوتے ہیں پھر آپ کے بعد جو شخص جاتا ہے وہ آپ کے پاخانے کا کوئی نشان نہیں پاتا۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تو نہیں جانتی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے جسم سے نکلنے والی چیز (پاخانے) کو نگل لے۔

اور محمد بن حسان بغدادی (اموی) ثقہ (قابل اعتماد) راوی ہیں اور عبدہ بن سلیمان صحیح کے راویوں میں سے ہیں۔
ابن سعد نے اس حدیث کا ایک اور طریق بھی ذکر کیا ہے اسی طرح امام حاکم نے مستدرک میں بھی ایک دوسرا طریق نقل کیا۔
یہ بھی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا پیشاب اور خون برکت کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔
پس ابن حبان نے ''الضعفاء میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ قریش کے ایک غلام نے نبی اکرم ﷺ کو سینگی لگائی جب وہ سینگی لگانے سے فارغ ہوا تو اس نے آپ کا خون لیا اور اسے دیوار کے پیچھے لے گیا پھر دائیں بائیں دیکھا تو کوئی بھی نظر نہ آیا تو اس نے آپ کے خون کی چسکی بھر لی حتی کہ فارغ ہو گیا تو حاضر خدمت ہوا آپ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو پوچھا تجھ پر افسوس تم نے خون کدھر کیا؟ (غلام کہتا ہے) میں نے کہا میں نے دیوار کے پیچھے غائب کر دیا ہے فرمایا: کہاں غائب کیا ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! میں نے اس کو زمین پر بہانے میں بخل سے کام لیا تو وہ میرے پیٹ میں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا. جاؤ تم نے اپنے آپ کو جہنم سے محفوظ کر لیا۔
(التلخیص ج ۱ ص ۳۰، العلل المتناہیہ ج ۱ ص ۱۸۱، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۸۶)
سنن سعید (ابو سعید) بن منصور بن عمرو بن سائب کے طریق سے ہے وہ فرماتے ہیں: کہ انہیں یہ خبر پہنچی ہے کہ احد کے دن جب نبی اکرم ﷺ کا چہرۂ انور زخمی ہو گیا تو حضرت ابو سعید انصاری رضی اللہ عنہ کے والد نے آپ کے چہرۂ انور سے زخم کا خون چوس لیا حتی کہ وہ صاف شفاف ہو گیا اور چمکنے لگا آپ نے فرمایا: اس کو کلی کر دو انہوں نے عرض کیا اللہ کی قسم میں کبھی بھی اسے نہیں تھوکوں گا پھر وہ اسے نگل گئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی جنتی آدمی کو دیکھنا چاہتا ہے وہ ان کو دیکھے تو وہ (اسی وقت احد میں) شہید ہو گئے۔ [1] (السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۸۳، دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۲۶۶، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۲۳)
امام بزار، امام طبرانی، حاکم اور بیہقی نے نیز ابو نعیم نے ''الحلیہ میں'' حضرت عامر بن عبد اللہ بن زبیر سے روایت کیا انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے سینگی لگوائی تو وہ خون مجھے عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا: جاؤ اسے غائب کر دو (فرماتے ہیں) میں گیا اور اسے پی گیا پھر حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: تم نے کیا کیا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے اس کو غائب کر دیا ہے آپ نے فرمایا شاید تم نے اسے پی لیا ہے؟ میں نے عرض کیا (جی ہاں) میں نے پی لیا ہے۔
ایک اور روایت میں ہے میں نے کہا کہ میں نے اسے نہایت پوشیدہ جگہ میں رکھ دیا ہے میرا خیال تھا کہ یہ لوگوں سے پوشیدہ ہے آپ نے فرمایا: شاید تم نے اسے پی لیا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! میں نے پیا ہے، آپ نے فرمایا: تمہارے لئے لوگوں سے خرابی ہو اور لوگوں کے لئے تجھ سے خرابی ہو۔ [2]
ایک اور روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ میں نے کہا مجھے معلوم تھا کہ آپ کے خون کو جہنم (کی آگ) نہیں پہنچ سکتی پس میں نے اس وجہ سے اسے پی لیا آپ نے فرمایا: تمہارے لئے لوگوں سے خرابی

[1] نبی اکرم ﷺ کا قول سچا ہوا اور وہ شہادت پا کر جنت کے مستحق ہو گئے اس واقعہ سے صحابہ کرام کی نبی اکرم ﷺ سے محبت کا پتہ چلتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی محبت رسول ﷺ کی دولت سے مالا مال فرمائے۔

[2] حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا اور شہید کر کے سولی چڑھایا گیا یہ آپ کے لئے حجاج وغیرہ کی طرف سے اذیت ہے اور آپ کے قاتلوں نے آپ کو قتل کرنے اور کعبہ شریف کی بے حرمتی کا جو بہت بڑا گناہ اپنے سر لیا وہ ان کے لئے خرابی ہے (زرقانی ج ۴ ص ۲۳۰) نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے بتانے سے غیب کی خبر دی اور جیسا آپ نے فرمایا اسی طرح ہوا۔ ۱۲ ہزاروی

ہو۔ (المستدرک ج ۳ ص ۵۵۴' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۲۲۶)

دار قطنی میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی روایت سے اس کی مثل ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ تجھے آگ نہیں چھوئے گی "الجوہر المکنون فی ذکر القبائل والبطون نامی" کتاب میں ہے کہ جب انہوں نے یعنی حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ کا خون پیا تو ان کے منہ سے کستوری کی خوشبو آنے لگی اور آپ کے منہ میں وہ خوشبو آپ کے سولی چڑھائے جانے تک باقی رہی۔

حضرت حسن بن سفیان نے اپنی مسند میں نیز امام حاکم' دار قطنی' طبرانی اور ابو نعیم نے بھی حضرت ابو مالک نخعی کی روایت سے نقل کیا وہ حضرت اسود بن قیس سے وہ حضرت نبیح سے اور وہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ رات کے وقت گھر کی ایک جانب گھڑے کی طرف تشریف لے گئے اور اس میں پیشاب فرمایا میں رات کو اٹھی اور مجھے پیاس لگی ہوئی تھی چنانچہ میں اسے پی گئی اور مجھے کچھ پتہ نہ چلا صبح ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ام ایمن اٹھو اور گھڑے میں جو کچھ ہے اسے بہا دو میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کی قسم اس میں جو کچھ تھا وہ میں نے پی لیا ہے آپ فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ ہنس پڑے حتی کہ آپ کی مبارک داڑھیں ظاہر ہوگئیں پھر فرمایا سنو! اللہ کی قسم! تیرے پیٹ میں کبھی درد نہیں ہوگا۔

حضرت ابن جریج فرماتے ہیں: مجھے خبر دی گئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ لکڑی کے ایک پیالے میں پیشاب فرماتے پھر اسے چارپائی کے نیچے رکھا جاتا آپ تشریف لاتے تو پیالے میں کچھ بھی نہ ہوتا تو آپ نے "برکہ" نامی خاتون سے جو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کرتی تھیں اور حبشہ سے ان کے ساتھ آئی تھیں' پوچھا کہ پیالے میں جو پیشاب تھا وہ کہاں گیا؟ اس نے عرض کیا کہ وہ میں نے پی لیا ہے آپ نے فرمایا: اے ام یوسف! یہ صحت (کا باعث) ہے۔ اس کے بعد وہ کبھی بیمار نہ ہوئیں البتہ آخر میں بیمار ہوئیں جس میں ان کا انتقال ہوا۔

اس حدیث کو امام ابو داؤد نے حضرت ابن جریج سے نقل کیا انہوں نے حکیم سے اور انہوں نے اپنی ماں اُمیمہ بنت رقیقہ سے روایت کیا ابن دحیہ نے اس بات کو صحیح قرار دیا کہ دو واقعہ ہیں جو دو عورتوں کو پیش آئے اور یہ بات واضح ہے کہ برکہ جو ام یوسف ہیں وہ برکہ ام ایمن سے الگ ہیں۔ شیخ الاسلام بلقینی رحمۃ اللہ نے بھی یہی بات فرمائی ہے۔

ان (مذکورہ بالا) احادیث میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا پیشاب اور خون پاک تھا۔

امام نووی رحمۃ اللہ نے "شرح المہذب میں" فرمایا: کہ جن لوگوں نے آپ کے پیشاب اور خون کے پاک ہونے کا قول کیا ہے انہوں نے دو معروف حدیثوں سے استدلال کیا ہے ایک یہ کہ ابو طیبہ حجام نے آپ کو سینگی لگائی اور آپ کا خون پیا اور آپ نے ان پر اعتراض نہیں کیا اور ایک خاتون نے آپ کا پیشاب پیا تو آپ نے ان پر بھی اعتراض نہ کیا۔ ابو طیبہ والی حدیث ضعیف ہے لیکن پیشاب پینے والی حدیث صحیح ہے۔ اسے امام دار قطنی نے روایت کیا اور فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اور یہ آپ کے تمام فضلات کے لئے بطور قیاس استدلال میں کافی ہے پھر قاضی حسین نے کہا کہ زیادہ صحیح اور قطعی بات یہ ہے کہ یہ تمام فضلات پاک ہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں: جس طرح امام بدر الدین عینی نے فرمایا۔

ابو طیبہ (طاء پر زبر اور یاء ساکن کے ساتھ ہے) یہ نافع ہیں جو سینگی لگاتے تھے اور محیصہ (میم پر پیش' حاء پر زبر اور یاء

مشدد کے نیچے زیر ہے) ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔

شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے فضلات کی طہارت پر بے شمار دلائل ہیں اور ائمہ حدیث نے اس بات کو آپ کے خصائص میں شمار کیا ہے۔

بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا: کہ اس کی وجہ وہ واقعہ ہے جس میں دو فرشتوں نے آپ کے بطن مبارک کو دھویا تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

قضائے حاجت کے سلسلے میں آپ کی سیرت طیبہ

قضائے حاجت کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کے طریقہ مبارکہ کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سے قرآن مجید نازل ہوا آپ نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں فرمایا۔

یہ حدیث ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں نیز امام حاکم نے روایت کی ہے۔

امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن حسنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے بیٹھ کر پیشاب فرمایا تو (کفار) کہنے لگے اس کی طرف دیکھو عورتوں کی طرح پیشاب کرتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۹۔ ۳۴۶، سنن نسائی ج ۱ ص ۲۷، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۲، مسند احمد ج ۴ ص ۱۹۶)

ابن ماجہ نے اپنے بعض مشائخ سے نقل کیا وہ کہتے ہیں عرب کا طریقہ تھا کہ وہ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے عبد الرحمٰن بن حسنہ کی (مندرجہ بالا) روایت اس بات کی تائید کرتی ہے اور اس میں اس بات پر بھی دلالت پائی جاتی ہے کہ آپ ان کی مخالفت کرتے ہوئے بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے کیونکہ اس میں پردہ بھی زیادہ ہے اور پیشاب کے (کپڑوں اور جسم کو) پہنچنے سے حفاظت بھی زیادہ ہوتی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ قوم کے کوڑا کرکٹ کے ایک ڈھیر پر تشریف لائے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا پھر پانی طلب فرمایا تو میں پانی لایا جس سے آپ نے وضو فرمایا۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ نے روایت کیا اور ان کے غیر کی روایت میں ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا اور دونوں پاؤں کے درمیان زیادہ فاصلہ رکھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۴۷۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۔ ۷۴۔ ۱۸۷، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۳، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۵۔ ۳۰۶، سنن نسائی ج ۱ ص ۱۹، سنن دارمی رقم الحدیث: ۹، مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۴۔ ج ۴ ص ۲۴۶۔ ج ۵ ص ۳۸۲)

(کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کے لئے) سباطۃ کا لفظ استعمال ہوا اور عام طور پر وہ نرم ہوتا ہے جس سے پیشاب واپس نہیں آتا اور قوم کی طرف اضافت' اختصاص کی اضافت ہے اضافت مِلک نہیں ہے کیونکہ وہ نجاست سے خالی نہیں ہوتا اس سے یہ اعتراض بھی دور ہو گیا کہ پیشاب سے دیوار خراب ہو جاتی ہے تو یہ نقصان پہنچاتا ہے یا ہم کہتے ہیں کہ ڈھیر کے اوپر پیشاب کیا دیوار کے نیچے نہیں اور یہ بات حضرت ابو عوانہ کی صحیح میں صراحتاً بیان ہوئی ہے کہا گیا ہے کہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ان (دیوار والوں) کی طرف سے یا کسی اور کی طرف سے واضح اجازت معلوم ہو یا اس سلسلے میں لوگ چشم پوشی سے کام لیتے ہوں۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اس بات کا علم تھا کہ وہ لوگ آپ کو ترجیح دیتے تھے یا یہ کہ نبی اکرم ﷺ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ امت کے مال میں تصرف کر سکتے ہیں کیونکہ آپ مؤمنوں کی جانوں اور مالوں کے مقابلے میں ان سے زیادہ قریب ہیں۔

یہ بات اگرچہ معنیٰ کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن آپ کی سیرت طیبہ سے یہ معروف نہیں اور نہ ہی آپ کے اخلاق عالیہ کے مطابق ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ قضائے حاجت کے لئے عام راستے اور لوگوں کی نگاہوں سے دور جاتے تھے تو اس صورت میں اس واقعہ کا جواب یہ ہوگا کہ آپ مسلمانوں کے کاموں میں مشغول رہتے تھے اور شاید آپ کی مجلس طویل ہوگئی ہوحتیٰ کہ آپ نے پیشاب کی ضرورت محسوس کی اور اگر دور تشریف لے جاتے تو ضرر پہنچتا۔

آپ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو قریب کیا تا کہ ان کے ذریعے پردہ ہو اور کوئی دیکھ نہ سکے یا بیان جواز کے لئے ایسا کیا پھر قضائے حاجت کے مقابلے میں پیشاب کے لئے زیادہ ستر نہیں کھلتا اور دور جانے کا مقصد بھی ستر ہوتا تھا۔

اور یہ مقصد قمیص کا دامن لٹکانے یا پردہ کرنے والے کو قریب کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۴۲۷)

امام طبرانی نے حضرت عصمہ بن مالک کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کی ایک گلی میں ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے حذیفہ! میرے لئے پردہ کرو اس کے بعد مکمل حدیث ذکر کی۔

اس سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اسی حالت میں قریب کرنے کی حکمت ظاہر ہوگئی۔

کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی ایک حکمت یوں بیان کی گئی ہے کہ اس صورت میں ہوا کے نکلنے کا خوف نہیں ہوتا چنانچہ آپ نے دیوار کے قریب ہونے کی وجہ سے یہ طریقہ اختیار کیا۔

حضرت عبدالرزاق کی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت اس بات کی تائید کرتی ہے وہ فرماتے ہیں:

البول قائما احصن للدبر. کھڑے ہوکر پیشاب کرنے میں دبر (سرین) کی زیادہ حفاظت ہوتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا سبب وہ بات ہے جو حضرت امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ اہل عرب پیٹھ کے درد سے اس عمل کے ذریعے شفا حاصل کرتے تھے تو شاید آپ نے اس مقصد کے تحت ایسا کیا ہو۔

امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ آپ نے زخم کی وجہ سے کھڑے ہوکر پیشاب کیا جو آپ کے گھٹنے کے اندر تھا گویا اس وجہ سے بیٹھنے پر قادر نہ تھے۔

اگر یہ حدیث صحیح ہو تو مذکورہ بالا تمام تاویلات کی ضرورت نہیں رہے گی لیکن اسے امام دارقطنی اور امام بیہقی نے ضعیف قرار دیا ہے۔

زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ آپ نے جواز بتانے کے لئے ایسا کیا ورنہ عام طور پر آپ بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے۔

یہ بھی کہا گیا کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا حکم منسوخ ہوگیا اور اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سابقہ حدیث دلالت کرتی ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ بات آپ کے علم سے تعلق رکھتی ہے لہٰذا اسے گھر میں پائے جانے والے عمل پر محمول کیا جائے گا جب گھر سے باہر ام المؤمنین' نبی اکرم ﷺ کے عمل پر مطلع نہ تھیں جب کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ عمل یاد تھا اور آپ جلیل القدر صحابہ کرام میں سے تھے اور یہ بلا کراہت جائز ہے جب کہ چھینٹے پڑنے کا خطرہ نہ ہو۔

نبی اکرم ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو یہ کلمات کہتے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَ الْخَبَائِثِ. یا اللہ! میں نر اور مادہ شیطانوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۲۔۶۳۲۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۵۔۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴' مسند احمد ج ۳ ص ۹۹۔ ج ۴ ص ۳۶۹' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۹۵' سنن دارمی ج ۱ ص ۱۷۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۳۳۹' تفسیر قرطبی ج ۴ ص ۳۹' شرح السنہ ج ۱ ص ۳۷۶' مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۲۱۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۸۷۳)

نبی اکرم ﷺ بندگی کے اظہار کے لئے پناہ مانگتے تھے اور تعلیم کے لئے بلند آواز سے کہتے تھے۔

کیا یہ کلمات صرف گھروں میں بنے ہوئے بیت الخلاؤں میں جاتے وقت کے ساتھ مختص ہیں کیونکہ وہاں شیطان حاضر ہوتے ہیں یا یہ حکم عام ہے؟ تو دوسری بات صحیح ہے۔

اور آپ یہ کلمات بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے کہتے تھے لیکن دوسرے مقامات پر شروع میں یعنی کپڑے اٹھاتے وقت یہ کلمات کہتے تھے اور یہی جمہور کا مذہب ہے اگر آدمی بھول جائے تو دل سے کہے زبان سے نہ کہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو جب تک زمین کے قریب نہ ہو جاتے' کپڑا نہ اٹھاتے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴' سنن دارمی رقم الحدیث: ۷' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۰۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۴۶' شرح السنہ ج ۱ ص ۳۷۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۸۶۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ جب بیت الخلاء سے نکلتے تو فرماتے۔ "غفرانک" یا اللہ! تیری بخشش کا طالب ہوں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۰' تاریخ الکبیر ج ۸ ص ۳۸۶' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۹۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲' العلل المتناہیہ ج ۱ ص ۳۳۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۸۶۹۔۱۷۸۷۱۔۳۷۲۱۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ جب بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو یہ کلمات کہتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ. تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے) جو مجھ سے اذیت کو لے گیا اور مجھے عافیت عطا کی۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۸۷۰)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی ایک قضائے حاجت کے لئے آئے تو قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ نہ کرے بلکہ مشرق یا مغرب کی

طرف منہ کرو۔ یہ حدیث امام بخاری نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۴۔۳۹۴ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸ سنن نسائی ج ۱ ص ۲۳ مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۶ المعجم الکبیر ج ۴ ص ۱۹۷ تفسیر ابن کثیر رقم الحدیث: ۳۸۲۱۶ علل الحدیث رقم الحدیث: ۵۷ تاریخ ابن عساکر ج ۴ ص ۴۷۸)

نوٹ: چونکہ مدینہ طیبہ سے خانہ کعبہ جنوب کی جانب ہے اس لئے مغرب کا ذکر فرمایا ہمارے ہاں کعبہ شریف مغرب کی جانب ہے لہٰذا ہم شمالاً یا جنوباً رخ کریں گے۔ ۱۲ ہزاروی

یہ صحرا کے بارے میں ہے جہاں تک بستیوں کا تعلق ہے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں کسی کام کے لئے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر چڑھا تو میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ قبلہ کی طرف پیٹھ اور شام کی طرف رخ کیے ہوئے قضائے حاجت فرما رہے تھے۔[1]

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۲ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۱ مسند احمد ج ۲ ص ۱۲۔۱۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت جو حضرت ابوداؤد اور ابن خزیمہ نے نقل کی ہے اور امام احمد کے نزدیک اس کے الفاظ یوں ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ہمیں قبلہ کی طرف پیٹھ کرنے یا اس طرف شرمگاہ کرنے سے منع فرماتے جب ہم پانی بہاتے (استنجاء کرتے) فرماتے ہیں: کہ پھر میں نے نبی اکرم ﷺ کو وصال سے ایک سال پہلے دیکھا کہ آپ قبلہ رخ تھے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۰ فتح الباری ج ۱ ص ۳۲۶)

اس حدیث کے سلسلے میں امام ابن حجر رحمۃ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: حق بات یہ ہے کہ یہ حکم (قبلہ کی طرف رخ نہ کرنا) منسوخ نہیں کیونکہ حضور ﷺ کی طرف سے ممانعت آئی ہے بخلاف اس کے جو منسوخ سمجھتا ہے۔[2] بلکہ یہ اس بات پر محمول ہے کہ انہوں نے آپ کو عمارت وغیرہ میں دیکھا ہو کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی حالتِ معروفہ یہی تھی کہ آپ پردہ کرنے میں مبالغہ کرتے تھے۔ اور یہ دعویٰ کہ یہ بات نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت سے ہے اس پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ خصائص' احتمال سے ثابت نہیں ہوتے اور جمہور یعنی امام مالک' امام شافعی اور اسحاق کا مذہب یہ ہے کہ بستیوں اور صحرا کے حوالے سے حکم میں فرق ہے اور یہ تمام اقوال میں سے زیادہ عدل پر مبنی ہے کیونکہ اس میں تمام دلائل پر عمل ہوتا ہے۔

ایک قوم نے مطلق حرام قرار دیا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ امام احمد رحمۃ اللہ سے بھی یہی بات مشہور ہے مالکی فقہ سے تعلق رکھنے والوں میں سے ابن عربی نے بھی اسے ہی ترجیح دی اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نہی' اباحت پر مقدم ہے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کو صحیح قرار نہیں دیا۔

ایک قوم نے مطلقاً جواز کا قول کیا ہے حضرت عائشہ' حضرت عروہ اور حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے ان کا

---

[1] فقہ حنفی کے مطابق قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا دونوں جائز نہیں چاہے گھر میں ہو یا جنگل میں کیونکہ حضور ﷺ نے مطلقاً منع فرمایا اوپر مذکور مسلک امام شافعی رحمۃ اللہ کا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا حضور علیہ السلام کو دیکھنا یقیناً کھڑے ہونے کی حالت میں تھا کیونکہ قضائے حاجت کے وقت دیکھنا جائز نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

[2] کیونکہ نسخ پر کوئی دلیل نہیں اور نبی کے خلاف عمل کو صرف دیکھ لینے سے نسخ ثابت نہیں ہوتی۔ (زرقانی ج ۱ ص ۲۳۹)

استدلال یوں ہے کہ احادیث کے باہم متعارض ہونے کی وجہ سے ہم اصل اباحت کی طرف رجوع کریں گے۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو میں اور ایک غلام بھی ساتھ ہوتے اور ہمارے پاس پانی کا ایک برتن ہوتا تا کہ آپ اس سے استنجاء فرمائیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۰' سنن نسائی رقم الحدیث:۴۵' ج اص ۴۲' مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۴_۱۷۱' سنن دارمی رقم الحدیث:۱۵)

''صحیح مسلم میں'' انہی سے مروی ہے کہ آپ ہمارے پاس تشریف لائے اور پانی سے استنجاء فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو میں آپ کے پیچھے گیا آپ نے فرمایا: میرے لئے پتھر تلاش کرو تا کہ میں ان کے ساتھ طہارت حاصل کروں لیکن ہڈی اور لید نہ لانا[1] پس میں اپنے کپڑے کے کنارے میں پتھر لایا اور آپ کے پاس رکھ دیئے آپ نے فراغت پر ان سے استنجاء کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۵۵_۳۸۶۰)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لائے تو مجھے حکم دیا کہ میں آپ کے پاس تین پتھر لاؤں میں نے دو پتھر پائے اور تیسرا پتھر تلاش کرنے لگا لیکن نہ پایا چنانچہ میں لید لے کر حاضر ہوا تو آپ نے پتھر لے لئے اور لید پھینک دی۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۷' صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۵۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۱۴' سنن نسائی رقم الحدیث:۳۷' مسند احمد ج اص ۳۸۸_۴۱۸)

امام مسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا یستنج احدکم باقل من ثلاثۃ احجار. تم میں سے کوئی شخص تین پتھروں سے کم کے ساتھ استنجا نہ کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۷' سنن دار قطنی ج اص ۵۴' سنن نسائی ج اص ۴۴' السنن الکبریٰ ج اص ۱۰۳_۱۱۲)

حضرت امام شافعی' امام احمد اور اصحابِ حدیث نے اسی کو اپنایا اس لئے ان کے نزدیک شرط یہ ہے کہ تین سے کم پتھر نہ ہوں اور پاک کرنے کی رعایت بھی ملحوظ رہے یعنی تین پتھروں سے طہارت حاصل نہ ہو تو زیادہ کر دیئے جائیں لیکن سنت یہ ہے کہ طاق پتھر ہوں۔

کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من استجمر فلیوتر. جو شخص پتھر استعمال کرے تو طاق استعمال کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۲' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۳۵' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۳۷_۴۰۹' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۶_۲۷۸' السنن الکبریٰ ج اص ۴۹' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۷۵' مسند ابو عوانہ ج اص ۲۴۷' التلخیص ج اص ۱۱۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۳۴۲' نصب الرایہ ج اص ۲۱۷' المغنی ج اص ۱۳۱' فتح الباری ج اص ۳۴۱)

لیکن یہ واجب نہیں کیونکہ سنن ابی داؤد میں سند حسن کے ساتھ یہ اضافہ بھی ہے:

من لا فلا حرج جو ایسا نہ کرے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

---

[1] لید خود ناپاک ہے اس سے طہارت حاصل نہیں ہوسکتی اور ہڈی جنوں کی خوراک ہے اس لئے اس سے استنجاء کرنا صحیح نہیں نیز جسم کے زخمی ہونے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

خطابی فرماتے ہیں اگر صرف پاکیزگی حاصل کرنے کا ارادہ ہوتو تعداد کی شرط بے فائدہ ہوگی۔
توجب عدد کی شرط لفظوں میں ہے اور پاکیزگی کا حصول معنوی طور پر معلوم ہوتو یہ اس بات کی دلالت ہے کہ دونوں باتیں واجب ہیں۔
اس کی مثال اقراء کی تعداد ہے کہ تعداد شرط ہے اگرچہ رحم کی برأت ایک حیض سے معلوم ہو جاتی ہے (عدت کے لئے تین حیض گزارنا)۔
امام طحاوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اگر تین کی تعداد شرط ہوتی تو نبی اکرم ﷺ تیسرا پتھر بھی طلب فرماتے۔
لیکن امام طحاوی رحمۃ اللہ اس حدیث سے غافل رہے حضرت امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت معمر کے طریق سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آپ نے لید کو پھینک دیا اور فرمایا: یہ ناپاک ہے ایک پتھر لے آؤ۔
اس حدیث کے راوی ثقہ ثابت ہیں۔
جبکہ حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ کا استدلال محل نظر ہے کیونکہ ہوسکتا ہے آپ نے ان پتھروں میں سے کسی ایک کے دوسرے کنارے کے ساتھ اکتفا کر لیا ہو کیونکہ تین کی تعداد کا تصور تین بار ملتا ہے اور یہ بات حاصل ہو جاتی ہے اگرچہ ایک پتھر سے ہو۔

فصل نمبر ۲

رسول اکرم ﷺ کے پاکیزہ اخلاق اور پسندیدہ اوصاف [1]

خلق کا لغوی معنیٰ

اخلاق خلق کی جمع ہے (خلق خاء اور لام دونوں پر پیش ہے اور لام ساکن بھی پڑھی جاتی ہے)۔
حضرت امام راغب فرماتے ہیں: اَلْخَلْق اور اَلْخُلُق اصل میں ایک ہی ہیں جس طرح اَلشَّرب اور اَلشُّرب' لیکن خلق (زبر کے ساتھ) شکل وصورت کے ساتھ مختص ہے جو آنکھوں سے دیکھی جاتی ہے اور خلق (پیش کے ساتھ) ان قوتوں اور عادات کو کہتے ہیں جن کا تعلق بصیرت سے ہے۔

اخلاق وہبی ہیں یا کسبی؟

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ آیا حسن خلق وہبی ہیں یا کسبی ہیں؟
جن لوگوں نے وہبی کہا ہے انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا آپ نے فرمایا:

---

[1] (دلائل النبوۃ ج ا ص ۳۰۸' البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۳۶' طبقات ابن سعد ج ا ص ۲۷۳_۳۸۵_۳۸۹_۳۱۴' الشفاء ج ا ص ۱۲۶)

ان اللہ قسم بینکم اخلاقکم کما قسم ارزاقکم.

بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان تمہارے اخلاق اسی طرح تقسیم فرمائے جس طرح تمہارے رزق تقسیم فرمائے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۷، المستدرک ج ۱ ص ۳۳۔ ج ۲ ص ۴۴۷۔ ج ۴ ص ۱۶۵، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۹۰۔ ۲۸۸، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۰۳۲۔ ۴۳۴۳۱، الدرالمنثور ج ۲ ص ۱۵۹۔ ج ۶ ص ۱۷، شرح السنہ ج ۸ ص ۱۰، العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۳۵۲، الکامل ج ۳ ص ۱۱۵۸، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۹۹۴، حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۱۶۶۔ ج ۵ ص ۳۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۳۲۔ ۴۳۴۳۱)

امام قرطبی فرماتے ہیں: خلق انسانی فطرت کا نام ہے اور اس سلسلے میں لوگوں میں فرق ہے اگر کسی پر ان اچھے اخلاق میں سے کسی بات کا غلبہ ہو تو وہ محمود ہے ورنہ اسے حکم دیا گیا کہ وہ اس قدر مجاہدہ کرے کہ قابل تعریف بن جائے اسی طرح کمزور ہو تو مشق اور ریاضت کے ذریعے قوت حاصل کرے۔ حضرت اشج رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک آپ میں دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے ایک بردباری اور دوسری ٹھہراؤ (جلد بازی نہ کرنا) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ قدیم ہیں یا جدید؟ آپ نے فرمایا: پہلے سے ہیں، انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے لئے حمد (اور شکر) ہے جس نے مجھے ایسی دو خصلتوں پر پیدا فرمایا جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔[1]

ان کا سوال اور نبی اکرم ﷺ کا اس بات کو پکا کرنا اس بات کی خبر دیتا ہے کہ خلق فطری بھی ہوتا ہے اور کسبی بھی۔

اور نبی اکرم ﷺ یوں دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ کَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِیْ فَحَسِّنْ خُلُقِیْ.

یا اللہ! جس طرح تو نے میری صورت کو اچھا بنایا ہے میرے خلق کو بھی اچھا کر دے۔

(الدرالمنثور ج ۲ ص ۳، کشف الخفاء رقم الحدیث: ۲۱۷، اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۱۱۳، اخلاق النبوہ رقم الحدیث: ۱۷۱، المغنی ج ۳ ص ۴۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۱۹۷)

''صحیح مسلم میں'' دعائے افتتاح اس طرح ہے:

وَاھْدِنِیْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا یَھْدِیْ لِاَحْسَنِھَآ اِلَّآ اَنْتَ.

اور نہایت اچھے اخلاق کی طرف میری رہنمائی فرما یا اچھے اخلاق کی طرف رہنمائی صرف تو ہی فرماتا ہے۔

خلق عظیم

جب نبی اکرم ﷺ میں کمال کی اس قدر خصلتیں جمع تھیں کہ کوئی حد ان کا احاطہ نہیں کر سکتی اور نہ وہ کسی شمار میں آ سکتی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کی تعریف یوں فرمائی:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ.

اور بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔

[1] عبدالقیس کا وفد آیا تو وہ جلدی جلدی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے وہی سفر والا لباس پہن رکھا تھا لیکن اشج نے سامان رکھا اونٹنی باندھی اور اچھے کپڑے پہن کر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اس پر آپ نے ان کی تعریف فرمائی اور یہ کلمات ارشاد فرمائے۔

(زرقانی ج ۴ ص ۲۴۴)

کلمہ "علی" استعلاء (بلندی) کے لئے آتا ہے پس یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ان اخلاق سے بلند اور ان پر ولایت رکھتے ہیں۔

خُلق ایک نفسانی قوت (ملکہ) ہے جس کی وجہ سے اس سے موصوف شخص کے لئے اچھے کاموں کا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی قوت علمیہ کی تعریف یوں فرمائی:

وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا.[1] (النساء:۱۱۳) اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ کچھ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے اور یہ آپ پر بہت بڑا فضل ہے۔

اور قوت علمیہ کے وصف کو لفظ عظیم کے ساتھ بیان فرمایا پھر ارشاد فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ. (القلم:۴) اور بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔

پس ان دونوں آیتوں کا مجموعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تمام ارواح بشریہ کے درمیان آپ کی روح مبارک بلند درجہ رکھتی ہے گویا یہ اپنی قوت اور شدتِ کمال کی وجہ سے ارواح ملائکہ کی جنس سے ہے۔

حلیمی کہتے ہیں آپ کے وصف کو عظیم کہا گیا حالانکہ خلق کو عظمت کی بجائے' کرم کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے۔

کیونکہ خلق کے کریم ہونے سے مراد نرمی اور آسانی ہے اور آپ کا خلق مبارک صرف اسی وصف میں بند نہ تھا بلکہ آپ مؤمنوں پر رحیم اور رفیق تھے اور کفار پر سخت تھے اور دشمنوں کے سینوں میں آپ کا رعب پایا جاتا تھا ایک مہینے کی مسافت سے رعب کے ساتھ آپ کی مدد کی گئی تھی لہٰذا آپ کے خلق کو عظیم قرار دینا زیادہ بہتر ہے تاکہ انعام اور انتقام دونوں کو شامل ہو۔

حضرت جنید (ابو القاسم بن محمد نہاوندی)[2] فرماتے ہیں: آپ کا خلق اس اعتبار سے عظیم ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا ارادہ نہیں فرماتے تھے۔ (الاعلام ج ۲ ص ۱۴۱' فیات الاعیان ج ۱ ص ۱۷' حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۲۵۵' طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۲۸' تاریخ بغداد ج ۷ ص ۲۴۱' طبقات الحنابلہ رقم الحدیث: ۸۹)

یہ بھی کہا گیا کہ آپ ﷺ مخلوق کے ساتھ اپنے خلق سے معاشرتی زندگی گزارتے لیکن اپنے دل کے ساتھ ان سے جدا رہتے (یعنی دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا تھا)۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ میں تمام اچھے اخلاق جمع تھے اس لئے آپ کے خلق کو خلق عظیم قرار دیا گیا۔

امام طبرانی نے اوسط میں اسی سند کے ساتھ ذکر کیا جس میں عمر بن ابراہیم مقدسی ہیں اور وہ ضعیف ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں: اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ کو کمال عظیم سے موصوف فرمایا جو قوت علمیہ کی طرف لوٹتا ہے اور آپ کو احکام اور غیب کی باتیں جو (پہلے) نہیں جانتے تھے سکھا دیں۔ (زرقانی ج ۴ ص ۲۴۵)

[2] ابو القاسم بن محمد نہاوندی اصل میں بغدادی تھے حضرت ابو ثور سے فقہ حاصل کی اور ان کی موجودگی میں فتویٰ دیتے جو درست اور مقبول ہوتا لوگ آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے اور الفاظ یاد رکھتے فقہاء آپ کی تقریر کے لئے فلاسفہ آپ کی دقتِ نظر کے لئے متکلمین آپ کی تحقیق اور صوفیا آپ کے اشارات کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ آپ کا وصال ۲۹۷ یا ۲۹۸ھ میں بغداد شریف میں ہوا۔

ان اللہ بعثنی بتمام مکارم الاخلاق و کمال محاسن الافعال. اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارم اخلاق اور اچھے افعال کے کمال کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔

(مجمع الزوائد ج۸ص ۱۸۸' جمع الجوامع رقم الحدیث :۶۳۷۴' کشف الخفاء ج۱ص ۲۴۵' تاریخ ابن عساکر ج۵ص ۴۳۸' کنز العمال رقم الحدیث :۳۱۹۴۷)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ نے ''موطا میں'' روایت نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق. مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔

(السنن الکبریٰ ج۱۰ص ۱۹۲' اتحاف السادۃ المتقین ج۶ص ۱۷۱' شرح السنہ ج۱۳ص ۲۰۲' المستدرک ج۲ص ۶۱۳' تفسیر قرطبی ج۷ص ۳۴۵۔ج ۱۴ص ۱۹۷' المغنی ج۲ص ۱۵۵۔۳۵۲۔ج ۳ص ۴۸' الشفاء ج۱ص ۹۶' موطا امام مالک رقم الحدیث :۹۰۴' مسند احمد ج۲ ص ۳۸۱)

پس تمام اچھے اخلاق آپ میں موجود تھے کیونکہ یہ ادبِ قرآن ہے۔

جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

کان خلقہ القرآن. آپ کا خلق مبارک قرآن تھا۔

(مسند احمد ج۶ص ۹۱۔۱۶۳' السنن الکبریٰ ج۲ص ۴۹۹' دلائل ج۱ص ۳۰۹' الدر المنثور ج۵ص ۲۔ج ۶ص ۲۵۰' الادب المفرد رقم الحدیث :۳۰۹' الشفاء ج۱ص ۹۶' المغنی ج۲ص ۳۵۲' کنز العمال رقم الحدیث :۱۸۳۷۸۔۱۸۷۱۸)

بعض عارفین نے فرمایا: کہ یہ بات معلوم ہے کہ قرآن مجید میں متشابہات بھی ہیں جن کی تاویل کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور جو لوگ علم میں مضبوط ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے یعنی جو کچھ ہمارے سامنے ہے اس کا بھی اقرار کیا اور جو کچھ اس کے پردے کے پیچھے ہے اس کا بھی اقرار کیا اور اس کے ذریعے ہم نے حجت کی تلوار لٹکائی لیکن وہ اپنی میان میں ہے۔

وما کونہ مما تحصل مقلۃ ولا حدہ مما تحس الانامل

''اور یہ اس قدر مخفی ہے کہ اس کا حصول ممکن نہیں اور نہ ہی اس کی حد کو انگلیوں کے پوروں سے چھوا جا سکتا ہے (یعنی اس کے معنیٰ کا ادراک نہیں ہوسکتا)''۔

''عوارف المعارف میں'' حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ نے فرمایا:

یہ بات بعید نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول ''کان خلقہ القرآن'' میں نہایت گہری رمز ہے اور اخلاق ربانیہ کی طرف پوشیدہ اشارہ ہو اور ام المؤمنین نے بارگاہِ خداوندی سے حیاء کرتے ہوئے یہ نہ فرمایا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متصف تھے۔

بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس قول کے ذریعے اس کا مفہوم بیان فرمایا: کہ ''کان خلقہ القرآن'' آپ کا خلق قرآن مجید تھا۔

گویا آپ نے جلال خداوندی کے انوار سے حیاء فرمایا اور اچھے کلام کے ذریعے حال کو پوشیدہ رکھا اور یہ حضرت ام المؤمنین کے کمالِ عقل وادب کی وجہ سے ہے۔

تو جس طرح قرآن مجید کے معانی کی کوئی انتہا نہیں اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے اوصاف جمیلہ جو آپ کے خلق پر دلالت کرتے ہیں بے حد وحساب ہیں کیونکہ آپ کے احوال میں سے ہر حالت میں اچھے اخلاق' اچھی خصلتوں اور اللہ تعالیٰ کے معارف وعلوم جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا' نبی اکرم ﷺ پر فیضان ہوتا ہے پس آپ کے اخلاق حمیدہ کی جزئیات کو کسی حد میں بند کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے اور اس کی عادات کے ممکنات میں سے نہیں ہے۔ حرالی (لام پر شد ہے اور قبیلہ بربر کی طرف نسبت ہے) علی بن احمد بن حسین مشہور تصانیف والے فرماتے ہیں: جب نبی اکرم ﷺ کا عرفان قلبی اللہ تعالیٰ کے ذریعے ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا:

بربی عرفت کل شیء. میں نے ہر چیز کو اپنے رب کے ذریعے ہی پہچانا۔

تو آپ کے اخلاق سب سے بڑا خلق قرار پائے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا اور آپ کی رسالت کو انسانوں تک محدود نہ رکھا بلکہ وہ جنوں کو بھی شامل ہوئی اور ان دو بھاری مخلوق (انسانوں اور جنوں) کو آپ کی رسالت محدود نہ رہی بلکہ تمام جہانوں کو شامل ہوئی پس جس کا رب' اللہ ہے حضرت محمد ﷺ اس کے رسول ہیں اور جس طرح ربوبیت تمام جہانوں کو شامل ہے اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا خلق تمام جہانوں کو شامل ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو فرشتوں کی طرف بھی بھیجا گیا اس ضمن میں مکمل کلام بعد میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اور اسی (اللہ) سے مدد مانگی جاتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے اخلاق کریمہ آپ کی فطرت اور پاکیزہ تخلیق میں شامل تھے یہ اخلاق نفس کی ریاضت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے جود وکرم سے حاصل ہوئے اسی طرح انوار معارف ہمیشہ آپ کے دل میں چمکتے رہے حتیٰ کہ آپ نے بلند مقام تک رسائی حاصل کی۔

تمام فضائل کی اصل' عقل ہے

ان خصائل حمیدہ اور عطیات مجیدہ کی اصل کمالِ عقل ہے کیونکہ عقل کے ذریعے فضائل حاصل کئے جاتے ہیں اور بری خصلتوں سے بچاؤ ہوتا ہے پس عقل' روح کی زبان اور بصیرت کی ترجمان ہے اور بصیرت' روح کے لئے دل کے قائم مقام ہے جب کہ عقل زبان کی جگہ پر ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا: کہ ہر شے کا ایک جوہر (اصل ہے) اور انسان کا جوہر عقل ہے اور عقل کا جوہر صبر ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب عقل کو پیدا فرمایا تو فرمایا: آگے بڑھ وہ آگے بڑھی' پھر فرمایا: پیچھے ہٹ جاؤ وہ پیچھے ہٹ گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم ہے میں نے تجھ سے زیادہ معزز چیز پیدا نہیں کی تیری وجہ سے پکڑتا ہوں اور تیرے سبب سے عطا کرتا ہوں۔

ابن تیمیہ اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کی اتباع میں کہا کہ یہ روایت بالاتفاق موضوع ہے (امام زرقانی فرماتے ہیں: ابن تیمیہ وغیرہ کی یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اس کے لئے اصل صالح موجود ہے زرقانی ج ۴ ص ۲۷۸)۔

عبداللہ بن امام احمد رحمہما اللہ نے اپنے والد کی کتاب ''الزہد کے'' زوائد میں حضرت علی بن مسلم سے اور انہوں نے

حضرت یسار بن حاکم سے نقل کیا اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو متعدد حضرات نے ضعیف قرار دیا اور یہ شخص کمزور روایات کو بہت زیادہ جمع کرتا تھا (وہ صحیح ہوں یا غیر صحیح) قواریری نے کہا کہ یہ بے عقل شخص تھا۔

وہ کہتے ہیں ہم سے جعفر بن سلیمان الضبعی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں: ہم سے مالک بن دینار نے بیان کیا اور وہ فرماتے ہیں: ہم سے حسن بصری رحمۃ اللہ نے مرسلاً بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو اس (عقل) سے فرمایا: آگے بڑھ وہ آگے بڑھی' پھر فرمایا: پیچھے ہٹ جاوہ پیچھے ہٹ گئی' فرمایا: میں نے تجھ سے زیادہ محبوب چیز پیدا نہیں کی تیرے ذریعے پکڑوں گا اور تیری وجہ سے عطا کروں گا۔

داؤد بن محبر نے اسے اپنی ''العقل میں'' ذکر کیا اور ابن محبر جھوٹا شخص ہے۔

حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ سب سے پہلی مخلوق کے بارے میں یہ حدیث آئی ہے:

اول ما خلق الله القلم. اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔

اور یہ حدیث' عقل والی حدیث سے زیادہ مضبوط اور ثابت ہے۔

ابوالشیخ نے حضرت قرہ بن ایاس مزنی سے مرفوع حدیث نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الناس يعملون الخير وانما يعطون اجورهم على قدر عقولهم. لوگ نیک کام کرتے ہیں اور ان کو ان کا ثواب ان کی عقلوں کے مطابق دیا جائے گا۔

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۴۵۲' اللآلی المصنوعہ ج ا ص ۶۵)

عقل کی ماہیت میں بہت زیادہ اختلاف کیا گیا ہے۔

''القاموس میں'' اس کتاب کے مؤلف نے نقل کیا کہ عقل' علم کا دوسرا نام ہے یا اشیاء کی صفات یعنی ان کا حسن' قبح' کمال اور نقصان عقل ہیں یا دو اچھی باتوں میں سے زیادہ اچھی اور دو سری باتوں میں سے زیادہ بری بات کا علم' عقل ہے یا ایسی قوت کا نام ہے جو قبیح اور حسن کے درمیان تمیز کر سکے۔

یا ان معانی کو عقل کہتے ہیں جو ذہن میں جمع ہوتے ہیں اور ان سے پہلے کچھ مقدمات ہوتے ہیں جن کے ذریعے اغراض اور مصالح ثابت ہوتے ہیں اسی طرح انسان کی حرکات اور کلمات میں قابل تعریف شکل عقل کہلاتی ہے۔

لیکن حق یہ ہے کہ یہ روحانی چیز ہے جس کے ذریعے علوم ضروریہ اور نظریہ کا ادراک ہوتا ہے اور اس کے وجود کا آغاز اسی وقت ہو جاتا ہے جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے پھر یہ مسلسل بڑھتا ہے حتی کہ جب بچہ بالغ ہو جاتا ہے تو یہ کامل ہو جاتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا کمالِ عقل

نبی اکرم ﷺ کمالِ عقل کے اعتبار سے اس انتہا کو پہنچے ہوئے تھے جہاں تک آپ کے علاوہ کسی انسان کی رسائی نہیں اسی لئے آپ کے معارف بہت عظیم اور خصائص بھی نہایت عظمت والے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنے غیب کا جو فیضان فرمایا اس سے عقلیں حیران رہ گئیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن امور پر مطلع فرمایا ان کی معرفت میں افکار تھک گئے اور یہ عطیات آپ کو کس طرح عطا نہ ہوتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو

اسرار الٰہی' معرفت ربوبیت اور بندگی کے تحقق کے سلسلے میں آپ کو عطا کیا اور آپ کے مکرم جسم پر فیض فرمایا اس سے آپ کا قلب و باطن بھر گیا۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اکہتر کتب میں پڑھا اور ان سب میں یہ بات پائی کہ اللہ تعالیٰ نے آغاز دنیا سے اس کے اختتام تک تمام لوگوں کو جو عقل عطا فرمائی ہے وہ سرکار دو عالم ﷺ کی مبارک عقل کے پہلو میں دنیا بھر کی ریت میں ریت کے ایک دانے کی طرح ہے اور نبی اکرم ﷺ کو عقل کے اعتبار سے سب لوگوں پر ترجیح دی گئی اور آپ کی رائے کو سب سے افضل رائے قرار دیا گیا۔

اسے ابونعیم نے ''الحلیہ میں'' اور ابن عسا کر نے بھی روایت کیا ہے۔

''عوارف المعارف میں'' بعض سے منقول ہے کہ عقل اور سمجھداری کے کل ایک سو حصے ہیں جن میں ننانوے نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس میں اور باقی ایک حصہ تمام مؤمنوں میں پایا جاتا ہے۔

جو شخص اس بات میں غور کرے کہ آپ نے اہل عرب کے ساتھ کس قدر حسن تدبیر اختیار کی جب کہ وہ بھاگنے والے وحشیوں اور نفرت کرنے والی' دور رہنے والی طبیعتوں کے مالک تھے آپ نے ان کی رہنمائی کس طرح فرمائی ان کے ظلم کو برداشت کیا' ان کی اذیتوں پر صبر کیا حتی کہ وہ سب آپ کے مطیع ہو گئے اور آپ کے پاس جمع ہو گئے' آپ کے ساتھ مل کر اپنے خاندان والوں باپ دادا اور اولاد کے ساتھ لڑے اور انہوں نے آپ کو اپنی جانوں پر ترجیح دی' آپ کی مرضی کی خاطر اپنے وطن اور دوست احباب کو چھوڑا جب کہ آپ کو پہلے سے کوئی تجربہ نہ تھا نہ کتابوں کا مطالعہ کر کے پہلے لوگوں کی سیرتوں کو معلوم کیا تو اس کے باوجود آپ نے جو انقلاب بپا کیا اس سے ثابت ہو گیا کہ آپ تمام جہاں والوں سے زیادہ عقلمند ہیں۔

اور جب آپ کی عقل تمام عقلوں سے زیادہ وسیع ہے تو یقیناً آپ کے اخلاق کریمہ بھی ایسی وسعت رکھتے ہیں کہ ان میں کسی بات سے تنگی نہیں ہے۔

بردباری' معاف کرنا اور صبر کرنا

اسی سے ہے کہ آپ (بدلہ لینے کی) طاقت کے باوجود بردباری اور معاف کرنے کی راہ اختیار کرتے یہ آپ کے خلق عظیم کی وسعت ہے اسی طرح آپ کو تکلیف پہنچتی تو صبر کرتے۔ غزوۂ احد میں کفار نے آپ سے لڑتے ہوئے آپ کو زخمی کیا اور آپ کے دانت مبارک شہید کر دیئے' چہرہ انور زخمی کیا حتی کہ آپ کے چہرۂ مبارکہ پر خون بہنے لگا اور صحابہ کرام کو یہ بات ناگوار گزری اور انہوں نے عرض کیا کہ آپ ان لوگوں کے لئے بددعا فرمائیں تو آپ نے فرمایا: میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے اسلام کی طرف بلانے والا اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے (پھر آپ نے یوں دعا مانگی):

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ (یا فرمایا:) اَللّٰھُمَّ اِھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ. یا اللہ! میری قوم کو بخش دے' یا اللہ! میری قوم کو ہدایت دے بے شک یہ جانتے نہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۷' المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۱۸۹' الادب المفرد ص ۱۱۹ رقم الحدیث: ۳۲۲' شرح السنہ ج ۱۳ ص ۲۴۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۰۸' الدر المنثور ج ۴ ص ۳۴۲' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۲۱۸۷' الشفاء ج ۱ ص ۱۰۵)

ابن حبان نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ یا اللہ انہوں نے میرے چہرے کو زخمی کرنے کے سلسلے میں جو گناہ کیا ہے اسے بخش دے۔ آپ نے مطلقاً ان کی مغفرت کی دعا نہیں فرمائی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ کی دعا قبول ہوتی اور جب دعا قبول ہوتی تو وہ سب مسلمان ہو جاتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے اپنے بعض کلام میں فرمایا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے خلاف یوں دعا کی:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا○ اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔

اگر آپ ہمارے خلاف اس قسم کی دعا مانگتے تو ہم سب آخر تک ہلاک ہو جاتے آپ کی پشت مبارک کو روندا گیا' چہرۂ مبارکہ خون آلود کیا گیا اور آپ کے مبارک دانتوں کو شہید کیا گیا لیکن آپ نے اچھے کلمات کے علاوہ کچھ کہنے سے انکار فرمایا آپ نے صرف یہی فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ. یا اللہ! میری قوم کو بخش یہ لوگ جانتے نہیں۔

عمدہ نکتہ

جب نبی اکرم ﷺ کا چہرۂ انور زخمی کیا گیا تو آپ نے معاف فرما دیا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا یا اللہ! میری قوم کو ہدایت دے اور جب غزوۂ خندق کے دن انہوں نے آپ کو نماز سے (دوسری طرف) مشغول رکھا تو آپ نے عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ امْلَأْ بُطُوْنَهُمْ نَارًا.[1] یا اللہ ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے۔

تو جو زخم آپ کے جسم اقدس کے چہرۂ انور کو پہنچا آپ نے اسے برداشت فرمایا اور جو زخم آپ کے دین مبارک کے چہرۂ مبارکہ کو پہنچا اسے آپ نے برداشت نہ فرمایا کیونکہ دین کا چہرہ نماز ہے پس آپ نے اپنے حق پر اپنے خالق کے حق کو ترجیح دی۔

اذیت پر صبر کرنا نفس کا جہاد ہے اور اللہ تعالیٰ نے نفس کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ اسے جو اذیت پہنچتی ہے اس پر وہ تکلیف محسوس کرتا ہے اسی لئے جب ان لوگوں نے مال غنیمت کی تقسیم میں آپ کی طرف ناانصافی کی نسبت کی تو آپ پر یہ بات گراں گزری۔

لیکن نبی اکرم ﷺ نے اس کہنے والے سے بردباری کا سلوک کیا اور صبر فرمایا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اس پر بہت زیادہ ثواب ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کو بے حساب اجر عطا فرمائے گا۔

لیکن نبی اکرم ﷺ اپنی ذات کو پہنچنے والی اذیت پر صبر کرتے تھے اور اگر اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہوتا تو آپ حکمِ خداوندی کی تعمیل کرتے ہوئے سختی سے نوٹس لیتے جیسے ارشادِ خداوندی ہے:

[1] ''صحیح بخاری و مسلم میں یوں ہے'' اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے جس طرح انہوں نے ہمیں درمیانی نماز سے مشغول رکھا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ. اے نبی ﷺ کفار اور منافقین سے جہاد کریں اور ان پر سختی کیجئے۔

یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے مختلف اسباب کی وجہ سے غصہ فرمایا لیکن ان تمام کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل تھی آپ نے غصہ اس لئے ظاہر فرمایا کہ زیادہ تاکید کے ساتھ جھڑک ہو پس آپ کا صبر کرنا اور معاف کرنا صرف آپ کے ذاتی معاملات میں تھا۔

امام طبرانی' ابن حبان' حاکم اور بیہقی نے حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا[1] فرماتے ہیں:
میں نے حضرت محمد (نبی اکرم ﷺ) کے چہرۂ انور کو دیکھا تو نبوت کی علامات میں سے کوئی ایسی بات باقی نہ رہی جسے میں نے پہچانا نہ ہو لیکن دو باتیں ایسی تھیں جن کے بارے میں مجھے بتایا نہ گیا ایک یہ کہ آپ کی بردباری' جہالت پر سبقت کرتی ہے اور بہت زیادہ جہالت کا سلوک بھی آپ کی بردباری ہی کو بڑھاتا ہے پس میں آپ کے ساتھ مانوس ہونے کی کوشش کرتا تا کہ آپ سے میل جول ہو اور میں آپ کی بردباری اور عدم برداشت کو پہچان سکوں پس میں نے آپ سے ایک خاص مدت کی مہلت تک کھجوریں خریدیں اور قیمت ادا کر دی جب مقرر وقت میں دو یا تین دن رہ گئے تو میں آپ کے پاس حاضر ہوا تو میں نے آپ کو اس جگہ سے پکڑا جہاں قمیص اور تہبند اکٹھے ہوتے ہیں اور سخت نگاہ کے ساتھ آپ کی طرف دیکھا پھر کہا اے محمد! کیا آپ میرا حق ادا نہیں کرتے اللہ کی قسم! اے بنو عبدالمطلب! تم لوگ وقت پر حق ادا نہیں کیا کرتے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے دشمن! کیا تو رسول اللہ ﷺ سے یہ بات کہتا ہے جو میں سن رہا ہوں اللہ کی قسم اگر وہ بات نہ ہوتی جس کے فوت ہونے کا مجھے ڈر ہے (یعنی مسلمانوں اور اسی کے قوم کے درمیان صلح) تو میں اپنی تلوار سے تمہارا سر اڑا دیتا نبی اکرم ﷺ نہایت سکون اور اطمینان سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے پھر آپ نے فرمایا اے عمر! میں اور یہ شخص تیری طرف سے کسی اور بات کے زیادہ محتاج تھے۔
یعنی تم مجھے اچھی ادائیگی اور اس کو اچھے مطالبہ کا کہتے اے عمر!
اسے لے جاؤ اس کا حق ادا کرو اور تم نے جو اسے خوف زدہ کیا ہے اس کی جگہ بیس صاع زیادہ کھجوریں دو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔
میں نے کہا اے عمر! میں نے نبوت کی تمام علامات نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ انور پر دیکھیں جب آپ کو دیکھا لیکن دو علامتوں کی مجھے خبر نہ ملی ایک یہ کہ آپ کی بردباری' جہالت پر سبقت لے جاتی ہے اور آپ سے جتنا زیادہ جہالت کا سلوک کیا جائے اسی قدر آپ کی بردباری میں اضافہ ہوتا ہے تو میں نے ان دونوں باتوں کو آزمایا ہے میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر راضی ہوں۔
(المستدرک ج ۲ ص ۳۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۹۶' دلائل النبوۃ ص ۲۳' البدایۃ والنہایہ ج ۲ ص ۲۸۸' الشفاء ج ۱ ص ۱۰۹' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۳۲' الدلائل ج ۶ ص ۲۷۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن نبی اکرم ﷺ نے ہم سے گفتگو فرمائی پھر کھڑے ہو گئے آپ کے ساتھ ہم بھی کھڑے ہو گئے اچانک ہم نے دیکھا کہ ایک دیہاتی نے آپ کو پکڑا اور اپنی چادر سے کھینچنے لگا آپ کی

[1] سعنہ' سین اور نون پر زبر ہے عین ساکن ہے امام نووی فرماتے ہیں سین پر زبر ہے بعض حضرات نے کہا پیش ہے۔

گردن مبارک سرخ ہوگئی اور وہ چادر کھردری (سخت) چادر تھی میں نے ادھر دیکھا تو وہ دیہاتی آپ سے کہہ رہا تھا مجھے یہ دو اونٹ غلہ عطا کریں آپ مجھے اپنے مال اور اپنے باپ کے مال سے نہیں دے رہے آپ نے اس سے فرمایا نہیں' اور میں اللہ تعالیٰ سے بخشش کا سوال کرتا ہوں (تین بار فرمایا) میں تجھے یہ اونٹ نہیں دوں گا حتیٰ کہ تم مجھے اس کھینچنے کے ذریعے بدلہ لینے دو۔ ہر بار دیہاتی جواب دیتا کہ میں بدلہ نہیں لینے دوں گا۔[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مکمل حدیث ذکر کی اس میں ہے کہ پھر آپ نے ایک شخص کو بلا کر فرمایا کہ اس شخص کو دو اونٹ کا بوجھ غلہ دو ایک اونٹ پر کھجوریں اور دوسرے پر جو لاد دو۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۵' سنن نسائی ج ۸ ص ۳۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۲۳' مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۴۲۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۷۰۹)

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا فرماتے ہیں: کہ میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ جا رہا تھا اور آپ پر ایک سخت کنارے والی نجرانی چادر تھی' ایک دیہاتی نے آپ کو پایا تو آپ کی چادر کے ساتھ آپ کو بہت زیادہ کھینچا حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آپ کی گردن کو دیکھا تو اس پر سخت کھینچنے کی وجہ سے چادر کے کنارے کے نشانات تھے پھر اس نے کہا اے محمد! (ﷺ) میرے لئے اس مال میں سے حکم دیں جو آپ کے پاس ہے آپ اس کی طرف متوجہ ہو کر مسکرائے پھر اس کو عطا کرنے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۴۹۔۵۸۰۹۔۶۰۸۸)

ان احادیث میں نبی اکرم ﷺ کی بردباری اور نفس و مال کے حوالے سے پہنچنے والی اذیت پر صبر نیز اس شخص کے ظلم کو برداشت کرنے کا بیان ہے جس کو آپ اسلام سے مانوس کرنا چاہتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ فطرتاً اور تکلف کے طور پر کسی صورت میں بھی فحش گو نہ تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے بلکہ معاف کر دیتے اور درگزر کرتے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۱۶' شمائل رقم الحدیث: ۱۸۵)

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا کہ آپ فحش گو نہ تھے نہ فطرتاً نہ تکلفاً۔

انہی کی ایک روایت میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ گالی دینے والے' بدکلامی کرنے والے اور لعنت بھیجنے والے نہیں تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۳۱۔۶۰۴۶)

ہر وہ کلام فعل اور صفت جو اپنی حد سے نکل جائے حتیٰ کہ قبیح قرار پائے اسے فحش کہتے ہیں لیکن عام طور پر اس کا استعمال گفتگو میں ہوتا ہے اور متفحش وہ شخص جو بدکلامی کا سہارا لیتا کثرت سے بدکلامی کرتا اور اس میں تکلف کی راہ اختیار کرتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے (اندر آنے کی) اجازت مانگی آپ نے جب اسے دیکھا تو فرمایا: یہ (اپنے) قبیلے کا برا بھائی ہے یا فرمایا قبیلے کا برا بیٹا ہے جب وہ بیٹھ گیا تو آپ نہایت خندہ

---

[1] نبی اکرم ﷺ بدلہ لینا نہیں چاہتے تھے محض اس کا جائزہ لے رہے تھے اس لئے آپ اس کے جواب پر مسکرا پڑے جیسا کہ شرح زرقانی میں ہے۔۱۲ ہزاروی

پیشانی اور کشادہ روئی کے ساتھ پیش آئے جب وہ شخص چلا گیا تو ام المؤمنین نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب آپ نے اس شخص کو دیکھا تو فلاں فلاں کلمات فرمائے پھر آپ نے نہایت خندہ پیشانی اور کشادہ روئی کے ساتھ اس سے ملاقات کی آپ نے فرمایا اے عائشہ! تم نے مجھے کب بد اخلاق پایا؟ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں اس شخص کا مقام و مرتبہ سب سے برا ہوگا جس کو لوگ اس کے شر سے بچتے ہوئے چھوڑ دیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۳۲-۶۰۵۴-۶۱۳۱، فتح الباری ج ۱۰ ص ۵۵۸)

ابن بطال کہتے ہیں یہ شخص عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر فزاری تھا اور اس کو "احمق مطاع" (ایسا بیوقوف جس کی بات مانی جائے) کہا جاتا تھا حضرت قاضی عیاض، امام قرطبی اور امام نووی رحمۃ اللہ نے اسی طرح وضاحت کی ہے۔

عبدالغنی نے ابو عامر خزاعی کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا آپ فرماتی ہیں کہ مخرمہ بن نوفل نے حاضر ہو کر اجازت طلب کی، نبی اکرم ﷺ نے اس کی آواز سنی تو فرمایا یہ قوم کا برا بھائی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا اس کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا اس وجہ سے تھا کہ وہ اپنی قوم کا رئیس تھا اور آپ اس کے دل کو نرم کرنا چاہتے تھے تاکہ اس کی قوم اسلام قبول کرے۔

جس طرح خطابی نے کہا یہ حدیث علم و ادب کی جامع حدیث ہے نبی اکرم ﷺ کا اپنی امت کے بارے کچھ کہنا ان کی طرف کسی ناپسندیدہ بات کی اضافت کرنا غیبت نہیں ہے لوگ ایک دوسرے کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں وہ غیبت ہے بلکہ نبی اکرم ﷺ پر لازم تھا کہ وہ ان باتوں کو واضح کرتے اور لوگوں کو ان کے معاملے میں آگاہ فرماتے کیونکہ یہ امت کے لئے خیر خواہی اور ان پر شفقت ہے لیکن جب نبی اکرم ﷺ کی فطرت میں کرم اور حسن اخلاق رکھا گیا ہے آپ نے اس کے سامنے خوشی کا اظہار فرمایا اور ناپسندیدہ بات کے ساتھ جواب نہیں دیا تاکہ آپ کی امت اس قسم کے لوگوں کے شر سے محفوظ رہے اور خاطر مدارات کی وجہ یہ تھی کہ اس کے شر سے محفوظ رہیں۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص علانیہ فاسق اور فحش گو ہے اس کی غیبت جائز ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس سے حسن سلوک بھی کرنا جائز ہے تاکہ اس کے شر سے محفوظ رہیں لیکن اس بات کا خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے سلسلے میں مداہنت پیدا نہ ہو۔

پھر امام قرطبی نے قاضی حسین کی اتباع میں کہا کہ مدارات اور مداہنت میں فرق یہ ہے کہ مدارات کا ہر مطلب دنیا آخرت یا دونوں کو حاصل کرنے کے لئے دنیا خرچ کرنا ہے اور یہ جائز ہے بلکہ بعض اوقات مستحب ہوتی ہے۔

جب کہ مداہنت، دنیا کی اصلاح کے لئے دین دے بیٹھنا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اس سے گفتگو کرتے ہوئے اچھے سلوک اور نرم گفتگو کا راستہ اختیار کیا اور یہ آپ کی دنیا تھی اس کے باوجود زبان سے اس کی تعریف نہیں کی کہ آپ کے قول و فعل میں تضاد پایا جاتا کیونکہ اس کے بارے میں آپ نے حق بات فرمائی اور اس کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا وہ حسن معاشرت ہے اس تقریر سے وہ اعتراض دور ہو گیا جو اس حدیث سے پیدا ہو سکتا تھا (یعنی آپ کے قول و فعل میں تضاد کا اعتراض)۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اس وقت تک عیینہ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا لہٰذا اس کے بارے میں

آپ کا قول غیبت نہیں ہے یا اسلام قبول کیا لیکن خیر خواہی والا اسلام نہ تھا تو نبی اکرم ﷺ نے اس لئے اس کے بارے میں یہ بات فرمائی کہ جو شخص اس کے باطن سے واقف نہیں وہ دھوکے میں نہ آئے۔

نبی اکرم ﷺ کی (ظاہری) حیات طیبہ میں اور اس کے بعد بھی عیینہ سے کچھ ایسے کام ظاہر ہوئے جو اس کے ایمان کی کمزوری پر دلالت کرتے ہیں تو نبی اکرم ﷺ نے اس کے بارے میں جو کچھ بتایا وہ آپ کی علاماتِ نبوت سے ہے۔ لیکن گھر میں اس کے داخل ہونے کے بعد آپ کا نرمی سے گفتگو کرنا تالیف قلب کے لئے تھا۔

"فتح الباری میں ہے کہ" عیینہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ارتداد کی راہ اختیار کی اور مسلمانوں سے لڑائی کی اس کے بعد رجوع کرتے ہوئے دوبارہ اسلام قبول کیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بعض فتوحات میں حصہ لیا۔

اپنی ذات کے لئے انتقام نہ لینا

صحیح بخاری میں ہے:

وما انتقم لنفسه. نبی اکرم ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی انتقام نہیں لیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۰۔ ۶۱۲۶۔ ۶۷۸۶۔ ۶۸۵۳، التمہید ج ۸ ص ۱۴۶۔ ۱۴۹)

سوال: صحیح روایت میں ہے کہ آپ نے عقبہ بن ابی معیط، عبد اللہ بن خطل اور کچھ دوسرے لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا اور یہ لوگ آپ کو اذیت پہنچاتے تھے تو یہ عمل اس بات کا خلاف ہے کہ آپ نے اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیا؟

جواب: وہ لوگ آپ کو اذیت پہنچانے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حرمات کی توہین بھی کرتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اس صورت میں انتقام نہیں لیتے تھے جب تک کوئی ایسا سبب نہ ہو جو کفر تک پہنچاتا ہے جس طرح آپ نے اس دیہاتی کو معاف کر دیا جس نے آپ کے سامنے آواز بلند کر کے آپ کو تکلیف پہنچائی اور اس اعرابی کو بھی جس نے چادر کے ذریعے آپ کو کھینچا حتیٰ کہ آپ کی مبارک گردن پر نشان پڑ گیا۔

داؤدی نے کہا ہے کہ انتقام اس صورت میں نہیں لیتے تھے جب مالی معاملہ ہوتا لیکن عزت کے معاملہ میں آپ نے انتقام لیا ہے۔

امام حاکم نے یہ حدیث حضرت معمر کے طریق سے روایت کی وہ حضرت زہری سے تفصیلاً روایت کرتے ہیں اس کے شروع میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ذکر کر کے (یعنی نام لے کر) کسی مسلمان پر لعنت نہیں بھیجی اور نہ کسی کو کبھی اپنے ہاتھ سے مارا البتہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں مارا ہو اور اگر آپ سے کوئی چیز مانگی تو آپ نے انکار نہیں فرمایا البتہ یہ کہ وہ گناہ کا کام ہو اور کسی سے اپنی ذات کے لئے انتقام بھی نہ لیا البتہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حرمات کی توہین کی جائے تو آپ اللہ تعالیٰ کے لئے انتقام لیتے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۶۱۳)

آپ کی بردباری کا نتیجہ

نبی اکرم ﷺ کے خلق اور بردباری کی وسعت کے بارے میں جو کچھ روایت میں کہا گیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ ان منافقین سے بھی اخلاق سے پیش آتے جو آپ سے غائب ہونے کی صورت میں آپ کو اذیت پہنچاتے اور جب آپ کے سامنے ہوتے تو چاپلوسی کی راہ اختیار کرتے اور یہ وہ طریقہ ہے جس سے انسان نفرت کرتے ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے اور نبی اکرم ﷺ کو جب بھی ان پر سختی کی اجازت دی جاتی آپ ان کے لیے رحمت کا دروازہ کھول دیتے پس ان کے لئے بخشش طلب کرتے اور دعا مانگتے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡلَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ. آپ ان کے لئے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں۔

(التوبہ:۸۰)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے میرے رب نے اختیار دیا ہے پس میں نے طلبِ مغفرت کو اختیار کر لیا اور جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ. (التوبہ:۸۰) اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی بخشش طلب کریں اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

تو آپ نے فرمایا: میں ستر سے زیادہ بار بخشش مانگوں گا اور وہ شخص جوان (منافقین) میں سے بہت بڑا منافق تھا اور آپ کو اذیت پہنچاتا تھا اس کے بیٹے کو اس کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔ [1] اور جب وہ مر گیا تو آپ نے اپنے جسم سے کپڑا اتار کر اسے کفن دیا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

(الدر المنثور ج ۴ ص ۲۶۴۔ ج ۶ ص ۲۲۴ تفسیر طبری ج ۱۰ ص ۱۳۸ تفسیر ابن کثیر ج ۷ ص ۱۲۸)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کو آپ کے کپڑے سے پکڑ کر کھینچ رہے تھے اور عرض کرتے یا رسول اللہ! آپ منافقوں کے سردار کی نماز جنازہ پڑھیں گے آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کپڑا چھڑایا اور فرمایا: عمر! مجھے چھوڑ۔ تو گویا آپ نے ایک منافق دشمن کے حق میں مؤمن ولی (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کی مخالفت کی۔

(الدر المنثور ج ۳ ص ۲۶۴ سیرۃ النبویہ ج ۴ ص ۱۹۷)

آپ کا یہ عمل امت پر رحمت کا عملی مظاہرہ تھا حرانی نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کے بیٹے (حضرت عبد اللہ) کی دلجوئی کی خاطر اسے اپنی قمیص عطا فرمائی جو اس کے کفن کے طور پر استعمال ہوئی کیونکہ اس کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ صحابی صالح تھے اور انہوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے قبول فرمایا۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۹۵)

یہ بھی کہا گیا کہ آپ نے عبد اللہ بن ابی کے احسان کا بدلہ دیا تھا کیونکہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ بدر کے دن قیدی بن کر آئے تو اس نے آپ کو قمیص دی تھی۔

---

[1] جب عبد اللہ بن ابی (منافقوں کے سردار) نے حضور ﷺ کی شان میں نازیبا کلمات کہے تو اس کے بیٹے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن حضور ﷺ نے منع فرمایا اور حسن سلوک کا حکم دیا۔ (زرقانی ج ۴ ص ۲۰۹)

ان تمام باتوں سے نبی اکرم ﷺ کے اخلاق حسنہ کا پتہ چلتا ہے یہ بات معلوم ہے کہ وہ منافق آپ کو کس قدر اذیتیں دیتا تھا لیکن آپ نے اس کے مقابلے میں حسن سلوک کیا اور اپنی قمیص اس کے لئے بطور کفن عطا فرمائی' اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے لیے بخشش کی دعا کی۔[1] ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍO (القلم:۴) بے شک آپ بہت بڑے اخلاق کے مالک ہیں۔

اسی طرح جب لبید بن اعصم نے آپ پر جادو کیا تو آپ نے اس کا بدلہ نہیں لیا۔ نیز اس یہودیہ کو بھی معاف کر دیا جس نے آپ کو زہر دیا تھا صحیح روایت میں اسی طرح ہے۔

اللہ تعالیٰ شاعر پر رحمت فرمائے' جس نے یوں کہا:

وما الفضل الا خاتم انت فصه و عفوک نقش الفص فاختم به عذری

''اور درجات میں اضافہ ایک ممبر ہے اور آپ اس کا نگینہ ہیں اور آپ کا درگزر کرنا اس نگینے کا نقش ہے پس میرے عذر پر بھی مہر لگا دیجئے''۔

گناہ گاروں پر شفقت

نبی اکرم ﷺ کی شفقت میں سے یہ بھی ہے کہ آپ اپنی امت کے ان لوگوں پر بھی شفقت فرماتے جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوتے تھے آپ ان کو پردہ ڈالنے کا حکم دیتے چنانچہ آپ نے فرمایا جو شخص ان برے کاموں (حرام کاموں) کا مرتکب ہو اسے چاہیے کہ اسے چھپائے (لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کرے)۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث:۱۲' نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۲۳' تفسیر قرطبی ج ۶ ص ۱۵۷۔ ج ۱۹ ص ۱۰۴' التمہید ج ۵ ص ۳۲۱' السنن الکبری ج ۸ ص ۳۳۰)

اور آپ نے اپنی امت کو حکم دیا کہ جن لوگوں کو حد لگائی جائے ان کے لئے بخشش اور رحمت کی دعا مانگو یہ بات اس وقت فرمائی جب دیکھا کہ صحابہ کرام کو ان پر غصہ آیا اور انہوں نے ان کو لعن طعن کیا۔

آپ نے فرمایا: یوں کہو:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْہُ. یا اللہ! اسے بخش دے یا اللہ! اس پر رحم فرما۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۷۷' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۳۱۲)

جب شراب حرام ہوگئی اور ایک شخص جو شراب کے نشے میں بار بار آپ کے پاس لایا جاتا تو ایک مرتبہ صحابہ کرام نے اس پر لعنت بھیجی۔ آپ نے فرمایا:

[1] ایک سوال جو ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب اس منافق کی نماز جنازہ پڑھی' طلب مغفرت کی اپنی قمیص پہنائی تو اس کی بخشش ہوگئی۔ اس کا جواب حضرت غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کی تاثیر کا کنٹرول اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے وہ مؤثر حقیقی ہے جہاں چاہے اس تاثیر کو جاری کرے اور جہاں چاہے روک دے' جس طرح آگ جلاتی ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم پر اس اثر کو روک دیا اسی طرح حضور ﷺ کی دعا اور آپ کے جسم سے چھونے والا کپڑا نفع بخش ہے لیکن عبداللہ بن ابی آپ کا دشمن تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس سے اس تاثیر کو روک دیا یہ بات حضرت غزالی زمان رحمۃ اللہ نے درس بخاری میں فرمائی اور اس درس میں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے طلباء درجہ حدیث ۱۹۷۰ء جن میں راقم بھی تھا حاضر تھے۔ ۱۲ ہزاروی

ان تمام باتوں سے نبی اکرم ﷺ کے اخلاق حسنہ کا پتہ چلتا ہے یہ بات معلوم ہے کہ وہ منافق آپ کو کس قدر اذیتیں دیتا تھا لیکن آپ نے اس کے مقابلے میں حسن سلوک کیا اور اپنی قمیص اس کے لئے بطور کفن عطا فرمائی' اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے لیے بخشش کی دعا کی۔[1] ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ O (القلم:4) بے شک آپ بہت بڑے اخلاق کے مالک ہیں۔

اسی طرح جب لبید بن اعصم نے آپ پر جادو کیا تو آپ نے اس کا بدلہ نہیں لیا۔ نیز اس یہودیہ کو بھی معاف کر دیا جس نے آپ کو زہر دیا تھا صحیح روایت میں اسی طرح ہے۔

اللہ تعالیٰ شاعر پر رحمت فرمائے جس نے یوں کہا:

وما الفضل الا خاتم انت فصه و عفوک نقش الفص فاختم به عذری

''اور درجات میں اضافہ ایک ممبر ہے اور آپ اس کا نگینہ ہیں اور آپ کا درگزر کرنا اس نگینے کا نقش ہے پس میرے عذر پر بھی مہر لگا دیجئے''۔

گناہ گاروں پر شفقت

نبی اکرم ﷺ کی شفقت میں سے یہ بھی ہے کہ آپ اپنی امت کے ان لوگوں پر بھی شفقت فرماتے جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوتے تھے آپ ان کو پردہ ڈالنے کا حکم دیتے چنانچہ آپ نے فرمایا جو شخص ان برے کاموں (حرام کاموں) کا مرتکب ہو اسے چاہیے کہ اسے چھپائے (لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کرے)۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث:۱۲' نصب الرایہ ج۳ص۳۲۳' تفسیر قرطبی ج۶ص۱۵۷۔ج۱۹ص۱۰۴' التمہید ج۵ص۳۲۱' السنن الکبری ج۸ص۳۳۰)

اور آپ نے اپنی امت کو حکم دیا کہ جن لوگوں کو حد لگائی جائے ان کے لئے بخشش اور رحمت کی دعا مانگو یہ بات اس وقت فرمائی جب دیکھا کہ صحابہ کرام کو ان پر غصہ آیا اور انہوں نے ان کو لعن طعن کیا۔

آپ نے فرمایا: یوں کہو:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْہُ. یا اللہ! اسے بخش دے یا اللہ! اس پر رحم فرما۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۴۷۷' السنن الکبریٰ ج۸ص۳۱۲)

جب شراب حرام ہوگئی اور ایک شخص جو شراب کے نشے میں بار بار آپ کے پاس لایا جاتا تو ایک مرتبہ صحابہ کرام نے اس پر لعنت بھیجی۔ آپ نے فرمایا:

---

[1] ایک سوال جو ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب اس منافق کی نماز جنازہ پڑھی' طلب مغفرت کی اپنی قمیص پہنائی تو اس کی بخشش ہوگئی۔ اس کا جواب حضرت غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کی تاثیر کا کنٹرول اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے وہ مؤثر حقیقی ہے جہاں چاہے اس تاثیر کو جاری کرے اور جہاں چاہے روک دے جس طرح آگ جلاتی ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم پر اس اثر کو روک دیا اسی طرح حضور ﷺ کی دعا اور آپ کے جسم سے چھونے والا کپڑا نفع بخش ہے لیکن عبداللہ بن ابی آپ کا دشمن تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس سے اس تاثیر کو روک دیا یہ بات حضرت غزالی زمان رحمۃ اللہ نے درس بخاری میں فرمائی اور اس درس میں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے طلباء درجہ حدیث ۱۹۷۰ء جن میں راقم بھی تھا حاضر تھے۔ ۱۲ ہزاروی

لا تلعنوه فانه یحب الله و رسوله. اس پر لعنت نہ بھیجو یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۸۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ص ۴۸۷-۵۰۲' شرح السنہ ج ۱۰ص ۳۳۷' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۶۲۵' المغنی ج ۳ص ۱۲۱)

تو جب صحابہ کرام نے اس کے ظاہری عمل کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا تو آپ نے اس کے دل کے عمل کو ظاہر کر دیا[1] اور اللہ تعالیٰ دلوں کو دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو پاک کر دے اور ہمارے بڑے بڑے گناہوں کو بخش دے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۴۳' مسند احمد ج ۲ص ۲۸۵-۵۳۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۸۷' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۵۱۴۳-۵۱۴۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ص ۱۵۶- ج ۳ص ۱۲۵- ج ۱۰ص ۶' شرح السنہ ج ۱۴ص ۳۴۱' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۳۱۴' الدر المنثور ج ۵ص ۲۳۸- ج ۶ص ۲۳۱' حلیۃ الاولیاء ج ۴ص ۹۸- ج ۷ص ۱۲۴' المغنی ج ۳ص ۲۶۹- ج ۴ص ۳۵۱' تفسیر قرطبی ج ۱۶ص ۳۲۶' الکامل ج ۴ص ۱۶۳۳' زاد المسیر ج ۶ص ۴۶۰- ج ۷ص ۴۷۴' تاریخ ابن عساکر ج ۵ص ۳۳۰)

اس سلسلے میں امام دارقطنی کی روایت ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ بلی کے لئے برتن ٹیڑھا کرتے حتیٰ کہ اس سے پانی پیتی پھر آپ اس بچے ہوئے سے وضو فرماتے۔

نبی اکرم ﷺ کی تواضع اور حسن معاشرت

نبی اکرم ﷺ کے اخلاق عالیہ میں سے آپ کی تواضع' آداب' گھر والوں' خدام اور صحابہ کرام سے حسن معاشرت بھی ہے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا: کہ بندہ حقیقتِ تواضع تک اسی وقت رسائی حاصل کر سکتا ہے جب نور مشاہدہ کی چمک اس کے دل میں پائی جائے اس وقت نفس پگھلتا ہے اور اسی پگھلنے میں اس کا دل تکبر اور خود پسندی کے کھوٹ سے صاف ہو جاتا ہے اور ان خرابیوں کے آثار مٹ جانے اور ان کے گرد و غبار کے ٹھہر جانے سے نفس حق اور مخلوق کیلئے نرم اور متواضع ہو جاتا ہے۔

ہمارے نبی کریم ﷺ کو مقاماتِ قرب میں تواضع کا بہت زیادہ حصہ ملا اور آپ کی تواضع کے سلسلے میں یہی بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار دیا کہ آپ نبوت کے ساتھ بادشاہی رکھیں یا بندگی تو آپ نے نبوت کے ساتھ بندگی کو اختیار فرمایا۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس تواضع کی وجہ سے یہ مقام عطا فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے آپ کے لئے زمین کھلے گی' سب سے پہلے آپ شفاعت فرمائیں گے اور آپ ہی کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہو گی۔ اس کے بعد آپ نے آخر دم تک تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھایا۔

اور سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: میری تعریف میں حد سے نہ بڑھو جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حد سے تجاوز کیا میں صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں پس (مجھے) اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

[1] ان کا نام عبداللہ اور لقب حمار تھا اور یہ نبی اکرم ﷺ کو اکثر ہنسایا کرتے تھے۔ (زرقانی ج ۴ص ۲۶۱)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۴۵-۶۸۳۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۴، مسند احمد ج ۱ص ۲۳-۲۴، دلائل النبوۃ ج ۱ص ۲۹۷-ج ۵ص ۴۹۸، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۲، ۱۷۱، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۲۷، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۸۹۸، الشفاء ج ۱ص ۱۳۱)

یہ آپ کی تواضع ہی تھی کہ آپ خادم کو جھڑکتے نہیں تھے۔ ہم نے ترمذی شریف میں روایت کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے دس سال تک نبی اکرم ﷺ کی خدمت کی پس آپ نے مجھے کبھی بھی لفظ اُف نہ کہا اور اگر میں نے کوئی کام کیا تو اس کے بارے میں یہ نہیں فرمایا: کہ تم نے کیوں کیا اور اگر کسی کام کو چھوڑا تو یہ نہیں فرمایا: کہ کیوں چھوڑا؟ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۴، مجمع الزوائد ج ۹ص ۱۶)

نبی اکرم ﷺ اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ اسی قسم کا سلوک کرتے تھے آپ نے ان میں سے کسی کو کبھی نہیں مارا اور یہ ایسا کام ہے جسے بشری طبیعتیں اس وقت تک اپنا نہیں سکتیں جب تک ربانی تائیدات حاصل نہ ہوں۔

''صحیح مسلم میں'' مروی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ما رایت احدا ارحم بالعیال من رسول اللہ ﷺ. (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳)

میں نے کسی شخص کو نبی اکرم ﷺ سے بڑھ کر اپنے اہل وعیال کیلئے رحم کرنے والا نہیں پایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

نبی اکرم ﷺ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا نہ کسی عورت کو اور نہ خادم کو مگر یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے، اسی طرح کسی سے اذیت پہنچتی تو انتقام نہ لیتے البتہ اللہ تعالیٰ کے محارم میں سے کسی کی توہین کی جاتی تو اللہ تعالیٰ کے لئے انتقام لیتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم ﷺ جب گھر میں (ازواج مطہرات کے ساتھ) تنہا ہوتے تو آپ کا طریقہ کیا ہوتا؟ فرمایا: آپ بہت زیادہ تبسم فرماتے، خوش رہنے والے ہوتے اور آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان کبھی بھی پاؤں پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے فرماتی ہیں:

ما کان احد احسن خلقا من رسول اللہ ما دعاہ احد من اصحابہ الا قال لبیک.

میں نے رسول اکرم ﷺ سے بڑھ کر کسی شخص کو زیادہ اچھے اخلاق والا نہیں دیکھا آپ کا کوئی بھی صحابی آپ کو بلاتا تو آپ فرماتے حاضر ہوں۔

امام احمد اور ابن سعد نے نقل کیا جسے ابن حبان نے صحیح قرار دیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ اپنے کپڑے سیتے اور نعلین مبارک گانٹھتے تھے۔

امام احمد رحمۃ اللہ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ اپنے ڈول کو ٹھیک کرتے۔ امام احمد نے ہی روایت کیا کہ آپ اپنے کپڑوں کو صاف کرتے، بکری کا دودھ دوہتے اور اپنا کام خود کرتے۔

تو یہ مختلف اوقات کی بات ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ آپ کے کئی خادم تھے تو کبھی آپ اپنا کام خود کرتے اور کبھی دوسروں کو حکم دیتے اور بعض اوقات ان کے ساتھ شریک ہوتے۔

نبی اکرم ﷺ دراز گوش پر سوار ہوتے اور اپنے پیچھے کسی کو بٹھاتے۔ بنو قریظہ کے ساتھ لڑائی والے دن آپ دراز گوش پر سوار تھے جس کے ناک میں کھجور کے پٹھوں سے بنی ہوئی رسی کی نکیل تھی۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۶۶)

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ ہماری ملاقات کیلئے تشریف لائے جب واپسی کا ارادہ فرمایا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دراز گوش آپ کے قریب کیا اور اس پر ایک چادر ڈالی پھر آپ سوار ہوئے۔ اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے قیس! نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جاؤ حضرت قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سوار ہو جاؤ لیکن میں نے انکار کر دیا آپ نے فرمایا: سوار ہو جاؤ یا واپس چلے جاؤ۔ ایک دوسری روایت میں ہے میرے آگے سوار ہو جاؤ کیونکہ سواری کا مالک آگے سوار ہونے کا زیادہ حق رکھتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۸۵ مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۱ الشفاء ج ۱ ص ۱۲۰ المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۳۵۴ اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۰۴ تاریخ ابن عساکر ج ۶ ص ۸۹ تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۳۴۷)

''صحیح بخاری میں'' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے فرماتے ہیں: کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ خیبر سے آئے میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے سوار تھا اور وہ چل رہے تھے اور نبی اکرم ﷺ کی کوئی زوجہ مطہرہ آپ کے پیچھے تھیں کہ اچانک اونٹنی پھسل گئی تو میں نے کہا خاتون (گر رہی ہیں)۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ تمہاری ماں ہے (کیونکہ حضور ﷺ کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں) چنانچہ میں نے کجاوہ باندھ دیا تو آپ سوار ہوئے۔ حضور ﷺ کے ہمراہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۶۸)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نبی کریم ﷺ کے پیچھے سوار تھا میرے اور آپ کے درمیان صرف کجاوے کی پچھلی لکڑی تھی اور نبی اکرم ﷺ دراز گوش پر سوار ہوئے جس پر ایک چادر اور اس کے اوپر مقام فدک کا ایک کپڑا تھا اور آپ نے اپنے پیچھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بٹھایا تھا۔

نبی اکرم ﷺ جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو بنو عبدالمطلب کے چند بچے آپ کے سامنے آئے تو آپ نے ایک کو اپنے سامنے اور دوسرے کو پیچھے سوار کر لیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ (مکہ مکرمہ) تشریف لائے تو حضرت قثم کو اپنے سامنے اور حضرت فضل کو اپنے پیچھے سوار کیا یا (فرمایا) حضرت فضل کو آگے اور حضرت قثم کو پیچھے سوار کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۹۸۔۵۹۶۵۔۵۹۶۶)

محب طبری نے اپنی کتاب ''مختصر السیرۃ النبویہ'' میں ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ ننگی پیٹھ والے دراز گوش پر سوار ہو کر قبا تشریف لے گئے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے فرمایا: اے ابو ہریرہ! تمہیں سوار کر لوں؟ عرض کیا یارسول اللہ! جیسے آپ چاہیں آپ نے فرمایا: سوار ہو جاؤ' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سوار ہونے کے لئے کودے تو سوار نہ ہو سکے چنانچہ انہوں نے حضور علیہ السلام کو پکڑا تو دونوں گر گئے پھر آپ سوار ہوئے اور فرمایا: ابو ہریرہ! تمہیں بھی سوار کر لوں؟ عرض کیا جیسے آپ چاہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: سوار ہو جاؤ وہ سوار نہ ہو سکے اور آپ کو پکڑ لیا چنانچہ پھر دونوں

گر گئے سرکار دو عالم ﷺ نے پھر فرمایا: اے ابو ہریرہ! تمہیں سوار کروں؟ عرض کیا نہیں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے تیسری مرتبہ آپ کو گرانا نہیں چاہتا۔

محبّ طبری نے یہ بھی ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ ایک سفر میں تھے تو آپ نے ایک بکری کو پکانے کے لئے صحابہ کرام کو حکم دیا ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اس کو ذبح کروں گا دوسرے نے کہا یا رسول اللہ میں اس کی کھال اتاروں گا' تیسرے نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اس کو پکاؤں گا آپ نے فرمایا: لکڑیاں جمع کرنا میری ذمہ داری ہے۔

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی جگہ ہم کام کے لئے کافی ہیں آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے تم کافی ہو لیکن میں تم سے ممتاز ہونا پسند نہیں کرتا' اللہ تعالیٰ بندے سے اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ وہ اسے اپنے ساتھیوں سے ممتاز دیکھے۔

میں نے طبری کے علاوہ کسی کے ہاں یہ روایت نہیں پائی ہاں ابوالیمن بن عساکر کی جزء ''تمثال النعل الشریف'' میں دیکھا انہوں نے حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ کی اپنے والد سے روایت کے بعد فرمایا: کہ میں طواف میں حضور علیہ السلام کے ساتھ تھا کہ نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارک کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے دیجئے تا کہ میں اسے ٹھیک کردوں آپ نے فرمایا: یہ ''اثرہ'' ہے اور میں ''اثرہ کو پسند نہیں کرتا''۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۴۴' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۰۲)

اثرہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص تنہا ایک کام کرے گویا نبی اکرم ﷺ نے اس بات کو ناپسند کیا کہ کوئی شخص تنہا آپ کے نعلین مبارک کو ٹھیک کرے اور وہ خادم کی طرح ہو اور آپ کو مخدوم والی بلندی حاصل ہو آپ کا اس بات کو ناپسند کرنا آپ کی تواضع اور ساتھیوں پر برتری اختیار نہ کرنے کی وجہ سے تھا (ورنہ آپ تو تمام مخلوق سے برتر ہیں)۔

اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے آپ کو کسی کام میں شامل کرنا چاہا تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی جگہ ہم کافی ہیں آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم کافی ہو لیکن میں تم سے ممتاز ہونا پسند نہیں کرتا اللہ بندے سے اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں سے امتیازی حیثیت اختیار کرے۔

پھر میں نے اپنے شیخ (امام سخاوی رحمۃ اللہ) کو دیکھا انہوں نے (المقاصد الحسنہ میں) مشہور احادیث کے ضمن میں یہ بات نقل کی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نجاشی کا وفد آیا تو نبی اکرم ﷺ خود ان لوگوں کی خدمت کرنے لگے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کی جگہ کام کرتے ہیں اور کافی ہیں' آپ نے فرمایا: ان لوگوں نے ہمارے ساتھیوں کی عزت واحترام کیا تو میں ان کو بدلہ دینا پسند کرتا ہوں۔

(دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۰۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۰۲)

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے کچھ کھجوریں مقرر تھیں (یعنی انصار نے مہاجرین کے لئے کھجوروں کے درخت مقرر کئے کہ وہ ان سے نفع اٹھائیں) یہاں تک کہ جب قریظہ اور نضیر پر فتح حاصل ہوئی تو (حضور ﷺ نے وہ درخت واپس کرنے کا حکم دیا) میرے گھر والوں نے مجھے حضور

علیہ السلام کے پاس بھیجا کہ میں آپ سے ان تمام یا بعض درختوں کی واپسی کا سوال کروں وہ درخت آپ نے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو دے رکھے تھے حضرت ام ایمن آئیں اور انہوں نے کپڑا میری گردن میں ڈالا اور کہنے لگیں اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہم تمہیں نہیں دیں گے یہ درخت نبی اکرم ﷺ نے ہمیں دیئے ہیں (یا جیسا بھی کہا) نبی اکرم ﷺ فرمارہے تھے تمہیں اس قدر درخت دوں گا اور وہ کہہ رہی تھیں: اللہ کی قسم! ہرگز نہیں حتی کہ حضور علیہ السلام نے اسے عطا فرمائے اور میرا خیال ہے انہوں نے فرمایا: کہ اس سے دس گنا زیادہ عطا فرمائے یا جیسا بھی انہوں نے فرمایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۲۰ مسند امام احمد ج ۳ ص ۲۱۹ مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۸۲ تفسیر ابن کثیر ج ۸ ص ۹۲ البدایۃ والنھایہ ج ۴ ص ۸۱)

حضرت ام ایمن نے یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا کہ ان کے خیال میں یہ دائمی حصہ تھا اور وہ اس کی مالک بنائی گئی تھیں اور نبی اکرم ﷺ نے یہ درخت واپس لینے کے بعد ان کی دلجوئی کا ارادہ فرمایا اور اس کے عوض میں اضافہ فرماتے تھے حتی کہ وہ راضی ہو گئیں اور یہ سب کچھ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے نیکی اور ان کی عزت افزائی تھی کیونکہ حضرت ام ایمن کو نبی اکرم ﷺ کی پرورش اور تربیت کی وجہ سے اس نیکی اور اعزاز کا حق حاصل تھا اور اس میں آپ کی سخاوت کی فراوانی اور بردباری نیز نیکی کی کثرت مخفی نہیں ہے۔

ایک عورت نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئی جس کی عقل میں کچھ خرابی تھی اس نے کہا مجھے آپ سے کچھ کام ہے آپ نے فرمایا مدینہ طیبہ کی جس گلی میں چاہے بیٹھ جا میں تیرے پاس بیٹھ جاؤں گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۱۸ بغوی ج ۷ ص ۱۳۰ مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۴ المغنی ج ۲ ص ۱۹۵ اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۶۲)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا حتی کہ میں تیری حاجت کو پورا کردوں۔ چنانچہ آپ اس کے ساتھ ایک راستہ میں تشریف فرما ہوئے حتی کہ وہ اپنی حاجت سے فارغ ہو گئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب کچھ آپ کی بہت زیادہ تواضع کی وجہ سے ہوا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۶)

حضرت عبداللہ بن حمساء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ سے ایک سودا کیا اور آپ کی کچھ رقم باقی تھی میں نے وعدہ کیا کہ فلاں جگہ آپ کے پاس حاضر ہوں گا لیکن میں بھول گیا حتی کہ تین دن بعد مجھے یاد آیا تو آپ اسی جگہ پر تھے آپ نے فرمایا تم نے مجھے مشقت میں ڈالا میں تین دن سے یہاں تمہارا منتظر ہوں۔

(السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۹۸ اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۵۰۶)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کسی بیوہ اور مسکین کے ساتھ جا کر اس کا کام کرنے سے نفرت نہیں کرتے تھے۔

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ کوئی بھی لونڈی حضور علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی آپ کو لے جاتی۔

امام احمد کی روایت میں ہے کہ وہ اپنے کام کیلئے آپ کو لے جاتی۔

انہی کے نزدیک یہ بھی ہے کہ مدینہ طیبہ والوں کی بچیوں میں سے کوئی بچی آتی اور نبی اکرم ﷺ کا ہاتھ پکڑتی آپ اس سے اپنا ہاتھ نہ چھڑواتے حتی کہ وہ آپ کو جہاں چاہتی لے جاتی۔

ہاتھ پکڑنے سے ساتھ لیجانا مراد ہے۔

یہ واقعہ تواضع کی کئی انواع پر مشتمل ہے کہ اس میں عورت کا ذکر ہے مرد کا نہیں لونڈی کا ذکر ہے آزاد عورت کا نہیں

اور لونڈی کے لیے بھی عمومیت ہے یعنی کوئی بھی لونڈی ہو (خاص مراد نہیں) اسی طرح یہ الفاظ کہ ''جہاں چاہے'' مطلب یہ ہے کہ جس جگہ بھی لے جائے اور ہاتھ سے پکڑ کر لے جانے کے ذکر میں انتہائی درجہ کے تصرف کی طرف اشارہ ہے حتی کہ اگر اسے مدینہ طیبہ سے باہر کوئی کام ہوتا اور وہ اس حالت میں آپ سے مدد طلب کرتی تو آپ اس کی مدد فرماتے یہ آپ کے بہت زیادہ تواضع اختیار کرنے اور تکبر کی تمام اقسام سے برأت کی علامت ہے۔

نبی اکرم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ (جو ابھی بچے تھے) داخل ہوئے اور آپ کی پیٹھ مبارک پر سوار ہو گئے آپ نے سجدے میں دیر لگا دی حتی کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اتر گئے جب آپ فارغ ہوئے تو کسی صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے سجدہ لمبا کر دیا فرمایا میرے بیٹے نے مجھے سواری بنا دیا (اور میری پیٹھ پر سوار ہو گیا) تو میں نے جلدی کرنا مناسب نہ سمجھا۔

(السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۶۳' تاریخ ابن عساکر ج ۴ ص ۳۲۰' البدایۃ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۶' مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۴)

نبی اکرم ﷺ بیماروں کی عیادت کرتے اور جنازے میں شرکت فرماتے۔

نبی اکرم ﷺ نے ایک پرانے کجاوے پر حج فرمایا اور اس پر جو کپڑا تھا اس کی قیمت چار درہم بھی نہ تھی آپ نے دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ حَجًّا لَّا رِیَآءَ فِیْہِ وَلَا سُمْعَۃَ۔ یا اللہ! اس (حج) کو ایسا بنا جس میں ریا کاری اور شہرت نہ ہو۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۲۱' شمائل ترمذی ص ۴۷۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۹۰)

نبی اکرم ﷺ صبح کی نماز پڑھتے تو مدینہ طیبہ کے خدام اپنے برتن لے کر حاضر ہوتے جن میں پانی ہوتا پس آپ کے پاس جو برتن بھی لایا جاتا آپ اس میں اپنا ہاتھ مبارک ڈالتے بعض اوقات سردی کی صبح حاضر ہوتے تو آپ اس میں دست مبارک ڈالتے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۴' مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۷' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۸۰۸' شرح السنہ ج ۱۳ ص ۲۴۴' الدلائل ج ۱ ص ۳۳۳' تاریخ بغداد ج ۴ ص ۹' المغنی ج ۱ ص ۳۳۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۳۶۳۔ ۴۹۴۷)

اہل خانہ سے معاشرت

نبی اکرم ﷺ اپنی ازواج مطہرات سے نہایت اچھا سلوک فرماتے تھے اور آپ ان کے ساتھ آرام فرما ہوتے۔

امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: یہ نبی اکرم ﷺ کا ظاہری عمل ہے جسے آپ ہمیشہ کرتے تھے حالانکہ آپ ہمیشہ رات کے وقت قیام فرماتے پس ان (ازواج مطہرات) میں سے کسی ایک کے ساتھ آرام فرما ہو جاتے اور جب عبادت مقررہ کے لئے کھڑا ہونے کا ارادہ فرماتے تو ان کو چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوتے پس وظیفۂ عبادت اور ان کے مستحب حق اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو جمع فرماتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خاوند کا اپنی بیوی کے ساتھ ایک بستر پر ہونا افضل ہے خصوصاً جب اس کی حالت معلوم ہو کہ وہ اس بات کی حرص رکھتی ہے اور اس کے ساتھ سونے سے وطی کرنا لازم نہیں آتا۔ واللہ اعلم

نبی اکرم ﷺ' انصار کی بچیوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بلاتے تا کہ وہ ان کے ساتھ کھیلیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۳۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۸۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱)

اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا برتن سے پانی نوش فرماتیں تو سرکار دو عالم ﷺ اس جگہ دہن مبارک رکھتے جہاں انہوں نے رکھا اور پھر پانی نوش فرماتے۔

اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہڈی سے گوشت نوچ کر کھاتیں تو آپ ان سے لے کر اسی جگہ منہ رکھتے جہاں انہوں نے رکھا ہوتا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۴۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۷۰' ۷۷۱' مسند احمد ج۶ ص ۱۲۷) آپ ان کی گود میں تکیہ لگاتے اور روزے کی حالت میں بھی ان کا بوسہ لیتے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۲۲' مسند احمد ج۶ ص ۹۶۔ ۲۹۴۔ ۳۰۰۔ ۳۱۸' التمہید ج ۳ ص ۱۶۵' مسند الشافعیہ ص ۱۱۱' مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۳۱۰)

مسجد میں حبشی کھیل رہے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یوں یہ کھیل دکھایا کہ انہوں نے آپ کے مبارک کاندھے کا سہارا لے رکھا تھا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے تو حبشی رقص کرنے لگے اور بچے ان کے گرد تھے آپ نے فرمایا: اے عائشہ! آؤ اور دیکھو (فرماتی ہیں) میں آئی اور میں نے اپنے جبڑے رسول اکرم ﷺ کے کاندھے پر رکھ دیئے پس میں آپ کے کاندھے اور سر انور کے درمیان سے ان لوگوں کو دیکھتی رہی آپ نے فرمایا: کیا تو سیر نہیں ہوتی (دوبار فرمایا) میں نے جواب دیا نہیں' نہیں۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۹۱' فتح الباری ج ۱ ص ۵۶۴)

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑنے کا مقابلہ کیا تو وہ آپ سے آگے نکل گئیں اس کے بعد پھر مقابلہ کیا تو آپ ان سے آگے نکل گئے آپ نے فرمایا: یہ اس کا بدلہ ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۷۸' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۲۵۱' المغنی ج ۲ ص ۴۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۰۶۱۴)

امام ابوداؤد نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا فرماتی ہیں: کہ میں نے حضور علیہ السلام کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کیا تو پیدل دوڑ میں' میں آپ سے آگے نکل گئی جب میرا وزن زیادہ ہوگیا تو اس وقت مقابلے میں آپ مجھ سے آگے نکل گئے آپ نے فرمایا یہ اس پہلے مقابلے کا بدلہ ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ ہم لوگ ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے کہ روٹی اور گوشت کا ایک پیالہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے آیا اور نبی اکرم ﷺ کے سامنے رکھ دیا گیا آپ نے فرمایا: اپنے ہاتھ ڈالو پس حضور علیہ السلام نے بھی ہاتھ مبارک ڈالا اور ہم نے بھی ہاتھ ڈال کر کھانا شروع کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کھانا بنا رہی تھیں تو انہوں نے جلدی کی وہ اس پیالے کو دیکھ چکی تھیں جب کھانا پکا چکیں تو اسے لا کر رکھ دیا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا پیالہ اٹھا کر توڑ دیا آپ نے فرمایا: اللہ کے نام سے کھاؤ تمہاری ماں کو غیرت آ گئی پھر ان کا پیالہ حضرت ام سلمہ کو دے دیا اور فرمایا: کھانے کی جگہ کھانا اور برتن کی جگہ برتن۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۵۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۹۸۲۵)

''صحیح بخاری میں'' ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے کہ آپ اپنی ایک زوجۂ مطہرہ کے پاس تھے تو ایک ام المؤمنین نے پیالہ بھیجا جس میں کھانا تھا تو آپ جس زوجہ کے گھر میں تھے انہوں نے خادم کے ہاتھ پر مارا تو پیالہ ٹوٹ گیا نبی اکرم ﷺ نے پیالے کے ٹکڑے جمع کئے پھر اس میں وہ کھانا اکٹھا کیا اور فرمایا: تمہاری ماں کو غیرت آ گئی۔ پھر خادم کو روک دیا

اور جب اس زوجہ کی طرف سے پیالہ آیا جو اس گھر میں تھیں تو وہ پیالہ ان کے پاس بھیج دیا جن کا پیالہ ٹوٹا تھا اور ٹوٹا ہوا پیالہ اسی گھر میں رکھ لیا۔

امام احمد' امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمۃ اللہ نے یوں نقل کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ میں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جیسی کھانا پکانے والی خاتون نہیں دیکھی انہوں نے کھانے کا ایک برتن نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا تو میں اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکی اور میں نے اسے توڑ دیا (پھر) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کھانے جیسا کھانا اور برتن جیسا برتن ہے۔

دوسرے محدثین کے نزدیک یوں ہے فرماتی ہیں: کہ میں نے حضور علیہ السلام کے سامنے سے پیالہ اٹھایا اور اسے (زمین پر) دے مارا اور توڑ دیا تو نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور کھانا اور گوشت اٹھاتے ہوئے فرمانے لگے تمہاری ماں کو غیرت آئی اور ام المؤمنین سے کوئی مواخذہ نہ فرمایا۔

تو نبی اکرم ﷺ کے خلق کریم کی وسعت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آثار غیرت کے بھرے ہوئے برتنوں (یعنی شدید غیرت) پر غالب آ گئی اور آپ متاثر نہ ہوئے بلکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بدلے کا فیصلہ فرمایا۔ نبی اکرم ﷺ کا اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ یہی طریقہ تھا آپ ان سے مواخذہ نہ فرماتے بلکہ ان کا عذر قبول فرماتے اور اگر ان پر عدل کا ترازو قائم کرنا ہوتا تو کسی پریشانی اور غصے کے بغیر قائم فرماتے بلکہ آپ مہربان' رحم فرمانے والے ازواج مطہرات اور دوسری خواتین (کے ایمان) کی حرص رکھنے والے تھے اور جو چیز ان کو مشقت میں ڈالتی وہ آپ پر گراں گزرتی تھی۔

کہا گیا ہے کہ اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غیرت میں کسی فعل کے مرتکب پر مواخذہ نہ کیا جائے کیونکہ اس حالت میں سخت غصے کی وجہ سے عقل پر پردہ چھا جاتا ہے۔

حضرت ابویعلیٰ نے صحیح سند کے ساتھ جس میں کوئی حرج نہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ غیرت میں آنے والی کو وادی کے اوپر والے حصے سے اس کا نچلا حصہ بھی نظر نہیں آتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ میں حضور علیہ السلام کے پاس خزیرہ [1] لے کر آئی جسے میں نے پکایا تھا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ کھائیں نبی اکرم ﷺ ہم دونوں کے درمیان تھے انہوں نے انکار کر دیا میں نے کہا کھائیں انہوں نے (پھر) انکار کر دیا میں نے کہا آپ کھائیں ورنہ میں آپ کے چہرے پر مل دوں گی انہوں نے انکار کر دیا چنانچہ میں نے خزیرہ میں ہاتھ ڈالا اور ان کے چہرے پر مل دیا نبی اکرم ﷺ ہنس پڑے اور اپنی ران میرے سامنے رکھ کر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کہ ان کے چہرے پر بھی مل دیں چنانچہ انہوں نے میرے چہرے پر بھی مل دیا اور آپ مسکراتے رہے۔

اس حدیث کو ابن غیلان نے ہاشمی کی روایت سے نقل کیا اور الملاء (عمر الموصلی) نے اپنی سیرت (کی کتاب) میں اسے ذکر کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص نبی اکرم ﷺ کے اہل خانہ' صحابہ کرام اور ان کے علاوہ فقراء' یتیموں' بیواؤں' مہمانوں اور

---

[1] گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو بہت زیادہ پانی میں اچھی طرح ملایا جاتا ہے پھر اس پر آٹا ڈالتے ہیں تو یہ خزیرہ ہے۔

مساکین کے ساتھ آپ کے حسن سیرت میں غور کرتا ہے اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ دل کی نرمی کے سلسلے میں اس انتہاء اور بلندی پر پہنچے تھے کہ مخلوق کیلئے اس سے اوپر پہنچنے کی کوئی جگہ نہیں۔

اگرچہ آپ اللہ تعالیٰ کی حدود' حقوق اور دین کے معاملے میں سختی فرماتے حتیٰ کہ چور کا ہاتھ کاٹ دیتے اور اس کے علاوہ سزائیں دیتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آنا

نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام سے اس قدر خندہ پیشانی سے پیش آتے کہ اس سے آپ کی محبت ان کے دلوں میں جاگزیں ہو جاتی ایک شخص جس کا نام زہیر (زاہر بھی لکھا ہے) تھا اور وہ جنگل میں رہتا تھا وہ نبی اکرم ﷺ کے لئے وہ چیز (سبزی وغیرہ) بطور تحفہ لاتا جو جنگل میں موجود ہوتی اور آپ اس کو شہر کی کوئی چیز تحفہ کے طور پر عنایت فرماتے۔

اور آپ فرماتے: کہ زہیر ہمارے دیہاتی ہیں اور ہم ان کے شہری ہیں اور نبی اکرم ﷺ ان سے محبت کرتے تھے ایک دن آپ بازار کی طرف تشریف لے گئے تو ان کو کھڑا پایا چنانچہ آپ ان کی پیٹھ کی طرف سے آئے اور ہاتھ ڈال کر ان کو اپنے سینے سے ملایا حضرت زہیر کو معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ ہیں تو وہ فرماتے ہیں: میں برکت حاصل کرنے کی امید سے اپنی پیٹھ کو آپ کے سینے سے ملنے لگا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۱' الاصابہ رقم الترجمہ: ۲۷۷۰)

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے شمائل میں روایت کیا کہ حضور علیہ السلام نے پیچھے کی جانب سے ان کو اپنی بانہوں میں لے لیا اور وہ دیکھ نہیں رہے تھے انہوں نے کہا مجھے چھوڑ دو کون ہے؟ جب توجہ کی تو نبی اکرم ﷺ کو پہچان لیا اب انہوں نے اپنی پیٹھ کو نبی اکرم ﷺ کے سینۂ مبارکہ سے رگڑنے میں کوئی کمی نہ کی (یعنی) جب آپ کو پہچان لیا۔

نبی اکرم ﷺ فرمانے لگے: کون اس غلام کو خریدے گا؟ حضرت زہیر نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس صورت میں آپ مجھے بے قیمت پائیں گے آپ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت قیمتی ہو۔

ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: (نہیں) بلکہ تم اللہ تعالیٰ کے ہاں بے قیمت نہیں ہو یا فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے ہاں بیش قیمت ہو۔ (شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۱۲۱)

حضرت ابویعلی نے حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کو گھی کا ایک ڈبہ اور شہد بھیجا کرتا تھا جب وہ دوکاندار رقم کا تقاضا کرتا تو وہ اسے آپ کی خدمت میں لے آتا اور کہتا اس شخص کے سامان کا حق (قیمت) عطا کیجئے۔

تو نبی اکرم ﷺ صرف مسکرا دیتے اور حکم دیتے چنانچہ اسے عطا کر دیا جاتا۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۴۸' مطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۴۲۹)

حضرت محمد بن عمرو بن حزم کی روایت میں ہے کہ مدینہ طیبہ میں جو نئی چیز آتی وہ اس میں سے خرید کر آپ کی خدمت میں لے آتا اور عرض کرتا یا رسول اللہ! میں یہ چیز آپ کی خدمت میں تحفہ کے طور پر پیش کرتا ہوں جب دوکاندار قیمت لینے آتا تو وہ اسے لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا اور کہتا کہ اس کی رقم دیجئے آپ پوچھتے کیا تم نے بطور تحفہ نہیں دیا تھا تو وہ کہتا میرے پاس تو کچھ نہیں پس آپ مسکراتے اور دوکاندار کے لئے اس کی قیمت ادا کرنے کا حکم فرماتے۔

مزاح نبوی ﷺ

نبی اکرم ﷺ خوش طبعی فرماتے ہیں: لیکن سچ بات ہی فرماتے جس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص جو سوچے سمجھے بغیر بات کرتا تھا' نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے سوار کیجئے (سواری دیجئے) تو آپ نے اس سے تفصیل کے ساتھ مردہ بات کہی جس سے اس کو اس بیماری سے (عدم تفکر سے) شفا حاصل ہو جائے۔ (البدایہ والنہایہ ج۶ ص۴۸)

آپ نے فرمایا: میں تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کراؤں گا تو اس نے بچے کے لفظ سے اونٹنی کا چھوٹا ہونا سمجھا اور عرض کیا یارسول اللہ! اونٹنی کا بچہ میرے کس کام کا ہے؟ آپ نے فرمایا: تجھ پر افسوس! اونٹ کو اونٹنی ہی جنتی ہے یہ حدیث امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے نقل کی ہے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۹۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۹۸' اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۸۶' الاذکار النوویہ رقم الحدیث: ۲۸۹' شرح السنہ ج ۱۳ ص ۱۸۲' البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۴۸)

آپ نے اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے خوش طبعی فرمائی وہ بوڑھی خاتون تھیں تو آپ نے ان سے فرمایا: کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی جب وہ پریشان ہوئیں تو آپ نے ان سے فرمایا: کہ تم عورتیں جنت میں جوان ہو جاؤ گی۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۴۱۹' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۱۲۲' تاریخ اصبہان ج ۱ ص ۱۴۲' تفسیر طبری ج ۲۷ ص ۸۰' تفسیر ابن کثیر ج ۸ ص ۹)

ترمذی شریف کی روایت میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بوڑھی خاتون حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے جنت میں داخل کرے آپ نے فرمایا: اے فلاں! جنت میں کوئی بوڑھی عورت نہیں جائے گی فرماتے ہیں: وہ روتی ہوئی واپس ہوئی تو آپ نے فرمایا: اسے بتاؤ کہ بڑھاپے کی حالت میں نہیں داخل ہوگی کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا۝ (واقعہ: ۳۵)

بے شک ہم نے ان عورتوں کو اچھی اٹھان اٹھایا تو انہیں کنواریاں بنایا۔

اس حدیث کو ابن رزین نے ذکر کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خوش طبعی فرماتے' ان سے گھل مل کر رہتے' ان سے گفتگو کرتے اور اپنے ساتھ مانوس کرتے نیز ان کے معاملات کی تدبیر میں شریک ہوتے' ان کے بچوں کے ساتھ خوش طبعی فرماتے اور ان کو اپنی گود میں بٹھاتے اس کے باوجود آپ کا قلب مبارک جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ملکوت کی سیر کرتا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی اور اسے حسن قرار دیا کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ ہم سے خوش طبعی فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں سچ بات ہی کہتا ہوں۔

اور نبی اکرم ﷺ سے خوش طبعی اور کھیل کود کے سلسلے میں جو نہی وارد ہوتی ہے وہ اس میں زیادتی پر محمول ہے کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اہم دینی امور میں غور وفکر سے دوری ہو جاتی ہے اور جو آدمی اس (دوری) سے محفوظ ہو اس کے لئے یہ جائز ہے اور اگر اس میں کوئی مصلحت بھی ہو جس طرح مخاطب کے دل کو خوش کرنا اور حضور علیہ السلام بھی اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے تھے' تو اس صورت میں یہ مستحب ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر خوش اخلاق تھے اور میرا ایک بھائی تھا جسے ابوعمیر کہا جاتا تھا اور اس کا ایک چھوٹا سا (چڑیا کی طرح کا) پرندہ تھا (جسے نغیر کہتے تھے) وہ پرندہ مرگیا ایک دن وہ (میرا بھائی) حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے غمگین دیکھا فرمایا: اسے کیا ہوا؟ گھر والوں نے عرض کیا اس کا پرندہ مرگیا ہے آپ نے فرمایا:

یا ابا عمیر ما فعل النغیر. اے ابوعمیر! نغیر (چھوٹا پرندہ) کو کیا ہوا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۹_۶۲۰۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۲۰' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۶۹' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۵_۱۱۹_۱۹۰_۲۰۱_۲۷۸_۲۸۸)

ترمذی شریف کی روایت میں ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ ہم سے گھل مل جاتے حتی کہ میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے: **یا ابا عمیر ما فعل النغیر۔**

جوہری کہتے ہیں النغیر 'نغر کی تصغیر ہے اور نغر' النغرۃ کی جمع ہے اور یہ چڑیا جیسا چھوٹا سا پرندہ ہے اس کی جمع نغران بھی آتی ہے جیسے صرد اور صردان۔

نبی اکرم ﷺ کو جس طرح خوش طبعی کا وصف ملا تھا اسی طرح آپ کو رعب کے وصف سے بھی موصوف کیا گیا۔ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے سامنے کھڑا ہوا تو اس پر سخت کپکپی اور خوف طاری ہو گیا آپ نے فرمایا اپنے آپ پر آسانی کرو میں بادشاہ یا ظالم و جابر (متکبر) نہیں ہوں میں ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو مکہ مکرمہ میں خشک گوشت کے ٹکڑے کھاتی تھی۔

اس کے بعد اس شخص نے اپنی حاجت بیان کی اور پھر نبی اکرم ﷺ نے کھڑے ہو کر فرمایا:

یا ایھا الناس انی اوحی الی ان تواضعوا الا فتواضعوا حتی لا یبغی احد علی احد ولا یفخر احد علی احد و کونوا عباد اللہ اخوانا.

اے لوگو! میری طرف وحی کی گئی کہ تم لوگ تواضع اختیار کرو سنو! پس تم تواضع اختیار کرو حتی کہ تم میں سے کوئی ایک دوسرے پر زیادتی (اور سرکشی) نہ کرے اور نہ کوئی شخص دوسرے پر فخر کرے اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔

پس آپ کا خوف شفقت میں بدل گیا کیونکہ آپ مؤمنوں پر مہربانی رحم فرمانے والے ہیں اور آپ سے ملوکیت کا وصف لیا گیا کیونکہ آپ نے فرمایا: میں بادشاہ نہیں ہوں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۸_۴۲۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۹۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۴' السنن الکبری ج ۱۰ ص ۲۳۴' المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۳۶۵' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۷۱۹' الدر المنثور ج ۴ ص ۱۱۴_ ج ۶ ص ۱۱۱' المغنی ج ۲ ص ۱۹۲' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۸۹۸' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۰۵' الترغیب والترھیب ج ۳ ص ۵۵۸' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۷۲۲)

کیونکہ ملوکیت کے لئے جبر لازم ہے اور آپ نے تواضع کے طور پر فرمایا: کہ میں ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کے ٹکڑے کھاتی تھی کیونکہ قدید عمدہ کھانا نہیں بلکہ وہ مسکین لوگوں کا کھانا ہے۔

اور جب قیلہ بنت مخرمہ نے نبی اکرم ﷺ کو مسجد میں رانوں کو کھڑا کر کے پیٹ سے ملاتے ہوئے اور ہاتھوں سے گھیرا باندھ کر بیٹھتے دیکھا تو وہ خوف کی وجہ سے کانپنے لگیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۴۷)

امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی مجلس اختیار کی تو میں نے آپ سے حیا کرتے ہوئے اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے کبھی بھی آنکھ بھر کر آپ کی طرف نہیں دیکھا اور اگر مجھے کہا جائے کہ میں آپ کا وصف بیان کروں تو مجھے اس کی طاقت نہیں۔

تو جب یہ ان کا قول ہے اور آپ جلیل القدر صحابہ کرام میں سے ہیں تو اگر نبی اکرم ﷺ ان کے ساتھ خوش طبعی نہ فرماتے' ان کے لئے عاجزی اختیار نہ کرتے اور ان کو اپنے ساتھ مانوس نہ کرتے تو ان میں سے کوئی بھی آپ کے ساتھ بیٹھنے پر قادر نہ ہوتا اور آپ کی ہیبت وجلال کی وجہ سے جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا' آپ کا کلام نہ سن سکتے۔

اس بات کی وضاحت اس روایت سے ہوتی ہے کہ جب آپ فجر کی نماز (سنتوں) سے فارغ ہوتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے گفتگو کرتے اگر وہ بیدار ہوتیں ورنہ زمین پر لیٹ جاتے پھر نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر آپ اسی حالت میں جس پر آپ ہوتے تھے' تشریف لے جاتے اور اللہ تعالیٰ سے مناجات اور اس کے کلام کی سماعت وغیرہ احوال سے جو قرب آپ کو حاصل ہوتا تھا اور زبان اسے بیان کرنے سے قاصر ہے تو (اسی صورت میں تشریف لے جانے) کی وجہ سے کوئی شخص آپ سے ملاقات اور میل جول کی طاقت نہ رکھتا اس لئے آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کلام فرماتے یا زمین پر لیٹ جاتے تاکہ ان (صحابہ کرام) کی جنس (یعنی زمین) سے انس حاصل ہو تو یہ انس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا اصل خلقت کی جنس یعنی زمین کے ذریعے انس حاصل کرتے پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف تشریف لے جاتے اور یہ سب کچھ مسلمانوں پر نرمی کرنے کی غرض سے ہوتا اور آپ مؤمنوں پر مہربان تھے۔

یہ بات ابن حاج (محمد بن محمد بن محمد ابن الحاج ابو عبداللہ العبدری المالکی) نے المدخل میں ذکر کی ہے۔

(الاعلام ج ۷ ص ۳۵' الدرر الکامنہ ج ۴ ص ۲۳۷' دیباج المذہب رقم الحدیث: ۳۲۷' کشف الظنون ج ۲ ص ۱۶۴۳)

حدیث شریف میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ آپ نبی بادشاہ ہوں یا نبی بندہ تو آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا گویا آپ ان سے مشورہ لے رہے ہوں تو حضرت جبریل علیہ السلام نے زمین کی طرف دیکھا یعنی تواضع کا مشورہ دیا پس نبی اکرم ﷺ نے بندگی کو اختیار فرمایا۔

پس جب آپ کی تواضع زمین کی طرف تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس طرف اشارہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمان کی طرف بلندی عطا فرمائی پھر رفرف اعلیٰ اس کے بعد ''قاب قوسین او ادنیٰ'' کی ترقی عطا فرمائی۔

حضرت محمود بن ربیع چھوٹے سے پانچ سال کے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے مزاح کے طور پر اس کے منہ پر منہ کے ذریعے پانی ڈالا تو اس کی برکت یہ ہوئی کہ بڑا ہونے کے بعد ان کے ذہن میں صرف پانی کی اسی کلی کا خیال' باقی رہا اور نبی اکرم ﷺ کو دیکھنا انہیں یاد نہ رہا تو ان کو صحابہ کرام میں شمار کیا گیا اور ان کا واقعہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۵۴' مسند احمد ج ۵ ص ۳۲۱)

نبی اکرم ﷺ کی ربیبہ حضرت زینب بنت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) حاضر ہوئیں اور آپ غسل خانہ میں تھے تو آپ نے ان کے چہرے پر پانی ڈالا تو اس کی برکت یہ ہوئی کہ ان کے چہرے میں کبھی تبدیلی نہیں آئی اور جب وہ بہت بوڑھی ہو گئیں تب بھی ان کے چہرے پر جوانی ثابت تھی اور چہرہ پر رونق تھا۔ یہ واقعہ بخاری شریف میں مذکور ہے۔

اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ آپ صحابہ کرام' اپنے اہل بیت اور اجنبی اور قریبی سب کے ساتھ کشادہ دل' خندہ پیشانی اور اچھے اخلاق سے پیش آتے اور جس سے ملاقات ہوتی اسے سلام کرتے اور جو آپ کو (کسی مقصد کے لئے) ٹھہرانا چاہتا اس کے ساتھ ٹھہر جاتے اور کبھی کبھی بچوں اور بڑوں کے ساتھ خوش طبعی فرماتے لیکن سچ بات ہی فرماتے' دعوت دینے والے کی دعوت قبول فرماتے اور پہلوئے رحمت جھکاتے حتی کہ آپ کے صحابہ کرام میں سے ہر ایک یہی خیال کرتا کہ آپ اس سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔

اور اس میدان میں تم واجب' مستحب یا مباح عمل پاؤ گے پس نبی اکرم ﷺ مخلوق سے میل جول رکھتے اور کشادہ روئی سے پیش آتے تاکہ وہ جہالت کی تاریک راتوں کے اندھیروں میں آپ کے نور ہدایت سے منور ہوں اور آپ کی سیرت طیبہ کو مشعل راہ بنائیں۔

صحابہ کرام کے ساتھ ہم نشینی

عام طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ کی مجلس ذکر الٰہی اور ترغیب و ترھیب کی مجلس ہوتی تھی اور وہ یا تو تلاوتِ قرآن سے ہوتی یا وہ حکمت اور موعظت حسنہ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی نیز اس بات کی تعلیم جو دینی اعتبار سے نفع بخش ہو جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو وعظ و نصیحت کرنے اور واقعات بیان کرنے کا حکم دیا اور یہ کہ آپ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت و موعظت سے بلائیں خوشخبری دیں اور (جہنم سے) ڈرائیں۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کی یہ مجالس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں نرمی پیدا کرتیں' دنیا سے دوری اور آخرت کی رغبت کا درس دیتی تھیں۔

جس طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! ہمیں کیا ہے کہ جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں تو ہمارے دل نرم ہو جاتے ہیں' دنیا سے بے رغبت اور آخرت والے بن جاتے ہیں اور جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو گھر والوں سے گھل مل جاتے ہیں' اپنی اولاد کی خوشبو سونگھتے اور اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس حالت میں تم مجھ سے جدا ہوتے ہو اگر اسی حالت پر رہو تو فرشتے تمہارے گھروں میں تمہاری ملاقات کے لئے آئیں۔ (مجمع الزوائد ج۱۰ص۳۱۰)

اس حدیث کو امام احمد' امام ترمذی اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

تواضع کی صورتیں [۱]

نبی اکرم ﷺ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کبھی کسی کھانے پینے کی چیز میں عیب بیان نہیں کیا اگر طبیعت مبارکہ چاہتی تو کھالیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۷-۱۸۸' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۳-۵۴۰۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۶۳' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۸۴' مسند احمد ج ۲ ص ۴۲۷-۴۷۴-۴۷۹-۴۸۱-۴۹۵)

اور یہ اس وقت ہوتا جب کھانا جائز ہوتا اور اگر حرام ہوتا تو اس میں عیب بیان کرتے' اس کی مذمت کرتے اور اس سے منع فرماتے بعض حضرات نے کہا ہے کہ اگر اس میں پیدائشی طور پر عیب ہوتا تو اسے ناپسند کرتے اور اگر اس کو بنانے

[۱] (الشفاء ج ۱ص۱۲۹)

کے اعتبار سے ہوتا تو مکروہ نہ جانتے اور فرماتے اللہ تعالیٰ کے بنانے میں کوئی عیب نہیں اور انسانوں کے بنانے میں عیب ہے۔

"فتح الباری میں فرمایا کہ "ظاہر بات عموم ہے (یعنی عیب بالکل نہ نکالتے) کیونکہ اس میں پکانے والے کی دل شکنی ہوتی ہے۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کھانے کے تاکیدی آداب میں سے یہ بھی ہے کہ ان میں عیب نہ نکالا جائے مثلاً یہ نمکین ہے' کڑوا ہے' نمک کم ہے' گاڑھا ہے' پتلا ہے' کچا ہے وغیرہ وغیرہ۔

نبی اکرم ﷺ کی تواضع کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ لوگ اس دنیا کو گالی دیتے اور یہ بات عام تھی لیکن آپ نے فرمایا: دنیا کو گالی نہ دو' پھر اس کی تعریف فرماتے ہوئے فرمایا: یہ مؤمن کی بہترین سواری ہے اسی پر سوار ہو کر آدمی بھلائی تک پہنچتا ہے اور اسی کے ذریعے شر سے بچتا ہے اور فرمایا زمانے کو گالی نہ دو۔

اس حدیث کو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یوں نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: یوں نہ کہو:

خیبۃ الدھر فان اللہ ھو الدھر. زمانے کی طرف سے نقصان کیونکہ اللہ تعالیٰ (کا حکم ہی) زمانہ ہے۔

انہی کے الفاظ میں یوں بھی آیا ہے:

یسب بنو ادم الدھر وانا الدھر بیدی اللیل و النھار. انسان زمانے کو گالی دیتا ہے اور میں (اللہ تعالیٰ) زمانہ ہوں (زمانے کو پیدا کرنے والا ہوں) رات اور دن میرے قبضے میں ہیں۔

اور صحیح مسلم میں اس طرح ہے:

لا یسب احدکم الدھر. تم میں کوئی شخص زمانے کو گالی نہ دے۔

اس حدیث کی تاویل میں تین باتیں کہی گئی ہیں۔

۱۔ "اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے" سے مراد یہ ہے کہ وہ زمانے کے امور کی تدبیر فرماتا ہے۔

۲۔ مضاف مقدر ہے یعنی "صاحب الدھر" وہ زمانے والا ہے۔

۳۔ اصل میں "مقلب الدھر" ہے یعنی زمانے کو بدلنے والا ہے اسی لئے ایک روایت میں اس کے بعد فرمایا کہ اسی کے قبضے میں رات اور دن ہیں۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج۱ ص۱۱۰' کشف الخفاء ج۲ ص۴۹۶' الکامل ج۱ ص۳۰۴' مسند احمد ج۲ ص۳۹۵۔۴۹۱۔۴۹۶۔ ۴۹۹۔ ج۵ ص۲۹۹۔۳۱۱' مجمع الزوائد ج۸ ص۷۱' المغنی ج۴ ص۳۹۱' تاریخ ابن عساکر ج۲ ص۳۱۰' حلیۃ الاولیاء ج۸ ص۲۵۸' تاریخ اصفہان ج۱ ص۱۲۰۔۱۶۱۔۲۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵' السنن الکبریٰ ج۳ ص۳۶۵' زاد المسیر ج۷ ص۳۶۳)

محققین نے فرمایا کہ جو شخص زمانے کی طرف سے کسی فعل کی حقیقی نسبت کرے اس نے کفر کیا اور اگر کسی کی زبان پر یہ الفاظ عقیدے کے طور پر جاری نہ ہوں تو وہ کافر نہیں لیکن ایسا کہنا مکروہ ہے کہ اس طرح کا کلام کفار کے اقوال کی

مشابہت رکھتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو جب دو باتوں میں اختیار دیا گیا تو آپ نے ان میں سے زیادہ آسان کو اختیار فرمایا بشرطیکہ وہ گناہ کی بات نہ ہوتی اور اگر گناہ ہوتا تو آپ اس سے دور بھاگتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۰-۶۱۲۶-۶۷۸۶-۶۸۵۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵، مجمع الزوائد ج۹ ص۱۵، التمہید ج۸ ص۱۴۸-ص۱۴۹)

مطلب یہ کہ جب دنیوی امور میں سے دو کاموں کے درمیان اختیار دیا جاتا۔ اختیار دینے والے کا ذکر نہ کر کے عموم کی طرف اشارہ کیا کہ وہ اختیار اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا یا مخلوق کی جانب سے اور یہ جو فرمایا کہ اگر گناہ کی بات نہ ہوتی تو زیادہ آسان کو اختیار فرماتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ آسان بات گناہ کا تقاضا نہ کرتی ورنہ آپ سخت بات کو اختیار فرماتے۔

امام طبرانی نے ''اوسط میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے جس میں فرمایا: کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا کام نہ ہوتا آپ زیادہ آسان کو اختیار فرماتے اور گناہ والے کام اور جسمیں گناہ نہ ہو اس کے درمیان مخلوق کی طرف سے اختیار واضح ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی تواضع کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ آپ کے دروازے پر کوئی دربان نہ ہوتا تھا جس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے اور وہ قبر کے پاس رو رہی تھی آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صبر کرو اس نے کہا آپ اپنا کام کریں آپ میرے والی مصیبت میں مبتلا نہیں ہوئے۔ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ آگے تشریف لے گئے پھر ایک شخص اس عورت کے پاس سے گزرا اور اس نے کہا رسول اکرم ﷺ نے تم سے کیا کہا تو اس نے کہا میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا اس نے کہا وہ رسول اکرم ﷺ تھے۔ چنانچہ وہ آپ کے دروازے پر آئی تو وہاں کوئی دربان نہ تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۲۴، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۵۲-۱۲۸۳-۱۳۰۲-۷۱۵۴)

لیکن حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کنوئیں کی منڈیر پر تشریف فرما ہوئے تو وہاں دربان تھا۔ (مسند احمد ج۴ ص۴۰۸، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۹۷)

ان دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا گیا کہ جب آپ گھر والوں کے ساتھ مشغول نہ ہوتے اور نہ کوئی ذاتی کام کر رہے ہوتے تو اپنے اور صحابہ کرام کے درمیان سے پردہ اٹھا لیتے اور حاجت مند کے سامنے ہو جاتے۔

نبی اکرم ﷺ نے جب قسم کھائی کہ آپ ایک مہینے تک ازواج مطہرات کے پاس نہیں جائیں گے اور اس دوران حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لئے سیاہ غلام حضرت رباح نے اجازت طلب کی اس سلسلے میں مذکور ہے کہ جب آپ تنہائی اختیار فرماتے تو دربان مقرر فرماتے اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اجازت لینے کی ضرورت نہ پڑتی اور آپ کو یوں کہنا نہ پڑتا کہ اے رباح میرے لئے اجازت مانگو۔

لیکن اس بات کا بھی احتمال ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اجازت طلب کرنے کا سبب یہ ہو کہ حضور علیہ السلام آپ پر ناراض ہوں کہ شاید آپ اپنی صاحبزادی (حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا) کی سفارش کے لئے آئیں ہیں اس لئے آپ نے جائزہ لینا مناسب سمجھا جب نبی کریم ﷺ نے آپ کو اجازت دے دی تو آپ مطمئن ہو گئے۔

کیا حاکم پردہ ڈال سکتا ہے؟ تو اس سلسلے میں اختلاف ہے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ اور ایک جماعت کہتی ہے کہ حاکم کو چاہیے کہ دربان نہ رکھے۔

لیکن دوسرے حضرات نے اسے جائز قرار دیا ہے پہلے قول کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا جب لوگ سکون کی حالت میں ہوں اور وہ بھلائی پر نیز حاکم کی اطاعت پر جمع ہوں۔

اور دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ مقدمات کو ترتیب دینے اور جھگڑا کرنے والوں کو روکنے نیز شریر کو دور کرنے کے لئے دربان رکھنا مستحب ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا حیاء مبارک [1]

نبی اکرم ﷺ کے حیاء کے سلسلے میں جو کچھ مروی ہے اس ضمن میں صحیح بخاری کی یہ حدیث تمہیں کافی ہے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ ﷺ اشد حیاء من العذراء فی خدرھا.

رسول اکرم ﷺ پردہ میں رہنے والی کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۲-۶۱۰۲-۶۱۱۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷، مسند احمد ج ۳ ص ۷۷-۹۱، السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۹۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۸۰، دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۳۱۶، المغنی ج ۲ ص ۳۵۵، مشکوٰۃ المصابیح ج ۳ ص ۵۸، الشفاء ج ۱ ص ۱۱۸، المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۰۶، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶۔ ج ۹ ص ۱۷، فتح الباری ج ۶ ص ۵۶۶، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۹۹، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۲، شرح السنہ ج ۱۳ ص ۲۵۵، کنزالعمال رقم الحدیث: ۱۷۸۱۷)

یہ حدیث کمال کی طرف اشارہ کرتی ہے کیونکہ کنواری لڑکی اپنے پردے کے مقام پر باہر نکلنے کے مقابلے میں زیادہ حیا کرتی ہے کیونکہ خلوت میں برائی واقع ہونے کا خدشہ ہوتا ہے تو ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ صورت ہے جب کنواری لڑکی کے پاس اس کے مقام پردہ میں کوئی جائے اسکا تنہا ہونا مراد نہیں لفظ حیاء مد کے ساتھ حیاۃ (زندگی) سے بنا ہے اسی سے "الحیا للمطر" ہے لیکن یہ الف مقصورہ کے ساتھ ہے (ممدودہ کے ساتھ نہیں) دل میں جس قدر زندگی ہوتی ہے اسی حساب سے اس میں حیاء کا وصف پایا جاتا ہے اور حیاء کی قلت دل اور روح کی موت سے ہے اور جب دل زندہ ہو تو حیاء زیادہ مکمل ہوتا ہے۔

حیاء کا لغوی معنیٰ تبدیلی اور انکسار ہے جو انسان کو عیب والے کام سے روکتا ہے۔

اور بعض اوقات کسی سبب کی بنیاد پر کسی چیز کو چھوڑنا حیاء کہلاتا ہے اور چھوڑنا حیاء کے لوازم میں سے ہے۔

شرعی اصطلاح میں حیاء ایک ایسا وصف ہے جو برے کاموں سے اجتناب پر ابھارتا اور حقدار کے حق میں کمی سے روکتا ہے۔

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ [2] فرماتے ہیں: دل میں پائی جانے والی مصیبت کا نام ہے اسکے ساتھ ساتھ اس کام سے

---

[1] (الشفاء ج ۱ ص ۱۱۸)

[2] حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ کا نام ثوبان بن ابراہیم ہے اور آپ ان مشائخ میں سے ایک ہیں جن کا رسالہ قشیریہ میں ذکر ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

وحشت بھی ہوتی ہے جو انسان سے اس کے رب کی طرف جاتا ہے۔

(الاعلام ج ۲ص ۱۰۲' فیات الاعیان ج اص ۱۰۱' تاریخ بغداد ج ۸ص ۳۹۳' لسان المیزان ج ۲ص ۴۴۷' میزان الاعتدال ج اص ۳۳۱)

محبت بولتی ہے' حیاء خاموش رہتا ہے اور خوف میں اضطراب ہوتا ہے۔

حضرت یحیٰی بن معاذ رحمۃ اللہ (مشہور عالم تھے ۲۵۸ھ میں نیشا پور میں فوت ہوئے) فرماتے ہیں: جو شخص اطاعت کے وقت اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہے وہ گناہ کے وقت بھی حیاء کرتا ہے۔ یہ کلام تشریح کا محتاج ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص پر اللہ تعالیٰ سے حیاء کا وصف غالب ہو حتیٰ کہ وہ عبادت کے وقت بھی حیاء کرتا ہو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کا دل اس طرح جھکا ہوتا ہے جس طرح حیاء کرنے والے شرمندگی اختیار کرنے والے کا سر جھکتا ہے پس جب اس سے کوئی گناہ واقع ہوتا ہے تو وہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنے سے حیاء کرتا ہے۔

(الاعلام ج ۸ص ۱۷۲' صفۃ الصفوہ ج ۴ص ۷۱' طبقات الصوفیہ رقم الحدیث: ۱۰۷)

کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احترام کو پیش نظر رکھتا ہے تو وہ اس بات سے حیاء کرتا ہے کہ جو ذات اس کی ولی اور اس کے قریب ہے وہ اس سے ایسا کام دیکھے جو عیب پیدا کرتا ہے اور اس بات کا عام طور پر مشاہدہ ہوتا ہے کہ ایک شخص جب ایسے آدمی کو دیکھتا ہے جو اس کے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ خاص اور زیادہ محبوب و مقرب ہے وہ اس کا ساتھی ہو یا اولاد یا کوئی دوسرا محبوب ہو اور وہ اس سے خیانت کرتا ہو تو اسے اس بات پر اطلاع پانے سے عجیب حیاء آتا ہے گویا وہ خود مجرم ہے اور یہ انتہائی کرم ہے۔

حیاء کی اقسام

حیاء کی آٹھ قسمیں ہیں جن کا احاطہ بہت طویل ہے۔

حیائے کرم: جیسے نبی اکرم ﷺ کا ان لوگوں سے حیاء کرنا جن کو آپ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ کی دعوت دی اور دیر تک آپ کے پاس ٹھہرے رہے اور آپ نے ان کو واپس جانے کے لئے کہنے سے حیاء فرمایا۔

محبّ کا محبوب سے حیا کرنا: حتیٰ کہ جب اس سے غائب ہونے کی حالت میں اس کے دل میں کوئی خیال پیدا ہوتا ہے تو اس کے دل میں حیاء پیدا ہوتا اور وہ اسے اس کے چہرے پر محسوس کرتا ہے لیکن اس کے سبب سے آگاہ نہیں ہوتا۔

بندگی کا حیاء: اسمیں محبت اور خوف بھی ملا ہوتا ہے اور اس بات کا مشاہدہ کہ اس کی بندگی اس کے معبود کے لئے صلاحیت نہیں رکھتی اور اس (معبود) کی قدر اس کی عبودیت سے بلند و بالا ہے تو اس کا اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونا لامحالہ اس سے حیاء کو واجب کرتا ہے۔

انسان کا اپنے آپ سے حیاء کرنا: شریف بلند مرتبہ نفس کا اپنے لئے حیاء کرنا یہ ہے کہ نقصان اور معمولی چیز پر قناعت کرتا ہے تو وہ اپنے نفس کو اپنے ہی نفس سے حیاء کرنے والا پاتا ہے حتیٰ کہ اس کے لئے دو نفس ہوتے ہیں اور وہ ان میں سے ایک نفس کے ساتھ دوسرے نفس سے حیاء کرتا ہے اور یہ زیادہ کامل حیاء ہے کیونکہ بندہ جب اپنے آپ سے حیاء

(سابقہ حاشیہ) انہوں نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ سے اور ان سے حضرت جنید رحمۃ اللہ سے روایت کیا آپ اپنے دور میں علم' ادب اور تقویٰ میں یکتا تھے آپ کا وصال ۲۴۵ھ میں ہوا۔

کرتا ہے تو دوسروں سے حیاء کرنا زیادہ لائق ہوتا ہے۔

جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ حیاء بھلائی لاتا ہے اور حیاء ایمان سے ہے یہ بات حضرت امام بخاری نے نقل کی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۱۷۔ ۶۱۱۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۰، مسند احمد ج ۴ص ۴۲۷، المعجم الکبیر ج ۱۸ص ۲۰۶، اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ص ۳۰۸، الادب المفرد رقم الحدیث: ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۰۷۱، الترغیب والترہیب ج ۳ص ۳۹۷، شرح السنۃ ج ۱۳ص ۱۷۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۷۶۳)

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ اور دوسرے حضرات نے فرمایا: کہ حیاء کو ایمان سے قرار دیا گیا اگرچہ وہ فطری چیز ہے کیونکہ یہ قانونِ شریعت کے مطابق اس کا استعمال ارادہ اور اکتساب کا محتاج ہے۔

اور امام قرطبی رحمۃ اللہ نے فرمایا: حیاء کسبی چیز ہے اور شارع نے اسے ایمان سے کہا ہے اور بندہ اس کے حصول کا مکلّف ہے یہ فطری نہیں البتہ جس میں یہ فطرتاً پایا جائے تو وہ اسے اکتساب پر مددگار ہوتا ہے حتیٰ کہ قریب ہے کہ اس کے لئے فطری بن جائے۔

اور نبی اکرم ﷺ میں یہ دونوں قسمیں پائی جاتی تھیں پس آپ فطری حیاء میں اس کنواری عورت سے بھی زیادہ حیاء کرتے تھے جو اپنے پردے کی جگہ میں حیاء کرتی ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے یہ بھی فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ حیاء کی وجہ سے کسی کے چہرے کی طرف نہیں دیکھتے تھے۔

اپنے رب کا خوف [1]

نبی اکرم ﷺ کے اپنے رب سے خوف کے بارے میں جاننے سے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ خوف، وجل اور رہبۃ ان تینوں الفاظ کے معانی قریب قریب ہیں لیکن مترادف نہیں ہیں۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ سانسوں کے جاری ہونے کے مقامات پر سزا کا ڈر، خوف ہے۔

کہا گیا ہے کہ ڈرانے والے کو یاد کرتے وقت دل کی حرکت اور اضطراب خوف کہلاتا ہے۔

بعض نے کہا کہ احکام کے جاری ہونے کی قوتِ علم خوف ہے لیکن یہ خوف کا سبب ہے نفسِ خوف نہیں۔

یہ بھی کہا گیا کہ مکروہ چیز کے شعور کے وقت اس کے آنے سے دل کا بھاگنا خوف ہے۔

خشیت، خوف کے مقابلے میں خاص ہے کیونکہ یہ علماء کے ساتھ خاص ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءُ ۚ (الفاطر: ۲۸)

بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے علماء ڈرتے ہیں۔

اور خشیت ایسے خوف کو کہتے ہیں جس میں معرفت ملی ہوئی ہو۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

[1] (الشفاء ج ۱ص ۱۴۳)

انا اتقاکم للہ واشدکم لہ خشیۃ. میں تم سب سے زیادہ متقی ہوں اللہ کے ہاں اور سب سے زیادہ خشیت والا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۔۶۱۰۱۔۷۳۰۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۴' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۳' مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۷۔ ج ۵ ص ۴۳۴۔ ج ۶ ص ۶۱' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۶۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۶۴)

پس خوف حرکت کا نام ہے اور خشیت میں سکڑ جانا اور سکون ہوتا ہے جو شخص دشمن اور سیلاب وغیرہ کو دیکھتا ہے اس کی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ وہ اس سے بھاگنے کے لئے حرکت کرتا ہے اور یہ حالت خوف ہے اور دوسری حالت اس کا ایسے مقام پر سکون وقرار کے ساتھ ٹھہرنا جہاں یہ (دشمن وغیرہ) نہ پہنچ سکیں اور یہ خشیت ہے۔

اور رہبت' مکروہ بات سے بھاگنے میں بہت تیزی اختیار کرنا اور یہ رغبت کی ضد ہے کیونکہ رغبت مرغوب چیز کی طلب میں دل کے سفر کو کہتے ہیں۔

اور وجل اس کے ذکر سے دل کا دھڑ کنا ہے جس کے اقتدار اور سزا سے ڈر محسوس ہوتا ہو۔

اور ہیبت ایسا خوف ہے جس کے ساتھ تعظیم اور بزرگی کو تسلیم کرنا بھی متصل ہو اور اکثر مصیبت معرفت اور محبت کے ساتھ ہوتی ہے اور اجلال ایسی تعظیم کا نام ہے جو محبت سے ملی ہوئی ہو۔

پس خوف عام مسلمانوں کے لئے' خشیت' عارفین کے لئے ہیبت' محبت کرنے والوں اور اجلال مقربین کے لئے ہوتا ہے اور خوف وخشیت علم ومعرفت کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے۔

جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انی لا علمکم باللہ واشدکم لہ خشیۃ. اور اللہ تعالیٰ کی معرفت تم سب سے زیادہ رکھتا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔

اور ارشاد فرمایا:

لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا و لبکیتم کثیرا. اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۲۱۔۶۴۸۵۔۶۶۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۴' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۲۔۲۳۱۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۰۔۴۱۹۱' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۲۔۴۵۳۔۵۰۲۔ ج ۳ ص ۱۸۰۔۲۶۸' سنن دارمی ج ۲ ص ۳۰۶' السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۳۸' المعجم الکبیر ج ۷ ص ۲۹۸' المستدرک ج ۳ ص ۶۳۵۔ ج ۴ ص ۳۲۰' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۳۰' الدر المنثور ج ۳ ص ۲۶۵' مطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۳۰۵' الشفاء ج ۱ ص ۱۴۴' اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۶۶۔ ج ۷ ص ۴۹۶' المغنی ج ۱ ص ۹۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۸۹۴۔۳۰۸۹۵۔۳۰۸۹۷۔۳۱۰۱۷۔۳۱۰۲۳)

یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ بصری اور قلبی معارف کے ساتھ خاص ہیں اللہ تعالیٰ بعض اوقات آپ کے علاوہ امت کے مخلصین کو بھی اس پر مطلع فرماتا ہے لیکن یہ اطلاع اجمالی ہوتی ہے اور اس کی تفصیل صرف نبی اکرم ﷺ کے لئے ہے۔

"صحیح مسلم میں" حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

والذی نفس محمد بیدہ لو رایتم ما رایت لضحکتم قلیلا و لبکیتم کثیرا

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر تم وہ چیز دیکھو جو میں نے دیکھی ہے تو تم کم ہنستے اور زیادہ روتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ! ﷺ آپ نے کیا دیکھا ہے؟ فرمایا: میں نے جنت اور جہنم کو دیکھا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۱۲' مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۶۔۲۱۷' مسند ابوعوانہ ج ۲ ص ۱۳۶)

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو علم الیقین اور عین الیقین کے ساتھ ساتھ خشیت قلبی بھی عطا فرمائی اور عظمت الٰہیہ بھی آپ کے پیش نظر تھی اور یہ سب کچھ آپ کے لئے اس طرح جمع کیا گیا جس طرح دوسروں کے لئے جمع نہیں کیا اسی لئے آپ نے فرمایا:

ان اتقاکم و اعلمکم باللہ انا.

بے شک تم سب سے زیادہ متقی اور اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والا میں ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۰' جمع الجوامع رقم الحدیث:۶۰۷۷' فتح الباری ج ۱ ص ۹۶' کنز العمال رقم الحدیث:۳۱۹۹۱)

یہ صحیح حدیث ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

نبی اکرم ﷺ جب نماز پڑھتے تو رونے کی وجہ سے آپ کے اندر سے اس طرح کی آواز آتی جس طرح ہنڈیا سے آواز آتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۹۰۴' مسند احمد ج ۴ ص ۲۵۔۲۶' سنن نسائی ج ۳ ص ۱۳)

ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس طرح ذکر کیا کہ چکی کی طرح آواز آتی تھی یعنی خوفِ خدا کی وجہ سے روتے اور اس کی آواز آتی اور کہا گیا ہے کہ آپ کے اندر جوش پیدا ہوتا اور ہنڈیا کی طرح کا اُبال ہوتا۔

نبی اکرم ﷺ کی شجاعت [1]

نبی اکرم ﷺ کی شجاعت' دلیری' احکام خداوندی (کے نفاذ) میں قوت اور شدت حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس قول سے واضح ہے آپ فرماتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت' سب سے زیادہ سخی اور سب لوگوں سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک رات اہل مدینہ خوف زدہ ہوئے تو لوگ اس آواز کی طرف چل پڑے تو نبی اکرم ﷺ سے ان کی ملاقات یوں ہوئی کہ آپ واپس آرہے تھے آپ اس آواز کی طرف صحابہ کرام سے پہلے چلے گئے اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر طلب خیر کے لئے تشریف لے گئے آپ کی گردن میں تلوار تھی اور آپ فرمار ہے تھے خوف زدہ نہ ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۰۴۰' مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۷' الشفاء ج ۱ ص ۱۱۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۳۸۔۱۴۰۔۱۴۹۔۳۲۲' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۲۶۰' کنز العمال رقم الحدیث:۱۷۸۱۴)

ایک روایت میں ہے مدینہ طیبہ میں خوف پھیل گیا تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے ان کا گھوڑا

[1] (البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۶۱' الشفاء ج ۱ ص ۱۱۴)

ادھار لیا جس کا نام مندوب تھا آپ اس پر سوار ہو کر تشریف لے گئے جب واپس تشریف لائے تو فرمایا ہم نے کچھ نہیں دیکھا اور ہم نے اس گھوڑے کو سمندر (کی طرح) پایا یا فرمایا یہ تو سمندر ہے اور یہ گھوڑا بہت تیز دوڑتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۲۷_۲۸۲۰_۲۸۲۷_۲۸۶۲_۲۸۶۶_۲۸۶۷_۲۹۰۸_۶۲۱۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸_۴۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۸۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۷۲، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۸۵_۱۶۸۶، مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۷_۱۶۳_۲۹۱، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۱۷۰، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۶۴، اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۵۸)

''صحیح بخاری میں ہے کہ'' ایک مرتبہ مدینہ طیبہ والے خوفزدہ ہو گئے تو نبی اکرم ﷺ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہوئے جو آہستہ چلتا تھا' دوڑتا تھا یا اس میں سست رفتاری تھی جب واپس تشریف لائے تو فرمایا ہم نے تمہارے اس گھوڑے کو سمندر پایا اس کے بعد اس سے کوئی گھوڑا آگے نہ نکل سکا۔

''صحیح بخاری کی ہی'' ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ اکیلے ہی گھوڑے کو ایڑ لگا کر چل پڑے پھر صحابہ کرام سوار ہوئے اور انہوں نے آپ کے پیچھے (اپنی سواریوں کو) ایڑ لگائی آپ نے فرمایا تم ہرگز خوف زدہ نہ ہو گے (نیز فرمایا) یہ گھوڑا (تیز رفتاری میں) سمندر (کی طرح) ہے اس دن کے بعد کوئی گھوڑا اس سے آگے نہ نکل سکا۔

آپ کا یہ فرمانا: کہ تم ہرگز خوف زدہ نہ ہو گے' کا مطلب یہ ہے کہ یہ خوف برقرار نہیں رہے گا یا ایسا خوف نہیں ہو گا جو تمہیں مار دے (تو یہ خوشخبری تھی)۔

اس حدیث شریف میں آپ کی بہادری کا بیان ہے کہ آپ صحابہ کرام سے پہلے دشمن کی طرف تشریف لے گئے یعنی جوں ہی آپ کو معلوم ہوا آپ نے جلدی کی اور صحابہ کرام کے وہاں پہنچنے سے پہلے واپس تشریف لے آئے۔

اس حدیث میں آپ کی بہت بڑی برکت اور معجزہ کا بیان بھی ہے کہ وہ گھوڑا جو آہستہ چلتا تھا اس میں تیزی آ گئی اور آپ نے جو فرمایا کہ ہم نے اس کو سمندر پایا اس کا یہی مطلب ہے یعنی تیز رفتار پایا۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے گھوڑوں میں ایک گھوڑا مندوب نامی تھا ہو سکتا ہے یہ گھوڑا حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے آپ کے پاس آیا ہو۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ہو سکتا ہے یہ دو گھوڑے ہوں اور دونوں کا ایک ہی نام ہو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

ما رایت اشجع ولا انجد من رسول اللہ ﷺ. (سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۰)

میں نے نبی اکرم ﷺ سے بڑھ کر کسی شخص کو زیادہ بہادر اور جوانمرد نہیں دیکھا۔

ابن اسحاق نے اپنی کتاب ''السیرۃ میں'' اور دوسرے حضرات نے بھی ذکر کیا کہ مکہ مکرمہ میں ایک طاقتور شخص تھا جو اچھا پہلوان تھا اور دوسرے علاقوں سے لوگ اس سے کشتی لڑنے آتے تو وہ ان کو پچھاڑ دیتا ایک دن وہ مکہ شریف کی ایک گھاٹی میں تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی اس سے ملاقات ہو گئی آپ نے فرمایا: اے رکانہ! کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اور میری دعوت کو قبول نہیں کرتے یا جو کچھ آپ نے فرمایا۔

رکانہ نے کہا اے محمد ﷺ! کیا آپ کی صداقت پر کوئی گواہ ہے؟ آپ نے فرمایا: بتاؤ اگر میں تمہیں پچھاڑ دوں تو تم

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ گے؟ اس نے کہا ہاں اے محمد! آپ نے فرمایا: کشتی لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ اس نے کہا میں تیار ہو گیا نبی اکرم ﷺ اس کے قریب ہوئے اور اس کو پکڑ کر پچھاڑ دیا۔

راوی کہتے ہیں: رکانہ کو اس پر تعجب ہوا پھر آپ نے اپنی بات کو دہرایا اور دوبارہ کشتی لڑنے کے لئے فرمایا دو تین مرتبہ ایسا ہوا تو رکانہ تعجب کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا اور کہا آپ کی شان عجیب ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۸۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۷۸، البدایۃ والنہایہ ج ۳ ص ۱۰۱، دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۵۰)

اس حدیث کو امام حاکم نے اپنی مستدرک میں ابوجعفر محمد بن رکانہ سے روایت کیا (یعنی یہی رکانہ) اور امام ابوداؤد، امام ترمذی نیز امام بیہقی نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

نبی اکرم ﷺ نے رکانہ کے علاوہ بھی ایک جماعت کو پچھاڑا ان میں ابوالاسود الجمعی بھی ہے جس طرح امام سہیل نے فرمایا اور امام بیہقی نے روایت کیا اور یہ شخص اس قدر سخت تھا کہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اور دس آدمی اس کے کناروں کو کھینچتے تاکہ اس کے پاؤں کے نیچے سے نکالیں چمڑا پھٹ جاتا لیکن اس کے پاؤں کے نیچے سے نہ نکلتا اس نے نبی اکرم ﷺ کو مقابلے کے لئے بلایا اور کہا اگر آپ مجھے پچھاڑ دیں تو میں آپ پر ایمان لاؤں گا نبی اکرم ﷺ نے اسے پچھاڑ دیا لیکن وہ ایمان نہ لایا اس کا طویل واقعہ ہے۔

"صحیح بخاری میں" حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بنو قیس کے ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ کیا غزوۂ حنین کے دن تم لوگ رسول اللہ ﷺ سے بھاگ گئے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ہم مال غنیمت کی طرف متوجہ ہوئے تو ان لوگوں نے ہم پر تیروں کی بارش کر دی اور میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ اپنی سفید خچر پر تھے اور ابوسفیان بن حارث نے اس کی لگام پکڑی ہوئی تھی اور آپ فرما رہے تھے:

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب. میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں (اور) میں عبدالمطلب کا بیٹا (پوتا ہوں)۔

یہ نبی اکرم ﷺ کی شجاعتِ تامہ کی انتہاء ہے کیونکہ ایسے دن میں آپ لڑائی کی شدت میں تھے اور آپ کا لشکر آپ سے بکھر گیا اور پھر یہ کہ آپ کی خچر تیز رفتار بھی نہ تھی اور وہ ادھر ادھر ہونے اور بھاگنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتی تھی اس کے باوجود آپ اسے ان لوگوں کی جانب ایڑ لگا رہے تھے اور اپنا نام بلند کر رہے تھے تاکہ وہ لوگ بھی آپ کو پہچان لیں جو نہیں پہچانتے (ﷺ)۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب لڑائی سخت ہو جاتی تو ہم نبی اکرم ﷺ کے ذریعے پناہ لیتے یعنی آپ کو آگے کرتے اور آپ دشمن کے سامنے اور ہم آپ کے پیچھے ہوتے۔

رسول اکرم ﷺ کا جود و کرم [1]

نبی اکرم ﷺ نہایت سخی، کریم تھے سخاوت ایک طبعی فطری وصف ہے اور اس کے مقابلے میں بخل اور لالچ ہے اور یہ نفسانی صفت کے لوازم میں سے ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

---

[1] (البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۴۴، الشفاء ج ۱ ص ۱۱۱)

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O (الحشر:۹) اور جس کو نفس کی لالچ اور بخل سے بچالیا گیا پس وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

تو انہی لوگوں کے لئے فلاح کا ذکر کیا گیا جو بخل سے بچتے ہیں اسی طرح جو خرچ کرتا ہے وہ بھی فلاح پاتا ہے ارشادِ خداوندی ہے:

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ O (البقرہ:۳) اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

پھر آخر میں فرمایا:

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O (البقرہ:۵) وہ لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح (کامیابی) پانے والے ہیں۔

اور فلاح' دونوں جہانوں کی سعادت کا جامع نام ہے۔ آدمی سے بخل (اور لالچ) تعجب خیز بات نہیں کیونکہ یہ فطری بات ہے البتہ طبعی طور پر اس کا سخی ہونا تعجب کی بات ہے۔

اور سخاوت' جود کے مقابلے میں زیادہ کامل ہوتی ہے۔ جود کے مقابلے میں بخل اور سخاوت کے مقابلے میں الشح (لالچ) ہے۔

جود اور بخل بطور عادت کسب کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں جب کہ شح (لالچ) اور سخاوت طبعی ضرورت سے ہیں پس ہر سخی' جواد ہوتا ہے اور ہر جواد' سخی نہیں ہوتا۔

جود میں ریاکاری بھی آجاتی ہے اور انسان اس لئے جود کرتا ہے کہ وہ مخلوق یا اللہ تعالیٰ سے کوئی غرض رکھتا ہے یعنی مخلوق سے تعریف اور اللہ تعالیٰ سے ثواب مقصود ہوتا ہے۔

لیکن سخاوت میں ریاکاری نہیں آتی کیونکہ وہ ایسے پاکیزہ نفس سے صادر ہوتی ہے جو اغراض سے بلند ہے۔ عوارف المعارف میں ایسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ [1]

اور نبی اکرم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ حسین' سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ سخی تھے۔ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔

اجود' اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو جود سے بنا ہے یعنی جس کے لئے جو مناسب ہے اسے وہ عطا کرنا اور معنیٰ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے تو جب آپ کا نفس مبارک تمام نفوس سے زیادہ حامل شرافت اور مزاج شریف سب سے زیادہ معتدل مزاج تھا تو ضروری تھا کہ آپ کا فعل بھی سب سے اچھا فعل ہو' آپ کی صورت مبارکہ بھی سب سے زیادہ حسین ہو۔

---

[1] سخاوت میں ریا کو دخل نہیں اس لئے کہ وہ ایسے نفس سے پیدا ہوتی ہے جو پاک ہے اور جس کی سرشت بلندی ہے ایسے بلند ہمت انسان سخاوت کے عوض دنیا اور آخرت کے معاوضہ کے خواہش مند نہیں ہوتے کیونکہ عوض طبعی سے بخل کا احساس ہوتا ہے۔

(عوارف المعارف ص ۴۲۹' مطبوعہ پروگریسو بکس اردو بازار لاہور)

اور آپ کے اخلاق بھی سب سے اچھے ہوں لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ آپ باقی رہنے والی نیکیوں کے ذریعے فانی چیزوں سے بے نیاز تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا صرف تین اوصاف کو ذکر کرنا جامع گفتگو سے ہے کیونکہ یہ تین باتیں اخلاق کی جڑ ہیں کیونکہ ہر انسان میں تین قوتیں ہوتی ہیں۔

۱۔ قوت غضبیہ ۔ اور اس کا کمال شجاعت ہے۔

۲۔ قوت شہوانیہ ۔ اور اس کا کمال جود ہے۔

۳۔ قوت عقلیہ ۔ اور اس کا کمال حکمت بھری گفتگو ہے۔

''صحیح مسلم کی'' ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے جو کچھ مانگا گیا آپ نے عطا فرمایا ایک شخص حاضر ہوا تو آپ نے دو پہاڑوں کے درمیان بکریاں عطا فرما دیں وہ اپنی قوم کی طرف گیا تو کہا اے قوم! اسلام لاؤ بے شک حضرت محمد ﷺ اس قدر عطا کرتے ہیں کہ فقر کا خوف نہیں رہتا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ نے ہی حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرماتے ہیں: کہ آپ نے مجھے عطا کیا جو عطا کیا آپ میرے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ ناپسندیدہ تھے لیکن آپ مجھے عطا کرتے رہے حتیٰ کہ آپ میرے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب قرار پائے۔

ابن شہاب فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو حنین کے دن ایک سو بکریاں دیں پھر ایک سو اور اس کے بعد ایک سو مزید عطا فرمائیں۔

واقدی کے مغازی میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس دن حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کو وادی بھری ہوئی بکریاں اور اونٹ عطا فرمائے حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اس قسم کا عمل کوئی نبی ہی خوشدلی سے کر سکتا ہے۔

حضرت ابن جابر پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے انہوں نے فرمایا:

ھذا الذی لا یتقی فقرا اذا	یعطی ولو کثر الانام و داموا
وادمن الانعام اعطی املا	فتحیرت لعطائہ الاوھام

''یہ وہ ذات ہے جسے عطا کرتے وقت فقر کا خوف نہیں ہوتا اگرچہ لوگ زیادہ ہوں اور ہمیشہ مانگتے رہیں وہ جانوروں کی بھری وادی عطا کرتے ہیں پس ان کی عطا پر عقلیں حیران رہ جاتی ہیں''۔

نبی اکرم ﷺ نے ان کو اس قدر مال اس لئے عطا فرمایا کہ آپ جانتے تھے کہ ان کی بیماری اس دوائی کے بغیر زائل نہیں ہوگی اور یہ (دوائی) احسان ہے پس نبی اکرم ﷺ نے ان کا علاج اس طرح کیا حتی کہ وہ کفر کی بیماری سے ٹھیک ہو گئے اور اسلام قبول کیا۔

اور یہ نبی اکرم ﷺ کی شفقت، رحمت اور مہربانی سے ہے کہ آپ نے ان سے کمال احسان کا معاملہ کیا اور جہنم کی آگ سے بچا کر جنت کے ٹھنڈے لطف کی طرف لے گئے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب نبی اکرم ﷺ کا وصف بیان کرتے تو یوں کہتے:

كان اجود الناس كفا واصدق الناس لهجة. — نبی اکرم ﷺ ہاتھ کے اعتبار سے سب سے زیادہ سخی اور زبان کے حوالے سے سب سے سچے تھے۔

ابن عدی ضعیف سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

انا اجود بنی آدم. — میں تمام انسانوں سے بڑھ کر سخی ہوں۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ص ۹۷' الترغیب والترہیب ج ۲ص ۳۲۰' فتح الباری ج اص ۴۱)

اور بلاشبہ نبی اکرم ﷺ مطلقاً تمام انسانوں سے بڑھ کر سخی تھے جیسا کہ آپ سب سے زیادہ فضیلت والے' سب سے زیادہ عالم' سب سے زیادہ بہادر اور تمام اوصاف حمیدہ میں سب سے زیادہ کامل ہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ جود وسخاوت کے تمام انواع کے ساتھ سخی تھے کہ آپ علم اور مال بھی عطا فرماتے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اس کے دین کے اظہار' بندوں کو ہدایت دینے اور ہر طریقے سے ان کو نفع پہنچانے' ان میں سے بھوکوں کو کھانا کھلانے' جاہلوں کو وعظ کرنے' ان کی حاجتوں کو پورا کرنے اور ان کے بوجھوں کو برداشت کرنے کے سلسلے میں اپنی ذات والاصفات کے ذریعے کوشش کرتے۔

حضرت ابن جابر نے کیا خوب کہا:

يروى حديث الندى والبشر عن يده — ووجهه بين منهل ومنسجم

من وجه احمد لى بدر ومن يده — بحر ومن فمه در لمنتظم

يمم نبيا تبارى الريح انمله — والمزن من كل هام الودق مرتكم

لو عامت الفلك فيما فاض من يده — لم تلق اعظم بحر منه ان تعم

تحيط كفاه بالبحر المحيط فلذ — به ودع كل طامى الموج ملتطم

لو لم تحط كفه بالبحر ما شملت — كل الأنام وروت قلب كل ظمى

''آپ کی سخاوت اور خندہ پیشانی کی حدیث آپ کے دست مبارک سے روایت کی جاتی ہے' اور آپ کے روئے انور (دید کی پیاسی نظروں کے لئے) پانی گرنے کی جگہ اور چشمہ ہے' آپ کے چہرے سے میرے لئے چودھویں کا چاند اور آپ کے دست مبارک سے سمندر ہے' اور موتی پرونے والے کے لئے آپ مونہہ سے موتی ہیں' اس نے ایسے نبی کا قصد کیا جس کی انگلیوں کی پوریں ہوا اور موسلا دھار بارش برسانے والے بادل سے مقابلہ کرتی ہیں' اگر افلاک ان کی سخاوت کے سمندر میں غوطہ لگائیں تو اس سے بڑا سمندر نہیں پائیں گے' ان کے دونوں ہاتھ بحر محیط کو گھیرے ہوئے ہیں' ان ہاتھوں کی پناہ لے اور ٹھاٹھیں مارتی موج کو بھول جا' اگر ان کا دستِ مبارک سمندر کو محیط نہ ہوتا تو جہان بھر کو شامل نہ ہوتا اور نہ ہی پیاسے دلوں کو سیراب کرسکتا۔ تو وہ ذات پاک ہے جس نے آپ کی مبارک پیشانی کے افق میں جمال کے انوار چمکائے اور آپ کے دائیں ہاتھ کے بادلوں کو بارش برسانے والے بادل بنادیا''۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

ما سئل رسول اللہ ﷺ عن شی قط فقال لا۔ نبی اکرم ﷺ سے جو کچھ بھی مانگا گیا آپ نے کبھی بھی ''نہ'' نہیں فرمایا۔

یعنی ایسا نہیں ہوا کہ آپ سے دنیا کی کوئی چیز مانگی گئی ہو اور آپ نے انکار کیا ہو۔

فرزدق شاعر (ہمام بن غالب التمیمی الدارمی ۱۱۰ھ میں بصرہ میں وفات پائی) (الاعلام ج ۸ ص ۹۳' فیات الاعیان ج ۲ ص ۱۹۶' الاغانی ج ۹ ص ۳۶۷' شعر والشعراء ص ۴۴۲) نے کہا:

ما قال لا قط الا فی تشہدہ لو لا التشہد کانت لاؤہ نعم

''آپ نے تشہد کے علاوہ کبھی بھی ''لا'' نہیں فرمایا اور اگر تشہد نہ ہوتا تو آپ کا ''لا'' بھی نعم (یعنی ہاں) ہوتا''۔

لیکن ہمارے شیخ المشائخ حضرت حافظ ابوالفضل ابن حجر (عسقلانی رحمۃ اللہ) نے فرمایا اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ سے جو کچھ بھی مانگا جاتا آپ لازماً عطا فرماتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ سوال کو رد نہ فرماتے بلکہ اگر آپ کے پاس ہوتا تو عطا فرماتے اگر آسانی سے عطا کیا جا سکتا ورنہ خاموش رہتے وہ فرماتے ہیں اس کا بیان حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کی ایک مرسل روایت میں ہے جسے ابن سعد نے نقل کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

جب آپ سے کچھ مانگا جاتا اور آپ عطا کرنا چاہتے تو نعم (ہاں) فرماتے اور اگر عطا کرنا نہ چاہتے تو خاموش رہتے۔

اور یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے قریب ہے کہ آپ نے کسی کھانے میں کبھی بھی عیب نہیں بتایا اگر چاہتے تو تناول فرماتے ورنہ چھوڑ دیتے۔

حضرت شیخ عزالدین بن عبدالسلام رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ عطا نہ فرماتے تو ''لا'' نہ فرماتے اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ آپ عذر پیش کرتے ہوئے بھی یہ بات نہ فرماتے جیسے ارشادِ خداوندی ہے:

قلت لا اجد ما احملکم علیہ۔ آپ فرماتے ہیں میں وہ چیز نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کروں۔

اور ان دو باتوں میں فرق پوشیدہ نہیں یعنی ''میں وہ چیز نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کروں'' اور ''میں تمہیں سوار نہیں کرتا''۔

اور یہ اس بات کی مثل ہے جو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب اشعریوں نے نبی اکرم ﷺ سے سواریاں طلب کیں تو آپ نے فرمایا:

ما عندی ما احملکم۔ میرے پاس وہ چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کروں۔

لیکن اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ آپ نے قسم کھائی کہ آپ ان کو سوار نہیں کریں گے پس فرمایا:

واللہ لا احملکم۔ اللہ کی قسم میں تم لوگوں کو سوار نہیں کروں گا۔

تو ممکن ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے عموم سے اس بات کو خاص کیا گیا ہو کہ جب آپ سے وہ چیز مانگی

جاتی جو آپ کے پاس نہ ہوتی اور سائل کو معلوم ہوتا کہ یہ چیز آپ کے پاس نہیں ہے یا جب خاموشی پر اکتفاء وقت اور مقام کا تقاضا نہ ہوتا یا سائل کی حالت کا تقاضا ہوتا کہ جواب دیں گویا وہ عادت سے واقف نہ ہوتا تو اس وقت سائل کی حاجت کے باوجود آپ کی خاموشی سے وہ بار بار سوال کرتا۔

تو اس پر قسم کھانا سائل کی طمع کو ختم کرنے کے لئے تھا اور ان دو قولوں یعنی ''میں وہ چیز نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کروں'' اور ''اللہ کی قسم میں تمہیں سوار نہیں کروں گا'' کو جمع کرنے میں راز یہ ہے کہ پہلا قول اس بات کو بیان کرنے کے لئے تھا کہ آپ سے جو کچھ مانگا گیا وہ آپ کے پاس نہیں اور دوسرے قول میں اس بات کا بیان ہے کہ آپ صرف اسی سوال کو پورا کرنے میں تکلف فرماتے جو قرض مانگنے کی صورت میں ہوتا یا بطور ہبہ مانگا جاتا کیونکہ اس صورت میں مجبور کرنا نہ پایا جاتا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں نوے ہزار درہم پیش کئے گئے اور ان کو چٹائی پر رکھا گیا پھر آپ کھڑے ہوئے اور تقسیم کرنے لگے تو کسی سائل کو رد نہیں کیا حتی کہ ان سے فارغ ہو گئے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے فرمایا: کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا میرے پاس کچھ نہیں لیکن تم میری طرف سے خریداری کر لو جب ہمارے پاس کچھ آ جائے گا تو ہم قرض ادا کر دیں گے' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کام کا مکلف نہیں بنایا جس پر آپ قادر نہیں ہیں۔

تو رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا اس پر ایک انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ! خرچ کیجئے اور عرش والے کی طرف سے محتاجی کا خوف نہ کیجئے نبی اکرم ﷺ نے تبسم فرمایا اور آپ کے چہرۂ انور سے خوشی ظاہر ہونے لگی اور فرمایا مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔ (شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۱' الشفاء ج ۱ ص ۱۱۳)

آپ نے مصلحت کے تحت یہ عمل اختیار کیا مثلاً اس شخص کو مانوس کرنا مقصود تھا۔

ابن فارس نے اپنی کتاب ''اسماء النبی ﷺ'' میں ذکر کیا کہ غزوۂ حنین میں ایک خاتون نے حاضر ہو کر ایک شعر پڑھا جس میں ہوازن قبیلے میں آپ کے دودھ پینے کا تذکرہ تھا تو جو کچھ ان سے (بطور مال غنیمت) لیا گیا تھا آپ نے واپس کر دیا اور انہیں بہت سا مال عطا کیا حتی کہ اس دن کے عطیہ کی قیمت لگائی گئی تو وہ پانچ کروڑ مالیت کا تھا۔

ابن دحیہ نے کہا کہ یہ انتہائی درجہ کی سخاوت تھی کبھی نہیں سنا گیا کہ ایسی سخاوت پائی گئی ہو۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ آپ کے پاس بحرین سے مال آیا تو آپ نے مسجد میں ڈال دیا اور یہ آپ کے پاس آنے والے مالوں میں سے سب سے زیادہ تھا آپ مسجد کی طرف تشریف لے گئے اور اس کی طرف توجہ نہ فرمائی جب نماز ہو چکی تو تشریف لائے اور اس کے پاس بیٹھ گئے اور جس کو بھی دیکھا عطا فرمایا اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور عرض کیا مجھے عطا کیجئے۔ میں نے اپنے آپ کا اور عقیل کا فدیہ ادا کیا (اور قید سے چھوٹے) آپ نے فرمایا: لے لیجئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے کپڑے میں ڈالا پھر اٹھانے لگے تو اٹھا نہ سکے عرض کیا یا رسول اللہ! کسی کو حکم دیں کہ وہ اٹھانے میں میری مدد کرے آپ نے فرمایا: نہیں انہوں نے عرض کیا آپ خود اٹھوائیں فرمایا: نہیں چنانچہ انہوں نے اس میں سے کچھ کم کیا پھر اٹھانے لگے تو اٹھا نہ سکے عرض کیا یا رسول اللہ! کسی کو حکم

دیں کہ وہ اٹھانے میں میری مدد کرے آپ نے فرمایا: نہیں‘ انہوں نے عرض کیا آپ خود اٹھوا دیں فرمایا نہیں‘ پھر اس میں سے کچھ نکالا اور اٹھا کر کاندھے پر رکھا اور چل پڑے‘ نبی اکرم ﷺ ان کی حرص پر تعجب کرتے ہوئے مسلسل ان کی طرف دیکھتے رہے حتیٰ کہ وہ غائب ہو گئے اور جب تک ایک درہم بھی باقی تھا نبی اکرم ﷺ وہاں سے نہیں اٹھے (تقسیم کر کے تشریف لے گئے)۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۱۶۵‘ السنن الکبری ج ۶ ص ۳۵۶‘ مطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۶۴۷‘ تاریخ دمشق ج ۷ ص ۲۳۴‘ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۰۰‘ تغلیق التعلیق رقم الحدیث: ۲۲۴۔۹۹۲)

ابن ابی شیبہ نے حمید بن ہلال کے طریق سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ ایک لاکھ درہم کا مال تھا اور یہ مال علاء بن حضرمی نے بحرین سے بھیجا تھا فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آنے والا یہ سب سے پہلا مال تھا۔

(غزوۂ ذات الرقاع سے واپسی پر) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں سواری پیش کی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ تمہارا اونٹ ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ آپ کا ہے میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ نے فرمایا بلکہ تم اسے مجھ پر بیچو چنانچہ انہوں نے بیچ دیا اور آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس کی قیمت ادا کر دیں پھر آپ نے فرمایا قیمت بھی لے جائیں اور اونٹ بھی‘ اللہ تعالیٰ تمہیں ان دونوں میں برکت عطا فرمائے۔

اور یہ عمل آپ نے ان کے اس قول کے بدلے میں اختیار فرمایا جو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ آپ کا ہے چنانچہ آپ نے ان کو رقم بھی دے دی اور اونٹ بھی واپس کر دیا اور ان دونوں میں برکت کے لئے دعا بھی فرمائی۔

نبی اکرم ﷺ کی سخاوت سب کی سب اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے تھی آپ کبھی کسی محتاج فقیر پر مال خرچ کرتے اور کبھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں اور کبھی مال کے ذریعے ایسے شخص کے دل کو اسلام کی طرف نرم کرتے جس کے اسلام لانے سے اسلام کو طاقت حاصل ہوتی۔

اور نبی اکرم ﷺ اپنے آپ اور اپنی اولاد پر ترجیح دیتے اور اس قدر عطا فرماتے کہ اس سے کسریٰ اور قیصر جیسے حکمران عاجز آ جاتے اور خود فقر کی زندگی گزارتے ایک ایک دو دو مہینے تک آپ کے گھر میں آگ نہ جلتی اور بعض اوقات بھوک کی وجہ سے پیٹ مبارک پر پتھر باندھتے تھے۔

اور نبی اکرم ﷺ کے پاس قیدی آئے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے گھر کے کام کاج کی وجہ سے پہنچنے والی مشقت کی شکایت کرتے ہوئے آپ سے خادم طلب کیا تاکہ وہ گھر کے کاموں میں آپ کی مدد کرے لیکن نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ وہ ''سبحان اللہ‘ اللہ اکبر اور الحمد للہ'' (پڑھنے) کے ذریعے مدد حاصل کریں اور فرمایا: میں (ان قیدیوں میں سے کوئی خادم) تمہیں نہیں دوں گا اور فرمایا: اہلِ صفہ (فقراء) کو بلاؤ بھوک کی وجہ سے ان کے پیٹ دہرے ہو گئے ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۴۱‘ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۹۷۸)

ایک خاتون ایک چادر لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کو یہ چادر پہناتی ہوں تو آپ نے اس کی ضرورت سمجھتے ہوئے اسے لے کر پہن لی صحابہ کرام میں سے کسی صحابی نے دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کتنی اچھی چادر ہے مجھے پہنا دیں آپ نے فرمایا ہاں جب نبی اکرم ﷺ تشریف لے گئے تو صحابہ کرام نے اس صحابی کو ملامت کیا اور کہا کہ تم نے اچھا نہیں کیا تم دیکھتے ہو کہ رسول اکرم ﷺ کو اس کی ضرورت ہے پھر بھی تم نے مانگ لی اور تم جانتے ہو کہ

آپ سے کچھ مانگا جائے تو آپ انکار نہیں کرتے۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ [1]

ابن ماجہ اور طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ہاں ٹھیک ہے جب گھر تشریف لے گئے تو اس چادر کو لپیٹ کر اس کی طرف بھیج دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۷۷-۲۰۹۳-۵۸۱۰-۶۰۳۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۵۵ مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۲-۲۲۴ سنن نسائی ج ۸ ص ۲۰۴)

امام طبرانی نے حضرت زمعہ بن صالح رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بات بھی نقل کی کہ آپ نے اپنے لئے دوسری چادر بنانے کا حکم دیا لیکن اس کے تیار ہونے سے پہلے آپ کا وصال ہو گیا۔

اس حدیث سے آپ کے حسن اخلاق اور سخاوت کی وسعت دونوں باتوں کا پتہ چلتا ہے۔

اکابر صوفیا کرام نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ مرید کے لئے جائز ہے کہ مشائخ سے خرقۂ تصوف طلب کرے تا کہ ان بزرگوں اور ان کے لباس سے برکت حاصل کرے جس طرح وہ شیخ کے مرید کو لباس (جبہ وغیرہ) پہنانے پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ام خالد کو سیاہ رنگ کا جبہ جس پر بیل بوٹیاں تھیں پہنایا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۲۳-۵۸۴۵)

لیکن ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا: کہ جو کچھ ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے خرقہ پہنا تو ابن دحیہ اور ابن الصلاح نے فرمایا کہ یہ باطل ہے۔

اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اس کے طرق روایت میں سے کوئی بات بھی ثابت نہیں اور کسی صحیح، حسن اور ضعیف روایت میں یہ بات نہیں آئی کہ نبی اکرم ﷺ نے اس طریقے پر جو صوفیاء کرام کے درمیان معروف ہے کسی صحابی کو خرقہ پہنایا ہو اور نہ ہی کسی صحابی کو ایسا کرنے کا حکم دیا اور اس سلسلے میں جو کچھ واضح الفاظ میں مروی ہے وہ باطل ہے۔

فرمایا: پھر جھوٹ گھڑنے والے کا ایک جھوٹ یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ کو خرقہ پہنایا کیونکہ ائمہ حدیث کے نزدیک حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سماع ہی ثابت نہیں چہ جائیکہ آپ ان کو خرقہ پہناتے۔

اسی طرح دمیاطی، ذھبی، العلاء، مغلطائی، عراقی، ابناسی (ابراہیم بن موسیٰ بن ایوب برہان الدین ابو اسحاق الابناسی)، حلبی اور دوسرے بزرگوں رحمۃ اللہ نے بھی یہی بات فرمائی ہے حالانکہ ان میں سے ایک جماعت نے قوم کی مشابہت میں خرقہ پہنا اور پہنایا ہے۔ (الاعلام ج ۱ ص ۷۵، شذرات الذہب ج ۷ ص ۱۳، الضوء اللامع ج ۱ ص ۱۷۲)

ہاں ان کا خرقہ پہننا کمیل بن زیادہ (نخعی) کی صحبت میں ثابت ہے اور کمیل کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صحبت حاصل تھی اس صحبت میں جرح وتعدیل کے ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔

(الاعلام ج ۵ ص ۲۳۴، الاصابہ ج ۵ ص ۳۲۵، طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۱۷، تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۴۷)

---

[1] نبی اکرم ﷺ نے فقراء پر شفقت کو مقدم رکھا اور اپنی لخت جگر کو خدمت کے لئے غلام نہ دیا آج کے دور میں اہل اقتدار قوم کے مال میں جس طرح خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں انہیں اسوۂ رسول ﷺ کو سامنے رکھنا چاہیے۔ ۱۲ ہزاروی

اور بعض طرق میں اس کا اتصال حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ تک ہے اور وہ حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے ساتھ اکٹھے ہوئے اور اس صحبت پر کوئی طعن نہیں اور کئی اکابر محض صحبت پر اکتفا کرتے ہیں جس طرح شاذلیہ اور ہمارے شیخ ابواسحاق المتبولی رحمۃ اللہ اور شیخ یوسف عجمی رحمۃ اللہ تلقینِ ذکر' وعدہ لینے اور خرقہ پہننے کو جمع کرتے تھے اور اس سلسلے میں ''ریحان القلوب کے نام سے'' ان کا ایک رسالہ بھی ہے میں نے وہ رسالہ ان کے پوتے العارف المسلک سیدی علی رحمۃ اللہ کے سامنے پڑھا اور انہوں نے مجھے خرقہ پہنایا' تلقینِ ذکر کی اور وعدہ لیا۔

اور شیخ قطب الدین القسطلانی رحمۃ اللہ کا ایک رسالہ ''الرتبۃ فی اللباس والصحبۃ کے نام سے'' ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرمائے۔

فصل نمبر۳

نبی اکرم ﷺ کی ضروریاتِ زندگی جیسے غذا' لباس' نکاح وغیرہ [1]

اس میں چار انواع ہیں۔

پہلی نوع

کھانے پینے کے سلسلے میں آپ کا گزرانِ زندگی

ضرورت کے مطابق کھانا

کھانا' کھانا ایک بہت بڑا اصل اور بنیاد ہے جو بہت سے علوم کا محتاج ہے کیونکہ یہ دینی اور دنیوی مقاصد حسنہ پر مشتمل ہے اور اس کا تعلق دل اور جسم سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا قانون اسی طرح جاری ہے کہ اس کے ذریعے بدن قائم رہتا ہے اور جسم' دل کی سواری ہے اور اسی کے ذریعے دنیا اور آخرت کی آبادی ہے اور تنہا جسم حیوانی طبیعت پر ہے جس کے ذریعے صرف دنیا کو آباد کرنے پر مدد لی جاسکتی ہے جب کہ روح اور دل فرشتوں کی طبیعت پر ہیں جن کے ذریعے آخرت کو آباد کرنے پر مدد لی جاتی ہے اور ان دونوں کے اجتماع سے دونوں جہانوں کی تعمیر کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] (طبقات ابن سعد ج ا ص ۳۹۸ ـ ۳۴۷' الشفاء ج ا ص ۸۳)

اور ملاقات تک رسائی کا طریقہ علم اور عمل ہے اور ان دونوں کا دوام بدن کی سلامتی پر موقوف ہے اور بدن کی سلامتی اسی وقت صاف اور درست ہوتی ہے جب کھانا اور رزق حاصل ہو اور اس میں سے ضرورت کے مطابق مختلف اوقات میں کھائے اسی لئے بعض نیک اسلاف نے فرمایا کہ کھانا دین میں سے ہے اور اس پر تمام جہانوں کے رب نے جو سب سے زیادہ سچا ہے یوں فرمایا:

کلوا من الطیبات واعملو صالحا. پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ اور اچھے کام کرو۔

پس جو شخص کھانا اس لئے کھاتا ہے کہ اس کے ذریعے علم و عمل پر مدد حاصل کرے اور تقویٰ کی قوت حاصل ہو تو اس کے لئے مناسب نہیں کہ اپنے نفس کو کھلی چھٹی دے اور اسے اس طرح کھانے کے لئے چھوڑ دے جس طرح جانور کو چراگاہ میں چھوڑا جاتا ہے کیونکہ یہ کھانا دین کی طرف ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے مناسب ہے کہ آدمی پر دین کے انوار ظاہر ہوں اور دین کا نور' آداب اور سنن دین کے ذریعے بندے کو لگام ڈالی جاتی ہے اور یہی متقی لوگوں کی لگام ہے حتی کہ شریعت کی میزان میں جس کا وزن ہوتا ہے وہ کھانے کی خواہش ہے اس کا اقدام ہو یا اس کے لگام ڈالی جائے۔

پس اس کے سبب سے (گناہ کا) بوجھ دور کیا جاتا ہے اور اجر حاصل ہوتا ہے۔

سیر ہو کر کھانے کی بدعت

یہ بات بھی جاننا ضروری ہے کہ سیر ہو کر کھانے کی بدعت پہلی صدی کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔

امام نسائی اور ابن ماجہ نے روایت نقل کی ہے اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا کہ حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما ملا ابن آدم وعاء شراً من بطنه حسب الادمی لقیمات یقمن صلبه فان غلبت الادمی نفسه فثلث للطعام و ثلث للشراب و ثلث للنفس.

انسان اپنے پیٹ سے زیادہ برا برتن نہیں بھرتا آدمی کے لئے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ کو سیدھا رکھیں اور اگر آدمی پر اس کا نفس (خواہش) غالب آ جائے تو ایک تہائی کھانے کے لئے ایک تہائی پینے کے لئے اور ایک تہائی سانس لینے کے لئے ہو۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۸۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۴۹' مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۲' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۱۳' المستدرک ج ۴ ص ۳۳۱' کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۷۸' الشفاء ج ۱ ص ۸۵' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۱۹۲' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۳۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۳۸۷' المغنی ج ۲ ص ۴' الدر المنثور ج ۳ ص ۸۰' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۰۳' تفسیر قرطبی ج ۷ ص ۱۹۲' فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۴۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۰۸۷۰)

حضرت امام قرطبی رحمۃ اللہ نے ''الاسماء کی شرح میں'' فرمایا: جیسا کہ شیخ الاسلام والحفاظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے نقل کیا فرماتے ہیں: اگر ''بقراط'' اس تقسیم کے بارے میں سنتا تو اس حکمت پر تعجب کرتا۔

دوسرے حضرات نے فرمایا: کہ ان تین باتوں کو ذکر کرنے میں خاص کیا کیونکہ یہ حیوانی زندگی کے اسباب ہیں نیز پیٹ میں ان تین چیزوں کے علاوہ کچھ نہیں داخل ہوتا۔

اور کیا تہائی کا ذکر ان تینوں کے درمیان مساوات ہے جیسا کہ حدیث شریف سے ظاہر ہے یا تینوں پر قریب تقسیم کرنا ہے؟ یہ محل احتمال ہے۔

صحیح حدیث سے ثابت ہے فرمایا:

المومن یاکل فی معی واحد والکافر یاکل فی سبعة امعاء. مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔

صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۹۳_۵۳۹۶_۵۳۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۲_۱۸۴_۱۸۵' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۱۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۵۶_۳۲۵۷_۳۲۵۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۱_ ج ۳ ص ۳۵۷_ ج ۶ ص ۳۳۵' سنن دارمی ج ۲ ص ۹۹' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۹۶۹' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۳۸۹' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۲_۳۳' مشکل الآثار ج ۲ ص ۴۰۷' تاریخ الکبیر ج ۴ ص ۱۹۹' تفسیر قرطبی ج ۷ ص ۱۹۲' المغنی رقم الحدیث: ۹/۷' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۳۴۷' العلل رقم الحدیث: ۱۵۴۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۶۷۰_۶۸۰)

اور یہاں حقیقتِ عدد مراد نہیں سات کی تخصیص کثرت بیان کرنے میں مبالغہ ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ مومن کی شان ہے کم کھانا ہے کیونکہ اس نے عبادت کے اسباب میں مشغول ہونا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کھانے سے شریعت کا مقصد بھوک کا ازالہ کرنا اور عبادت پر مدد حاصل کرنا ہے نیز اس بات کا خوف بھی کہ زائد کا حساب دینا ہوگا جب کہ کافر کا معاملہ اس کے خلاف ہے۔

اور اہلِ تشریح کہتے ہیں کہ انسان کی آنتیں سات ہیں ایک معدہ ہے پھر اس سے متصل تین آنتیں ہیں ان کے نام ''بواب'' ''صائم'' اور ''رقیق'' ہے اور یہ تینوں پتلی باریک ہیں پھر ''اعور'' ''قولون'' ''مستقیم'' اور ''طرفۃ الدبر'' ہے اور یہ تمام سخت موٹی ہیں زین الدین عراقی نے ان کا ذکر یوں کیا ہے:

سبعة امعاء لکل آدمی معدة بوابها مع صائم
ثم الرقیق اعور قولون مع المستقیم مسلک المطاعم

''ہر آدمی کی سات آنتیں ہیں معدہ اور بواب' صائم کے ساتھ پھر رقیق' اعور' قولون' مستقیم کے ساتھ کھانے کے راستے ہیں''۔

پس معنیٰ یہ ہے کہ کافر حرص کی وجہ سے کھاتا ہے اس لئے جب تک ساتوں آنتیں بھر نہ جائیں وہ سیر نہیں ہوتا اور مؤمن کی ایک آنت بھر جائے تو سیر ہو جاتا ہے۔

اور اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ بات ہر مؤمن اور ہر کافر کے بارے میں ہے کیونکہ مؤمنوں میں سے بعض زیادہ کھاتے ہیں اور اس کی وجہ یا تو عادت ہوتی ہے یا کوئی مرض وغیرہ۔

اور کافروں میں سے بعض تھوڑا کھانا کھاتے ہیں اور اس کی وجہ یا تو یہ ہوتی ہے کہ وہ ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق صحت کا خیال رکھتے ہیں یا کسی مذہبی رہنما کے کہنے پر ریاضت کرتے ہیں اور یا معدے کی کمزوری لاحق ہونے کی وجہ سے اس طرح کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ زہد پر حریص اور جو مل جائے اس پر راضی ہو جب کہ کافر کا معاملہ یہ نہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ مؤمن کھاتے اور پیتے وقت ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھتا ہے پس شیطان اس کے کھانے میں شریک نہیں ہوتا لہٰذا اسے تھوڑا کھانا ہی کافی ہوتا ہے جب کہ کافر کا مسئلہ اس کے برخلاف ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس حدیث سے جس مؤمن کا ذکر ہے اس سے کامل ایمان والا شخص مراد ہے کیونکہ اس کے حسنِ اسلام اور کمالِ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی فکر موت اور اس کے بعد کی طرف متوجہ رہتی ہے لہٰذا خوف کی شدت' فکر کی کثرت اور اپنے نفس پر خوف اسے خواہش کی تکمیل سے روکتا ہے جس طرح حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من کثر تفکرہ قل مطعمہ و من قل تفکرہ کثر مطعمہ و قسا قلبہ.

جو شخص زیادہ سوچتا ہے وہ کم کھاتا ہے اور جس کی سوچ کم ہو اس کا کھانا زیادہ ہوتا ہے اور دل سخت ہوتا ہے۔

اور بزرگانِ دین فرماتے ہیں: اس معدے میں حکمت داخل نہیں ہوتی جو کھانے سے بھرا ہوا ور جس کا کھانا کم ہوگا اس کا پینا کم اور نیند ہلکی ہوگی اور جو کم سوئے اس کی عمر میں برکت ہوتی ہے اور جو شخص اپنے پیٹ کو بھرتا ہے وہ پانی زیادہ پیتا ہے اور جو پانی زیادہ پیتا ہے اس پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے اور جس پر نیند بھاری ہو اس کی عمر کی برکت مٹ جاتی ہے۔

پس جب سیر ہوئے بغیر اکتفاء کرے تو بدن کی غذا اچھی ہوتی ہے اور اس کے نفس اور دل کا حال اچھا ہوتا ہے اور جو شخص کھانے سے پیٹ کو بھر دے اس کے بدن کی غذا بری ہوتی ہے' اس کا نفس فاسد اور دل سخت ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان اھل الشبع فی الدنیا ھم اھل الجوع غدا فی الاخرۃ.

جو لوگ دنیا میں سیر ہو کر کھاتے ہیں وہ کل آخرت میں بھوکے ہوں گے۔

(المعجم الکبیر ج۱۱ص ۲۶۷' مجمع الزوائد ج۱۰ص ۲۵۰' اتحاف السادۃ المتقین ج۷ص ۳۹۱' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۶۳۱۹' الترغیب و الترہیب ج۳ص ۱۳۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۶۱۵۶)

حضرت سلمان اور ابوجحیفہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان اکثر الناس شبعا فی الدنیا اطولھم جوعا فی الاخرۃ.

بے شک جو لوگ دنیا میں زیادہ سیر ہو کر کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن بھوکے ہوں گے۔

(حلیۃ الاولیاء ج۱ص ۱۹۸' الضعفاء ج۳ص ۳۶۰)

رسول اکرم ﷺ کے گھر میں کھانے کی قلت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا بطن مبارک کبھی سیر ہونے کی وجہ سے نہیں بھرا آپ اپنے گھر والوں سے کبھی کھانا طلب نہ فرماتے اور نہ ہی اس کی خواہش رکھتے اگر وہ دیتے تو کھا لیتے اور جو کچھ دیتے قبول فرماتے اور جو کچھ پلاتے آپ نوش فرما لیتے۔

حضرت ام المؤمنین کا یہ فرمانا کہ سرکار دو عالم ﷺ کا بطن مبارک سیر ہونے کی وجہ سے نہیں بھرا یہ اس بات پر محمول

ہے کہ ایسا سیر ہونا نہیں پایا گیا جس کی وجہ سے معدے پر بوجھ پڑے اور آدمی عبادت کے لئے کھڑا نہ ہو سکے بلکہ وہ متکبر اور مغرور ہوئے نیز نیند اور سستی تک جا پہنچے بلکہ بعض اوقات یہ کراہت' حرمت تک پہنچ جاتی ہے کہ اس سے کئی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں' عام عادت کے مطابق سیر ہونے کی نفی نہیں ہے" "صحیح مسلم میں ہے کہ" نبی اکرم ﷺ ' حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھوک کی وجہ سے ایک انصار کے گھر تشریف لے گئے اور انہوں نے بکری ذبح کی اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب سیر ہوئے اور پانی سے سیراب ہو گئے۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سیر ہو کر کھانا جائز ہے اور جو کراہت آئی ہے وہ ہمیشہ سیر ہو کر کھانے پر محمول ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

ما شبع آل محمد ﷺ من طعام ثلاثة ایام تباعا حتی قبض.

حضرت محمد ﷺ کے گھر والوں نے مسلسل تین دن سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ ﷺ یبیت اللیالی المتتابعة واھلہ طاویا لا یجدون عشاء وانما کان خبزھم الشعیر.

نبی اکرم ﷺ اور آپ کے گھر والے مسلسل کئی راتیں خالی پیٹ رہتے شام کا کھانا نہ پاتے اور ان کی روٹی جو کی ہوتی۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا۔

حضرت مسعر رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام مسلم نے نقل کیا ہے اس میں اس طرح ہے:

ما شبع ال محمد یومین من خبز البر الا واحدھما تمر.

حضرت محمد ﷺ کی آل دو دن بھی گندم کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھاتی مگر ان میں سے ایک دن کھجوریں ہوتیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۱۶_۶۴۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰_۲۵_۳۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۴۴' سنن نسائی ج ۷ ص ۲۳۶' مسند احمد ج ۲ ص ۹۸_ ج ۴ ص ۴۴۲_ ج ۶ ص ۱۲۸' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۱۴' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۱۹۳_ ۵۲۳۷' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۱۸۷)

حضرت عمران بن زید مدنی فرماتے ہیں: مجھ سے میرے والد نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں: کہ ہم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا: آپ (یعنی حضور علیہ السلام) دنیا سے یوں تشریف لے گئے کہ ایک دن بھی آپ نے دو کھانوں سے پیٹ نہیں بھرا اگر آپ کھجوریں پیٹ بھر کر کھاتے تو جو سیر ہو کر نہ کھاتے اور اگر جو سیر ہو کر کھاتے تو کھجوروں سے سیر نہ ہوتے۔

اس حدیث میں اس بات پر دلالت نہیں ہے کہ آپ دو قسم کے کھانے جمع نہیں فرماتے تھے کیونکہ (یہ بات ثابت ہے کہ) آپ ککڑی (تر) اور کھجور ملا کر کھاتے جیسا کہ آگے آئے گا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی کریم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا تو فرمایا: اللہ کی قسم شام کے وقت آل محمد ﷺ کے پاس کوئی کھانا نہ تھا اور بیشک یہ سات گھر تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قسم آپ نے یہ بات اللہ تعالیٰ کے رزق کو کم سمجھتے ہوئے نہیں فرمائی بلکہ آپ کا ارادہ امت کی خیر خواہی تھا۔ اسے دمیاطی نے سیرت سے متعلق اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ دنیا سے تین چیزوں کو پسند کرتے تھے' خوشبو' عورتیں اور کھانا' پس آپ کو دو چیزیں حاصل ہوئیں اور ایک حاصل نہ ہوئی عورتوں اور خوشبو تک آپ کی رسائی ہوتی لیکن کھانے تک نہیں ہوتی۔ یہ روایت بھی دمیاطی نے نقل کی ہے۔

شمائل ترمذی میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے تمہارے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ کے پاس ادنیٰ کھجوریں بھی اتنی نہ تھیں جن سے شکم سیری حاصل ہوتی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۶' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۴۶' البدایۃ والنہایہ ج۶ ص ۵۴)

صحیح مسلم کی روایت میں ہے:

قالت عائشة ان كنا آل محمد نمكث شهرا ما نستوقد بنار ان هو الا الماء والتمر.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم آل محمد ﷺ ایک مہینہ یوں گزارتے کہ آگ نہ جلاتے صرف پانی اور کھجوروں پر گزارہ کرتے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۷۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۴۴)

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں اور میں سات میں سے ساتواں تھا ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھے اور ہمارے لئے کانٹے دار درخت کے پتوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا حتی کہ ہمارے منہ کا اندرون حصہ زخمی ہو جاتا۔

''صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے فرماتی تھیں: اے بھانجے! اللہ کی قسم ہم چاند دیکھتے پھر دوسرا پھر تیسرا چاند دیکھتے دو مہینوں میں تین چاند (دیکھتے) [1] اور رسول اکرم ﷺ (کی ازواج مطہرات) کے گھروں میں آگ نہ جلتی فرماتے ہیں: میں نے پوچھا اے خالہ! آپ کس پر گزارہ کرتے تھے؟ فرمایا: دو سیاہ چیزیں ایک کھجور اور دوسرا پانی' البتہ رسول اکرم ﷺ کے انصاری پڑوسی تھے جن کے پاس عطیہ کے جانور تھے تو وہ حضور ﷺ کی خدمت میں ان کا دودھ بھیجتے تو آپ ہمیں وہ دودھ پلاتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۶۷_۶۴۵۸_۶۴۵۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۴۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸' البدایۃ والنہایہ ج۶ ص ۵۳)

''صحیح مسلم میں ہے'' ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ دنیا سے یوں تشریف لے گئے کہ آپ نے ایک دن میں دو مرتبہ روٹی اور زیتون سیر ہو کر تناول نہیں فرمایا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹' البدایۃ والنہایہ ج۶ ص ۵۳)

---

[1] پہلے مہینے کے شروع میں اور دوسرے مہینے کے شروع اور آخر میں چاند دیکھتے اس طرح دوسرے مہینے کے شروع میں دوسرا اور آخر میں تیسرا چاند دیکھتے۔ (زرقانی ج۴ ص ۳۱۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

ما اعلم ان رسول الله ﷺ رای رغیفا مرققا حتی لحق باللہ ولا رای شاۃ سمیطا بعینہ حتی لحق باللہ.

میں نہیں جانتا کہ رسول اکرم ﷺ نے پتلی روٹی دیکھی ہوحتی کہ آپ کا وصال ہو گیا اور نہ آپ نے بھنی ہوئی بکری دیکھی حتی کہ آپ اپنے رب سے جا ملے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۲۱۔۶۴۵۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۰۹، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۸۔۱۳۴۔۲۵۰)

''المرقق'' وہ روٹی جو نرم اور اچھی ہو جس طرح بار بار آٹا چھاننے کے بعد روٹی پکائی جائے ''ترقیق'' باریک اور نرم کرنے کو کہتے ہیں اور ان لوگوں کے پاس چھلنیاں نہ تھیں۔

اور بعض اوقات ''مرقق'' پتلی کشادہ روٹی کو کہتے ہیں یہ بات قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے فرمائی اور ابن اثیر نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے وہ فرماتے ہیں: سفید (میدے کی) روٹی مراد ہے۔

ابن جوزی نے کہا اس سے ہلکی پھلکی روٹی مراد ہے گویا انہوں نے اسے ''الرقاق'' سے مشتق مانا اور یہ وہ لکڑی ہے جس کے ذریعے روٹی کو پتلا کیا جاتا ہے۔

''سمیط'' وہ بکری جس کے بال گرم پانی کے ساتھ دور کر کے اسے چمڑے کے ساتھ بھون لیا جائے اور چھوٹے بچے کے ساتھ یہ عمل کیا جاتا تھا اور یہ خوشحال لوگوں کا طریقہ تھا اور اس کی دو وجہ تھیں ایک یہ کہ ذبح میں جلدی کی جائے کہ اگر وہ باقی رہے تو قیمت بڑھ جائے گی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کا چمڑا اتارا جائے اس کے چمڑے سے لباس وغیرہ کی صورت میں فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اور ''سمط'' (والا طریقہ) ان دونوں مقاصد کو ختم کر دیتا ہے۔ ابن بطال اور ابن اثیر نے کہا کہ مسموط (یا سمیط) بھنی ہوئی بکری کو کہتے ہیں۔

لیکن ابن اثیر کے نزدیک اس کی اصل یہ ہے کہ گرم پانی کے ساتھ اون اتار دی جائے جیسا کہ پہلے بیان ہوا وہ فرماتے ہیں عام طور پر بھوننے کے لئے ایسا کیا جاتا تھا۔

اور شاید مراد یہ ہو کہ آپ نے اپنے کھانے میں ایسی بھنی ہوئی بکری نہیں دیکھی ورنہ اگر یہ طریقہ معروف نہ ہوتو آپ کی تعریف اس طرح نہ کی جاتی۔

حضرت ابو حازم فرماتے ہیں: کہ انہوں نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تم لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں چھنے ہوئے آٹے کی روٹی دیکھی ہے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں میں نے پوچھا آپ لوگ جو (کا آٹا) کس طرح چھانتے تھے؟ فرمایا: ہم پھونک مارتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۱۰۔۵۴۱۳، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۶۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۳۵، مسند احمد ج ۵ ص ۳۲۳) ان ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تم لوگوں کے پاس چھلنیاں تھیں؟ فرمایا: نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا تو اس وقت سے وصال تک آپ نے چھلنی نہیں دیکھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۱۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۳۵، مسند احمد ج ۶ ص ۷۱)

حضرت شیخ الاسلام ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ بعثت سے پہلے کے وقت کو اس سے نکالا ہے کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ اس مدت میں شام کی طرف تجارت کے لئے سفر کرتے تھے اور اس وقت شام، روم کے ساتھ تھا

اور چھنے ہوئے آٹے کی روٹی ان لوگوں کے ہاں بکثرت ہوتی تھی اسی طرح چھلنیاں اور فراخی (کشادہ حالی) کا دیگر سامان بھی تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان لوگوں کے ہاں چھلنی دیکھی ہوگی لیکن بعثت کے بعد آپ مکہ مکرمہ طائف اور مدینہ طیبہ میں رہے تبوک تک تشریف لے گئے اور یہ شام کے اطراف میں ہے لیکن آپ نے اسے نہ تو فتح کیا اور نہ ہی زیادہ دیر وہاں ٹھہرے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ) نے تحقیق کی ہے کہ آیا آپ کی روٹی کی ٹکیاں چھوٹی تھیں یا بڑی؟ لیکن تفتیش کے بعد مجھے اس سلسلے میں کچھ بھی معلوم نہ ہوا ہاں ایک حدیث میں جسے امام دیلمی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً نقل کیا یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چھوٹی روٹی کا حکم دیا آپ نے فرمایا:

صغروا الخبز واکثروا عددہ یبارک لکم فیہ. روٹی چھوٹی رکھو اور اسے تعداد میں زیادہ کرو اس میں تمہیں برکت دی جائے گی۔

لیکن یہ روایت کمزور ہے اور ابن جوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس میں جابر بن سلیم (راوی) پر تہمت ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

البرکۃ فی صغر القرص. برکت چھوٹی ٹکیہ میں ہے۔

لیکن امام نسائی رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ یہ جھوٹ ہے لیکن امام بزار نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ آپ نے فرمایا:

قوتوا طعامکم یبارک لکم فیہ. حسب ضرورت کھانا حاصل کرو اس میں تمہیں برکت دی جائے گی۔

نہایہ میں فرمایا کہ امام اوزاعی سے منقول ہے کہ اس کا معنیٰ روٹی کا چھوٹا رکھنا ہے۔

امام بزار نے حضرت ابراہیم بن عبداللہ بن جنید سے اور انہوں نے بعض اہل علم سے نقل کیا کہ اس سے روٹیوں کو چھوٹا رکھنا مراد ہے۔

ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمۃ اللہ) نے ''المقاصد الحسنہ میں'' اسی بات کی طرف اشارہ کیا اور شاید یہ میرے شیخ اور رہنما میری بصیرت کی آنکھ کی پتلی' عارف ربانی' عارفین کی دلیل ابو اسحاق ابراہیم المتبولی کی سند ہے کہ ان کے دستر خوان پر چھوٹی روٹیاں تھیں' جیسا کہ شیخ ابو العباس احمد بدوی اور سادات جو معارف سعادات کی اکسیر بلند و بالا عطیات اور حقائق محمدیہ کے زیادہ حقدار' وفا کے پیکر اللہ تعالیٰ ان کی برکات کو ہماری طرف لوٹائے اور ان کی امداد ہم تک پہنچانے کی دلیل یہی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو میرے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی جگر والا کھائے مگر میری دیوار میں غلے کی الماری میں کچھ جو تھے میں نے عرصہ دراز تک ان کو کھایا لیکن جب ان کا وزن کیا تو وہ ختم ہو گئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۵۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷' مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۸' دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۲۷۴)

''صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے'' ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو آپ کی

زرہ تیس صاع جو کے بدلے میں ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: آپ کی زرہ بیس صاع غلے کے بدلے رہن تھی جو آپ نے اپنے گھر والوں کے لئے لیا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے تو دیکھا حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی موجود ہیں آپ نے فرمایا: اس وقت تم دونوں اپنے گھروں سے باہر کیسے آئے؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! بھوک کی وجہ سے' آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مجھے وہی چیز باہر لائی ہے جو تم دونوں کو لائی ہے۔

پس آپ ایک انصاری کے ہاں تشریف لائے اور وہ گھر میں نہیں تھے جب ان کی بیوی نے آپ کو دیکھا تو خوش آمدید کہا رسول اکرم ﷺ نے پوچھا فلاں کہاں ہے؟ انہوں نے عرض کیا وہ ہمارے لئے میٹھا پانی لینے گئے ہیں اتنے میں وہ انصاری بھی حاضر ہو گئے انہوں نے نبی اکرم ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھیوں کو دیکھا تو فرمایا:

الحمد للہ! آج مجھ سے بڑھ کر معزز مہمانوں والا کوئی نہیں راوی فرماتے ہیں پھر وہ انصاری چلے گئے اور ایک ٹوکری لائے جس میں خشک اور تر ہر قسم کی کھجوریں تھیں اور عرض کیا تناول فرمائیں اس کے بعد انہوں ۔ چھری لی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا دودھ والے جانور سے بچنا چنانچہ انہوں نے مہمانوں کے لئے بکری ذبح کی جو انہوں نے نز ل فرمائی۔

اس ٹوکری سے کھجوریں کھائیں اور پانی نوش فرمایا جب سیر اور سیراب ہو گئے تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے قیامت کے دن تم سے ان نعمتوں کے بارے میں ضرور سوال ہوگا' بھوک تمہیں گھر سے باہر لائی پھر تم واپس نہیں لوٹے حتیٰ کہ تمہیں یہ نعمتیں حاصل ہوئیں۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۰' الدر المنثور ج ۶ ص ۳۸۹' اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۱۲۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۶۴۳۹)

یہ سوال' ان کے اعزاز و اکرام' انعام اور فضل و کرم کو شمار کرنے کے حوالے سے ہوگا۔ حضرت طلحہ بن نافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گھر میں لے گئے آپ کے لئے روٹی کا ایک ٹکڑا نکالا گیا تو آپ نے فرمایا سالن نہیں؟ عرض کیا نہیں البتہ سرکہ ہے آپ نے فرمایا: سرکہ بہترین سالن ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے جب سے نبی اکرم ﷺ سے یہ بات سنی ہے اس دن سے مجھے سرکہ پسند ہے اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے اس دن سے سرکہ پسند ہے جب سے میں نے یہ بات حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنی ہے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۳۹۔۱۸۴۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۱۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۸۔۱۶۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۲۰۔۳۸۲۱' مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۱۔ ص ۳۶۴' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۸۰۔ ج ۱۰ ص ۶۳' تاریخ دمشق ج ۷ ص ۳۲)

بطن مبارک پر پتھر باندھنا

حضرت ابن بجیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ نے بھوک محسوس فرمائی تو آپ

نے ایک پتھر لے کر بطن مبارک پر رکھا پھر فرمایا سنو! کئی نفس دنیا میں کھانے اور عیش کرنے والے قیامت کے دن بھوکے ننگے ہوں گے سنو! کئی لوگ اپنے آپ کو معزز سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ اپنے آپ کو ذلیل کر رہے ہوتے ہیں سنو! کتنے لوگ اپنے آپ کو ہلکا سمجھتے ہیں لیکن وہ اپنے آپ کو معزز بنا رہے ہوتے ہیں۔ اس روایت کو ابن ابی الدنیا نے نقل کیا ہے۔

حضرت انس، حضرت ابوطلحہ (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ ہم نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹوں پر باندھے ہوئے پتھر سے کپڑا اٹھایا تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے بطن مبارک سے کپڑا اٹھا کر دو پتھر دکھائے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے غریب ہے اور ہم اسے صرف اسی وجہ سے پہچانتے ہیں۔ پیٹوں سے کپڑا اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ایک مشقت اور کمزوری کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھتا جو کمزوری بھوک کی وجہ سے پہنچتی تھی۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ والا واقعہ غزوۂ خندق کے موقعہ پر پیش آیا جب آپ نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ سخت زمین کی طرف اٹھے تو آپ کے بطن اقدس پر پتھر باندھا ہوا تھا۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے اور حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ نے کیا خوب فرمایا:

وشد من سغب احشائه و طوی　　　تحت الحجارة كشحا مترف الادم

''اور بھوک کی وجہ سے اپنی آنتوں کو باندھا اور پتھر کے نیچے ایسا پہلو لپیٹ دیا جو خوشحال جسم والا تر و تازہ تھا''۔

جیسا کہ میں نے (مصنف علیہ الرحمہ نے) اس قصیدہ شریف کی شرح میں لکھا ہے کہ کشح آپ کے ازار بند کی جگہ اور پہلوئے مبارک کی چھوٹی پسلی کے درمیان جگہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ طریقہ اس لئے اختیار فرمایا کہ اس سے کچھ بھوک رک جاتی ہے اور یہ فعل سکون کا باعث ہوتا ہے کیونکہ بھوک کی وجہ معدے کی شدید حرارت ہے جب معدہ کھانے سے بھر جاتا ہے تو یہ حرارت کھانے میں مشغول ہو جاتی ہے اور جب اس میں کھانا نہ ہو تو وہ جسم کی رطوبات اور جواہر کو تلاش کرتا ہے تو اس حرارت سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے اور یہ جسم کے بہت سے جواہر سے متعلق ہو جاتی ہے اور جب معدے پر آنتوں اور چمڑے کو لپیٹ دیا جائے تو اس کی آگ قدرے بجھ جاتی ہے اور اس طرح تکلیف کم ہو جاتی ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ کا بھوک سے تکلیف برداشت کرنا اس لئے تھا کہ آپ کو دوگنا اجر ملے آپ کی قوت کی حفاظت اور جسم کی تازگی باقی رہے حتیٰ کہ جو کوئی آپ کو دیکھے وہ آپ کو بھوکا نہ سمجھے کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا جسم اقدس ان لوگوں کے جسموں سے زیادہ تر و تازہ معلوم ہوتا تھا جو دنیا کی نعمتوں سے نفع حاصل کرتے تھے۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ نے ''مترف الادم'' سے اسی مفہوم کا قصد کیا ہے اور یہ حفاظت اور تکمیل کے باب سے ہے کیونکہ جب فرمایا: شد من سغب بھوک کی وجہ سے باندھا۔

تو اس وہم کا خوف محسوس ہوا کہ اس وقت آپ کے جسم شریف میں بھوک کا اثر ظاہر ہوا پس آپ نے اس کی حفاظت کی تو اس ابہام کو ''مترف الادم'' فرما کر دور کر دیا۔

ابوحاتم بن حبان نے ان احادیث کا انکار کیا ہے جن میں بھوک کی وجہ سے بطن مبارک پر پتھر باندھنے کا ذکر ہے انہوں نے فرمایا: کہ یہ باطل ہیں اور انہوں نے حدیثِ وصال (جب حضور ﷺ نے وصال کے روزے رکھے) سے استدلال کیا کہ آپ نے فرمایا:

لست کاحد کم انی اطعم واسقی. میں تم میں سے کسی ایک کے جیسا نہیں ہوں مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں: پتھر اس جگہ باندھے جاتے تھے جہاں ازار بند باندھتے ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ جب وصال کے روزے رکھتے تو اللہ تعالیٰ آپ کو کھلاتا اور پلاتا تھا۔ پس آپ پیٹ پر پتھر باندھنے کی صورت کیسے محسوس کرتے اور پتھر بھوک کو دور نہیں کرسکتا۔

بعض حضرات نے فرمایا: کہ ہوسکتا ہے آپ عرب کی عادت یا اہل مدینہ کی عادت کے مطابق پتھر باندھتے ہوں کہ جب ان کے پیٹ خالی ہوتے تو وہ ان پر پتھر باندھتے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے بھی یہ طریقہ اختیار فرمایا تاکہ صحابہ کرام کو بتائیں کہ آپ کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس کی وجہ سے آپ ان پر ترجیح حاصل کریں۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ احادیث صحیح ہیں اور نبی اکرم ﷺ نے ثواب حاصل کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کس طرح کئی کئی دن بھوک میں گزارتے حالانکہ یہ بات ثابت ہے کہ آپ اپنے گھر والوں کے لئے سال بھر کا غلہ رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو مال (بطور) غنیمت عطا فرمایا اس میں سے ایک ایک ہزار اونٹ چار چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تقسیم فرماتے اور عمرۂ مبارکہ میں آپ ایک سو اونٹ لے گئے اور ان کی قربانی کرکے مساکین کو کھلائے نیز آپ نے ایک اعرابی کو بکریوں کا ایک ریوڑ عطا کرنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ بھی واقعات ہیں۔

اس کے علاوہ آپ کے ساتھ مالدار صحابہ کرام مثلاً حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان اور حضرت طلحہ وغیرہ رضی اللہ عنہم بھی تھے اور وہ اپنے مال ہی نہیں اپنی جانیں بھی آپ کے قدموں میں نچھاور کرتے تھے اور آپ نے صدقہ کا حکم دیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا تمام مال لے آئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نصف مال پیش کیا اسی طرح آپ نے غزوۂ تبوک کے لئے لشکر کی تیاری میں حصہ ڈالنے کی ترغیب دی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار اونٹ پیش کئے۔ وغیرہ وغیرہ۔

طبری (یا طبرانی) نے اس کا جواب جسے ''فتح الباری میں'' نقل کیا گیا' یوں دیا ہے کہ آپ کا یہ طریقہ اختیار کرنا (پیٹ پر پتھر باندھنا) کسی حالت میں ہوتا تھا اور کسی میں نہیں اور اس کی وجہ تنگی نہ تھی بلکہ کبھی آپ ایثار کے طور پر ایسا کرتے اور کبھی سیر ہوتے اور زیادہ کھانے کو ناپسند کرتے ہوئے ایسا کرتے تھے۔

اس عمل کی مطلقاً نفی پر یوں اعتراض کیا گیا کہ یہ گذشتہ احادیث کے خلاف ہے ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا آپ فرماتی ہیں:

جو شخص تم سے بیان کرے کہ ہم لوگ کھجور سے سیر ہوتے اس نے تم سے جھوٹ بولا ہے جب قریظہ فتح ہوا تو ہمیں کھجوریں اور چربی وغیرہ حاصل ہوئی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: حق یہ ہے کہ اکثر حضرات ہجرت سے پہلے معاشی تنگی کا شکار تھے جب مکہ مکرمہ میں تھے پھر جب مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تو بھی اکثر کی حالت یہی تھی انصار نے مکانات اور عطیات وغیرہ کے ذریعے ان سے خیر خواہی کی جب بنو نضیر کے خلاف فتح حاصل ہوئی اور اس کے بعد کا دور آیا تو انہوں نے انصار کے عطیات واپس کر دیئے۔

(نوٹ: ان عطیات کو منیحہ کہا جاتا تھا یعنی یہ مکمل طور پر نہیں دیئے جاتے تھے بلکہ نفع حاصل کرنے کے لئے عاریتاً دیئے جاتے۔۱۲ ہزاروی)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ کی راہ میں ڈرایا گیا اور کسی دوسرے کو ڈرایا نہیں گیا اور مجھے اللہ کی راہ میں اذیت دی گئی اور کسی دوسرے کو اذیت نہیں دی گئی مجھ پر تیس دن اور راتیں ایسی گزریں کہ میرے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے لئے اتنا کھانا نہیں تھا جسے ایک شخص کھائے سوائے اس کے جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی بغل چھپاتی۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۷۲' مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۸۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۲۵۳' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۱۸۹' تفسیر بغوی ج ۶ ص ۱۶۲' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۲۵۲۸' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۴۷' تاریخ دمشق ج ۳ ص ۳۰۸)

ہاں نبی اکرم ﷺ اس (فقر) کو اختیار فرماتے باوجودیکہ آپ کے لئے دنیا کی کشادگی اور وسعت کے حصول کا امکان تھا جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے پیشکش فرمائی کہ وہ وادیٔ مکہ کو میرے لئے سونے کا بنا دے میں نے عرض کیا اے رب! نہیں بلکہ میں ایک دن سیر ہو کر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں جب بھوکا ہوں گا تو تیری بارگاہ میں گڑ گڑاؤں گا اور تجھے یاد کروں گا اور جب سیر ہو کر کھاؤں گا تو تیرا شکر اور تیری تعریف کروں گا''۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۷' مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۴' المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۴۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۲۶۱۔ ج ۷ ص ۳۹۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۱۹۰' المغنی ج ۱ ص ۲۳۹۔ ج ۳ ص ۲۰۷ حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۳۳' شرح السنہ ج ۱۴ ص ۲۴۶' اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۲۶۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۶۱۲۰)

اس تفصیل کی حکمت خطاب سے لذت حاصل کرنا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کا اجمالی اور تفصیلی علم رکھتا ہے۔

فقر اختیاری

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ ایک دن رسول اکرم ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام کوہِ صفا پر تھے تو آپ نے فرمایا: اے جبریل! وہ ذات جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے آل محمد (ﷺ) کے پاس شام کے وقت ایک مٹھی جو بھی نہ تھے نہ ہتھیلی برابر ستو تھے۔ آپ کے کلام سے بھی جلدی آسمان سے ایسی آواز سنی گئی جو خوف زدہ کرنے والی تھی۔

رسول اکرم ﷺ نے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ نے قیامت کو قائم ہونے کا حکم دیا ہے؟ عرض کیا نہیں بلکہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیا تو وہ اس وقت اترے جب آپ کا کلام سنا چنانچہ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ

آپ نے جو کچھ ذکر کیا اسے اللہ تعالیٰ نے سنا پھر مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دے کر بھیجا اور حکم دیا کہ میں آپ سے پوچھوں کہ کیا آپ کے ساتھ تہامہ کے پہاڑوں کو زمرد' یاقوت' سونا اور چاندی بنا کر چلاؤں اگر آپ اس پر راضی ہوں تو میں ایسا کروں پس اگر آپ نبی بادشاہ بننا چاہتے ہیں (تو ایسا کریں) اور اگر نبی بندہ بننا چاہیں (تو ایسا کریں) چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کی طرف اشارہ کیا کہ تواضع اختیار کریں تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا: بلکہ میں نبی بندہ بننا چاہتا ہوں۔ اسے امام طبرانی نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا۔

(المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۳۵۰' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۰۔ ج ۱۰ ص ۳۱۵' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۱۹۶' الزہد رقم الحدیث: ۲۶۴)

تو رسول اکرم ﷺ کی بلند ہمتی کو دیکھنے کے لیے آپ پر زمین کے خزانوں کی چابیاں پیش کی گئیں لیکن آپ نے انکار کر دیا حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ اگر آپ ان کو لیتے تو اپنے رب کی فرمانبرداری میں خرچ کرتے لیکن آپ نے اس سے انکار کر کے محض بندگی کو اختیار فرمایا تو آپ کی ہمت شریف کس قدر بلند ہے اور آپ کا پاکیزہ نفس کس قدر خوبصورت ہے؟[1]

قصیدہ بردہ شریف کے مصنف علیہ الرحمہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے انہوں نے کیا خوب فرمایا:

وراودته الجبال الشم من ذهب ··· عن نفسه فأراه ايما شمم

واكدت زهده فيها ضرورته ··· ان الضرورة لا تعدو على العصم

و كيف تدعو الى الدنيا ضرورة من ··· لو لاه لم تخرج الدنيا من العدم

''سونے کے بلند پہاڑوں نے حضور علیہ السلام کو پھسلانا چاہا پس آپ نے نہایت استغناء ظاہر کیا کچھ پرواہ نہ کی۔

حضور علیہ السلام کی دنیوی حاجات نے آپ کے زہد کو اور بھی مستحکم کر دیا فی الحقیقت دنیوی احتیاج عصمت حقیقی پر غالب نہیں آ سکتی۔

کس طرح (ممکن ہے) کہ ایسی ذات کو اس کی ضرورت دنیا کی طرف بلائے کہ اگر آپ پیدا نہ ہوتے تو دنیا ہی عدم سے وجود میں نہ آتی''۔

یعنی معصومین کے سردار کی ضرورت آپ کو کیسے دنیا کی چمک دمک کی طرف بلاتی حالانکہ دنیا اور اس میں جو کچھ ہے وہ سب آپ کے لئے پیدا کیا گیا پس آپ کس طرح اس کے مجبور ہوتے؟

لیکن ان میں کچھ بات ہے کیونکہ یہ مقام مدح ہے اور اس میں زہد اور ضرورت کے ساتھ موصوف کرنا صحیح نہیں (کیونکہ رغبت اور حاجت کی طرف اشارہ ہوتا ہے)۔

کیا حضور ﷺ فقر سے موصوف تھے؟

حلیمی نے ''شعب الایمان میں'' فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ کی تعظیم سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کو ان باتوں سے موصوف

[1] نبی اکرم ﷺ نے دنیا کی دولت سے منہ پھیرا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمان کے خزانوں میں تصرف کا اعزاز بخش دیا کہ آپ نے ڈوبے ہوئے سورج کو واپس کیا' چاند کے دو ٹکڑے فرمائے' ستاروں کے ذریعے شیطان کو رجم کیا جاتا ہے' آسمانوں سے گزر گئے' بارش کا روکنا اور چھوڑنا' ہوا کا چلانا اور روکنا۔ (زرقانی ج ۴ ص ۳۲۳) معلوم ہوا کہ جو دنیا سے محبت نہ کرے اسے بہت بڑا اعزاز ملتا ہے۔

قرار نہ دیا جائے جو لوگوں کے نزدیک ادنیٰ وصف ہیں پس آپ کو فقیر نہ کہا جائے اسی طرح بعض لوگوں نے آپ پر زہد کے اطلاق کا بھی انکار کیا ہے؟

''نثر الدرۃ کے'' مصنف (ابوسعید منصور بن حسین الآبی) نے حضرت محمد بن واسع سے نقل کیا ان سے کہا گیا فلاں شخص زاہد ہے انہوں نے فرمایا: دنیا کی مقدار کیا ہے جس سے وہ زہد اختیار کرتا ہے؟

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے ''الشفاء میں'' ذکر کیا اور ان سے شیخ تقی الدین السبکی نے اپنی کتاب ''السیف المسلول'' میں نقل کیا کہ اندلس کے فقہاء نے ''حاتم التفقہ الطلیطلی'' کو قتل کر کے سولی چڑھانے کا فتویٰ دیا کیونکہ اس نے نبی اکرم ﷺ کے حق کو معمولی جانا اور مناظرے کے دوران آپ کو یتیم کہا اور اس کا خیال تھا کہ نبی اکرم ﷺ کا زہد اختیاری نہیں تھا اگر آپ کو اچھے کھانے ملتے تو آپ تناول فرماتے۔

حضرت شیخ بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ نے متاخرین میں سے کسی فقیہ سے نقل کیا وہ کہتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ مالی اعتبار سے قطعاً فقیر نہ تھے اور نہ ہی آپ کی حالت' فقیر کی حالت تھی بلکہ آپ سب لوگوں سے زیادہ بے نیاز تھے اور دنیوی امور میں آپ کو آپ کی ذات اور اہل وعیال کے سلسلے میں کفایت کی گئی اور وہ نبی اکرم ﷺ کے اس ارشادِ گرامی:

اللھم احینی مسکینا. یا اللہ! مجھے مسکین کے طور پر زندہ رکھنا۔

کے بارے میں کہتا تھا کہ اس سے دل کا ٹھہرنا مراد ہے محتاجی مراد نہیں کہ ضرورت پوری نہ ہو اور اس فقیہ نے اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں پر سخت اعتراض کیا ہے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۳۵۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۱۲۶' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۱۲' المستدرک ج ۴ ص ۳۲۲' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۶۲' کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۰۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۵۱۴۵' الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث:۴۴' جمع الجوامع رقم الحدیث:۹۷۰۲' تاریخ الکبیر بخاری ج ۷ ص ۱۹۴' المغنی ج ۲ ص ۲۰۶' الموضوعات ج ۳ ص ۱۴۱' فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۳۰' اللالی المصنوعۃ ج ۲ ص ۱۴۷' کنز العمال رقم الحدیث:۱۶۵۹۲_۱۶۶۶۸_۱۶۶۶۹) اور یہ جو مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الفقر فخری وبہ افتخر. فقر میرا فخر ہے اور میں اس پر فخر کرتا ہوں۔

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۳۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۲۱۸' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث:۸۷_۱۷۸' الاسرار المرفوعۃ ص ۲۵۵)

اس کے بارے میں شیخ الاسلام والحفاظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ یہ روایت باطل اور موضوع ہے۔

کھانوں کی متعدد اقسام

نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ یہ نہیں تھی کہ ہمیشہ ایک ہی قسم کا کھانا تناول فرماتے ہوں اور کسی دوسری غذا کو اختیار نہ فرمائیں یہ صورت تو طبیعت کے لئے نقصان دہ ہے اگرچہ سب سے افضل غذا ہی کیوں نہ ہو بلکہ آپ اپنے شہر والوں کی عادت کے مطابق تناول فرماتے تھے یعنی گوشت' پھل' روٹی اور کھجوریں وغیرہ کھاتے تھے جیسا کہ آگے آئے گا۔

آپ نے حلوہ اور شہد بھی تناول فرمایا اور آپ ان دونوں کو پسند فرماتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۵۹۹' جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۸۳۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۷۱۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۳۲۳' سنن دارمی رقم الحدیث:۳۴' مسند احمد ج ۶ ص ۵۹)

''حلویٰ'' الف مقصورہ اور الف ممدودہ کے ساتھ دونوں طرح ہے ہر میٹھی چیز کو کہتے ہیں۔ خطابی کہتے ہیں ''حلویٰ''

اسی میٹھی چیز کو کہا جاتا ہے جسے پکایا جاتا ہو اور اس میں عمل دخل ہو۔

ابن سیدہ نے کہا جو میٹھا کھانا تیار کیا جائے وہ حلویٰ ہے اور پھلوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

خطابی کہتے ہیں حضور علیہ السلام کا میٹھی چیز کو پسند کرنا اس اعتبار سے نہیں تھا کہ آپ اس کی بہت زیادہ خواہش رکھتے تھے اور اس کی طرف آپ کا طبعی میلان بہت زیادہ تھا بلکہ جب آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا تو آپ اچھی طرح لیتے اس سے معلوم ہوا کہ یہ آپ کو پسند تھا۔

''ثعالبی'' کی کتاب ''فقہ اللغۃ'' میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ جس حلویٰ کو پسند کرتے تھے اسے ''مجیع'' کہتے ہیں جو عظیم کے وزن پر ہے اور یہ کھجور اور دودھ کو ملا کر بنایا جاتا ہے۔ فتح الباری میں اسی طرح ہے۔

یہ روایت صحیح نہیں کہ نبی اکرم ﷺ شکر (چینی) کو پسند کرتے تھے نہ یہ کہ آپ نے اسے صدقہ کیا یا دیکھا لیکن ابوجعفر طحاوی نے اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں لمازہ (ابن مغیرہ) کی حدیث سے نقل کیا وہ ثور بن یزید سے وہ خالد بن معدان سے اور وہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ایک انصاری کی شادی میں تشریف لے گئے تو کچھ لڑکیاں آئیں جن کے پاس اخروٹ اور شکر کے تھال تھے۔ صحابہ کرام نے اپنے ہاتھ روک لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ایک دوسرے سے کیوں نہیں چھینتے؟ انہوں نے عرض کیا آپ نے چھیننے سے روکا ہے آپ نے فرمایا شادی کے موقع پر منع نہیں۔ (اللالی المصنوعہ ج ۲ ص ۹۱' معانی الآثار ج ۳ ص ۵۰)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ ان سے اور وہ آپ سے چھین رہے ہیں۔

حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس سے استدلال کیا کہ مال نچھاور کرنا مکروہ نہیں جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا موقف ہے اور انہوں نے ان احادیث کی توجیہہ اسی حدیث سے کی جن میں چھیننے سے منع فرمایا گیا۔

لیکن امام طحاوی رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے پھر فرمایا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اس مفہوم میں کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔

اور ''کتاب المعرفۃ میں'' امام طحاوی رحمہ اللہ کے اس قول کو نا مناسب کہا اور فرمایا یہ حدیث عون بن عمارہ اور عصمہ بن سلیمان سے مروی ہے اور ان دونوں سے استدلال نہیں کیا جاتا اور ان کے شیخ لمازہ بن مغیرہ مجہول ہیں۔

تو یہ دو علتیں ہیں ان میں سے ہر ایک الگ الگ حدیث کے ضعف کو واجب کرتی ہے پس ان کو جمع کرنے سے ضعف کیسے ختم ہوگا؟

یہ اور خالد بن معدان منقطع ہیں (انہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا) اور منقطع حدیث صحت نہیں۔

تو یہ تین علتیں ہیں اور ان سے کم (مثلاً ایک علت) سے بھی حدیث ضعیف قرار پاتی ہے۔

ابن مفلح یوسفی نے بھی اس پر کلام کیا ہے۔ واللہ اعلم

خبیص کھانا

حضرت لیث بن ابی سالم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ اسلام میں سب سے پہلے خبیص [1] حضرت عثمان ابن عفان

[1] کھجور، بالائی اور میدے سے تیار کیا گیا ایک حلوہ خبیص کہلاتا ہے۔

رضی اللہ عنہ نے تیار کروایا ان کے پاس ایک قافلہ آیا جنہوں نے آٹا اور شہد اٹھا رکھا تھا تو ان دونوں کو ملایا گیا اور نبی اکرم ﷺ کی طرف بھیجا آپ نے اسے تناول فرمایا اور عمدہ قرار دیا۔

محبّ طبری نے ''الریاض میں'' فرمایا: کہ اسے حضرت خیثمہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ذکر کیا ہے (ان کی کتاب ''فضائل الصحابۃ'' ہے جس میں ذکر کیا)۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ ایک قافلہ آیا جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اونٹ بھی تھا اور اس پر سفید چھنا ہوا آٹا' گھی اور شہد تھا وہ اسے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لائے اور آپ نے اس پر برکت کے لئے دعا فرمائی پھر ایک پتھر کی ہنڈی منگوائی اور اسے آگ پر رکھا گیا اور اس میں شہد' آٹا اور گھی ڈالا پھر اسے پکایا گیا حتیٰ کہ وہ پک گیا یا پکنے کے قریب تھا پھر اتار دیا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کھاؤ اس چیز کو ایران والے خبیص کہتے ہیں۔

(المستدرک ج ۴ ص ۱۰۹۔۱۱۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۱۷)

تمام نے اسے اپنے فوائد (یا فرائد) میں اور امام طبرانی رحمہ اللہ نے اپنی معجم میں ذکر کیا اور اس کے راوی ثقہ (قابلِ اعتماد) ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے بھیڑ کا گوشت بھی تناول فرمایا اور یہ تین چیزیں حلوہ' شہد اور گوشت غذاؤں میں سے افضل اور بدن' جگر اور اعضاء کے لئے زیادہ نفع بخش ہیں اور ان سے وہی شخص نفرت کرتا ہے جس میں کوئی بیماری اور آفت پائی جاتی ہو۔

نبی اکرم ﷺ کا گوشت کھانا

گوشت جنتیوں کا سب سے اعلیٰ کھانا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ دنیا اور آخرت والوں کے کھانوں کا سردار ہے۔ اسے امام ابن ماجہ اور ابن ابی الدنیا نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مرفوعاً نقل کیا ہے' اس کی سند (اگرچہ) ضعیف ہے لیکن اس کے کئی شواہد ہیں (لہٰذا یہ ضعف نقصان دہ نہیں)۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۰۵' کشف الخفاء ج ۱ ص ۵۶۰۔ ج ۲ ص ۲۲۶)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے' فرماتے ہیں:

سید طعام الدنیا اللحم ثم الارز. دنیوی کھانوں کا سردار گوشت ہے پھر چاول ہیں۔

ابونعیم رحمہ اللہ نے اسے طب نبوی کے ضمن میں ذکر کیا۔

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: گوشت ستر قوتوں کے اضافہ کا باعث ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ رنگ کو صاف کرتا ہے اور اخلاق کو درست کرتا ہے اور جو شخص چالیس دن تک گوشت نہ کھائے اس کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔[1]

---

[1] جو شخص مسلسل چالیس دن گوشت کھاتا ہے اس کا دل سخت ہو جاتا ہے یہ بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ ابن قیم نے کہا گوشت ہمیشہ نہیں کھانا چاہیے اس سے کئی خونی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ بقراط نے کہا اپنے پیٹوں کو حیوانات کا قبرستان نہ بناؤ۔

(زرقانی ج ۴ ص ۳۲۷)

ابوالشیخ بن حیان' حضرت ابن سمعان کی روایت سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نے اپنے علماء کرام سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا پسندیدہ ترین کھانا گوشت تھا اور وہ اس سماعت میں یہ اضافہ کرتے ہیں کہ یہ دنیا اور آخرت کے کھانوں کا سردار ہے اگر میں اپنے رب سے سوال کرتا کہ وہ مجھے روزانہ گوشت کھلائے تو وہ ایسا کرتا۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ گوشت کھانا عقل کو بڑھاتا ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ کو (بکری کی) دستی پسند تھی اسی لئے اس میں زہر ملایا گیا تھا (ایک یہودی عورت نے زہر ملایا)۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: انہیں ایک بکری بطور تحفہ دی گئی تو انہوں نے اس کو ہنڈیا میں ڈالا' نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو فرمایا ض: اے ابو رافع یہ کیا ہے؟ عرض کیا بکری ہے جو ہمیں تحفتاً دی گئی ہے میں نے اس کو ہنڈیا میں پکایا ہے۔ آپ نے فرمایا: اے ابو رافع' اس کی دستی (بازو) مجھے دو (فرماتے ہیں) میں نے بازو آپ کی خدمت میں پیش کر دیا پھر فرمایا: دوسرا بازو بھی دو میں نے دوسرا بازو بھی دے دیا آپ نے فرمایا: اور بازو دو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بکری کے دو ہی بازو ہوتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: اگر تم خاموش رہتے تو مجھے ایک کے بعد دوسرا بازو پکڑاتے جب تک خاموش رہتے۔ [1]

اس کے بعد آپ نے پانی منگوا کر کلی فرمائی اور اپنی انگلیوں کے کناروں کو دھویا پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔

اس روایت کو امام دارمی اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابو عبید سے روایت کیا جس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ میں نے آپ کے لئے ہنڈیا پکائی اور آپ کو بازو پسند تھا پس میں نے آپ کی خدمت میں بازو پیش کیا آپ نے پھر فرمایا: مجھے بازو دو تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بکری کے کتنے بازو ہوتے ہیں؟ فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تم خاموش رہتے تو جب تک میں طلب کرتا رہتا تم مجھے بازو دیتے رہتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کو (بکری کا) بازو پسند تھا اور آپ گوشت کبھی کبھی تناول فرماتے تھے اور آپ اس کی طرف جلدی کرتے کیونکہ یہ جلدی پک جاتا ہے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۳۸)

اسی طرح آپ کو گردن کا گوشت بھی پسند تھا حضرت ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کے گھر میں ایک بکری ذبح کی گئی تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو پیغام بھیجا کہ اپنی بکری سے ہمیں بھی کھلانا انہوں نے عرض کیا صرف گردن رہ گئی ہے اور مجھے شرم آتی ہے کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں گردن بھیجوں قاصد نے واپس آ کر خبر دی تو آپ نے فرمایا: دوبارہ جاؤ اور کہو کہ وہی بھیج دیں کیونکہ یہ بکری کی گردن ہے اور بکری میں سے خیر کے زیادہ قریب اور اذیت سے زیادہ دور یہی چیز ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۳۶۰۔۳۶۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ بکری کا ہلکا ترین گوشت' گردن' بازو اور کاندھوں کا گوشت ہے یہ معدے کے لئے ہلکا اور جلد ہضم ہونے والا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان غذاؤں کا زیادہ خیال رکھا جائے جن میں تین خاصیتیں جمع ہوں۔

پہلی بات یہ کہ ان کا نفع اور اعضاء میں ان کا اثر زیادہ ہو۔

---

[1] اس سے نبی اکرم ﷺ کے اس اعزاز کا پتہ چلتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا اور اختیارات سے نوازا کہ آپ بولتے جائیں اور بکری کے بازو بنتے جائیں۔ ۱۲ ہزاروی

دوسری بات یہ ہے کہ وہ معدے کے لئے ہلکی پھلکی غذا ہو اور اس سے جلدی اترنے والی ہو۔
تیسری بات یہ ہے کہ جلدی ہضم ہو اور غذا میں سب سے افضل بات یہی ہے۔
نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
اطیب اللحم لحم الظھر. بہترین گوشت پیٹھ کا گوشت ہے۔
(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۳۰۸، مسند احمد ج۱ص۲۰۴۔۲۰۵، المستدرک ج۴ص۱۱۱، مجمع الزوائد ج۹ص۱۷۰، لسان المیزان ج۱ص۱۱۷۶، مسند الحمیدی رقم الحدیث:۵۳۹، تاریخ اصبہان ج۱ص۲۲۷، کنز العمال رقم الحدیث:۴۰۹۷)
حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کو گردے پسند نہیں تھے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ پیشاب کی جگہ ہے۔
حافظ عراقی نے فرمایا کہ ہم نے ایک جزء میں حضرت ابوبکر بن محمد بن عبداللہ بن شخیر کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ایسی سند کے ساتھ نقل کیا جس میں ضعف ہے۔
نبی اکرم ﷺ گوشت نوچ کر بھی تناول فرماتے یعنی ہڈی وغیرہ سے گوشت کو دانتوں کے ساتھ نوچتے اور پہلے اسے شوربے سے نکال لیتے۔
''صحیح بخاری میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ نے بکری کے کاندھے سے جو آپ کے دست مبارک میں تھا گوشت کاٹا پھر نماز کی طرف بلایا گیا تو آپ نے اس گوشت اور چھری کو پھینک دیا جس کے ساتھ گوشت کاٹ رہے تھے پھر نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور وضو نہ فرمایا (گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اس لئے آپ نے دوبارہ وضو نہیں فرمایا)۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۰۷۔۵۴۰۴۔۵۴۰۵، جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۸۳۶، صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۲، سنن دارمی رقم الحدیث:۵۲، مسند احمد ج۱ص۳۶۵، ج۴ص۱۳۹۔۱۷۹، ج۵ص۲۸۸)
ابن بطال کہتے ہیں یہ حدیثِ ابو معشر کی روایت کا رد کرتی ہے جو بواسطہ ہشام بن عروہ ان کے والد سے مروی ہے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
لا تقطعوا اللحم بالسکین فانہ من صنیع الاعاجم وانھشوا فانہ اھنا وامرا. گوشت کو چھری سے نہ کاٹو کیونکہ یہ عجمیوں کی عادت سے ہے اور اسے (دانتوں سے) نوچو یہ زیادہ خوشگوار ہے۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۷۷۸، سنن نسائی ج۴ص۱۷۲، السنن الکبریٰ ج۷ص۲۸۰، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۴۲۱۵، الترغیب والترہیب ج۳ص۱۳۲، الکامل ج۷ص۲۵۱۸، تنزیہ الشریعہ ج۲ص۲۴۸، اللالی المصنوعہ ج۲ص۱۲۲، تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث:۱۴۵۔۱۴۶، موضوعات ج۲ص۳۰۳، کنز العمال رقم الحدیث:۴۰۷۳۱، فتح الباری ج۹ص۶۸۳)
امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث قوی نہیں ہے۔
حافظ ابوالفضل عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس کی شاہد موجود ہے جو امام ترمذی نے نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
انھشوا اللحم نھشا فانہ اھنا وامرا. گوشت کو اچھی طرح نوچ کر کھاؤ یہ زیادہ خوشگوار ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۳۵، سنن دارمی رقم الحدیث: ۳۰، مسند احمد ج ۳ ص ۴۰۶۔ ج ۶ ص ۴۶۵، المعجم الکبیر ج ۸ ص ۵۷، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۶۱۰، تاریخ دمشق ج ۶ ص ۴۲۹، شرح السنہ ج ۱۱ ص ۲۹۷، طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۸)

امام ترمذی نے فرمایا: ہم اسے صرف عبدالکریم کی روایت سے جانتے ہیں فرماتے ہیں عبدالکریم سے ابوامیہ بن ابی المخارق مراد ہے جوضعیف ہے لیکن ابن ابی اصم نے اسے ایک دوسرے طریق سے حضرت صفوان بن امیہ سے روایت کیا اور وہ حسن ہے لیکن اس میں وہ اضافہ نہیں جسے ابومعشر نے ذکر کیا کہ واضح الفاظ میں چھری کے ساتھ گوشت کاٹنے سے منع فرمایا۔ صفوان کی روایت میں عام طور پر یہی آتا ہے کہ نوچ کر کھانا زیادہ بہتر ہے۔

اوران روایتوں کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ جو کچھ چھوٹی ہڈی پر ہے اسے نوچا جائے اور بڑی ہڈی والے سے پرہیز کیا جائے۔

نبی اکرم ﷺ نے بھنا ہوا گوشت بھی تناول فرمایا ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک بھنا ہوا پہلو نبی اکرم ﷺ کے قریب کیا گیا آپ نے اس سے تناول فرمایا پھر نماز کے لئے تشریف لے گئے اور (نئے سرے سے) وضو نہیں فرمایا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۲۹، سنن نسائی ج ۱ ص ۱۰۸، مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۷)

رسول اکرم ﷺ نے دودھ میں خشک کیا ہوا گوشت بھی تناول فرمایا جیسا کہ سنن میں ایک شخص سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے بکری ذبح کی گئی اور ہم مسافر تھے تو آپ نے فرمایا اس کا گوشت اچھی طرح بناؤ پس میں مدینہ طیبہ تک آپ کو اس سے کھلاتا رہا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۱۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۵۔۳۶، سنن دارمی رقم الحدیث: ۶، مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۷۔ ص ۲۸۱، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۲۹۱، المستدرک ج ۴ ص ۲۳۰، التمہید ج ۳ ص ۲۱۹، تاریخ دمشق ج ۴ ص ۹۴)

رسول اکرم ﷺ نے بھنی ہوئی کلیجی بھی کھائی ہے۔

آپ نے مرغی کا گوشت بھی تناول فرمایا نیز آپ نے نیل گائے کا گوشت بھی تناول فرمایا۔

آپ نے سفر میں بھی اور گھر میں بھی اونٹ کا گوشت تناول فرمایا علاوہ ازیں خرگوش کا گوشت بھی کھایا نیز دریائی جانوروں کا گوشت بھی تناول فرمایا۔

دیگر کھانے

رسول اکرم ﷺ نے ثرید بھی کھائی ہے یعنی روٹی کو گوشت کے شوربے میں اچھی طرح ملا کر کھانا ثرید ہے۔

بعض اوقات اس کے ساتھ گوشت بھی ہوتا تھا۔

اہل عرب کہتے ہیں:

الثرید احد اللحمین. ثرید بھی ایک قسم کا گوشت ہے۔

سنن ابوداؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا:

احب الطعام الی رسول اللہ ﷺ الثرید — رسول اکرم ﷺ کا پسندیدہ ترین کھانا روٹی کا ثرید

من الخبز والثريد من الحيس. اور کھجور کا ثرید تھا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۸۳)

رسول اکرم ﷺ نے گھی کے ساتھ بھی کھانا کھایا اور زیتون کے ساتھ بھی روٹی کھائی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے ہریسہ کھلایا جس کے ذریعے رات کے قیام کے لئے میری پیٹھ مضبوط رہتی ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۳۱۰' اللآلی المصنوعہ ج ۲ ص ۱۲۷' الموضوعات ج ۳ ص ۱۷' تنزیہ الشریعہ ج ۱ ص ۲۰۰' لسان المیزان ج ۵ ص ۳۹۰' میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۷۳۵۱' تاریخ بغداد ج ۲ ص ۲۷۹' الکامل ج ۶ ص ۲۱۵۵)

اس روایت میں محمد بن حجاج لخمی ہے جس نے یہ حدیث گھڑی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے کدو بھی کھایا اور آپ اسے پسند کرتے اور پیالے کے کناروں سے تلاش کرتے تھے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اسی لئے اس دن سے کدو پسند کرتا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۲۵-۵۴۳۳-۵۴۳۵-۵۴۳۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۸۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۴-۱۴۵' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۱' مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۵-ج ۴ ص ۳۵۲)

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کدو پسند کرنا مستحب ہے اور اسی طرح ہر اس چیز کو پسند کرنا جسے سرکار دوعالم ﷺ پسند فرماتے تھے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے جو میں پکی ہوئی چقندر کو بھی تناول فرمایا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حضرت حسن بن علی' ابن عباس اور ابوجعفر رضی اللہ عنہم' حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا (حضرت رافع کی والدہ) کے پاس آئے اور انہوں نے فرمایا: ہمارے لئے وہ کھانا بناؤ جسے رسول اکرم ﷺ پسند کرتے اور تناول فرماتے تھے انہوں نے فرمایا: اے بیٹو! آج (کے دور میں) تم اس کی خواہش نہیں رکھو گے۔ فرمایا: ہاں! کیوں نہیں تم ہمارے لیے بناؤ چنانچہ وہ کھڑی ہوئیں اور کچھ جو لے کر ان کو پیسا پھر اس (آٹے) کو ہنڈیا میں ڈال کر اس پر کچھ زیتون کا تیل ڈالا اور مرچ مصالحہ ڈال کر ان کے قریب کیا اور کہا کہ اس کھانے کو نبی اکرم ﷺ پسند فرماتے اور خوشی سے تناول فرماتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے خزیرہ بھی تناول فرمایا یہ آٹے سے عصیدہ کی شکل میں بنایا جاتا ہے لیکن اس سے پتلا ہوتا ہے (آٹے اور گھی کو ملا کر جو کھانا بنتا ہے اسے عصیدہ کہتے ہیں)۔

طبری نے یہ بات کہی ہے۔

ابن فارس نے کہا آٹے اور چربی کو ملا کر خزیرہ تیار کیا جاتا ہے۔ قتبی نے کہا اور جوہری نے ان کی اتباع کی کہ گوشت لے کر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کئے جائیں اور ان پر پانی ڈالا جائے جب خوب پک جائیں تو ان پر آٹا ڈال دیا جائے اگر اس میں گوشت نہ ہو تو وہ عصیدہ کہلاتا ہے (ورنہ خزیرہ ہوگا)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شوربہ ہوتا ہے جو چھان بورے کی تراوٹ سے صاف کر کے حاصل کیا جاتا ہے پھر اسے پکایا جاتا ہے یہ بھی کہا گیا کہ عجمیوں کے نزدیک خزیرہ چھان بورے سے ہوتا ہے اور حریرہ (حاء نکتہ کے بغیر) دودھ سے بنایا جاتا ہے۔

حضرت عتبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سورج بلند ہونے کے بعد ہمارے ہاں تشریف لائے تو ہم نے ان کو خزیرہ تناول فرمانے کے لئے روک لیا جو ہم نے بنایا تھا۔[1]

رسول اکرم ﷺ نے پنیر بھی تناول فرمائی ہے۔

جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اور یہ دودھ سے بنایا جاتا ہے جب مکھن نکال لیا جائے (یعنی لسی سے بناتے ہیں)۔

(مصنف فرماتے ہیں:) میں نے اسے کھایا اور یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں عام ہوتی ہے اور یہ کشک کے زیادہ مشابہ ہوتی ہے (موٹے ستو کو دودھ میں بھگو کر خمیر اٹھنے کے بعد پکایا جاتا ہے اسے کشک کہتے ہیں)۔

رسول اکرم ﷺ نے خشک اور تر ہر قسم کی کھجور تناول فرمائی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے کباث بھی تناول فرمائے' پیلو کا پکا ہوا پھل کباث کہلاتا ہے بعض نے کہا پیلو کے پتوں کو کہتے ہیں۔

لیکن اسماعیلی نے تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ یہ پیلو کا پھل ہے جسے بریر بھی کہا جاتا ہے اور جب سیاہ رنگ کا ہو جائے تو کباث کہتے ہیں۔

''ابن اثیر کے نہایہ میں ہے کہ ''نبی اکرم ﷺ ''جذب'' کو پسند فرماتے تھے اور یہ کھجور کا گودا ہے اس کا واحد جذبہ ہے۔

سنن ابوداؤد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے کہ تبوک میں نبی اکرم ﷺ کے پاس پنیر لائی گئی تو آپ نے چھری منگوا کر بسم اللہ پڑھی اور اسے کاٹا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۱۹)

دو پھلوں کو جمع کرنا

رسول اکرم ﷺ کھانوں کے صفات اور طبیعتوں کو طبی اعتبار سے دیکھتے تھے جب دو کھانوں میں سے کسی ایک میں کوئی ایسی بات دیکھتے جسے ختم کرنا اور اعتدال پیدا کرنا ضروری ہوتا تو ممکن ہوتا تو اس کی ضد کے ساتھ برابر کرتے جس طرح کھجور کی گرمی کو تربوز کے ساتھ ملا کر برابر کرتے۔ مرکب دوائیوں میں یہ بہت بڑا ضابطہ ہے۔

اور اگر کوئی دوسری چیز نہ ملتی تو اسے ضرورت کے مطابق تناول فرماتے' حد سے تجاوز نہ فرماتے۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت ابواسامہ کے واسطے سے حضرت ہشام سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ خربوزے کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے اور فرماتے: اس کی گرمی اس کی ٹھنڈک سے اور اس کی ٹھنڈک اس کی گرمی سے ٹوٹتی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۳۶' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۸۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۰۱۔ ص ۱۱۹' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۲۵' تفسیر قرطبی ج ۷ ص ۱۹۹)

یزید بن رومان نے حضرت زہری سے انہوں نے حضرت عروہ سے طاء کو مقدم کرکے طبیخ پڑھا ہے جیسا کہ نوقاتی

[1] نوٹ: حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میری آنکھوں میں تکلیف ہے میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں جب بارش ہوتی ہے تو وادی میں سیلاب کی وجہ سے میں ان کی مسجد میں نہیں جا سکتا آپ میرے گھر تشریف لائیں تاکہ میں اسے جائے نماز بنالوں آپ نے فرمایا ان شاء اللہ میں آؤں گا۔ (زرقانی ج ۴ ص ۳۳۴)

(ابوعمر محمد بن احمد بن عمر بن سلیمان ۳۸۲ھ) نے ذکر کیا۔ (الاعلام ج ۵ ص ۳۱۲، معجم الادباء ج ۵ ص ۱۴۰، معجم البلدان ج ۸ ص ۳۲۷)

جب کہ سنن نسائی کے ولیمہ کے بیان میں طاء موخر ہے (یعنی بطیخ ہے) گویا ہشام کے نزدیک دونوں لفظوں کے ساتھ ہے۔

اسی طرح ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت محمد بن عبدالرحمٰن کی حدیث سے نقل کیا وہ حضرت امام احمد بن حنبل سے وہ حضرت وہب بن جریر بن حازم سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت حمید سے سنا وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ طبیخ یا بطیخ، تر کھجور کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔

(طبیخ پکے ہوئے کھانے کو کہتے ہیں جب کہ بطیخ خربوزے کو کہتے ہیں)۔

حضرت عقبہ فرماتے ہیں: حضرت احمد سے شک واقع ہوا اور لغوی اعتبار سے طاء کی تقسیم کو انہوں نے صاحب محکم (محکم ابن سعیدہ) سے نقل کیا۔

حضرت محمد بن اسلم (زاہد متقی جن کو حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ نے اسلام کا ایک رکن قرار دیا اور انہوں نے تابعین کی ایک جماعت کو پایا) خربوزہ نہیں کھاتے تھے کیونکہ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ سے کوئی کیفیت ان تک نہیں پہنچی۔

(الاعلام ج ۶ ص ۳۴، شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۰۰، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۳۲، حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۲۳۸، رسالۃ المستطرفہ رقم الحدیث: ۶۴)

حضرت امام طبرانی رحمہ اللہ نے "الاوسط میں" حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے دائیں ہاتھ میں ککڑی (تر) اور بائیں ہاتھ میں کھجور دیکھی آپ کبھی اس سے تناول فرماتے اور کبھی اس سے۔ اس حدیث کی سند میں ضعف ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۷۰، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۴۰-۵۴۴۷-۵۴۴۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۸، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۴۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۳۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۲۵، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۴، مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۳)

(نوٹ) صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کھجور کو تر کے ساتھ ملا کر تناول فرماتے تھے۔

طبرانی "اوسط میں" اور ابونعیم کی کتاب "الطب" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کھجور کو اپنے دائیں ہاتھ میں اور خربوزے کو اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑتے اور پھر کھجور کو خربوزے کے ساتھ تناول فرماتے اور یہ آپ کا پسندیدہ ترین پھل تھا۔ اس حدیث کی سند میں ضعف ہے۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت حمید سے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا آپ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ تر کھجور اور خربز کو جمع فرماتے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۲-۱۴۳)

خربز' زرد رنگ کے خربوزے کی ایک قسم ہے۔

اس روایت میں ان لوگوں کے گمان کا تعاقب کیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ حدیث میں سبز رنگ کے خربوزے (یعنی تربوز) کا ذکر ہے وہ کہتے ہیں کہ زرد رنگ والے (یعنی خربوزے) میں گرمی ہوتی ہے جس طرح کھجور گرم ہوتی ہے حالانکہ

دونوں کو ملانے کی وجہ یوں بیان کی گئی ہے کہ ان میں سے ایک' دوسرے کے اثر کو مٹا دیتا ہے۔

تو اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ خربوزے میں کھجور کی نسبت ٹھنڈک ہوتی ہے اگر چہ اس میں مٹھاس کی وجہ سے کچھ حرارت بھی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

سنن نسائی کی ایک روایت میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں:

ان نبی اللہ اکل البطیخ والرطب جمیعا. بے شک نبی اکرم ﷺ نے خربوزے اور کھجور کو ملا کر تناول فرمایا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۴۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۲۶)

امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا آپ فرماتی ہیں: میری والدہ نے میرے جسم کو کچھ موٹا کرنے کے لئے میرا علاج کیا تا کہ مجھے حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کریں تو یہ علاج نہ ہو سکا حتیٰ کہ میں نے کھجور اور تر کو ملا کر کھایا تو میرا جسم اچھے انداز میں موٹا ہو گیا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۲۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۳)

اس حدیث کو امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا اور رطب کی جگہ تمر کا ذکر کیا یعنی خشک کھجور تناول فرمائی۔

خربوزے کے فضائل کے بارے میں جو احادیث ہیں وہ باطل ہیں اگر چہ نوقاتی اپنی جزء (کتاب) میں ان کو ذکر کرنے میں متفرد ہیں جیسا کہ حفاظ نے کہا ہے۔ واللہ اعلم

دو کھانوں کو جمع کرنا

نبی اکرم ﷺ کھجور اور مکھن کو ملا کر کھاتے اور اسے پسند فرماتے تھے۔

حضرت بسر کے دو بیٹوں حضرت عبداللہ اور حضرت عطیہ (رضی اللہ عنہم) سے مروی ہے وہ دونوں فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے تو ہم نے مکھن اور کھجور آپ کے سامنے پیش کی اور آپ مکھن اور کھجور کو پسند فرماتے تھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۳۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۳۴' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۶۵' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۳۲' احکام النبویہ ج ۲ ص ۹۸' فتح الباری ج ۹ ص ۶۱۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۲۰۷)

نبی اکرم ﷺ نے دودھ اور کھجور کو دو پاکیزہ چیزیں قرار دیا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۷۴)

نبی اکرم ﷺ روٹی کو سالن کے ساتھ کھاتے جب سالن مل جاتا۔ بعض اوقات آپ گوشت کے ساتھ کھاتے اور فرماتے:

ھو سید الطعام لاھل الدنیا والاخرۃ. یہ دنیا اور آخرت میں کھانوں کا سردار ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۰۵' کشف الخفاء ج ۱ ص ۵۶۰۔ ج ۲ ص ۲۲۶)

کبھی خربوزے کے ساتھ اور کبھی کھجور کے ساتھ تناول فرماتے آپ جو کی روٹی کے ایک ٹکڑے پر کھجور رکھ کر فرماتے یہ اس کا سالن ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۵۹۔ ۳۸۳۰' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۶۳' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۹۴۔ ۹۶' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۴۰' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۲۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۲۰' شرح السنہ ج ۱۱ ص ۳۲۳' تفسیر قرطبی ج ۱۲ ص ۱۱۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۰۱۵)

امام ابو داؤد اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے سند حسن کے ساتھ یوسف بن عبد اللہ بن سلام کی روایت سے نقل کیا و
فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا (اس کے بعد اوپر والی صورت ذکر کی ہے)۔
ابن قیم نے کہا کہ یہ غذا کی تدبیر سے ہے کیونکہ جو ٹھنڈے خشک ہیں اور کھجور گرم تر ہے دو قولوں میں سے زیادہ صحیح
قول کے مطابق یہ بات ہے۔
تو جو کی روٹی کے لئے کھجور کو سالن بنانا بہترین تدبیر ہے اور کبھی آپ سرکے کے ساتھ کھانا تناول فرماتے اور ارشاد
فرماتے:

نعم الادم الخل. بہترین سالن سرکہ ہے۔

خطابی اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہوا کہ کھانے میں اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی تعریف کی
گئی ہے اور لذیذ کھانوں سے روکا گیا گویا یوں فرمایا:
سرکہ کو سالن بناؤ اور اس چیز کو جو اس جیسی ہو کہ اس میں مشقت کم ہو اور اس کا وجود نادر نہ ہو اور خواہشات کے پیچھے
نہ جاؤ کیونکہ یہ دین کو خراب اور بدن کو بیمار کرنے والی ہیں۔
امام نووی رحمہ اللہ نے اس کا پیچھا کرتے ہوئے فرمایا کہ مضبوط بات یہ ہے کہ یہ صرف سرکہ کی تعریف ہے جہاں
تک کھانوں میں راہ اعتدال اختیار کرنے اور خواہشات کو چھوڑنے کا تعلق ہے تو وہ دوسرے قواعد سے معلوم ہے۔
ابن قیم نے کہا کہ یہ اس وقت کے حالات کے مطابق تعریف ہے دوسرے کھانوں پر فضیلت نہیں جس طرح بعض
لوگوں کا خیال ہے۔ ابن قیم نے کہا کہ حدیث کا سبب یہ ہے کہ ایک دن آپ اپنے گھر والوں کے پاس تشریف لائے تو
انہوں نے کھانا پیش کیا آپ نے پوچھا سالن نہیں ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہمارے پاس صرف سرکہ ہے آپ نے فرمایا
بہترین سالن سرکہ ہے۔
مقصود یہ ہے کہ سالن کے ساتھ روٹی کھانا حفاظت صحت کے اسباب میں سے ہے جب کہ ان میں سے صرف ایک
پر اکتفا کرنا ایسا نہیں ہے سالن کو ''الادم'' کہا گیا کیونکہ وہ روٹی کی اصلاح کرتا اور اسے صحت کی حفاظت کے لئے مناسب
بناتا ہے۔
اس میں سالن کی دودھ، گوشت، شہد اور شوربے پر فضیلت نہیں ہے اگر گوشت یا دودھ ہوتا تو وہ تعریف کے زیادہ
لائق تھا۔
تو آپ نے (سرکہ کے بارے میں) جو کچھ فرمایا تو یہ کھانا پیش کرنے والے کی دلجوئی کے لئے فرمایا یہ مطلب نہیں
کہ اسے باقی تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔

پھل کھانا

نبی اکرم ﷺ اپنے شہر مبارک کا پھل کھاتے جب آپ کے پاس آتا اور اس سے پرہیز نہیں کرتے تھے اور یہ صحت
کا سب سے بڑا سبب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ہر شہر (علاقہ) کے پھل میں وہ تاثیر رکھی ہے جو اس شہر والوں
کے لئے نفع بخش ہوتی ہے پس اس پھل کا کھانا صحت و عافیت کے اسباب میں سے ہے اور بے شمار دوائیوں سے بے نیاز

کردیتا ہے اور اپنے علاقے کے پھل سے بیماری کے خوف سے وہی شخص پرہیز کرتا ہے جو جسمانی اعتبار سے سب سے زیادہ بیمار اور صحت وقوت کے حوالے سے سب سے زیادہ دور ہو پس جو شخص مناسب وقت میں مناسب پھل مناسب طریقے سے کھائے وہ اس کے لئے نفع بخش دوا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے آپ نے فرمایا: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ اس طرح انگور کھاتے کہ اس کا گچھا منہ میں ڈالتے اور دانے کھانے کے بعد ٹہنی باہر لاتے ہم نے اسے غیلانیات سے نقل کیا لیکن ابو جعفر عقیلی نے فرمایا: کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ''الھدی النبوی'' میں اسی طرح کہا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ اندازے سے کھاتے تھے۔

پیاز اور لہسن کھانا

پیاز کے بارے میں امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ ان سے پیاز کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے سب سے آخر میں جو چیز کھائی ہے وہ پیاز ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۲۹، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۳۱)

صحیح بخاری و مسلم میں ثابت ہے کہ آپ نے پیاز کھانے والے کو مسجد میں داخل ہونے سے منع فرمایا۔

اور لہسن آپ نے ہمیشہ ترک فرمایا کیونکہ ہر وقت فرشتوں اور وحی کی آمد متوقع ہوتی تھی۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے حق میں لہسن کے بارے میں ہمارے اصحاب کا اختلاف ہے اسی طرح پیاز اور گندنے (گیندنا یا گندنا ایک بدبودار سبزی ہوتی ہے جو پیاز یا لہسن کے مشابہ ہوتی ہے) وغیرہ کے بارے میں بھی (اختلاف ہے)۔

ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا: کہ یہ آپ پر حرام تھا لیکن ان کے نزدیک زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ کراہت تنزیہی کے ساتھ مکروہ تھا۔ اور حرام نہیں تھا کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا یہ حرام ہے؟ تو آپ نے عمومی جواب دیتے ہوئے فرمایا ''نہیں''۔

اور جن حضرات نے پہلی بات کہی ہے وہ فرماتے ہیں: حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارے حق میں حرام نہیں ہے۔

پس محبت کرنے والے کے لئے مناسب ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی موافقت میں لہسن وغیرہ کو چھوڑ دے اور جس چیز کو آپ نے ناپسند کیا اسے ناپسند کرے کیونکہ سچے محب کے اوصاف میں سے یہ بات بھی ہے کہ جس چیز کو محبوب پسند کرے اسے پسند کرے اور جسے وہ اچھا نہ سمجھے یہ بھی پسند نہ کرے۔

نبی کریم ﷺ کے کھانے اور بیٹھنے کا طریقہ

رسول اکرم ﷺ تین انگلیوں سے کھاتے تھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۴۸، مسند احمد ج ۶ ص ۳۸۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۲، سنن دارمی ج ۲ ص ۹۷، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۷۷، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۷۸، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۵، اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۲۷۔ ج ۷ ص ۱۱۷، فتح الباری ج ۹ ص ۲۳۷، اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۱۹۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۱۹۷)

اور جیسا کہ ''الھدی میں ہے کہ'' کھانے کے طریقوں میں سے یہ طریقہ زیادہ نفع بخش ہے کیونکہ ایک انگلی سے کھانا

متکبر کا کھانا ہے اور اس سے کھانے والے کو لذت حاصل نہیں ہوتی نہ خوشگوار ہوتا ہے اور نہ ہی جلدی سیر ہوتا ہے۔ آلا
طعام اور معدہ کو بھی فرحت حاصل نہیں ہوتی کہ وہ ہر لقمہ میں جو کچھ پاتا ہے وہ کراہت (ناپسندیدگی) سے لیتا ہے جس
طرح کوئی شخص اپنا حق قسطوں میں لیتا ہے تو وہ اس سے لذت محسوس نہیں کرتا۔

اور پانچوں انگلیوں اور اس کے ساتھ (کچھ) ہتھیلی کے ساتھ کھانے سے آلہ طعام (منہ اور حلق) اور معدے
ہجوم ہوتا ہے اور بعض اوقات وہ آلات بند ہو جاتے ہیں اور آدمی مر جاتا ہے نیز آلات اسے دور کرنے اور معدہ برداشت
کرنے سے تھک جاتا ہے اور اس طرح کھانے سے لذت اور خوشگواری بھی حاصل نہیں ہوتی لہٰذا سب سے زیادہ نفع بخش
کھانا' نبی اکرم ﷺ کا اور آپ کی اقتداء کرنے والوں کا کھانا ہے اور وہ تین انگلیوں کے ساتھ کھانا ہے۔

نبی اکرم ﷺ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو انگلیاں چاٹتے تھے۔

''صحیح مسلم کی'' ایک روایت میں ہے کہ آپ ہاتھ پونچھنے سے پہلے ان کو چاٹتے تھے ایک اور روایت میں ہے کہ آپ
انگلیوں اور برتن کو چاٹنے کا حکم دیتے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۳۳' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۴۱۶۴' اخلاق النبوہ رقم الحدیث:۹۴

حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ام عاصم رضی اللہ عنہا سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں: کہ حضرت نبیشۃ الخیر رضی
اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم ایک پیالے میں کھا رہے تھے انہوں نے ہم سے بیان کیا کہ رسول اکرم ﷺ
نے فرمایا:

من اکل فی قصعة ثم لحسها استغفرت له القصعة. جو آدمی پیالے میں کھائے پھر اسے چاٹے تو پیالہ اس کے لئے بخشش کی دعا کرتا ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۸۰۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۲۷۱_۳۲۷۲' مسند احمد ج۵ص ۷۶' سنن دارمی ج۲ص ۹۶' کشف
الخفاء ج۲ص ۳۱۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۴۲۱۸_۴۲۴۴' شرح السنہ ج۱۱ص ۳۱۶' کنز العمال رقم الحدیث:۴۰۸۷۷' اتحاف السا
المتقین ج۵ص ۲۲۵_ج۷ص ۱۲۳)

اسی طرح ابن ماجہ' امام احمد' ابن شاہین اور دارمی وغیرہ نے بھی ذکر کیا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ حدیث غریب
ہے۔

بعض نے اسے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے:

تستغفر الصفحة للاحسها. پیالہ اپنے چاٹنے والے کے لئے بخشش مانگتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں مرفوعاً مروی ہے کہ ابوالشیخ نے ''کتاب الثواب میں'' نقل کیا کہ جس شخص
نے اس چیز کو کھایا جو دستر خوان یا پیالے سے گرتی ہے وہ محتاجی' برص اور کوڑھ کی بیماری سے محفوظ رہتا ہے نیز اس کی اولاد
بیوقوف نہیں ہوتی۔

دیلمی نے اچھے طریق سے اپنے آباؤ اجداد سے روایت کیا وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت
کرتے ہیں:

من اکل ما یسقط من المائدة خرج ولده صباح الوجوه و نفی عنه الفقر. جوشخص دسترخوان پر گرا ہوا کھانا کھاتا ہے اس کی اولاد خوشنما چہروں والی پیدا ہوتی ہے اور وہ فقر سے محفوظ رہتا ہے۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

عاش فی سعة و عوفی فی ولده. وہ کشادہ حالی میں زندگی گزارتا ہے اور اسے اولاد میں عافیت حاصل ہوتی ہے۔

یہ روایات منکر ہیں۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۲۴' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۴۲' احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۶)

لیکن ''صحیح مسلم میں'' حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کا لقمہ گرے تو اس کے ساتھ جو کچھ لگا ہے اسے دور کر دے اور اسے شیطان کے لئے نہ چھوڑے اور جب تک انگلیوں کو چاٹ نہ لے رومال سے نہ پونچھے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ برکت کھانے کے کس حصے میں ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۴' مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۷۸' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۲۰' المغنی ج ۲ ص ۵' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۴۲' علل الحدیث: ۱۵۳۴)

حضرت امام طبرانی رحمہ اللہ نے ''الاوسط میں'' حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے انگلیاں چاٹنے کی کیفیت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ تین انگلیوں یعنی انگوٹھے شہادت والی اور درمیان والی انگلی کے ساتھ کھانا کھاتے پھر میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ ہاتھ پونچھنے سے پہلے تینوں انگلیوں کو چاٹتے سب سے پہلے درمیانی انگلی پھر اس کے ساتھ والی اور پھر انگوٹھے کو چاٹتے تھے۔

حافظ زین الدین عراقی نے شرح ترمذی میں لکھا کہ اس میں راز یہ ہے کہ درمیان والی انگلی سے کھانا زیادہ لگتا ہے کیوں کہ وہ لمبی ہے اس لئے دوسری انگلیوں کی نسبت اس کے ساتھ کھانا زیادہ رہ جاتا ہے نیز طویل ہونے کی وجہ سے وہ کھانے میں سب سے پہلے آتی ہے۔

ابن شہاب کی مرسل روایت میں جو حضرت سعید بن منصور سے مروی ہے یوں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب کھانا تناول فرماتے تو پانچ انگلیوں کے ساتھ کھاتے تھے۔

تو پہلی احادیث اور اس حدیث کو مختلف حالات پر محمول کیا جائے گا۔ بعض روایات میں انگلیاں چاٹنے کی وجہ وضاحت سے بیان ہوتی ہے کہ تم نہیں جانتے برکت کھانے کے کس حصے میں ہے؟

اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو دنیوی شان و شوکت کی وجہ سے انگلیاں چاٹنے کو ناپسند کرتے ہیں ہاں یہ ناپسندیدگی اس صورت میں ہوسکتی ہے جب کھانے کے دوران انگلیاں چاٹے کیونکہ وہ دوبارہ کھانے میں داخل کرتا ہے اور ان پر تھوک کا اثر ہوتا ہے۔

خطابی فرماتے ہیں: جن لوگوں کی خوشحالی نے ان کی عقل کو خراب کر دیا وہ انگلیاں چاٹنے کو برا سمجھتے ہیں اور ان کے خیال میں یہ بہت بری بات ہے گویا وہ نہیں جانتے کہ جو کھانا انگلیوں اور پیالے کے ساتھ لگا ہوا ہے وہ اسی کھانے کا ایک

حصہ ہے جسے انہوں نے کھایا ہے اور اگر باقی اجزاء میں خرابی نہیں تو اس تھوڑے سے حصے میں کیا خرابی ہوگی؟

اس میں زیادہ سے زیادہ یہی بات ہے کہ انگلیوں کو ہونٹوں کے اندرونی حصے سے چوستا ہے اور کسی عقلمند کو شک نہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ آدمی کلی کرتے وقت اپنی انگلی منہ میں ڈالتا ہے اور اس سے دانتوں اور منہ کے اندر والے حصے کو ملتا ہے پھر کوئی بھی نہیں کہتا کہ یہ گندگی اور برا طریقہ ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کسی کام کو ناپسندیدہ کہے وہ بے ادب ہے اسے بہت بڑے عذاب سے ڈرنا چاہیے ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کریم کی وجاہت کے صدقے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں نبی اکرم ﷺ کی سنت مبارک کو ناپسند کرنے کے طریقے پر نہ چلائے اور ہمارے لئے آپ کی محبت کو ہمیشہ قائم رکھے۔

نبی اکرم ﷺ ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتے تھے کیونکہ صحیح حدیث میں ثابت ہے آپ نے فرمایا:

لا اکل متکئا. میں تکیہ لگا کر (کھانا) نہیں کھاتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۹۸۔۵۳۹۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۶۹، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۳۰، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۶۴، حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۲۵۶)

اور آپ نے یہ بھی فرمایا:

انما انا عبد اجلس کما یجلس العبد واکل کما یاکل العبد. بے شک میں بندہ ہوں میں اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح بندہ بیٹھتا ہے اور اس طرح کھاتا ہوں جس طرح بندہ کھاتا ہے۔

(الشفاء ج ۱ ص ۱۳۱، اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۱۴۔ ج ۷ ص ۱۱۶۔ ج ۸ ص ۳۹۳۔ ج ۹ ص ۳۵۱، المغنی ج ۲ ص ۴۔ ۳۶۷۔ ج ۳ ص ۳۵۰، الکامل ج ۵ ص ۱۷۱۹، الزہد رقم الحدیث: ۵۵۳، اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۱۹۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۰۷۰۸۔۴۰۷۹۳)

امام ابن ماجہ اور طبرانی نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بکری کا تحفہ پیش کیا گیا تو آپ اپنے گھٹنوں پر جھک کر کھانے لگے ایک دیہاتی نے کہا یہ بیٹھنے کا کونسا طریقہ ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے کریم بنایا ہے متکبر سرکش نہیں بنایا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۷۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۶۳، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۷۷۵۔۴۷۷۶، مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۵۱، الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۳۰، فتح الباری ج ۹ ص ۶۷۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۸۶۔۴۰۸۱۰۔۴۱۷۰۷)

ابن بطال فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتے ہوئے یہ طریقہ اختیار فرمایا اس کے بعد انہوں نے حضرت ایوب کے طریق سے روایت نقل کی وہ امام زہری سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک فرشتہ آیا جو پہلے کبھی نہیں آیا تھا اس نے کہا آپ کا رب آپ کو اختیار دیتا ہے کہ آپ نبی بادشاہ ہوں یا نبی بندے آپ نے مشورہ طلب کرنے والے کی طرح حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا تو انہوں نے آپ کی طرف اشارہ کیا کہ تواضع اختیار کریں چنانچہ آپ نے فرمایا: میں بندہ نبی بننا چاہتا ہوں۔

راوی فرماتے ہیں: (پھر) آپ نے کبھی تکیہ لگا کر نہیں کھایا۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۱، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۸، موارد الظمآن رقم

الحدیث: ۲۱۳۷، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۱۶، فتح الباری ج ۹ ص ۶۷۶، اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۱۹۸)

یہ حدیث مرسل یا معضل ہے [1] اور امام نسائی رحمہ اللہ نے موصولا زبیدی کے طریقے سے جو امام زہری سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کرتے ہیں نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو کبھی بھی تکیہ لگا کر کھاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ نے صرف ایک مرتبہ تکیہ لگا کر کھایا۔

دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب تکیہ لگا کر کھایا تو اس پر حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ مطلع نہیں ہوئے ہوں گے۔

ابن شاہین نے اپنی ''ناسخ'' میں حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ کی مرسل روایت سے نقل کیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کو تکیہ لگا کر کھاتے ہوئے دیکھا تو روک دیا۔

اور ابن ماجہ نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے آدمی کو منہ کے بل کر جھک کر کھانے سے منع فرمایا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۷۰، احکام النبویہ ج ۱ ص ۱۰۱)

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفاء میں'' فرمایا: کہ تکیہ لگانے سے کھانے والے کا ٹیک لگانا مراد ہے جس طرح چوکڑی مار کر بیٹھنا وغیرہ گویا اس طرح بیٹھنے والے کا اپنے نیچے والی جگہ ٹک جانا ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں: اس طرح بیٹھنے والا زیادہ کھاتا ہے جب کہ نبی اکرم ﷺ کا کھانے کے لئے بیٹھنا اس طرح ہوتا تھا کہ جس سے فوراً اٹھ سکیں یعنی ٹانگ کھڑی کر کے بیٹھتے تھے حدیث شریف میں جس تکیہ لگانے کا ذکر ہے اس کا مطلب ایک پہلو کی طرف جھکاؤ نہیں۔

سرین کو زمین پر لگا کر پنڈلیوں کو کھڑا کر کے بیٹھنا ''اقعاء'' کہلاتا ہے اور حضور علیہ السلام کھانے کے لئے یوں بیٹھا کرتے تھے اور یہ طریقہ نماز میں منع ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے تکیہ لگانے کی وضاحت (شرح مسلم) الاکمال میں خطابی سے نقل کی اور فرمایا: کہ خطابی نے اس تاویل میں اکثر لوگوں کی مخالفت کی ہے کیونکہ عام لوگوں کے نزدیک تکیہ لگانے سے مراد کسی ایک پہلو کی طرف جھک جانا ہے۔

میں نے جو کچھ خطابی کی طرف منسوب دیکھا ہے وہ اس طرح ہے کہ وہ فرماتے ہیں: عام لوگوں کا خیال ہے کہ تکیہ لگا کر کھانے والا کسی ایک پہلو پر ہو کر کھاتا ہے حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ وہ اپنے نیچے والی چیز کا سہارا لیتا ہے۔

کسی ایک پہلو پر ہونے کو تکیہ لگانا کہا گیا ہے ابن جوزی نے یہی وضاحت کی ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ کسی چیز پر ٹیک لگانا مراد ہے ایک قول کے مطابق بائیں ہاتھ کو زمین پر ٹکانا مراد ہے۔

ابن عدی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے سختی کے ساتھ روکا ہے کہ کوئی شخص کھانا کھاتے وقت بائیں ہاتھ کو زمین پر رکھ دے۔

---

[1] مرسل وہ حدیث ہے جس میں تابعی، صحابی کا ذکر نہ کرے اور براہ راست حضور ﷺ سے روایت کرے اور معضل وہ حدیث ہے جس کی سند کے درمیان میں سے دو راوی چھوٹ جائیں۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ یہ تکیہ لگانے کی ایک قسم ہے۔ حافظ ابوالفضل عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کھانے والا جس صورت کو بھی تکیہ لگانا سمجھتا ہے وہ مکروہ ہے کوئی خاص شکل مراد نہیں ہے۔
ابن اثیر نے ''النہایہ میں'' نقل کیا کہ جس نے تکیہ لگانے سے ایک طرف جھکنا مراد لیا ہے اس نے طبی اعتبار سے یہ وضاحت کی ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ اس طرح کھانے والے کو نقصان ہوتا ہے کیونکہ اس طرح کھانا فطری طور پر معدہ کی طرف جاری نہیں ہوتا اور معدے پر دباؤ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ غذا کے لئے کھلتا نہیں البتہ کسی چیز پر ٹیک لگانا متکبرین کا طریقہ ہے جو بندگی کے خلاف ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح بندہ کھاتا ہے۔

اگر تکیہ لگانے سے مراد کسی چیز کا سہارا لینا یا نیچے والی چیز پر اطمینان سے بیٹھنا ہے جس طرح میں نے خطابی سے نقل کیا ہے تو مفہوم یہ ہوگا کہ جب میں کھانا کھاتا ہوں تو متکبر لوگوں اور زیادہ کھانے والوں کی طرح تکیہ وغیرہ پر ٹیک نہیں لگاتا بلکہ میں تھوڑا سا کھاتا ہوں اسی لئے یوں بیٹھتا ہوں کہ جلدی اٹھ سکوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی چیز کا سہارا لیتے ہوئے کھجوریں کھائیں اور آپ بھوک کی حالت میں تھے (یعنی کمزوری کی وجہ سے ضرورت کے تحت ایسا کیا)۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے کسی چیز کا سہارا نہیں لیا اور ٹانگیں مبارک کھڑی کر کے بیٹھتے تھے۔

تکیہ لگا کر کھانے کے بارے میں بزرگوں کا اختلاف ہے۔ ابن القاص کا خیال ہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے (یعنی اس کا مکروہ ہونا آپ کے ساتھ خاص ہے)۔

لیکن سہیل نے تعاقب کرتے ہوئے فرمایا: کہ آپ کے علاوہ لوگوں کے لئے بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ تکبر کرنے والوں کا فعل ہے اور اس کی اصل عجمی بادشاہوں سے لی گئی وہ فرماتے ہیں اگر کوئی رکاوٹ ہو اور آدمی تکیہ لگائے بغیر نہ کھائے تو کراہت نہیں ہے پھر انہوں نے بزرگوں کی ایک جماعت کے بارے میں ذکر کیا کہ انہوں نے اس طرح کھایا ہے اور انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ ضرورت کے تحت ایسا کیا۔

''فتح الباری میں ہے کہ'' اس بات پر محمول کرنا محل نظر ہے کیونکہ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس' خالد بن ولید' محمد بن سیرین' عطاء بن یسار اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مطلق جواز کا قول نقل کیا ہے اور جب اس کا مکروہ یا خلاف اولیٰ ہونا ثابت ہو گیا تو کھانے کے لئے بیٹھنے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ اپنے گھٹنوں اور قدموں کی پیٹھ پر جھکا ہوا ہو یا دائیں ٹانگ کھڑی کرے اور بائیں پاؤں پر بیٹھے۔

ابن قیم نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یوں بھی مذکور ہے کہ آپ دونوں گھٹنوں کو بچھاتے اور بائیں قدم کا پیٹ دائیں پاؤں کی پیٹھ پر رکھتے اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع کرنا اور جو کچھ سامنے ہے اس کا ادب مقصود تھا اور کھانے کے تمام طریقوں میں سے یہ طریقہ سب سے افضل ہے کیونکہ اس صورت میں تمام اعضاء اس طبعی طریقے پر ہوتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے۔

ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے طریق سے نقل کیا' فرماتے ہیں: کہ اسلاف تکیہ لگا کر کھانے

کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ اس سے پیٹوں کے بڑھنے کا خطرہ ہے۔

بسم اللہ اور الحمد للہ پڑھنا

جب کھانا رکھا جاتا تو نبی اکرم ﷺ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھتے تھے۔

(مسند احمد ج ۴ص ۳۳۷، المغنی ج ۲ص ۳۶۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۱۸۱)

حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے "کتاب الاذکار میں" کھانے کے آداب کے تحت لکھا ہے کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھنا افضل ہے اور اگر صرف بسم اللہ پڑھے تو بھی کافی ہے اور سنت پر عمل ہو جاتا ہے۔ "فتح الباری میں" فرمایا کہ انہوں نے جو فضیلت کا ذکر کیا ہے میں نے اس پر کوئی دلیل نہیں پائی۔

رسول اکرم ﷺ کھانے کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے یہ کلمات پڑھتے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنِىً عَنْهُ رَبُّنَا. تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں بہت زیادہ تعریف جو پاک اور برکت والی ہے نہ چھوڑا جائے اور نہ بے نیازی اختیار کی جائے اور (وہ) ہمارا رب ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۵۸۔۵۴۵۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۹، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۴۹، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۵۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۸۴، سنن دارمی ج ۲ص ۹۵، السنن الکبریٰ ج ۲ص ۹۵، المعجم الکبیر ج ۸ص ۱۶۸، اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ص ۱۴۔ ج ۷ص ۱۲۴، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۱۹۹، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۶۸، الترغیب والترہیب ج ۲ص ۴۴۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۱۷۸)

غیر مودع کا معنی نہ چھوڑا جائے اور ولا مستغنی کا معنی ہے کہ اس سے بے نیازی اختیار نہ کی جائے۔

ربنا مرفوع ہے مبتدا محذوف ھو کی خبر ہے یعنی وہ ہمارا رب ہے اور مدح کی بنیاد پر نصب بھی جائز ہے یا اختصاص کی بنیاد پر یا اعنی فعل مقدر ہے۔ ابن جوزی نے کہا کہ منادی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور حرف ندا محذوف ہے یعنی یا ربنا۔

ایک حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِيْنَ. تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۷، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۵۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۸۳، مسند احمد ج ۳ص ۳۲۔ ۹۸۔۲۵۳، الدر المنثور ج ۳ص ۷، فتح الباری ج ۹ص ۲۵۷، مطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۳۵۳، مجمع الزوائد ج ۵ص ۲۹، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۳۸۶، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۹۸، اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۲۱۹)

حضرت امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت عبد الرحمٰن بن جبیر مصری کے طریق سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ ان سے ایک ایسے شخص نے بیان کیا جس نے آٹھ سال نبی اکرم ﷺ کی خدمت کی کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا جب آپ کے سامنے کھانا لایا جاتا تو آپ "بسم اللہ" پڑھتے اور جب فارغ ہوتے تو یہ کلمات پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ اَطْعَمْتَ وَ سَقَیْتَ وَاَغْنَیْتَ وَاَقْنَیْتَ وَ ھَدَیْتَ وَاَحْیَیْتَ فَلَکَ الْحَمْدُ عَلٰی مَا اَعْطَیْتَ.

یا اللہ تو نے کھلایا اور پلایا اور بے نیاز کیا اور مال عطا کیا (جو بچ جاتا ہے) تو نے ہدایت دی اور زندگی عطا فرمائی پس تیرے لئے تعریف کہ تو نے عطا فرمایا۔

(مسند احمد ج۴ص۶۲_۳۳۷' کشف الخفاء ج۱ص۳۳۷' اتحاف السادۃ المتقین ج۲ص۲۰۷۔ ج۶ص۴۰۴' فتح الباری ج۹ص۵۲۵' تاریخ دمشق ج۱ص۸۸' اخلاق النبوۃ رقم الحدیث:۶۰_۲۲۰' دلائل النبوۃ رقم الحدیث:۳۱_۱۰۳' تاریخ طبری ج۲ص۴۴۶' کنز العمال رقم الحدیث:۳۰۰۸۰_۳۰۰۸۳)

دائیں ہاتھ سے کھانا [1]

نبی اکرم ﷺ ہر کام میں دائیں طرف کو پسند فرماتے تھے اور آپ نے فرمایا:

یا غلام سم اللہ و کل بیمینک و کل مما یلیک.

اے لڑکے! اللہ تعالیٰ کا نام لو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ نیز اپنے سامنے سے کھاؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۳۷۶_۵۳۷۷_۵۳۷۸' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۲۶۸' مسند احمد ج۴ص۲۶' السنن الکبریٰ ج۷ص۲۷۷' تفسیر قرطبی ج۴ص۸۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج۸ص۱۰۴' شرح السنہ ج۱۱ص۲۷۵' کنز العمال رقم الحدیث:۴۰۷۳۸)

حافظ زین الدین عراقی نے ''شرح ترمذی میں'' لکھا ہے کہ شافعی مسلک والوں نے اسے استحباب پر محمول کیا ہے۔ امام غزالی اور پھر امام نووی رحمہ اللہ نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ نے ''الرسالہ میں اور کتاب الدم کے'' ایک مقام پر وجوب کا قول کیا۔ صیرفی نے ''الرسالہ کی'' شرح میں اسی طرح لکھا ہے۔

البویطی نے اپنی مختصر میں نقل کیا کہ ثرید کے اوپر سے کھانا' رات کو راستے میں اترنا اور (ایک سے زیادہ) کھجوروں کو ملا کر کھانا حرام ہے۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ نے ''اپنی منہاج میں'' نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی: ''کل مما یلیک سامنے سے کھاؤ''۔ کی بنیاد پر اسے مستحب قرار دیا۔

شیخ تاج الدین سبکی نے اس کی شرح میں ان کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے دوسرے مقام پر واضح طور پر لکھا ہے کہ جو شخص اس ممانعت کو جانتے ہوئے اپنے سامنے سے نہ کھائے وہ گناہ گار ہے اور فرمایا کہ میرے والد رحمہ اللہ نے اس قسم کے مسائل کو ایک کتاب میں جمع کیا جس کا نام ''کشف اللبس عن المسائل الخمس'' رکھا اور اس قول کی تائید کی ہے کہ اس میں امر وجوب کے لئے ہے۔

---

[1] (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۲۶_۵۳۸۰' صحیح مسلم رقم الحدیث:۶۶_۶۷' سنن نسائی ج۱ص۸۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۱۴۰' مسند احمد ج۶ص۹۴_۱۳۰_۱۴۷' جامع ترمذی رقم الحدیث:۶۰۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۰۱' المعجم الکبیر ج۱۰ص۳۸۳' مجمع الزوائد ج۳ص۱۳۹' اتحاف السادۃ المتقین ج۲ص۳۶۱' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۴۰۰' مسند ابو عوانہ ج۱ص۲۲۲' کنز العمال رقم الحدیث:۴۲۰۳۷)

شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ اسے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: کہ دائیں ہاتھ سے کھانے کے واجب ہونے پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ بائیں ہاتھ سے کھانے کی سخت سزا بیان کی گئی ہے۔

''صحیح مسلم میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا آپ نے فرمایا دائیں ہاتھ سے کھاؤ اس نے کہا اس کی مجھے طاقت نہیں آپ نے فرمایا تجھے اس کی طاقت نہ ہو چنانچہ اس کے بعد وہ اس ہاتھ کو منہ تک نہ اٹھا سکا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۷' مسند احمد ج ۴ ص ۴۶' سنن دارمی ج ۲ ص ۹۷' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۳۸' المعجم الکبیر ج ۷ ص ۱۵' سنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۷۷' فتح الباری ج ۹ ص ۶۵۲' التمہید ج ۱ ص ۲۷۷' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۵۹۰۴)

سوال: نبی اکرم ﷺ پیالے کے کناروں میں سے کدو تلاش کرتے تھے اور یہ سامنے سے کھانے کے خلاف ہے؟

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ساتھ کھانے والا راضی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن جب دوسرے ساتھی کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے تو صرف اپنے قریب سے کھائے۔

ابن بطال نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کا ہاتھ مبارک کھانے میں گھومتا تھا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ کسی کو یہ بات ناپسند نہیں اور نہ ہی کسی کو اس سے گھن آتی تھی بلکہ صحابہ کرام آپ کے لعاب اور آپ کے دست مبارک سے چھوئی گئی چیز سے برکت حاصل کرتے تھے بلکہ وہ تو آپ کے ناک مبارک سے نکلے ہوئے پانی کو ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے ہوئے لیتے اور اپنے چہروں پر ملتے تھے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا: کہ آپ اس لئے ایسا کرتے تھے کہ تنہا تناول فرما رہے ہوتے لیکن یہ بات تسلیم نہیں کی جاتی کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ کھاتے تھے۔

اور ترمذی شریف میں حضرت عکراش رضی اللہ عنہ کی حدیث منقول ہے جس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر ایک قسم کا کھانا ہو تو اپنے سامنے سے تجاوز نہ کرے اور کئی قسم کا ہو تو جائز ہے۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ واللہ اعلم

ہاتھوں کو دھونا

نبی اکرم ﷺ کے سامنے کھانا رکھا گیا تو صحابہ کرام نے عرض کیا کیا ہم آپ کے وضو کے لئے پانی نہ لائیں؟ آپ نے فرمایا: مجھے وضو کا حکم اس وقت دیا گیا جب میں نماز کے لئے کھڑا ہوں۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۳۷۶۰' سنن نسائی ج ۱ ص ۸۵' مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۲۔۳۵۹' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۴۲۔۳۴۸' المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۸۲۔ ج ۱۱ ص ۱۲۲' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۹۵۔۳۴۸' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۱۳' الدر المنثور ج ۲ ص ۲۶۲' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۳۵' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۰۹۔۴۲۱۰' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳' فتح الباری ج ۱ ص ۵۱۹)

انہی کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

برکة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده.

کھانے کی برکت پہلے اور آخر میں وضو ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۸۴۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۳۷۶۱' مسند احمد ج ۵ ص ۴۴۱' المعجم الکبیر ج ۶ ص ۲۹۲' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۴' شمائل ترمذی رقم الحدیث:۹۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۴۲۰۸' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۱۲' العلل المتناہیہ ج ۲

ص ۱۶۳' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۴۱' الکامل ج ۶ ص ۲۰۶۸' شرح السنہ ج ۱۱ ص ۲۸۲' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۵۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۲۲۴ ـ ۴۰۷۶۳)

تو پہلی حدیث میں شرعی وضو مراد ہے اور دوسری حدیث میں لغوی وضو مراد ہے (یعنی صرف ہاتھ دھونا اور کلی کرنا)۔

ابو یعلی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا کہ جو شخص اس گوشت میں سے کچھ کھائے تو وہ اس کی بُو اور نقصان کو ہاتھوں سے صاف کرے اور اپنے پیچھے والے کو تکلیف نہ پہنچائے۔

گرم کھانا

نبی اکرم ﷺ گرم کھانا نہیں کھاتے تھے۔ طبرانی نے ''الصغیر اور الاوسط میں'' حضرت بلال بن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک پیالہ لایا گیا جو ابل رہا تھا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگ نہیں کھلائی۔ فرماتے ہیں: حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بہت کم روایت کرتے ہیں۔ (کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۸۰)

حضرت ابونعیم نے ''الحلیہ میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ آپ داغ لگانے اور گرم کھانے کو ناپسند فرماتے تھے اور آپ ارشاد فرماتے:

علیکم بالبارد فانہ ذو برکۃ الا وان الحار لا برکۃ لہ.

تم پر ٹھنڈا کھانا لازم ہے کیونکہ اس میں برکت ہوتی ہے سنو! گرم کھانے میں برکت نہیں ہوتی۔

(کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۸' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۵۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۱۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۳۵۹)

حضرت امام احمد اور ابونعیم نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا کہ جب آپ ثرید بناتیں تو کسی چیز سے ڈھانپ دیتیں حتیٰ کہ اس کا ابال ختم ہو جاتا پھر فرماتیں: میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: اس میں برکت زیادہ ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۷۷' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۴۱' کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۸)

لیکن امام بیہقی رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس گرم کھانا لایا گیا تو آپ نے فرمایا: اتنے اتنے دنوں سے آج تک میرے بطن اقدس میں گرم کھانا داخل نہیں ہوا۔

(السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۸۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۱۶' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۱۸۸' المغنی ج ۲ ص ۳۶۷)

آپ کے پیالے کی کیفیت

نبی اکرم ﷺ کے پاس لکڑی کا پیالہ تھا جسے لوہے کے ساتھ مضبوط کیا گیا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو تمام مشروبات یعنی پانی' جوس اور شہد اسی پیالے میں پلایا ہے۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ تشریف لاتے حتیٰ کہ ثقیفہ بنو ساعدہ میں آپ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشریف فرما ہوئے پھر فرمایا: اے سہل! ہمیں پلایئے تو میں نے آپ کے لئے یہی پیالہ نکالا اور سب کو اسی سے پلایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۸' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۱)

(ابو حازم راوی فرماتے ہیں:) حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے یہ پیالا ہمارے لئے نکالا تو ہم نے اس میں پیا پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما نے اسے بطور ہبہ طلب کیا تو انہوں نے ان کو ہبہ کر دیا۔ ان دنوں حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینہ طیبہ کے حکمران بنائے گئے تھے۔

''صحیح بخاری میں ہی'' حضرت عاصم احول رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کا پیالہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس دیکھا وہ ٹوٹ چکا تھا اور اس کو چاندی (کی تاروں) کے ساتھ جوڑا گیا تھا۔ انہوں نے فرمایا یہ نہایت عمدہ اور چوڑا تھا اور خالص لکڑی کا زردی مائل تھا۔ [1]

(راوی فرماتے ہیں:) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی اکرم ﷺ کو اس پیالے میں اتنی اتنی مدت سے زیادہ پلایا ہے۔

ابن سیرین فرماتے ہیں: اس میں لوہے کا کونڈا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اسے سونے یا چاندی کے کونڈے سے بدلنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو کچھ نبی اکرم ﷺ نے بنایا اور چھوڑا اس میں تبدیلی نہ کریں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ہی ابو حمزہ سکری کے طریق سے حضرت عالم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے وہ پیالہ دیکھا اور اس میں پیا بھی ہے۔

ابو نعیم نے حضرت علی بن حسن بن شقیق کے طریق سے حضرت ابو حمزہ سے روایت کیا پھر فرمایا: حضرت علی بن حسن نے فرمایا: کہ میں نے وہ پیالہ دیکھا اور اس میں پیا ہے۔

امام قرطبی نے ''مختصر البخاری میں'' ذکر کیا کہ انہوں نے ''صحیح بخاری کے'' بعض قدیم نسخوں میں دیکھا۔ حضرت ابو عبداللہ بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ میں نے یہ پیالہ بصرہ میں دیکھا اور اس میں پیا اور یہ حضرت نضر بن انس رضی اللہ عنہ کی وراثت سے آٹھ لاکھ میں خریدا گیا تھا۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت شریک کے طریق سے حضرت عاصم سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس نبی اکرم ﷺ کا پیالہ دیکھا جس کو چاندی سے مضبوط کیا گیا تھا۔

آپ نے میز پر کھانا نہیں کھایا

نبی اکرم ﷺ نے میز پر کھانا نہیں کھایا اور نہ ہی چپاتی کھائی ہے۔ (خوان کا لفظ استعمال ہوا جو میز یا تپائی کو کہتے ہیں اور یہ عجمیوں کا طریقہ تھا، متکبر لوگ اس طرح کھاتے تھے تاکہ کھانے کی طرف جھکنا نہ پڑے۔ ۱۲ ہزاروی)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۸۶۔۵۴۱۵۔۶۴۵۰، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۸۸، مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۰، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۴۳۔ ج ۹ ص ۳۳۱، ۴۳۳، المغنی ج ۲ ص ۳۸۱)

خوان خاء پر پیش بھی آتی ہے اور زیر بھی جب تک اس پر کھانا نہ رکھیں خوان کہلاتا ہے۔

سفرہ دسترخوان کو کہتے ہیں اور یہ اس کپڑے وغیرہ کے لئے معروف ہے جس پر کھانا رکھتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کھانا کھانے کے بعد سو جانے سے منع فرماتے اور آپ فرماتے: کہ اس سے دل سخت ہو جاتا ہے اس

---

[1] منبع ایک درخت ہے، جس سے تیر کمان بناتے ہیں اس سے بنا ہوا تھا اور بعض کے نزدیک اثل (جھاؤ) درخت کا بنا ہوا تھا۔

بات کو ابونعیم نے ذکر کیا اسی لئے حکماء کہتے ہیں کہ جو شخص صحت کی حفاظت چاہتا ہے وہ کھانے کے بعد چلے اگرچہ ایک قدم ہوں اور کھانے کے بعد نہ سوئے کیونکہ اس سے بہت نقصان ہوتا ہے اور کھانے کے بعد نماز اس کے ہضم کو آسان بناتی ہے۔ یہ بات زاد المعاد (الھدی) میں ذکر کی گئی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے مشروبات

نبی اکرم ﷺ کے لئے میٹھا پانی لایا جاتا تھا (یعنی کھارا نہیں ہوتا تھا) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ آپ کے لئے سقیا کے گھروں سے پانی لایا جاتا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۷۳۵ ' طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۰۱ ' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۸۲۸۳ ' اتحاف السادۃ المتقین ج ص ۴۲۷ ۔ ج ۵ ص ۲۵۵ ' اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۲۲۷ ۔ ۲۲۸ ' شرح السنہ ج ۱۱ ص ۳۸۳ ' المغنی ج ۱ ص ۲۶۲ ' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۲۳۲)

سقیا ایک کنواں ہے جو مدینہ طیبہ سے دو دن کے فاصلے پر ہے۔

ابن بطال نے کہا کہ میٹھا پانی پینا زہد کے خلاف نہیں اور اس خوشحالی میں داخل نہیں جو مذموم ہے ہاں خوشبو وغیرہ کے ذریعے پانی کو طیب بنانا اور بات ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے اسے ناپسند کیا کیونکہ اس میں فضول خرچی ہے لیکن میٹھا پانی پینا اور اسے طلب کرنا مباح ہے نیک لوگوں نے یہ کام کیا ہے اور نمکین پانی پینے میں کوئی فضیلت نہیں۔

رسول اکرم ﷺ شہد کو ٹھنڈے پانی میں ملا کر نوش فرماتے تھے۔

ابن قیم نے کہا کہ اس میں صحت کی حفاظت ہے اور اس کو صرف بڑے بڑے حکماء سمجھ سکتے ہیں' شہد پینا اور اسے تھوک کے ساتھ چاٹنا بلغم کو دور کرتا اور معدے کی صفائی کرتا ہے یعنی اس کے اوپر جو کچھ چمٹا ہوا ہو اسے دور کرتا ہے' آلائش وغیرہ دور کر کے اس کی بندش کو کھولتا ہے اور ٹھنڈے پانی میں تری ہوتی ہے جو حرارت کو ختم کر کے بدن کی حفاظت کرتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا پسندیدہ ترین مشروب میٹھا ٹھنڈا (پانی) تھا۔ (یاد رہے کہ میٹھے سے مراد یہ ہے کہ کھارا نہ ہو)۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۹۵ ' مسند احمد ج ۶ ص ۳۸ ۔ ۴۰ ' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۲۵۷ ' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۴ ' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۵۵ ' اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۲۰۸ ۔ ۲۲۷ ۔ ۲۲۸ ' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۸۲ ' علل الحدیث رقم الحدیث: ۱۵۸۸ ' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۲۲۱)

یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد وہ پانی ہو جس میں شہد ملایا گیا یا جس میں کھجور یا انگور کا رس ہو۔

نبی اکرم ﷺ کے لئے نبیذ (کھجور یا انگور کا رس) رات کے شروع میں بنایا جاتا اور آپ اگلی صبح' آنے والی رات اور اس کے بعد والے دن عصر تک اسے نوش فرماتے اگر بچ جاتا تو خادم کو پلا دیتے یا گرانے کا حکم دیتے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۷ ' المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۱۱۱ ' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۸۸ ' اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۲۱۰)

نبیذ سے مراد یہ ہے کہ پانی میں کھجوریں ڈالی جاتیں جو اس کو میٹھا کر دیتیں' اس سے طاقت میں اضافہ کا فائدہ حاصل ہوتا ہے لیکن اسے تین دن کے بعد نہیں پینا چاہیے کیونکہ اس کے نشہ میں بدلنے کا خوف ہوتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ بعض اوقات خالص دودھ نوش فرماتے اور کبھی اس میں ٹھنڈا پانی ملاتے کیونکہ دوھتے وقت دودھ گرم ہوتا ہے اور وہ علاقے (حرمین طیبین) عام طور پر گرم ہوتے ہیں اس لئے آپ دودھ کی گرمی کو ٹھنڈے پانی سے ختم

کرتے تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے: کہ نبی اکرم ﷺ ایک انصاری کے پاس تشریف لے گئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے سلام کیا تو انصاری نے جواب دیا اور وہ باغ کو پانی لگا رہے تھے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر تمہارے پاس پانی ہو جو رات بھر مشکیزے میں رہا ہو تو ٹھیک ہے ورنہ ہم منہ لگا کر پی لیں گے اس نے کہا میرے پاس پانی ہے جو رات بھر مشکیزے میں رہا ہے چنانچہ وہ جھونپڑی (چھپر) کی طرف گئے اور پیالے میں پانی ڈال کر اس میں ایک گھریلو (مانوس) بکری کا دودھ دوہا اور نبی اکرم ﷺ نے اسے نوش فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۱۳۔۵۶۲۱، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۷۲۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۳۲، مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۸، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۴۷، اتحاف السادۃ المتقین رقم الحدیث: ۲۵۵، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۷، سنن دارمی ج ۲ ص ۱۲۰)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کھانے اور پانی (دونوں) کی جگہ صرف دودھ کفایت کرتا ہے۔ [1]

''جامع ترمذی میں ہے'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ تین چیزوں کو رد نہ کیا جائے دودھ، تکیہ اور تیل (خوشبو) بعض حضرات نے یہ اشعار پڑھے:

قد كان من سيرة خير الورىٰ — صلى عليه الله طول الزمن

ان لا يرد الطيب والمتكا — واللحم ايضا يا اخی واللبن

''اے بھائی! تمام مخلوق میں سے بہتر ذات (نبی اکرم ﷺ) کی سیرت یہ ہے اللہ تعالیٰ آپ پر ہمیشہ رحمت نازل فرمائے کہ خوشبو، تکیہ، گوشت اور دودھ (کا تحفہ) واپس نہ کیا جائے''۔

ابن قیم نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کھانے کے بعد پانی نہیں پیتے تھے خصوصاً جب کہ پانی گرم یا ٹھنڈا ہو کیونکہ یہ بہت نقصان دہ ہے نبی اکرم ﷺ بیٹھ کر پانی نوش فرماتے اور آپ کی یہی عادت تھی۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۸۳، سنن نسائی ج ۳ ص ۸۲، مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۱۔ ج ۲ ص ۱۷۴۔۲۱۵، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۹، شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۲۷۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۸۲۶۔۴۱۸۲۷)

''صحیح مسلم کی'' ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۸۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۲۴، مسند احمد ج ۳ ص ۱۸۲۔۲۷۷، مشکل الآثار ج ۳ ص ۱۸، الکامل ج ۴ ص ۱۴۳۳، مسند الربیع بن حبیب ج ۱ ص ۴۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۱۸)

اور ان ہی کی ایک روایت میں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یوں فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص کھڑا ہو کر ہرگز نہ پیئے پس جو بھول جائے وہ قے کرلے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۶، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۸۲، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۶۷، اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۲۲، فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۰۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۰۳۴)

''صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں زمزم کا ایک ڈول لے کر حاضر ہوا تو آپ نے کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کھڑے ہو کر پانی پیا پھر فرمایا لوگ

[1] مطلب یہ ہے کہ یہ عمدہ چیزیں ہیں ان میں احسان کم ہوتا ہے اور بوجھ بھی ہلکا ہوتا ہے۔ (زرقانی ج ۴ ص ۳۶۰)

کھڑے ہوکر پینا مکروہ جانتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ نے اسی طرح کیا جس طرح میں نے کیا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۱۵۔۵۶۱۶)

یہ تمام احادیث صحیح ہیں ان میں کوئی اشکال اور تعارض نہیں اور جس نے کہا کہ یہ احادیث منسوخ ہیں اس نے غلط کہا جب دونوں قسم کی احادیث کو جمع کیا جاسکتا ہے تو نسخ کی طرف کیسے جائیں گے صحیح بات یہ ہے کہ ممانعت' مکروہ تنزیہی پر محمول ہے اور آپ کا کھڑے ہوکر پینا بیانِ جواز کے لئے تھا۔

سوال: کھڑے ہوکر پینا کیسے مکروہ ہوگا جب کہ سرکار دوعالم نے یہ عمل خود کیا ہے؟

جواب: جب آپ کا فعل جواز کے لئے ہوگا تو مکروہ نہیں ہوگا بلکہ یہ بیان آپ پر واجب تھا۔

اور آپ کا یہ فرمانا: کہ جو بھول جائے وہ قے کرے یہ استحباب پر محمول ہے لہٰذا جو کھڑا ہوکر پیئے اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ قے کرے تا کہ اس واضح حدیث پر عمل ہوجائے بھول کر ایسا کیا ہو یا جان بوجھ کر۔

یہ بات امام نووی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

مالکی فقہ سے تعلق رکھنے والے فرماتے ہیں: کہ کھڑے ہوکر پینے میں کوئی حرج نہیں انہوں نے اس بات پر حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کھڑے ہوکر پیتے دیکھا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے تھے ان کو حضرت عمر بن خطاب' حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے یہ بات پہنچی ہے کہ یہ حضرات کھڑے ہوکر پیتے تھے مالکی حضرات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا جس میں فرمایا کہ کوئی شخص ہرگز کھڑا ہوکر نہ پیئے اور اگر بھول جائے تو قے کرے' جواب یوں دیتے ہیں کہ حضرت عبدالحق رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ اس کی سند میں عمر بن حمزہ عمری ضعیف ہیں۔

مازری نے کہا کہ ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا ہوسکتا ہے نہی اس شخص کی طرف پھیری جائے جو اپنے ساتھیوں کے پاس پانی لے کر آئے پھر جلدی کرتے ہوئے کھڑے ہونے کی حالت میں پی لے اور یوں وہ اس ضابطے سے نکل جائے کہ قوم کے ساقی کو آخر میں پینا چاہیے۔

بعض حضرات نے فرمایا: زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے وہ فرماتے ہیں: میرے لئے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے جو احادیث کھڑے ہوکر پینے کے بارے میں مروی ہیں وہ جواز پر دلالت کرتی ہیں اور نہی کی احادیث استحباب پر نیز زیادہ بہتر اور زیادہ کامل کی ترغیب پر محمول ہیں کیونکہ کھڑے ہوکر پینے میں کچھ نہ کچھ نقصان ہے اور نبی اکرم ﷺ کا عمل اس لئے تھا کہ آپ اس سے بے خوف تھے۔

فرماتے ہیں: آپ کا یہ ارشاد گرامی کہ جو بھول جائے وہ قے کرلے اس قول کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اس سے عقل میں خرابی پیدا ہوتی ہے اور قے کرنا اس کا علاج ہے۔

امام نخعی رحمہ اللہ کا قول اس کی تائید کرتا ہے وہ فرماتے ہیں: اس سے پیٹ کی بیماری کی وجہ سے منع کیا تھا۔

ابن قیم نے کہا کہ کھڑا ہوکر پینے میں کئی آفات ہیں ایک یہ کہ اس سے پوری طرح سیرابی نہیں ہوتی اور وہ معدے میں ٹھہرتا نہیں حتیٰ کہ جگر اسے اعضاء پر تقسیم کرے اور وہ معدے کی طرف جلدی جلدی اترتا ہے جس سے اس کی حرارت کے ٹھنڈا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اور بدن کے نچلے حصے کی طرف آہستہ آہستہ جانے کی بجائے تیزی سے جاتا ہے اور یہ تمام

باتیں کھڑے ہوکر پینے والے کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ البتہ کبھی کبھی ایسا ہو جائے تو نقصان نہیں ہوتا۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو کھڑے ہو کر پیتے دیکھا تو فرمایا: قے کرو اس نے پوچھا کیوں؟ فرمایا کیا تمہیں پسند ہے کہ تمہارے ساتھ بلی بھی پیئے؟ اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا: تیرے ساتھ اس سے بھی بری مخلوق نے پیا ہے اور وہ شیطان ہے۔

نبی اکرم ﷺ پینے کے دوران تین بار سانس لیتے تھے اور آپ فرماتے: کہ یہ تو زیادہ سیراب کرتا اور آسانی سے اترنے کا سبب ہے نیز صحت کا زیادہ ضامن ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۳)

اور سانس لینے کا مطلب یہ ہے کہ برتن سے منہ ہٹا کر باہر سانس لیتے پھر دوبارہ نوش فرماتے۔

طبرانی نے ''الاوسط میں'' اچھی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ تین سانسوں میں پیتے تھے۔ جب برتن کو منہ کے قریب کرتے تو بسم اللہ پڑھتے اور جب ہٹاتے تو الحمد للہ کہتے آپ تین بار اس طرح کرتے تھے۔

اس انداز میں پینے میں بہت سی حکمتیں اور فوائد ہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنے ایک ارشاد گرامی میں ان سب کو جمع کر دیا آپ نے فرمایا:

انہ اروی و امراء وابراء. یہ زیادہ سیرابی' آسانی سے اترنے اور حفظانِ صحت کا ضامن ہے۔

اروی' ری سے بنا ہے یعنی خوب سیراب ہونا اور زیادہ نفع بخش ہونا ابرا' برء سے اسم تفضیل ہے شفاء کے معنیٰ دیتا ہے یعنی سخت پیاس اور اس کی بیماری سے ٹھیک ہو جاتا ہے کیونکہ پانی معدے پر کئی مرتبہ پڑتا ہے اور پہلی مرتبہ سے جو سکون نہیں ملتا وہ دوسری بار سے حاصل ہوتا ہے اور دوسری بار کی عاجزی' تیسری بار پینے سے سکون پہنچاتی ہے۔ نیز اس طرح معدے کی حرارت محفوظ رہتی ہے اور یکدم پانی ڈالنے کی وجہ سے اس کا جو خاتمہ ہوتا ہے اس سے حفاظت ہوتی ہے کیونکہ ایک ہی مرتبہ پینے سے جو خرابی ہوتی ہے وہ اس صورت میں نہیں ہوتی کیونکہ اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ زیادہ ٹھنڈک اور پانی کی زیادہ مقدار حرارت کو بجھا دے یا اس کو کمزور کر کے معدے اور جگر کو خراب کر دے اور بری بیماریوں کی طرف لے جائے خاص طور پر گرم ممالک کے باشندوں اور گرم موسم میں زیادہ خطرہ ہے کیونکہ ایک ہی مرحلے میں پینا ان کے لئے خطرناک ہو سکتا ہے۔

آپ نے امرا فرمایا جو ہمزہ کے ساتھ ہے اور ''مرو'' سے اسم تفضیل ہے یعنی کھانا اور پانی جب بدن میں سہولت کے ساتھ داخل ہو کر مل جائے اور لذت و نفع کا باعث بنے۔

بعض حضرات نے فرمایا: کہ وہ ہنیا مریاً (خوشگوار) ہو جاتا ہے یعنی محفوظ اور بیماری' پیاس اور اذیت سے بچاتا ہے اور اسی سے ماخوذ ہے کہ یہ پیاس کو زیادہ ختم کرتا اور ہضم پر زیادہ قوت دیتا ہے۔

ایک سانس میں پینے میں گلے میں رک جانے کا خطرہ بھی ہوتا ہے مقصد یہ ہے کہ پانی کے زیادہ ہونے کی وجہ سے نالیوں میں رکاوٹ آ جائے پس جب سانس لے کر پیئے گا تو اس سے محفوظ رہے گا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک نیز امام بیہقی رحمہ اللہ علیہما اوران کے علاوہ محدثین نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

اذا شرب احدکم فلیمص الماء مصا ولا یعب عبا فانہ یورث الکباد.[1] — جب تم میں سے کوئی شخص پانی پیئے تو چسکی کے طور پر پیئے اور یکبارگی ایک ہی سانس میں نہ پیئے اس سے جگر میں درد پیدا ہوتا ہے۔

اس سانس اور برتن میں سانس لینے کی ممانعت میں کوئی ٹکراؤ نہیں کیونکہ برتن میں سانس لینے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ بعض اوقات سانس لینے سے پانی میں تبدیلی آجاتی ہے یا تو اس لئے کہ کھانے کی وجہ سے سانس لینے والے کے منہ میں تبدیلی ہوتی ہے یا مسواک اور کلی کئے ہوئے زیادہ وقت گزر چکا ہوتا ہے یا سانس کے ذریعے معدے کے بخارات اوپر کو آتے ہیں۔

لیکن برتن سے باہر سانس لینے میں یہ خطرہ نہیں ہوتا اس لئے دونوں قسم کی احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔

اور اگر سانس نہ لے بلکہ ایک سانس میں پیئے تو بھی جائز ہے لیکن بعض نے کہا کہ مطلقاً منع ہے کیونکہ یہ شیطان کا طریقہ ہے۔[2]

طفیلی کا معاملہ

اور نبی اکرم ﷺ کو جب کھانے کی دعوت دی جاتی ہے اور آپ کے ساتھ کوئی دوسرا ہوتا جو آپ کو گھر والے کا پتہ بتاتا تو آپ فرماتے: یہ شخص ہمارے ساتھ آیا ہے اگر تم چاہو تو واپس چلا جائے۔[3]
(المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۱۹۶۔۱۹۸۔۱۹۹، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۶۵)

ولیمہ کے آداب

نبی اکرم ﷺ اپنے مہمانوں کو بار بار کھانے کا حکم دیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دودھ پینے والے واقعہ میں مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان سے بار بار فرمایا پیو حتیٰ کہ انہوں نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس کے لئے گنجائش نہیں پاتا۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۵۔۴۵۵، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۴۶۔

[1] اگر پانی بالکل تھوڑا ہو اور سانس لینے کی ضرورت نہ ہو تو ایک سانس میں بھی پیا جا سکتا ہے اگر زیادہ ہو تو تین سانسوں میں پینا چاہیے اور سانس برتن سے باہر لئے جائیں۔

[2] یہ بھی کہا گیا کہ یہ جانوروں کا عمل ہے لہٰذا ایسا کرنے والا جانوروں کے مشابہ ہے۔ ۱۲ ہزاروی (زرقانی ج ۴ ص ۳۶۵)

[3] طفیلی وہ شخص ہوتا ہے جس کو دعوت نہ دی گئی ہو اور وہ دوسرے شخص کے ہمراہ جائے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ ایک انصاری ابوشعیب نے اپنے غلام لحام (گوشت بیچنے والا) سے کہا کہ پانچ آدمیوں کے لئے کھانا پکاؤ میں حضور علیہ السلام کو دعوت دینا چاہتا ہوں میں نے آپ کے چہرے پر بھوک کے آثار دیکھے ہیں حضور علیہ السلام کو دعوت دی تو ایک شخص آپ کے پیچھے پیچھے ہو گیا آپ نے فرمایا تم نے مجھے پانچویں شخص کے طور پر (یعنی صرف مجھے) دعوت دی تھی۔ یہ شخص ہمارے ساتھ آیا ہے اگر چاہو تو اسے اجازت دو اور چاہو تو چھوڑ دو اس نے عرض کیا میں نے اجازت دی۔ (زرقانی ج ۴ ص ۳۶۵)

ج ۷ ص ۸۳ ـ ج ۸ ص ۶۹۴ ' دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۱۵۱ ' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۲۴۲)

نبی اکرم ﷺ جب کچھ افراد کے ساتھ کھاتے تو آپ سب سے آخر میں کھانے والے ہوتے (تا کہ کوئی شخص شرم کی وجہ سے بھوکا نہ رہ جائے)۔

امام بیہقی نے ''شعب الایمان میں'' حضرت جعفر بن محمد سے روایت نقل کی وہ اپنے والد سے مرسلاً روایت کرتے ہیں اور ابن عمرو سے مرفوعاً مروی ہے جسے ابن ماجہ اور امام بیہقی نے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب دستر خوان رکھ دیا جائے تو کوئی شخص نہ اٹھے اگر چہ سیر ہو گیا ہو جب تک سب لوگ فارغ نہ ہو جائیں اس سے اس کا ساتھی شرمندہ ہو گا اور ہو سکتا ہے اسے کھانے کی حاجت باقی ہو۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۲۵ ـ ۲۱)

نبی اکرم ﷺ جب کسی کے ہاں کھانا تناول فرماتے تو گھر والوں کے لئے دعا مانگے بغیر تشریف نہ لے جاتے آپ نے حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کے گھر میں یوں دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَھُمْ فِیْمَا رَزَقْتَھُمْ وَاغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ. یا اللہ! ان کے رزق میں برکت عطا فرما ان کو بخش دے اور ان پر رحم فرما۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۷۲۹ ' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۱۶ ' مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۸ ـ ۱۹۰ ' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۷۴ ' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۴۲۷ ' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۴۲۷)

اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے گھر میں یوں دعا فرمائی:

اَفْطَرَ عِنْدَ کُمُ الصَّائِمُوْنَ وَاَکَلَ طَعَامَکُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَیْکُمُ الْمَلَائِکَۃُ. تمہارے ہاں روزہ داروں نے افطار کیا اور نیک لوگوں نے تمہارا کھانا کھایا اور فرشتوں نے تمہارے لئے رحمت کی دعا کی۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۵۴ ' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۴۷ ' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۸ ' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۲۳۹ ـ ۲۴۰ ' مطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۱۴۵ ' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۲۵ ـ ۲۴۰ ' موارد الظمان رقم الحدیث: ۱۳۵۳ ' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۷ ' نصب الرایہ ج ۲ ص ۴۸۰ ' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۹۸۸ ـ ۲۵۹۸۹)

اور کسی دوسرے صاحب نے آپ کو دودھ پلایا تو آپ نے یوں دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اَمْتِعْہُ بِشَبَابِہٖ. یا اللہ ان کو ان کی جوانی سے نفع عطا فرما۔

(عمل الیوم واللیلہ رقم الحدیث: ۴۶۹ ' نووی فی الاذکار رقم الحدیث: ۲۱۳ ' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۹۴)

تو ان کی عمر اسی سال ہونے کے باوجود ان کا ایک سفید بال بھی نہیں دیکھا گیا۔

دوسری نوع

نبی اکرم ﷺ کا لباس اور بچھونا[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک عنوان قائم کیا ہے جو اس طرح ہے:

باب ما کان النبی ﷺ یتجوز من اللباس. (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۸۴۳_۵۸۴۴)

نبی اکرم ﷺ کے لباس میں کشادگی اختیار کرنے سے متعلق باب۔

یعنی آپ کے لباس میں وسعت تھی آپ کسی ایک قسم کے لباس کو اختیار کر کے تنگی کی راہ اختیار نہیں کرتے تھے اسی طرح عمدہ اور بیش قیمت لباس کی طلب کے ذریعے بھی تنگی میں نہیں پڑتے تھے بلکہ جو آسانی سے مل جاتا زیبِ تن فرما لیتے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ آپ حسبِ ضرورت لباس پر اکتفاء کرتے تھے اور دوسرے لباس سے بے رغبت ہو جاتے پس جو مل جاتا پہنتے تھے عام حالات میں آپ دستار مبارک، بڑی موٹی چادر، عام چادریں اور تہبند استعمال فرماتے اور ریشمی جبے جن پر سونا چڑھا ہوتا تھا حاضرین میں تقسیم فرما دیتے اور جو موجود نہ ہوتے ان کے لئے رکھ دیتے کیونکہ لباس اور زینت اختیار کرنے میں اظہار فخر، بزرگی اور عزت کی خصلتوں میں سے نہیں ہے بلکہ یہ عورتوں کی علامت ہے۔

قابلِ تعریف لباس وہ ہے جو پاک صاف ہو اور درمیانے قسم کا ہو اور اس قسم کا لباس پہنا جاتا ہو اور اس جیسے دوسرے لوگوں کی شان و عزت کو گرانے والا نہ ہو (یعنی دوسروں سے ممتاز نہیں ہونا چاہیے)۔

ابو نعیم نے ''الحلیہ میں'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان من کرامة المومن علی الله عزوجل نقاء ثوبه و رضاه بالیسیر.

اللہ تعالیٰ کے ہاں مؤمن کی عزت اس کے کپڑوں کے پاک صاف ہونے اور تھوڑے پر راضی ہونے میں ہے۔

(کشف الخفاء ج۱ص ۳۴۱_۳۴۲)

انہوں نے ہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے کپڑے میلے کچیلے تھے تو فرمایا کیا اس کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جس سے یہ اپنے کپڑوں کو صاف کرے۔

(کشف الخفاء ج۱ص ۳۴۱، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۲۷۷، حلیۃ الاولیاء ج۳ ص ۱۵۶، اتحاف السادۃ المتقین ج۱ص ۳۰۶)

عمامہ مبارکہ

لباس کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ (طریقہ مبارکہ) بدن کے لئے زیادہ نفع بخش اور آسان ترین ہے۔ آپ کا عمامہ شریف بہت بڑا نہ تھا جس کا اٹھانا اذیت ناک ہو وہ کمزور کر دے اور آفات کا نشانہ بنا دے جس طرح آپ کے صحابہ کرام کے حال سے مشاہدہ ہوتا تھا اور نہ اتنا چھوٹا کہ سر کو گرمی اور سردی سے محفوظ نہ رکھے بلکہ اس کے درمیان تھا اور آپ اس کو اپنی گردن مبارک کے نیچے داخل کرتے تاکہ گردن مبارک گرمی سردی سے محفوظ رہے اور گھوڑے یا اونٹ

[1] (الطبقات الکبریٰ ج۱ص ۳۴۷_۳۵۹)

پر سواری نیز حملے کے وقت وہ آپ کو زیادہ قائم رکھتا تھا اسی طرح بدن پر چادر اور تہبند دوسرے لباس کی نسبت زیادہ ہلکا پھلکا ہوتا ہے۔

ابن حاج مکی رحمہ اللہ نے ''المدخل میں'' عمامہ شریف کو گردن کے نیچے لے جانے کے مستحب ہونے پر استدلال کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی ہے پھر فرمایا کہ جب عمامہ شریف باندھنا مباح ہے (جائز ہے جو واجب نہیں) تو اس میں ان سنتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے جو اس سے متعلق ہیں یعنی اسے دائیں جانب سے شروع کرنا' بسم اللہ پڑھنا اور جدید ہونے کی صورت میں وہ دعا پڑھنا جو اس سلسلے میں احادیث میں مذکور ہے۔ [1]

عمامہ باندھنے' اسے گردن کے نیچے سے داخل کرنے شملہ رکھنے اسے چھوٹا رکھنے یعنی سات ہاتھ (تین گز سے کچھ زائد) یا اس کے برابر برابر رکھتے کہ اس کو گردن کے نیچے سے گزار سکے اور شملہ بھی بن سکے وغیرہ سے متعلق سنت پر عمل کرے اگر عمامہ شریف میں گرمی یا سردی کی وجہ سے تھوڑا سا زیادہ رکھے تو کوئی حرج نہیں پھر فرمایا:

وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (حشر: ۷)

اور جس بات کا رسول اکرم ﷺ تمہیں حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔

پس تم پر لازم ہے کہ شلوار بیٹھ کر پہنو اور دستار کھڑے ہو کر باندھو۔

آستین مبارک

نبی اکرم ﷺ کی آستینیں مبارک نہ تو زیادہ لمبی ہوتیں اور نہ ہی زیادہ کشادہ بلکہ آپ کی آستینیں کلائی تک ہوتیں۔ یعنی (جہاں گھڑی باندھتے ہیں) ہاتھ سے آگے نہ بڑھتی جو پہننے والے کو مشقت میں ڈالے اور جلدی جلدی حرکت کرنے یا کسی چیز کو پکڑنے سے اسے روک دے اور نہ اس سے چھوٹی ہوتی کہ گرمی سردی میں بازو ننگا ہو۔

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کی قمیص مبارک کی آستین کلائی تک ہوتی تھی۔

تہبند کی لمبائی

نبی اکرم ﷺ کی قمیص کا دامن اور چادر پنڈلیوں کے نصف تک ہوتی اور ٹخنوں سے تجاوز نہ کرتی کہ چلنے والے کو تکلیف ہو اور گویا وہ بیڑی میں جکڑا ہوا ہے اور پنڈلیوں کے گوشت سے بھرپور پٹھے سے کم بھی نہ ہوتی کیونکہ اس سے گرمی سردی میں تکلیف ہوتی ہے۔ زاد المعاد میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت اشعث بن سلیم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی پھوپھی

---

[1] نبی اکرم ﷺ کا طریقہ مبارکہ تھا کہ جب کبھی نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام لیتے مثلاً قمیص' عمامہ وغیرہ پھر یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيْهِ اَسْاَلُكَ مِنْ خَيْرِهٖ وَخَيْرِ مَا صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ (زرقانی ج ۵ ص ۴)

یا اللہ! تیرا شکر ہے اور تو قابلِ تعریف کہ تو نے مجھ پر لباس پہنچایا میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جس کے لئے یہ بنایا گیا اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور اس کے شر اور جس کے لئے یہ بنایا گیا اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

سے سنا وہ اپنے چچا سے نقل کرتی ہیں وہ فرماتے ہیں: میں مدینہ طیبہ میں چل رہا تھا کہ میرے پیچھے ایک شخص کہہ رہا تھا اپنے تہبند کو اوپر اٹھاؤ یہ زیادہ تقویٰ اور طہارت کا باعث ہے میں نے دیکھا تو نبی اکرم ﷺ تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو چھوٹی سی چادر ہے آپ نے فرمایا کیا اس سلسلے میں (میرا عمل) تمہارے لئے نمونہ نہیں ہے۔
چنانچہ میں نے دیکھا تو آپ کا تہبند مبارک پنڈلیوں کے نصف تک تھا۔

(مسند احمد ج ۵ص ۳۶۴' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۵۸' البدایہ والنہایہ ج ۶ص ۴۷' المعجم الکبیر ج ۱۹ص ۲۸۱' فتح الباری ج ۱۰ص ۳۲۴)

امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن محمد بن عقیل سے اور انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا فرماتے ہیں: کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے دیکھا کہ میرا تہبند لٹکا ہوا تھا آپ نے فرمایا: اے ابن عمر! کپڑے کا جو حصہ زمین کو چھوئے گا وہ جہنم میں جائے گا۔ (یعنی وہ شخص سزا کا مستحق ہے)۔

(مسند احمد ج ۲ص ۹۸' فتح الباری ج ۱۰ص ۳۱۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۱۹۰)

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

ما اسفل من الكعبين من الازار فی النار.

تہبند سے جو کچھ ٹخنوں سے نیچے جائے گا وہ (یعنی پہننے والا) جہنم میں جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۷' سنن نسائی ج ۸ص ۲۰۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۷۳' مسند احمد ج ۲ص ۴۶۱۔ ج ۵ص ۹ مجمع الزوائد ج ۵ص ۱۲۴' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۳۱۴' الترغیب والترہیب ج ۳ص ۸۸' الکامل ج ۳ص ۱۲۲۷' شرح السنہ ج ۱۲ص ۱۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۱۵۸)

حضرت خطابی فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ ٹخنوں کے نیچے جسم کے جس حصے کو تہبند (شلوار) پہنچے تو وہ حصہ جہنم میں جائے گا تو کپڑا بول کر پہننے والا مراد لیا معنیٰ یہ ہے کہ ٹخنوں سے نیچے قدم کا جو حصہ ہے اسے جہنم میں سزا دی جائے گی۔ اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ کسی چیز کا نام اس چیز کے نام پر رکھا گیا جس سے وہ ملی ہوتی ہے یا اس میں داخل ہے اور ''من'' بیانیہ ہے۔

امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ازرة المومن الی انصاف الساقین ولیس علیه حرج فیما بینه و بین الکعبین وما اسفل من ذلک ففی النار.

مؤمن کا تہبند (شلوار وغیرہ) باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ پنڈلیوں کے نصف تک ہو اور اگر پنڈلیوں کے نصف اور ٹخنوں کے درمیان ہو تو بھی کوئی حرج نہیں اور جو اس سے نیچے ہوگا وہ جہنم میں ہوگا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۰۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۷۳' مسند احمد ج ۳ص ۶۔ ۹۷' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۲' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۳۷' السنن الکبریٰ ج ۲ص ۲۴۴' کشف الخفاء ج ۲ص ۸۸' المعجم الکبیر ج ۱۲ص ۳۴۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ص ۳۵۹' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث ۴۳۳۲' تاریخ کبیر ج ۵ص ۳۶۶' الکامل ج ۴ص ۱۶۳۸' التمہید ج ۳ص ۲۴۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۰۹۸۔ ۴۱۱۲۴)

الازرۃ ' تہبند باندھنے کی حالت کو کہا جاتا ہے جس طرح رکبۃ اور جلسۃ ہے۔ تکبر کے طور پر یوں کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اور تیرے کپڑوں کو پاک رکھا اور میرے اور تیرے دل کو پاک رکھا' منع ہے اور اسی کے بارے میں سزا کا

ذکر آیا ہے (تکبر کے بغیر ہو تو حرج نہیں)۔

امام ترمذی کے علاوہ محدثین سنن (حضرت امام ابوداؤد' امام ابن ماجہ اور امام نسائی رحمہم اللہ) نے اسے روایت کر کے غریب قرار دیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبدالعزیز بن ابی رواد سے انہوں نے حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے اور انہوں نے اپنے والد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الاسبال فی الازار والقمیص والعمامة من جر شیئا منها خیلاء لم ینظر الله الیه یوم القیامة.

لٹکانا' تہبند' قمیص اور عمامہ میں ہوتا ہے پس جو شخص ان میں سے کسی چیز کو تکبر کے طور پر لٹکائے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف (رحمت کی) نظر نہیں کرے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۹۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۷۶' سنن نسائی ج ۸ ص ۲۰۸' المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۳۱۱' شرح السنہ ج ۱۲ ص ۹' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۳۳۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۳۴۷' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۸۹' علل الحدیث رقم الحدیث: ۱۴۵۴' فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۲۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۱۶۷)

تو اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ حکم تہبند کے ساتھ خاص نہیں ہے اگر چہ اکثر طرقِ احادیث میں صرف ازار (تہبند) کا ذکر آیا ہے۔

طبری نے کہا کہ حدیث شریف میں لفظ ازار آیا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں اکثر لوگ تہبند باندھتے اور چادر اوڑھتے تھے اور جب لوگوں نے قمیص اور زرہیں پہننا شروع کیں تو ممانعت میں ان کا حکم بھی ازار والا ہو گیا (شلوار کا بھی یہی حکم ہے)۔

ابن بطال نے کہا یہ قیاس اس وقت صحیح ہوتا جب حدیث میں کپڑے کا واضح ذکر نہ ہوتا کیونکہ اس وقت یہ سب کو شامل ہوتا۔ عمامہ کو کھینچنا محل نظر ہے مگر یہ کہ اس سے مراد وہ طریقہ ہو جو اہلِ عرب کا تھا یعنی اس کے شملے کو لٹکانا پس جو عادت سے زیادہ ہو گا وہ لٹکانے میں شمار ہو گا۔

اور کیا قمیص وغیرہ کی آستینوں کو لمبا رکھنا بھی اس لٹکانے میں شامل ہے تو یہ بات قابلِ غور ہے اور جو کچھ ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ عادت سے بڑھانا جیسا کہ بعض اہل حجاز کی عادت ہے اس ممانعت میں داخل ہے۔[1]

لباسِ تکبر

ابن قیم نے کہا کہ یہ کھلی اور لمبی آستینیں جو گریبان کی طرح (کھلی ہیں) اور دستاریں جو برجوں کی طرح ہیں' نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام میں سے کسی نے اس طرح نہیں پہنیں اور یہ سنت کے خلاف طریقہ ہے البتہ اس کا جائز ہونا محل نظر ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا تکبر ہے۔

ابن الحاج رحمہ اللہ نے ''المدخل میں'' فرمایا کہ کسی صاحبِ بصیرت پر مخفی نہیں کہ آج کل بعض ایسے لوگوں کی آستینیں جو اہل علم کہلاتے ہیں مال کا ضائع کرنا ہے جس سے منع کیا گیا ہے کیونکہ بعض اوقات آستین سے دوسروں کے لئے کپڑا اپنچ جاتا ہے۔

---

[1] اس میں کپڑے کا ضیاع بھی ہے اور اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز کرنا بھی اس لئے یہ منع ہے۔ ۱۲ ہزاروی

لیکن جب لمبی آستین رواج بن گیا اور مختلف لوگوں نے اپنی پہچان کیلئے کچھ نشانیاں مقرر کر دیں تو اگر یہ طریقہ تکبر کے طور پر ہو تو اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں اور اگر عادت و رواج کے طور پر ہو تو حرام نہیں ہوگا جب تک دامن کھینچنے تک نہ پہنچے جو ممنوع ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے علماء کرام سے نقل کیا کہ لباس کے سلسلے میں عادت و عرف سے جس قدر لمبائی یا کشادگی زائد ہوگی وہ مکروہ ہے۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

بینما رجل یمشی تعجبہ نفسہ مرجل جمۃ اذ خسف التربہ فھو یتجلجل الی یوم القیامۃ.	ایک شخص اپنے آپ پر اتراتے ہوئے بالوں کو کنگھی کئے ہوئے جا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا پس وہ قیامت تک اس میں دھنستا چلا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۷۸۹، صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۹، مسند احمد ج۲ص۴۵۶۔۴۷۶، تاریخ الکبیر ج۱ص۲۱۲۔۴۱۳، اتحاف السادۃ المتقین ج۸ص۳۴۶، الترغیب والترھیب ج۳ص۵۶۸)

طبرانی اور ابو داؤد نے نقل کیا (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:)

ان رجلا ممن کان قبلکم لبس بردۃ فتبختر فیھا فنظر اللہ الیہ فمقتہ فامر الارض فاخذتہ.	تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص تھا جس نے ایک چادر پہنی اور اس میں تکبر کے ساتھ چلنے لگا اللہ تعالیٰ نے اس کو دیکھا تو وہ اس پر ناراض ہوا پس زمین کو حکم دیا تو اس نے اس کو پکڑ لیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۰، مسند احمد ج۲ص۴۱۳، اتحاف السادۃ المتقین ج۸ص۳۴۶)

یہ وعید (سزا کا ذکر) اس مخصوص فعل پر مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات معلوم ہوگئی تھی۔

چنانچہ امام نسائی اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت ایوب کے طریق سے نقل کیا وہ حضرت نافع سے اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: عورتیں اپنے دامنوں کے ساتھ کیا طریقہ اختیار کریں تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ایک بالشت نیچے رکھیں انہوں نے عرض کیا اس طرح ان کے پاؤں ننگے ہوں گے آپ نے فرمایا: ایک ہاتھ چھوڑیں اس پر زیادہ نہ کریں۔ امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔

تہبند کی لمبائی کا خلاصہ

جو کچھ ذکر کیا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مردوں کی دو حالتیں ہیں ایک حالت استحباب ہے وہ یہ کہ نصف پنڈلی تک رکھیں اور دوسری حالتِ جواز ہے اور وہ ٹخنوں تک ہونا ہے۔

اسی طرح عورتوں کی بھی دو حالتیں ہیں ایک حالت مستحب ہے وہ یہ کہ جس قدر مردوں کے لئے جائز ہے اس سے ایک بالشت کی مقدار بڑھائیں اور حالت جواز اس سے ایک ہاتھ زیادہ کریں۔

اور لٹکانا تہبند، قمیص اور عمامہ میں ہوتا ہے نیز ٹخنوں سے نیچے لٹکانا جائز نہیں اگر تکبر کے طور پر ہو اور اگر تکبر کی وجہ سے نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ظاہر احادیث میں تکبر کے ساتھ اس کی تخصیص اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حرمت بھی تکبر کے ساتھ مخصوص ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ بات واضح طور پر بیان فرمائی ہے۔

عورتوں کے کپڑوں کی لمبائی

عراقی نے "شرح ترمذی میں" فرمایا: کہ ایک ہاتھ (لمبائی) جس کی عورتوں کو اجازت دی گئی ہے تو کیا اس کی ابتدا اس حد سے ہوگی جو مردوں کے لیے ممنوع ہے اور وہ ٹخنوں سے ہے یا مستحب حد سے اور وہ نصف پنڈلی ہے یا وہاں سے جو زمین کو چھوئے؟

ظاہر یہ ہے کہ اس سے تیسری صورت مراد ہے کیونکہ اس پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو امام ابوداؤد، امام نسائی نے نقل کی ہے اور الفاظ امام نسائی کے ہیں ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا۔ آپ فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ عورت اپنے دامن کو کس حد تک گھسیٹے؟ آپ نے فرمایا: ایک بالشت انہوں نے عرض کیا اس طرح اس کا جسم ننگا ہوگا (یعنی پاؤں) آپ نے فرمایا: ایک ہاتھ کر لے لیکن اس سے زائد نہ ہو۔ (کہنی کے درمیان والی انگلی کے سرے تک مراد ہے) (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۱۷، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۲۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۸۰، سنن نسائی ج ۸ ص ۲۰۹، مسند احمد ج ۲ ص ۵۔ ج ۶ ص ۱۲۳۔ ۳۰۹، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۳۳، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۲۰، تاریخ اصفہان ج ا ص ۱۳۰) تو اس کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ ایک ہاتھ تک زمین پر گھسیٹ سکتی ہے۔ فرماتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ اس ذراع (ہاتھ) سے مراد ہاتھ کا ذراع ہے اور وہ دو بالشت ہے کیونکہ سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے امہات المؤمنین کو ایک بالشت کی اجازت دی پھر انہوں نے زیادہ کا مطالبہ کیا تو ایک بالشت کا اضافہ فرمایا۔

تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ جس ذراع (ہاتھ) کی اجازت دی گئی ہے وہ دو بالشت ہے اور آج کل اسی ذراع (شرعی گز) کے ساتھ پیمائش کی جاتی ہے۔ عراقی کا قول مکمل ہوا۔

اور عورتوں کے لئے اس کا جواز ستر کی وجہ سے ہے کیونکہ عورت سوائے ان اعضاء کے جن کو مستثنیٰ کیا گیا (ہاتھ، پاؤں اور چہرہ) مکمل طور پر ستر ہے۔

سر کا لباس

نبی اکرم ﷺ کا ایک عمامہ شریف تھا جس کو "سحاب" کہتے تھے اس کے نیچے ٹوپیاں ہوتی تھیں جو سر سے ملی ہوتی تھیں۔

قلانس (ٹوپیاں) قلنسوۃ کی جمع ہے قاف پر زبر نون ساکن سین پر پیش اور واو پر زبر ہے واو کو کبھی یاء سے اور کبھی الف سے بدل کر سین کو زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں (قلنساۃ پڑھتے ہیں) کبھی اس سے نون کو حذف کر کے اس کے

بعد تائے تانیث لاتے ہیں یعنی قلسوۃ ۔اس سے مراد سر کو ڈھانپنے والی چیز ہے فراء ۔(ابوزکریا یحییٰ بن زیاد بن عبداللہ اسدی) نے شرح ''الفصیح'' میں یہ بات کہی ہے ''الفصیح'' ثعلب کی کتاب ہے۔

(الاعلام ج ۸ ص ۱۴۵' فیات الاعیان ج ۲ ص ۲۲۸' معجم الادباء ج ۵ ص ۶۱۹' تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۷۱' تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۴۹' مرآۃ الجنان ج ۲ ص ۳۸' مفتاح السعادہ ج ۵ ص ۲۲۵' فہرست ابن الندیم رقم الحدیث: ۶۶ ۔ ۶۷)

ابن ہشام کہتے ہیں یہ وہ چیز ہے جسے عام لوگ شاشیہ کہتے ہیں ابن سیدہ کی ''المحکم'' میں ہے کہ یہ سروں کے لباس ہیں جو معروف ہیں۔

ابو ہلال عسکری نے کہا کہ اس سے دستاروں کو ڈھانپا جاتا ہے اور سورج نیز بارش سے آڑ بنائی جاتی ہے گویا ان کے نزدیک یہ برنس (اونچی ٹوپی) کی چوٹی ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ شریف میں داخل ہوئے تو آپ پر سیاہ عمامہ شریف تھا۔(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۳۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۷۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۸۵ ۔ ۳۵۸۶' مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۳ ۔ ج ۴ ص ۳۰۷' سنن دارمی رقم الحدیث: ۸۸' سنن نسائی ج ۸ ص ۲۱۱' دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۶۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۳۴ ۔ ۲۳۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۲۵۲)

اور صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے سال آپ داخل ہوئے تو آپ کے سر انور پر خود (لوہے کی ٹوپی) تھی۔(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۰۸' شرح السنہ ج ۱۰ ص ۳۹۹)

یہ خود (مغفر) سر کے مطابق زرہ کے لوہے سے بُنی جاتی تھی۔

ان دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ سیاہ عمامہ شریف خود کے اوپر تھا۔

اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ان کو اس طرح جمع کیا کہ جب آپ داخل ہوئے تو پہلے مرحلے میں آپ کے سر پر خود تھی پھر اسے ہٹا کر عمامہ شریف باندھا۔اس کی دلیل حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا فرماتے ہیں: نبی اکرم نے خطبہ دیا تو آپ پر سیاہ عمامہ تھا۔کیوں کہ آپ نے فتح مکہ کے بعد کعبہ شریف کے دروازے کے پاس خطبہ ارشاد فرمایا۔ ولی بن عراقی نے کہا اس طرح دونوں حدیثوں کو جمع کرنا پہلی تاویل کے مقابلے میں زیادہ مناسب اور بہتر ہے اس سے پہلے فتح مکہ کے سلسلے میں اسی قسم کی بات بیان ہوئی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب دستار مبارک باندھتے تو کپڑا لٹکا ہوا چھوڑتے۔

صحیح مسلم میں یہ اضافہ ہے کہ اس کا ایک کنارہ دونوں کاندھوں کے درمیان لٹکاتے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۳۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۵۴' سنن نسائی ج ۸ ص ۱۰۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۲۱' مسند احمد ج ۶ ص ۱۴۸ ۔ ۱۵۲' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۶۹' ۴' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۵۶' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۰' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۳۳۸' اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۱۱۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۲۶۹)

ابومحمد بن حیان رحمہ اللہ نے کتاب ''اخلاق النبی ﷺ'' میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا کہ رسول اکرم ﷺ دستار باندھتے ہوئے عمامہ شریف کے پیچ کو سر انور پر گھماتے اور اس کو پچھلی جانب دستار میں ڈال دیتے

(گھسیڑ دیتے) اور ایک حصہ دونوں کاندھوں کے درمیان چھوڑتے۔ (الاعلام ج ۴ ص ۱۲۰' تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۹۴۵' شذرات الذہب ج ۳ ص ۶۸' کشف الظنون رقم الحدیث: ۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۳۹' اللباب ج ۱ ص ۲۳۱' النجوم الزاہرہ ج ۴ ص ۱۳۶)

''صحیح مسلم میں'' حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو منبر شریف پر دیکھا آپ پر سیاہ عمامہ تھا اور آپ نے اس کا ایک کنارہ دونوں کاندھوں کے درمیان چھوڑ رکھا تھا۔

امام مسلم ہی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ پر سیاہ عمامہ تھا اس میں لٹکنے والے کنارے کا ذکر نہیں جو اس بات پر دلالت ہے کہ آپ دستار کا کنارہ کاندھوں کے درمیان ہمیشہ نہیں ڈالتے تھے۔

لیکن یوں کہا جاسکتا ہے کہ جب آپ مکہ مکرمہ داخل ہوئے تو آپ پر لڑائی کا لباس اور سر پر خود تھا پس آپ نے ہر جگہ اس کے مناسب لباس پہنا۔

ابن قیم نے ''الھدی النبوی میں'' کہا ہے کہ ابن تیمیہ نے دستار کے لٹکائے جانے والے حصے کے بارے میں ایک عجیب بات کہی ہے وہ یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے اس عمل کو اس صبح اختیار کیا جس رات آپ نے مدینہ طیبہ میں خواب میں رب العزت کی زیارت کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد ﷺ! بلند مرتبہ فرشتے کس بات میں جھگڑتے ہیں؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھا تو میں نے آسمان اور زمین کے درمیان کی ہر چیز کو جان لیا۔ یہ حدیث ترمذی شریف میں ہے امام بخاری رحمہ اللہ سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: یہ صحیح ہے۔

تو اس صبح آپ نے دستار کا ایک حصہ دونوں کاندھوں کے درمیان رکھا۔ ابن قیم نے کہا کہ یہ علمی بات ہے جس کا جاہل لوگوں کی زبانیں اور دل انکار کرتے ہیں لیکن اس سلسلے میں' میں نے یہ فائدہ کسی اور سے نہیں دیکھا۔

''الھدی النبوی کے علاوہ'' (کتب میں) یوں مذکور ہے کہ ابن تیمیہ نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے جب دیکھا کہ آپ کے رب نے اپنا دست قدرت آپ کے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھا ہے تو اس جگہ کو شملے کے ذریعے اعزاز بخشا۔

لیکن عراقی نے یہ بات ذکر کرنے کے بعد فرمایا: کہ ہم اس کی اصل نہیں پاتے۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا آپ نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے عمامہ باندھا تو اس کا ایک کنارہ میرے کاندھوں کے درمیان لٹکایا اور فرمایا غزوۂ بدر اور حنین کے دن اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے میری مدد کی تو انہوں نے یہی عمامے باندھ رکھے تھے۔ بے شک عمامہ مسلمانوں اور کفار کے درمیان امتیاز ہے۔

(السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۴' مطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۱۵۸)

حضرت عبدالحق اشبیلی (عبدالحق بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ الازدی) رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ عمامہ باندھنے کے بعد سنت یہ ہے کہ اس کا کنارہ لٹکا ہوا چھوڑا جائے اور اسے گردن کے نیچے سے لے جایا جائے اگر اس کا شملہ نہ ہو اور گردن کے نیچے سے بھی نہ لے جایا جائے تو علماء کے نزدیک یہ مکروہ ہے البتہ کراہت کے سبب میں اختلاف ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس طرح شیطانوں کی دستاریں ہوتی ہیں۔

(الاعلام ج ۳ص ۲۸۱' شذرات الذہب ج ۴ص ۱۷۱' تذکرۃ الحفاظ ج ۴ص ۱۳۵۰' فوات الوفیات ج ۲ص ۲۵۶' العمر ج ۴ ص ۲۴۳' مرآۃ الجنان ج ۳ص ۴۲۲' دیباج رقم الحدیث: ۱۷۵)

احادیثِ مبارکہ میں دستار کا ایک کنارہ لٹکانے کے مختلف طریقے مذکور ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کاندھے پر چھوڑا اور ایک طریقہ وہ ہے جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھے عمامہ باندھا تو اسے میرے آگے اور پیچھے دونوں طرف لٹکایا یہ بات امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے نقل کی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۷۹' مجمع الزوائد ج ۵ص ۱۲۰' الکامل ج ۵ص ۱۸۲۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ پر سیاہ عمامہ شریف دیکھا۔

حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ان فرق ما بیننا و بین المشرکین العمائم علی القلانس.

ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق دستاروں کا ٹوپیوں پر ہونا ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۸۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۱۴۲)

حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گول ٹوپیاں تھیں جو کھڑی نہیں ہوتی تھیں۔

بعض روایات میں "کمام" اور بعض میں "اکمۃ" کا لفظ ہے یعنی جمع قلت اور جمع کثرت دونوں طرح ہے "الکمۃ" ٹوپی کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ٹوپیاں بیٹھی ہوتی تھی کھڑی نہیں تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ایک سفید ٹوپی تھی۔ اسے دمیاطی نے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا پسندیدہ ترین لباس

نبی اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ قمیص پسند تھی جیسے "شمائل ترمذی میں" حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے وہ فرماتی ہیں:

کان احب الثیاب الی رسول اللہ ﷺ القمیص.

نبی اکرم ﷺ کا سب سے زیادہ پسندیدہ لباس قمیص تھی۔

حضرت معاویہ بن قرہ (رضی اللہ عنہما) اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ میں مزینہ قبیلہ کے ایک گروہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ ہم آپ کے دست اقدس پر بیعت کریں اور آپ کی قمیص کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ راوی کو شک ہے کہ "لمطلق الازرار" فرمایا یا فرمایا "زر قمیصہ مطلق" (مفہوم ایک ہی ہے) فرماتے ہیں: میں نے اپنا ہاتھ آپ کی قمیص کے گریبان میں داخل کر کے مہر نبوت کو چھوا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۷۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۸۲' مسند احمد ج ۳ص ۴۳۴۔ ج ۴ص ۱۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ کی قمیص مبارک سُوتی تھی اور اس کی لمبائی اور آستینیں زیادہ بڑی نہ تھیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کو وہ لباس پہننا سب سے زیادہ پسند تھا جو یمنی چادروں پر مشتمل ہوتا۔ [1] (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۱۲۔۵۸۱۳، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۸۷، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۰۲۵، سنن نسائی ج ۸ ص ۲۰۳، مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۱، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۶، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۲۶، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۳۲۸، المغنی ج ۲ ص ۲۵۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۲۶۴)

اسے ''الحبرۃ'' کہا جاتا ہے اور یہ ایک قسم کی چادریں ہیں جن میں کچھ سرخی ہوتی ہے۔

حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ پر دو سبز چادریں تھیں۔ [2]

حضرت عروہ بن مغیرہ بن شعبہ (رضی اللہ عنہما) اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک رومی جبہ پہنا جس کی آستینیں تنگ تھیں۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۶۸، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۳۰۵)

حضرت عطاء حضرت ابو یعلٰی سے اور وہ اپنے والد (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے اور آپ پر سبز چادر تھی۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۸۸۳، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۸۵۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۵۴)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ پر سفید کپڑا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۲۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۴، مسند امام احمد ج ۵ ص ۱۶۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ ایک صبح نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ پر بالوں (اون) سے بنی ہوئی سیاہ چادر تھی۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۱۳، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۰۳۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۶۔۶۱، مسند احمد ج ۶ ص ۱۶۲، المستدرک ج ۴ ص ۱۸۸، الضعفاء ج ۴ ص ۱۹۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ اونی لباس بھی پہنتے تھے [3] اور آپ کی ایک چادر تھی جس پر پیوند لگے ہوئے تھے آپ اسے پہنتے اور فرماتے: میں بندہ ہوں اس طرح پہنتا ہوں جس طرح بندہ پہنتا ہے۔

صوفیاء کرام کا لباس

اگر تم کہو کہ اس (مذکورہ بالا) گفتگو اور صوفیاء کرام کی سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ لباس عمدہ نہ ہو اور پرانے قسم کا ہو تو

[1] یہ چادر نرم ہوتی تھیں اور ان کی بناوٹ بھی اچھی تھی اور آپ کے جسم اقدس کے زیادہ موافق تھیں کیونکہ آپ کا جسم مبارک نہایت نرم و گداز تھا اور سخت کپڑا آپ کو تکلیف پہنچاتا تھا اور آپ کا ان کو پسند کرنا نعمت کے اظہار اور آنے والے وفود کے دلوں سے وہم کو دور کرنا تھا (مسلمانوں کے پاس کچھ نہیں) لہٰذا آپ دنیا کے لئے آخرت کے حوالے سے عمدہ لباس پہنتے تھے۔ (زرقانی ج ۵ ص ۱۵)

[2] چونکہ سبز لباس اہل جنت کا لباس ہے اس لئے آپ اسے پسند فرماتے تھے۔

[3] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انبیاء کرام دراز گوش پر سوار ہوتے، اونی لباس پہنتے اور بکری کا دودھ دوہتے تھے (گویا تواضع کا طریقہ اختیار فرماتے تھے)۔ (زرقانی جلد ۵ ص ۱۶)

صوفیاء کرام میں سے شاذلی سلسلہ والے اپنی شکل وصورت اور لباس میں حسن وجمال کو کیوں اپناتے ہیں؟
حالانکہ ان کا راستہ تو سنت شریف اور پہلے بزرگوں کی سیرت پر عمل کرنا ہے۔
تو عارف ربانی علی الوفائی (الوفوی) رحمہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے مشرب کی مٹھاس اور ان کے کریم حصہ سے حصہ عطا فرمائے انہوں نے ان الفاظ میں جواب دیا' فرماتے ہیں ''اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے معانی اور حکمتوں کی طرف دیکھا تو سلف صالحین کو دیکھا کہ جب انہوں (سلف صالحین) نے لوگوں کو غفلت میں اور دنیا میں مشغول دیکھا اور یہ کہ وہ ظاہری زینت پر جھکے ہوئے ہیں' اپنی دنیا پر فخر کرتے اور اس پر مطمئن ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ وہ اہلِ دنیا ہیں۔
تو ان بزرگوں نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے اس چیز کی حقارت کو ظاہر کیا جسے اللہ تعالیٰ نے حقیر قرار دیا اور غافل لوگوں نے اس کو بڑا سمجھ رکھا ہے تو انہوں نے اس چیز سے بے پرواہی اختیار کی جس سے غافل لوگوں نے اطمینان اختیار کر رکھا تھا۔ اس وقت ان بزرگوں کا پرانا لباس یہ بتاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں اس چیز سے بے نیاز کر دیا جس کی طرف نفس زیادہ محتاج ہے اور وہ دنیوی اہتمام ہے پھر جب امید لمبی ہوگئی اور اس معنیٰ کو بھولنے کی وجہ سے دل سخت ہو گئے اور غافل لوگوں نے پھٹے پرانے کپڑے پہننا اور خراب حالت کو اپنانا شروع کیا تاکہ اس طریقے کو حصولِ دنیا کا ذریعہ بنائیں تو ان صوفیائے کرام نے اپنا معاملہ اس کے برعکس کر دیا۔
تو گویا ان لوگوں کی مخالفت اللہ تعالیٰ کے لئے تھی اور اس وجہ سے انہوں نے یہ راستہ اختیار کیا اسلاف کا یہی قول اور طریقہ تھا۔
الاستاذ ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ [1] پر کسی پرانے کپڑوں والے نے ان کے خوبصورت لباس کی وجہ سے اعتراض کیا تو انہوں نے نہایت اچھا جواب دیا اور ہماری رہنمائی فرمائی انہوں نے فرمایا۔
''اے فلاں! میری حالت الحمدللہ کہہ رہی ہے اور تیری یہ حالت کہتی ہے کہ مجھے اپنی دنیا میں سے کچھ دو''۔
(الاعلام ج ۴ ص ۳۰۵' وافی بالوفیات ج ۱۲ ص ۹۲' کشف الظنون رقم الحدیث: ۴۰۴۔ ۶۶۱' ہدیۃ العارفین ج ۱ ص ۷۰۹۔۱۰ طبقات الشعرانی ج ۲ ص ۴' التاج ج ۷ ص ۳۸۸)
ان لوگوں کے کاموں میں حکمت ربانی کارفرما ہوتی ہے اور ان کی مراد اپنے رب کی رضا تلاش کرنا ہوتی ہے' سیدی علی الوفا کا قول مکمل ہوا۔

حسن وجمال کی بحث

صحیح حدیث شریف میں آیا ہے:
ان اللہ جمیل یحب الجمال. بے شک اللہ تعالیٰ صاحبِ جمال ہے اور وہ جمال کو پسند کرتا ہے۔

---

[1] حضرت ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ کا نام تقی الدین علی بن عبداللہ بن عبدالجبار ہے آپ شیخ الطائفہ تھے ابن دقیق نے کہا کہ میں نے حضرت ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ سے بڑھ کر کوئی عارف باللہ نہیں دیکھا آپ نے ۶۷۶ھ میں مکہ مکرمہ کی طرف جاتے ہوئے انتقال فرمایا۔
(زرقانی ج ۵ ص ۱۷)

(مسند احمد ج ۴ص ۱۳۳۔۱۳۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷' المستدرک ج ۱ص ۲۶' کشف الخفاء ج ۱ص ۲۶۰' المعجم الکبیر ج ۸ص ۲۴۰' مجمع الزوائد ج ۲ص ۲۱۴' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۱۰۸' مطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۱۷۰' الدر المنثور ج ۳ص ۷۹' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۷۷۷۴' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ص ۴۹۸' المغنی ج ۴ص ۲۹۰' العلل المتناہیہ ج ۲ص ۱۹۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۱۶۵۔ ۱۷۱۸۸۔۱۷۱۹۱)

ایک دوسری حدیث میں ہے:

ان اللہ نظیف یحب النظافۃ. بے شک اللہ تعالیٰ پاک صاف ہے اور وہ پاکیزگی کو پسند کرتا ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۹۹' کشف الخفاء ج ۱ص ۳۴۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ص ۳۱۱' العلل المتناہیہ ج ۲ص ۲۲۴' الاسرار المرفوعہ رقم الحدیث: ۱۵۴' الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث: ۶۰' الشفاء ج ۱ص ۶۲)

سنن ابوداؤد وغیرہ میں حضرت ابوالاحوص الجشمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے دیکھا کہ میرے اوپر بوسیدہ کپڑا ہے۔ نسائی شریف میں ہے کہ مجھ پر حقیر سا کپڑا تھا آپ نے پوچھا کیا تیرے پاس مال ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا: کونسا مال ہے؟ میں نے عرض کیا مجھے اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دیا ہے اونٹ بھی ہیں اور بکریاں بھی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پس اس کی نعمت اور کرم کو اپنے اوپر ظاہر کرو' نسائی شریف کی روایت ہے آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال عطا کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور کرم کا اثر تم پر ظاہر ہونا چاہیے۔ (سنن نسائی ج ۸ص ۱۹۶' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۶' مسند احمد ج ۴ص ۱۳۷' المستدرک ج ۱ص ۲۵' المعجم الکبیر ج ۸ص ۳۱' السنن الکبریٰ ج ۱۰ص ۱۰' الدر المنثور ج ۲ص ۳۳۷' مجمع الزوائد ج ۵ص ۱۳۲' تاریخ الکبیر ج ۴ص ۶۰' العلل المتناہیہ ج ۲ص ۳۱' شرح السنہ ج ۱۲ص ۴۷' مشکل الآثار ج ۴ص ۱۵۳' تفسیر ابن کثیر ج ۳ص ۲۰۶' تفسیر قرطبی ج ۵ص ۱۸۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے تو فرمایا: اس شخص کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس سے اپنے سر کو ٹھیک کرے۔ (شرح السنہ ج ۱۲ص ۵۰)

اور ایک دوسرے شخص کو میلے کچیلے کپڑوں میں دیکھا تو فرمایا اس کے پاس کپڑے دھونے کے لئے کچھ نہیں۔

سنن میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا کہ اس کے بندے پر اس کی نعمت کا اثر دکھائی دے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۱۹' مسند احمد ج ۲ص ۲۱۳' المستدرک ج ۴ص ۱۳۵' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۸۹۹' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۳۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ص ۳۱۱' الدر المنثور ج ۳ص ۷۹' التمہید ج ۳ص ۲۵۴' تاریخ الکبیر ج ۳ص ۴۲۷' المغنی ج ۳ ص ۳۴۶' شرح السنہ ج ۱۲ص ۴۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۱۷۴۔۱۷۱۹۲)

پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے پر ظاہر ہو اور یہ وہ جمال ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور یہ نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنا ہے اور وہ (شکر) باطنی جمال ہے تو واجب ہے کہ بندے پر ظاہری جمال نعمت کے ذریعے اور باطنی جمال شکر کے ذریعے ظاہر ہو۔

چونکہ اللہ تعالیٰ جمال (خوبصورتی) کو پسند فرماتا ہے اس لئے اس نے اپنے بندوں پر لباس اتارا جو ان کے ظاہر کو

خوبصورت بناتا ہے اور تقویٰ نازل کیا جو ان کے باطن کو خوبصورت بناتا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

يَا بَنِيٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ (الاعراف:۲۶)

اے انسان! تحقیق ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا اور زینت ہے اور تقویٰ کا لباس بہتر ہے۔

اور اہلِ جنت کے بارے میں فرمایا:

وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا وَّجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًا O (الدھر:۱۱)

اور انہیں تازگی اور شادمانی دی اور ان کے صبر پر انہیں جنت اور ریشمی کپڑے صلہ میں دیئے۔

تو ان کے چہروں کو تروتازگی، باطن کو سرور اور بدنوں کو ریشمی کپڑے کے ذریعے جمال عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ جس طرح اقوال، افعال، لباس اور شکل وصورت میں جمال کو پسند کرتا ہے اسی طرح اقوال، افعال اور شکل و صورت (حالت) میں بدصورتی کو ناپسند کرتا ہے پس وہ برے کاموں اور ان کے مرتکبین کو ناپسند کرتا ہے۔

لیکن یہاں دو جماعتیں بھٹک گئیں۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا وہ خوبصورت ہے پس وہ اپنی تمام مخلوق سے محبت کرتا ہے اور ہم اس کی تمام مخلوق سے محبت کرتے ہیں اور کسی چیز سے نفرت نہیں کرتے وہ کہتے ہیں جو شخص کائنات کو اس کی طرف سے دیکھتا ہے وہ تمام کائنات کو خوبصورت سمجھتا ہے انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

اَلَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ (السجدہ:۷)

وہ جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی۔

ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے لئے غیرت نہیں نہ ہی اللہ تعالیٰ کے لئے کسی سے بغض اور دشمنی رکھتے ہیں نہ برائی کا انکار کرتے ہیں اور نہ حدود قائم کرتے ہیں۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شکل وصورت کے حسن کی مذمت کی ہے اسی طرح اچھے قد وقامت اور تخلیق کی بھی مذمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں فرمایا:

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ (المنافقون:۴)

اور جب تم ان کو دیکھو تو ان کے جسموں پر تمہیں تعجب ہوگا۔

اور "صحیح مسلم" میں مرفوع حدیث ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ ینظر الی صورکم واموالکم و انما ینظر الی قلوبکم واعمالکم.

بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۱۴۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۵، صحیح مسلم ص ۱۹۸۷، جمع الجوامع رقم الحدیث:۵۱۴۳۔۵۱۴۵، اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۱۵۶، الدر المنثور ج ۵ ص ۲۳۸۔ ج ۶ ص ۲۳۱، ۲۳۱، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۵۳۱۴، حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۹۸، شرح السنہ ج ۱۴ ص ۳۴۱، تاریخ دمشق ج ۵ ص ۳۳۰، علل الحدیث رقم الحدیث:۸۹۵، تفسیر قرطبی ج ۱۶ ص ۳۲۶۔۳۴۲)

یہ حضرات کہتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ نے ریشم اور سونا پہننا نیز سونے اور چاندی کے برتن حرام قرار دیئے حالانکہ یہ حسن

دنیوی میں سے سب سے بڑی چیزیں ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

ولاتمدن عینیک الی ما متعنا به ازواجا منهم زهرة الحیاة الدنیا لنفتنهم فیه. اور اپنی آنکھوں کو دنیوی زندگی کی تروتازگی کی طرف نہ بڑھاؤ جو ہم نے ان میں سے بعض جوڑوں کو اسی لئے عطا کی کہ ہم اس میں ان کو آزمائیں۔

اور حدیث شریف میں ہے:

البذاذة من الایمان. شکستہ حالی ایمان سے ہے (یعنی ہمیشہ زینت کا لباس نہ پہننا اور بناوٹ سے دور رہنا)۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۸، المستدرک ج ۱ ص ۹، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۴۶، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۲۸۶، التمہید ج ۳ ص ۲۵۵، تاریخ الکبیر ج ۹ ص ۳، اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۳۱۰، المغنی ج ۳ ص ۳۴۵، مشکل الآثار ج ۱ ص ۴۸۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۶۱۹_۵۶۲۲)

اور اللہ تعالیٰ نے ضرورت سے زائد خرچ کرنے (اسراف) سے منع فرمایا اور اسراف جس طرح کھانے پینے میں ہوتا ہے اسی طرح لباس میں بھی ہوتا ہے۔

اس اختلاف کا فیصلہ یہ ہے کہ کہا جائے صورت، لباس اور حالت میں حسن و جمال کی کئی قسمیں ہیں ان میں قابل تعریف بھی ہیں اور قابل مذمت بھی اور وہ بھی جو نہ تو محمود ہیں اور نہ ہی مذموم۔

تو قابل تعریف صورت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے، اس کی عبادت، اس کے احکام کے نفاذ اور اس کے حکم کی تعمیل پر مددگار ہو جس طرح نبی اکرم ﷺ مختلف وفود کے لئے جمال اختیار کرتے تھے اسی طرح لڑائی کیلئے لڑائی کا لباس پہننا ہے اسی طرح لڑائی میں ریشمی لباس پہن کر اس پر اکڑنا بھی محمود ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنا، اس کے دین کی مدد اور اس کے دشمن کو غضبناک کرنا مقصود ہو۔

اور مذموم جمال وہ ہے جو دنیا، اقتدار، فخر اور تکبر کے لئے ہو اور بندے کا انتہائی مقصود و مطلوب یہی ہو کیونکہ بہت سے لوگوں کا مقصد یہی ہوتا ہے۔

اور حسن و جمال اختیار کرنے کی وہ صورت جو نہ محمود ہے اور نہ ہی قابل مذمت، وہ صورت ہے جو ان دونوں مقاصد اور ان دونوں اوصاف سے خالی ہو۔

تو اس حدیث کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے چاہتا ہے کہ اس کی زبان صدق کے ساتھ، دل اخلاص، محبت اور رجوع الی اللہ کے ساتھ، اعضاء فرمانبرداری کے ساتھ اور بدن اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اظہار کے ساتھ حسن و جمال اختیار کرے کہ لباس اچھا ہو، حقیقی اور حکمی نجاستوں سے پاکیزگی حاصل کی جائے، ناپسندیدہ بال اتارے جائیں، ختنہ ہو اور ناخن کاٹے جائیں نیز اس کے علاوہ امور جو احادیث میں آئے ہیں۔

سرخ لباس پہننا

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے ایک رات جب چودھویں کا چاند روشن تھا

نبی اکرم ﷺ کو دیکھا اس رات بادل وغیرہ کچھ نہ تھے۔ پس میں کبھی آپ کی طرف اور کبھی چاند کی طرف دیکھتا آپ پر سرخ جوڑا تھا۔ تو سرکار دو عالم ﷺ میرے نزدیک چاند سے بھی زیادہ حسین تھے۔ (سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۰)

حضرت عون بن ابی جحیفہ اپنے والد (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ پر سرخ جوڑا تھا تو گویا میں آپ کی پنڈلیوں کی چمک کو (اب بھی) دیکھ رہا ہوں۔

سفیان راوی کہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ دھاری دار چادر تھی۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں:

ما رایت احدا من الناس احسن فی حلة حمراء من رسول الله ﷺ.

میں نے سرخ جوڑے میں کسی شخص کو سرکار دو عالم ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے:

رایته فی حلة حمراء لم ار شیئا قط احسن منه .

میں نے آپ کو سرخ جوڑے میں دیکھا تو میں نے آپ سے بڑھ کر خوبصورت کسی کو نہیں دیکھا۔

سنن ابی داؤد میں ہے:

ما رایت من ذی لمة فی حلة حمراء احسن من رسول الله (ﷺ)

میں نے کسی زلفوں والے کو سرخ جوڑے میں نبی اکرم ﷺ سے بڑھ کر خوبصورت نہیں دیکھا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۸۳' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۵' سنن نسائی ج ۸ ص ۱۸۳)

''ذی لمۃ'' لام کے نیچے زیر ہے یعنی سر کے بال جو جمۃ سے کم ہیں کیونکہ کاندھوں تک نہیں پہنچتے اس سے زیادہ ہوں تو جمہ کہلاتے ہیں۔

قاموس میں کہا کہ حلہ میم پر پیش کے ساتھ دو چادریں تہبند اور اوپر والی چادر ہے تو حلہ یا دو کپڑوں پر مشتمل ہوتا ہے یا اس کے اندر استر ہوتا ہے۔

سرخ لباس پہننے کا حکم

ابن قیم نے کہا جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ جوڑا خالص سرخ رنگ کا تھا اور اس میں کوئی دوسرا رنگ نہ تھا وہ غلط گمان کرتے ہیں' سرخ حلہ دو یمنی چادروں پر مشتمل تھا جس میں سرخ و سیاہ دھاریاں تھیں جس طرح تمام یمنی چادریں ہوتی ہے اور لکیروں کی وجہ سے یہ اسی نام سے مشہور ہے ورنہ خالص سرخ رنگ کی سخت ممانعت ہے۔

''صحیح بخاری میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ نے سرخ ریشمی بچھونوں سے منع فرمایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۴۹)

اور ''صحیح مسلم میں'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں:

رای النبی ﷺ علی ثوبین معصفرین فقال ان هذا لباس الکفار فلا تلبسهما

نبی اکرم ﷺ نے مجھ پر دو رنگین کپڑے دیکھے تو فرمایا یہ کفار کا لباس ہے پس تم نہ پہنو۔

(سنن نسائی ج ۸ ص ۲۰۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۔۲۸' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۲۔۱۹۳۔۲۰۷' السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۶۰' مشکوٰۃ

المصابیح رقم الحدیث: ۴۳۲۷، المستدرک ج ۴ ص ۱۹۰، تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۷۰)

اور یہ بات معلوم ہے کہ وہ سرخ رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے ہوتے تھے۔

ابن قیم نے کہا کہ سرخ کپڑوں اور چوغہ وغیرہ کا جواز محل نظر ہے جب کہ کراہت بہت سخت ہے تو کس طرح نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے خالص سرخ لباس پہنا ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھا اور لفظ "حلہ حمراء" (سرخ جوڑے) سے مغالطہ لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ "معصفر" کپڑوں کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے اور یہ عصفر (بُوٹی) سے رنگے ہوئے کپڑے ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام تابعین اور بعد کے تمام اہل علم نے اس کی اجازت دی ہے، حضرت امام شافعی، حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک رحمہم اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔

لیکن حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے اس کے غیر کو افضل قرار دیا ہے ان سے ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے اسے گھر میں اور گھر کے صحن میں پہننے کو جائز قرار دیا البتہ محافل اور بازاروں وغیرہ میں مکروہ کہا ہے۔

علماء کی ایک جماعت نے فرمایا: کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے اور نہی کو اسی پر محمول کیا کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا سرخ جوڑا پہننا ثابت ہے۔

صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے زرد رنگ لگایا۔

اور بعض حضرات نے نہی کو حج اور عمرہ کرنے والے محرم کے ساتھ خاص کیا ہے۔

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "معرفۃ السنن میں" یہ مسئلہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا: کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک شخص کو مزعفر کپڑے سے منع فرمایا اور معصفر کی اجازت دی۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ میں نے معصفر کی اجازت اس لئے دی ہے کہ میں نے کسی کو اس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ سے نہی بیان کرتے ہوئے نہیں پایا البتہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھے منع فرمایا اور میں نہیں کہتا کہ آپ نے تم لوگوں کو بھی منع فرمایا ہے۔

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ اس ممانعت کے عموم پر کئی احادیث دلالت کرتی ہیں پھر انہوں نے صحیح مسلم کی یہ روایت نقل کی کہ (آپ نے فرمایا:) یہ کفار کا لباس ہے۔ اور اس کے علاوہ احادیث نقل کرنے کے بعد فرمایا اگر یہ احادیث امام شافعی رحمہ اللہ تک پہنچتیں تو ان شاء اللہ وہ بھی یہی بات فرماتے پھر انہوں نے اپنی سند کے ساتھ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے صحیح قول نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا: اگر میرے قول کے خلاف صحیح حدیث مل جائے تو اس حدیث پر عمل کرو اور میرے قول کو چھوڑ دو۔ ایک روایت میں ہے کہ وہی میرا مذہب ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ میں غیر محرم آدمی کو ہر حال میں مزعفر لباس سے منع کرتا ہوں اور اگر وہ یہ رنگ لگائے تو اسے دھو ڈالے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انہوں نے مزعفر میں سنت کی اتباع کی ہے تو معصفر میں سنت کی اتباع کرنا زیادہ مناسب ہے۔

اور میں نے اپنے شیخ علامہ قاسم، جو حنفی ائمہ اور محققین میں سے ایک تھے، کے فتاویٰ میں دیکھا کہ انہوں نے اس رنگ

لطیفہ

جب نبی اکرم ﷺ کے جسم مبارک سے خوشبو ہی آتی تھی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے جسم مبارک پر کپڑا میلا نہیں ہوتا تھا اس لئے آپ کا لباس کبھی میلا نہیں ہوا۔

ابن سبع نے ''الشفاء میں'' اور السبتی نے ''اعذب الموارد واطیب الموالد میں'' فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ کی تعظیم وتکریم کی وجہ سے جوئیں آپ کو اذیت نہیں دیتی تھیں (یعنی آپ کے جسم یا کپڑوں میں نہیں ہوتی تھیں)۔

لیکن امام احمد اور امام ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ سرکار دو عالم ﷺ اپنے کپڑوں میں جوئیں تلاش کرتے اور بکری کا دودھ دوہتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز اذیت پہنچاتی تھی جوئیں یا پسو وغیرہ۔

اس کا جواب یوں دیا جا سکتا ہے کہ آپ کا جوئیں تلاش کرنا اس وجہ سے تھا کہ دوسروں سے آپ کے کپڑوں کو کچھ لگ جاتا ہوگا اگرچہ وہ آپ کو تکلیف نہ دے۔

اس سلسلے میں بحث ہے کیونکہ جوؤں کا تکلیف دینا بدن سے غذا حاصل کرنا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ جاری فرمایا ہے اور جب غذا نہ ملے تو عام طور پر حیوان زندہ نہیں رہتا۔ [1]

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ آپ کے کپڑوں پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی اور مچھر آپ کا خون مبارک چوستے نہیں تھے۔

طیلسان (چادر کی طرح کا کپڑا جو سر' کاندھوں اور پیٹھ پر رکھا جاتا ہے) لام پر زبر ہے اور یہ طیالسہ کا واحد ہے جمع (طیالسہ) میں ہاء عجمہ کے لئے کیونکہ یہ لفظ فارسی سے عربی بنایا گیا اسے ساج بھی کہتے ہیں۔

ابن خالویہ نے ''الفصیح کی'' شرح میں کہا کہ سبز طیلسان کو ساج بھی کہا جاتا ہے۔

ابن فارس کی کتاب ''المجمل''، میں ہے کہ طاق' طیلسان ہے (دیوار میں چھوٹی سی الماری کو بھی طاق کہتے ہیں اور لباس کی ایک قسم بھی طاق کہلاتی ہے)۔

ابن قیم نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نے طیلسان کو پہنا ہو اور نہ ہی کسی صحابی کے بارے میں منقول ہے بلکہ صحیح مسلم میں حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے دجال کا ذکر کیا تو فرمایا ان کے ساتھ ستر ہزار یہودی نکلیں گے ان کا تعلق اصفہان سے ہوگا اور ان پر طیلسان (کپڑا) ہوگا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۲۴)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت کو دیکھا جن پر طیلسان تھا تو فرمایا: یہ خیبر کے یہودیوں سے کس قدر مشابہ ہیں؟

ابن قیم نے کہا کہ اسی وجہ سے پہلے اور پچھلے بزرگوں میں سے ایک جماعت نے اس کو مکروہ جانا کیونکہ امام ابوداؤد نے اور امام حاکم نے (مستدرک میں) روایت نقل کی ہے۔

---

[1] شیخ امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ جوئیں تلاش کرنا اس لئے نہیں تھا کہ آپ کو دوسروں سے جوئیں لگ جاتی تھیں بلکہ محض کپڑوں کو صاف کرنا مقصود تھا۔ ۱۲ ہزاروی (زرقانی ج ۵ ص ۲۷)

کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

من تشبہ بقوم فھو منھم. جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ ان ہی میں سے ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۰۳۱' مسند احمد ج ۲ ص ۵۰-۹۲' کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۳۲' الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث:۱۴۸' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۷۱' نصب الرایہ ج ۴ ص ۳۴۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۱۲۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۳۴۷' مشکل الآثار ج ۱ ص ۸۸' تغلیق التعلیق رقم الحدیث:۹۵۵-۹۵۶' التمہید ج ۶ ص ۸۰' المغنی ج ۱ ص ۲۷۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۴۶۸۰' فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۳۷)

اور جامع ترمذی میں ہے:

لیس منا من تشبہ بغیرنا. جو شخص ہمارے غیر سے تشبیہ اختیار کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۶۹۶' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۳۸' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۷۹' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۴۶۴۹' العلل المتناھیہ ج ۲ ص ۲۳۴' فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۳۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۳۳۳)

اور حدیثِ ہجرت میں جو کچھ مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس دوپہر کے وقت تشریف لائے تو آپ نے چہرۂ انور چادر سے ڈھانپ رکھا تھا تو اس وقت آپ کا یہ عمل اس لئے تھا کہ اس کے ذریعے پوشیدہ رہیں پس ضرورت کے تحت ایسا کیا ورنہ آپ کی عادت نہ تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ اکثر چادر سے سر اور چہرے کو ڈھانپتے تھے تو یہ گرمی وغیرہ سے بچنے کے لئے کرتے تھے۔

شیخ الاسلام الولی ابن عراقی نے ''شرح تقریب الاسانید میں'' فرمایا کہ ''تقنع'' معروف عمل ہے یعنی عمامہ کے ایک کنارے یا چادر وغیرہ سے سر کو ڈھانپنا۔

ابن حاج نے ''المدخل میں'' فرمایا: کہ ''قناع الرجل'' یہ ہے کہ آدمی اپنے سر کو چادر سے ڈھانپے اور اس کا ایک کنارہ ایک کاندھے پر ڈال دے۔

ابن قیم کا یہ کہنا کہ یہ حاجت کے لئے تھا اسے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث رد کرتی ہے وہ فرماتے ہیں:

انہ ﷺ کان یکثر القناع. حضور ﷺ عام طور پر سر انور کو ڈھانپتے تھے۔

اسے امام بیہقی نے ''شعب الایمان میں'' اور امام ترمذی نے بھی ذکر کیا ہے۔ امام بیہقی ''شعب الایمان میں ہی اور ابن سعد طبقات میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ بھی نقل کرتے ہیں ''یکثر التقنع'' تو اس قسم کی احادیث ابن قیم کے اس قول کو رد کرتی ہیں کہ حضور علیہ السلام سے اس کا پہننا منقول نہیں۔

اور ابن قیم کا یہ کہنا کہ کسی صحابی سے بھی منقول نہیں تو اسے امام حاکم کی وہ حدیث رد کرتی ہے جو انہوں نے المستدرک میں شیخین کی شرط پر حضرت مرہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے ایک فتنہ کا ذکر سنا آپ فرما رہے تھے: وہ فتنہ عنقریب بپا ہونے والا ہے پس ایک شخص گزرا جس نے کپڑے سے اپنا سر ڈھانپ رکھا تھا آپ نے فرمایا: اس دن یہ ہدایت پر ہوگا۔ فرماتے ہیں: میں اٹھا تو دیکھا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی

اللہ عنہ تھے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۰۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۱' مسند احمد ج ۴ص ۲۴۳' المعجم الکبیر ج ۱۹ص ۱۶۲' المستدرک ج ۴ص ۴۳۳' حلیۃ الاولیاء ج ۹ص ۱۱۴' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۰۶۷' البدایۃ والنہایہ ج ۷ص ۲۲۰_۲۲۱)

حضرت سعد بن منصور رضی اللہ عنہ نے اپنی سنن میں حضرت ابو العلاء سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دیکھا آپ نماز پڑھ رہے تھے اور سرانور ڈھانپ رکھا تھا۔ ابن سعد نے (طبقات میں) حضرت سلیمان بن مغیرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے طیالسہ (چادر) پہن رکھی تھی۔

اور حضرت عمارہ بن زاذان فرماتے ہیں: میں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر اندق (سمرقند کی ایک بستی) کی چادر (طیلسان) دیکھی۔

ابن قیم نے جو یہودیوں کا ذکر کیا ہے تو حافظ ابن حجر عقسلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ استدلال اس وقت صحیح ہوتا جب طیلسان اوڑھنا یہودیوں کا شعار ہوتا آج کے زمانے میں ان کا شعار نہیں رہا بلکہ یہ عموم میں داخل ہو گیا ہے۔

اور ابن عبد السلام نے ''امثلۃ البدعۃ المباحہ میں'' اس کا ذکر کیا ہے اور اب یہ مسلمانوں کا شعار ہو چکا ہے تو اس کا چھوڑنا مروت سے خالی ہونا ہے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے طیالسہ (چادروں) کے رنگوں کا انکار کیا کیوں کہ وہ زرد رنگ کی تھیں۔
واللہ اعلم

انگوٹھی پہننا [1]

''صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی وہ آپ کے دست مبارک میں تھی پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اور پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی حتیٰ کہ بیئر اریس (کنوئیں) میں گر گئی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۶۵_۵۸۶۶_۵۸۶۷_۵۸۷۳_۶۶۵۱_۷۲۹۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶_۶۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۱۸' مسند احمد ج ۲ص ۱۸_ج ۳ص ۹۹)

ان دونوں کتابوں میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی پہنی جس کا نگینہ حبشہ کا تھا اور آپ اس کے نگینے کو ہتھیلی کی طرف کرتے تھے۔

امام احمد' امام نسائی' ترمذی اور امام بزار رحمہم اللہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں لوہے کی انگوٹھی دیکھی تو فرمایا: مجھے کیا ہوا کہ میں بتوں کی بو محسوس کر رہا ہوں؟ پھر فرمایا: چاندی کی انگوٹھی بنواؤ اور وہ ایک مثقال (ساڑھے چار ماشے) سے زیادہ نہ ہو۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۸۵' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۲۳' سنن نسائی ج ۸ص ۱۷۲' فتح الباری ج ۱۰ص ۳۹۶' شرح السنہ ج ۹ص ۱۲۱' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۳۹۶' نصب الرایہ ج ۴ص ۲۳۴' موارد الظمان رقم الحدیث: ۱۴۶۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۲۹۳)

---

[1] (طبقات ابن سعد ج ۱ص ۳۶۴' البدایۃ والنہایہ ج ۱ص ۳)

انگوٹھی پہننے کا حکم

انگوٹھی پہننے کے سلسلے میں علماء کرام کا اختلاف ہے اکثر اہل علم نے کسی کراہت کے بغیر جائز قرار دیا جب کہ بعض نے زینت کے طور پر پہننے کی صورت میں مکروہ قرار دیا ہے۔

اور بعض نے بادشاہ کے علاوہ (لوگوں) کے لئے مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ ابوداؤد اور نسائی نے ابوریحانہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے بادشاہ کے علاوہ لوگوں کو انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔

نیز نبی اکرم ﷺ نے اسے ضرورت کے تحت پہنا کہ آپ بادشاہوں کی طرف بھیجے جانے والے خطوط پر مہر لگاتے تھے جس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے کسریٰ' قیصر اور نجاشی کو خطوط لکھے تو کہا گیا کہ وہ لوگ صرف اسی خط کو قبول کرتے ہیں جس پر مہر ہو تو آپ نے انگوٹھی بنوائی جس پر ''محمد رسول اللہ'' کا نقش تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی حکومت کے دوران اسی مقصد کے تحت انگوٹھی پہنی کیونکہ جس طرح حضور علیہ السلام کو اس کی ضرورت تھی اسی طرح آپ کو بھی اور پھر اسی طرح حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کو بھی ضرورت تھی۔

ابن عبدالبر نے علماء کی ایک جماعت سے اس کے پہننے کی مطلقاً کراہت نقل کی ہے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے انگوٹھی کو پھینک دیا اور پہنی نہیں۔

اور شمائل ترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی پس آپ اس سے مہر لگاتے لیکن پہنتے نہیں تھے۔ اور صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک دن نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک میں چاندی کی ایک انگوٹھی دیکھی پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چاندی کی انگوٹھیاں بنوا کر پہننا شروع کر دیں تو رسول اکرم ﷺ نے اپنی انگوٹھی پھینک دی چنانچہ صحابہ کرام نے بھی اپنی انگوٹھیاں پھینک دی۔

لیکن پہلا قول صحیح ہے کیوں کہ نبی اکرم ﷺ کا انگوٹھی پہننا ایک مصلحت کے تحت تھا یعنی خطوط پر مہر لگا کر بادشاہوں کی طرف بھیجتے تھے پھر آپ نے مسلسل پہننا شروع کر دی اور صحابہ کرام نے بھی انگوٹھیاں پہنیں اور آپ نے ان پر اعتراض نہ فرمایا بلکہ ان کے اس عمل کو برقرار رکھا تو کسی قید کے بغیر اجازت (اور جواز) پر دلالت ہے۔

جہاں تک حدیث شریف میں وارد نہی کا تعلق ہے کہ آپ نے صرف بادشاہ کو اجازت دی تو ابن رجب کہتے ہیں ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا: کہ حضرت امام احمد رحمہ اللہ اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔

اور وہ جو حضرت زہری کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن انگوٹھی پہنی پھر پھینک دی تو اس کے تین جواب ہیں۔

پہلا جواب: یہ حضرت زہری کا وہم ہے اور سہواً ان کی زبان پر چاندی کا لفظ جاری ہوا آپ نے جو انگوٹھی ایک دن پہننے کے بعد پھینک دی وہ سونے کی انگوٹھی تھی جیسا کہ حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کی حدیث میں متعدد طرق سے ثابت ہے۔

دوسرا جواب: نبی اکرم ﷺ نے جو انگوٹھی پھینکی تھی وہ مکمل طور پر چاندی کی نہیں تھی بلکہ لوہے کی انگوٹھی تھی جس پر چاندی

چڑھی ہوئی تھی۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت معیقیب صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے اور وہ نبی اکرم ﷺ کی انگوٹھی (بطور خادم) مقرر تھے وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کی انگوٹھی لوہے کی تھی جس پر چاندی چڑھی ہوئی تھی ہو سکتا ہے اسی کو ایک دن پہننے کے بعد پھینک دیا ہو اور ہو سکتا ہے اسی کے ساتھ مہر بھی لگاتے ہوں لیکن پہنتے نہ ہوں۔

تیسرا جواب: آپ کا پھینکنا اس لئے تھا کہ اسے سنت مسنونہ نہ سمجھ لیا جائے پس جب انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا تو انگوٹھیاں بنوالیں تو آپ کے پھینک دینے سے واضح ہوا کہ یہ جائز نہیں اور نہ ہی سنت ہے۔

معدنیات کے اعتبار سے انگوٹھیوں کا حکم

پھر انگوٹھی کبھی سونے کی ہوتی ہے کبھی چاندی کی کبھی لوہے کی کبھی پیتل کی اور کبھی تانبے کی ہوتی ہے اور بعض اوقات عقیق کی ہوتی ہے۔ سونے کی انگوٹھی کے بارے میں صحیحین میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

نہانا رسول الله ﷺ عن خاتم الذهب وانية الفضة.

نبی اکرم ﷺ نے ہمیں سونے کی انگوٹھی اور چاندی کے برتنوں سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۷۵، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۰۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲-۲۹-۳۱-۵۲، مسند امام احمد ج ۴ ص ۲۸۴-ج ۵ ص ۳۸۵)

اور صحیحین میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سونے کی انگوٹھی سے منع فرمایا۔

ان ہی دونوں کتابوں میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی اور آپ نے اسے دائیں ہاتھ میں پہنا آپ اس کا نگینہ ہتھیلی کی جانب کرتے تھے پھر صحابہ کرام نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں راوی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ممبر پر تشریف لے گئے اور انگوٹھی کو پھینک دیا اور سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۳۹-۲۴۴۵-۵۱۷۵-۵۶۳۵-۵۶۵۰-۵۸۳۸-۶۲۲۲-۶۶۵۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲-۳۱-۵۲، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۰۹، سنن نسائی ج ۸ ص ۱۶۵، مسند احمد ج ۱ ص ۸۱-ج ۲ ص ۴۶۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۴۲-۳۶۴۳، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۴۲، تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۴۳)

چاروں ائمہ حضرت امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہم اللہ اور اکثر علماء کا یہی مذہب ہے۔

لیکن ایک گروہ نے جن میں حضرت اسحاق بن راہویہ بھی ہیں اس کی اجازت دی ہے وہ فرماتے ہیں پانچ صحابہ کرام ایسے ہیں جن کے وصال کے وقت ان کی انگوٹھیاں سونے کی تھیں۔

حضرت مصعب بن سعد فرماتے ہیں: میں نے حضرت طلحہ، حضرت سعد اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہم پر سونے کی انگوٹھیاں دیکھی ہیں۔

حضرت حمزہ بن ابی اسید اور حضرت زبیر بن منذر بن ابی اسید رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ان دونوں نے ان کے ہاتھ سے سونے کی انگوٹھی نکالی اور وہ بدری صحابی تھے۔ یہ دونوں حدیثیں امام

بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں نقل کی ہیں۔ [1]

امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ کیا وجہ ہے میں آپ پر سونے کی انگوٹھی دیکھتا ہوں؟ انہوں نے فرمایا اسے اس ذات نے بھی دیکھا ہے جو آپ سے بہتر تھے لیکن آپ نے اسے ناپسند نہ کیا۔ [2]

انہوں نے پوچھا کس نے؟ فرمایا: ''نبی اکرم ﷺ نے (دیکھا ہے) جہاں تک چاندی کی انگوٹھی کا تعلق ہے تو اسے بہت سے علماء نے جائز قرار دیا اور خود نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے اسے پہنا ہے۔

حضرت امام رافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ مرد کے لئے چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ''الروضہ میں'' اور دوسرے حضرات نے یہی بات فرمائی ہے اور ہمارے اصحاب نے اس کے جواز کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔

امام ابوداؤد نے حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا کہ نبی اکرم ﷺ نے لوہے کی انگوٹھی پہننے والے شخص سے فرمایا: کیا وجہ ہے کہ میں تم پر جہنمیوں کا زیور دیکھتا ہوں چنانچہ اس نے اس کو پھینک دیا اور عرض کیا یارسول اللہ! میں کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ آپ نے فرمایا: چاندی کی انگوٹھی بناؤ اور وہ بھی ایک مثقال پوری نہ ہو۔

امام نسائی اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے اس حدیث کو نقل کیا اور فرمایا: یہ حدیث غریب ہے۔ امام احمد اور امام ابویعلیٰ نے اسے اپنی مسندوں میں الضیاء نے ''الاحادیث المختارہ میں'' نقل کیا لیکن یہ صحیحین میں نہیں البتہ اس کے راوی صحیحین کے راوی ہیں صرف عبداللہ بن مسلم جو ابوطیبہ (کی کنیت ہے) معروف ہیں صحیحین کے راوی نہیں ہیں یہ مشہور محدث ہیں ور ابن حبان کا اس حدیث کی تصحیح کرنا اس کی قبولیت کی دلیل ہے اور کم از کم حسن کے درجہ میں تو ہے۔

نہی کی اصل تحریم ہے نیز چاندی کی اصل یہ ہے کہ یہ مردوں کے لئے حرام ہے البتہ اس قدر جائز ہے جس کی اجازت ی گئی پس جب اس میں ایک حد مقرر کردی گئی تو اس پر ٹھہرنا ضروری ہوگا۔ اس کے علاوہ اپنی اصل پر رہے گی۔

ابن الرفعہ نے الکفایہ کے اس باب میں جہاں مکروہ لباس کا ذکر کیا ہے' کہا ہے کہ اس کا وزن ایک مثقال سے کم ونا مناسب ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا (آگے وہ حدیث ذکر کی جو چند سطور پہلے بیان ہوئی ہے) ''ینبغی'' (مناسب ہے) کا لفظ وجوب کے لئے بھی آتا ہے اور دوسرے معانی کے لئے بھی اور اسی پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ حدیث اسی حکم کے بیان کے لئے آئی ہے لہٰذا نہی کو کسی وجہ کے بغیر اس کی حقیقت سے پھیرا نہ جائے۔

ابن ملقن نے امام نووی کی منہاج کی شرح میں جو کچھ کہا ہے وہ بھی اس بات کا تقاضا کرتا ہے انہوں نے نقدی کی ز کوۃ کے سلسلے میں فرمایا: کہ ابوداؤد اور صحیح ابن حبان میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ نبی اکرم ﷺ نے اس

---

1. امام زرقانی فرماتے ہیں ہوسکتا ہے ان کو نہی کی حدیث نہ پہنچی ہو یا انہوں نے اس سے کراہت تنزیہی مراد لی ہو (زرقانی ج ۵ ص ۳۲) لہٰذا اس واقعہ سے جواز ثابت نہیں ہوتا۔ ۱۲ ہزاروی

2. اس واقعہ کے بارے میں بھی یہی کہا جاسکتا ہے جو اوپر والی حدیث کا جواب حاشیہ نمبر ۱ میں لکھا گیا ہے۔

شخص کو فرمایا (آخر تک حدیث ہے) اس حدیث کو ایسے فروع کے طور پر ذکر کیا جن میں اصحاب کا کوئی اختلاف نہیں (یعنی کسی معین کی طرف نسبت نہیں کی) اور اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ مثقال بھی حرام ہے (اس سے کم چاندی ہونی چاہیے)۔

اذرعی (احمد بن حمدان بن احمد بن عبد الواحد ابو العباس شہاب الدین الاذرعی) کی ''القوت'' میں ہے کہ ہمارے اصحاب نے انگوٹھی کی مقدار کا ذکر نہیں کیا شاید انہوں نے عرف کا اعتبار کیا ہو پس جو اس سے زیادہ ہو وہ ضرورت سے زائد (اسراف) ہے جس طرح انہوں نے عورت کی پازیب وغیرہ کے بارے میں کہا ہے لیکن صحیح بات یہی ہے کہ حدیث کے مطابق مقدار مقرر ہے اور ان کے کلام میں ایسی بات نہیں ہے جو حدیث کے خلاف ہو یہ ان کے الفاظ ہیں اور وہ حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ (الاعلام ج ا ص ۱۱۹' الدرر الکامنہ ج ا ص ۱۲۵' کشف الظنون ج ۲ ص ۱۳۶۱' ہدیۃ العارفین ج ا ص ۱۱۵' فہرس التمہیدی رقم الحدیث: ۲۳۱)

ابن عماد نے ''التعقیبات میں'' یہی راہ اختیار کی ہے ان کی عبارت اس طرح ہے۔

جب انگوٹھی پہننا جائز ہے تو اس کی شرط یہ ہے کہ مثقال تک نہ پہنچے' حدیث کے مطابق یہی ہے۔

لیکن حافظ عراقی نے ''شرح ترمذی میں'' فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی اور پوری مثقال نہ ہو۔

کراہت تنزیہی پر محمول ہے پس مثقال کے وزن کو پہنچنا مکروہ ہے۔

انہوں نے فرمایا: ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ صاحب العالم کی روایت میں یوں ہے کہ اسے مثقال اور مثقال کی قیمت تک پورا نہ کرو۔

اور لؤلؤی کی روایت میں یہ اضافہ نہیں اور اس زائد عبارت کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات انگوٹھی نفیس ہونے کی وجہ سے مثقال کی قیمت کو پہنچ جاتی ہے اور یہ بھی نہی میں داخل ہے۔

علامہ سراج عبادی رحمہ اللہ نے فتویٰ دیا ہے کہ ایک مثقال تک پہنچنا جائز ہے البتہ اس سے زائد حرام ہے۔

لوہے کی انگوٹھی

امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں اور امام بیہقی نے ''شعب الایمان' الادب اور دیگر تصانیف میں'' اپنے طریق سے امام نسائی نے اپنی سنن میں اور ابن حبان نے بھی حدیث نقل کی ہے اور ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا کہ ایک شخص بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا اور اس پر تانبے کی ایک انگوٹھی تھی۔[1] آپ نے فرمایا: مجھے کیا ہوا کہ میں بتوں کی بُو پاتا ہوں؟ پس اس نے اس کو پھینک دیا پھر ایک اور شخص آیا اس نے لوہے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی آپ نے فرمایا:

مجھے کیا ہوا کہ میں اس پر جہنمیوں کا لباس دیکھتا ہوں؟ اس نے بھی اسے پھینک دیا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا شبہ کی جگہ صفر کا لفظ ہے اور دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح المہذب میں'' فرمایا: کہ صاحب الابانہ (الفورانی) نے لوہے یا تانبے کی انگوٹھی کو مکروہ

[1] حدیث میں شبہ کا لفظ آیا ہے اور یہ تانبے کی ایک قسم ہے جس سے بت بنائے جاتے تھے اس کا رنگ سونے کی طرح تھا اس مشابہت کی وجہ سے اس کا نام شبہ رکھا گیا۔

قرار دیا ہے۔ صاحب البیان نے بھی ان کی اتباع کی اور فرمایا لوہے یا سیسے کی انگوٹھی مکروہ ہے ان کی دلیل حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ والی روایت ہے (جو پہلے گزر چکی ہے)۔

صاحب التمۃ (التولی) نے فرمایا: کہ لوہے یا سیسے کی انگوٹھی مکروہ نہیں کیونکہ صحیحین میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس شخص سے جس نے اپنے آپ کو پیش کرنے والی خاتون کو منگنی کا پیغام دیا' فرمایا (مہر کے ذریعے) تلاش کرو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔ وہ فرماتے ہیں: اگر اس میں کراہت ہوتی تو آپ اس کی اجازت نہ دیتے۔

سنن ابی داؤد میں جید سند کے ساتھ حضرت معیقیب صحابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی انگوٹھی لوہے کی تھی؛ جس پر چاندی چڑھی ہوئی تھی۔

(وہ فرماتے ہیں:) ان دو حدیثوں کی وجہ سے مختار قول یہی ہے کہ مکروہ نہیں جس عورت نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا اس سے متعلق حدیث میں شرح مسلم میں کلام کرتے ہوئے کہا گیا کہ اس حدیث میں لوہے کی انگوٹھی کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

لیکن اس میں اسلاف کا اختلاف ہے جو قاضی (عیاض رحمہ اللہ) نے ذکر کیا ہے کہ اور ہمارے اصحاب نے اس کی کراہت کے سلسلے میں دو قول بیان کئے ہیں جن میں سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ مکروہ نہیں کیونکہ نہی والی حدیث ضعیف ہے۔

شاید امام نووی رحمہ اللہ نے اسے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مقابلے میں ضعیف کہا ہو اور یہ حدیث اس خاتون کے واقعہ سے متعلق ہے مطلقاً نہیں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اس (نہی والی حدیث) کے کئی شواہد ہیں اگر وہ درجہ صحت تک ترقی نہ بھی کرے تو بھی درجہ حسن سے نیچے نہیں ہے۔

عقیق کی انگوٹھی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عقیق کی انگوٹھی پہنو اور دایاں ہاتھ زینت کے زیادہ لائق ہے۔ (تنزیہ الشریعہ ج ۱ص ۳۵۶' فوائد المجموعہ رقم الحدیث: ۱۹۴' العلل المتناہیہ ج ۲ص ۲۰۵)

اس حدیث کی سند میں مجہول راوی ہیں اور یہ بھی مروی ہے کہ عقیق پہنو یہ فقر کو دور کرتا ہے۔

یعقوب بن ابراہیم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عقیق پہنو یہ مبارک ہے۔ (کشف الخفاء ج ۱ص ۳۵۶۔۳۵۷' اللآلی المصنوعہ ج ۲ص ۱۴۶' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۵۸۔۱۵۹' تنزیہ الشریعہ ج ۲ص ۲۷۵' تاریخ بغداد ج ۱۱ص ۲۵۱' الاسرار المرفوعہ رقم الحدیث: ۱۵۸۔۴۸۷' فوئد المجموعہ رقم الحدیث: ۱۹۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۲۸۵) اور یعقوب (راوی) متروک ہیں ابوبکر بن شعیب نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے عقیق کی انگوٹھی پہنی وہ ہمیشہ بھلائی دیکھے گا۔ یہ حدیث بھی ثابت نہیں۔

(کشف الخفاء ج ۱ص ۳۵۶' مجمع الزوائد ج ۵ص ۱۵۴' تنزیہ الشریعہ ج ۲ص ۲۷۰۔۲۷۶)

اسی طرح اس سلسلے میں کئی دیگر احادیث وارد ہوتی ہیں لیکن جس طرح حافظ ابن رجب نے فرمایا یہ احادیث ثابت نہیں ہیں۔

عقیلی فرماتے ہیں: عقیق کی انگوٹھی پہننے کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ سے کوئی بات ثابت نہیں۔ ابن فنجویہ نے اپنی کتاب ''الخواتیم'' میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ جو شخص زرد یاقوت کی انگوٹھی پہنے وہ طاعون سے محفوظ رہتا ہے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۹۸)

انگوٹھی کا نگینہ

نبی اکرم ﷺ کی انگوٹھی کے نگینے کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا۔

''صحیح مسلم میں ہے کہ'' رسول اکرم ﷺ کی انگوٹھی کا نگینہ حبشی (پتھر کا) تھا۔

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ علماء فرماتے ہیں: اس سے حبشہ کا پتھر مراد ہے یعنی اس کا نگینہ سفید و سیاہ مہر یا عقیق کا تھا اور ان دونوں کی کانیں حبشہ اور یمن میں ہیں۔

اگر یہ بات صحیح ہو کہ وہ حبشی سے عقیق مراد لیتے تھے تو آپ کی انگوٹھیاں ہوں گی ان میں سے ایک کا نگینہ عقیق کا اور دوسری کا چاندی کا ہوگا۔

امام نووی کی شرح مسلم میں نقل کیا گیا کہ کبھی آپ کی انگوٹھی کا نگینہ بھی اسی کا ہوتا (یعنی چاندی کا) اور دوسری حدیث میں ہے کہ اس کا نگینہ عقیق سے تھا لیکن یہ بات مروی نہیں ہے کہ آپ نے مکمل عقیق کی انگوٹھی پہنی ہو۔

انگوٹھی کا نقش

رسول اکرم ﷺ کی انگوٹھی کے نقش کے بارے میں صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت منقول ہے وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس میں ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ نقش تھے اور آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا: میں نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی ہے جس میں ''محمد رسول اللہ'' نقش کروایا ہے لہٰذا کوئی بھی اس کے مطابق نقش نہ کروائے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۷۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۵۶، مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۳۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۱۹، السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۲۸، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۳۸۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۲۹۱)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی انگوٹھی پر ''محمد رسول اللہ'' کندہ نہ کروائے۔

سنن نسائی میں ہے کہ آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس کا نگینہ حبشی (پتھر کا) تھا اور اس کا نقش ''محمد رسول اللہ'' تھا۔

''صحیح بخاری اور جامع ترمذی کی'' روایت میں ہے:

كان نقش الخاتم ثلاثة اسطر، محمد سطر و رسول سطر، والله سطر .

(آپ کی) انگوٹھی کا نقش تین سطروں میں تھا ایک سطر میں (اسم گرامی) ''محمد'' دوسری سطر میں لفظ ''رسول'' اور تیسری سطر میں (اسم جلالت) ''اللہ'' تھا۔

''فتح الباری میں'' فرمایا:

ظاہر بات یہ ہے کہ اس سے زائد کچھ نہ تھا اور اس کی ترتیب بھی یہی تھی لیکن اس کی ترتیب عام طریقے کے مطابق نہ تھی کیونکہ مہر لگانے کا تقاضا یہ ہے کہ جو حروف نقش کئے جائیں وہ الٹ ہوں تاکہ مہر صحیح لگے اور بعض شیوخ کا کہنا کہ اس

نقش کی کتابت اوپر سے تھی یعنی اسم جلالت ''اللہ'' سب سے اوپر والی سطر میں اور اسم مبارک ''محمد'' سب سے نچلی سطر میں تھا۔ تو میں نے کسی حدیث میں اس کی تصریح نہیں دیکھی بلکہ اسماعیلی کی روایت اس کے خلاف ہے انہوں نے فرمایا ایک سطر میں اسم رسالت ''محمد'' دوسری سطر میں لفظ ''رسول'' اور تیسری سطر میں اسم جلالت ''اللہ'' تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ اپنی انگوٹھی داہنے ہاتھ میں پہنتے تھے جب آپ کا وصال ہوا تو یہ انگوٹھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دائیں ہاتھ میں آ گئی جب ان کا وصال ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دائیں ہاتھ میں ہوگی پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے داہنے ہاتھ میں ہوگی پھر جس دن آپ کے گھر کا محاصرہ ہوا تو یہ الفاظ ''لا الہ الا اللہ'' میں بدل گئے۔

اس حدیث کو برکہ بن محمد حلبی نے روایت کیا جیسا کہ ابن رجب نے اپنی کتاب ''الخواتیم'' میں نقل کیا پھر فرمایا: یہ روایت بہت زیادہ ساقط ہے کیونکہ برکہ کا ذکر جھوٹ کے ساتھ کیا جاتا ہے (یعنی جھوٹا ہے) اور اس میں ایسے الفاظ ہیں جو اس کے جھوٹا ہونے پر دلالت کرتے ہیں یعنی یوں کہنا کہ آپ کی شہادت کے دن ''لا الہ الا اللہ'' ہو گیا حالانکہ انگوٹھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت والے دن سے پہلے بیرَ اریس میں گر گئی تھی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس کے بعد ایک مدت تک زندہ رہے اور آپ نے اس کی جگہ دوسری انگوٹھی بنوائی جس کا نقش ''محمد رسول اللہ'' تھا کلمۂ توحید نہ تھا۔

زیادہ انگوٹھیاں بنوانا

شیخ الاسلام الشرف المناوی [1] رحمہ اللہ نے فرمایا: مطلقاً انگوٹھی پہننے سے سنت پر عمل ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ انگوٹھی ادھار کے طور پر لی ہو یا کرایہ پر لیکن سنت کے زیادہ موافق یہی ہے کہ اپنی ملکیت ہو۔ (الاعلام ج ۸ ص ۱۶۷، شذرات الذہب ج ۷ ص ۳۱۲، ضوء اللامع ج ۱۰ ص ۲۵۴، کشف الظنون رقم الحدیث: ۱۶۳۵، حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۲۵۳)

اور ہمیشہ پہننا اور زیادہ انگوٹھیاں بنوانا بھی جائز ہے لیکن زیادہ کے استعمال کے بارے میں امام رافعی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جائز نہیں۔

محب طبری نے بھی یہی بات واضح طور پر لکھی ہے انہوں نے فرمایا نتیجہ یہ ہے کہ مرد کے لئے چاندی کی دو انگوٹھیاں پہننا جائز نہیں چاہے ایک ہاتھ میں ہوں یا دونوں ہاتھوں میں۔

کیونکہ چاندی کا اس مقدار سے زیادہ استعمال حرام ہے جس کی اجازت دی گئی ہے اور احادیث میں بھی ایک ہی انگوٹھی کا ذکر آیا ہے۔

لیکن خوارزمی نے ''الکافی میں'' ذکر کیا کہ ایک ہاتھ میں دو اور دوسرے میں ایک انگوٹھی پہن سکتا ہے۔

البتہ دونوں ہاتھوں میں دو دو پہننے کو الصیدلانی نے فتاویٰ میں ناجائز کہا ہے۔

امام دارمی رحمہ اللہ نے ''الاستذکار میں'' فرمایا: کہ مرد کے لئے دو انگوٹھیوں سے زائد پہننا مکروہ ہے تو ان کا اسے صرف مکروہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ حرام نہیں ہے جب یہ بات ثابت ہوگئی تو معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے اور محبّ طبری کے کلام سے ظاہر ہے اگر ہم اس سے چشم پوشی بھی کریں تو صیدلانی کے فتویٰ پر اعتماد کرتے ہیں۔

---

[1] شیخ الاسلام مناوی کا نام شرف الدین یحییٰ بن محمد ہے۔ آپ ۷۹۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور مصر میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) رہے۔ ۱۲ ہزاروی (زرقانی ج ۵ ص ۴)

دائیں اور بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا

انگوٹھی دائیں یا بائیں کسی بھی ہاتھ میں پہننا جائز ہے البتہ اس کی افضلیت میں اختلاف ہے۔

کہا گیا ہے کہ بائیں ہاتھ میں پہنی جائے حضرت امام احمد رحمہ اللہ یہی فرماتے ہیں۔ حضرت صالح کی روایت میں ہے کہ حضرت امام احمد نے فرمایا: بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا مجھے زیادہ پسند ہے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے ایک روایت میں ہے کہ آپ بائیں ہاتھ میں پہنتے تھے' امام شافعی رحمہ اللہ کا طریقہ بھی یہی تھا۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں:

کان خاتم النبی ﷺ فی ھذہ واشار الی الخنصر فی یدہ الیسری.

نبی اکرم ﷺ کی انگوٹھی اس میں ہوتی تھی انہوں نے بائیں ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔

''سنن ابی داؤد میں'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ انگوٹھی اپنے بائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔

اسماعیل بن مسلم نے سلیطی (محمد بن احمد بن محمد ابن سلیطی (دادا کی طرف نسبت) شیخ صالح تھے) سے روایت کیا فرماتے ہیں: چودہویں رات کا چاند چمک رہا تھا کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا گویا میں آپ کے بطن مبارک کی سلوٹوں کو دیکھ رہا ہوں یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ قبطی کپڑے کی طرح ہیں اور آپ کی انگوٹھی کی چمک کو بھی دیکھ رہا تھا جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی۔

اسماعیل بن مسلم (راوی) کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ ابن مبارک نے اسے چھوڑا ہے اور کبھی اس سے روایت بھی کرتے ہیں بعض حفاظ نے ذکر کیا جیسا کہ حافظ ابن رجب نے فرمایا: کہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی کے بارے میں عام صحابہ کرام اور تابعین سے مروی ہے۔

ایک گروہ نے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کو ترجیح دی ہے حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے حضرت حماد بن سلمہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابن ابی رافع (رضی اللہ عنہما) کو دیکھا کہ انہوں نے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ہوئی تھی میں نے اس سلسلے میں ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور فرماتے تھے: کہ نبی اکرم ﷺ بھی دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔ اس حدیث کو امام احمد' نسائی' ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اور فرمایا: کہ امام محمد یعنی امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سلسلے میں جو کچھ نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے یہ ان تمام روایات میں سے سب سے زیادہ صحیح ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۲۶' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۴۷' مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۴' سنن نسائی ج ۸ ص ۱۷۵۔ ۱۹۳' المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۹۱' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۵۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۲۹' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۳۹۱۔ ۴۳۹۲' حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۰۳' العلل المتناھیہ ج ۲ ص ۲۰۵' اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۱۲۴۔ ۱۲۵' شرح السنہ ج ۱۲ ص ۶۷۔ ص ۶۸' تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۹۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۴۰۰۔ ۱۷۴۰۲۔ ۱۸۳۱۱)

شمائل ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ دائیں میں انگوٹھی پہنتے تھے یہ حدیث

عبداللہ بن میمون کی حالت کے باعث ضعیف ہے۔

اور حضرت عباد بن صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضرت جعفر بن محمد سے وہ اپنے والد سے اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو آپ کے داہنے ہاتھ میں انگوٹھی تھی' عباد بن صہیب بھی متروک ہیں۔

امام بزار نے اپنی مسند میں حضرت عبید بن قاسم سے انہوں نے ہشام بن عروہ سے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور جب آپ کا وصال ہوا تو اس وقت انگوٹھی آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی۔

یہ عبید (راوی) بہت جھوٹا شخص ہے۔

حافظ ابن رجب نے کہا کہ واضح الفاظ میں یہ بات مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا آخر معمول بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا تھا سلیمان بن محمد' حضرت عبداللہ بن عطاء سے وہ حضرت نافع سے اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے پھر آپ نے اسے بائیں ہاتھ کی طرف پھیر دیا۔

حضرت وکیع فرماتے ہیں: دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا سنت نہیں ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ سے واضح الفاظ میں منقول ہے کہ انگشت شہادت اور درمیان والی انگلی میں انگوٹھی پہننا مکروہ ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے اس اور اس انگلی میں انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا آپ نے شہادت والی اور درمیان والی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۲۵' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۸۶' سنن نسائی ج ۸ ص ۱۷۷' مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۹۔۱۵۴)

''اللباب میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ انگوٹھی پہنتے تھے اور بعض اوقات آپ باہر تشریف لاتے اور آپ کی انگوٹھی میں ایک دھاگہ بندھا ہوا ہوتا جو کسی بات کی یادداشت کے لئے ہوتا۔ یہ بات ابن عدی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کہ جب آپ کسی حاجت کا ارادہ کرتے تو اپنی انگوٹھی میں کوئی دھاگہ باندھ دیتے۔

ابویعلیٰ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کو کسی کام کے بھول جانے کا خطرہ ہوتا تو اسے یاد رکھنے کے لئے اپنی انگلی میں دھاگہ باندھتے تا کہ یاد رہے یہ احمد بن حسین شیرازی کے مجموعہ خلعیات میں سے چوتھا خلعیہ ہے (یعنی جزء ہے) لیکن اس میں سالم بن عبد الاعلیٰ ابوالفیض ہیں ابن حبان نے ان کو موضوع احادیث گھڑنے والا قرار دیا بلکہ ابوحاتم نے اس حدیث کی وجہ سے اسے تہمت زدہ قرار دیا۔

سلوار پہننا

سلوار کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا نبی اکرم ﷺ نے اسے پہنا ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے یقین کے ساتھ بیان کیا کہ آپ نے سلوار نہیں پہنی۔ اس پر حضرت امام نووی رحمہ اللہ کا جزم دلیل ہے وہ کتاب ''تہذیب الاسماء واللغات'' میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ترجمہ (تذکرہ) میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے دور جاہلیت میں بھی اور

اسلام لانے کے بعد بھی سلوار نہیں پہنی البتہ شہادت کے دن پہنی ہے اور آپ' نبی اکرم ﷺ کی اتباع پر بہت حریص تھے۔

لیکن ابویعلٰی موصلی نے اپنی مسند میں ایک نہایت ہی ضعیف سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں: ایک دن میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ بازار میں داخل ہوا تو آپ کپڑا فروشوں کے پاس تشریف فرما ہوئے اور چار درہم میں سلوار کا کپڑا خریدا اور بازار والوں کا ایک وزن کرنے والا تھا۔ (درہم و دینار کا وزن کرتا تھا) آپ نے فرمایا: وزن کرو اور جھکتا ہوا کر واس نے کہا میں نے یہ بات کسی سے نہیں سنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دین میں تیری سستی اور زیادتی کے لئے یہی بات کافی ہے کیا تو نے اپنے نبی کو بھی نہیں پہچانا؟

اس نے ترازو رکھ دیا اور نبی اکرم ﷺ کا دست مبارک چومنے کے لئے کود پڑا لیکن آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا: یہ کام عجمی لوگ اپنے بادشاہوں سے کرتے ہیں اور میں بادشاہ نہیں ہوں بلکہ میں تم لوگوں میں سے ایک آدمی ہوں۔

چنانچہ اس نے جھکتا ہوا وزن کیا اور آپ نے سلوار لے لی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اسے آپ سے اٹھانے لگا تو آپ نے فرمایا: کسی چیز کے مالک کو ہی زیادہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی چیز اٹھائے عمل کمزور ہونے کی وجہ سے اٹھا نہ سکتا ہو تو اس کا مسلمان بھائی اس کی مدد کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ سلوار پہنیں گے؟ فرمایا: ہاں سفر و حضر اور دن و رات میں پہنوں گا کیونکہ مجھے ستر کا حکم دیا گیا ہے پس میں سلوار سے زیادہ ستر کے لئے لائق کسی چیز کو نہیں دیکھتا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۱۴۱' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۱۷۱' ۲۷۴' تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۲۷۲' میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۴۸۶۶' فوائد المجموعہ رقم الحدیث: ۱۹۰)

اسی طرح ابن حبان نے ''الضعفاء میں'' حضرت ابویعلٰی سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

طبرانی نے ''الاوسط میں'' دار قطنی نے ''الافراد میں'' اور عقیلی نے ''الضعفاء میں'' اسے نقل کیا اور اس کا مدار یوسف بن زیاد واسطی پر ہے۔

لیکن نبی اکرم ﷺ کا سلوار خریدنا ثابت ہے۔[1]

''الھدی میں ہے'' ظاہر ہے کہ آپ نے اسے پہننے کے لئے خریدا اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے سلوار پہنی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے زمانے میں اور آپ کے حکم سے سلوار پہنتے تھے۔

حضرت ابو عبداللہ الحجازی نے ''الشفاء کے حاشیہ میں'' فرمایا: کہ ''الھدی میں'' جو کہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سلوار پہنی ہے تو علماء کرام فرماتے ہیں. یہ بات سبقتِ قلم کی وجہ سے لکھی گئی۔ واللہ اعلم

ابوسعید نیشاپوری نے اپنی کتاب ''شرف المصطفٰی'' میں نبی اکرم ﷺ کی تجارت کے سلسلے میں یہ بات لکھی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح (صحیح بخاری) میں ایک عنوان ''باب السراویل'' مقرر کیا اور اس میں احرام کے

[1] امام احمد اور سنن اربع نے حضرت سوید بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: میں اور مخرفۃ العبد مقام ہجر سے کپڑا لے کر مدینہ طیبہ آئے نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم منیٰ میں تھے آپ نے ہم سے سلوار کا بھاؤ لگایا تو ہم نے آپ پر بیچ دی آپ نے اس کی قیمت کا وزن کیا اور وزن کرنے والے سے فرمایا' جھکتا ہوا وزن کرنا۔

لباس والی حدیث میں اس کا ذکر کیا کیونکہ ان کی شرط کے مطابق اس میں کوئی حدیث وارد نہیں (یعنی یہ فرمایا کہ کوئی آدمی قمیص سلوار وغیرہ نہ پہنے)۔

موزے پہننا

موزے پہننے کے حوالے سے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نجاشی (بادشاہ) نے نبی اکرم ﷺ کے لئے دو سیاہ رنگ کے سادہ موزے بطور تحفہ بھیجے پس آپ نے ان کو پہنا پھر وضو کیا تو ان پر مسح کیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۵۴' جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۸۲۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۵۴۹_۳۶۲۰' مسند احمد ج۵ ص۳۵۲)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں دو موزوں کا تحفہ پیش کیا تو آپ نے ان دونوں کو پہن لیا۔

اور اسرائیل نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ سے یوں نقل کیا کہ ایک جبہ بھی (تحفہ کے طور پر پیش کیا) آپ نے ان دونوں (موزوں) کو پہنا حتیٰ کہ وہ پھٹ گئے اور آپ کو معلوم نہ تھا کہ کیا وہ ذبح کئے ہوئے جانور کے چمڑے سے بنائے گئے یا غیر مذبوحہ کے چمڑے سے؟ اسے طبرانی نے نقل کیا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۷۶۹)

نعلین مبارک پہننا

نعل اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے پاؤں کی حفاظت کی جائے یہ بات صاحب محکم نے فرمائی ہے۔

آپ کے نعلین شریف کے بارے میں صحیح بخاری میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

ان نعل النبی ﷺ کان لها قبالان. کہ نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارک تھے جن کے دو تسمے تھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۱۳۴' صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۸۵۷' سنن نسائی ج۸ ص۲۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۶۱۴_۳۶۱۵' اخلاق النبوۃ رقم الحدیث:۱۳۶' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث:۴۴۱۳' مجمع الزوائد ج۵ ص۱۳۸' شمائل ترمذی رقم الحدیث:۴۱_۴۴' کنز العمال رقم الحدیث:۴۲۱)

قبالان' قبال کا تثنیہ ہے جوتے کی لگام کو قبال کہتے ہیں اور یہ دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے (یعنی جس طرح قینچی چپل کی نتھ ہوتی ہے جو انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی کے درمیان ہوتی ہے)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کی نعلین مبارک کے دو تسمے تھے جو ڈبل ڈبل تھے۔

اس کو امام ترمذی نے ''الشمائل میں'' روایت کیا۔ اسی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کی نعلین مبارک کے دو تسمے تھے (نتھیں تھیں)۔

حضرت عیسیٰ بن طہمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں دو جوتے دکھائے ان پر

بال نہیں تھے اور ان کے دو تسمے تھے اس کے بعد حضرت ثابت نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتایا کہ یہ دونوں نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارک تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۵۸)

حضرت عبید بن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ سبتی جوتے پہنتے ہیں (رنگی ہوئی کھال جس پر بال نہ ہوں) انہوں نے فرمایا میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ ایسا جوتا پہنتے تھے جس پر بال نہ ہوں اور اسی میں وضو بھی فرماتے ہیں پس میں بھی اسے پہننا پسند کرتا ہوں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۵۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۱۰ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۱ مسند احمد ج ۲ ص ۶۶ ـ ص ۱۱۰)

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا آپ ایسے نعلین پہنے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ (رنگے ہوئے چمڑے سے بنے ہوئے جوتے)۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۰۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی کریم ﷺ دائیں طرف سے کام شروع کرنے کو پسند کرتے تھے جب تک ممکن ہو کنگھی کرنے، نعلین مبارک پہننے اور وضو کرنے میں (یہ طریقہ اختیار فرماتے تھے)۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۳۹ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۶۰۹ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۵۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۱۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۵ مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۳ ـ ۲۴۵ ـ ۴۷۷ السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۳۲ المعجم الصغیر ج ۱ ص ۲۵ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۴۱۰ شرح السنہ ج ۱۲ ص ۵۷ حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۳۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۶۰۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی ایک جوتا پہنے تو دائیں پاؤں سے آغاز کرے اور جب اتارے تو بائیں پاؤں سے شروع کرے تاکہ دایاں پاؤں پہننے میں پہلے اور اتارنے میں آخر میں ہو۔

اور رسول اکرم ﷺ کھڑے ہو کر جوتا پہننے سے منع فرماتے تھے۔ (جہاں بیٹھ کر پہننا ممکن نہ ہو وہاں کھڑے ہو کر بھی پہن سکتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی)

ابوالیمن بن عساکر نے ایک جزء مفرد میں نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارک کا نقشہ ذکر کیا میں نے اسے پڑھ کر اور سن کر دونوں طرح روایت کیا ہے اسی طرح ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن خلف سلمی جو ابن الحاج کے نام سے مشہور ہیں اور اندلس میں اہل مریہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے اور دوسرے حضرات نے یہ نقشہ بنایا ہے اور میں یہاں اسے اس لئے نقل نہیں کرتا کہ یہ مشہور ہے اور اس کی لکیریں وغیرہ بنانا کسی ماہر کے بغیر مشکل ہے۔

نعلین پاک کی فضیلت اور اس کا نفع و برکت جس کا تجربہ کیا گیا اسی میں سے کچھ اسی طرح ہے۔

ابوجعفر احمد بن عبدالمجید نے ذکر کیا اور وہاں ایک نیک شیخ تھے وہ فرماتے ہیں: میں نے یہ نقشہ مبارکہ بعض طلباء کے لئے بنایا تو وہ طالب علم ایک دن میرے پاس آیا اور کہنے لگا گذشتہ رات میں نے نعلین مبارک کی عجیب برکت دیکھی ہے میری بیوی سخت درد میں مبتلا ہوگئی قریب تھا کہ ہلاک ہو جاتی میں نے نعلین پاک کا نقشہ اس کی درد والی جگہ پر رکھ دیا اور کہا:

اَللّٰھُمَّ اَرِنِیْ بَرَکَۃَ صَاحِبِ ھٰذَا النَّعْلِ۔ یا اللہ! اس نعل مبارک والے کی برکت دکھا دے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت شفاء عطا فرمائی۔

ابو اسحاق کہتے ہیں ابوالقاسم بن محمد نے فرمایا: کہ اس کی برکت کا جو تجربہ کیا گیا اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو شخص

اسے اپنے پاس برکت کے لئے رکھے یہ اس کے لئے باغیوں کی بغاوت اور دشمنوں کے غلبہ سے امان ہوگا نیز ہر سرکش شیطان اور حاسد آنکھ سے پناہ کا باعث بنے گا۔

اگر کوئی حاملہ عورت اسے اپنے داہنے ہاتھ میں پکڑے اور اس پر بچے کی پیدائش کا معاملہ سخت ہو گیا ہو تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے آسان ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ابوالیمن بن عساکر رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے انہوں نے کیا اچھا فرمایا ہے:

یا منشدا فی رسم ربع خال ومناشدا لدوارس الاطلال

دع ندب آثار وذکر ماثر لاحبة بانوا وعصر خال

والثم ثری الاثر الکریم فحبذا ان فزت منه بلثم ذا التمثال

اثر له بقلوبنا اثر لها شغل الخلی بحب ذات الخال

قبل لک الاقبال نعلی اخمص حل الهلال بها محل قبال

الصق بها قلبا یقلبه الهوی وجلا علی الاوصاب والاوجال

صافح بها خدا و عفر وجنة فی تربها وجدا وفرط فعال

"اے ویران کھنڈرات کی جستجو کرنے والے' اور اے مٹے ہوئے ٹیلوں کو شعر سنانے والے' گذرے ہوئے زمانے' بچھڑے ہوئے دوستوں کی باتوں اور کھنڈرات پر رونے کو چھوڑ اور (حضور ﷺ کے) عزت والے اثر کو بوسہ دو کیا ہی خوبی ہو اگر تو نعل شریف کے نقشہ کو بوسہ دے کر سعادت مندی حاصل کر' یہ ایسا اثر ہے جو ہمارے دلوں پر ثبت ہے' اور ان دلوں کا حال خوبصورت عورت کی محبت میں مبتلا' فارغ البال شخص جیسا ہے۔ تیرا اقبال بلند ہو اس قدم کی نعلین کو بوسہ دے جن میں تسمے کی جگہ ہلال نے لی' اس نعل شریف کے ساتھ دل کو وابستہ کر وہ دل جسے محبت الٹ پلٹ کرے اور وہ بیماریوں اور مصائب سے خوفزدہ ہو' نعل شریف کے ساتھ اپنے رخسار کو مس کر اور اس کی مٹی اپنے چہرے پر وجد اور مبالغہ کے ساتھ لگا"۔

سیبل حر جوی ثوی بجوانح فی الحب ما جنحت الی الابلال

"عنقریب گرفتارِ عشق کی آتش سوزاں شفاء پائے گی جو شفاء پانے والی نہ تھی"۔

یا شبه نعل المصطفٰی روحی الفداء لمحلک الاسمی الشریف العال

"اے نبی پاک ﷺ کے نعل پاک کے نقشِ مبارک! میری جان تیرے مقامِ رفیع اور مرتبۂ علیا پر قربان"۔

هملت لمراک العیون وقد نای مرمی العیان بغیر ما اهمال

"آپ کی زیارت کے لئے آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور تحقیق آنسو بہائے بغیر آنسو پھینکنا ممکن نہیں"۔

وتذکرت عهد العقیق فتاثرت شوقا عقیق المدمع الهطال

"اور انہوں (آنکھوں) نے عقیق کے زمانے کی یاد تازہ کر دی پس ان (آنکھوں) نے سرخ لہروں میں موسلا دھار بارش کا شوق بیدار کر دیا"۔

وصبت فواصلت الحنين الی الذی مازال بالی منه فی بلبال

''وہ آنکھیں غمِ عشق میں مبتلا ہوئیں اور میرے شدتِ اشتیاق کو اس غم سے ملا دیا جو ہمیشہ سے میرے دل میں ہے''۔

اذكرتنی قدما لها قدم العلا والجود والمعروف والافضال

''ان آنکھوں نے مجھے ایسے مبارک قدم یاد دلائے جن کی عظمت' سخاوت' نیکی اور فضل قدیم ہے''۔

اذكرتنی من لم يزل ذكری له يعتاد فی الابكار والاصال

''کیا تو نے مجھے وہ ہستی یاد دلائی جس کا ذکر (درود شریف) میری صبح و شام میں ہیشگی سے داخل ہے''۔

ولها المفاخر والماثر فی الدنا والدين والاقوال والافعال

''دین و دنیا اور اقوال و افعال میں ان اقدام مبارکہ کے بے شمار فضائل اور خوبیاں ہیں''۔

لو ان خدی يحتذی نعلا لها لبلغت من نيل المنی آمال

''کاش کہ میرے رخسار (کی کھال) آپ کے نعل مبارک کا چمڑا بنتی تو میں نیک خواہشات اور تمناؤں کے حصول میں کامیاب ہو جاتا''۔

او ان اجفانی لو طء نعالها ارض سمت عزا بذا الاء ذلال

''یا میری پلکیں آپ کے قدم مبارک کے نعل کے روندنے کیلئے زمین ہوتیں تو وہ (زمین) ذلت والی ہونے کے باوجود معزز مشہور ہوتی''۔

اور ابوالحکم بن مرحل کا قول کتنا اچھا ہے اسے ابو اسحاق بن الحاج نے ایک قصیدے میں ذکر کیا:

بوصف حبيبی طرز الشعر ناظمه و نمنم خد الطرس بالنقش راقمه

''شاعر نے میرے محبوب ﷺ کے اوصاف میں شعروں کے موتی پروئے اور لکھنے والے نے مٹے ہوئے نشان کو نقش (نعل پاک) سے مزین کیا''۔

رؤوف عطوف اوسع الناس رحمة وجادت عليهم بالنوال غمائمه

''وہ (میرے محبوب) لوگوں کے لئے مہربانی اور بخشش کرنے والے اور سب سے بڑھ کر رحیم ہیں اور ان کے جود و سخا کے بادل لوگوں پر عطیات کی بارش برساتے ہیں''۔

له الحسن والاحسان فی كل مذهب فاثاره محبوبة و معالمه

''ہر میدان میں ان کی عمدہ سیرت اور فیاضی عام ہے پس ان کی سنن اور طور طریقے لوگوں کو دل و جان سے محبوب ہیں''۔

به ختم الله النبيين كلهم وكل فعال صالح فهو خاتمه

''ان (محبوب ﷺ) کے ساتھ اللہ نے نبوت کو ختم فرما دیا اور ہر عمدہ خصلت ان پر ختم ہو گئی''۔

احب رسول الله حبا لو انه تقاسمه قومی كفتهم قسائمه

''میں رسول اللہ ﷺ سے ایسی محبت کرتا ہوں کہ اگر اس کو میری قوم پر تقسیم کیا جائے تو اس کے اجزاء

(اس قدر ہوں گے کہ) ہر ایک کو کفایت کریں گے"۔

کان فوادی کلما مر ذکرہ — من البورق خفاق اصیبت قوادمہ

"جب بھی ان کا ذکر مبارک ہوتا ہے تو میرا دل ایسے بے چین ہو جاتا ہے جیسے لشکریوں کے ہاتھوں اجڑا ہوا مکان ہو"۔

اھیم اذا ھبت نواسم ارضہ — ومن لفوادی ان تھب نواسمہ

"جب سرزمینِ حبیب سے بادِ صبا آتی ہے تو میں عشق میں مچل جاتا ہوں اور جب بادِ صبا چلے تو میرے دل کو کون تھامے؟[1]"۔

فانشق مسکا طیبا فکانما — نوافجہ جاءت بہ و لطائمہ

"پس میں پاکیزہ خوشبو سونگھتا ہوں گویا کہ ان کی طرف سے مشک کے نافے یہ خوشبو لیے آئے ہیں"۔

ومما دعانی والدعاوی کثیرۃ — الی الشوق ان الشوق مما اکاتمہ

"اور اسی سے میں نے دعویٰ کیا کہ میں محبت کو چھپا سکتا ہوں حالانکہ محبت میں ایسے دعاوی زیادہ ہونے کے باوجود بے کار ہیں"۔

مثال لنعلی من احب ھویتہ — فھا انا فی یومی ولیلی الاثمہ

"میں اپنے محبوب (ﷺ) کے نعلین پاک کے نقش کو از حد چاہتا ہوں اور یہی وہ نقش مبارک ہے جسے میں صبح و شام بوسے دیتا ہوں"۔

اجر علی راسی ووجھی ادیمہ — والثمہ طورا و طورا الازمہ

"میں اس نقش نعل پاک کو اپنے سر پر رکھتا ہوں اور اپنے چہرے کو اس کے ذریعے فرحت بخشتا ہوں اور میں اسے بار بار چومنے کو لازم گردانتا ہوں"۔

امثلہ فی رجل اکرم من مشی — فتبصرہ عینی وما انا حالمہ

"میں ایسے قدم مبارک کا نقش بناتا ہوں جو تمام چلنے والوں میں سے افضل ہیں اور میں جاگتے ہوئے سر کی آنکھوں سے اس کی زیارت کرتا ہوں"۔

احرک خدی ثم احسب وقعہ — علی وجنتی خطوا ھناک یداومہ

"(جب میں اسے اپنے رخسار پر رکھ کر) اپنے رخسار کو حرکت دیتا ہوں تو اس کے گرنے کو اپنے رخساروں پر ایک قدم سمجھتا ہوں جو بار بار رکھا جاتا ہے"۔

ومن لی بوقع النعل فی حروجنتی — لماش علت فوق النجوم براجمہ

"اور نعل پاک گرنے کی وجہ سے میرے رخساروں (میں پیدا ہونے والی) حرارت میں چلنے والا کون ہے جس کے قدم ستاروں سے بھی بلند ہیں"۔

---

[1] مجھے محبت پر اس چیز نے برانگیختہ کیا کہ محبت ایسی چیز ہے جسے میں چھپا سکتا ہوں حالانکہ دعوے بہت ہوتے ہیں۔

سـاجعلـه فوق الـتـرائب عوذة لـقلبـي لعل القلب يـرد حاجمه

''میں اس نقش مبارک کو اپنے سینے پر دوبارہ رکھوں گا یہ امید کرتے ہوئے کہ میرے دل کا خوف دور ہو جائے''۔

وارابطة فوق الشؤون تميمة لجفني لعل الجفن يرقأ ساجمه

''میں اس نقش کو آنسوؤں کی رگوں کے اوپر پانی کا چشمہ بناؤں گا اور اپنی پلکوں کے لئے تعویذ تا کہ میری پلکوں کے بہنے والے آنسو رک جائیں''۔

الا بأبـي تمثال نعل محمد لطاب لحاذيه و قدس خادمه

''ہمارے آقا محمد مصطفیٰ ﷺ کے نقشِ نعل مبارک پر میرا باپ فدا''۔

يـود هلال الافق لـو انـه هـوى يـزاحـمـنـا فـي لثمه و نـزاحـمه

''آسمان کا چاند یہ چاہتا ہے کہ وہ اس نقش پر ٹوٹ پڑے اور وہ اس نقش کو بوسہ دینے میں ہم سے جھگڑے اور ہم اس سے جھگڑیں (یا وہ بوسہ دینے میں ہم سے سبقت لے جانے کی سعی کرے)''۔

ومـا ذاك الا ان حـب نبيـنـا يـقـوم بـاجسام الخليقة لازمه

''یا (یہ اس لئے ہے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں) ہاں مگر ہمارے نبی ﷺ کی محبت جمیع مخلوقات پر لازم اور واجب ہے''۔

سـلام عـلـيـه كـلـمـا هبت الصـبـا وغـنـت بـاغـصـان الاراك حـمـائمه

''جب بھی صبا چلے اور پیلو کے درخت کی شاخوں میں ان کے کبوتر ان کی نعت پڑھیں (گنگنائیں) تو میری طرف سے بھی سلام (مسلسل) ہوتا رہے''۔

اور ابوبکر احمد بن امام ابومحمد عبداللہ بن حسین قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا:

ونـعـل خـضـعـنـا هيبة لبهـائهـا وإنـا متـى نـخـضـع لهـا ابـدا نـعـلـو
فـضـعهـا عـلـى اعلى المفارق إنهـا حـقـيـقـتهـا تـاج و صـورتهـا نـعـل
بـاخـمـص خيـر الـخلق حـازت مزية عـلـى التاج حتى باهت المفرق الرجل
طـريـق الهـدى عـنهـا استنارت لمبصر وان بـحـار الجـود مـن فيضهـا حلوا
سـلـونـا ولـكـن عـن سـواهـا وانـمـا نهـيـم بـمـغـنـاهـا الغريب ومـا نسلوا
فـمـا شـاقـنـا مـذ راقنـا رسم عـزهـا حـمـيـم ولا مـال كـريـم ولا نـسـل
شـفـاء لـذى سـقـم رجـاء لبـائـس امـان لـذى خـوف كـذا يحسب الفضل

''اور (حضور ﷺ کی) نعلِ مبارک ہے جس کا ہم احترام بجالاتے ہیں ہم اس کا جتنا احترام کرتے ہیں اتنے ہی سربلند ہوتے ہیں اسے (اپنے سر کی) مانگ پر رکھ اس کی حقیقت تاج ہے اور ظاہری صورت نعل ہے کائنات کی سب سے بہتر شخصیت کے قدم کی برکت سے اس (نعل) نے تاج پر فضیلت حاصل کی حتیٰ کہ سر کی چوٹی کو دیگر اعضائے انسانی پر فخر حاصل ہوا' دیدۂ بینا رکھنے والے کے لیے ہدایت کی راہ نے نعل

پاک سے روشنی پائی' اور سخاوت کے دریاؤں نے اس نعل کے فیض سے مٹھاس پائی' ہم اس نعل کی وطن سے دور منزل میں سرگرداں ہیں اور دل بھرتا نہیں' اور اس کے ماسوا سے ہم بے نیاز ہیں' جب سے ہمیں اس (نعل) کی منزل کے کھنڈرات بھائے ہیں کسی گہرے دوست' مال یا رشتے کی محبت نہیں رہی' [1] (یہ نعل) بیمار کے لئے شفاء اور مایوس کے لئے امید کی کرن اور خوفزدہ کے لئے امان ہے۔ اس کی فضیلت اسی طرح سمجھی جاتی ہے"۔

بچھونا مبارک

نبی اکرم ﷺ 'ضرورت کے مطابق بچھونا اختیار فرماتے اور اس کے علاوہ کو چھوڑ دیتے۔

"صحیح مسلم میں" نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

فراش للرجل وفراش لامراته والثالث للضیف والرابع للشیطان.

ایک بستر مرد کے لئے دوسرا بستر اس کی بیوی کے لئے تیسرا مہمان کے لئے اور چوتھا شیطان کے لئے ہوتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۱' مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۴' سنن نسائی ج ۶ ص ۱۳۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۶۲' شرح السنہ ج ۱۲ ص ۵۵)

علماء کرام فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ضرورت سے زائد ہو اسے اختیار کرنا تکبر' فخر اور دنیوی زینت کے طور پر ہوتا ہے اور جو اس صفت پر ہو وہ مذموم ہے اور ہر مذموم کام شیطان کی طرف منسوب ہوتا ہے کیونکہ وہ اس پر خوش ہوتا ہے اس کے بارے میں وسوسے ڈالتا اور اچھا قرار دیتا ہے۔

بعض نے کہا کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور جب ضرورت کے بغیر ہو تو اس پر شیطان رات گزارتا اور سوتا ہے جہاں تک مرد اور عورت کے لئے الگ الگ بستر کا تعلق ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ بعض اوقات بیماری وغیرہ کی وجہ سے ان میں سے ہر ایک مستقل بستر کا محتاج ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا بچھونا جس پر آپ آرام فرماتے تھے چمڑے کا تھا جس میں (کھجور کی) چھال بھری ہوئی تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۸' مسند احمد ج ۶ ص ۳۷' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۶۱' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۴۸' الشفاء ج ۱ ص ۱۴۲' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۳۰۷' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۱۰۔ ج ۴ ص ۲۰۱' شرح السنہ ج ۱۲ ص ۵۲)

امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتی ہیں: کہ ایک انصاری عورت میرے پاس آئی اور اس نے نبی اکرم ﷺ کا بچھونا دیکھا کہ کپڑے کا ایک ٹکڑا دوہرا کیا گیا تھا تو اس نے میرے پاس ایک بچھونا بھیجا جس

[1] شاعر نے نعل کی منزل اور اس کے کھنڈرات کا ذکر بطور استعارہ کیا ہے' قدیم عرب شعراء اپنی محبوبہ کے گھر اور اجڑے ہوئے کھنڈرات سے بھی محبت کا اظہار کیا کرتے تھے' شاعر نے نعل شریف سے محبت کا اظہار کرتے ہوئے قدیم عرب شعراء کی اصطلاح بطور استعارہ استعمال کی ہے' ورنہ نعل کا نہ تو گھر ہوتا ہے اور نہ اس گھر کے اجڑنے پر کھنڈر رہتا ہے۔ مترجم

میں اون بھری ہوئی تھی۔ رسول اکرم ﷺ میرے ہاں تشریف لائے تو پوچھا عائشہ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! فلاں انصاری عورت میرے پاس آئی اور اس نے آپ کا بچھونا دیکھا چنانچہ اس نے یہ بھیجا ہے۔

آپ نے فرمایا: اے عائشہ! اسے واپس کر دو اللہ کی قسم! اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہا چلتے۔ (دلائل النبوۃ ج اص ۳۴۵' فتح الباری ج ۱۱ص ۳۵۳' الترغیب والترہیب ج ۴ص ۲۰۲' تاریخ بغداد ج ۱۱ص ۱۰۲' البدایۃ والنہا ج ۶ ص ۵۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ص ۱۳۱' اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۱۵۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۶۱۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ چٹائی پر آرام فرماتے تھے جب کھڑے ہوئے پہلو مبارک پر نشان تھا۔

طبرانی نے یہ حدیث ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:) میں نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ ایک کمرے میں تھے جو حمام کی طرح (گرم) تھا آپ چٹائی پر آرام فرماتے تھے اور آپ کے مبارک پہلو پر (کھجور کے پتوں کے) نشانات تھے' میں رونے لگا آپ نے پوچھا اے عبداللہ! کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! قیصر و کسریٰ ریشم اور دیباج پر بیٹھتے اور لیٹتے ہیں اور آپ اس چٹائی پر آرام فرما ہیں جس کا نشان آپ کے پہلو پر پڑا ہوا ہے آپ نے فرمایا: اے عبداللہ! مت رو بے شک ان کے لیے دنیا اور ہمارے لیے آخرت ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۰ص ۲۰۱' مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۳۲۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ص ۱۰۸' اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۲۷

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مجھ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ ایک چٹائی پر آرام فرماتے تھے فرماتے ہیں میں بیٹھ گیا نبی اکرم ﷺ پر تہبند کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا اور آپ کے پہلو پر چٹائی کے نشانات پڑ گئے تھے میں نے دیکھا کہ تقریباً ایک صاع (چار کلو) جو ہیں اور ایک چمڑا (مشکیزہ) لٹک رہا ہے میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے تو نبی اکرم ﷺ نے پوچھا اے عمر! کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! میں کیسے نہ روؤں اس چٹائی نے آپ کے پہلو پر نشان ڈال دیا اور آپ کا خزانہ صرف یہ ہے جو میں دیکھ رہا ہوں ادھر کسریٰ اور قیصر کے پاس پھل اور نہریں ہیں آپ اللہ تعالیٰ کے نبی اور اس کے منتخب (بندے) ہیں اور آپ کا خزانہ صرف یہ ہے آپ نے فرمایا: اے ابن خطاب! کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ہمارے لئے آخرت اور ان کے لئے دنیا ہو۔

اس حدیث کو ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا اور امام حاکم نے بھی اسے روایت کیا اور فرمایا یہ مسلم کی شرط پر صحیح ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے اجازت طلب کی آپ ایک بالا خانے میں کھجور کی ایک چٹائی پر آرام فرماتے تھے اور جسم کا کچھ حصہ مٹی پر تھا سر کے نیچے ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور سر کی جانب ایک پرانا چمڑا تھا کمرے کے ایک کونے میں درختِ سلم کے پتے تھے میں نے سلام کیا اور بیٹھ گیا میں نے عرض کیا (یا رسول اللہ!) آپ اللہ تعالیٰ کے نبی اور منتخب (بندے) ہیں کسریٰ اور قیصر سونے کی چار پائیوں اور ریشمی بستروں پر ہیں آپ نے فرمایا: ان لوگوں کو یہ نعمتیں جلدی مل گئیں اور یہ ختم ہونے والی ہیں

اور ہم لوگوں کو یہ نعمتیں آخرت میں ملیں گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی چارپائی بردی (نرکل کی طرح کا ایک پودا جس کے چھلکے کو قدیم مصری لکھنے کے کام لاتے تھے) سے بُنی گئی تھی اور اس پر ایک سیاہ چادر تھی ہم نے اسے بردی پودے سے بُنا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما حاضر ہوئے تو نبی اکرم ﷺ اس پر آرام فرما تھے آپ نے ان دونوں کو دیکھا تو اٹھ کر تشریف فرما ہوئے ان دونوں نے دیکھا تو چارپائی کے نشانات آپ کے پہلو پر تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے بچھونے اور چارپائی کی سختی سے آپ کو یہ اذیت پہنچ رہی ہے جو ہم دیکھتے ہیں جب کہ کسریٰ اور قیصر ریشمی بچھونوں پر ہیں آپ نے فرمایا: یہ بات نہ کہو کیونکہ کسریٰ اور قیصر کا بچھونا آگ میں ہوگا اور میرے بستر اور چارپائی کا انجام جنت ہے۔ اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کبھی کسی بچھونے کو برا نہیں کہا اگر بچھونا بچھ گیا تو اس پر آرام فرما ہو گئے ورنہ زمین پر آرام فرمایا۔

آپ اپنے اوپر لحاف بھی لیتے تھے آپ فرماتے ہیں: حضرت جبریل علیہ السلام جب بھی میرے پاس اس وقت آئے جب میں تم میں سے کسی خاتون کے لحاف میں ہوتا تو وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ہوتیں۔ (اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت بیان فرمائی)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۷۸، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۹، سنن نسائی ج ۷ ص ۶۸)

تیسری نوع

نکاح کے سلسلے میں سیرت نبوی [1]

رسول اکرم ﷺ کا جماع نہایت مکمل ہوتا جس سے صحت حاصل ہوتی ہے۔ لذت اور نفس کا سرور پورا ہوتا ہے اور ان مقاصد کے لئے جماع جائز ہوا ہے وہ بھی حاصل ہوتے ہیں۔

مقاصدِ نکاح

جماع کے بنیادی طور پر تین مقاصد ہیں اور یہی مقاصد اصلیہ ہیں نفس کی حفاظت اور نوعِ انسانی کا ہمیشہ رہنا یہاں تک کہ وہ گنتی پوری ہو جائے جسے اللہ تعالیٰ نے اس عالم میں ظاہر کرنا ہے۔

فعل مطلوب کا حصول، لذت کا حاصل ہونا اور نعمت سے نفع حاصل کرنا اور جنت میں یہی فائدہ حاصل ہوگا کیونکہ وہاں نہ تو نسل بڑھانے کا مسئلہ ہوگا نہ مادۂ منویہ (انسانی پیٹھ میں) جمع ہوگا کہ اس سے فراغت حاصل کی جائے۔ [2]

[1] (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۸۲، الشفاء ج ۱ ص ۸۷)

[2] مصنف علیہ السلام کے قلم سے تیسرا مقصد چھوٹ گیا صحیح یہ ہے جس طرح کہ زاد المعاد میں ہے کہ دوسرا مقصد مادہ منویہ کو خارج کرنا ہے جسے روکنا بدن کے لئے نقصان دہ ہے اور تیسرا مقصد وہ ہے جو اوپر بیان ہوا۔ (زرقانی جلد ۵ ص ۵۶)

ماہر طبیب کا خیال ہے کہ جماع حفظان صحت کے اسباب میں سے ہے لیکن مادۂ منویہ کو صرف طلبِ نسل کے لیے نکالنا چاہیے اور جو کچھ جمع ہے اسے نکال دیا جائے ورنہ جب مادۂ منویہ زیادہ دیر تک جمع رہے گا تو بری بیماریاں پیدا ہوں گی مثلاً وسوسہ، پاگل پن اور مرگی وغیرہ۔

اس لئے بعض اوقات جماع ان امراض سے صحت یابی کا سبب ہوتا ہے کیونکہ جب زیادہ دیر تک مادۂ منویہ کو روک کر رکھا جائے تو خرابی پیدا ہوتی ہے اور یہ ایک زہریلی شکل اختیار کر کے بری بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔

محمد بن زکریا رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص زیادہ عرصہ تک جماع نہ کرے اس کے اعضاء کی قوت کمزور پڑ جاتی ہے اور اس کے راستے بند ہو جاتے ہیں اور آلۂ تناسل سکڑ جاتا ہے۔

(فرماتے ہیں:) میں نے ایک جماعت کو دیکھا جنہوں نے تنگدستی کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا تو ان کے بدن ٹھنڈے ہو گئے، ان کی حرکات مشکل ہو گئیں، وہ غمگین رہنے لگے حالانکہ اس کا کوئی سبب نہ تھا نیز ان کی شہوت اور نظام ہضم کمزور ہو گیا۔ زاد المعاد میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جماع کے فوائد

جماع کے منافع میں سے یہ ہے کہ آنکھیں جھکی رہتی ہیں، نفس کو رکاوٹ حاصل ہوتی ہے اور حرام سے بچنے کی طاقت حاصل ہوتی ہے اور یہی باتیں عورت کو بھی حاصل ہوتی ہیں پس یہ شخص دنیا اور آخرت میں اپنے آپ کو بھی نفع پہنچاتا ہے اور عورت کو بھی۔

اس کی کثرت پر فخر کرنا ہمیشہ سے عادت معروفہ رہی ہے اور اس کے حوالے سے ایک دوسرے کی تعریف کرنا گذشتہ دور سے سیرت چلی آ رہی ہے اس لئے نبی اکرم ﷺ اس کا خیال رکھتے اور فرماتے تھے:

حبب الی من دنیاکم النساء والطیب وجعلت قرة عینی فی الصلوٰة.

مجھے تمہاری دنیا سے تین چیزوں کی محبت دی گئی عورتیں اور خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

(سنن نسائی ج ۷ ص ۶۱، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۸۔۱۹۹۔۲۸۵، المستدرک ج ۲ ص ۱۶۰، کشف الخفاء ج ۱ ص ۴۰۵، الدر المنثور ج ص ۱۰، الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث: ۱، الشفاء ج ۱ ص ۸۹، تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۱۴۔ ج ۱۰ ص ۵۶، اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۲۲۔ ج ص ۵۵۲، المغنی ج ۲ ص ۳، الاسرار المرفوعہ ص ۱۷۶، تذکرۃ الموضوعات ص ۱۲۴، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۹۱۳)

یعنی اپنے رب سے مناجات میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

امام احمد نے زہد کے ضمن میں یہ اضافہ کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

واصبر عن الطعام والشراب ولا اصبر عنھن.

کھانے اور پینے سے صبر کرو اور عورتوں سے صبر نہ کرو۔

پس عورتوں سے محبت اور نکاح کرنا انسانی کمال سے ہے یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں جو دین حنیف کے پیروکاروں کے امام ہیں ان کے پاس حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ہیں جو تمام جہان کی عورتوں سے زیادہ خوبصورت تھیں

انہوں نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے محبت کی اور ان کو ساتھ لے گئے۔

حضرت سعد بن ابراہیم نے حضرت عامر بن سعد سے انہوں نے اپنے والد (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام' روزانہ ملک شام سے براق پر حضرت ہاجرہ کی ملاقات کے لئے آتے کیونکہ ان سے آپ کو محبت تھی اور آپ ان سے بہت کم صبر کر سکتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس ننانوے عورتیں تھیں تو آپ کو ایک عورت سے محبت ہوگئی چنانچہ آپ نے اس سے نکاح کیا تو یوں ایک سو کی تعداد مکمل ہوگئی۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام ایک رات میں نوے عورتوں کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ [1]

"حبب الی من دنیاکم" والی حدیث

امام غزالی رحمہ اللہ کی احیاء علوم الدین میں تفسیر کشاف میں سورہ آل عمران کی تفسیر کے ضمن میں اور بہت سی کتب فقہ میں یہ حدیث آئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "تمہاری دنیا سے تین چیزوں کی محبت مجھے دی گئی ہے"۔

یہ حضرات فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے تین کا لفظ فرمایا لیکن صرف دو باتوں کا ذکر کیا ایک خوشبو اور دوسری عورتیں۔ اسی سے شاعر کا قول ہے:

ان الاحامرة الثلاثة اهلکت — مالی و کنت بهن قدما مولعا

الخمر والماء القراح واطلی — بالزعفران فلا ازال مولعا

"تین سرخ چیزوں نے میرا مال ضائع کر دیا اور میں بہت پہلے سے شوق رکھنے والا ہوں شراب' خالص پانی اور زعفران ملتا ہوں پس میں ہمیشہ سے شوقین ہوں"۔

اسے ابن فورک نے ایک جزء مفرد (وہ کتاب جس میں صرف ایک موضوع پر گفتگو ہو) میں ذکر کیا اس کی توجیہہ بھی کی اور اختصار سے کام لیا ان لوگوں کے نزدیک اسے "طی" کہا جاتا ہے (یعنی سب کا (اجمالاً) ذکر کر کے پھر بعض کو بیان کیا جائے اور باقی سے خاموشی اختیار کی جائے اور اس میں متکلم کی کوئی غرض ہوتی ہے مثلاً سامع پر مخفی رکھنا وغیرہ)۔
زمخشری نے کہا:

کانت حنیفة اثلاثا مثلثهم — من العبید و ثلث من موالیها

"بنوحنیفہ قبیلہ تین حصوں میں تقسیم ہیں ایک تہائی غلام ہیں اور دوسری تہائی ان کے مالک ہیں"۔ [2]

اور اس عمل کا فائدہ ان کے نزدیک اس چیز کی کثرت کی طرف اشارہ کرنا ہے (تا کہ جس کا جو جی چاہے وہ راستہ اختیار کرے)۔

---

[1] ایک روایت میں ستر کا اور ایک دوسری روایت میں ساٹھ کا ذکر ہے ایک اور روایت میں ایک سو کا ذکر ہے (زرقانی ج ۵ ص ۵۸) یاد رہے کہ انبیاء کرام کی شادیوں کا مقصد خواہشات کی تکمیل نہ تھا بلکہ اس میں دیگر کئی حکمتیں تھیں مثلاً زیادہ سے زیادہ خواتین کو نسبت کا اعزاز بخشنا وغیرہ۔ ۱۲ ہزاروی

[2] تیسری تہائی کا ذکر نہیں کیا بنوحنیفہ میں سے کسی سے پوچھا گیا تمہارا کس حصے سے تعلق ہے اس نے کہا جس کا ذکر نہیں ہوا انہوں نے کہا کہ نماز دنیا میں اطاعت کرنے والے کی طرف سے رب کی فرمانبرداری ہے اور یہ وقت اور محل کے اعتبار سے دنیا ہے ورنہ نماز دنیوی چیز نہیں جبکہ عورتیں اور خوشبو یہ ایک اعتبار سے دنیا ہے لیکن جب مقصود آخرت ہو تو دنیا نہیں رہتی یہ بھی اخروی ہو جاتی ہے۔ (زرقانی ج ۵ ص ۵۹)

لیکن ابن قیم وغیرہ نے کہا ہے کہ جو شخص یہ کلمات روایت کرتا ہے ''حبب الی من دنیا کم ثلاث'' تو اسے وہم ہو گیا نبی اکرم ﷺ نے تین کا لفظ ارشاد نہیں فرمایا اور نماز امور دنیا سے نہیں کہ اس کی نسبت دنیا کی طرف کی جائے۔

ہاں نماز کی دنیا کی طرف نسبت صرف اس وجہ سے ہو سکتی ہے کہ دنیا اس کے لئے ظرف ہے کیونکہ یہ اس میں واقع ہوتی ہے پس یہ محض عبادت ہے۔

شیخ الاسلام والحفاظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ''تاریخ الکشاف میں'' فرمایا: کہ لفظ ''ثلاث'' (تین) اس حدیث کی کسی روایت میں نہیں بلکہ یہ ایسا اضافہ ہے جو معنیٰ کو بگاڑ دیتا ہے۔

اسی طرح شیخ الاسلام الولی ابن العراقی نے اپنی امالی میں یوں کہا ہے یہ لفظ یعنی ''ثلاث'' کتب حدیث میں کہیں بھی نہیں اور یہ معنیٰ کو فاسد کرتا ہے کیونکہ نماز دنیوی امور سے نہیں ہے۔

زرکشی وغیرہ نے اس بات کو واضح طور پر بیان کیا جس طرح ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمہ اللہ) نے القاصد الحسنہ میں اسے بیان کر کے مؤکد کر دیا۔

لفظ ''حبب'' میں غور وفکر

ابن حاج مکی رحمہ اللہ نے ''المدخل میں'' فرمایا:

نبی اکرم ﷺ کے قول ''حبب'' میں اللہ تعالیٰ کی حکمت پر غور کرو آپ نے ''احببت'' (مجھے پسند ہیں) نہیں فرمایا نیز فرمایا ''من دنیا کم'' (تمہاری دنیا سے) پس دنیا کی اضافت لوگوں کی طرف کی اپنی طرف نہیں فرمائی۔

یہ اس بات پر دلالت ہے کہ آپ کی محبت اپنے آقا (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ خاص تھی اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی۔

پس نبی اکرم ﷺ ظاہر میں بشر اور باطن میں ملکوت سے تعلق رکھتے تھے (نوری تھے) اور آپ پر جس قدر بشری تقاضے آتے تھے وہ امت کو مانوس کرنے اور ان کے لئے شریعت کے اظہار کے طور پر تھے۔

آپ ان چیزوں میں سے کسی کے محتاج نہیں تھے۔

کیا تم اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی نہیں دیکھتے فرمایا:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ (الانعام:۵۰)

آپ فرما دیجئے میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ (کہتا ہوں کہ) میں غیب جانتا ہوں اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔

تو آپ نے ''لکم'' فرمایا یہ نہیں فرمایا: کہ میں فرشتہ ہوں تو آپ نے اپنے فرشتہ ہونے کی نفی نہیں فرمائی بلکہ صحابہ کرام کی طرف نسبت کرتے ہوئے فرمایا (کہ میں تم سے کہتا نہیں)۔

یعنی آپ ملکوتی صفات کے مالک تھے۔ ذاتی اعتبار سے فرشتہ نہ تھے کیونکہ آپ کی بشریت کے تقاضے وہی تھی جو کہ بشر کے لئے ہوتے ہیں۔

اسی لئے سید ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ نے آپ کی صفت میں فرمایا: کہ آپ بشر ہیں لیکن دوسرے لوگوں کی طرح نہیں

جس طرح یاقوت بھی پتھر ہے لیکن دوسرے پتھروں کی طرح نہیں۔ تو انہوں نے سمجھانے کے طور پر یہ بات فرمائی ہے۔
پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ آپ کا باطن عالم ملکوت سے تعلق رکھتا ہے اور جس کا باطن ایسا ہو وہ اپنے آپ پر کنٹرول رکھتا ہے۔

ایک اور حدیث

ایک روایت میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "تمہاری دنیا سے میرے دل میں عورتوں اور خوشبو کو پسندیدہ قرار دیا گیا اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے" تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے لئے دنیا سے تین چیزوں کو محبوب رکھا گیا:

النظر الی وجھک وجمع المال للانفاق علیک والتوسل بقرابتک الیک.
آپ کے چہرۂ انور کی زیارت، آپ پر خرچ کرنے کے لئے مال جمع کرنا اور آپ کی قرابت کے ذریعے آپ تک رسائی حاصل کرنا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ:

حبب الی من الدنیا الامر بالمعروف والنھی عن المنکر والقیام بامر اللہ
دنیا سے مجھے تین باتوں کی محبت دی گئی نیکی کا حکم دینا برائی سے روکنا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کرنا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے دنیا سے تین باتوں کی محبت دی گئی ہے:

اشباع الجائع وارواء الظمان و کسوۃ العاری.
بھوکے کو سیر کر کے کھلانا، پیاسے کو سیراب کرنا اور بے لباس کو لباس پہنانا۔

اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے دنیا سے تین باتوں کی محبت دی گئی ہے:

الصوم فی الصیف و اقراء الضیف والضرب بین یدیک بالسیف.
گرمیوں میں روزہ رکھنا، مہمان کی مہمان نوازی کرنا اور آپ کے سامنے (دشمنانِ اسلام کو) تلوار سے مارنا۔

طبری نے کہا اسے الجندی نے ذکر کیا اور وہی اس کے ذمہ دار ہیں۔

نکاح کے سلسلے میں آپ کی قوت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فضلت علی الناس باربع بالسماحۃ والشجاعۃ وکثرۃ الجماع و شدۃ البطش
مجھے چار باتوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے سخاوت، شجاعت، زیادہ جماع اور سخت پکڑنا۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶۹۔ ج ۹ ص ۱۳، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۹۷، الشفاء ج ۱ ص ۹۱، العلل المتناھیہ ج ۱ ص ۱۶۹، تاریخ بغداد ج ۸ ص ۷۰، تاریخ دمشق ج ۴ ص ۳۴۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۳۵۔ ۳۲۰۷۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ رات کی ایک ساعت میں اپنی ازواج مطہرات کے ہاں تشریف لے جاتے اور ان کی تعداد گیارہ تھی۔ راوی کہتے ہیں میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ کو اس

کی طاقت تھی؟ انہوں نے فرمایا: ہم آپس میں باتیں کرتے تھے کہ آپ کو تیس افراد کی قوت دی گئی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۸-۲۸۴-۵۰۶۸-۵۲۱۵، مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۱، شرح السنہ ج ۲ ص ۳۷، اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۲۳۱-۲۳۲، سنن نسائی ج ۱ ص ۱۴۳، الشفاء ج ۱ ص ۹۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۳۴۴)

یہ حدیث امام بخاری نے حضرت قتادہ کے طریق سے روایت کی ہے۔ حضرت ابن خزیمہ (محمد بن اسحاق بن خزیمہ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں حضرت معاذ بن ہشام متفرد ہیں اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

(الاعلام ج ۶ ص ۲۹، شذرات الذہب ج ۲ ص ۲۶۲، طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۱۳۰، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۰۷، الوافی بالوفیات ج ۲ ص ۱۹۶)

حضرت سعید بن ابی عروبہ وغیرہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے نو ازواج مطہرات کا ذکر کیا۔ (الاعلام ج ۳ ص ۹۸، شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۳۹، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۷، طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۰۲)

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی حضرت سعید بن ابی عروبہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا کہ ان دنوں آپ کی ازواج مطہرات نو تھیں۔

ابن حبان نے اپنی صحیح میں ان دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا ہے کہ اسے دو حالتوں پر محمول کیا جائے لیکن ان کے اس قول میں وہم ہے کہ پہلا واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ شروع شروع میں مدینہ طیبہ تشریف لائے اس وقت آپ کے حرم پاک میں نو امہات المؤمنین تھیں اور دوسرا واقعہ آخری عمر کا ہے جب گیارہ ازواج مطہرات آپ کے نکاح میں تھیں۔

یہاں وہم کا مقام یہ ہے کہ جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ کے نکاح میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے سوا کوئی خاتون نہ تھیں پھر مدینہ طیبہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں آئیں اس کے بعد حضرت ام سلمہ، حضرت حفصہ، حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہن سے چوتھے سال نکاح فرمایا۔

پھر پانچویں سال حضرت زینب بنت جحش سے چھٹے سال حضرت جویریہ سے پھر ساتویں سال حضرت صفیہ، حضرت ام حبیبہ اور حضرت میمونہ (رضی اللہ عنہن) سے نکاح فرمایا۔

مشہور قول کے مطابق یہ تمام ازواج مطہرات ہجرت کے بعد آپ کے نکاح میں آئیں لیکن حضرت ہشام کی روایت کو اس پر محمول کیا جائے کہ حضرت ماریہ اور حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہما کو بھی ان کے ساتھ ملا کر تغلیباً ان پر بیویوں کا لفظ بولا جائے۔

اگر کہا جائے کہ دوسری بیوی کی باری میں کسی بیوی سے وطی کرنا منع ہے اور باری مقرر کرنا اگرچہ آپ پر واجب نہ تھا لیکن آپ نے ان (ازواج مطہرات) کے دلوں کو خوش رکھنے کے لئے اس کو اپنے اوپر لازم کیا اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے آپ اس زوجہ مطہرہ سے اجازت لیتے ہوں جس کی باری ہوتی تھی یا یہ ان دنوں کی بات ہے جب آپ نے باری مقرر نہ کی تھی جیسے آپ کا سفر سے تشریف لانے کا دن یا وہ دن جب تمام باریاں پوری ہو جائیں۔ کیونکہ آپ اس کے بعد باری شروع فرماتے تھے یا یہ عمل آپ کی خصوصیات میں تھا اور عورتوں کے حوالے سے کئی باتیں آپ کے ساتھ خاص تھیں جیسا کہ آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت طاؤس اور حضرت مجاہد رحمہم اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کو جماع میں چالیس آدمیوں کی طاقت دی گئی تھی۔ (الشفاء ج ۱ ص ۹۰ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۸۲)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ آپ کو چالیس سے زائد افراد کی قوت دی گئی اور ان میں سے ہر ایک جنتی مرد ہے یہ روایت حارث بن ابی اسامہ سے مروی ہے۔

حضرت امام احمد اور امام نسائی نے نقل کیا اور حضرت امام حاکم نے حضرت زید بن ارقم کی اس حدیث کو صحیح قرار دیا انہوں نے مرفوعاً بیان کیا کہ جنت میں ہر شخص کو کھانے پینے، جماع اور شہوت کی قوت سو آدمیوں کی طاقت کے برابر دی جائے گی۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۷۱، سنن دارمی ج ۲ ص ۳۳۴، المعجم الکبیر ج ۵ ص ۱۹۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۱۰۸، المغنی ج ۴ ص ۵۲۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۹۲۹۰)

حضرت صفوان بن سلیم مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس ایک ہنڈیا لائے تو مجھے جماع کے سلسلے میں چالیس آدمیوں کی قوت دی گئی۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۷۶، کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۰۰، طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۸۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۹۶۔ ۳۱۸۹۷۔ ۴۴۸۵۱)

زیادہ شادیوں کی حکمتیں

جب رسول اکرم ﷺ جماع پر زیادہ قوت رکھنے والوں میں سے تھے اور آپ کو زیادہ طاقت دی گئی تو آپ کے لئے آزاد عورتوں سے اس قدر تعداد حلال کی گئی جو دوسروں کیلئے حلال نہ تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

تزوجوا فان افضل هذه الامة اکثرها نساء. نکاح کرو اس امت کی سب سے افضل شخصیت (حضور علیہ السلام) کی ازواج مطہرات سب سے زیادہ تھیں۔

نبی اکرم ﷺ مراد ہیں اور اس امت کی قید اس لئے لگائی گئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو خارج کیا جائے کیونکہ آپ کی عورتیں سب سے زیادہ تھیں۔

طبرانی نے حضرت سعید بن جبیر اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا آپ نے فرمایا:

نکاح کرو کیونکہ ہم میں سے سب سے بہتر شخص سب سے زیادہ بیویوں والے تھے۔

کہا گیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی امت میں سے سب سے بہتر آدمی وہ ہے جس کی بیویاں دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہوں جب کہ دیگر فضائل میں وہ برابر ہوں۔

حافظ ابوالفضل عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ظاہر بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ''بہترین'' سے نبی اکرم ﷺ مراد لئے ہیں اور امت سے خاص خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ اور گویا انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نکاح نہ کرنے کو ترجیح نہیں ہے کیونکہ یہ بات ترجیح رکھتی تو اس بات میں کوئی دوسرا نبی اکرم ﷺ پر ترجیح نہ رکھتا اور اس کے باوجود کہ آپ اللہ تعالیٰ سے باقی تمام لوگوں کے مقابلے میں زیادہ ڈرنے والے اور زیادہ علم

رکھنے والے تھے' آپ نے زیادہ شادیاں کیں جس کی مصلحت یہ تھی کہ ایسے احکام کی تبلیغ ہو جن پر مرد مطلع نہیں ہو سکتے اور آپ کا معجزہ ظاہر ہو کیونکہ آپ کے پاس عام طور پر وہ چیز نہیں ہوتی تھی جس کے ذریعے قوت حاصل کی جاتی ہے اور اگر کوئی چیز پاتے تو عام طور پر دوسروں کو ترجیح دیتے اور اکثر مسلسل روزے رکھتے اس کے باوجود ایک ایک رات میں تمام ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے اور قوتِ بدن کے بغیر اس بات کی طاقت نہیں ہوتی اور بدنی قوت کھانے پینے کی ان چیزوں کو استعمال کرنے سے حاصل ہوتی ہے جو طاقت دینے والی ہوں اور یہ چیزیں آپ کے پاس یا تو نادر ہوتی تھیں یا بالکل نہیں ہوتی تھیں۔

بعض علماء کرام نے فرمایا: جب آزاد آدمی کو اس کی فضیلت کی وجہ سے غلام کے مقابلے میں زیادہ شادیوں کی اجازت ہے تو واجب ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کو امت پر فضیلت کے باعث امت کے لئے جائز تعداد سے بڑھ کر عورتوں سے نکاح کی اجازت ہو۔

اور وہ فرماتے ہیں: اس کے فوائد میں سے یہ بات بھی ہے کہ رسالت کے بوجھ کے ساتھ ساتھ ازواج مطہرات کے ساتھ زیادہ تکلیف برداشت کی جائے تاکہ آپ کی مشقت زیادہ ہو اور اجر بھی بہت زیادہ ملے۔

ایک فائدہ یہ ہے کہ نکاح کرنا آپ کے لئے عبادت کی طرح تھا۔ نیز آپ کے باطنی محاسن لوگوں تک پہنچیں۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور اس وقت ان کے والد حضرت ابوسفیان' آپ کے دشمن تھے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے باپ' چچا اور خاوند کو قتل کیا گیا اگر وہ آپ کے باطنی احوال پر مطلع نہ ہوتیں کہ آپ تمام مخلوق میں سے زیادہ کامل ہیں تو بشری فطرت کے مطابق وہ آباؤ اجداد اور قریبی رشتہ داروں کی طرف مائل ہوتیں۔

پس زیادہ عورتوں کے حوالے سے آپ کے معجزات اور باطنی کمالات کا بیان ہے جس جس انداز میں لوگوں پر آپ کا کمال منکشف ہوا۔

نکاح کی ترغیب

نبی اکرم ﷺ نے نکاح کی ترغیب دی ہے' امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہما اللہ نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تزوجوا الولود الودود فانی مکاثر بکم الامم. — زیادہ بچے جننے والی اور زیادہ محبت کرنے والی عورت سے نکاح کرو میں تمہارے ذریعے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انکحوا فانی مکاثر بکم الامم. — نکاح کرو بے شک میں تمہارے ذریعے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

اور یہ جو عام لوگوں کی زبان پر ہے کہ ''نکاح کرو نسل بڑھاؤ بے شک میں تمہارے ذریعے دوسری امتوں پر فخر کروں

گا'' اس کا بھی یہی معنیٰ ہے لیکن مجھے ان الفاظ پر اطلاع نہیں ۔ ۱؎
(کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۸۰ ' الشفاء ج ۱ ص ۸۷ ' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۵۳ ' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث : ۱۳ ' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۸۶ ' المغنی ج ۲ ص ۲۲ ' تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۳۹۱ ' کنز العمال رقم الحدیث : ۴۴۴۴۲)

اور جو شخص نکاح کی طاقت نہ رکھتا ہو نبی اکرم ﷺ نے اسے روزہ رکھنے کی راہ دکھائی ہے کیونکہ روزے کی کثرت مادۂ نکاح کو کم کر دیتا ہے اور قوی حرارت جو نکاح کا باعث ہے اسے کمزور کر دیتا ہے اور اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ نے نوجوانوں کو خاص کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''یامعشر الشباب'' (اے نوجوانوں کے گروہ) کیونکہ نکاح کی خواہش جس قدر نوجوانوں میں ہوتی ہے دوسروں میں نہیں ہوتی اور تمہارے لئے ظاہر ہو چکا ہے کہ روزے کے مقابلے میں نکاح کا اجر وثواب زیادہ ہے کیونکہ پہلے روزے کا حکم نہیں بلکہ جب نکاح کی طاقت نہ ہو تو روزہ رکھنے کا حکم ہے اور اگر نکاح سے مقصود نسل بڑھا کر امت محمدیہ میں اضافہ کرنا ہو تو بلاشبہ نکاح افضل ہے ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث : ۵۰۶۵ ـ ۵۰۶۶ ' صحیح مسلم رقم الحدیث : ۱ ـ ۲ ' سنن نسائی ج ۴ ص ۱۶۹ ـ ص ۱۷۱ ـ ج ۶ ص ۵۸ ' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث : ۱۸۴۵ ' جامع ترمذی رقم الحدیث : ۱۰۸۱ ' مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۷ ـ ۴۳۲ ' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۲۹۶ ' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۳۲ ' مسند الحمیدی رقم الحدیث : ۱۱۵ ' المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۱۴۹ ' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۵۲ ' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۸۶ ' کنز العمال رقم الحدیث : ۴۴۴۰۸ ـ ۴۵۵۹۲)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : میں بیویوں سے جماع کرتا ہوں حالانکہ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن یہ امید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ میری پیٹھ سے ان لوگوں کو نکالے جن کے ذریعے قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ دوسری امتوں پر فخر کریں ۔ یہ قول ابن ابی جمرہ نے نقل کیا ہے ۔

اور دیکھو ہمارے نبی ﷺ بالاتفاق سب سے زیادہ عبادت گزار تھے حالانکہ آپ کی جبلت وفطرت میں جماع کی چاہت رکھی گئی تھی اور کسی طرح کوئی کام بھی آپ کی عبادت میں خلل انداز نہ ہوا کیونکہ نبی اکرم ﷺ یہ عمل جواز کے طریقے پر کرتے تھے اور یہ بشریت کا انتہائی کمال ہے اس لئے کہ آپ فطری عمل کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع رکھتے تھے ۔

ایک روایت میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا رھبانیۃ فی الاسلام. اسلام میں رھبانیت نہیں ۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۶ ' کشف الخفاء ج ۲ ص ۵۲۸)

یعنی عورتوں کو چھوڑنے (نکاح نہ کرنے) کا حکم نہیں اگر اس عمل کو چھوڑنا افضل ہوتا تو ہمارے دین میں اس کی اجازت ہوتی کیونکہ یہ تمام ادیان سے بہتر ہے ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیت

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا : میں ایک رات میں ایک سو عورتوں کے پاس جاتا ہوں ۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث : ۲۸۱۹ ـ ۳۴۲۴ ـ ۵۲۴۲ ـ ۶۶۳۹ ـ ۶۷۲۰ ـ ۷۴۶۹ ' مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۲۹ ـ ۲۷۵ ـ ۵۰۶)

یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ہے کیونکہ آدمی ایک رات میں ایک سو عورتوں کے پاس جانے سے عاجز ہوتا ہے

۱؎ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''تناکحوا تناسلوا اباھی بکم الامم یوم القیامۃ'' کے الفاظ نقل کئے ہیں اور فرمایا کہ یہ حدیث ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً ضعیف سند کے ساتھ نقل کی ہے ۔ (زرقانی ج ۵ ص ۶۴)

تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کو اس طرح ظاہر کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی اجازت دی پس یہ آپ کا معجزہ، طاقت کا اظہار اور حکمت کا ظہور تھا تاکہ ان لوگوں کا رد ہو جائے جو ہر کام کو عادت سے مربوط کرتے ہیں (یعنی معجزات کے منکر ہیں) اور کہتے ہیں کہ فلاں کام ہو تو اس طرح ہوگا اور اس طرح کا بچہ اس طرح کے آدمی سے پیدا ہوگا۔

تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی پیٹھ میں ایک سو آدمیوں کا پانی (مادۂ منویہ) رکھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین سو بیویاں اور ایک ہزار لونڈیاں تھیں لیکن اس سے سلیمان علیہ السلام کا ہمارے نبی کریم ﷺ پر افضل ہونا لازم نہیں آتا کہ آپ کو چالیس آدمیوں کی قوت دی گئی اور آپ کی ازواج مطہرات صرف دس تھیں۔

کیونکہ ہمارے نبی ﷺ کو جو مرتبۂ افضیلت ملا ہے اس میں کوئی دوسرا آپ کا مساوی نہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بادشاہی کی تمنا کی تو آپ کو بادشاہی دی گئی اور جماع میں یہ قوت عطا کی گئی تاکہ آپ کی بادشاہی بطور معجزہ ہر اعتبار سے مکمل ہو اور اس وجہ سے آپ ممتاز ہوں تو آپ کی بیویاں آپ کی بادشاہی کی جنس سے تھیں جو آپ کے بعد کسی کے لئے مناسب نہیں جس طرح کا آپ نے مطالبہ کیا۔

ہمارے آقا ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ نبوت کے ساتھ بادشاہت سے بھی موصوف ہوں لیکن آپ نے اس سے انکار کر دیا اور نبوت کے ساتھ بندگی کو اختیار کیا پس آپ کو اس انداز میں خصوصیت عطا کی گئی کیونکہ آپ نے فقر اور بندگی کو اختیار کیا اور جس بات کو آپ نے اختیار کیا یعنی فقر اور بندگی اس میں زائد وصف بطور معجزہ ملا چنانچہ آپ بھوک کی شدت اور مجاہدہ کی وجہ سے بطن اقدس پر پتھر باندھتے تھے لیکن جماع کے سلسلے میں اپنی حالت پر ہوتے اس میں کوئی کمی نہ آتی۔

حالانکہ دوسرے لوگ بھوک اور مشقت کی صورت میں کبھی بھی جماع پر قادر نہیں ہوتے تو یہ انتہا کو پہنچنے والا معجزہ ہے۔

یہ بات ''بہجۃ النفوس میں'' ذکر کی گئی ہے۔

چوتھی نوع

آپ ﷺ کی نیند مبارک [1]

آرام کرنے کا انداز

نبی اکرم ﷺ رات کے پہلے حصے میں آرام فرماتے اور دوسرے نصف کے شروع میں بیدار ہو جاتے اور اٹھ کر مسواک کرتے اور وضو فرماتے آپ کی نیند حسب ضرورت ہوتی تھی اور آپ ضرورت کے مطابق نیند سے اپنے آپ کو روکتے نہیں تھے۔

سرکار دو عالم ﷺ دائیں پہلو پر آرام فرماتے اور جب تک آنکھوں پر نیند غالب نہ ہوتی' اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے آپ اپنا بطن مبارک کھانے اور پانی سے بھرتے نہیں تھے۔

---

[1] (الشفاء ج ا ص ۸۶)

آپ دائیں پہلو پر اس لئے آرام فرماتے کہ آپ کو ہر کام میں دائیں طرف سے آغاز پسند تھا اور امت کی رہنمائی بھی مقصود تھی کیونکہ دائیں طرف سونا آسان ہے اس لئے کہ دل بائیں جانب لٹکا ہوا ہے پس جب آدمی بائیں پہلو پر سوتا ہے تو نیند سے بوجھل ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے آرام حاصل ہوتا ہے تو نیند کا بوجھ پڑتا ہے لیکن جب دائیں پہلو پر سوئے تو اضطراب رہتا ہے اور اس قلبی اضطراب کی وجہ سے نیند میں گم نہیں ہو جاتا دل اپنا ٹھکانہ تلاش کرتا ہے۔

حکماء کہتے ہیں بائیں پہلو پر زیادہ سونا اگرچہ (بظاہر) آسان ہے لیکن دل کو نقصان پہنچتا ہے کیونکہ اعضا کا میلان دل کی طرف ہوتا ہے اور اس میں مواد جمع ہوتا ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفاء میں'' فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ دائیں پہلو پر اس لئے آرام کرتے تھے کہ اس سے نیند کم آتی ہے تو یہ بات محل نظر ہے کیونکہ آپ کا دل سوتا نہیں تھا اس لئے آپ کا دائیں پہلو پر اور بائیں پہلو پر سونا برابر تھا۔ پس یہ حکم آپ کے لئے ثابت ہے اور انہوں نے جو وجہ بیان کی ہے یہ اس شخص کے حق میں درست قرار پاتی ہے جس کا دل سوتا ہو اس وقت دائیں پہلو پر سونا اس بنیاد پر تھا کہ آپ کو دائیں طرف پسند تھی یا تعلیم دینا مقصود تھا۔

سب سے بری نیند پیٹھ کے بل سونا ہے البتہ سونے کے بغیر محض آرام حاصل کرنے کے لئے یوں لیٹنے میں کوئی نقصان نہیں۔

''سنن ابن ماجہ میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ مسجد میں ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو چہرے کے بل لیٹا ہوا تھا تو آپ نے اسے پاؤں کے ساتھ ٹھوکر مار کر فرمایا کھڑے ہو جاؤ یا (فرمایا) بیٹھ جاؤ یہ جہنمی انداز کا سونا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۲۵، المعجم الکبیر ج۸ ص۲۷۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۳۷۹)

نبی اکرم ﷺ کا بچھونا

رسول اکرم ﷺ بعض اوقات چمڑے کے بچھونے پر آرام فرما ہوتے اور بعض اوقات فرش پر آرام کرتے کبھی چٹائی پر اور کبھی زمین پر آرام فرما ہوتے تھے اور آپ کا بچھونا چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

آپ کے ہاں ایک موٹا کھردرا سخت بچھونا بھی تھا جس پر آرام فرماتے تھے۔

سونے سے پہلے دعا

نبی اکرم ﷺ بستر پر تشریف لے جاتے تو اپنی ہتھیلی دائیں رخسار کے نیچے رکھتے اور یہ الفاظ پڑھتے:

رَبِّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ. یا اللہ! جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا اس دن مجھے عذاب سے محفوظ رکھنا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۴۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۲، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۹۸۔۳۳۹۹، مسند احمد ج۴ ص۲۹۰۔۲۹۸، السنن الکبریٰ ج۲ ص۱۸۲، المعجم الکبیر ج۱۰ ص۱۲۳، حلیۃ الاولیاء ج۲ ص۳۴۴، الترغیب والترہیب ج۱ ص۳۲۱، تاریخ دمشق ج۷ ص۲۸۸)

ایک روایت میں ہے ''یوم تجمع عبادک'' جس دن تو اپنے بندوں کو جمع کرے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

رسول اکرم ﷺ جب رات کے وقت کسی مقام پر اترتے تو دائیں پہلو پر آرام فرما ہو جاتے اور جب صبح سے کچھ

دیر پہلے اترتے تو اپنا بازو کھڑا کر کے سرانور کو ہتھیلی پر رکھتے۔[1]

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۹۸_۳۰۹، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۲۵۶، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۹، اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۳۳۱، البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۱۰۲، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۵۵۸، کنزالعمال رقم الحدیث: ۱۸۱۵۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ جب آرام فرما ہوتے تو سانس لیتے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بستر پر تشریف لاتے تو یہ الفاظ پڑھتے:

بِاسْمِکَ اَللّٰھُمَّ اَمُوْتُ وَاَحْیَا۔ یااللہ! تیرے نام پر میری موت اور زندگی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۱۴_۶۳۲۴_۶۳۲۵_۷۳۹۵، مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۵، الادب المفرد البخاری رقم الحدیث: ۱۲۱۰، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۳۸۳، تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۲۵۴_۴۴۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر ان میں سورۂ اخلاص، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کے پھونک مارتے پھر ان دونوں ہاتھوں کو اپنے جسم اقدس پر پھیرتے سرانور سے اور چہرے سے آغاز کرتے اور جسم کے اگلے حصے پر پھیرتے آپ تین مرتبہ اس طرح کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ جب بستر پر تشریف لاتے تو یوں کہتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ کَفَانَا وَاٰوَانَا وَ کَمْ مِمَّنْ لَّا کَافِیَ لَہٗ وَلَا مُؤْوِیَ۔ اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور کفایت کی اور ٹھکانہ دیا اور کتنے ہی لوگ ہیں جن کے لئے سامان کفایت اور ٹھکانہ نہیں۔

آپ کا دل نہیں سوتا تھا

نبی اکرم ﷺ کی آنکھیں سوتی تھیں لیکن دل نہیں سوتا تھا یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے جب انہوں نے عرض کی آپ وتر پڑھنے سے پہلے آرام فرما ہو رہے ہیں؟

رسول اکرم ﷺ کا قلب اقدس اس لئے سوتا نہیں تھا کہ جب دل میں حیات مضبوط ہو تو بدن کے سونے سے دل نہیں سوتا۔

اور اس حالت کا کمال ہمارے نبی ﷺ اور ان لوگوں کو حاصل ہے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت اور اپنے رسول ﷺ کی اتباع کے ذریعے زندہ رکھا ہوا ہے حضور علیہ السلام کو حاصل اس کمال سے اپنے نصیب کے مطابق ایک جزء حاصل ہوتی ہے۔

پس جس کا دل بیدار ہو وہ بیدار بدن کی طرح ہے اور جس کا دل غافل ہو وہ سونے والے کی طرح ہے۔

بلند معارف اور حقائق والے ہمارے سردار علی ابن سیدی محمد وفا رحمہما اللہ نے اسی مذکورہ بالا بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

---

[1] اس طرح جاگنے میں مدد ملتی ہے اور مقصود یہ ہوتا تھا کہ نیند لمبی نہ ہو جائے اور اس طرح فجر کی نماز رہ جائے گی اور یہ امت کی تعلیم کے لئے تھا ورنہ آپ کا معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ آپ غفلت سے محفوظ تھے۔ ۱۲ ہزاروی

عینی تنام لکن قلبی واللہ ما ینام — وکیف ینام عاشق مسبی فی الحب مستھام
ناظر الی وجہ الحبیب شاخص علی الدوام — اتاہ فی المعنی مرسوم ان یمحی الرسوم
فقال بالحی القیوم یا سعد من یقوم

''میری آنکھ سوتی ہے لیکن قسم بخدا میرا دل نہیں سوتا اور وہ عاشق کیسے سوئے جو محبت میں گرفتار اور حیران ہے؟ وہ محبوب کے چہرے کی طرف دیکھتا ہے اور اس کی آنکھیں ہمیشہ کھلی رہتی ہیں اس کے پاس محبوب کی طرف سے لکھا ہوا آتا ہے کہ رسموں کو مٹا دیا جائے پس وہ زندہ اور قائم رکھنے والے کے لئے کھڑا ہوتا ہے اے خوش بخت! جو اس کے احکام بجالاتا ہے''۔

اس حدیث اور اس حدیث کو جس میں آیا کہ نبی اکرم ﷺ وادی میں صبح کی نماز کے بعد آرام فرما ہوئے حتی کہ سورج طلوع ہو گیا اور گرمی ہو گئی۔

اور یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کہتے ہوئے آپ کو بیدار کیا (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۴_۳۴۸_۳۵۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۱۲' مسند احمد ج ۴ ص ۴۳۴' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۱۸_۴۰۴' المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۱۳۲' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۹۸۷' دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۱۴۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۷۱۵) (ان دو حدیثوں کو) جمع کرنے کے سلسلے میں حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے دو جواب دیئے ہیں۔

ان میں سے ایک جواب یہ ہے کہ دل کو ان محسوسات کا ادراک ہوتا ہے جو اس سے متعلق ہوتے ہیں جس طرح بے وضو ہونا اور تکلیف کا پہنچنا وغیرہ لیکن جن باتوں کا تعلق آنکھ سے ہوتا ہے ان کا ادراک نہیں ہوتا کیونکہ آنکھ سو رہی ہے اور دل جاگتا ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے دو حالتیں تھیں ایک حالت یہ کہ آپ کا دل سوتا نہیں تھا عام طور پر یہی حالت ہوتی تھی اور دوسری حالت میں قلبِ اقدس سو جاتا تھا اور یہ حالت نادر تھی پس اس وقت یہ حالت پیش آئی یعنی جب آپ نماز سے سو گئے[1] تو یہی صورت تھی۔ پہلا قول صحیح قابلِ اعتماد ہے اور دوسرا ضعیف ہے۔

''فتح الباری میں'' فرمایا: بات اسی طرح ہے لیکن یہ نہ کہا جائے کہ دل اگرچہ ان چیزوں کا ادراک نہیں کرتا جن کا ادراک دل سے ہوتا ہے جس طرح فجر کو دیکھنا لیکن جب بیداری کی حالت ہو اور طویل وقت گزر جائے تو اس کو ادراک ہوتا ہے کیونکہ طلوع فجر سے سورج کے گرم ہونے تک طویل وقت ہوتا ہے اور یہ اس پر پوشیدہ نہیں ہوتا جو کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو۔

کیونکہ ہم کہتے ہیں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت آپ کا قلبِ اقدس وحی میں مستغرق تھا اور اس سے لازم نہیں آتا کہ آپ کو سویا ہوا قرار دیا جائے جس طرح آپ بیداری کے عالم میں نزول وحی کے وقت مکمل طور پر ادھر متوجہ ہوتے تھے

[1] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے ہم چلتے رہے حتی کہ جب رات کا آخری حصہ ہوا تو ہمیں خوب نیند آ گئی اور سورج کی دھوپ سے ہم بیدار ہوئے سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے پھر فلاں پھر فلاں اور چوتھے نمبر پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے (تفصیلی واقعہ صحیح بخاری میں علامات النبوۃ کے باب میں ملاحظہ کیجئے)۔
(زرقانی ج ۵ ص ۷۲)

اوراس کی حکمت یہ تھی کہ عملاً شرعی حکم بیان کیا جائے کیونکہ اس طریقے سے حکم دل میں زیادہ جاگزیں ہوتا ہے جس طرح نماز سے آپ کے بھول جانے کا واقعہ ہے۔(آپ نے دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا تھا)

ابن المنیر کا جواب بھی اس کے قریب قریب ہے وہ یہ کہ دل کو بیداری کی حالت میں سھو حاصل ہوتا ہے اوراس میں مصلحت یہ ہے کہ شرعی حکم بیان ہو پس نیند کی حالت میں اس سے زیادہ یا کم از کم برابر ہوگا۔

ابن عربی نے ''القبس میں'' فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ کسی بھی حالت میں ہوں نیند کی حالت ہو یا بیداری کی' حق اور تحقیق کے ساتھ رابطہ ہوتا ہے اور ہر راستے میں فرشتوں کے ساتھ ہوتے ہیں اگر بھول جائیں تو بھلانے کے ساتھ مضبوط مشغولیت ہوتی ہے اور اگر سو جائیں تو دل اور نفس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ جب آرام فرماہوتے تو ہم آپ کو بیدار نہ کرتے حتیٰ کہ آپ خود بیدار ہوتے کیونکہ معلوم نہ ہوتا کہ آپ کس حالت میں ہیں؟ پس نیند سے آپ کا سو جانا یا بھول جانا آپ کے کسی دوسرے شغل کی وجہ سے ہوتا کسی آفت کا نتیجہ نہ ہوتا اور آپ کا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف جانا جو اسی کی مثال ہے اس لئے تھا کہ سنت قرار پائے۔

اس اعتراض کے کچھ دوسرے جوابات بھی ہیں لیکن وہ ضعیف ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کے ارشاد گرامی ''میرا دل نہیں سوتا'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا وضو ٹوٹنے کی حالت پوشیدہ نہیں ہوتی تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نیند میں اس قدر مستغرق نہ ہوتے کہ وضو ٹوٹ جائے یہ جواب پہلے جواب کے قریب ہے۔

ابن دقیق العید نے کہا گویا اس جواب کے قائل نے دل کی بیداری کو وضو ٹوٹنے کی حالت کے ادراک کے ساتھ خاص کیا اور یہ بات (عقل سے) بعید ہے اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی:

ان عینی تنامان ولا ینام قلبی . بے شک میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۱۴۷_۲۰۱۳_۳۵۶۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۲۵' سنن نسائی ج ۳ ص ۲۳۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۳۹' مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۴' الشفاء ج ۱ ص ۸۶' التمہید ج ۵ ص ۲۰۸۔ج ۶ ص ۳۹۲' شمائل ترمذی رقم الحدیث:۱۴۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۴۹' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۱۷۱' ۳' طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۳۶)

یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس بات کا جواب تھا کہ کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جائیں گے اوراس کلام کا تعلق اس طہارت کے ٹوٹنے سے نہیں جس میں ان حضرات نے گفتگو کی ہے بلکہ یہ جواب وتر نماز کے معاملے سے متعلق ہے پس آپ کی بیداری کو دل کے وتر نماز کے لئے بیدار ہونے کے تعلق پر محمول کیا جائے گا۔اوران دونوں میں فرق ہے یعنی جس نے اطمینان قلبی کی حالت میں نیند کا آغاز کیا اور جس نے اس حالت میں نیند شروع کی کہ دل جاگتا ہے وہ فرماتے ہیں اس بنیاد پر کوئی تعارض اور اشکال نہیں ہوگا کیونکہ جب آپ سورج کے طلوع ہونے تک آرام فرما ہوتے کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ آپ اس سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے مطمئن ہو کر سو گئے اور آپ کو اس شخص (حضرت بلال

رضی اللہ عنہ) پراعتماد تھا جنہیں فجر کی نگرانی پر مامور فرمایا تھا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ''ولا ینام قلبی'' سے جو بیداری سمجھی جاتی ہے اس کی تخصیص وتر نماز کا وقت معنوی طور پر پانے سے متعلق ہے کیونکہ اس بیداری کا اس سے تعلق تھا اور اس دوسرے واقع میں آپ گہری نیند سو گئے اس کی تائید حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے عرض کیا:

اخذ بنفسی الذی اخذ بنفسک مجھے اسی چیز نے آلیا جو آپ پر طاری ہوئی۔

اس حدیث کو امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس پر اعتراض نہیں فرمایا اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ گہری نیند سو گئے تھے۔

اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ فرمایا وہ خصوصی سبب کا متقاضی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا اعتبار اس وقت ہوتا ہے جب اس پر کوئی قرینہ ہو اور سیاق وسباق اس کی طرف رہنمائی کرے اور یہاں یہی بات ہے۔

ایک ضعیف جواب یہ بھی دیا گیا کہ آپ کا دل جاگتا تھا اور آپ کو وقت کے نکلنے کا علم ہو چکا تھا لیکن آپ نے شرعی مسئلہ بتانے کی خاطر صحابہ کرام کو آگاہ نہ فرمایا۔ واللہ اعلم

چوتھا مقصد

نبی اکرم ﷺ کے معجزات جو آپ کی نبوت کے ثبوت اور رسالت کی صداقت پر دلیل ہیں نیز آپ کے ساتھ مخصوص علامات اور عجیب وغریب کرامات وغیرہ کا بیان۔

اس مقصد میں دو فصلیں ہیں۔

فصل نمبر ۱

معجزات کا بیان [۱]

معجزہ کی تعریف اور شرائط

اے محبِ نبی کریم ورسول عظیم ﷺ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور تجھے بھی رسول اکرم ﷺ کی سنت کے راستوں پر چلائے اور اپنی رحمت اور احسان کے ساتھ ہمیں رسول اکرم ﷺ کی محبت پر دنیا سے لے جائے۔

معجزہ ایک ایسا خلاف عادت کام ہوتا ہے جس کے ساتھ چیلنج متصل ہوتا ہے اور یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت پر دلالت کرتا ہے۔

اسے معجزہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان اس کی مثل لانے سے عاجز ہوتا ہے پس اس کے لئے چند شرائط ہیں۔

(۱) یہ کام عام عادت کے خلاف ہو جس طرح چاند کا پھٹ جانا' انگلیوں کے درمیان سے پانی کا جاری ہو جانا' عصا کا سانپ بن جانا' چٹان سے اونٹنی کا نکلنا اور پہاڑ کا گر جانا۔

پس یہ کام عام عرف وعادت کے خلاف ظاہر ہو جس طرح ہر دن سورج نکلتا ہے۔

(۲) معجزہ کے ساتھ تحدی (چیلنج) ملا ہوا ہو یعنی منکرین کو مقابلے کا چیلنج کیا جائے۔

جوہری نے کہا جب تم کسی کو کسی فعل کا چیلنج کرو اور غلبہ کے لئے اس سے جھگڑا کرو تو تم کہو گے 'تحدیت فلانا'' میں نے فلاں کو تحدی کی یعنی چیلنج کیا۔ قاموس میں بھی اسی طرح ہے۔

الاساس میں ہے حدا یحدو وھو حادی الابل اور احتدی بھا حدا جب اونٹ کے ساتھ گاتا ہے تو اس وقت یہ الفاظ کہے جاتے ہیں۔

[۱] (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۱۰' البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۶۷)

اور جب اپنے ہمعصر لوگوں سے جھگڑا کر کے غلبہ پانے کی کوشش کرے تو کہا جاتا ہے "تحدی" (چیلنج کیا)

اس کی اصل "الحداء" ہے جس میں دو حدی خوان (اونٹوں کے ساتھ گانے والے) ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہر ایک دوسرے کو چیلنج کرتا ہے یعنی اس کو حدی خوانی کی دعوت دیتا ہے (تو بابِ تفعل' باب استفعال کی جگہ استعمال ہوا) جس طرح "استوفاہ" کی جگہ توفاہ استعمال ہوتا ہے یعنی طلب وفا کرنا۔

بعض قابلِ اعتماد حواشی میں ہے کہ ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے وقت ایک حدی خوان اونٹوں کی قطار کی دائیں جانب کھڑا ہوتا اور دوسرا بائیں جانب اور وہ "یستحدیہ" اس سے حدی خوانی کا مطالبہ کرتا۔ پھر اس کے معنی میں وسعت آئی حتیٰ کہ ہر مقابلہ بازی میں استعمال ہونے لگا۔

محققین کہتے ہیں تحدی' رسالت کے دعویٰ کو کہا جاتا ہے۔

(۳) معجزہ کی تیسری شرط یہ ہے کہ چیلنج کرنے والا جو کچھ لایا ہے کوئی دوسرا اس کے مقابلے میں اس معجزے کی مثل نہ لا سکے اس بات کو بعض نے یوں تعبیر کیا ہے کہ رسالت کے دعویٰ میں معارضہ کا خوف نہیں ہوتا۔

اور مقابلہ نہ کرنے کے سلسلے میں یہ بہترین تعبیر ہے کیونکہ عدم معارضہ سے اس کا رک جانا لازم نہیں آتا لہٰذا شرط یہ ہے کہ وہ ممکن ہی نہ ہو۔

اور تحدی (چیلنج) کی قید سے جو چیز نکل گئی جو نبی کے چیلنج کے بغیر ہو اور وہ ولی کی کرامت ہے۔

اسی طرح دعویٰ نبوت کے ساتھ ملے ہونے کی قید سے وہ امور جو چیلنج سے پہلے خلافِ عادت ظاہر ہوئے وہ بھی نکل گئے جیسے نبی اکرم ﷺ پر بادلوں کا سایہ کرنا اور سینۂ مبارکہ کا چاک ہونا اعلانِ رسالت سے پہلے ظاہر ہوئے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پنگھوڑے میں گفتگو کرنا اور اس طرح کی دوسری باتیں جو عادت کے خلاف ہیں لیکن اعلانِ رسالت سے پہلے ظاہر ہوئیں یہ معجزات نہیں بلکہ کرامات ہیں ان کا اولیاء کرام سے ظہور جائز ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام اعلانِ نبوت سے پہلے اولیاء کرام سے کم درجہ میں نہیں ہوتے لہٰذا ان سے ان باتوں کا ظہور بھی جائز ہے اس وقت ان امور کو "ارہاص" یعنی نبوت کی بنیاد کہتے ہیں جس طرح علامہ سید جرجانی نے شرح مواقف میں اور دوسرے حضرات نے بھی ذکر کیا۔ جمہور ائمہ اصول کا یہی مذہب ہے۔

اعلانِ نبوت سے معجزے کے اتصال کی قید سے وہ خلافِ عادت کام بھی نکل گیا جو چیلنج کے بعد ہو اور وہ اسے عرفی اتصال سے نکال دے۔

جس طرح مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بعض فوت شدہ لوگوں نے کلمۂ شہادت پڑھا اور اس طرح کے دوسرے واقعات جو متواتر روایات سے ثابت ہیں۔

معارضہ سے امن کی قید سے وہ جادو خارج ہو گیا جو چیلنج سے ملا ہوا ہو کیونکہ اس کا مقابلہ اس کی مثل کے ساتھ ممکن ہے یعنی جس کی طرف ان کو بھیجا گیا۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا جادو کسی چیز کو اور طبیعتوں کو بدل دیتا ہے؟ تو بعض لوگ اس کے قائل ہیں حتیٰ کہ انہوں نے اس بات کو جائز قرار دیا کہ جادوگر انسان کو گدھے میں بدل دے۔

لیکن دوسرے حضرات فرماتے ہیں: کہ کوئی شخص کسی عین چیز کو یا طبیعت کو بدلنے پر قادر نہیں البتہ اللہ تعالیٰ اپنے

نبیوں کے لئے ایسا کرتا ہے کوئی جادوگر یا نیک آدمی کسی چیز کو بدل نہیں سکتا وہ کہتے ہیں اگر ہم جادوگر کے لئے وہ عمل جائز قرار دیں جو نبی کے لئے جائز ہے تو تمہارے نزدیک ان دونوں میں کیا فرق ہوگا؟

اگر تم قاضی ابوبکر باقلانی کے قول کی طرف مجبور ہو جاؤ جو انہوں نے نبی اور جادوگر کے درمیان فرق کے ضمن میں کہا کہ ''صرف تحدی'' یعنی چیلنج کے ذریعے فرق ہوگا تو یہ کئی وجہ سے باطل ہے پہلی بات یہ کہ تحدی (چیلنج) کی شرط ایسا قول ہے جس پر قرآن وسنت سے بھی قول دلیل نہیں خود قائل کی طرف سے بھی دلیل نہیں دی گئی اور اجماع بھی نہیں اور جو قول دلیل سے خالی ہو وہ باطل ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے اکثر معجزات بلکہ اعم اور ابلغ معجزات چیلنج کے بغیر ہوئے تھے جس طرح کنکریوں کا بولنا' پانی کا (انگلیوں سے) نکلنا' خشک تنے کا بولنا' ایک صاع (چار کلو) سے دوسو آدمیوں کو کھلا دینا' آنکھوں میں لعاب لگانا بکری کے بازوؤں کا بولنا' اونٹ کا شکایت کرنا اور اس طرح کھانے سے متعلق تمام معجزات۔

اور شاید آپ نے قرآن مجید اور تمنائے موت کے علاوہ کسی بات کے ساتھ چیلنج نہیں کیا۔

علماء کرام فرماتے ہیں: اس قول پر افسوس ہے جس کے ذریعے صرف دو نشانیاں معجزہ کہلا سکتی ہیں اور باقی معجزات جو ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح ہیں ان کو چھوڑنا پڑے گا اور جس نے کہا کہ یہ امور معجزات یا نشانیاں نہیں ہیں تو وہ بدعت کے مقابلے میں کفر کے زیادہ قریب ہے۔

علماء کرام فرماتے ہیں: جب بھی ان میں سے کوئی نشانی آتی آپ فرماتے:

اشھد انی رسول اللہ. میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۴۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۷۱' دلائل النبوۃ ج۶ ص ۲۲۹' کشف الخفاء ج۱ ص ۱۴۲' الدر المنثور ج۱ ص ۲۷۳' دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۱۶۵)

جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کے بارے میں خبر دی جو مشرکین میں زخمی ہوا پھر اس نے اس مسلمان کی موجودگی میں خودکشی کرلی جو اس کے پیچھے گیا تھا جب صحابہ کرام کے سامنے آپ کی اس خبر کی صداقت واضح ہوئی تو انہوں نے یہی شہادت دی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

تیسری وجہ: چیلنج کی شرط اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی کے خلاف ہے:

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ (الانعام: ۱۰۹)

اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی اپنی قسموں میں خوب کوشش کرتے ہوئے کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آئے تو وہ اس پر ضرور ایمان لائیں گے آپ فرما دیجئے نشانیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور تمہیں کیا معلوم کہ جب وہ نشانیاں آجائیں تو وہ ایمان نہ لائیں؟

اور ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ. (الاسراء: ۵۹)

اور ہمیں آیات بھیجنے سے کس چیز نے روکا مگر یہ کہ پہلے لوگوں نے ان کو جھٹلایا۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان معجزات کو جو انبیاء کرام علیہم السلام سے مطلوب تھے آیات کا نام دیا لیکن ان میں چیلنج وغیرہ کی شرط نہیں رکھی۔ تو صحیح بات یہ ہے کہ چیلنج کی شرط محض باطل ہے۔

یہ شیخ ابوامامہ بن نقاش کی تفسیر کا خلاصہ ہے۔

اس کا جواب دیا گیا کہ چیلنج کے ملے ہونے کے لئے یہ شرط نہیں کہ اس کی مثل لایا جائے جو چیلنج (اور تحدی) کا حقیقی معنی ہے بلکہ چیلنج کے لئے صرف رسالت کا دعویٰ کافی ہے۔ واللہ اعلم

(۴) معجزہ کی چوتھی شرط یہ ہے کہ چیلنج کرنے والے کے دعویٰ کے مطابق واضح ہو۔ اگر رسالت کا مدعی کہے کہ میری نبوت کی نشانی یہ ہے کہ میرا ہاتھ کلام کرے گا یا یہ جانور بولے گا پس اس کا ہاتھ یا جانور اس کو جھٹلانے کے ساتھ کلام کرے اور کہے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے اور یہ نبی نہیں ہے تو یہ کلام جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس مدعی کے جھوٹ پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو کلام جاری کیا وہ اس کے دعویٰ کے موافق نہیں ہے۔ جس طرح مروی ہے کہ مسیلمہ کذاب (اللہ تعالیٰ اس پر لعنت بھیجے) نے کنویں میں تھوک ڈالا کہ اس کا پانی زیادہ ہو جائے تو وہ پانی نیچے اتر گیا اور کنویں کا پانی چلا گیا۔

تو جب ان شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو معجزہ نہیں ہوگا۔

یہ نہ کہا جائے کہ جو کچھ تم نے کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس میں معجزات کی یہ چار شرائط پائی جائیں وہ کام صرف سچے لوگوں کے ہاتھوں پر ظاہر ہو سکتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ مسیح دجال کے ہاتھوں پر بڑی بڑی نشانیاں ظاہر ہوں گی جو مشہور ہیں اور احادیث صحیحہ میں (انکا ذکر) آیا ہے کیونکہ جو کچھ ذکر کیا گیا وہ اس کے بارے میں ہے جو رسالت کا دعویٰ کرے اور یہ اس کے بارے میں ہے جو ربوبیت کا دعویٰ کرے۔

اور اس بات پر عقلی دلیل قائم ہو چکی ہے کہ بعض مخلوق کی بعثت محال نہیں ہے تو یہ بات بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس مخلوق کی صداقت پر دلائل قائم کر دے جو اس سے شریعت اور ملت لے کر آئیں اور دلائل قطعیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مسیح دجال اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے کیونکہ اس کی حالت بدلتی رہے گی اور اس کے علاوہ کئی اوصاف ہیں جو حادث ہونے پر دلالت کرتے ہیں جب کہ مخلوق کا رب ان سے پاک ہے' ارشادِ خداوندی ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ○ (الشوریٰ:۱۱) — کوئی اس کی مثل نہیں اور وہ سننے والا' دیکھنے والا ہے۔

معجزہ یا نشانی؟

اگر تم کہو کہ ان ناموں میں سے کونسا نام انبیاء کرام علیہم السلام کے زیادہ لائق ہے لفظ معجزہ یا لفظ آیت یا لفظ دلیل؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بڑے بڑے ائمہ نے انبیاء کرام کے معجزات کو دلائل نبوت اور آیاتِ نبوت کا نام دیا ہے اور قرآن مجید اور سنت میں بھی معجزہ کا لفظ نہیں آیا ان دونوں میں لفظ ''آیت'' ''البینۃ'' اور ''البرہان'' کے الفاظ ہیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ہے:

فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ. (القصص:۳۲) — پس یہ دو برہان آپ کے رب کی طرف سے ہیں۔

اور لفظ آیات کئی مقام پر آیا ہے بلکہ وہ اس قدر زیادہ ہے کہ ہم یہاں اس کا تذکرہ نہیں کر سکتے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَاِذَا جَآءَتۡهُمۡ اٰيَةٌ. (الانعام:۱۲۴) اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے۔

اور فرمایا:

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ. (الرعد:۳) بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں۔

اور لفظ معجزہ کا اطلاق اس کے آیت ہونے پر اسی صورت میں دلالت کر سکتا جب اس کی مراد واضح کی جائے اور شرائط کا ذکر کیا جائے۔ اکثر اہل کلام اسی عمل کو معجزہ کہتے ہیں جو فقط انبیاء کرام کے لئے ہو اور جو کام عادت کے خلاف اولیاء کرام کے لئے ثابت ہو اسے کرامت کہتے ہیں۔

اور پہلے بزرگ دونوں کو معجزہ کہتے تھے جس طرح امام احمد رحمہ اللہ سے مروی ہے بخلاف اس کے جب نبی کی نبوت پر آیت (نشانی) اور برہان ہو تو وہ نبی کے ساتھ خاص ہے۔

بعض اوقات کرامات کو بھی آیات کہتے ہیں کیونکہ یہ اس ذات کی نبوت پر دلیل ہوتی ہیں جس کی پیروی یہ ولی کرتا ہے کیونکہ دلیل' مدلول کو مستلزم ہوتی ہے اور اس کا ثبوت مدلول کے ثبوت کے بغیر نہیں ہوتا پس اس لئے یہ آیت اور برہان کہلاتی ہے۔

دلائل نبوت

جب تمہیں یہ بات معلوم ہوگئی تو جان لو کہ ہمارے نبی ﷺ کی نبوت کے دلائل بے شمار ہیں اور آپ کے معجزات بے شمار روایات سے ظاہر ہوتے ہیں۔

آپ کے دلائل نبوت میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ تورات' انجیل اور دیگر تمام کتب جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئیں' میں آپ کا ذکر اور نعت ہے آپ کا سرزمین عرب میں ظہور' آپ کی ولادت مبارکہ اور بعثت سے کچھ دن پہلے کفار کی حکومتوں میں ایسے عجیب امور کا ظاہر ہونا جو ان کے کلمات کو کمزور کرنے والے اور عرب کی شان کی تائید کرنے والے ہیں اور ان کی شان کو بلند کرنے والے جس طرح ہاتھی کا واقعہ اور اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں کو جو سزا دی' فارس کے آتشکدے کا بجھ جانا' کسریٰ کے محل کے کنگروں کا گرنا' بحیرہ ساوہ کے پانی کا خشک ہو جانا' مجوسیوں کے حاکم موبذان کا خواب اور جو کچھ اس نے غیبی آواز میں آپ کی نعت اور اوصاف کے بارے میں سنا اسی طرح جن بتوں کی پوجا کی جاتی تھی ان کا اوندھا ہو جانا اور منہ کے بل گرنا جب کہ ان کو اپنی جگہ سے ہٹانے والا بھی کوئی نہ تھا اور اس کے علاوہ جو علامات مروی ہیں اور مشہور احادیث میں جن عجائب کا ظہور آپ کی ولادت اور پرورش کے دوران اور بعد میں ہوا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطور نبی مبعوث فرمایا۔

اور نبی اکرم ﷺ کے پاس مال وغیرہ ایسی چیز نہیں تھی جس کی طرف دل مائل ہوتے ہیں اور اس کی طمع کی جاتی ہے نہ کوئی طاقت تھی جس سے لوگوں کو مغلوب کیا جاتا اور نہ ایسے معاون تھے جو آپ کی اس رائے پر جس کو آپ نے ظاہر کیا اور جس کی دعوت دی آپ کی تائید کرتے بلکہ وہ لوگ بتوں کی پوجا اور تیروں (جن سے فال نکالتے تھے) کی تعظیم پر جمع تھے' دورِ جاہلیت کی غیرت اور قوم پرستی پر قائم تھے' ایک دوسرے سے دشمنی کرنا اور سرکشی اختیار کرنا نیز خون بہانا اور غارت

گری پر جمع تھے۔ الفتِ دین کی وجہ سے وہ اکٹھے نہ تھے اور نہ ہی انجام پر نظر رکھتے ہوئے برے کاموں سے باز آتے انہیں عذاب کا خوف تھا نہ کسی ملامت کا' پس نبی اکرم ﷺ نے ان کے دلوں میں باہمی محبت ڈال دی اور ان کو ایک بات پر اکٹھا کیا حتیٰ کہ آراء میں اتفاق پیدا ہوا' ان کے دل باہم مددگار بن گئے اور وہ سب حضور علیہ السلام کی مدد اور آپ کے دفاع پر متفق ہو گئے' انہوں نے اپنے شہر اور وطن سے ہجرت کی اور آپ کی محبت میں اپنی قوم اور قبیلوں کی مخالفت کی اور آپ کی مدد میں جسمانی اور روحانی طاقت خرچ کر دی اور آپ کے کلمۂ طیبہ کو بلند کرنے کے لئے تلواروں کا سامنا کیا حالانکہ اس وقت نہ تو ان کے لئے دنیا وسیع کی گئی تھی اور نہ ہی ان کو مال دیا گیا' کسی فوری عوض کو پانے کی امید بھی نہ تھی اور کسی قسم کا اقتدار اور دنیوی اعزاز بھی پیش نظر نہ تھا بلکہ نبی اکرم ﷺ تو مالداروں کو مال خرچ کرنے کی ترغیب دیتے تھے اور بڑے بڑے معزز لوگوں کو لباس میں تواضع اختیار کرنے کا حکم دیتے تو کیا اس قسم کے کام کسی ایسے شخص کے لیے جمع ہو سکتے ہیں جس نے یہ راستہ اختیار کیا ہو کیا وہ عقل و تدبیر کی وجہ سے ایسا کر سکتا ہے؟

اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ایسا نہیں ہو سکتا آپ کے لئے امور مسخر کئے گئے جن میں کسی عقلمند کو شک نہیں ہے یہ تو حکم خداوندی تھا اور آسمانی معاملہ تھا جو غالب آیا اور وہ عام عادت کے خلاف تھا' بشری طاقت وہاں تک پہنچنے سے عاجز ہے اس پر وہی ذات قادر ہے جو خلق و امر کی مالک ہے' اللہ تعالیٰ جو تمام جہانوں کا رب ہے' برکت والی ذات ہے۔

آپ کا اُمی ہونا

نبی اکرم ﷺ کے دلائل نبوت میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ آپ اُمی تھے آپ نہ تو اپنے دست مبارک سے لکھتے اور نہ پڑھتے تھے آپ کی ولادت اُمی لوگوں میں ہوئی اور آپ انہی لوگوں کے درمیان ایسے شہر میں پروان چڑھے جہاں گذشتہ لوگوں کی خبریں جاننے والا عالم نہیں تھا۔

اور آپ کسی عالم کے پاس جانے کے لئے سفر پر بھی تشریف نہیں لے گئے لیکن اس کے باوجود آپ نے ان لوگوں کو تورات و انجیل اور گذشتہ امتوں کی خبریں دیں حالانکہ ان کتب کے نشانات اور حروف مٹ چکے تھے' ان کتب کو اختیار کرنے والے اور ان میں سے صحیح اور غیر صحیح میں امتیاز کرنے والے لوگ بھی بہت کم تھے پھر آپ نے تمام مخالف ادیان والوں کے سامنے دلائل پیش کئے کہ اگر گفتگو کے ماہر اور مختلف قسم کے نقاد جمع ہوتے تو وہ آپ کے دلائل کو توڑ نہ سکتے۔

تو یہ اس بات پر بہت بڑی دلیل ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین لے کر تشریف لائے۔

قرآن مجید

آپ کے دلائلِ نبوت میں سے ایک دلیل قرآن مجید ہے آپ نے قرآن مجید کے ذریعے چیلنج کیا اور ان کو اس کی ایک سورۃ کی مثل لانے کی دعوت دی لیکن انہوں نے انکار کیا اور اس کے مقابلے میں کچھ لانے سے عاجز آ گئے۔

بعض علماء نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ اہل عرب کے پاس جو کلام لائے اور وہ اس کی مثل لانے سے عاجز ہو گئے تو یہ آپ کی نبوت پر سب سے عجیب نشانی ہے اور یہ مردوں کو زندہ کرنے اور برص و جذام کے مریضوں کو تندرست کرنے سے بھی واضح دلالت رکھتی ہے کیونکہ آپ بلاغت و فصاحت والے لوگوں کے پاس ایسا کلام لائے جس کا معنیٰ وہ سمجھتے تھے

تو ان کا عاجز ہونا اس شخص کے عاجز ہونے سے زیادہ تعجب خیز ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردہ زندہ کرتے ہوئے دیکھا تھا کیونکہ ان لوگوں کو اس کی اور برص وجذام کو ٹھیک کرنے کی طمع نہ تھی اور نہ ہی وہ اس کا علم رکھتے تھے جب کہ قریش فصیح کلام' بلاغت اور خطابت سے تعلق رکھتے تھے تو ان کا اس سے عاجز آ جانا آپ کی رسالت پر علامت اور صحت نبوت کی دلیل تھا اور یہ قطعی حجت اور واضح دلیل ہے۔

ابوسلیمان الخطابی فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ اپنے زمانے کے عقلمند لوگوں میں سے تھے بلکہ آپ مطلقاً تمام مخلوق سے زیادہ عقلمند تھے اور آپ نے اپنے رب سے ملنے والے جس کلام کی خبر دی وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے تھے۔ قرآن مجید نے ارشاد فرمایا:

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا. اور گرتم ایسا نہ کرسکو اور ہرگز ایسا نہیں کرسکو گے۔

(البقرہ:۲۴)

پس اگر آپ کو یہ بات معلوم نہ ہوتی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو غیب کی باتوں کو بہت زیادہ جاننے والا ہے اور جو کچھ اس نے فرمایا ہے اس کے خلاف ہرگز نہیں ہوگا تو آپ کی عقل آپ کو کبھی اجازت نہ دیتی کہ آپ کوئی بات قطعی طور پر کہیں کہ یہ نہیں ہوگا اور وہ ہو جائے گا۔

اس سلسلے میں جو کچھ کہا جا سکتا ہے اس میں یہ بات نہایت اچھی' نہایت عمدہ اور بہت زیادہ کامل وواضح ہے آپ نے مقابلہ کرنے سے پہلے ان کو بتا دیا کہ تم اس سے عاجز آ جاؤ گے اور مقابلہ کی غرض کو نہ پا سکو گے' ان لوگوں کے سامنے یہ بات بآواز بلند فرما دی تو ان کے حمایتی بہت زیادہ ہونے اور ایک دوسرے کی مدد کے باوجود کسی کو بھی مقابلہ کرنے کی طاقت حاصل نہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ جو علم وخبر والا ہے اس نے آپ کو بتا دیا اور آپ نے فرمایا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا○ (الاسراء:۸۸)

آپ فرما دیجئے اگر تمام انسان اور جن متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل لائیں تو اس کی مثل نہیں لا سکتے اگرچہ ان میں سے بعض' دوسرے بعض کی مدد کریں۔

پس ان کی بلند ہمتیں اور ان کے منکر نفوس خون بہانے اور حرم شریف کی بے حرمتی پر راضی ہو گئے۔

احادیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قرآن مجید کا کچھ حصہ فصیح وبلیغ مشرکین کے سامنے پڑھا اور انہوں نے اس کے اعجاز کا اقرار کیا اس سلسلے میں کئی جملے ہیں۔

ان میں سے ایک حضرت محمد بن کعب سے مروی ہے فرماتے ہیں: مجھے بتایا گیا ہے کہ ایک دن عتبہ بن ربیعہ نے کہا جب کہ وہ قریش کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور نبی اکرم ﷺ تنہا مسجد میں تشریف فرما تھے (اس نے کہا) اے قریش کے گروہ! کیا میں اس شخص کے پاس جا کر اس پر کچھ باتیں پیش نہ کروں شاید وہ ہماری بعض باتیں قبول کر کے ہم سے دور رہے انہوں نے کہا ہاں ابوالولید! (تم بات کرو) عتبہ وہاں سے اٹھ کر نبی اکرم ﷺ کے پاس جا بیٹھا اس کے بعد حدیث میں ہے کہ اس نے آپ کو مال وغیرہ کی پیشکش کی جب وہ فارغ ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ابوالولید! تم فارغ ہو گئے ہو؟ اس نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا: پھر مجھ سے سنو اس نے کہا آپ کہیں آپ نے پڑھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (السجدہ:۱۔۳)

یہ اتارا ہے بڑے رحم والے مہربان کا' ایک کتاب ہے جس کی آیتیں مفصل فرمائی گئی ہیں عربی قرآن عقل والوں کے لئے۔

رسول اکرم ﷺ پڑھتے رہے اور ولید سن کر خاموش رہا اور اپنا ہاتھ پیٹھ کے پیچھے ڈال کر ان کا سہارا لیا اور سنتا رہا۔ نبی اکرم ﷺ آیت سجدہ تک پہنچے تو سجدہ کیا پھر فرمایا: اے ابوالولید! تم نے سنا؟ اس نے کہا ہاں میں نے سنا فرمایا یہ تمہارے لئے ہے۔

عتبہ اٹھ کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا اللہ کی قسم! ابوالولید اس چہرے کے ساتھ نہیں جس کے ساتھ گیا تھا جب وہ ان کے پاس بیٹھ گیا تو انہوں نے کہا اے ابوالولید تمہارے پیچھے کیا ہے؟ اللہ کی قسم! میں نے ایک ایسی بات سنی ہے جس کی مثل میں نے کبھی نہیں سنا اللہ تعالیٰ کی قسم وہ شعر بھی نہیں اور جادو بھی نہیں اور نہ ہی کہانت (نجومی کی بات) ہے اے قریش کے گروہ! میری بات مانو اور اس شخص کو اس کی حالت پر چھوڑ دو اللہ کی قسم! جو کچھ میں نے اس سے سنا ہے عنقریب اس کی ایک عظیم خبر ہوگی' عتبہ نے کہا اس نے مجھے ایسے کلام کے ساتھ جواب دیا ہے جو جادو' شعر یا کہانت نہیں ہے۔

اس نے پڑھا:

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (السجدہ:۱۔۳)

یہ اتارا ہے بڑے رحم والے مہربان کا' ایک کتاب ہے جس کی آیات مفصل فرمائی گئی ہیں عربی قرآن عقل والوں کے لئے۔

جب وہ ان الفاظ پر پہنچا:

فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ. (السجدہ:۱۳)

تم فرما دو کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں ایک کڑک سے جیسی کڑک عاد اور ثمود پر آئی تھی۔

میں نے اس کے منہ کو بند کر دیا اور اسے رشتہ داری کی قسم دی کہ وہ رک جائے اور تم جانتے ہو کہ محمد ﷺ جب کوئی بات کہتے ہیں تو جھوٹ نہیں بولتے پس مجھے ڈر ہے کہ تم پر کہیں عذاب نازل نہ ہو جائے۔

(دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۰۴۔۲۰۵' البدایۃ والنہایہ ج ۳ ص ۶۱' الدر المنثور ج ۵ ص ۳۵۸' مطالب العالیہ رقم الحدیث: ۴۲۸۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۹۷' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۶۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۴۲۸)

اسے امام بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے اسلام کے سلسلے میں مروی ہے انہوں نے اپنے بھائی حضرت انیس رضی اللہ عنہ کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے اپنے بھائی حضرت انیس رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی شاعر کے بارے میں نہیں سنا انہوں نے زمانہ جاہلیت میں بارہ شعراء سے مقابلہ کیا جن میں سے ایک' میں ہوں۔

حضرت انیس گئے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس نبی اکرم ﷺ کی خبر لے کر آئے حضرت ابوذر

فرماتے ہیں: میں نے پوچھا لوگ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا وہ حضور علیہ السلام کو شاعر' کاہن اور جادوگر کہتے ہیں لیکن میں نے کاہنوں کی باتیں سنی ہیں یہ (پیغام رسالت) ان کا قول نہیں ہے میں نے کئی قسم کے شعراء کو ان کا کلام سنایا لیکن وہ اس کے موافق بھی نہیں اور میرے بعد کسی کی زبان پر یہ بات نہیں آئی کہ یہ شعر ہے بے شک آپ سچے ہیں اور لوگ جھوٹ کہتے ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۲' الشفاء ج ا ص ۱۶۶' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۰۹ ۔ ۲۱۰ ۔ ۲۱۲' مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۴)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے ولید بن مغیرہ کے واقع میں بیان کیا اور وہ فصاحت میں قریش کا سردار تھا اس نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ پڑھیں' آپ نے اس کے سامنے یہ آیت پڑھی:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْىِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ (النحل: ۹۰)

بے شک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی اور رشتہ داروں کے دینے کا اور منع فرماتا ہے بے حیائی اور بری بات اور سرکشی سے تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم دھیان کرو۔

اس نے کہا دوبارہ پڑھیں آپ نے دوبارہ پڑھا اس نے کہا اللہ کی قسم یہ نہایت شیریں اور حسن کا پیکر ہے اس کے اوپر والا حصہ پھلدار اور نچلا حصہ بہت زیادہ پانی ہے (اوپر والے حصے سے مراد الفاظ اور نچلے حصے سے مراد معانی ہیں) اور یہ کسی انسان کا کلام نہیں پھر اپنی قوم سے کہنے لگا اللہ کی قسم! تم میں ایک شخص ہے' وہ اشعار کا علم مجھ سے زیادہ رکھتا ہے اس کے رجز اور جنون کے اشعار کو نہیں جانتا۔

اللہ کی قسم اس کا قول اس (شاعرانہ کلام) کے مشابہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ جو کچھ کہتا وہ شیریں ہے اور اس پر حسن چڑھا ہوا ہے اس کا اعلیٰ پھلدار اور نچلا (اندرونی) بہت زیادہ پانی (سمندر) ہے بے شک وہ بلند ہوگا اور اس پر کوئی دوسرا کلام بلند نہیں ہوسکتا۔

اس کی دوسری خبر میں ہے کہ جب اس نے موسم حج میں قریش کو جمع کیا اور کہا عرب کے وفود ہمارے پاس آئیں گے لہٰذا کسی ایک رائے پر متفق ہو جائیں اور ہم ایک دوسرے کو نہ جھٹلائیں انہوں نے کہا ہم کہیں گے یہ کاہن ہے' اس نے کہا اللہ کی قسم یہ کلام' بخومی کا زمزمہ اور سجع نہیں ہے انہوں نے کہا مجنون کہلائیں گے اس نے کہا وہ مجنون بھی نہیں اور نہ اس کی طرح جس کا گلا گھونٹا گیا اور نہ وہ جس کے دل میں وسوسے ڈالے گئے۔

انہوں نے کہا ہم اسے شاعر کہیں گے اس نے کہا وہ شاعر بھی نہیں ہم شاعر سے متعلق تمام باتیں جانتے ہیں ہم اشعار کے رجز' اس کی بحر (ہزج) طویل اور مختصر بحر وغیرہ سب کا علم رکھتے ہیں۔ وہ شاعر نہیں ہیں انہوں نے کہا ہم کہیں گے یہ جادوگر ہیں اس نے کہا یہ جادوگر بھی نہیں نہ جادو والی پھونک ہے اور نہ ہی گرہ انہوں نے کہا پھر کیا کہیں اس نے کہا تم ان باتوں میں سے کچھ نہ کہو لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ باطل ہے۔[1]

[1] چنانچہ اس نے کہا تم یہی کہہ دینا کہ وہ جادوگر ہے اور لوگوں میں جدائی ڈالتا ہے چنانچہ وہ مکہ مکرمہ کے تمام راستوں میں بیٹھ گئے اور یہی پروپیگنڈہ کرنے لگے جس سے نبی اکرم ﷺ کا معاملہ پھیل گیا اور لوگوں کو آپ سے ملنے کا شوق پیدا ہوا۔ (زرقانی ج ۵ ص ۸۸)

ابونعیم نے ابن اسحاق کے طریق سے نقل کیا فرماتے ہیں: مجھ سے اسحاق بن یسار نے بیان کیا انہوں نے بنوسلمہ کے ایک شخص سے روایت کیا انہوں نے فرمایا جب بنوسلمہ قبیلہ کے کچھ نوجوان اسلام لائے تو عمرو بن جموح نے اپنے بیٹے سے کہا تم نے اس شخص سے جو کلام سنا مجھے بھی سناؤ اس نے یہ کلمات پڑھ کر سنائے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ (الفاتحہ: ا-۵)

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے نہایت مہربان رحمت والا ہے بدلے کے دن کا مالک ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔

اس نے کہا یہ کس قدر اچھا اور حسین کلام ہے کیا اس کا تمام کلام ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا ابا جان! اس سے بھی اچھا ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں: اگر یہ قرآن مجید کسی مصحف میں لکھ کر جنگل میں رکھ دیا جاتا اور کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ یہ کس نے وہاں رکھا ہے؟ تو عقل سلیم فیصلہ کرتی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس نے اتارا ہے اور انسان ایسا کلام بنانے پر قادر نہیں ہے تو جب یہ قرآن مجید ایسے شخص کے ذریعے آیا جو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ سچا' نیک اور متقی ہے تب کیا کیفیت ہوگی؟

انہوں نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور تمام مخلوق کو چیلنج کیا گیا کہ وہ اس کی ایک سورت کی مثل لے آئیں پس وہ عاجز رہ گئے تو اس صورت میں شک کی کیا گنجائش ہے؟

اعجازِ قرآن کی وجوہ

اعجازِ قرآن کی وجوہ بے شمار ہیں لیکن بعض حضرات نے فرمایا کہ علماء نے اس کے اعجاز کے سلسلے میں چھ وجوہ میں اختلاف کیا ہے۔

ا۔ اس کے اعجاز کی وجہ اس کا اختصار اور بلاغت ہے۔

جیسے ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ. (البقرہ: ۱۷۹)

تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے۔

ان دو کلموں میں جن کے حروف دس ہیں بہت سے معانی کو جمع کیا۔

ابوعبید نے بیان کیا کہ ایک اعرابی نے کسی شخص کو پڑھتے ہوئے سنا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ. (الحجر: ۹۴)

آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا اس کو بیان کیجئے۔

وہ اعرابی سجدے میں پڑ گیا اور کہا میں نے اس کلام کی فصاحت کی وجہ سے سجدہ کیا اور ایک دوسرے شخص نے ایک آدمی کو پڑھتے ہوئے سنا:

فَلَمَّا اسْتَيْأَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا. (یوسف: ۸۰)

پھر جب اس سے ناامید ہوئے الگ جا کر سرگوشی کرنے لگے۔

تو کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ مخلوق اس قسم کے کلام پر قادر نہیں۔ اصمعی نے نقل کیا کہ اس نے پانچ یا چھ سال کی لڑکی دیکھی اور وہ کہہ رہی تھی کہ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام گناہوں کی بخشش طلب کرتی ہوں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم کیوں بخشش مانگ رہی ہو حالانکہ ابھی تمہارے گناہ لکھے نہیں جاتے (تم چھوٹی بچی ہو) اس نے کہا:

استغفر اللہ لذنبی کلہ قتلت انسانا بغیر حلہ

مثل غزال ناعم فی دلہ انتصف اللیل ولم اصلہ

''میں اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام گناہوں کی بخشش مانگتی ہوں میں نے ایک انسان کو ناحق قتل کیا وہ ہرن کی طرح بڑی عمدگی سے چلتا تھا آدھی رات ہوگئی اور میں نے نماز نہیں پڑھی''۔

(یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کر کے اپنے نفس کو ہلاک کیا اور آدھی رات گزر گئی لیکن تہجد کی نماز نہ پڑھ سکی) میں نے اس سے کہا اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے (بددعا نہیں ہے) تو کس قدر فصیح ہے اس نے کہا کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس کلام کے بعد اس (میرے کلام) کو فصاحت شمار کرتے ہو۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی اُمِّ مُوْسٰیٓ اَنْ اَرْضِعِیْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْکِ وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ O (القصص:۷)

اور ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ ان (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو دودھ پلائیں پس جب ان کے بارے میں ڈر محسوس کریں تو ان کو دریا میں ڈال دیں اور نہ خوف کھائیں اور نہ غمگین ہوں بے شک ہم ان کو آپ کی طرف لوٹانے والے ہیں اور ان کو رسولوں میں سے کرنے والے ہیں۔

تو اس آیت میں دو امر' دو نہی' دو خبریں اور دو بشارتیں جمع کر دیں۔

منقول ہے کہ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد میں سوئے ہوئے تھے تو اچانک دیکھا کہ ایک شخص ان کے سرہانے کھڑا ہے اور شہادتِ حق دے رہا ہے اس نے آپ کو بتایا کہ وہ رومی فوج کا جرنیل ہے اور ان لوگوں میں سے ہے جو عربی اور دوسرے کلام کو اچھی طرح سمجھتا ہے اور اس نے مسلمان قیدیوں میں سے ایک سے سنا کہ وہ تمہاری کتاب میں سے ایک آیت پڑھ رہا ہے میں نے اس میں غور کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں دنیا اور آخرت کے احوال سے وہ باتیں جمع کر دیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اتاری تھیں۔ اور وہ یہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَخْشَ اللّٰهَ وَیَتَّقْهِ. (النور:۵۲)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم مانے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور تقویٰ اختیار کرے (وہی لوگ کامیاب ہیں)۔

گمراہ لوگوں میں سے ایک جماعت نے جن کو بلاغت سے کچھ حصہ ملا تھا' ارادہ کیا کہ وہ کوئی ایسی چیز گھڑیں جس کے ذریعے لوگوں کو دھوکہ دیں جب انہوں نے دیکھا کہ یہ کام بہت مشکل ہے (ستاروں تک ہاتھ پہنچانا ہے) تو چھوٹی چھوٹی سورتوں مثلاً سورۂ کوثر' سورۂ النصر وغیرہ کی طرف مائل ہوئے تا کہ جاہل لوگوں کو کم حروف والے کلام میں شبہ میں ڈالیں کیونکہ کلمات کو جوڑنے اور ملانے سے آدمی عاجز ہوتا ہے۔

اور اس قسم کا ارادہ کرنے والوں یعنی چھوٹی سورتوں سے تعلق قائم کرنے والوں میں سے ایک مسیلمہ کذاب بھی تھا اس نے کہا: یا ضفدع نقی کم تنقین اعلاک فی الماء واسفلک فی الطین لا الماء تکدرین ولاشراب تمنعین.

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا: اس کی اصل وہ نہیں جو قرآن کی ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے۔

اور جب مسیلمہ کذاب ملعون نے ''والنازعات'' سورت سنی تو اس نے کہا: والزارعات زرعا والحاصدات حصدا والذاریات قمحا والطاحنات طحنا والحافرات حفرا والثاردات ثردا واللاقمات لقما لقد فضلتم علی اھل الوبر وما سبقکم اھل المدر.

اور اس کے علاوہ بیہودہ کلام کیا جس کا کچھ حصہ مقصد ثانی میں ذکر کر دیا گیا ہے۔

ایک اور نے کہا: الم تر کیف فعل ربک بالحبلی اخرج من بطنھا نسمۃ تسعی من بین شرا سیف واحشی.

کسی دوسرے نے کہا: الفیل والفیل وما ادراک ما الفیل لہ ذنب و ثیل و مشفر طویل وان ذلک من خلق ربنا لقلیل.

اس کلام میں حروف کی قلت کے ساتھ ساتھ جو کمزوری ہے وہ کسی بے علم پر بھی مخفی نہیں چہ جائیکہ اہل علم پر مخفی ہو۔

۲۔ قرآن مجید کا اعجاز وہ وصف ہے جس کے ذریعے یہ کلام عرب کی جنس سے نکل گیا چاہے وہ نظم و نثر ہو' خطاب و شعر ہو یا رجز و سجع ہو پس یہ ان میں سے کسی میں بھی داخل نہیں اور ان کے ساتھ مخلوط ہے اس کے باوجود کہ اس کے الفاظ اور حروف ان کے کلام کی جنس سے ہیں اور ان کی نظم و نثر میں مستعمل ہیں اس لئے ان کی عقلیں حیران رہ گئیں اور اپنے حسن کلام میں اس کی مثل کی طرف ان کو راہ نہ ملی پس اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید نے اپنی بدیع نظم کے ذریعے فصاحت میں دلوں کو کھٹکھٹایا اور بلاغت میں معانی تک اس کی رسائی نہایت عمدہ ہے پس یہ اللہ تعالیٰ کی واضح حجت' روشن دلیل اور قاہر و باہر برہان ہے جو بدبخت اس کے مقابلہ کی کوشش کرتا ہے وہ اس طرح گرتا ہے جس طرح پروانہ چنگاری میں گرتا ہے اور جس طرح بدشکل بکری غضب ناک شیروں کے گرد جا گرتی ہے۔ اس کا مقابلہ کرنے والے متعدد لوگوں کے بارے میں منقول ہے کہ ان پر اس قدر رعب طاری ہوا کہ وہ اس عمل سے باز آ گئے جس طرح یحییٰ بن حکیم الغزال سے منقول ہے۔ یہ شخص اندلس میں اپنے زمانے کا بلیغ آدمی تھا اس نے قرآن مجید کے مقابلے کا ارادہ کیا اور سورہ اخلاص کو دیکھا کہ اس کی مثل کلام بنائے اور اس کے انداز پر کلام گھڑے تو وہ اس قدر خوفزدہ ہوا کہ اسے توبہ کرنا پڑی۔ (الاعلام ج ۸ ص ۱۴۳)

ابن مقفع جو اپنے دور کا سب سے زیادہ فصیح شخص تھا اس نے قرآن مجید کے مقابلے میں کلام بنانے کی کوشش کی بلکہ تفصیلی کلام گھڑا اور اس کا نام سورا (سورتیں) رکھا ایک دن وہ ایک بچے کے پاس سے گزر رہا تھا جو اپنے مدرسہ میں یہ آیت پڑھ رہا تھا:

وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ (ھود: ۴۴)

اور کہا گیا اے زمین اپنا پانی نگل لے! اور اے آسمان تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو گیا۔

یہ سن کر وہ واپس ہوا اور جو کچھ لکھا تھا اس کو مٹا دیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کا مقابلہ کبھی بھی نہیں ہو سکتا اور یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔ (الاعلام ج ۴ ص ۱۴۰ معجم المطبوعات ص ۲۴۹ لسان المیزان ج ۳ ص ۳۶۶)

سیدی محمد وفا رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے انہوں نے نبی اکرم ﷺ اور قرآن مجید کے بارے میں کیا اچھا کہا ہے:

لــه آیة الـفـرقـان فی عین جـمـعـه جـوامـع آیـات بهـا اتـضـح الـرشـد

''ان کے ساتھ حق و باطل میں فرق کرنے والی ایسی نشانی ہے' ہدایت کو واضح کرنے والی جامع آیات ہیں''۔

حـدیـث نـزیـه عـن حـدوث مـنـزه قـدیـم صـفـات الـذات لیـس لـه ضـد

''اس (قرآن) کی بات حدوث سے پاک ہے' ذات کی صفات کے اعتبار سے قدیم ہے اور اس کی نظیر نہیں ہے''۔

بـلاغ بـلـیـغ لـلـبـلاغة مـعـجـز لــه مـعـجــزات لا یـعـد لهـا عـد

''بلیغ پیغام ہے اور بلاغت کو عاجز کرنے والا ہے' اس کے معجزات ان گنت ہیں''۔

تـحـلـت بـروح الـوحـی حـلـة نسجـه عـقـود اعـتـقـاد لا یـحـل لهـا عـقـد

''اس کے لباس کی بناوٹ وحی کی روح سے آراستہ ہے' عقیدے کے ایسے ہار ہیں جن کی گرہ کھولی نہیں جاتی''۔

وغـایة اربـاب الـبـلاغة عـجـزهـم لـدیـه وان کـانـوا هـم الالـسـن الـلـد

''اور اس کے سامنے بلغاء انتہا ان کا عاجز ہونا ہے اگرچہ وہ زبان کے ماہر تھے''۔

فـأفـا کـهـم بـالافـک اعـیـاه غـیـه تـصـدی ولـلاسـمـاع عـن غـیـه صـد

''ان کی گمراہی نے ان کے جھوٹ کو درماندہ و عاجز کر دیا اور کانوں کے لئے اس کی گمراہی سے رکاوٹ ہے''۔

قـلـی الـلـه اقـوالا یـهـاجـر هـجـرهـا هـوانـا بـهـا الـورهـاء والـبـهـم الـبـلـد

''اللہ تعالیٰ ایسی باتوں سے ناراض ہوتا ہے جن کی وجہ سے بے وقوف اور ناسمجھ ذلیل ہو کر وطن چھوڑ دیتے ہیں''۔

تـلاهـا فـتـل الـفـحـش فی الـقـبـح وجـهـهـا وعـن ریـبـهـا الالـبـاب نـزهـهـا الـزهـد

''اسے تلاوت کیا تو فحش کلامی نے قبح میں اپنا چہرہ چھپا لیا اور عقلمند لوگوں کو زہد نے شک سے دور کر دیا''۔

لـقـد فـرق الـفـرقـان شـمـل فـریـقـه بـجـمـع رسـول الـلـه واسـتـعـلـن الـرشـد

''قرآن مجید نے رسول اکرم ﷺ کی جماعت کو فریق مخالف کی جماعت سے جدا کر دیا اور ہدایت کو ظاہر کر دیا''۔

اتی بالھدی صل علیہ الھہ ولم یلہ بالاھواء اذجاءہ الجد

"آپ ہدایت لائے آپ کا معبود آپ پر رحمت نازل کرے اور آپ نے خواہشات کی پیروی نہ کی جب آپ کے پاس بزرگی آئی"۔

۳۔ قرآن مجید کے اعجاز کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اس کو پڑھنے والا اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا اور اسے سننے والا نفرت کا اظہار نہیں کرتا بلکہ اس کی تلاوت کی طرف کامل توجہ اس کی چاشنی کو مزید بڑھاتی ہے اور اس کا تکرار اس کی محبت اور رونق کا باعث ہے یہ شاخ ہمیشہ ہری بھری رہتی ہے جبکہ اس کے علاوہ کلام اگرچہ حسن و بلاغت میں کتنے بڑے درجہ پر پہنچ جائے اس کا بار بار پڑھنا آدمی کو تھکا دیتا ہے اور جب اسے دوبارہ کہا جائے تو دشمنی پیدا ہوتی ہے اور ہماری کتاب (قرآن مجید) خلوتوں میں لذت کا باعث ہے اور مختلف مقامات پر اس کی تلاوت سے انس پیدا ہوتا ہے۔

قرآن مجید کے علاوہ کتب میں یہ بات نہیں ہے حتیٰ کہ ان کتابوں والے لوگوں نے مختلف راگ اور طریقے بنائے جن کے ذریعے وہ ان کتابوں کو پڑھنے پر سرور حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے قرآن مجید کا وصف یوں بیان فرمایا کہ یہ زیادہ پڑھنے سے پرانا نہیں ہوتا اس کے اسباقِ عبرت ختم نہیں ہوتے اور اس کے عجائب فنا نہیں ہوتے یہ کتاب فیصلہ کرنے والی ہے بے مقصد کلام نہیں (غیر سنجیدہ نہیں) علماء کرام اس سے سیر نہیں ہوتے اور خواہشات اس کی لگام میں ہوں تو گمراہی نہیں آتی اس کے ساتھ زبانوں میں گڑبڑ نہیں ہوتی یہی وہ کتاب ہے کہ جب جنوں نے اسے سنا تو وہ یہ بات کہے بغیر نہ رہ سکے:

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ (الجن:۱) بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا جو ہدایت کی راہ دکھاتا ہے پس ہم اس پر ایمان لائے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۹۰۶' سنن دارمی ج ۲ ص ۴۳۱' الشفاء ج ۱ ص ۲۷۷)

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۴۔ قرآن مجید کی چوتھی وجہ اعجاز گذشتہ واقعات کی خبریں ہیں جن میں سے بعض کا ان لوگوں کو علم تھا اور بعض باتوں کو وہ نہیں جانتے تھے۔

جب انہوں نے ان واقعات کے بارے میں پوچھا تو ان کے صحیح ہونے کو جان لیا اور ان کا سچا ہونا متحقق ہو گیا۔ جس طرح اصحاب کہف کا واقعہ' حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ' ذوالقرنین اور انبیاء کرام کے ان کی امتوں کے ساتھ واقعات اور پہلے زمانوں کے حالات وغیرہ۔

۵۔ قرآن مجید کے اعجاز کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ اس میں غیب کا علم اور مستقبل کے واقعات کی خبریں ہیں پس وہ اسی طرح واقع ہوتی ہیں جس طرح قرآن مجید نے کہا اور یوں اس کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔

جیسا کہ یہودیوں کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ آپ فرما دیجئے اگر آخرت کا گھر تمہارے لئے خالص ہے دوسرے لوگوں کے لئے نہیں تو موت کی تمنا کرو

صَادِقِیْنَO (البقرہ:۹۴) اگر تم سچے ہو۔

پھر فرمایا:

وَلَنْ یَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ (البقرہ:۹۵) اور وہ اس کی تمنا ہرگز کبھی بھی نہیں کریں گے اور اس کی وجہ ان کے وہ اعمال ہیں جو انہوں نے آگے بھیجے۔

چنانچہ ان میں سے کسی نے بھی موت کی تمنا نہ کی۔

اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قریش سے فرمایا:

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا. (البقرہ:۲۴) اور اگر تم قرآن مجید کی مثل نہ لا سکو اور ہرگز نہیں لا سکو گے (تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے)۔

تو قطعی اور یقینی طور پر بتایا کہ وہ ایسا نہیں کرسکیں گے اور وہ ایسا نہ کرسکے۔

وہ غیبی امور جو قرآن مجید نے بیان کئے ہیں ان میں سے بعض' نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں واقع ہوئے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًاO (الفتح:۱) بے شک ہم نے آپ کو واضح فتح عطا فرمائی۔

(تو مکہ مکرمہ فتح ہوا اور یہ غیبی خبر خود آپ کے سامنے وقوع پذیر ہوئی) اور بعض خبریں ایک عرصہ دراز کے بعد ظاہر ہوئیں۔

جیسے فرمایا:

الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُO (الروم:۱) رومی مغلوب ہوئے۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اگر بات وہی ہوتی جو علماء کرام نے ذکر کی ہے کہ غیب کی خبریں بھی اعجاز قرآن ہے تو وہ مستقبل میں رونما ہونے والے واقعہ کا مطالبہ کرتے (حالانکہ انہوں نے ایسا مطالبہ نہیں کیا) نیز غیب کی خبریں قرآن مجید کی بعض سورتوں میں آئی ہیں (پورے قرآن میں نہیں) اور ان سے مقابلے کے لیے غیر معین سورت پر اکتفا کیا گیا اور اگر یہ بات (اعجاز قرآن والی بات) صحیح ہوتی تو وہ ایسی چھوٹی سورت کا معارضہ کرلیتے جس میں غیب کی خبر نہ ہوتی۔

۶۔ قرآن پاک کے اعجاز کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ علوم کثیرہ کا جامع ہے کہ اہل عرب نے ان میں کلام نہیں کیا اور نہ ہی امتوں کے علماء میں سے کسی ایک نے ان علوم کا احاطہ کیا اسی طرح کوئی ایسی کتاب بھی مدون نہیں ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے پہلوں اور پچھلوں کی خبر (جہاد سے) پیچھے رہ جانے والوں کا حکم' اطاعت گزاروں کا ثواب اور نافرمانوں کے عذاب کا ذکر کیا ہو۔

پس یہ وجوہ ہیں جن میں سے ہر ایک اعجاز قرآن کا سبب صحیح ہے (اور خود معجزہ ہے)۔

اور جب قرآن مجید میں یہ سب باتیں جمع ہیں تو ان میں سے کوئی ایک بات معجزہ ہونے کے اعتبار سے دوسری کے مقابلے میں زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تو سب کو ملا کر اعجاز قرار دیا جائے گا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ. (اسراء:۸۸)

آپ فرمادیجئے اگر انسان اور جن (سب) جمع ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل لائیں تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے۔

تو نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی کوئی شخص قرآن مجید کی مثل لانے پر قادر نہیں ہوا اس کی نظم' تالیف' کلام کی مٹھاس' معانی کی صحت اور اس میں پائی جانے والی مثالیں اور وہ باتیں جو قیامت کے دن اٹھنے پر دلالت کرتی ہیں نیز اس کی آیات' ماضی اور مستقبل کی خبریں' نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا' ناحق خون بہانے سے رکنا' صلہ رحمی وغیرہ میں سے کسی بات کی مثل پیش نہیں کی جاسکتی۔

اور اس بات پر کوئی شخص کیسے قادر ہو سکتا ہے جب فصیح و بلیغ عربی خطباء اور عقلمند شعراء چاہے وہ قریش تھے یا دوسرے وہ اس کے مقابلے سے عاجز رہ گئے۔

اور وہ لوگ نبی اکرم ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے کی آپ کی چالیس سالہ زندگی سے آگاہ تھے اور وہ جانتے تھے کہ آپ نے حساب و کتاب' جادو' شعر گوئی وغیرہ کچھ بھی نہیں سیکھا تھا نہ آپ نے کوئی خبر یاد رکھی اور کوئی بات نقل کی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی اور تفصیلی (احکام پر مبنی) کتاب عطا فرما کر آپ کو اعزاز بخشا چنانچہ آپ نے اس کتاب کے ذریعے ان لوگوں کو دعوت دی اور ان کا مقابلہ کیا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (یونس:۱۶)

تم فرماؤ اگر اللہ چاہتا تو میں اسے تم پر نہ پڑھتا نہ وہ تم کو اس سے خبردار کرتا تو میں اس سے پہلے تم میں اپنی ایک عمر گزار چکا ہوں تو کیا تمہیں عقل نہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کی شہادت دیتے ہوئے فرمایا:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ○ (العنکبوت:۴۸)

اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے۔

دوسرے معجزات

قرآن مجید کے علاوہ آپ کے معجزات مثلاً آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی کا نکلنا' آپ کی برکت سے کھانے کا زیادہ ہونا' چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا' پتھروں کا کلام کرنا وغیرہ میں سے بعض معجزات وہ ہیں جن کے ساتھ چیلنج واقع ہوا اور بعض معجزات صرف آپ کی صداقت پر دلالت تھی کوئی چیلنج نہ تھا۔

ان تمام کا مجموعہ اس بات کا قطعی فائدہ دیتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بہت سے خلاف عادت کام ظاہر ہوئے (یہ اسی طرح یقینی بات ہے) جس طرح حاتم طائی کی سخاوت اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شجاعت یقینی ہے۔

اگرچہ انفرادی طور پر یہ معجزات ظنی ہیں کیونکہ یہ اخبار آحاد[1] سے ثابت ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ نبی اکرم ﷺ کے بہت سے معجزات مشہور ہیں اور کثیر التعداد لوگوں نے ان کو روایت کیا ہے اور جو لوگ احادیث کا علم رکھتے ہیں

[1] خبر واحد وہ حدیث ہے جس کے راوی خبر مشہور اور خبر متواتر کی تعداد کو نہ پہنچیں۔

اور تاریخ و اخبار کا اہتمام کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ راویوں کی کثرت' قطعیت کو لازم کرتی ہے اگرچہ دوسروں کے نزدیک وہ اس مقام کو نہ پہنچے کیونکہ وہ اس کا اہتمام نہیں کرتے اور اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ ان میں سے اکثر واقعات فکری قطعیت کا فائدہ دیتے ہیں تو یہ بات بعید از عقل نہیں کیونکہ اس بات میں شک نہیں کہ ہر طبقہ میں احادیث کو روایت کرنے والوں نے ان احادیث کو روایت کیا لیکن یہ بات محفوظ نہیں کہ ان کے کسی ساتھی نے اس روایت کی مخالفت کی ہو اور نہ ہی انہوں نے انکار اور اعتراض کیا۔

پس ان میں سے جو لوگ خاموش رہے وہ بولنے والوں کی طرح تھے۔

کیونکہ اجتماعی طور پر وہ لوگ باطل سے غفلت سے محفوظ تھے اور اگر فرض کیا جائے کہ ان میں سے بعض کی طرف سے کسی راوی پر طعن یا انکار ہوا ہے تو وہ راوی کے صدق یا جھوٹ کی تہمت کے سلسلے میں توقف کی جہت سے ہے یا اس کے حافظہ اور یادداشت یا غلطی کے امکان کی وجہ سے ہے لیکن ان کی طرف سے روایت پر طعن نہیں پایا گیا جس طرح ان کی طرف سے دوسرے فنون مثلاً احکام (فقہ) اور قراءتوں میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ واللہ اعلم

معجزات کی عمومیّت وانواع

جب تم نبی اکرم ﷺ کے معجزات اور واضح نشانیوں اور کرامات میں غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ معجزات علوی و سفلی' خاموش و ناطق' ساکن و متحرک' مائع اور ٹھوس' سابق و لاحق' غائب و حاضر' باطن و ظاہر' فوری اور تاخیری سب اقسام کو شامل ہیں کہ اگر ان کو شمار کیا جائے تو بات طویل ہو جائے۔

جیسے شہاب ثاقب (ستاروں) سے شیطان کو مارنا اور اندھیرے میں شیطانوں کو کان لگا کر سننے سے منع کرنا پتھر اور درخت کا آپ کو سلام کرنا اور آپ کے سامنے آپ کی رسالت کی گواہی دینا۔

آپ کو ''یا سیدی'' کہہ کر پکارنا' خشک تنے کا رونا' آپ کی ہتھیلی سے وضو کے برتن اور دوسرے برتنوں میں پانی کا نکلنا' چاند کا دو ٹکڑے ہونا' اندھے پن سے بینائی لوٹانا' اونٹ اور بھیڑیئے وغیرہ کا گفتگو کرنا اور وہ نور جو حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی سے آپ کے والد ماجد کی پیشانی تک منتقل ہو کر آیا۔

اسی طرح بے شمار معجزات ہیں جن کو حاصل کرنے والوں نے حاصل کیا اور نقل کرنے والوں کی زبانوں سے نقل ہو کر آتے رہے (وہ اس قدر زیادہ ہیں کہ) اگر ہم ان کو شمار کرنے لگیں تو ان کے ذکر میں سیاہی ختم ہو جائے اور اگر پہلے اور پچھلے آپ کے مناقب کو اچھی طرح بیان کریں تو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کو عطا فرمایا اس کا احاطہ کرنے سے عاجز ہو جائیں اور ان فضائل و مناقب کے سمندر میں غوطہ زن ہونے والا آپ کے بعض قابل فخر فضائل کا شمار بھی نہ کر سکے آپ کے محبّین کیلئے یہ شعر پڑھنا صحیح ہے:

وعلی تفنن واصفیه لنعته | یفنی الزمان وفیه مالم یوصف

''آپ کے مختلف اوصاف بیان کرنے میں زمانہ ختم ہو جائے اور آپ کے اوصاف بیان نہ ہو سکیں''۔

اور یہ اشعار بھی پڑھنے کے لائق ہیں:

فما بلغت کف امری متناولا | من المجد الا والذی نال اطول

ولا بلغ المھدون فی القول مدحه ولو حذقوا الا الذی فیه افضل

''کسی آدمی کا ہاتھ بزرگی کے ایک حصے تک نہیں پہنچا مگر جس بزرگی کو حضور ﷺ نے پایا وہ بہت زیادہ ہے اور شاعری میں مہارت کے باوجود ھدیہ عقیدت پیش کرنے والے آپ کی مدح کو نہیں پہنچ سکے مگر آپ کا وہی وصف بیان کر پائے جس میں آپ افضل ہیں''۔

امام العارفین سیدی محمد وفا رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے انہوں نے کافی وشافی فرمایا:

ما شئت قل فیه فانت مصدق فالحب یقضی والمحاسن تشهد

''حضور ﷺ کے بارے میں جو تم چاہو کہو کیونکہ تم (آپ کے کمالات) کی تصدیق کرنے والے ہو' محبت کا فیصلہ ہے اور محاسن کی گواہی ہے''۔

امام الادیب امام شرف الدین بوصیری رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا:

دع ما ادعته النصاری فی نبیهم واحکم بما شئت مدحاً فیه واحتکم

وانسب الی ذاته ما شئت من شرف وانسب الی قدره ما شئت من عظم

فان فضل رسول الله لیس ما حد فیعرب عنه ناطق بفم

''نصاریٰ نے اپنے نبی کے بارے میں جو دعویٰ کیا اسے چھوڑ دو (اور اس کے علاوہ) حضور ﷺ کی شان میں جو چاہے کہو۔ اور ان کی ذات کی طرف جو بزرگی چاہو منسوب کرو' اور ان کی عظمت کی طرف جو بڑائی چاہو منسوب کرو اس لئے رسول اللہ کی افضیلت غیر محدود ہے' اس کا احاطہ کسی زبان رکھنے والے کے بس میں نہیں''۔

مطلب یہ ہے کہ آپ کی تعریف کرنے والے اگرچہ انتہاؤں کی بلندیوں کو چھونے لگیں پھر بھی وہ حسب منشاء تعریف نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی کوئی حد نہیں۔

منقول ہے کہ حضرت شیخ عمر بن فارض سعدی رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے نبی اکرم ﷺ کی تعریف کیوں نہیں کی؟

تو انہوں نے فرمایا:

اری کل مدح فی النبی مقصرا وان بالغ المثنی علیه واکثرا

اذا الله اثنی بالذی هو اهله علیه فما مقدار ما یمدح الوری

''نبی اکرم ﷺ کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے اگرچہ تعریف کرنے والا خوب مبالغہ کرے یا زیادہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وہ تعریف فرمائی جو اس کے شایان شان ہے تو مخلوق کی تعریف کی مقدار کیا ہوگی؟''

شیخ بدر الدین زرکشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے متقدمین شعراء جیسے ابو تمام' البحتری اور ابن رومی وغیرہ نبی اکرم ﷺ کی تعریف کے درپے نہیں ہوئے اور ان کے نزدیک آپ کی تعریف تک پہنچنا مشکل ترین کام

ہے اس لئے کہ معانی آپ کے مرتبہ سے نچلے درجہ میں ہیں اور اوصاف کو آپ کے وصف تک رسائی نہیں اور آپ کے حق میں جس قدر آگے بڑھیں کوتاہی ہی کوتاہی ہے پس کسی بلیغ شخص پر (آپ کی تعریف میں) میدانِ نظم میں نکلنا تنگ ہو جاتا ہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ جس قدر تعریفیں کسی شخص کی نسبت سے زائد فرض کرو گے وہ آپ کے حق میں سچی ہونگی حتیٰ کہ گویا شعراء نے آپ کی صفات پر اعتماد کیا اور آپ کی تعریفوں کا قصد کیا اور امام بوصیری رحمہ اللہ نے فرمایا: **دع ما ادعة النصاری فی نبیھم**۔ یعنی عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو معبود بنایا تو تم اس بات کو چھوڑ دو (باقی جو چاہے تعریف کرو یعنی شریعت کے خلاف نہ ہو)۔

نیشاپوری رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ عیسائیوں نے انجیل میں تعریف کی اور اس میں تھا:

عیسی نبی وانا ولدتہ۔ حضرت عیسیٰ میرے نبی ہیں اور میں نے (حضرت مریم سے بغیر باپ کے) ان کی تخلیق فرمائی۔

تو انہوں نے نبی کو بنی بنا دیا یعنی باء کو پہلے کر دیا اور ولدۃ میں لام کی تشدید (شد) ختم کر دی (تو معنیٰ ہوا حضرت عیسیٰ میرے بیٹے ہیں اور وہ مجھ سے پیدا ہوئے) تو کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

اگر تم کہو کہ کیا کسی نے ہمارے نبی ﷺ کے بارے میں بھی وہ دعویٰ کیا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اس جیسا دعویٰ کرنے لگے تھے جب انہوں نے عرض کیا کہ کیا ہم آپ کو سجدہ نہ کریں؟ آپ نے فرمایا: اگر میں کسی شخص کو حکم دیتا کہ وہ کسی انسان کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو اس عمل سے روک دیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۴۰' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۵۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۵۲_۱۸۵۳' دلائل النبوۃ ج۶ص۲۹' مسند احمد ج۴ص۳۸۱_ج۶ص۷۶' المستدرک ج۲ص۱۸۷' الترغیب والترہیب ج۳ص۵۶' الدر المنثور ج۲ص۱۵۴' السنن الکبریٰ ج۷ص۲۹۱' المعجم الکبیر ج۵ص۲۳۷' مجمع الزوائد ج۴ص۳۱۰' کشف الخفاء ج۲ ص۲۲۸' المغنی ج۲ص۵۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۷۷۳_۴۴۷۷۶_۴۴۸۰۰)

ابن ابی ہالہ کی روایت میں نبی اکرم ﷺ کے وصف کے سلسلے میں یوں آیا ہے:

ولا یقبل الثناء الا من مکافی۔ اور آپ صرف اسی سے تعریف کو قبول کرتے جو آپ کی تعریف میں مبالغہ نہ کرتا۔

یعنی آپ کی تعریف میں حد سے نہ بڑھتا۔ ابن قتیبہ نے کہا اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ شخص جس پر آپ کا کوئی احسان ہوتا تو وہ اس کا بدلہ دیتا۔

ابن انباری نے اسے غلط قرار دیتے ہوئے کہا کہ کوئی ایسا شخص نہیں جس پر حضور علیہ السلام کا انعام و اکرام نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا بس آپ کی تعریف کرنا سب پر لازم ہے اور اس کے بغیر کسی کا اسلام مکمل نہیں ہوتا وہ فرماتے ہیں: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ صرف اسی سے تعریف کو قبول فرماتے جس کی حقیقتِ اسلام سے آگاہ ہوتے۔

زمانے کے اعتبار سے معجزات کی تقسیم

جس طرح حضرت امام قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے معجزات اور واضح نشانیوں اور کرامات کو تین اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) ماضی کے معجزات یعنی آپ کے وجود مسعود سے پہلے آپ کی بزرگی اور شرافت کی وجہ سے وقوع پذیر ہوئے۔

(۲) مستقبل میں واقع ہونے والے معجزات یعنی جب آپ اپنی قبرانور میں تشریف لے گئے۔

(۳) وہ معجزات جو آپ کے ساتھ ساتھ رہے جب آپ والدہ ماجدہ کے بطن اطہر میں تھے اور جب آپ کی ولادت ہوئی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فضیلت اور وہ مقام عطا فرمایا جہاں اخلاق جمع ہوتے ہیں۔

پہلی قسم

یعنی ماضی کے معجزات وہ ہیں جو آپ کے اس (بشری) وجود کے ظہور سے پہلے واقع ہوئے ان میں سے کچھ کا ذکر مقصد اوّل میں ہو چکا ہے جس طرح ہاتھی والا واقعہ وغیرہ۔

یہ واقعات آپ کی نبوت کی تاسیس اور رسالت کی بنیاد تھے۔ حضرت امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: معجزات کا تاسیس اور مقدمہ کے طور پر مقدم ہونا جائز ہے۔ وہ فرماتے ہیں اسی لئے سیرت نگار فرماتے ہیں کہ بادل آپ پر سایہ کرتے تھے یعنی نبوت سے پہلے سفر کے دوران ایسا ہوتا تھا۔

معتزلہ (اہل سنت کے خلاف فرقہ) کہتا ہے کہ (اعلانِ) رسالت سے پہلے معجزہ کا پایا جانا جائز نہیں۔

اس مقصد (بیان) کے شروع میں یہ بات گزر چکی ہے کہ جمہور ائمہ اصول اور دوسرے لوگوں کے نزدیک اس قسم کے واقعات جو دعویٰ نبوت سے پہلے ہوں ان کو معجزہ نہیں کہا جاتا بلکہ یہ رسالت کی تاسیس اور رسول کی کرامت و اعزاز ہوتا ہے۔

دوسری قسم

یعنی وہ معجزات جو نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد وقوع پذیر ہوئے وہ بہت زیادہ ہیں کیونکہ ہر وقت آپ کی امت کے خاص لوگوں کے لئے خلافِ عادت واقعات ہوتے ہیں جس کا سبب آپ کی ذات گرامی ہے اور وہ آپ کی قدر و منزلت کی عظمت پر دلالت ہیں اور یہ بے شمار ہیں جس طرح آپ کے وسیلہ سے مدد مانگنا وغیرہ یہ بات آخری مقصد میں آپ کی قبرانور کی زیارت کے بیان میں آئے گی۔

تیسری قسم

وہ معجزات جو نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے ساتھ ساتھ رہے یعنی ولادت مبارکہ سے وفات شریف تک۔

جیسا کہ وہ نور جو آپ کے ساتھ ظاہر ہوا حتیٰ کہ اس سے شام کے محلات اور بازار روشن ہو گئے اور بصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں دیکھی گئیں اور پرندے نے آپ کی والدہ ماجدہ کے دل کو چھوا حتیٰ کہ انہوں نے آپ کی ولادت پر کوئی تکلیف

محسوس نہ کی اور آپ کو آفاق کا چکر لگوایا گیا نیز اس کے علاوہ معجزات بھی ہیں۔

نیز کفار کے مطالبہ پر آپ کا چاند کو چیر دینا' جب دو درختوں کو بلایا تو وہ آ کر باہم مل گئے' تھوڑے سے زادِ سفر سے بہت بڑے لشکر کو کھانا کھلایا اور ایسا کئی جگہ ہوا نیز سختیوں پر غلبہ پایا اور اس کے علاوہ بے شمار معجزات ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد کی اور آپ کو خلافِ عادت امور کے ذریعے کرامت و عزت بخشی یہ آپ کی حجت کے قیام کے لئے تائید' حجت کی طرف رہنمائی کی تمہید اور تمام امت میں آپ کی قیادت و سیادت کی تائید تھی۔

نیز آپ کے تشریف لے جانے کے بعد جو لوگ آئے ان میں سے جو غفلت سے باہر نکلے اس کو راہ راست پر رکھنے کا ایک ذریعہ ہے اگر ہم زیادہ تفصیل میں جائیں تو کتاب کا مقصود یعنی اختصار باقی نہیں رہے گا کیونکہ یہ بڑا وسیع میدان ہے اور مقصود کا حصول مشکل ہے لیکن میں مختصر طور پر بیان کروں گا اور اس دوران اہم جملوں کے ذریعے عظمت بیان کروں گا۔

معجزہ انشقاقِ قمر [1]

چاند کے پھٹ جانے والے معجزہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ O (القمر:۱) قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔

اس سے یہ واقعہ مراد ہے جس کی تائید اس ارشادِ خداوندی سے ہوتی ہے جو اس کے بعد ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ O (القمر:۲) اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھیں تو اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ جادو ہے جو جاری ہے۔

ظاہر یہی ہے کہ اس ''انشق'' سے مراد چاند کا پھٹ جانا ہے کیونکہ قیامت کے دن کفار یہ بات نہیں کہیں گے یعنی (سحر مستمر کے الفاظ) پس جب واضح ہوا کہ ان کا قول دنیا میں ہے تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ چاند شق ہوا اور وہ نشانی جس کے بارے میں ان کا گمان تھا کہ یہ جادو ہے اس سے یہی (چاند کا پھٹ جانا) مراد ہے اور یہ بات واضح الفاظ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آئے گی۔

یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیے کہ چاند کا پھٹ جانا ہمارے نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی کے لئے نہیں ہوا اور یہ تمام معجزات کی اصل ہے اور تمام تفسیریں اور اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ معجزہ نبی اکرم ﷺ کے لئے وقوع پذیر ہوا۔

کیونکہ جب کفارِ قریش نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کی تصدیق نہ کی تو انہوں نے آپ سے ایسی نشانی کا مطالبہ کیا جو آپ کے صدق دعویٰ کی دلیل ہو تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ عظیم نشانی عطا فرمائی کہ اس کی ایجاد انسان کے بس میں نہیں ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے جو توحید خداوندی کا دعویٰ کیا اس میں آپ سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک رب ہے۔

---

[1] (البدایۃ والنہایہ ج۶ ص۷۶)

اور وہ جن معبودوں کی پوجا کرتے ہیں وہ باطل ہیں' وہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان اور عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

خطابی کہتے ہیں چاند کا شق ہونا بہت بڑی نشانی ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات میں سے کوئی معجزہ اس کے برابر نہیں ہو سکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معجزہ آسمانوں کی دنیا میں ظاہر ہوا جو اس عالم کی طبیعتوں سے خارج ہیں جو عالم مختلف طبائع سے مرکب ہے اور یہ ان کاموں میں سے نہیں جن تک کسی حیلے کے ذریعے رسائی حاصل ہو سکے اس لئے اس کے ذریعے دلیل نبوت بہت ظاہر ہے۔

ابن عبدالبر نے کہا یہ حدیث صحابہ کرام کی بہت بڑی جماعت سے مروی ہے اسی طرح بے شمار تابعین نے بھی اسے روایت کیا ہے پھر ایک جم غفیر نے ان سے نقل کی حتیٰ کہ ہم تک پہنچ گئی اور قرآن مجید کی آیت کریمہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

''مختصر ابن حاجب کی'' شرح میں علامہ ابن سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ چاند کا شق ہونا تواتر سے ثابت ہے اور قرآن مجید میں اس کا ذکر واضح الفاظ میں ہے۔ ''صحیح بخاری و مسلم اور ان کے علاوہ'' کتب حدیث میں متعدد طرق سے حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضرت سلیمان سے وہ حضرت ابراہیم سے وہ حضرت ابو معمر اور وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں پھر فرمایا: کہ اس کے دیگر کئی مختلف طرق بھی ہیں کہ اس کے حدیث متواتر ہونے میں کوئی شک نہیں۔

صحیح روایات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے شقِ قمر کا معجزہ مروی ہے۔ ان صحابہ کرام میں حضرت انس' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عباس' حضرت علی المرتضیٰ' حضرت حذیفہ' حضرت جبیر بن مطعم' حضرت ابن عمر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

حضرت انس اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اس واقعہ کے وقت موجود نہ تھے کیونکہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں ہجرت سے تقریباً پانچ سال پہلے ہوا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اس وقت چار پانچ سال کے تھے لیکن مدینہ طیبہ میں تھے جبکہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ممکن ہے خود اس واقعہ کا مشاہدہ کیا ہو۔

''صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہلِ مکہ نے نبی اکرم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ ان کو کوئی نشانی دکھائیں تو آپ نے ان کو چاند دو ٹکڑے کر کے دکھایا حتیٰ کہ انہوں نے غارِ حراء کو چاند (کے دو ٹکڑوں) کے درمیان دیکھا (آدھا ایک طرف اور آدھا دوسری طرف تھا)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا ایک حصہ پہاڑ کے اوپر تھا جبکہ دوسرا اس سے نیچے آپ نے فرمایا گواہ رہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۳۶۔ ۳۸۶۹۔ ۳۸۷۔ ۴۸۶۴۔ ۴۸۶۵' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵' مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۷' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۴۲' الدر المنثور ج ۶ ص ۱۳۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۶۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۸۵۵' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۹۵'

تفسیر ابن کثیر ج ۷ ص ۴۴۹ المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۹۴ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۸۵ مشکل الآثار ج اص ۳۰۲-۳۰۳)

''جامع ترمذی میں'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اس آیت کریمہ: **اقتربت الساعة وانشق القمر** O (القمر:۱) قیامت قریب ہوگئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہوا ایک ٹکڑا پہاڑ سے ذرا نیچے اور دوسرا پہاڑ کے اوپر تھا۔ آپ نے فرمایا گواہ ہو جاؤ۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ' حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑوں میں بٹ گیا ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر اور دوسرا اس پہاڑ پر تھا کفار نے کہا محمد ﷺ نے ہم پر جادو کر دیا پھر انہوں نے خود کہا کہ اگر ہم پر جادو کیا ہے تو وہ سب لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے تو کفارِ قریش نے کہا ابو کبشہ کے بیٹے (حضرت محمد ﷺ) کا جادو ہے۔ راوی فرماتے ہیں: انہوں نے کہا انتظار کرو سفر پر گئے ہوئے لوگ تمہارے لئے کیا خبر لاتے ہیں کیونکہ محمد ﷺ سب لوگوں پر جادو نہیں کر سکتے؟ فرماتے ہیں: جب مسافر لوگ آئے تو انہوں نے بھی ان کو اس واقعہ کی خبر دی۔

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے (فرماتے ہیں:) مکہ مکرمہ میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے تو کفار مکہ نے کہا ابو کبشہ کے بیٹے نے تم پر جادو کر دیا ہے پس باہر سے آنے والے مسافروں سے پوچھو اگر انہوں نے بھی وہ کچھ دیکھا ہو جو تم نے دیکھا ہے تو یہ سچے ہیں اور اگر انہوں نے وہ کچھ نہیں دیکھا تو یہ جادو ہے پس انہوں نے آنے والے مسافروں سے پوچھا اور وہ ہر طرف سے آئے تھے تو انہوں نے کہا ہم نے دیکھا ہے۔

ابو نعیم نے ''الدلائل میں'' ایک ضعیف حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ مشرکین نبی اکرم ﷺ کے پاس جمع ہوئے ان میں ولید بن مغیرہ' ابو جہل' عاص بن وائل' اسود بن مطلب' نضر بن حارث اور ان جیسے دوسرے لوگ بھی تھے انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر آپ سچے ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے کر دیں آپ نے اپنے رب سے سوال کیا تو چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مختصر الفاظ میں اس طرح آیا ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں چاند شق ہوا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اگرچہ اس واقعہ کا مشاہدہ نہیں کیا جیسا کہ پہلے گزر گیا لیکن اس کے بعض طرق میں اس طرح ہے کہ انہوں نے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے لی ہے۔

''صحیح مسلم میں بواسطہ'' حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ' حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اس لفظ کے ساتھ منقول ہے کہ ان لوگوں کو دو بار شق قمر دکھایا گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۶۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۶' مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۷-۲۲۰)

اسی طرح ''مصنف عبدالرزاق میں'' حضرت معمر رضی اللہ عنہ سے دو مرتبہ کے الفاظ کے ساتھ منقول ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم حضرت شعبہ کی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت پر متفق ہیں جس میں دو ٹکڑوں کا ذکر

ہے جس طرح امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے (اس میں "فرقتین" کا لفظ ہے) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں (راء کی بجائے لام ہے یعنی) "فلقتین" ہے حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں "فانشق باثنتین" ہے (دو حصوں میں بٹ گیا)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جو روایت ابونعیم نے "الدلائل میں" نقل کی ہے اس میں ہے "فصار قمرین" (دو چاند ہو گئے)۔

حافظ ابوالفضل العراقی کی نظم سیرت میں ہے "وانشق مرتین بالاجماع" (بالاتفاق دو مرتبہ چاند شق ہوا)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے خیال میں "بالاجماع" کا تعلق "انشق" کے ساتھ ہے "مرتین" کے ساتھ نہیں کیونکہ میرے علم کے مطابق علمائے حدیث کے نزدیک حضور علیہ السلام کے زمانے میں چاند کا متعدد بار شق ہونا قطعی نہیں اور شاید "مرتین" (دو چاند) کہنے والوں کا مطلب "فرقتین" (دو ٹکڑے) ہو مختلف روایات کو صرف اسی طرح جمع کیا جا سکتا ہے۔

"صحیح بخاری میں" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ ہم اس وقت منیٰ میں تھے اور یہ قول حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس قول کے خلاف نہیں جس میں انہوں نے فرمایا: کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں ہوا۔ انہوں نے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ نبی اکرم ﷺ اس رات مکہ مکرمہ میں تھے پس ان کی مراد یہ ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ اس وقت ہوا جب صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں تھے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی۔ واللہ اعلم

معجزہ انشقاق قمر کے منکرین

بدعتیوں کی ایک جماعت نے اسی طرح اس معجزے کا انکار کیا جس طرح جمہور فلاسفہ اس کے منکر ہیں۔

ان لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ اجرام علویہ میں کھلنے اور جڑ جانے کا انتظام نہیں اسی طرح وہ شبِ معراج میں آسمانوں کے دروازے کھلنے کے بارے میں بھی کہتے ہیں اور اس کے علاوہ (دیگر) امور کے بارے میں بھی۔

ان لوگوں کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ کافر ہیں تو پہلے دین اسلام کے ثبوت پر مناظرہ کریں اگر یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے تو وہ ان دوسرے لوگوں کے ساتھ شریک ہوں گے جو مسلمان ہیں لیکن انکار کرتے ہیں اور جب مسلمان ایک معجزہ کو تسلیم کرے اور دوسرے سے انکار کرے تو اس سے تناقض لازم آتا ہے اور پھر قرآن مجید میں جو قیامت کے دن اجرام سماویہ کے پھٹنے اور جڑنے کا ذکر ہے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور جب یہ بات ثابت ہو گئی تو لازم ہوا کہ یہ واقعہ نبی اکرم ﷺ کے معجزہ کے طور پر واقع ہوا ہے۔

متقدمین نے بھی اس کا جواب دیا ہے ابو اسحاق الزجاج نے "معانی القران میں" فرمایا: کہ بعض بدعتی جو ملتِ اسلامیہ کے مخالفین کی حمایت کرتے ہیں انہوں نے چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا انکار کیا اور اس میں عقلی طور پر انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ چاند اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جس طرح تصرف کرنا چاہے کر سکتا ہے جس طرح وہ اسے

قیامت کے دن بے روشن اور فنا کر دے گا۔

بعض بے دین کہتے ہیں اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو تواتر کے ساتھ نقل ہوتی اور اس کی معرفت میں تمام لوگ شریک ہوتے' اہل مکہ کے ساتھ خاص نہ ہوتا کیونکہ یہ معجزہ محسوسات میں سے ہے اور مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے تو سب لوگ اس میں شریک ہوتے۔ حدیث غریب کو نقل کرنے کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں اسی طرح غیر معروف بات بھی نقل ہو سکتی ہے اگر اس کی کوئی اصل ہوتی تو علم ہیئت اور علم نجوم کی کتابوں میں اس کا ذکر ہوتا کیونکہ اس قسم کے عظیم الشان اور واضح واقعہ کے ترک پر وہ لوگ متفق نہیں ہو سکتے۔

خطابی وغیرہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ یہ واقعہ ان امور سے نکلا ہے جس کا انہوں نے ذکر کیا کیونکہ خاص لوگوں نے اس کا مطالبہ کیا پس یہ رات کے وقت وقوع پذیر ہوا اس لئے کہ چاند رات کو نظر آتا ہے اور رات کے وقت لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں اور گھروں میں ہوتے ہیں اور جو لوگ صحرا میں ہوں اگر وہ جاگتے بھی ہوں تو ممکن ہے وہ قصے کہانیوں میں مشغول ہوں۔

اور یہ بات (عقل سے) بعید ہے کہ وہ چاند کے مراکز کا ارادہ کریں اس کی طرف دیکھیں اور اس سے غافل نہ ہوں اور یہ بات جائز ہے کہ یہ معجزہ واقع ہوا اور اکثر لوگوں کو اس کا پتہ نہ چلا اسے تو صرف ان لوگوں نے دیکھا جنہوں نے اسے دیکھنے کی خواہش کی اور اس کے درپے ہوئے اور شاید یہ پلک جھپکنے کے برابر ہوا ہو اور اس وقت چاند کسی منزل میں ہو سکتا ہے کہ آفاق میں بعض کے لئے ظاہر ہو اور بعض کے لئے نہ ہو جس طرح کسی قوم کے لئے ظاہر ہوتا ہے اور کسی سے غائب اور جیسا کہ بعض علاقوں میں گرہن ہوتا ہے دوسرے علاقوں میں نہیں ہوتا۔

خطابی نے نبی اکرم ﷺ کے ان معجزات کے سلسلے میں عجیب اور عمدہ بات کہی ہے کہ جو حد تواتر کو اس طرح نہیں پہنچے کہ ان میں کوئی اختلاف نہ ہو جس طرح قرآن مجید میں کوئی اختلاف نہیں (انہوں نے کہا) ''ہر نبی کو معجزہ ملا جب وہ عام ہوا تو اس کے بعد اسے جھٹلانے والے عذاب میں مبتلا ہوئے جب کہ نبی اکرم ﷺ تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے پس آپ کا وہ معجزہ جسے چیلنج کیا گیا وہ عقلی تھا تو وہ اس قوم سے مختص تھا جن میں سے آپ کو مبعوث کیا گیا کیونکہ ان کو زیادہ عقل اور زیادہ سمجھ عطا کی گئی اگر اس کا ادراک عام ہوتا تو جھٹلانے والوں کو عذاب دیا جاتا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو عذاب میں مبتلا کیا گیا۔

ابن عبدالبر نے بھی اسی قسم کا جواب دیا ہے۔

تنبیہ

بعض واعظین اور قصہ گو لوگوں نے کہا کہ چاند' نبی اکرم ﷺ کے گریبان میں داخل ہوا اور آستین سے نکل گیا تو اس کی کوئی اصل نہیں جس طرح شیخ بدرالدین زرکشی نے اپنے شیخ عماد بن کثیر سے نقل کیا ہے۔

سورج کولوٹانا [1]

سورج کولوٹانے کے سلسلے میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی اور آپ کا سرانور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گود مبارک میں تھا اور انہوں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے علی! آپ نے نماز پڑھ لی ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں پڑھی' نبی اکرم ﷺ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا:

یا اللہ! یہ تیری اطاعت اور تیرے رسول ﷺ کی فرمانبرداری میں تھے پس ان پر سورج کو لوٹا دے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہوا پھر میں نے اسے غروب ہونے کے بعد طلوع ہوتے ہوئے دیکھا اور پہاڑوں اور زمین پر دھوپ ہو گئی اور یہ خیبر کے قریب مقام صہباء پر ہوا۔ (اللآلی المصنوعہ ج ۱ ص ۱۷۴' البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۸۰۔۸۱۔۸۵' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۹۶' تفسیر قرطبی ج ۱۵ ص ۱۹۷' مشکل الآثار ج ۲ ص ۹۔ ج ۴ ص ۳۸۸)

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''مشکل الحدیث میں'' نقل کیا جس طرح قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفاء میں'' ذکر کیا اور فرمایا: کہ امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ احمد بن صالح کہا کرتے تھے کہ کسی اہل علم کے لئے مناسب نہیں کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو یاد نہ کرے کیونکہ یہ علاماتِ نبوت سے ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا: کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ اگر قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اسے ''الشفاء میں'' حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ سے دوسندوں سے نقل کیا ہے تو ابن جوزی نے ''الموضوعات میں'' اسے ذکر کر کے کہا کہ یہ بلاشبہ موضوع ہے اور اس کی سند میں احمد بن داؤد ہے جو متروک الحدیث اور جھوٹا ہے جس طرح امام دارقطنی نے فرمایا اور ابن حبان نے کہا کہ یہ شخص حدیث گھڑتا ہے۔

ابن جوزی نے کہا کہ اس حدیث کو ابن شاہین نے ذکر کیا اور کہا کہ یہ حدیث باطل ہے اور یہ بھی کہا کہ اسے گھڑنے والے نے اس کی فضیلت کی صورت کو دیکھا لیکن اس کے غیر معینہ ہونے کی طرف توجہ نہیں کی کیونکہ سورج غروب ہو جانے سے عصر کی نماز قضاء ہو جاتی ہے اور اب وہ ادا کی شکل میں نہیں لوٹتی۔

ابن تیمیہ نے رافضیوں کے رد میں ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں اس حدیث کو اس کی تمام سندوں کے ساتھ نقل کرنے کے بعد اسے موضوع قرار دیا اور قاضی عیاض رحمہ اللہ پر تعجب کا اظہار کیا کہ انہوں نے اپنی جلالت شان اور علوم حدیث میں عظیم المرتبت ہوتے ہوئے بھی اس کی صحت کا وہم کرتے ہوئے خاموشی اختیار کی اسے ثابت مانتے ہوئے نقل کیا اور اس کے راویوں پر اعتماد کیا۔

ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں اور ابن جوزی نے ان کی اتباع کرتے ہوئے اسے موضوعات میں شمار کیا۔

لیکن امام طحاوی رحمہ اللہ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس کو صحیح قرار دیا اور ابن شاہین نے اسے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی روایت سے اور ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے نقل کیا۔

[1] (البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۸۰۔۲۸۶)

امام طبرانی نے اسے اپنی معجم کبیر مین سند حسن کے ساتھ نقل کیا جس طرح شیخ الاسلام ابن عراقی نے ''شرح التقریب میں'' حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے مقام صہبا میں ظہر کی نماز پڑھی پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کسی کام کے لئے بھیجا وہ واپس آئے تو نبی اکرم ﷺ عصر کی نماز پڑھ چکے تھے چنانچہ آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گود میں سر انور رکھا اور آرام فرما ہوئے انہوں نے آپ کو نہ جگایا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا چنانچہ حضور علیہ السلام نے دعا مانگی۔

''یا اللہ! تیرے بندہ علی المرتضیٰ نے اپنے آپ کو تیرے نبی ﷺ کے لئے روک رکھا تھا اس پر سورج کو لوٹا دے''۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پس سورج ظاہر ہو گیا حتیٰ کہ پہاڑوں اور زمین پر دھوپ ہو گئی' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اٹھے اور وضو کر کے عصر کی نماز پڑھی پھر سورج غروب ہو گیا اور یہ واقعہ مقام صہبا میں ہوا۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ پر غشی طاری ہو جاتی ایک دن آپ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گود میں (سر رکھے ہوئے) تھے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی آپ نے پوچھا اے علی! عصر کی نماز پڑھ چکے ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ! نہیں پڑھی۔ پس آپ نے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے سورج کو ان پر لوٹا دیا حتیٰ کہ انہوں نے نماز عصر پڑھی' حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے سورج کو غروب ہونے کے بعد طلوع ہوتے دیکھا جب اسے لوٹایا گیا حتیٰ کہ حضرت علی کرم اللہ نے نماز عصر پڑھی۔

امام طبرانی نے اس کو ''معجم اوسط میں'' بھی حسن سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے سورج کو حکم دیا تو وہ دن کی ایک ساعت میں رک گیا۔

یونس بن بکیر نے ''زیادۃ المغازی میں'' حضرت محمد ابن اسحاق سے نقل کیا جو قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ جب نبی اکرم ﷺ کو معراج کرایا گیا اور آپ نے قافلے والوں اور ان کی نشانی کے بارے میں اپنی قوم کو بتایا تو انہوں نے پوچھا وہ کب آئے گا؟ فرمایا: ''بدھ کے دن'' جب وہ دن آیا تو قریش انتظار کرنے لگے دن نکلنے لگا اور وہ نہ آئے نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگی تو آپ کے لئے دن میں ایک ساعت کا اضافہ کر دیا گیا اور سورج رک گیا۔ (الشفاء ج ۱ ص ۲۸۴)

لیکن یہ بات اس حدیث کے خلاف ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

سورج حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے علاوہ کسی پر نہیں روکا گیا یعنی جب وہ جمعہ کے دن قوم جباریں سے لڑ رہے تھے جب سورج نے پیٹھ پھیری تو آپ کو خوف ہوا کہ کہیں ہماری فراغت سے پہلے یہ غروب نہ ہو جائے اس طرح ہفتہ کا دن داخل ہو جائے گا تو اب ان سے لڑنا جائز نہ ہو گا چنانچہ آپ نے دعا فرمائی تو سورج آپ پر لوٹا دیا گیا حتیٰ کہ آپ ان کے ساتھ لڑائی سے فارغ ہوئے۔ [1]

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ حضرت یوشع علیہ السلام کے خصائص سے ہے پس یہ اس

---

[1] یہ بات صحیح نہیں کیونکہ تین روایات حسن سند کے ساتھ پہلے گزر چکی ہیں (لہٰذا اسے غیر صحیح یا غیر حسن قرار دینا غلط ہے)۔

(زرقانی ج ۵ ص ۱۱۷)

حدیث کے ضعف پر دلالت ہے جو ہم نے نقل کی کہ سورج واپس لوٹا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نماز عصر ادا کی۔

احمد بن صالح مصری نے اسے صحیح قرار دیا لیکن یہ حدیث منکر ہے (ضعیف ہے) اور اس سلسلے میں صحیح اور حسن روایت نہیں ہے اور اس حدیث کو نقل کرنے کے اسباب زیادہ ہیں اور اسے نقل کرنے والی اہل بیت کی ایک خاتون ہیں جو مجہول ہیں ان کی حالت معلوم نہیں۔[1]

دونوں قسم کی احادیث کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ میرے علاوہ صرف حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لئے سورج کو روکا گیا اور کسی کے لئے نہیں روکا گیا۔

اسی طرح ہمارے نبی اکرم ﷺ کے لئے غزوۂ خندق کے دن سورج کا رک جانا بھی ثابت ہے جب آپ کی نماز عصر رہ گئی پس سورج کا رک جانا ہمارے نبی ﷺ اور حضرت یوشع علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہوگا جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الاکمال میں'' نقل کیا اور امام طحاوی رحمہ اللہ کی ''مشکل الاثار کی'' طرف منسوب کیا امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح مسلم میں حل الغنائم کے باب میں'' حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے احادیث الرافعی کی تخریج کے ضمن میں ''باب الاذان'' میں ذکر کیا اور مغلطای نے ''الزہر الباسم میں'' نقل کیا اور ان سب نے اس کو (کسی اعتراض کے بغیر) برقرار رکھا۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں یہ بات ثابت ہے کہ واقعہ خندق میں نبی اکرم ﷺ نے عصر کی نماز غروبِ آفتاب کے بعد پڑھی تھی جیسا کہ غزوات کے بیان میں گزر چکا ہے۔[2]

امام بغوی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے بھی سورج کو روکا گیا تھا' قرآن مجید میں ہے آپ نے فرمایا:

ردوھا علی۔[3] ان کو میری طرف واپس لاؤ۔

(تفسیر بغوی ج۴ص۵۲' سورہ ص:۳۳)

اس سلسلے میں ہم پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں سورج کا ذکر نہیں پس ''الصافنات الجیاد'' عمدہ گھوڑے مراد ہوں گے۔ واللہ اعلم

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس جگہ سورج کو روکنے کے سلسلے میں اختلاف ہے پس کہا گیا کہ وہ اپنی حالت

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات بھی محل نظر ہے کیونکہ اس حدیث کو ایک جماعت نے متعدد طرق کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(زرقانی ج۵ص۱۱۷)

[2] علامہ زرقانی (شرح زرقانی ج۵ص۱۱۸) فرماتے ہیں: یہ کسی دوسرے دن کی بات ہوگی کیونکہ غزوہ خندق کئی دن رہا لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔ ۱۲ہزاروی

[3] حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے آپ ان کی طرف متوجہ تھے عصر کی نماز کا وقت چلا گیا تو اللہ تعالیٰ نے سورج واپس لوٹا دیا اور پھر آپ نے ان گھوڑوں کو ذبح کردیا کہ ان کی وجہ سے نماز میں تاخیر ہوئی تھی۔ ۱۲ہزاروی

پر چل رہا تھا کہ واپس لوٹایا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ ٹھہرایا گیا فرمایا نہیں گیا ایک قول یہ ہے کہ اس کی حرکت ورفتار کمزور ہوگئی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ تمام باتیں نبوت کے معجزات سے ہیں۔

جمادات نے نبی اکرم ﷺ کا حکم مانا

یہ جو مروی ہے کہ جمادات نے آپ کا حکم مانا اور تسبیح کے ذریعے کلام کیا اور اس کے علاوہ امور جن پر احادیث گواہ ہیں تو ان میں سے ایک واقعہ کھانے اور کنکریوں کا آپ کی مبارک ہتھیلی میں تسبیح پڑھنا ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۳۸' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۶۴)

محمد بن یحییٰ الذھلی نے ''الزہریات میں'' نقل کیا' فرماتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے خبر دی وہ فرماتے ہیں: ہم سے حضرت شعیب نے حضرت زہری سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا حضرت زہری فرماتے ہیں: ولید بن سویدان نے بنوسلیم کے ایک بوڑھے شخص کا ذکر کیا جس نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو ربذہ مقام پر پایا تھا وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے آپ فرماتے ہیں:

میں ایک دن دوپہر کے وقت (سخت گرمی میں) نکلا تو معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ اپنے خانۂ اقدس سے باہر تشریف لے گئے ہیں میں نے خادم سے آپ کے بارے میں پوچھا تو اس نے مجھے بتایا کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں ہیں میں آیا تو آپ تنہا بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے پاس کوئی دوسرا شخص نہ تھا میرا خیال ہے کہ اس وقت آپ حالتِ وحی میں تھے میں نے سلام پیش کیا تو آپ نے اس کا جواب دیا پھر فرمایا تمہیں کون لایا ہے؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کے رسول (یعنی ان کی محبت کی وجہ سے آیا ہوں)۔

آپ نے مجھے بیٹھنے کا حکم دیا تو میں آپ کے پاس بیٹھ گیا نہ میں نے آپ سے کوئی سوال کیا اور نہ آپ نے مجھے کوئی جواب دیا میں تھوڑی دیر ہی ٹھہرا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تیز تیز چلتے ہوئے حاضر ہوئے اور سلام کیا نبی اکرم ﷺ نے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا: کیسے آئے ہو؟ عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مجھے لائے ہیں (ان کی محبت میں آیا ہوں) آپ نے ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کیا آپ' نبی اکرم ﷺ کے مقابل اونچی جگہ بیٹھ گئے پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے انہوں نے بھی اسی طرح کیا پھر حضور علیہ السلام نے ان سے وہی بات فرمائی تو وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے سات یا نو یا اس کے قریب کنکریاں اپنی مٹھی میں لیں تو انہوں نے تسبیح پڑھی حتیٰ کہ ان کے رونے کی آواز آئی جس طرح کھجور کا خشک تنا (آپ کے فراق میں) رویا تھا۔ پھر وہ کنکریاں مجھے چھوڑ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دے دیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں بھی کنکریوں نے تسبیح پڑھی پھر ان سے لے کر ان کو زمین پر رکھا تو ان کی آواز بند ہوگئی اور وہ کنکریاں بن گئیں پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پکڑا دیں تو ان کی ہتھیلی میں بھی اسی طرح تسبیح پڑھی جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہتھیلی میں تسبیح کرتی تھیں پھر ان سے لے کر زمین پر رکھا تو وہ خاموش ہوگئیں اس کے بعد آپ نے وہ کنکریاں حضرت عثمان غنی کو دے دیں تو انہوں

نے ان کی ہتھیلی میں تسبیح پڑھی، جس طرح حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں تسبیح پڑھی تھی پھر ان کو پکڑ کر زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں۔ (تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۰۸، الشفاء ج ۱ ص ۳۰۶)

حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کنکریوں کا تسبیح پڑھنا زبانوں پر مشہور ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے سات کنکریاں پکڑیں تو انہوں نے آپ کے دست مبارک میں تسبیح پڑھی حتیٰ کہ ان سے رونے کی آواز سنائی دی پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رکھ دیں تو انہوں نے تسبیح کی پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رکھیں تو وہ تسبیح کہنے لگیں پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیں تو انہوں نے تسبیح کہی۔

اس حدیث کو امام بزار نے اور امام طبرانی نے ''اوسط میں'' ذکر کیا ہے۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ جو لوگ وہاں مجلس میں موجود تھے انہوں نے کنکریوں کی تسبیح کو سنا پھر ہمیں عطا فرمائیں تو انہوں نے ہم میں سے کسی کے پاس تسبیح نہیں پڑھی۔

امام بیہقی نے ''الدلائل میں'' فرمایا: کہ صالح بن ابی الاخضر نے اسی طرح روایت کیا لیکن وہ حافظ نہیں وہ حضرت زہری سے وہ سوید بن یزید سلمی سے وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۶۵)

اور جو محفوظ ہے وہ حضرت شعیب کی روایت ہے وہ حضرت ابوحمزہ سے اور وہ حضرت زہری سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ولید بن سوید نے ذکر کیا کہ بنو سلیم کا ایک شخص جو بوڑھا تھا (آگے وہی بات ہے)۔

کنکریوں کی تسبیح کے سلسلے میں حدیث کی یہی ایک سند ہے اور یہ ضعیف ہے لیکن یہ حدیث لوگوں میں مشہور ہے۔

حضرت سید محمد وفا رحمہ اللہ نے کیا اچھی بات کہی ہے:

لسبحة ذاک الوجه قد سبح الحصا   ومن سح سحب الکف قد سبح الرعد

''اس نورانی چہرے کی وجہ سے کنکریوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کی اور آپ کی عطاء کے بادلوں کی وجہ سے کڑک نے تسبیح کی''۔

ایک دوسرے شاعر نے کہا:

یا حبذا لو لثمت کفا   قد سبحت و سطها الحصاء

''کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں اس ہاتھ کو بوسہ دیتا جس کے اندر کنکریوں نے تسبیح پڑھی ہے''۔

کھانے کی تسبیح

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: ہم، نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ کھانا کھا رہے تھے اور ہم کھانے کی تسبیح سن رہے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷۹، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۳، سنن دارمی رقم الحدیث: ۵، مسند احمد ج ۱ ص ۴۶۰، الشفاء ج ۱ ص ۳۰۶، التمہید ج ۱ ص ۲۰۹، البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۱۰۱)

حضرت جعفر بن محمد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ علیل ہو گئے تو حضرت جبریل علیہ السلام ایک تھال لے کر آئے جس میں انار اور انگور تھے آپ نے اس سے تناول فرمایا تو اس نے تسبیح کہی۔

(الشفاء ج ۱ ص ۳۰۷)

یہ روایت حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفاء میں'' نقل کی ہے اور ان سے ابوالفضل ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ''فتح الباری میں'' نقل فرمائی ہے۔

تسبیح ایسے الفاظ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی پر دلالت کرتے ہیں اور الفاظ حقیقتاً اس سے پائے جاتے ہیں جس کے ساتھ لفظ قائم ہوتا ہے اور جس کے ساتھ قائم نہ ہو وہاں مجازی طور پر پائے جاتے ہیں۔

پس کھانا' کنکری اور درخت اسی طرح ہیں اور یہ سب اسی اعتبار سے متکلم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں کلام کی طاقت پیدا فرمائی۔ اور یہ خلاف عادت ہے (یعنی آپ ﷺ کا معجزہ ہے) اور صحابی کا یہ فرمانا کہ ہم تسبیح سن رہے تھے اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس تسبیح کو سننے اور سمجھنے کے ذریعے صحابہ کرام کو عزت واکرام حاصل ہوا اور یہ نبی اکرم ﷺ کی برکت تھی۔

پتھر کا سلام کرنا [1]

نبی اکرم ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ پتھر نے آپ کو سلام کیا' رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

انی لا عرف حجرا بمکۃ کان یسلم علی قبل ان ابعث انی لاعرفہ الان۔ [2]

میں اس پتھر کو جانتا ہوں جو اعلانِ نبوت سے پہلے مکہ مکرمہ میں مجھے سلام کرتا تھا میں اب بھی اس کو پہچانتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۸۲' سنن دارمی ج ۱ ص ۱۲' مسند احمد ج ۵ ص ۸۹۔۹۵' الشفاء ج ۱ ص ۳۰۷' المعجم الکبیر ج ۲ ص ۲۵۷' المعجم الصغیر ج ۱ ص ۶۲' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۱۵۳' السیرۃ لابن ہشام ج ۱ ص ۲۵۲۔۲۵۳' طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۵۷' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۸۵۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۹۲' تاریخ دمشق ج ۲ ص ۸۴' دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۱۴۲' شرح السنہ ج ۱۳ ص ۷۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۰۰۰)

اس پتھر کے بارے میں اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ یہ حجر اسود ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ کوئی دوسرا پتھر تھا جو راستے میں تھا اور لوگ اس کو چھو کر برکت حاصل کرتے تھے اور کہتے تھے یہی وہ پتھر ہے جو نبی اکرم ﷺ کو سلام کرتا تھا جب آپ وہاں سے گزرتے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن رشید نے اپنے (چھ جلدوں پر مشتمل) سفرنامہ مسمّٰی ''ملءُ العیبہ'' میں ذکر کیا جو ''شفاء الغرام فی تاریخ البلد الحرام'' سے نقل کیا گیا' علم الدین احمد بن ابوبکر بن خلیل فرماتے ہیں: مجھے میرے چچا حضرت سلیمان نے خبر دی

---

[1] (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۶۹)

[2] ۔ یہ پتھر ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ'' پڑھتا تھا۔ (زرقانی ج ۵ ص ۱۲۲)

وہ فرماتے ہیں: مجھے محمد بن اسماعیل بن ابو الصیف نے خبر دی وہ فرماتے ہیں مجھے ابوحفص المیانشی نے خبر دی وہ فرماتے ہیں مجھے ہر اس شخص نے خبر دی جس سے مکہ مکرمہ میں میری ملاقات ہوئی کہ یہ (مذکورہ) پتھر وہی ہے جو نبی اکرم ﷺ سے کلام کرتا تھا۔ [1]

امام ترمذی، دارمی اور حاکم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور (امام حاکم نے) اسے صحیح قرار دیا وہ فرماتے ہیں میں مکہ مکرمہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ چلتا تھا ہم ایک طرف کو نکل گئے تو جو درخت اور پتھر آپ کے سامنے آیا اس نے کہا۔ "السلام علیک یارسول اللہ"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس رسالت (اللہ تعالیٰ کا پیغام) لے کر آئے تو میری حالت یہ ہوگئی کہ میں جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتا وہ "السلام علیک یارسول اللہ" کہتا اس حدیث کو امام بزار اور ابونعیم نے روایت کیا ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۹۲، دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۶۹)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کسی پتھر یا درخت کے پاس سے نہ گزرتے مگر وہ آپ کو سجدہ کرتا۔ (الشفاء ج ۱ ص ۳۰۷، دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۶۹)

اسی سے ہے کہ دروازے کی چوکھٹ اور مکان کی دیواروں نے آپ کی دعا پر آمین کہا۔

حضرت ابو اُسید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے ابوالفضل! کل صبح جب تک میں تم لوگوں کے پاس نہ آجاؤں آپ اور آپ کے بیٹے اپنے گھر کا ارادہ نہ کریں مجھے تم لوگوں سے ایک کام ہے چنانچہ وہ لوگ منتظر رہے حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ چاشت کے بعد تشریف لائے، ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا السلام علیکم انہوں نے جواب دیا "وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔

آپ نے پوچھا تم نے صبح کیسے کی؟ عرض کیا الحمدللہ! اچھی طرح کی، آپ نے فرمایا: ایک دوسرے کے قریب ہو جاؤ چنانچہ وہ ایک دوسرے کے قریب ہو گئے یہاں تک کہ آپ نے ان پر اپنی چادر ڈال دی اور عرض کیا اے میرے رب! یہ میرے چچا اور میرے باپ کی مثل ہیں اور یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں ان کو جہنم سے اس طرح پردے میں کر دے جس طرح میں نے ان کو اس چادر میں ڈھانپ دیا ہے۔ آپ کی اس دعا پر دروازے، چوکھٹ اور گھر کی دیواروں نے تین بار آمین کہی۔ (المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۲۶۳، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۹۳، تاریخ ابن عساکر ج ۷ ص ۲۳۹، البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۱۴۰)

اس حدیث کو امام بیہقی نے "الدلائل میں"، اور ابن ماجہ نے بھی مختصر طور پر نقل کیا ہے۔

یہ بھی آپ کا معجزہ ہے کہ آپ نے پہاڑ سے اور پہاڑ نے آپ سے کلام کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں ابن رشید کے کلام میں یہ بھی ہے کہ یہ پتھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان کے مقابل دیوار میں تھا جو سوق اللیل میں واقع تھی۔ (زرقانی ج ۵ ص ۱۲۳)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم جبل احد پر تشریف لے گئے تو پہاڑ پر لرزہ طاری ہو گیا نبی اکرم ﷺ نے اس پر اپنا پاؤں مار
اور فرمایا احد ٹھہر جا بے شک تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۶۸۶ صحیح مسلم رقم
الحدیث:۸۱۔۸۲۔۲۵۵ مسند احمد ج ۲ص ۳۳۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۶۵۱ المعجم الکبیر ج ۱ص ۴ مجمع الزوائد ج ۹ص ۵۵ تاریخ الکبیر
ج ۲ص ۲۔۱۷۸ کنز العمال رقم الحدیث:۳۲۶۷۰۔۳۶۱۱۷۹۔۳۶۳۲۸ جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۶۹۷)

ابن منیر نے کہا اس میں حکمت یہ تھی کہ جب پہاڑ پر لرزہ طاری ہوا تو رسول اکرم ﷺ نے اس بات کو واضح کرنے
کا ارادہ فرمایا کہ پہاڑ کی یہ حرکت اس جنس سے نہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لئے تھی جب انہوں نے کلام میں
تبدیلی کی وہ غضب کے طور پر حرکت تھی اور یہ خوشی کے ساتھ پہاڑ کا جھومنا تھا اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے مقام نبوت
مقام صدیقیت اور مقام شہادت کو واضح الفاظ میں ذکر فرمایا جس سے خوشی حاصل ہوتی ہے کپکپاہٹ نہیں پس پہاڑ اس
کلام سے ٹھہر گیا۔

احد ایک پہاڑ ہے جو مدینہ طیبہ کے قریب ہے اور نبی اکرم ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا:

احد جبل یحبنا و نحبہ. احد ایک ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم
اس سے محبت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی مراد میں اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ اس سے اہلِ مدینہ مراد ہیں۔ جس طرح ارشاد خداوندی ہے:

واسئل القریۃ. بستی سے (یعنی بستی والوں سے) پوچھو۔

یہ بات خطابی نے کہی ہے اور امام بغوی نے فرمایا جسے منذری نے نقل کیا کہ اسے ظاہر پر جاری کرنا ہی زیادہ بہتر
ہے اور جمادات کا انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے محبت کرنا ایسی بات نہیں جس کا انکار کیا جائے۔ اسی طرح جمادات
عبادت گزار لوگوں سے بھی محبت کرتے ہیں۔

جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کی جدائی پر کھجور کا تنا رویا حتیٰ کہ صحابہ کرام نے اس کا رونا سنا اور اسے خاموش کرایا اور جیسے
کہ وحی سے پہلے آپ کو پتھر سلام کرتا تھا لہٰذا اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ احد پہاڑ اور مدینہ طیبہ کے تمام اجزاء
آپ سے محبت کرتے اور آپ کے فراق پر روتے تھے۔ حافظ منذری فرماتے ہیں امام بغوی کا یہ قول بہت عمدہ ہے۔

حضرت ثمامہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں کوہ ثبیر
پر تھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق اور میں بھی تھا کہ پہاڑ میں حرکت پیدا ہوئی حتیٰ کہ اس
کے پتھر دامنِ کوہ میں گرنے لگے۔ آپ نے اس پر پاؤں سے ٹھوکر ماری اور فرمایا اے ثبیر! ٹھہر جاؤ تم پر ایک نبی ایک
صدیق اور دو شہید ہیں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۷۰۳ سنن نسائی ج ۶ص ۲۳۶ کنز العمال رقم الحدیث:۳۲۶۶۹۔۳۳۰۹۹۔۳۶۲۸۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق حضرت
عثمان غنی حضرت علی المرتضیٰ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم حراء کے اوپر تھے کہ چٹان میں حرکت پیدا ہوئی تو

اکرم ﷺ نے فرمایا اے حراء! ٹھہر جا تجھ پر نبی یا صدیق یا شہید ہے۔

(مسند احمد ج ا ص ۵۹' سنن الکبریٰ ج ۶ ص ۱۶۷' سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۹۸' تاریخ الکبیر ج ۸ ص ۱۰۵' تہذیب تاریخ دمشق ج ۵ ص ۶۳ ۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۹۳' البدایۃ والنہایہ ج ۷ ص ۳۷۰)

ایک روایت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے۔

امام ترمذی نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں اس حدیث کو ذکر کیا لیکن انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا اور ''اسکن'' (ٹھہر جا کی جگہ) ''اهدأ'' ہے (معنی وہی ہے)۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ہی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا اور فرمایا: کہ پہاڑ پر عشرہ مبشرہ [1] سب موجود تھے البتہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نہ تھے اور حضور علیہ السلام نے فرمایا: ''اثبت'' (اے پہاڑ ٹھہر جا)۔

(ابوالحسن علی بن الحسین الموصلی) الخلعی رحمہ اللہ نے ان سے اس کی مثل روایت کیا لیکن حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا۔ اسحاق بغدادی نے بھی اس میں جس میں بڑوں نے چھوٹوں سے اور باپوں نے اولاد سے روایت کیا' اسے روایت کیا ہے (یعنی وہ کتاب جس میں بڑے چھوٹوں سے روایت کرتے ہیں)۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ومال حراء من تحته فرحا به لولا مقال "اسکن" تضعضع وانقضا

''اور آپ کے نیچے حراء خوشی کی وجہ سے جھکنے لگا اور اگر آپ ''ٹھہر جا'' کا لفظ نہ فرماتے تو وہ گر جاتا اور اس کے آثار مٹ جاتے۔

حراء (جبل نور) اور ثبیر مکہ مکرمہ میں دو پہاڑ ہیں جو ایک دوسرے کے مدمقابل ہیں۔

روایات کا اختلاف اس وجہ سے ہے کہ یہ مختلف واقعات ہیں جو تکرار کے ساتھ وقوع پذیر ہوئے۔ طبری وغیرہ نے یہ بات کہی ہے۔

لیکن ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس بات کو صحیح قرار دیا کہ احد پہاڑ ہی مراد ہے اور اگر ان کا مخرج ایک نہ ہوتا تو واقعات کا تعدد ہو سکتا تھا۔ پھر میرے لئے ظاہر ہوا اس میں حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی وجہ سے اختلاف ہے میں نے حارث بن ابی اسامہ کی مسند میں حضرت روح بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے پایا وہ فرماتے ہیں: اس میں احد یا حراء کا ذکر شک کی وجہ سے ہے۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے لفظ حراء کے ساتھ نقل کیا اور اس کی سند صحیح ہے۔

[1] نبی اکرم ﷺ نے دس صحابہ کرام کو جنت کی خوشخبری دی ان کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں: حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان غنی' حضرت علی المرتضیٰ' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت سعید بن زید اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۶)

ابو یعلٰی نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے "احد" کے ذکر سے ہی روایت کیا اور اس کی سند صحیح ہے پس متعد
واقعات کا احتمال قوی ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایسی روایت نقل کی ہے جو اس واقعہ کے تعدد کی تائید کرتی ہے او
انہوں نے ذکر کیا کہ آپ حراء پر تھے اور آپ کے ہمراہ مذکورہ بالا صحابہ کرام بھی تھے انہوں نے ان کے علاوہ کا بھی اضافہ کیا۔

جب قریش نے آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تو ثبیر پہاڑ نے کہا یا رسول اللہ اتر جائیے مجھے ڈر ہے کہ وہ آپ ک
میرے اوپر شہید کر دیں تو اللہ تعالیٰ مجھے عذاب دے گا' حراء نے کہا یا رسول اللہ! مجھ پر تشریف لائیں۔

یہ بات (قاضی عیاض رحمہ اللہ نے) "الشفاء میں" ذکر کی ہے اور سیرت نبوی کے ضمن میں ہجرت کے سلسلے میں ی
حدیث مروی ہے کہ حراء پہاڑ' ثبیر کے مقابل ہے اور دونوں کے درمیان وادی ہے' آدمی منیٰ کی طرف جائے تو ثبیر بائی
طرف ہے اور حراء ثبیر سے پہلے سورج کی شمالی جانب ہے۔

اور یہ واقعہ اس واقعہ کے علاوہ ہے جو ہجرت کے موقع پر غار ثور سے متعلق ہے اور یہی بات ظاہر ہے۔ واللہ اعلم

امام سہیلی رحمہ اللہ ہجرت سے متعلق حدیث کے سلسلے میں فرماتے ہیں میرا خیال ہے کہ حدیث میں اس بات کا ذ
بھی ہے کہ جبل ثور نے بھی آپ کو آواز دی جب ثبیر پہاڑ نے کہا آپ اتر جائیے۔

درخت کا کلام کرنا

درخت کا آپ سے کلام کرنا' سلام پیش کرنا' آپ کی فرمانبرداری کرنا اور آپ کی رسالت کی شہادت دینا بھی ا
سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج۶ ص۱۲۸' دلائل النبوۃ ج۶ ص۶۹)

امام بزار اور ابو نعیم رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا آپ فرماتی ہیں: کہ رسول اکر
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میری طرف وحی بھیجی گئی تو اس کے بعد میں جس پتھر اور درخت کے پاس سے گزرتا وہ کہتا "السلا
علیک یا رسول اللہ"۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو سفیان طلحہ بن نافع سے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ک
فرماتے ہیں: ایک دن حضرت جبریل علیہ السلام' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ غمگین بیٹھے ہو
تھے اور خون میں لت پت تھے بعض اہل مکہ نے آپ کو مارا تھا حضرت جبریل علیہ السلام نے پوچھا آپ کو کیا ہوا ہے
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان لوگوں نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کیا آ
چاہتے ہیں کہ میں آپ کو کوئی نشانی دکھاؤں؟ آپ نے فرمایا: ہاں!' راوی فرماتے ہیں: حضرت جبریل علیہ السلام ۔
وادی کے پیچھے ایک درخت کو دیکھا اور فرمایا: اس درخت کو بلایئے آپ نے بلایا تو وہ چلتا ہوا آیا حتیٰ کہ آپ کے سا
کھڑا ہو گیا حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اسے حکم دیجئے کہ اپنی جگہ چلا جائے آپ نے حکم دیا تو وہ واپس ا
جگہ چلا گیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے کافی ہے مجھے کافی ہے۔

اس حدیث کو امام دارمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

(سنن دارمی ج۱ص۱۳' اتحاف السادۃ المتقین ج۷ص۱۸۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ص۴۷۸)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں' نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں تھا پس ہم اس کے کسی کنارے کی طرف نکل کھڑے ہوئے تو جو پہاڑ اور درخت آپ کے سامنے آیا اس نے یوں کہا ''السلام علیک یارسول اللہ'' (اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو)۔

حضرت امام حاکم رحمہ اللہ نے ''اپنی مستدرک میں'' جید سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: ہم ایک سفر میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے کہ ایک اعرابی سامنے آیا جب وہ قریب پہنچا تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے عرض کیا اپنے گھر والوں کی طرف جارہا ہوں آپ نے فرمایا: تجھے بھلائی کی ضرورت ہے؟ اس نے کہا وہ کیا ہے؟ فرمایا: تم گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اس نے کہا جو کچھ آپ فرمارہے ہیں اس پر کوئی گواہ ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ درخت ہے پھر آپ نے اس کو بلایا وہ وادی کے کنارے پر تھا وہ زمین کو پھاڑتا ہوا آیا اور آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا آپ نے اس سے تین مرتبہ گواہی طلب کی تو اس نے گواہی دی پھر اپنے اُگنے کی جگہ پر چلا گیا۔ امام دارمی نے بھی اس کی مثل روایت کیا ہے۔ (المعجم الکبیر ج۱۲ص۴۳۲' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۲۱۱۰' تفسیر ابن کثیر ج۱ص۴۳' تفسیر قرطبی ج۱۹ص۵' البدایۃ والنہایہ ج۶ص۱۳۰)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ ایک اعرابی نے نبی اکرم ﷺ سے نشانی کا سوال کیا تو آپ نے اس سے فرمایا: اس درخت سے کہو کہ تمہیں رسول اللہ ﷺ بلاتے ہیں راوی فرماتے ہیں: درخت دائیں بائیں جھکا پھر سامنے اور پیچھے کی طرف جھکا تو اس کی جڑیں کٹ گئیں اور وہ زمین کو پھاڑتا ہوا اس طرح آیا کہ اس کی جڑیں تیز تیز چل رہی تھیں حتیٰ کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا اور کہا ''السلام علیک یارسول اللہ''۔

اعرابی نے کہا اسے حکم دیں کہ واپس اپنی جگہ چلا جائے چنانچہ وہ واپس چلا گیا اور اس کی جڑیں اسی جگہ جڑ گئیں اور وہ ٹھہر گیا اعرابی نے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو سجدہ کروں آپ نے فرمایا: اگر میں کسی ایک کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

اس حدیث کو امام بزار رحمۃ اللہ نے نقل کیا اور ''شفاء شریف میں بھی'' اسے ذکر کیا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ ایک اعرابی نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور اس نے کہا میں کس بات کے ذریعے پہچان حاصل کروں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر میں اس درخت کی شاخ کو بلاؤں تو کیا تم گواہی دو گے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اس نے کہا ''جی ہاں'' پس رسول اکرم ﷺ نے اس کو بلایا تو اس نے درخت سے اترنا شروع کر دیا حتیٰ کہ بارگاہ نبوی میں آ گری پھر فرمایا: واپس چلی جا تو وہ لوٹ گئی پس اس اعرابی نے اسلام قبول کر لیا۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۹۲۶' المعجم الکبیر ج۱۲ص۱۱۰' تاریخ الکبیر ج۳ص۳' اتحاف السادۃ المتقین ج۷ص۱۸۲)

حضرت یعلیٰ بن مرۃ ثقفی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے فرماتے ہیں: پھر ہم چلے حتیٰ کہ ایک منزل میں اترے تو نبی اکرم ﷺ آرام فرما ہو گئے پس ایک درخت زمین کو پھاڑتا ہوا آیا اور اس نے آپ کو ڈھانپ لیا پھر وہ اپنی جگہ لوٹ گیا جب آپ بیدار ہوئے تو آپ سے ذکر کیا گیا آپ نے فرمایا اس درخت نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ مجھے سلام کرے پس اسے اجازت دی گئی۔ اس حدیث کو امام بغوی نے شرح السنہ میں نقل کیا۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۷۳، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۶، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۹۲۲، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۹۳، دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۱۳۹، البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۱۴۵)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے فرماتے ہیں: کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ چلے حتیٰ کہ ایک وسیع وادی میں اترے آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو میں آپ کے ساتھ پانی کا برتن لے کر گیا آپ نے دیکھا تو کوئی چیز نظر نہ آئی جس سے پردہ فرماتے تو وادی کے کنارے پر دو درخت دیکھے رسول اکرم ﷺ ان میں سے ایک کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی ایک شاخ کو پکڑ کر فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکم سے میرے سامنے جھک جا تو وہ اس اونٹ کی طرح جھک گیا اور مطیع ہو گیا جس (اونٹ) کے ناک میں لکڑی ڈال کر مطیع بنایا جاتا ہے اور وہ اپنے قائد کے پیچھے چلتا ہے پھر دوسرے درخت کے ساتھ اسی طرح کیا حتیٰ کہ جب دونوں کے درمیان والے مقام پر تشریف لائے تو فرمایا اللہ تعالیٰ کے اذن سے میرے لئے جڑ جاؤ پس وہ جڑ گئے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۴، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۹۴، الشفاء ج ۱ ص ۲۹۹، دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۸، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۸، دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۱۳۹، تمہید ابن عبدالبر ج ۱ ص ۲۲۲، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۸۲، البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۹۸، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۸۸۵)

اللہ تعالیٰ حضرت امام بوصیری رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے انہوں نے کیا خوب فرمایا:

جاءت لدعوتہ الاشجار ساجدۃ — تمشی الیہ علی ساق بلا قدم

کانما سطرت سطرا لما کتبت — فروعھا من بدیع الخط فی اللقم

''آپ کے بلانے پر درخت سجدہ ریز ہو کر حاضر ہوئے وہ ایسی پنڈلی پر چل کر آپ کے پاس آئے جس کے پاؤں نہیں تھے۔ گویا ان درختوں کی شاخوں نے جن کو حضور علیہ السلام نے طلب کیا تھا اپنے راستے میں خوش نما لکیریں پیدا کر دی تھیں''۔

یوں سمجھنا چاہیے کہ وہ درخت (اطاعت و انقیاد کی) سیدھی سطریں لکھتے تھے۔ تو درختوں کے چلنے کے آثار کو کاتب کی کتابت سے تشبیہ دی جیسے وہ منظوم سطروں میں معلوم نسبت پر رکھتا ہے۔

تو جب درخت آپ کے حکم کی تعمیل میں جلدی کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ جھکتے ہوئے آپ کے سامنے حاضر ہو جاتے ہیں تو ہم پر زیادہ لازم ہے کہ ہم آپ کی دعوت اور ارشادات کی تعمیل میں جلدی کریں اللہ تعالیٰ آپ کے شرف کو مزید بڑھائے۔

اور (سطور بالا میں مذکور حدیث میں) اعرابی کے قول پر غور کیجئے کہ اس نے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو سجدہ

کروں اس نے اس وقت یہ بات کہی جب درخت کو دیکھا کہ اس نے آپ کو سجدہ کیا تو اس نے آپ کو سجدہ کے زیادہ لائق سمجھا حتیٰ کہ آپ نے اس کو بتایا کہ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے پس ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ معبود برحق کے لئے سجدہ ریزی کو اپنے اوپر لازم کرے اور بندگی کی پنڈلی پر کھڑا ہو جائے۔ اگرچہ اس کے قدم نہ ہوں جس طرح درخت کھڑا ہوا۔

کھجور کے تنے کا رونا

اسی سے کھجور کے خشک تنے کا رونا (حنین) ہے جو آپ ﷺ کے شوق میں رویا تھا۔

(البدایۃ والنہایہ ج ٦ ص ١٣١، دلائل النبوۃ ج ٦ ص ٦٤)

لفظ ''حنین'' مصدر ہے جو فاعل کی طرف مضاف ہے ''حنین الجذع'' (حنین مضاف اور جذع جو فاعل ہے مضاف الیہ ہے) اس سے مراد شوق اور نبی اکرم ﷺ کی طرف اس کا متوجہ ہونا ہے اور جن احادیث میں ''صوت'' (آواز) کا ذکر ہے تو شاید اس سے شوق پر دلالت مراد ہو یعنی وہ آواز جو اس بات پر دلالت کرتی تھی کہ وہ نبی اکرم ﷺ کا شوق رکھتا ہے۔

''الجذع'' جذوع النخل کا واحد ہے۔

تنے کا آپ کے شوق میں رونا اور آواز نکالنا متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعدد طرق سے مروی ہے جو اس واقعہ کی قطعیت پر دلالت ہے۔ علامہ تاج الدین ابن السبکی مختصر ابن حاجب کی شرح میں فرماتے ہیں میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ تنے کا آپ کے شوق میں رونا متواتر حدیث سے ثابت ہے۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے بواسطہ حضرت نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو جناب کی روایت سے نقل کیا وہ اپنے والد سے اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

ابن ماجہ اور ابو یعلیٰ موصلی وغیرہ نے حضرت حماد بن سلمہ کی روایت سے نقل کیا وہ حضرت ثابت سے اور وہ حضرت انس (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں اور اس کی سند مسلم کی شرط پر ہے۔

امام ترمذی نے اسے روایت کر کے صحیح قرار دیا اور ابو یعلیٰ، ابن خزیمہ اور طبرانی نے بھی اسے روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور فرمایا یہ مسلم کی شرط پر ہے اس سے لازم آتا ہے کہ انہوں نے اسے اسحاق بن عبد اللہ بن ابو طلحہ کی روایت سے نقل کیا اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

امام طبرانی نے اسے حضرت حسن سے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

امام احمد نے ابن منیع اور طبرانی وغیرہ نے حضرت حماد بن ابی سلمہ سے انہوں نے حضرت عمار بن ابی عامر سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔

امام احمد اور دارمی نے نیز ابو یعلیٰ اور ابن ماجہ وغیرہ نے طفیل بن ابی بن کعب سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا۔

امام دارمی نے حضرت ابوحازم کی حدیث سے نقل کیا وہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

ابومحمد الجوہری نے عبدالعزیز بن ابی رواد سے انہوں نے نافع سے اور انہوں نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ پھر انہوں (ابن السبکی رحمہ اللہ) نے فرمایا: میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ جو متعدد طرق میں نے شمار کئے ہیں ان کی وجہ سے تواتر ثابت ہوا بلکہ دوسرے کئی طرق بھی ہیں جن کو ایک محدث مسانید اور اجزاء (کتب حدیث کی اقسام ہیں) وغیرہ سے حاصل کرسکتا ہے اور میں نے جو کچھ پایا وہ سب ان میں سے کچھ کا ذکر کردیا اور کئی مرتبہ ایک حدیث کسی قوم کے نزدیک متواتر ہوتی ہے لیکن دوسروں کے نزدیک متواتر نہیں ہوتی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''فتح الباری میں'' فرمایا: تنے کا رونا اور چاند کے دو ٹکڑے ہونا دونوں معجزے اس انداز میں منتقل ہوئے کہ یہ خبر مستفیض ہیں اور جو شخص حدیث کے طرق پر مطلع ہے وہ جانتا ہے کہ اس سے قطعی علم حاصل ہوتا ہے لیکن جن کو حدیث میں کوئی مہارت نہیں وہ نہیں جانتے۔ واللہ اعلم

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تنے کا رونا' ظاہری امور میں سے ہے جسے بعد والوں نے پہلوں سے نقل کیا۔

یہ بہت بڑی نشانی اور معجزہ ہے جو ہمارے نبی کریم ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتا ہے۔

ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب ''مناقب میں'' حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ہمارے نبی ﷺ کو عطا کیا ہے وہ کسی دوسرے نبی کو عطا نہیں کیا گیا آپ سے عرض کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ دیا گیا تو انہوں نے فرمایا حضرت محمد ﷺ کو خشک تنے کے رونے کی صورت میں معجزہ دیا گیا حتیٰ کہ اس کی آواز سنی گئی اور یہ اس سے بھی بڑا معجزہ ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خشک تنے کا رونا مشہور اور زبان زدِ عام ہے اور اس سے متعلق حدیث خبر متواتر ہے' صحیح احادیث نقل کرنے والوں نے اسے نقل کیا اور دس سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے نقل کیا۔

ان میں حضرت ابی بن کعب' حضرت جابر بن عبداللہ' حضرت انس بن مالک' حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت سہل بن سعد' حضرت ابوسعید خدری' حضرت بریدہ' حضرت ام سلمہ اور حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے طفیل بن ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کھجور کے ایک تنے کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے اور اس وقت مسجد کھجور سے بنائی گئی تھی اور آپ اسی تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے آپ کے ایک صحابی نے عرض کیا کیا آپ کے لئے منبر نہ بنالیں کہ جمعہ کے دن آپ اس پر کھڑے ہوں اور لوگ آپ کا خطبہ سنیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں ٹھیک ہے تو تین درجوں والا منبر بنایا گیا اور یہی درجے اس پر تھے (بعد میں اضافہ ہوا) جب منبر بن گیا تو رسول اکرم ﷺ نے اسے اسی جگہ رکھا جہاں اب ہے جب آپ نے خطبہ دینے کا آغاز کیا تو اسی خشک تنے کے پاس سے گزرے جس کے پاس پہلے خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے تو وہ گر کر پھٹ گیا پس رسول اکرم ﷺ اس تنے کی آواز سن کے اترے اور اس پر اپنا دست

مبارک پھیرا پھر منبر شریف پر تشریف لے گئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے کئی طرق سے نقل کیا ان کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جمعۃ المبارک کے دن نبی اکرم ﷺ ایک درخت یا کھجور (کے تنے) کے ساتھ کھڑے ہوئے انصار کی ایک عورت یا انصار کے ایک مرد نے عرض کیا کیا ہم آپ کے لئے منبر نہ بنا دیں؟ آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو ٹھیک ہے چنانچہ انہوں نے آپ کے لئے منبر بنایا جب جمعۃ المبارک کا دن ہوا تو آپ منبر پر تشریف لے گئے کھجور کا تنا چیخ اٹھا پس حضور علیہ السلام اترے اور اسے اپنے ساتھ ملایا وہ اس بچے کی طرح رونے لگا جس کو تسلی دی جاتی ہے آپ نے فرمایا: یہ اس ذکر کی وجہ سے رو رہا ہے جو اس کے پاس ہوتا تھا اور یہ اسے سنتا تھا۔[1] (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۸۳_۳۵۸۴_۳۵۸۵' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۱۴' الشفاء ج ۱ ص ۳۰۳' سنن دارمی ج ۱ ص ۱۵' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۵۵۶_۵۵۸)

ایک روایت میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا (ان دنوں) مسجد نبوی کی چھت کھجور کی شاخوں سے ڈالی گئی تھی نبی اکرم ﷺ ان میں سے ایک تنے کے پاس خطبہ دیتے تھے جب آپ کے لئے منبر بنایا گیا تو ہم نے اس تنے سے ایسی آواز سنی جیسی آواز دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکالتی ہے۔

حضرت ابوالزبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو کچھ روایت کیا ہے وہ امام نسائی کے نزدیک ''الکبریٰ میں'' اس طرح ہے (امام نسائی کی السنن الکبریٰ مراد ہے اور آپ کی تصنیف السنن الصغریٰ وہ ہے جو صحاح ستہ میں سنن نسائی کے نام سے مشہور ہے)۔

اس کتاب میں ہے کہ وہ ستون اس اونٹنی کی طرح پریشان ہوا جس سے اس کا بچہ لے لیا جائے اور وہ اس کے فراق میں دکھ محسوس کر کے آواز نکالے۔

اس ستون (تنے) کو رسول اکرم ﷺ کی برکت کا شوق تھا اور وہ سب سے عقلمند آدمی کی طرح آپ کی جدائی پر افسوس کرتا تھا جبکہ عقل اور شوق میں رونا اس اعتبار سے زندگی کو چاہتا ہے اور یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں زندگی' عقل اور شوق پیدا فرمایا اسی لئے وہ رویا اور مشتاق ہوا۔

سوال: اگر کہا جائے کہ شیخ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ کسی جگہ آواز کا پیدا ہونا زندگی اور عقل کی تخلیق کو نہیں چاہتا۔

جواب: بات یہی ہے اور ہم اس کے لئے زندگی کو لازم قرار نہیں دیتے لیکن حق کی طرف شوق معنوی اور عقلی ہوتا ہے طبعی اور حیوانی نہیں ہوتا۔ اور حضرت شیخ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ معنوی ذکر اور کلام نفسی دونوں زندگی کو مستلزم ہیں جس طرح اس کے علم کو مستلزم ہیں اور ہم نے بیان کیا ہے کہ اس ستون میں یہ معانی پائے جاتے تھے اور حاضرین نے اس کی آواز کو رونا قرار دیا اور وہ اس بات کو سمجھ گئے کہ اسے ذکرِ خداوندی اور اللہ تعالیٰ کے محبوب (نبی اکرم ﷺ) کے

---

[1] یقیناً ذکر خداوندی کی وجہ سے وہ ستون روتا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ رسول اکرم ﷺ کی محبت بھی اس رونے کا باعث تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو وہاں بھی ذکر سنانے پر قادر ہے۔ ۱۲ ہزاروی

اس کے پاس کھڑا ہونے کا شوق ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ نے بھی اس کے ساتھ یہی معاملہ کیا جس طرح غائب شخص (جب آتا ہے تو) اپنے گھر والوں اور اعزہ اقارب کو گلے لگاتا اور ان کے شوق کی گرمی اور غم کو دور کرتا ہے۔

شاعر کو اللہ تعالیٰ جزا عطا فرمائے کیا خوب کہا ہے:

وحن الیہ الجذع شوقا ورقۃ ورجع صوتا کالعشار مرددا

فبادرہ ضما فقر لوقتہ لکل امریٔ من دھرہ ما تعودا

''اور ستون آپ کے شوق میں رویا اور اس نے حاملہ اونٹنی کی طرح آواز نکالی تو آپ نے اس کو گلے لگانے میں جلدی کی تو اسی وقت اسے قرار آ گیا اور ہر شخص کی زمانے میں ایک عادت ہوتی ہے''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ابو یعلیٰ موصلی رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کے دن ایک ستون کے ساتھ پیٹھ لگا کر خطبہ دیتے جو ستون مسجد میں کھڑا کیا گیا تھا ایک رومی آیا اور اس نے کہا کیا میں آپ کے لئے کوئی ایسی چیز نہ بنا دوں جس پر آپ بیٹھیں تو یوں لگے کہ آپ کھڑے ہیں پس اس نے آپ کے لئے منبر شریف بنایا جس کی دو سیڑھیاں تھیں اور تیسری پر آپ تشریف رکھتے تھے جب رسول اکرم ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو ستون نے بچھڑے کی طرح آواز نکالی حتیٰ کہ پوری مسجد میں ایک اضطرابی کیفیت طاری ہوگئی وہ رسول اکرم ﷺ (کی جدائی پر آپ) کے لئے غمگین تھا رسول اکرم ﷺ منبر شریف سے اتر کر اس کے پاس تشریف لائے اور وہ رو رہا تھا جب آپ نے اسے گلے لگایا تو وہ خاموش ہو گیا پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر میں اسے اپنے ساتھ نہ چمٹاتا تو یہ قیامت تک اللہ کے رسول ﷺ کے غم میں اسی حالت میں رہتا چنانچہ آپ کے حکم سے اسے دفن کر دیا گیا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۱۵' سنن دارمی ج اص ۱۹' مسند احمد ج اص ۲۴۹_۳۶۳' المعجم الکبیر ج ۱۲ص ۱۸۷' دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۱۴۲' تاریخ الکبیر' ج ۷ص ۲۶' البدایۃ والنہایہ ج ۶ص ۱۳۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۷۸۴_۳۲۰۸۴)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے روایت کیا اور فرمایا: یہ حدیث صحیح غریب ہے۔

اسی طرح امام ابن ماجہ اور امام احمد رحمہما اللہ نے اسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن ایک لکڑی سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے جب لوگ زیادہ ہو گئے تو آپ نے فرمایا میرے لئے ایک منبر بناؤ آپ کا مقصد یہ تھا کہ سب کو سنائیں تو انہوں نے دو سیڑھیوں والا منبر بنایا (تیسری پر آپ تشریف رکھتے تھے) راوی فرماتے ہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہوں نے اس لکڑی کو ماں کے لئے مضطرب بچے کی طرح روتے ہوئے سنا فرماتے ہیں وہ لکڑی مسلسل روتی رہی حتیٰ کہ رسول اکرم ﷺ منبر سے اترے اور اس کی طرف تشریف لے گئے اسے اپنے ساتھ ملایا تو وہ خاموش ہوگئی۔

ابو القاسم رحمہ اللہ نے اسے روایت کرتے ہوئے یہ اضافہ کیا ہے کہ جب حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اس حدیث کو روایت کرتے تو رو پڑتے پھر فرماتے: اے اللہ کے بندو! رسول اکرم ﷺ کے شوق میں لکڑی روتی ہے کیونکہ آپ کو

اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا انعام حاصل ہے تو تم آپ کی ملاقات کا شوق رکھنے کا زیادہ حق رکھتے ہو۔

شاعر کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے کیا خوب کہا ہے:

والقي حتى في الجمادات حبه	فكانت لا هداء السلام له تهدى
وفارق جذعا كان يخطب عنده	فان انين الام اذ تجد الفقدا
يحن اليه الجذع يا قوم هكذا	اما نحن اولى ان نحن له وجدا
اذا كان جذع لم يطق بعدساعة	فليس وفاء ان نطيق له بعدا

''آپ کی محبت تو جمادات میں بھی ڈال دی گئی ہے آپ کی خدمت میں جمادات کی طرف سے سلام کا ہدیہ پیش کرنے کے باعث لوگوں کو ہدایت نصیب ہوتی تھی آپ جس کھجور کی لکڑی کے ستون کے پاس وعظ فرماتے تھے جب اس سے کنارہ کش ہوئے تو وہ ستون یوں مچلا جیسے ماں' بیٹے کے فراق میں مچلتی ہے اے قوم! کھجور کا تنا ان کے لئے یوں مچلتا ہے جبکہ ہم ان کے لئے محبت میں زیادہ مچلنے کا حق رکھتے ہیں۔ اگر کھجور کا تنا ایک گھڑی ان کی دوری برداشت نہ کرسکا تو یہ وفا شعاری نہیں کہ ہم ان کی دوری کو برد' ۔ کریں''۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت صحیحین میں متعدد طرق سے مروی ہے اور ابن اس رضی اللہ عنہما کی روایت امام احمد رحمہ اللہ نے مسلم کی شرط پر سند کے ساتھ روایت کی اور اسے ابن ماجہ نے بھی نقل کیا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت صحیح بخاری میں ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث عبد بن حمید نے نقل کی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت امام بیہقی رحمہ اللہ نے نقل کی اور اس کے آخر میں ہے کہ اس ستون کو دنیا اور آخرت میں سے ایک کا اختیار دیا گیا تو اس نے آخرت کو اختیار کیا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ والی روایت امام دارمی نے نقل کی ہے اور اس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں تمہیں اس دیوار میں لوٹا دوں جس میں تم تھے تجھ سے تیری شاخیں اُگنے لگیں اور تیری تخلیق مکمل ہو اور تجھ میں نئے پتے اور پھل آئیں اور اگر چاہو تو تمہیں جنت میں گاڑ دوں کہ اللہ تعالیٰ کے ولی تیرا پھل کھائیں پھر نبی اکرم ﷺ نے اپنا سر انور اس کے قریب کیا کہ اس کی بات سنیں تو اس نے کہا مجھے جنت میں لگا دیں پس مجھ سے اللہ تعالیٰ کے دوست کھائیں اور میں ایسی جگہ ہوں گا جہاں پرانا نہیں ہوں گا پس جو لوگ قریب تھے انہوں نے بھی اس کی بات سنی رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے ایسا ہی کیا پھر فرمایا اس نے باقی رہنے والے گھر کو خالی گھر پر ترجیح دی۔ (الشفاء ج ۱ ص ۳۰۴)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی روایت ابونعیم نے ''الدلائل میں'' ذکر کی ہے اور واقعہ ایک ہی ہے لیکن الفاظ میں بظاہر راویوں کی طرف سے اختلاف ہے اور تحقیق کی روشنی میں سب کا رجوع ایک ہی معنیٰ کی طرف ہے ہم زیادہ طویل ذکر کرنا نہیں چاہتے۔

حیوانات کا کلام کرنا

نبی اکرم ﷺ سے حیوانات نے کلام بھی کیا اور آپ کا حکم بھی مانا یہ آپ کے معجزات ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ اونٹ نے آپ کو سجدہ کیا اور آپ سے شکایت کی۔

(البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۴۱' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ انصار میں سے ایک گھر والوں کا ایک اونٹ تھا جس پر وہ پانی لاتے تھے وہ ان پر سخت ہو گیا اور اس نے ان کو سوار نہ ہونے دیا انصار نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمارا ایک اونٹ ہے جس سے ہم کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں وہ ہم پر غالب آ گیا اور ہمیں قریب نہیں آنے دیتا۔ اور ہمارے باغ اور کھیتی خشک ہو گئی ہے نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: اٹھو چنانچہ وہ اٹھے اور آپ باغ میں داخل ہوئے اونٹ ایک کونے میں تھا آپ اس کی طرف چلے تو انصار نے کہا یا رسول اللہ! یہ تو باؤلے کتے کی طرح ہو گیا ہے ہمیں ڈر ہے کہ کہیں آپ پر حملہ نہ کر دے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے اس سے کوئی ڈر نہیں اونٹ نے آپ کو دیکھا تو آپ کی طرف متوجہ ہوا حتیٰ کہ آپ کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا رسول اکرم ﷺ نے اس کو پیشانی سے پکڑا تو وہ پہلے سے زیادہ مطیع ہو گیا حتیٰ کہ آپ نے اس کو کام میں لگا دیا صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ جانور جسے عقل نہیں' آپ کو سجدہ کرتا ہے اور ہم تو عقلمند ہیں پس ہم آپ کو سجدہ کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان کو سجدہ کرے اگر کسی شخص کے لیے جائز ہوتا کہ وہ کسی آدمی کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے کیونکہ اس پر اس کا بہت بڑا حق ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۹' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۴' الدر المنثور ج ۲ ص ۱۵۴' اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۲۰۶۔ ج ۵ ص ۲۰۳' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۵۵' دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۱۳۷' تاریخ الکبیر ج ۹ ص ۲۸)

حضرت یعلیٰ بن مرہ ثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ جا رہے تھے کہ ایک اونٹ کے پاس سے گزرے جس کے ذریعے کھیتوں کو پانی لگایا جاتا تھا اس نے آپ کو دیکھا تو آواز نکالی اور اپنی گردن کو نیچے رکھ دیا رسول اکرم ﷺ ٹھہر گئے اور فرمایا اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ وہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: اس کو مجھ پر بیچ دو اس نے کہا نہیں بلکہ یا رسول اللہ! میں آپ کی خدمت میں بطور ہبہ پیش کرتا ہوں لیکن یہ ایسے گھر والوں کا ہے جن کے پاس اس کے علاوہ کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے آپ نے فرمایا: تم نے یہ بات تو ذکر کر دی لیکن وہ زیادہ کام اور کم چارے کی شکایت کرتا ہے پس اس سے اچھا سلوک کیا کرو۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اس گذشتہ کی مثل ایک اور واقعہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے جید سند کے ساتھ ذکر کیا۔

اسی طرح امام طبرانی نے ایک اور واقعہ حضرت عکرمہ کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا لیکن اس کی سند کمزور ہے اور امام احمد رحمہ اللہ نے بھی حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ابن شاہین نے ''الدلائل میں'' حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ نے مجھے سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا تو مجھے ایک بات سرگوشی کرتے ہوئے بتائی جسے میں کسی سے بیان نہیں کرتا وہ فرماتے ہیں:

کہ نبی اکرم ﷺ قضائے حاجت کے لئے پردہ کرتے ہوئے کسی بلند ٹیلے یا کھجوروں کے جھنڈ کو زیادہ پسند کرتے تھے آپ ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے تو وہاں اونٹ تھا اس نے آپ کو دیکھا تو رو پڑا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے رسول اکرم ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے کان کے پچھلے حصے پر دست مبارک پھیرا ایک روایت میں ہے کہ وہ پُرسکون ہوگیا' پھر فرمایا: اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ تو انصار میں سے ایک نوجوان آیا اور اس نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ میرا اونٹ ہے آپ نے فرمایا: تم اس بے زبان جانور کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اس نے تجھے اس کا مالک بنایا یہ بھوک اور زیادہ کام کی شکایت کرتا ہے۔ المصابیح میں ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اسے ابو داؤد نے حضرت موسیٰ بن اسماعیل سے اور انہوں نے حضرت مہدی بن میمون سے روایت کیا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث :۲۵۴۹' مسند احمد ج۱ص ۲۰۵' السنن الکبریٰ ج۸ص ۱۳' المستدرک ج۲ص ۱۰۰' اتحاف السادۃ المتقین ج۲ص ۲۰۶' جمع الجوامع رقم الحدیث :۹۱۲۲' تاریخ ابن عساکر ج۷ص ۳۲۹' کنز العمال رقم الحدیث :۲۴۹۸۲)

اور اسی سے بکریوں کا آپ کو سجدہ کرنا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ انصار کے ایک باغ میں تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق' حضرت عمر فاروق اور ایک انصاری بھی تھے باغ میں بکریاں تھیں جنہوں نے آپ کو سجدہ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہم ان بکریوں کے مقابلے میں زیادہ حق رکھتے ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو سجدہ کرے۔ (البدایہ والنہایہ ج۶ص ۱۵۰)

اس حدیث کو ابو محمد عبداللہ بن حامد الفقیہ نے کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں ضعیف سند سے ذکر کیا ہے۔

اور حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفاء میں'' نقل کیا۔

انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا اور آپ پر ایمان لایا وہ خیبر کے کسی قلعہ پر تھا اور ان لوگوں کی بکریاں چراتا تھا۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ! میری بکریوں کا کیا ہوگا؟ فرمایا: چھوٹی چھوٹی کنکریاں ان کے منہ پر مارو عنقریب اللہ تعالیٰ تیری طرف سے ان کی امانت ان تک پہنچادے گا اس نے اسی طرح کیا تو ہر بکری چل پڑی اور اپنے گھر والوں کے پاس پہنچ گئی۔

(السنن الکبریٰ ج۹ص ۱۴۳' المستدرک ج۲ص ۱۳۶' دلائل النبوۃ ج۴ص ۲۲۱' اتحاف السادۃ المتقین ج۷ص ۱۹۳' الشفاء ج۱ص ۳۱۱)

اسی سے بھیڑیئے کا آپ سے کلام کرنا اور آپ کی رسالت کی شہادت دینا ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج۶ص ۱۵۰' دلائل النبوۃ ج۶ص ۳۹۔۴۱)

بھیڑیئے کے کلام کے بارے میں واقع متعدد طرق سے حضرت ابو ہریرہ' حضرت انس' حضرت ابن عمر اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث امام احمد رحمہ اللہ نے جدید سند کے ساتھ بیان کی ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

ایک بھیڑیئے نے بکری پر حملہ کیا اور اس کو پکڑ لیا چرواہے نے اس کا پیچھا کر کے اسے چھڑا لیا بھیڑیا اپنی دم کے اوپر بیٹھ کر کہنے لگا کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے تم مجھ سے رزق چھینتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجا ہے' چرواہے نے کہا تعجب ہے ایک بھیڑیا اپنی دم پر پاؤں کھڑے کر کے بیٹھا ہے اور انسانوں کی طرح مجھ سے گفتگو کر رہا ہے۔ بھیڑیئے نے کہا کیا میں تجھے اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات نہ بتاؤں حضرت محمد ﷺ یثرب (مدینہ طیبہ) میں لوگوں کو گذشتہ زمانوں کی خبریں دیتے ہیں۔

چرواہے نے بکریوں کو ہانکا اور مدینہ طیبہ میں داخل ہو گیا اس نے ان کو شہر کے ایک کونے میں چھوڑا اور خود بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو گیا رسول اکرم ﷺ نے حکم دیا تو نماز کے لئے آواز دی گئی کہ نماز کھڑی ہونے والی ہے پھر آپ باہر تشریف لائے اور اس دیہاتی (چرواہے) سے فرمایا (جو کچھ تم نے دیکھا ہے) ان کو بتاؤ چنانچہ اس نے صحابہ کرام کو پورا واقعہ سنایا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۸۴' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۹۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو ابو سعد مالینی اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے نقل کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو ابو نعیم نے ''دلائل النبوۃ میں'' ذکر کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حضرت سعید بن منصور نے اپنی سنن میں نقل کیا اور فرمایا: ایک بھیڑیا آیا اور حضور علیہ السلام کے سامنے پاؤں کھڑا کر کے سرین کے بل بیٹھ گیا اور اپنی دم کو حرکت دینے لگا رسول اکرم ﷺ نے فرمایا یہ بھیڑیا تمہارے پاس آیا ہے اور یہ تم سے مطالبہ کرتا ہے کہ تم اپنے مال میں سے کچھ اسے دو انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم ایسا نہیں کریں گے ایک شخص نے پتھر اٹھا کر اسے مارا تو بھیڑیا چیختا ہوا پیٹھ پھیر کر بھاگ گیا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ بھیڑیا ہے اور بھیڑیا بھی کیا چیز ہے؟

امام بغوی نے ''شرح السنہ میں'' نیز ابو نعیم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک بھیڑیا ایک چرواہے کے پاس آیا اور اس نے ایک بکری لے لی چرواہا اس کے پیچھے بھاگا حتیٰ کہ اس سے بکری چھین لی فرماتے ہیں: بھیڑیا ایک ٹیلے پر چڑھا اور اپنی دم کو دونوں ٹانگوں کے درمیان کر لیا اور اس نے کہا میں نے ایک رزق کا ارادہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا تھا پھر تم نے مجھ سے لے لیا اس شخص نے کہا اللہ کی قسم! میں نے آج کی طرح بھیڑیئے کو کلام کرتے نہیں دیکھا بھیڑیئے نے کہا اس سے بھی تعجب خیز وہ شخص ہے جو دو پتھریلی جگہوں کے درمیان کھجوروں کے باغات میں ان باتوں کی خبر دیتا ہے جو ہو چکی ہیں اور جو ہوں گی اور تم اس کی پیروی نہیں کرتے؟ راوی فرماتے ہیں: وہ شخص یہودی تھا وہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا اور یہ واقعہ بتا کر مسلمان ہو گیا رسول اکرم ﷺ نے اس کی تصدیق کی پھر فرمایا: یہ قیامت کی نشانیاں ہیں عنقریب ایسا وقت آئے گا کہ ایک شخص اپنے گھر سے باہر جائے گا پس وہ لوٹے گا تو اس کا جوتا اور لاٹھی اس کو بتا دے گی کہ اس کے بعد اس کے گھر والوں نے کیا (عمل) کیا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے بعض طرق میں اس طرح ہے کہ بھیڑیئے نے کہا تم مجھ سے زیادہ تعجب خیز ہو کہ تم اپنی بکریوں کے پاس کھڑے ہو اور تم نے اس نبی ﷺ کو

چھوڑ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی ایسا نبی نہیں بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی قدر ومنزلت ان سے زیادہ ہو۔
ان کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے اور اہل جنت آپ کے صحابہ کرام کو دیکھتے ہیں کہ وہ جہاد کرتے ہیں۔
تمہارے اور اس نبی کے درمیان صرف یہ ایک وادی ہے پس تو بھی اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ہو جا' چرواہے نے کہا میری بکریوں کا نگران کون ہوگا؟ بھیڑیئے نے کہا تمہاری واپسی تک میں ان کو چرواؤں گا پس اس نے اپنی بکریاں بھیڑیئے کے حوالے کیں اور چل پڑا۔

پھر اس کا قصہ اس کے اسلام لانے کا واقعہ اور اس کا حضور علیہ السلام کو جہاد کرتے ہوئے پانا سب کچھ ذکر کیا۔
رسول اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا اپنی بکریوں کے پاس چلے جاؤ ان کو پوری کی پوری پاؤ گے پس اس نے ان کو اسی طرح پایا اور ان میں سے ایک بکری بھیڑیئے کے لئے ذبح کی۔
ابن وہب نے اس کی مثل روایت کیا کہ حضرت ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ نے ایک بھیڑیئے کو پایا جس نے ایک ہرن کو پکڑنے کی کوشش کی ہرن حرم شریف میں داخل ہوگئی تو بھیڑیا واپس چلا گیا انہوں نے اس پر تعجب کیا تو بھیڑیئے نے کہا اس سے بھی تعجب خیز بات حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ کا معاملہ ہے جو مدینہ طیبہ میں ہیں وہ تمہیں جنت کی طرف بلاتے ہیں اور تم ان کو جہنم کی طرف بلاتے ہو۔
ابوسفیان نے کہا لات وعزیٰ کی قسم اگر تم نے مکہ مکرمہ میں یہ بات (یہ واقعہ ذکر کیا) تو وہاں فتنہ وفساد برپا ہو جائے گا۔

معجزات کے سلسلے میں ہی گدھے والی حدیث ہے۔ جسے ابن عساکر نے ابومنظور (یا ابن منظور) سے روایت کیا فرماتے ہیں: جب سرکار دو عالم ﷺ نے خیبر فتح کیا تو سیاہ رنگ کا گدھا پایا آپ نے اس گدھے سے بات چیت کی تو اس نے بھی آپ سے بات کی رسول اکرم ﷺ نے پوچھا تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا یزید بن شہاب اللہ تعالیٰ نے میرے دادا کی نسل سے ساٹھ گدھے پیدا کئے جن میں سے ہر ایک پر نبی سوار ہوئے اور مجھے توقع تھی کہ آپ مجھ پر سواری فرمائیں گے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۵۸)
اپنے دادا کی نسل سے صرف میں رہ گیا ہوں اور انبیاء کرام میں سے آپ کے علاوہ کوئی نہیں میں اس سے پہلے ایک یہودی کی ملک تھا اور میں اسے جان بوجھ کر گرا دیتا تھا وہ مجھے پیٹ کر بھوکا رکھتا اور میری پیٹھ پر ضربیں لگاتا تھا۔
رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تم یعفور ہو (یعنی تمہارا نام یعفور ہے) رسول کریم ﷺ اسے ایک آدمی کے دروازے پر بھیجتے پس وہ دروازے پر آ کر اسے اپنے سر کے ساتھ کھٹکھٹاتا جب گھر والا باہر آتا تو وہ سر کے ساتھ اشارہ کرتا کہ رسول اکرم ﷺ کی بات مانو جب آپ کا وصال ہوا تو وہ ابوالہیثم بن تیہان کے کنویں پر آیا اور رسول اکرم ﷺ کے افسوس میں اپنے آپ کو اس میں گرا دیا۔ (الشفاء ج ا ص ۳۱۴)
ابونعیم نے اس کی مثل حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ذکر کی ہے لیکن اس حدیث میں طعن ہے اور ابن جوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ کے معجزات میں گدھے کے کلام سے بھی بڑے معجزات ہیں۔
ان میں سے ایک (معجزہ) گوہ کا آپ سے کلام کرنا ہے اور یہ مشہور واقعہ ہے امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسے بہت سی احادیث میں روایت کیا ہے لیکن یہ حدیث غریب ضعیف ہے۔ (دلائل النبوۃ ج۶ ص۳۶' البدایۃ والنہایہ ج۶ ص۱۵۶)
(حافظ ابوالحاج جمال الدین یوسف بن اللہ کی عبدالرحمٰن حلبی متوفی ۷۴۲ھ) المزی نے فرمایا یہ حدیث سند اور متن کے حوالے سے صحیح نہیں۔ (الاعلام ج۸ ص۲۳۶' الدرر الکامنہ ج۴ ص۴۵۷ رقم الحدیث: ۱۲۶۱)
حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اسے ''الشفاء میں'' نقل کیا۔
اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محفل میں تھے کہ بنو سلیم قبیلے کا ایک اعرابی آیا جس نے ایک گوہ شکار کی تھی اس نے اسے اپنی آستین میں ڈال رکھا تھا تا کہ اسے اپنی منزل پہ لے جا کر بھونے اور کھائے جب صحابہ کرام کی جماعت کو دیکھا تو پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔
اس نے اپنی آستین سے گوہ نکالی اور کہا مجھے لات وعزیٰ کی قسم میں اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا جب تک یہ گوہ آپ پر ایمان نہ لائے پھر اس نے اسے رسول اکرم ﷺ کے سامنے ڈال دیا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے گوہ! اس نے واضح الفاظ میں جواب دیا جسے تمام لوگوں نے سنا اس نے کہا میں حاضر ہوں اے ان لوگوں کی زینت! جو قیامت کے دن حاضر ہوں گے آپ نے فرمایا کس کی عبادت کی جاتی ہے؟ اس نے کہا اس ذات کی عبادت کی جاتی ہے جس کا آسمان میں عرش اور زمین میں حکومت' سمندر میں راستہ' جنت میں اس کی رحمت اور جہنم میں اس کا عذاب ہے۔
آپ نے پوچھا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ تمام جہانوں کے رب کے رسول اور آخری نبی ہیں جس نے آپ کی تصدیق کی اس نے کامیابی حاصل کی اور جس نے آپ کو جھٹلایا وہ نامراد ہوا پس اس اعرابی نے اسلام قبول کیا۔ یہ ایک طویل حدیث ہے لیکن اس پر طعن کیا گیا اور ایک قول کے مطابق یہ موضوع ہے لیکن نبی اکرم ﷺ کے معجزات تو اس سے بھی زیادہ بلیغ ہیں اور اس میں شرعی اعتبار سے کوئی خرابی نہیں اور اس کو ائمہ حدیث نے روایت کیا زیادہ سے زیادہ یہ ضعیف ہو سکتی ہے' موضوع نہیں ہے۔ (دلائل النبوۃ ج۶ ص۳۷' مجمع الزوائد ج۸ ص۲۹۴' دلائل النبوۃ لابی نعیم ج۲ ص۳۷۷' اتحاف السادۃ المتقین ج۲ ص۲۰۶۔ ج۷ ص۱۹۴' البدایۃ والنہایہ ج۶ ص۱۵۷' الشفاء ج۱ ص۳۰۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۳۶۴)
آپ کے معجزات کے سلسلے میں ہرن والی حدیث بھی ہے۔ (البدایۃ والنہایہ ج۶ ص۱۵۴' دلائل النبوۃ ج۶ ص۳۴)
امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسے کئی طرق سے نقل کیا' ائمہ کی ایک جماعت نے اسے ضعیف قرار دیا لیکن اس کے بعض طرق' دوسرے بعض طرق کو مضبوط کرتے ہیں۔
اسے قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''شفاء شریف میں'' اور ابونعیم رحمہ اللہ نے ''دلائل النبوۃ میں'' ایسی سند سے نقل کیا جس میں کچھ راوی مجہول ہیں وہ حبیب بن محصن سے اور وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتی ہیں اس دوران کہ نبی اکرم ﷺ زمین کے ایک صحرا میں تھے کہ کسی غیبی آواز دینے والے کی آواز تین مرتبہ آئی ''اے اللہ کے رسول!'' آپ نے ادھر توجہ فرمائی تو ایک ہرن تھی جو رسی سے بندھی ہوئی تھی اور ایک دیہاتی اپنی چادر میں زمین پر پڑا

ہوا سورہا تھا آپ نے پوچھا تجھے کیا کام ہے؟ اس نے کہا اس شخص نے مجھے قید کر رکھا ہے اور اس پہاڑ میں میرے دو بچے ہیں آپ مجھے کھول دیں میں ان کو دودھ پلا کر واپس آؤں گی آپ نے پوچھا تم واپس آؤ گی؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ مجھے ٹیکس وصول کرنے والے کی طرح عذاب دے اگر میں نہ آؤں (ناجائز ٹیکس لینے والے لوگ مراد ہیں) آپ نے اسے کھول دیا اور وہ چلی گئی اور پھر واپس آ گئی رسول اکرم ﷺ نے اس کو باندھ دیا اعرابی جاگ گیا اور کہا یا رسول اللہ! آپ کو کوئی کام ہو (تو بتایئے) آپ نے فرمایا اس ہرن کو کھول دے اس نے اسے کھول دیا تو وہ خوشی سے صحرا میں کودتی ہوئی چلی گئی وہ اپنا پاؤں زمین پر مارتے ہوئے کہہ رہی تھی ''اشهد ان لا اله الا الله وانک رسول الله'' (میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اس کے رسول ہیں)۔

امام طبرانی نے بھی اس کی مثل حدیث ذکر کی ہے۔ حافظ منذری نے یہ بات ''الترغیب والترہیب'' کے زکوٰۃ کے باب میں ذکر کی ہے اور ہمارے شیخ حافظ ابوالخیر السخاوی نے حضرت ابن کثیر سے نقل کیا کہ اس کی کوئی اصل نہیں اور جس نے اسے نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کیا اس نے جھوٹ کہا۔

پھر ہمارے شیخ نے فرمایا کہ متعدد احادیث جو ایک دوسرے کی تقویت کا باعث ہیں ان میں یہ واقعہ پایا جاتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ نے مختصر ابن حاجب کی احادیث کے ضمن میں اکسٹھویں مجلس میں اسے ذکر کیا اور مختصر ابن حاجب کی شرح جو علامہ ابن سبکی نے لکھی ہے اس میں بھی یہ منقول ہے۔

اور کنکریوں کا تسبیح پڑھنا امام طبرانی اور ابن ابی عاصم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔ ہرن کا سلام کرنا ابو نعیم اصفہانی اور امام بیہقی نے ''دلائل النبوۃ میں'' ذکر کیا اور ہم ان دونوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ متواتر نہیں ہیں تو شاید دوسری باتوں (مثلاً قرآن مجید) کے نقل کرنے کی وجہ سے ان کی ضرورت نہ سمجھی ہو (کیونکہ قرآن مجید بھی حضور ﷺ کا معجزہ ہے) یا ہوسکتا ہے شروع میں یہ متواتر ہوں۔

اسی طرح گھریلو جانور بھی ہیں یعنی وہ حیوان جن سے الفت ہو جس طرح پرندہ اور بکری وغیرہ تو قاسم بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتی ہیں ہماری ایک پالتو بکری تھی جب وہ حضور علیہ السلام کے پاس ہوتی تو خاموش رہتی نہ آتی نہ جاتی۔ اور جب آپ باہر تشریف لے جاتے تو وہ آنا جانا شروع کر دیتی قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اسے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا۔

پانی نکلنے کا معجزہ [1]

رسول اکرم ﷺ کا ایک معجزہ آپ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی کا نکلنا ہے اور یہ سب سے زیادہ معزز پانی تھا۔

امام قرطبی فرماتے ہیں: آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی نکلنے کا واقعہ مختلف مقامات میں متعدد بار ہوا ہے اور یہ بات بہت سے طرق کے ساتھ مروی ہے جن کا جمع ہونا علم قطعی یقینی کا فائدہ دیتا ہے جو تواتر معنوی سے حاصل ہوتا ہے اور

[1] (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۷ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۹۶)

اس قسم کا معجزہ ہمارے نبی ﷺ کے علاوہ کسی سے نہیں سنا گیا کیونکہ آپ کی مبارک ہڈیوں' پٹھوں' گوشت اور خون کے درمیان سے پانی نکلا۔

ابن عبدالبر نے (اسماعیل بن یحییٰ بن اسماعیل امام جلیل متوفی ۲۶۴ھ) مزنی رحمہ اللہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں:
رسول اکرم ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کا نکلنا پتھر سے پانی کے نکلنے کے مقابلے میں زیادہ بلیغ (مؤثر) ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر عصا مبارک مارا تو اس سے چشمے پھوٹ نکلے تھے اور پتھر سے پانی کا نکلنا معروف بات ہے جب کہ گوشت اور خون سے پانی کے نکلنے میں یہ بات نہیں ہے۔

(الاعلام ج ۱ص ۳۲۹' فیات الاعیان ج ۱ص ۷۱' شذرات الذہب ج ۲ص ۱۴۸۔۱۴۹' کشف الظنون رقم الحدیث: ۴۰۰' مفتاح السعادہ ج ۲ص ۱۵۸' فہرست ابن ندیم ج ۱ص ۲۱۲' مرآۃ الجنان ج ۲ص ۱۷۷)

نبی اکرم ﷺ کا یہ معجزہ (پانی کا نکلنا) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے جن میں حضرت انس' حضرت جابر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ والی روایت صحیحین میں منقول ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا نماز عصر کا وقت ہو چکا تھا اور لوگ وضو کے لئے پانی تلاش کر رہے تھے لیکن ان کو پانی نہیں ملتا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کے پاس پانی لایا گیا تو آپ نے اپنا دستِ مبارک اس برتن میں رکھا اور صحابہ کرام کو وضو کرنے کا حکم دیا حتیٰ کہ ان میں سے آخری آدمی نے وضو کر لیا۔

''صحیح بخاری میں ہے کہ'' وہ اسّی افراد تھے اور انہی کے الفاظ ہیں کہ آپ کی مبارک انگلیوں کے درمیان اور کناروں سے پانی نکلنے لگا حتیٰ کہ سب لوگوں نے وضو کر لیا راوی فرماتے ہیں: ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا تم کتنے لوگ تھے؟ فرمایا ہم تین سو تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۹۔۱۹۵۔۲۰۰۔۳۵۷۲۔۳۵۷۳۔۳۵۷۴۔۳۵۷۵' صحیح مسلم ج ۴ص ۱۷۸۴' الشفاء ج ۱ص ۲۸۵' تمہید ج ۱ص ۲۱۷)

کرمانی فرماتے ہیں: حدیث کے الفاظ ''حتیٰ کہ ان میں سے آخری نے وضو کر لیا'' [1] میں ''حتیٰ'' تدریج کے لئے اور ''من'' بیان کے لئے ہے یعنی صحابہ کرام نے وضو کیا حتی کہ ان لوگوں نے بھی جو ان کے آخر میں تھے اور یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ سب نے وضو کیا اور لفظ عند (یعنی عند آخرہم میں) لفظ فی کے معنیٰ میں ہے کیونکہ عند ظرفیت خاصہ کے لئے ہے لیکن مبالغہ کا تقاضا ہے کہ مطلق ظرفیت کے لئے ہو گویا کہ فرمایا کہ ''وہ لوگ جو ان کے آخر میں تھے'' امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں من' الی کے معنیٰ میں ہے اور یہ بھی ایک لغت ہے۔ لیکن کرمانی نے فرمایا یہ شاذ لغت ہے فرمایا پھر ''الیٰ'' کا لفظ عند پر داخل نہیں ہوتا اور اس پر اور جو تیمی نے کہا اس پر لازم آتا ہے کہ خبر ہی داخل ہو لیکن جو کچھ کرمانی نے کہا ہے کہ الیٰ' عند پر داخل نہیں ہوتا تو اس سے وہ بات لازم نہیں آتی جو ''من'' کے ''الیٰ'' کے معنیٰ میں ہونے سے لازم آتی ہے اور امام نووی رحمہ اللہ کی توجیہ کے مطابق ''عند'' کو زائد قرار دیا جا سکتا ہے۔

[1] عربی عبارت اس طرح ہے ''حتی توضؤوا من عند آخرہم'' (ان سب نے وضو کیا)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو ابن شاہین نے بھی روایت کیا ہے اور اس کے الفاظ اس طرح ہیں فرماتے ہیں۔

میں غزوہ تبوک میں رسول اکرم ﷺ کے پیچھے سوار تھا تو مسلمانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے جانور اور اونٹ پیاسے ہوگئے ہیں آپ نے فرمایا کیا کچھ بچا ہوا پانی ہے؟ تو ایک شخص مشکیزے میں کچھ پانی لایا آپ نے فرمایا پیالہ لاؤ پھر اس میں پانی ڈال کر اپنی ہتھیلی پانی میں رکھ دی حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمے جاری ہوگئے فرماتے ہیں ہم نے اپنے اونٹوں اور دوسرے جانوروں کو پانی پلایا اور جمع بھی کیا آپ نے فرمایا تمہیں کافی ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں کافی ہے اے اللہ کے نبی! پس آپ نے ہاتھ اٹھایا تو پانی بھی ختم ہوگیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷۹، الشفاء ج۱ ص ۲۸۶، شرح السنہ ج۴ ص ۱۶۲، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۹۱۰، اتحاف السادۃ المتقین ج۷ ص ۱۷۱، البدایہ والنہایہ ج۶ ص ۱۰۱)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں ہم قبا کی طرف گئے تو کسی گھر سے ایک چھوٹا پیالہ لایا گیا رسول اکرم ﷺ نے اس میں دست مبارک ڈالا تو پیالے میں نہ آسکا پس آپ نے چار انگلیاں ڈال دیں اور انگوٹھا داخل نہ کر سکے پھر قوم سے فرمایا میرے پاس پانی لاؤ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میری آنکھوں نے دیکھا کہ آپ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی نکل رہا تھا صحابہ کرام مسلسل پیالے کی طرف آتے رہے حتیٰ کہ وہ سب سیراب ہوگئے۔ (دلائل النبوۃ ج۴ ص ۱۲۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث صحیحین میں منقول ہے فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن لوگ پیاسے ہوگئے اور نبی اکرم ﷺ کے سامنے ایک برتن تھا جس سے وضو کرتے تھے لوگوں نے آپ کی طرف جلدی کی آپ نے فرمایا تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے پاس پانی نہیں کہ ہم وضو کریں اور پئیں صرف وہی پانی ہے جو آپ کے سامنے ہے آپ نے برتن میں دست مبارک رکھا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشموں (کے پانی) کی طرح پانی جوش مار رہا تھا۔ پس ہم نے پیا اور وضو کیا۔ راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا تم کتنے لوگ تھے؟ انہوں نے فرمایا اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو ہمیں کافی ہوتا اور ہم پندرہ سو تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷۶۔۴۱۵۲۔۴۱۵۳۔۴۸۴۰۔۵۶۳۹، المعجم الکبیر ج۳ ص ۴۷۱، شرح السنہ ج۱۳ ص ۲۹۱، مجمع الزوائد ج۵ ص ۲۶۸، اتحاف السادۃ المتقین ج۲ ص ۲۰۷، دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۱۴۴، اخلاق النبوہ رقم الحدیث: ۱۵۳)

ولید بن عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ''صحیح مسلم میں غزوہ بواط کے ضمن میں'' طویل روایت ہے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے جابر! لوگوں کو آواز دو کہ وہ وضو کے لیے پانی لے لیں۔ (طویل حدیث ہے)

(اس میں یوں مذکور ہے) لٹکے ہوئے مشکیزے کے منہ میں ایک قطرہ بھی نہ پایا وہ مشکیزہ حضور علیہ السلام کے پاس لایا گیا آپ نے اس پر ہاتھ رکھ کر کچھ پڑھا؟ اور مجھے معلوم نہ ہوسکا کہ آپ نے کیا پڑھا ہے؟ پھر فرمایا بڑے پیالے کے

لئے آواز دو میں نے لا کر آپ کے سامنے رکھ دیا (فرماتے ہیں) رسول اکرم ﷺ نے اپنا دست مبارک اس پیالے میں پھیلا دیا اور انگلیوں کو بھی الگ الگ کیا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس پر پانی ڈالا اور بسم اللہ پڑھی فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی ابل رہا ہے پھر پیالے کا پانی جوش مارنے اور گھومنے لگا حتی کہ وہ بھر گیا آپ نے صحابہ کرام کو پانی پینے کا حکم دیا چنانچہ انہوں نے سیر ہو کر پیا۔ میں نے کہا کیا کسی کی ضرورت باقی ہے؟ اس کے بعد رسول اکرم ﷺ نے اپنا دست مبارک اٹھایا تو پیالہ ابھی بھی بھرا ہوا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۲۷ دلائل النبوۃ ج۶ص۹ فتح الباری ج۹ص۳۷۲ البدایہ والنہایہ ج۶ص۹۹ اتحاف السادۃ المتقین ج۲ص۲۰۷ الشفاء ج اص۲۸۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام احمد رحمہ اللہ نے بھی ''اپنی مسند میں'' نقل کیا جس کے الفاظ اس طرح ہیں فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی تو آپ نے ایک بڑا پیالہ منگوایا اور اس میں کچھ پانی ڈالا پھر آپ نے اس میں اپنا دست مبارک رکھ دیا اور فرمایا پانی پیو پس صحابہ کرام نے نوش کیا اور میں دیکھ رہا تھا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمے ابل رہے تھے۔

انہی کی ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی مبارک ہتھیلی برتن میں رکھی ''بسم اللہ'' پڑھی پھر فرمایا مکمل وضو کرو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جس نے میری بینائی واپس لی ہے (آخری عمر میں آپ کی بینائی چلی گئی تھی) میں نے چشمے دیکھے اور یہ پانی کے چشمے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے نکل رہے تھے پس آپ نے اس وقت تک ہاتھ نہیں اٹھایا جب تک سب نے وضو نہ کر لیا۔

امام بیہقی نے ''دلائل النبوۃ میں'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی نقل کیا فرماتے ہیں ہم ایک سفر میں رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے کہ ہمیں پیاس لگ گئی ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پانی کے ایک برتن میں جو آپ کے سامنے تھا اپنا دست مبارک رکھا فرماتے ہیں آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی اس طرح نکل رہا تھا گویا کہ چشمے ہوں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا نام لے کر لو پس ہم نے پیا تو وہ ہمیں کافی ہوا اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو کافی ہوتا راوی کہتے ہیں میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ کتنے لوگ تھے؟ انہوں نے فرمایا ہم پندرہ سو تھے۔

ابن شاہین نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہی روایت کیا آپ فرماتے ہیں ہمیں حدیبیہ میں پیاس لگی تو ہم بارگاہِ نبوی میں فریاد لے کر حاضر ہوئے (آخر تک حدیث ذکر کی)۔

امام احمد رحمہ اللہ نے نبیح عنزی کے طریق سے نقل کیا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اس حدیث میں ہے کہ ایک شخص ایک برتن لے کر آیا جس میں کچھ پانی تھا اور صحابہ کرام کے پاس اس کے علاوہ پانی نہیں تھا رسول اکرم ﷺ نے اسے پیالے میں ڈالا پھر اس سے اچھی طرح وضو کیا پھر اس پیالے کو چھوڑ کر تشریف لے گئے تو صحابہ کرام نے پیالے پر ہجوم کر لیا آپ نے فرمایا اپنی اپنی جگہ ٹھہرو چنانچہ آپ نے اپنی ہتھیلی پیالے میں ڈالی پھر فرمایا اچھی طرح وضو کرو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ آپ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمے جاری تھے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ''صحیح بخاری میں'' منقول

ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھے اور ہمارے پاس پانی نہیں تھا آپ نے فرمایا تلاش کرو کسی کے پاس بچا ہوا پانی ہو چنانچہ پانی لایا گیا تو آپ نے اسے برتن میں ڈالا پھر اپنا دست مبارک اس میں ڈالا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی نکلنے لگا۔

ظاہر بات تو یہ ہے کہ دیکھنے والا آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی نکلتا دیکھتا تھا لیکن درحقیقت یہ برکت تھی جو اس پانی کو حاصل ہوئی اور وہ جوش مارنے لگا اور زیادہ ہو گیا۔ جب کہ آپ کا دست مبارک اس میں تھا اور دیکھنے والے کو پانی انگلیوں کے درمیان سے نکلتا ہوا نظر آتا تھا۔

امام قرطبی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پانی اس گوشت سے نکلتا تھا جو انگلیوں کے اندر تھا امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح مسلم میں'' اس بات کی تصریح کی ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ میں نے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی نکلتا ہوا دیکھا اس بات کی تائید کرتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے آپ کی انگلیوں سے پانی رستا ہوا دیکھا اور یہ صحیح ہے اور یہ دونوں باتیں آپ کا معجزہ ہیں۔

اور آپ نے یہ طریقہ اختیار کیا اور پانی میں ہاتھ رکھنے کے بغیر یا برتن کے بغیر پانی نہیں نکالا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ادب ملحوظ تھا اس لئے کہ معدومات کو وجود میں لانا اور کسی اصل کے بغیر لانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلا کر پانی طلب فرمایا انہوں نے عرض کیا اللہ کی قسم میرے پاس پانی نہیں آپ نے فرمایا کوئی مشکیزہ نہیں؟ پس وہ مشکیزہ لائے تو آپ نے اپنی ہتھیلی کو اس میں پھیلایا تو آپ کے دستِ مبارک کے نیچے چشمہ ابل پڑا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس سے پینے اور دوسرے حضرات وضو کرنے لگے۔

اس حدیث کو امام دارمی اور ابو نعیم نے روایت کیا اسی طرح امام طبرانی اور ابو نعیم نے ابو یعلیٰ انصاری کی حدیث بھی نقل کی ہے اور ابو نعیم نے قاسم بن عبد اللہ بن ابی رافع سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت کیا۔

پانی کا پھوٹ نکلنا

رسول اکرم ﷺ کے دستِ مبارک کی برکت سے پانی کا پھوٹ نکلنا بھی آپ کا ایک معجزہ ہے۔

(البدایۃ والنہایہ ج۶ ص۱۰۳، دلائل النبوۃ ج۵ ص۲۳۶)

''صحیح مسلم میں'' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا انشاء اللہ کل تم تبوک کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے اور جب تک دن روشن نہ ہو جائے تم وہاں نہیں پہنچو گے پس جو آدمی وہاں پہنچے وہ پانی میں سے کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائے جب تک میں وہاں نہ آ جاؤں۔

فرماتے ہیں ہم وہاں پہنچ گئے اور دو آدمی پہلے پہنچ گئے تھے اور کنواں تسمے کی طرح تھا اس سے تھوڑا تھوڑا پانی نکلتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا تم نے پانی کو ہاتھ لگایا ہے تو انہوں نے کہا جی ہاں تو آپ نے ان کو ڈانٹ ڈپٹ کی (وہ

منافق تھے اور انہوں نے آپ کے حکم کے خلاف کیا تھا) جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ نے ان سے فرمایا پھر پانی سے چلو بھرا حتیٰ کہ کچھ پانی جمع ہو گیا پھر اس سے اپنا چہرۂ انور اور ہاتھ دھوئے پھر اس میں ڈال دیا تو کنوئیں سے بہت زیادہ پانی جاری ہو گیا اور لوگوں نے اس سے پیا پھر آپ نے فرمایا اے معاذ! قریب ہے کہ تمہاری زندگی لمبی ہو تو تم یہاں باغ اور بستیاں دیکھو گے۔ اور یہ بھی آپ کا معجزہ تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۲۷۱' البدایۃ والنہایہ ج ۵ ص ۱۲۔ ج ۶ ص ۱۰۴' الشفاء ج ۱ ص ۲۸۸)

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفاء میں'' اسی کی مثل نقل کیا جو امام مالک نے ''مؤطا میں'' ذکر کیا اس میں یہ اضافہ ہے فرماتے ہیں ابن اسحاق کی حدیث میں ہے کہ پس پانی پھٹ گیا اور اس کی آواز بجلی کی گرج کی طرح تھی۔

''صحیح بخاری میں'' غزوۂ حدیبیہ کے ضمن میں حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم کی روایت سے ہے کہ وہ حدیبیہ کی دوسری جانب اترے وہاں پانی تھوڑا تھا اور لوگ تھوڑا تھوڑا کر کے لیتے تھے زیادہ دیر نہ گزری کہ پانی ختم ہو گیا اور صحابہ کرام نے بارگاہِ نبوی میں پیاس کی شکایت کی آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور فرمایا کہ اس کو کنویں میں ڈال دو۔ پس اللہ کی قسم وہ مسلسل جوش مارتا رہا حتیٰ کہ انہوں نے وہاں سے کوچ کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۳۱۔ ۲۷۳۲' الدر المنثور ج ۶ ص ۷۶' السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۲۱۹' البدایۃ والنہایہ ج ۴ ص ۱۷۵)

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے کلی کر کے وہ پانی حدیبیہ کے کنویں میں ڈال دیا تو وہ اسی طرح جوش مارنے لگا۔

ابوالاسود کے مغازی میں حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ڈول میں وضو کیا اور کلی کر کے پانی اس میں ڈال دیا اور حکم دیا کہ اسے کنویں میں ڈال دو پھر آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر اس کو کنویں میں ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو پانی جوش مارنے لگا حتیٰ کہ وہ چلو بھرنے لگے اور وہ اس کے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے پس آپ نے دونوں باتوں کو جمع کیا وضو بھی کیا اور اس میں کلی بھی کی۔ واقدی نے اوس بن خولی کے طریق سے اسی طرح روایت کیا۔

یہ واقعہ اس پہلے واقعہ کے علاوہ ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے ''مغازی میں'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کی مبارک انگلیوں سے پانی نکلنے لگا اور انہوں نے فرمایا کہ حدیبیہ کے مقام پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیاس لگی ہوئی تھی اور رسول اکرم ﷺ کے سامنے ایک برتن تھا آپ نے اس میں ہاتھ مبارک ڈالا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی جوش مار کر نکلنے لگا۔

ان دونوں قصوں میں اختلاف ہے اور ابن حبان نے ان کو اس طرح جمع کیا کہ مختلف اوقات میں وقوع پذیر ہوئے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو پانی نکلنے کے بارے میں ہے عصر کے وقت سے متعلق ہے جب نماز کا وقت ہوا اور حضور علیہ السلام نے وضو کا ارادہ فرمایا اور حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت اس سے عام امور کے ارادے سے متعلق ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ جب آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی پھوٹ نکلا اور آپ کا دست مبارک برتن میں تھا تو ان سب نے وضو کیا اور پانی نوش فرمایا تو اس وقت آپ نے حکم دیا کہ برتن میں جو پانی باقی ہے اسے کنویں میں ڈال دو

جائے پس اس سے کنویں کا پانی زیادہ ہو گیا۔

حضرت براء اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہما کی حدیث جو امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیبیہ کے واقعہ کے حوالے سے نقل کی ہے اس وقت صحابہ کرام چودہ سو تھے اور اس کنویں سے پچاس بکریاں بھی سیراب نہیں ہوتی تھیں وہ فرماتے ہیں ہم نے تمام پانی نکال لیا اور اس میں ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا' رسول اکرم ﷺ اس کے کنارے میں تشریف فرما ہوئے حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس میں سے ایک ڈول لایا گیا تو آپ نے اس میں لعاب ڈالا اور دعا مانگی حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دعا مانگی یا لعاب ڈالا تو اس کے پانی نے جوش مارا چنانچہ انہوں نے سیر ہو کر پیا اور سواری کے اونٹوں کو پلایا حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت میں فرمایا کہ پھر آپ نے کلی کی اور دعا مانگی پھر اس میں ڈال دیا پھر فرمایا کچھ دیر کے لئے اس کو چھوڑ دو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۵۱' الشفاء ج ۱ ص ۲۸۸)

صحیحین میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیاس کی شکایت کی پس آپ اترے اور فلاں کو بلایا جن کا نام ابو رجاء لیتے تھے اور ان کا نسب عوف تھا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا تم دونوں جا کر پانی تلاش کرو چنانچہ وہ دونوں تشریف لے گئے تو ان کی ملاقات ایک عورت سے ہوئی جس کے پاس پانی کے دو بڑے مشکیزے تھے وہ اسے نبی اکرم ﷺ کے پاس لے آئے اور اس کو اونٹ سے اتارا نبی اکرم ﷺ نے برتن طلب فرمایا اور اس میں مشکیزوں کے منہ کھول دیئے اور پھر ان کے منہ بند کر دیئے اور نیچے سے پانی نکلنے کی جگہ کو کھول دیا اور صحابہ کرام میں اعلان کیا گیا کہ پانی پلاؤ اور پیو پس جس نے پلایا اس نے پلایا اور جس نے پیا اس نے پیا۔ وہ خاتون کھڑی دیکھ رہی تھی کہ اس کے پانی کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور اللہ کی قسم اس سے پانی نکالا گیا اور ہمیں یہی خیال ہو رہا تھا کہ یہ مشکیزہ پہلے سے زیادہ بھرا ہوا ہے' رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اس عورت کے لئے جمع کرو پس انہوں نے اس کے لئے عجوہ کھجوریں' آٹا اور ستو جمع کئے حتیٰ کہ اس کے لئے کھانا جمع ہو گیا تو اسے ایک کپڑے میں ڈال کر اس (عورت) کو اونٹ پر سوار کر دیا اور اس گٹھڑی کو اس کے آگے رکھ دیا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم جانتی ہو کہ ہم نے تمہارے پانی سے کچھ بھی کم نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہی ہمیں پلایا وہ عورت اپنے گھر والوں کے پاس آئی اور کہنے لگی ایک تعجب خیز بات ہے دو آدمی مجھے ملے اور مجھے ایک شخص کے پاس لے گئے جس کو دین سے نکلنے والا کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی قسم اس نے سب لوگوں پر جادو تو نہیں کیا وہ تو رسول برحق ہیں اس نے اپنی قوم سے کہا میرا خیال ہے کہ وہ لوگ تمہیں (کسی خوف سے نہیں بلکہ) قصداً اسلام کی دعوت دیتے ہیں تو کیا اسلام میں رغبت رکھتے ہو؟ [1]

---

[1] نبی اکرم ﷺ کے اخلاق کریمانہ سے لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تھے آج بھی اگر مسلمان اسلامی تعلیمات کا مظاہرہ کرے تو لوگ اسلام کی طرف راغب ہو سکتے ہیں افغانستان میں کچھ عیسائیوں کو عیسائیت کی تبلیغ کے جرم میں گرفتار کیا گیا اب جب ان کو رہائی ملی تو دو خواتین نے کہا ہم دوبارہ افغانستان جانا چاہتی ہیں یہ اس اخلاق کی بدولت جس کا مظاہرہ وہاں کی حکومت نے کیا۔ ۱۲ ہزاروی

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۴۔۳۴۸۔۳۵۷۱ مسند احمد ج ۴ ص ۴۳۵ دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۲۷۸ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۱۹

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تم رات بھر چلو گے اور ان شاء اللہ صبح کے وقت پانی پر پہنچ جاؤ گے پس لوگ چلے اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔

رسول اکرم ﷺ بھی چلتے رہے حتیٰ کہ رات روشن ہوگئی (دن قریب ہوگیا) آپ راستے سے ہٹ گئے پس سر انور رکھ دیا (لیٹ گئے) پھر فرمایا ہم پر ہماری نماز کی حفاظت کرنا پس سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ بیدار ہوئے اور سورج ہماری پیٹھوں پر تھا پھر فرمایا سوار ہو جاؤ پس ہم سوار ہو کر چل پڑے حتیٰ کہ جب سورج بلند ہوا تو آپ اترے اور وضو کا برتن طلب کیا جو میرے پاس تھا اور اس میں تھوڑا سا پانی تھا اور اس سے وضو فرمایا اور اس میں کچھ پانی بچ گیا۔ آپ نے فرمایا ہمارے لئے اس برتن کی حفاظت کرنا عنقریب اس کے لئے ایک خبر ہوگی پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کے لئے اذان دی تو نبی اکرم ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد صبح کی نماز پڑھائی بعد ازاں آپ بھی سوار ہو گئے اور ہم بھی سوار ہو گئے۔

ہم دیگر صحابہ کرام تک اس وقت پہنچے جب دن اچھی طرح چڑھ آیا اور ہر چیز گرم ہوگئی اور وہ کہہ رہے تھے یا رسول اللہ! ہم ہلاک ہو گئے اور ہمیں پیاس لگی ہوئی ہے آپ نے فرمایا تم ہلاک نہیں ہو گے چنانچہ آپ نے وضو کا برتن طلب فرمایا اور اس میں سے پانی ڈالنے لگے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ ان کو پلاتے جاتے تھے زیادہ دیر نہ گزری کہ انہوں نے برتن میں پانی دیکھ لیا اور اس پر ہجوم کر دیا رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اچھے طریقے سے لو تم سب سیر ہو جاؤ گے (راوی) فرماتے ہیں صحابہ کرام نے اسی طرح کیا نبی اکرم ﷺ ان پر ڈالتے اور پلاتے جاتے تھے حتیٰ کہ میرے اور نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کوئی بھی باقی نہ رہا پھر ڈالا اور فرمایا پیو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب تک آپ نہیں پئیں گے میں نہیں پیوں گا آپ نے فرمایا قوم کا ساقی ان کے آخر میں ہوتا ہے (آخر میں پیتا ہے) چنانچہ میں نے پیا اور آپ نے بھی نوش فرمایا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۱۱ مسند احمد ج ۵ ص ۲۸۹ دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۲۸۴ تاریخ ابن عساکر ج ۷ ص ۳۸۸ مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۹۱۱ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۰۴۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں لوگ قحط کا شکار ہو گئے اس دوران کہ آپ جمعۃ المبارک کے دن خطبہ پڑھ رہے تھے ایک اعرابی کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! مال ہلاک ہو گئے اور بچے بھوکے ہیں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور ہمیں آسمان میں بادل کا ایک ٹکڑا بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

پس اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے آپ نے ابھی ہاتھ نیچے نہیں کئے تھے کہ پہاڑوں کی طرح بادل پھیل گئے پھر آپ منبر سے اترے نہیں تھے کہ میں نے دیکھا بارش (کا پانی) آپ کی داڑھی مبارک پر اتر رہا ہے اس دن بھی دوسرے دن اور تیسرے دن بھی حتیٰ کہ دوسرے جمعہ تک بارش ہوتی رہی۔

پھر وہ اعرابی یا کوئی دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! عمارتیں گر گئیں اور مال ڈوب گئے ہمارے لئے

دعا کیجئے آپ نے دستِ مبارک اٹھائے اور دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا لَا عَلَيْنَا. یا اللہ! ہمارے اردگرد بارش ہو ہم پر نہ ہو۔

آپ بادل کے جس کونے کی طرف اشارہ کرتے وہ ہٹتا جاتا اور مدینہ طیبہ ایک وسیع گول گڑھے کی طرح ہوگیا (یعنی بادلوں نے مدینہ طیبہ کے کناروں کو گھیر لیا) اور وادیٔ قناۃ ایک مہینے تک بہتی رہی اور مضافات سے جو بھی آیا اس نے تیز اور وسیع بارش کی خبر دی۔

ایک روایت میں ہے آپ نے یوں دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ عَلَى الْاٰكَامِ وَالظِّرَابِ وَ بُطُوْنِ الْاَوْدِيَةِ وَ مَنَابِتِ الشَّجَرِ. یا اللہ! ہمارے اردگرد پر ہم پر نہ ہو ٹیلوں اور چھوٹی پہاڑیوں پر اور وادیوں کے دامن نیز درختوں کے اُگنے کی جگہ پر ہو۔

(راوی فرماتے ہیں) بارش تھم گئی اور ہم باہر نکل کر دھوپ میں چلنے لگے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۱۳، صحیح مسلم ج ۸ ص ۹، سنن نسائی ج ۳ ص ۱۶۰۔۱۶۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۶۹، مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۴، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۵۳، الدر المنثور ج ۶ ص ۲۸، الادب المفرد رقم الحدیث: ۶۱۲، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۲، المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۳۴۶، دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۱۳۹، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۹۵، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۹۰۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۵۴۰۔۲۳۵۴۸)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا کہ ہمیں تنگی والے وقت کے بارے میں بتائیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم سب گرمی میں تبوک کی طرف نکلے ایک منزل پر اترے تو پیاس نے ستایا حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا ہماری سواریاں مر جائیں گی اور یہاں تک کہ ایک شخص دوسرے کو تلاش کرنے نکلتا تو وہ واپس نہ آتا حتیٰ کہ وہ گماں کرتا کہ عنقریب وہ ختم ہو جائے گا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک شخص اونٹ کو ذبح کر کے اس کی اوجھ (اوجھڑی) کو نچوڑ کر پیتا اور جو بچ جاتا اس کو جگر پر مل دیتا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ سے قبولیتِ دعا کا وعدہ فرمایا ہے آپ ہمارے لیے دعا کیجئے آپ نے فرمایا کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں چنانچہ آپ نے ہاتھ اٹھائے اور اس وقت تک واپس نہ کئے جب تک آسمان پر بادل نہیں آ گئے پس بارش برسی اور صحابہ کرام نے ان برتنوں کو بھرا جو ان کے پاس تھے پھر ہم چلے تو دیکھا کہ بارش نے لشکر سے تجاوز نہیں کیا تھا۔ (دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۲۳۱، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۹۴، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۵۷، موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۷۰۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۳۵۸)

حافظ منذری نے کہا کہ اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''دلائل النبوۃ میں'' ذکر کیا۔

ان کے شیخ ابن بشران ثقہ (قابلِ اعتماد) ہیں، دعلج بھی ثقہ ہیں اور ابن خزیمہ ائمۂ حدیث میں سے ایک ہیں یونس راوی سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں استدلال کیا ابن وہب، عمرو بن حارث اور نافع بن جبیر رحمہم اللہ سے امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے استدلال کیا البتہ عتبہ میں گفتگو کی گئی (یعنی ضعیف لیکن سچا قرار دیا گیا)۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''الشفاء میں'' مختصر طور پر نقل کیا اور ابن اسحاق نے ''اپنی مغازی میں'' روایت کیا۔

''مصباح الظلام کے'' مصنف نے حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ابوطالب نے کہا میں ''ذی المجاز'' مقام پر اپنے بھتیجے یعنی نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھا تو مجھے پیاس لگی میں نے آپ کی خدمت میں عرض کرتے ہوئے کہا میرے بھتیجے میں پیاسا ہوں میں نے ان سے یہ بات اس لئے کہی کہ میں وہاں وادی کے درمیان والے حصے (جس میں پانی نہ تھا) کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتا تھا آپ نے اپنی ٹانگوں کو موڑا پھر نیچے اترے اور فرمایا اے چچا! کیا تم پیاسے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں آپ نے اپنی ایڑی زمین پر لگائی تو وہاں پانی تھا آپ نے فرمایا اے چچا پیو پس میں نے پیا۔

ابن سعد اور ابن عساکر نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ (الشفاء ج اص ۲۹۰ طبقات ابن سعد ج اص ۱۲۱)

کھانے کا زیادہ ہونا

نبی اکرم ﷺ کی برکت اور دعا سے کھانے کا زیادہ ہونا بھی آپ کا معجزہ ہے۔

(البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۱۰۴ دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۸۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق کے ضمن میں فرماتے ہیں پس میں اپنی بیوی کی طرف لوٹا اور کہا کیا تیرے پاس کوئی چیز ہے؟ کیونکہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو سخت بھوک کی حالت میں دیکھا ہے اس نے ایک تھیلی نکالی جس میں ایک صاع (چار کلو) جو تھے اور ہمارے پاس بکری کا گھر میں پالا ہوا چھوٹا بچہ تھا پس میں نے اسے ذبح کیا اور میری بیوی (سہید بنت معوذ انصاریہ) نے جو پیسے حتیٰ کہ ہم نے ہنڈیا میں گوشت ڈالا پھر میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سرگوشی کے انداز میں عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے بکری کا بچہ ذبح کیا اور ایک صاع جو پیسے ہیں آپ اور کچھ دیگر افراد تشریف لائیں۔ رسول اکرم ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا اے اہل خندق! حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے دعوت کا اہتمام کیا لہٰذا تم سب جلدی کرو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہنڈیا کو (چولہے سے) نہ اتارنا اور آٹے کی روٹی نہ پکانا جب تک میں نہ آجاؤں آٹا آپ کے سامنے رکھا گیا تو آپ نے اس میں لعاب مبارک ڈالا اور برکت کی دعا کی پھر ہماری ہنڈیا کی طرف متوجہ ہوئے اس میں بھی لعاب مبارک ڈالا اور برکت کی دعا کی پھر فرمایا روٹی پکانے والی کو بلاؤ جو تمہارے ساتھ پکائے اور ہنڈیا میں سے سالن نکالنا اسے اتارنا نہیں ہے۔

وہ لوگ ایک ہزار تھے پس اللہ تعالیٰ کی قسم انہوں نے کھایا اور باقی چھوڑ کر واپس گئے اور ہماری ہنڈیا پہلے کی طرح جوش مار رہی تھی اور اس کی آواز آرہی تھی اور ہمارا آٹا جس کی روٹی پکائی گئی اسی طرح تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۰۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۱ البدایۃ والنہایہ ج ۴ ص ۱۰۰ دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۴۲۶ اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۶۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی آواز میں کمزوری محسوس کی ہے جس میں بھوک معلوم ہوتی ہے تمہارے پاس کچھ ہے انہوں نے فرمایا ''ہاں'' پھر جو کی چند روٹیاں نکالیں اس کے بعد دوپٹہ نکالا اس کے کچھ حصے سے روٹیوں کو لپیٹا اور اس کو میری بغل

کے نیچے دے کر باقی کپڑا میرے سر پر عمامہ کی طرح لپیٹ دیا پھر مجھے حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا' میں گیا تو میں نے رسول اکرم ﷺ کو مسجد میں پایا آپ کے ساتھ کچھ دوسرے حضرات بھی تھے میں نے سلام عرض کیا تو آپ نے فرمایا تجھے حضرت ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا کھانے کے لئے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں رسول اکرم ﷺ نے حاضرین سے فرمایا اٹھو پس آپ چل پڑے اور میں ان کے آگے آگے چل رہا تھا حتیٰ کہ میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کو اطلاع کی حضرت ابوطلحہ نے فرمایا اے ام سلیم! رسول اکرم ﷺ' صحابہ کرام کے ہمراہ تشریف لا رہے ہیں اور ہمارے پاس ان کو کھلانے کے لئے کچھ نہیں انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ (استقبال کے لئے) باہر نکلے اور آپ سے ملاقات کی۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ تشریف لائے اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے آپ نے فرمایا اے ام سلیم! تمہارے پاس جو کچھ ہے لے آؤ وہ وہی روٹی لے آئیں نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا تو روٹیوں کو توڑا گیا اور ام سلیم نے ایک کپی میں سے (گھی یا شہد) نچوڑا پھر نبی اکرم ﷺ نے اس پر کچھ پڑھا جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اس کے بعد فرمایا دس آدمیوں کو بلاؤ ان کو بلایا گیا پس انہوں نے سیر ہو کر کھایا اور باہر نکل گئے پھر دس دس کو بلایا گیا چنانچہ سب نے سیر ہو کر کھایا' یہ لوگ ستر یا اسی مرد تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۲' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۹' دلائل البر: ج۶ ص۸۹' تمہید ج۱ ص۲۸۹' شرح السنہ ج۱۳ ص۳۰۱' دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۱۴۷' اتحاف السادۃ المتقین ج۷ ص۱۶۹' البدایۃ والنہایہ ج۶ ص۱۰۸)

یہاں مسجد سے مراد وہ جگہ ہے جو غزوۂ خندق کے موقعہ پر فوجوں کے محاصرہ کے وقت نماز کے لئے تیار کی گئی تھی صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا دس آدمیوں کو بلاؤ پس وہ داخل ہوئے تو فرمایا بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ چنانچہ انہوں نے کھایا اور اسی افراد نے کھانا کھایا اس کے بعد حضور علیہ السلام اور گھر والوں نے کھایا اور کھانا بچ بھی گیا۔

"صحیح بخاری کی" ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا دس دس افراد کو میرے پاس بھیجو حتیٰ کہ چالیس افراد شمار کئے پھر نبی اکرم ﷺ نے تناول فرمایا پس میں دیکھنے لگا کہ کیا اس میں کوئی چیز کم ہوئی ہے؟ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۳)

یعقوب کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا آٹھ افراد کو میرے پاس بھیجتے رہو پس اسی طرح ہوتا رہا حتیٰ کہ اسی افراد آپ کے پاس داخل ہوئے پھر مجھے (حضرت انس رضی اللہ عنہ کو) میری ماں اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا تو ہم نے سیر ہو کر کھایا۔

تو یہ متعدد واقعات پر دلالت ہے ان میں سے اکثر روایات میں ہے کہ آپ نے ان کو دس دس کر کے بلایا صرف اس روایت میں آٹھ کا ذکر ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ بات کہی ہے انہوں نے فرمایا ظاہر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر اکیلے داخل ہوئے اور یہ بات عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی روایت میں واضح الفاظ میں بیان کی گئی ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

جب رسول اکرم ﷺ دروازے تک پہنچے تو ان سے فرمایا تم بیٹھو اور آپ اندر تشریف لے گئے۔ یعقوب کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے حضرت انس

رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا کہ صرف آپ کو دعوت دیں ہمارے پاس اتنا کچھ نہیں جس سے یہ لوگ سیر ہو کر کھائیں جن کو میں دیکھ رہا ہوں۔

عمرو بن عبداللہ کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا صرف ایک روٹی ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا عنقریب اللہ تعالیٰ اسے بابرکت بنادے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۵۰ مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۷ المعجم الکبیر ج ۵ ص ۱۰۸ اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۶۹)

علماء کرام فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو دس دس کر کے بلایا کہ پیالہ (بڑا پیالہ) ایک تھا بڑی جماعت اس میں سے کھانے پر قادر نہ تھی اور پھر کھانا بھی کم تھا پس ان کو دس دس کی جماعت میں تقسیم کیا تا کہ وہ کھائیں اور بھیڑ نہ ہو۔

ازالۂ شبہ

نبی اکرم ﷺ کا پوچھنا کہ تمہیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے ان کا ہاں میں جواب دینا اور پھر فرمانا کہ کھانے کے لئے؟ حضرت انس کا ہاں میں جواب دینا اور اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کا حاضرین کو اٹھنے کا حکم دینا۔ ان تمام باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ سمجھ گئے تھے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنے گھر بلایا ہے اسی لئے آپ نے وہاں موجود حضرات سے فرمایا اٹھو جب کہ کلام کا آغاز بتاتا ہے کہ حضرت ام سلیم اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہما نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو روٹی دے کر بھیجا تھا۔

تو ان دونوں باتوں کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ روٹی بھیجنے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ رسول اکرم ﷺ یہ روٹی لے کر کھائیں جب حضرت انس رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے اور آپ کے گرد صحابہ کرام کو دیکھا تو حیا محسوس کیا اور سوچا کہ حضور علیہ السلام کو تنہا اپنے گھر دعوت دوں اس طرح آپ کو کھانا کھلانے کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۳۰)

اور یہ بھی احتمال ہے کہ بھیجنے والوں کی رائے یہی ہو اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی ہو کہ جب لوگوں کی کثرت دیکھیں تو صرف حضور علیہ السلام کو دعوت دیں انہیں ڈر تھا کہ شاید یہ کھانا سب کو پورا نہ ہو اور انہیں نبی اکرم ﷺ کے ایثار کا بھی علم تھا کہ آپ تنہا تناول نہیں فرماتے۔

یعقوب بن عبداللہ بن ابی طلحہ رحمہم اللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں یہ روایت ابونعیم نے نقل کی اور اصل امام مسلم کے ہاں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا اے انس! جاؤ اور رسول اکرم ﷺ کے پاس کھڑے ہو جاؤ جب آپ کھڑے ہوں تو انتظار کرنا حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متفرق ہو جائیں پھر آپ کے پیچھے جانا جب آپ دروازے کی چوکھٹ پر پہنچیں تو عرض کرنا میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! میں نے حضرت انس کو بھیجا تھا کہ وہ صرف آپ کو دعوت دیں اور ہمارے پاس اتنے افراد کے لئے کھانا نہیں جن کو میں دیکھ رہا ہوں آپ نے فرمایا داخل ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے کھانے میں برکت ڈال دے گا۔

حضرت مبارک بن فضالہ رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کیا گھی ہے؟ حضرت ابوطلحہ رضی

اللہ عنہ نے عرض کیا کپی میں کچھ ہے پس وہ اسے لے کر حاضر ہوئے اب دونوں (حضور علیہ السلام اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ) نے اسے نچوڑا حتیٰ کہ کچھ نکل آیا پھر نبی اکرم ﷺ نے روٹی کو ہاتھ لگایا تو وہ پھول گئی آپ نے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھی آپ مسلسل اسی طرح کرتے رہے اور روٹی پھولتی رہی حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ برتن میں پھیل گئی۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۴۲، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۶۹، البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۱۱۲)

حضرت نضر بن انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے فرماتے ہیں میں کپی لے کر حاضر ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کا ڈھکنا کھولا پھر یہ الفاظ کہے:

بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اَعْظِمْ فِیْھَا الْبَرَکَۃَ۔ اللہ کے نام سے، یا اللہ! اس میں بہت بڑی برکت ڈال دے۔

معلوم ہوا کہ صحیحین کی روایت میں جو ذکر آیا ہے کہ آپ نے اس پر وہ کچھ پڑھا جو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آپ پڑھیں تو اس سے یہی کلمات مراد ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جو روایت امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کی ہے اس میں ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کو پیٹ پر پٹی باندھے ہوئے دیکھا (تو آپ کی بھوک کا احساس ہوا)۔

حضرت ابویعلیٰ نے حضرت محمد بن سیرین کے طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس کھانا نہیں تو انہوں نے ایک صاع کے بدلے مزدوری کی پھر یہ کھانا لائے۔

حضرت عمرو بن عبداللہ بن ابی طلحہ کی روایت جو امام مسلم اور ابویعلیٰ نے روایت کی ہے اس میں فرمایا کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو پیٹھ کے بل لیٹے ہوئے دیکھا کہ آپ الٹ پلٹ ہو رہے تھے۔

یعقوب بن عبداللہ بن ابی طلحہ کی روایت جسے امام مسلم نے ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اس میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حاضر ہوا تو نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ تشریف فرما تھے اور ان سے باتیں کر رہے تھے اور بطن اطہر پر کپڑے کی پٹی باندھ رکھی تھی میں نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ بھوک کی وجہ سے ایسا کیا ہے پس میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان کو اس بات کی خبر دی اور وہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور فرمایا کوئی چیز ہے؟

حضرت محمد بن کعب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو کچھ روایت کیا اور اسے ابونعیم نے نقل کیا اس میں اس طرح ہے کہ آپ فرماتے ہیں حضرت ابوطلحہ، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس سے گزرا آپ اصحابِ صفہ کو سورۂ نساء پڑھا رہے تھے اور آپ نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر صحابہ کرام کو بھوک نے ستایا تو

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ان سے ان کا زائد کھانا منگوائیں پھر اس پر برکت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں آپ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے چنانچہ آپ نے چمڑے کا ایک دستر خوان منگوایا۔

اور بچھا دیا پھر ان سے ان کا زائد کھانا منگوایا تو کوئی شخص مٹھی بھر غلہ لا رہا تھا تو کوئی روٹی کا ٹکڑا' حتیٰ کہ جب دستر خوان پر کچھ چیز جمع ہوگئی تو رسول اکرم ﷺ نے برکت کی دعا فرمائی پھر فرمایا اپنے اپنے برتن میں لے جاؤ چنانچہ وہ اپنے اپنے برتنوں میں لے گئے یہاں تک کہ لشکر میں کوئی ایسا برتن نہ تھا جو بھرا ہوا نہ ہو راوی فرماتے ہیں پس انہوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور کچھ بچ گیا تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ جو شخص اس کلمۂ شہادت کو یقین سے پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے اس کے لئے جنت سے کوئی رکاوٹ نہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۵' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۱۲۰' دلائل النبوۃ ابونعیم رقم الحدیث: ۱۴۹' تفسیر قرطبی ج ۸ ص ۲۷۹' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۷۰۔۱۹۰' البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۱۱۸' الشفاء ج ۱ ص ۲۹۳) (کلمۂ طیبہ (ایمان) جنت میں لے جانے کا باعث ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ عمل بھی ضروری ہے ورنہ ممکن ہے پہلے جہنم میں جانا پڑے اور پھر جنت میں جانا ہو۔۱۲ ہزاروی)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی تو میری والدہ حضرت ام سلیم نے کھجور' گھی اور پنیر کو ملا کر ایک حلوہ تیار کیا اور پھر ایک طسلے میں ڈال کر فرمایا یہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ' اور کہو میری ماں نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے اور وہ آپ کو سلام کہتی ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اسے رکھ دو اور فلاں فلاں کو میرے پاس بلاؤ آپ نے کچھ افراد کے نام لئے اور (فرمایا) ان کے علاوہ جو ملے اس کو بھی بلاؤ چنانچہ میں نے ان کو بھی جن کا آپ نے نام لیا اور ان کو بھی جن سے میری ملاقات ہوئی' بلایا میں واپس آیا تو گھر ان لوگوں سے بھرا ہوا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ تم کتنے لوگ تھے؟ انہوں نے فرمایا تقریباً تین سو افراد تھے۔

میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے اس حلوے پر ہاتھ رکھ کر جو کچھ اللہ نے چاہا آپ نے پڑھا پھر دس دس افراد کو بلاتے رہے جو اس میں سے کھاتے اور آپ ان سے فرماتے اللہ تعالیٰ کا نام لو اور ہر شخص اپنے سامنے سے کھائے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پس انہوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور ایک ایک گروہ کر کے چلے گئے جب سب نے کھا لیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا اے انس اسے اٹھا دو پس میں نے اسے اٹھا لیا مجھے معلوم نہیں جب اسے کھا گیا تھا اس وقت کھانا زیادہ تھا یا اٹھاتے وقت زیادہ تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۴' تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۴۴۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۷۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت ام مالک رضی اللہ عنہا ایک کپی میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں گھی کا تحفہ بھیجا کرتی تھیں۔

ان کے بیٹے ان کے پاس آ کر سالن کا سوال کرتے اور ان لوگوں کے پاس کچھ نہ ہوتا تو وہ اس کپی کی طرف جاتیں

پر لکھی گئی کتابوں میں ابوالحسن مدائنی کو "صاحب اخبار" کے الفاظ سے روشناس کرایا گیا۔ اور سند والی روایات بہت کم ذکر کرنے والا بتایا گیا۔

میزان الاعتدال:

عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ اَبُوالْحَسَنِ الْمَدَائِنِیُّ الْاَخْبَارِیُّ صَاحِبُ التَّصَانِیْفِ ذَکَرَہٗ ابْنُ عَدِیٍّ فِی الْکَامِلِ فَقَالَ عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ سَیْفٍ الْمَدَائِنِیُّ مَوْلٰی عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَۃَ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ فِی الْحَدِیْثِ وَ ھُوَ صَاحِبُ الْاَخْبَارِ قَلَّ مَالَہٗ مِنَ الرِّوَایَاتِ الْمُسْنَدَۃِ۔

(میزان الاعتدال للذھبی جلد ۳ ص ۲۳۶ حرف العین۔ مطبوعہ مصر طبع قدیم)

ترجمہ:

ابوالحسن علی بن محمد مدائنی اخباری بہت سی تصانیف کا مالک ہے۔ ابن عدی نے الکامل میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابوالحسن مدائنی مذکور عبدالرحمٰن بن سمرۃ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ حدیث میں قوی نہیں تھا۔ اور صاحب الاخبار تھا۔ روایات مسندہ کی اس نے بہت تھوڑی تعداد میں روایت کی ہے۔

پھر اسے دو پیالوں میں ڈالا گیا پس ہم سب نے کھایا اور دونوں پیالوں میں کچھ بچ بھی گیا تو میں نے اسے اونٹ پر رکھ لیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۱۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۰۷۱، مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۷۔ ص ۱۹۸، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۲۱۵، دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۹۵، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۱۷، الشفاء ج ۱ ص ۲۹۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ اہل صفہ کو بلاؤں پس میں ان کے پیچھے گیا حتیٰ کہ ان سب کو جمع کیا ہمارے سامنے ایک پیالہ رکھا گیا تو ہم نے جس قدر چاہا کھایا اور فارغ ہو گئے جبکہ وہ اسی طرح تھا جیسا رکھا گیا تھا البتہ اس میں انگلیوں کے نشانات تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بنو عبدالمطلب سے چالیس افراد کو جمع کیا ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو بکری کا آٹھ ماہ کا بچہ کھا جاتے اور بارہ صاع (اڑتالیس کلو) پانی پی جاتے تھے آپ نے ان کے لئے ایک کلو کھانا تیار کیا تو انہوں نے سیر ہو کر کھایا اور وہ پہلے کی طرح باقی رہ گیا پھر ایک لکڑی کا پیالہ طلب فرمایا تو انہوں نے اس میں سیر ہو کر پیا اور وہ (پانی) باقی رہ گیا گویا انہوں نے پیا ہی نہیں۔

آفت زدہ کو تندرست کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ

نبی اکرم ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ آپ آفت زدہ کو تندرست کر دیتے اور مردوں کو زندہ کرتے، ان سے کلام کرتے نیز بچوں سے کلام اور ان کا آپ کی نبوت پر شہادت دینا بھی معجزہ ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۶۰، ۱۶۷، دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۱۸۔ ۵۰۔ ۵۵)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے "دلائل النبوۃ میں" روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے کہا میں آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا جب تک آپ میری بیٹی کو زندہ نہ کر دیں آپ نے فرمایا مجھے اس کی قبر دکھاؤ چنانچہ اس نے آپ کو وہ قبر دکھائی آپ نے فرمایا اے فلاں لڑکی! اس نے کہا "میں حاضر ہوں" آپ نے فرمایا کیا تو واپس دنیا میں آنا چاہتی ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! میں واپس نہیں آنا چاہتی کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے ماں باپ سے بہتر پایا اور دنیا کے مقابلے میں آخرت کو اچھا دیکھا ہے۔

طبری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ مقام حجون میں پریشانی کے عالم میں اترے اور وہاں جس قدر اللہ تعالیٰ نے چاہا ٹھہرے پھر خوشی خوشی واپس تشریف لائے اور فرمایا میں نے اپنے رب عز و جل سے سوال کیا تو اس نے میری ماں کو زندہ کیا پس وہ مجھ پر ایمان لائیں پھر ان کو لوٹا دیا [1]

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم ﷺ کے والدین کو زندہ کرنے اور ان کا آپ پر ایمان لانے سے متعلق روایت بھی مروی ہے اسے امام سہیلی نے اور اسی طرح الخطیب نے کتاب "السابق واللاحق" میں ذکر کیا لیکن امام

---

[1] رسول اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ اگرچہ مؤمنہ تھیں کیونکہ وہ اعلان نبوت سے پہلے انتقال فرما گئیں تھیں لیکن اس کے باوجود آپ کو مزید یہ اعزاز ملا کہ آپ کو دوبارہ زندہ کیا گیا اور آپ دولت ایمان سے مالا مال ہوئیں اللہ تعالیٰ نجدیوں وہابیوں کو ہدایت دے انہوں نے حضرت آمنہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی قبر انور پر بلڈوزر پھیرا اور اسے مسمار کر دیا (العیاذ باللہ)۔ ۱۲ ہزاروی

سہیلی نے فرمایا اس کی سند میں کچھ راوی مجہول ہیں اور ابن کثیر نے کہا یہ حدیث بہت منکر ہے مقصد اول میں اس پر بحث گزر چکی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک انصاری نوجوان کا انتقال ہوگیا اور اس کی ماں ایک نابینا بوڑھی خاتون تھیں ہم نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور پھر اس کی ماں سے تعزیت کی اس نے پوچھا میرا بیٹا فوت ہوگیا ہے؟ ہم نے کہا جی ہاں' اس نے کہا یا اللہ! اگر تیرے علم کے مطابق میں نے تیری طرف اور تیرے نبی کی طرف ہجرت کی ہے اور یہ امید تھی کہ تو ہر مشکل میں میری مدد کرے تو مجھے اس مصیبت میں مبتلا نہ کر پس ہم وہاں سے نہیں ہٹے تھے کہ اس نوجوان نے اپنے چہرے سے پردہ ہٹایا تو اس نے اور ہم نے کھانا کھایا (اور وہ اس کے بعد عرصہ دراز تک زندہ رہا اور اس کی والدہ اس کی زندگی میں فوت ہوئی۔ زرقانی ج ۵ ص ۱۸۳)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ انصار کے معززین میں سے تھے وہ ظہر اور عصر کے درمیان مدینہ طیبہ کے ایک راستے میں گزر رہے تھے کہ گر کر انتقال کر گئے انصار کو اس بات کی خبر ہوئی تو آئے اور اٹھا کر ان کو گھر لے گئے انہوں نے ان کو دو چھوٹی اور ایک بڑی چادر سے ڈھانپ دیا' گھر میں انصار کی عورتیں تھیں جوان پر رونے لگیں اسی طرح کچھ مرد بھی رونے لگے تو وہ اسی حالت پر تھے حتیٰ کہ جب مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت ہوا تو کسی کہنے والے کی آواز سنی کہ خاموش رہو خاموش رہو۔

انہوں نے دیکھا کہ کپڑے کے نیچے سے آواز آرہی ہے انہوں نے اس کے چہرے اور سینے سے کپڑا ہٹایا تو کوئی کہنے والا اس کی زبان سے کہہ رہا ہے۔ حضرت محمد ﷺ نبی امی اور خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں یہ بات پہلی کتابوں میں بھی ہے پھر کہا یہ سچ ہے یہ سچ ہے۔ اس کے بعد کہا یہ اللہ کے رسول ہیں ''السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ و برکاتہ'' ابن ابی الدنیا نے اسے اپنی کتاب ''من عاش بعد الموت'' میں ذکر کیا ہے۔

حضرت سعید بن میسّب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انصار میں ایک شخص کا انتقال ہوگیا جب اسے کفن دیا گیا اور لوگ اسے اٹھانے کے لئے آئے تو اس نے کلام کرتے ہوئے کہا ''محمد رسول اللہ''۔ اس حدیث کو ابوبکر بن ضحاک نے ذکر کیا ہے۔

ابونعیم نے روایت نقل کی کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک بکری ذبح کر کے پکائی اور ایک بڑے پیالے میں روٹی کے ٹکڑے ڈال کر اس پر شوربا ڈالا اور رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں لے آئے پس صحابہ کرام نے اسے کھایا رسول اکرم ﷺ ان سے فرمار ہے تھے کھاؤ لیکن ہڈی نہ توڑنا پھر آپ نے ہڈیاں جمع کر کے ان پر ہاتھ رکھا اور کچھ پڑھا تو بکری کان جھاڑتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔ (السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۰۲)

حضرت معرض بن معیقیب یمانی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کیا اور پھر مکہ مکرمہ کے ایک گھر میں داخل ہوا میں نے رسول اکرم ﷺ کو اس میں دیکھا اور ایک تعجب خیز بات دیکھی یمامہ کا ایک شخص ایک بچے کو لے کر حاضر ہوا جو اسی دن پیدا ہوا تھا رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اے بچے! میں کون ہوں؟ اس نے کہا ''آپ اللہ

تعالیٰ کے رسول ہیں'' آپ نے فرمایا تو نے سچ کہا اللہ تعالیٰ تجھے برکت عطا کرے اس کے بعد اس بچے نے جوانی تک کوئی بات نہ کی اور ہم نے اس کا نام ''مبارک یمامہ'' رکھا۔ (دلائل النبوۃ ج۶ ص۵۹' البدایۃ والنہایہ ج۹ ص۱۶۷' اتحاف السادۃ المتقین ج۷ ص۱۹۵' تاریخ بغداد ج۳ ص۴۴۳' کنز العمال رقم الحدیث:۳۵۴۰۱)

حضرت فہد بن عطیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک بچہ لایا گیا جو جوانی کو پہنچ گیا تھا لیکن اس نے کبھی کلام نہ کیا آپ نے اس سے پوچھا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک عورت اپنے بچے کو لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرا یہ بچہ پاگل ہے اور اسے اس وقت دورہ پڑتا ہے جب ہم صبح اور شام کا کھانا کھاتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا تو اس نے قے کی اور اس کے پیٹ سے کتے کا سیاہ بچہ نکلا جو دوڑ گیا۔

(مسند احمد ج۱ ص۲۵۴-۲۶۸' سنن دارمی رقم الحدیث:۴' دلائل النبوۃ ج۶ ص۱۸۶)

غزوۂ احد کے دن حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں تیر لگا حتیٰ کہ وہ نکل کر آپ کے رخساروں پر آ گئی وہ اس آنکھ کو لے کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری ایک بیوی ہے جس سے میں محبت کرتا ہوں مجھے ڈر ہے کہ اگر اس نے مجھے دیکھ لیا تو ناپسند کرے گی نبی اکرم ﷺ نے اس آنکھ کو اپنے ہاتھ میں پکڑ کر اس کی جگہ پر دوبارہ رکھ دیا اور فرمایا اللہ کے نام سے (رکھتا ہوں) یا اللہ! ان کو حسن و جمال کا لباس عطا فرما پس وہ آنکھ دوسری آنکھ کے مقابلے میں زیادہ خوبصورت تھی اور اس کی نظر بھی زیادہ تیز تھی اور جب دوسری آنکھ دکھتی تو یہ آنکھ دکھتی نہیں تھی۔ (دلائل النبوۃ ج۳ ص۲۵۲' اتحاف السادۃ المتقین ج۷ ص۱۸۷)

ان (صحابی) کی اولاد میں سے ایک شخص حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا:

ابونا الذی سالت علی الخدعینہ — فردت بکف المصطفی ایما رد

فعادت کما کانت لاول امرھا — فیا حسن ما عین و یا حسن ماخد

''ہمارے باپ وہ ہیں جن کی آنکھ لٹک کر رخسار پر آ گئی تھی پس حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دست مبارک سے واپس ہوئی جیسے بھی واپس ہوئی پس وہ آنکھ پہلے کی طرح ہوگئی تو وہ آنکھ کتنی حسین اور وہ رخسار کس قدر خوبصورت تھا''؟

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے قریب کیا اور اچھا انعام دیا۔

امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت محمد بن ابی عثمان نے (حضرت عمار بن نصر سے اور انہوں نے) حضرت مالک بن انس سے انہوں نے حضرت محمد بن عبداللہ بن ابی صعصعہ سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے حضرت ابوسعید سے انہوں نے اپنے بھائی حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں غزوۂ احد کے دن میری آنکھوں میں تیر لگا جس سے وہ میرے چہرے پر گر گئیں میں ان دونوں کو لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ

نے ان کو ان کی جگہ پر رکھ کر لعاب مبارک لگایا تو وہ دوبارہ روشن ہوگئیں۔ امام دار قطنی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی روایت میں حضرت عمار بن نصر متفرد ہیں اور وہ ثقہ ہیں۔ اور دار قطنی نے اسے حضرت ابراہیم حربی کے واسطے سے حضرت عمار بن نصر سے روایت کیا۔

امام طبرانی اور ابونعیم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں احد کے دن اپنے چہرے کے ذریعے رسول اکرم ﷺ کے چہرۂ انور کو تیروں سے بچاتا تھا تو آخر میں ایک تیر نے میری آنکھ کا ڈھیلا گرادیا میں اسے ہاتھ میں لے کر رسول اکرم ﷺ کی طرف دوڑ پڑا جب آپ نے اسے میری ہتھیلی میں دیکھا تو آپ کی مبارک آنکھوں سے آنسو نکل پڑے، آپ نے دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ قَتَادَةَ كَمَا وَقٰى وَجْهَ نَبِيِّكَ بِوَجْهِهٖ فَاجْعَلْهَا اَحْسَنَ عَيْنَيْهِ وَاَحِدَّهُمَا نَظَرًا. (اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ص ۱۸۷)

یا اللہ! حضرت قتادہ کو بچالے جس طرح انہوں نے تیرے نبی کے چہرے کو اپنے چہرے کے ذریعے بچایا پس اس آنکھ کو دونوں آنکھوں میں سے زیادہ خوبصورت اور اس کی نظر کو زیادہ تیز کردے۔

''صحیح بخاری میں'' غزوۂ خیبر کے سلسلے میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے آپ نے فرمایا ان کی طرف کسی کو بھیجو چنانچہ آپ حاضر ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعاب مبارک لگایا اور ان کے لئے دعا فرمائی پس وہ اس طرح ٹھیک ہوئے کہ گویا ان کی آنکھوں میں کوئی تکلیف نہ تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۱۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۲، مسند احمد ج ۱ص ۱۸۵۔ ج ۵ص ۳۳۳، السنن الکبریٰ ج ۹ص ۱۰۷، دلائل النبوۃ ج ۴ص ۲۰۵، تمہید ج ۲ص ۲۱۸، المعجم الکبیر ج ۶ص ۱۸۷، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ص ۱۸۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۱۱۹۔ ۳۶۴۹۳۔ ۳۶۴۹۶)

''طبرانی شریف میں'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جب سے رسول اکرم ﷺ نے خیبر کے دن مجھے جھنڈا دیا اس دن سے نہ تو میری آنکھ دکھی اور نہ سر میں درد ہوا۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت ایاس بن سلمہ کے طریق سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تو میں آپ کو لے کر حاضر ہوا اور ان کی آنکھ میں تکلیف تھی پس آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں لعاب مبارک لگایا تو وہ ٹھیک ہوگئیں۔

امام حاکم کے نزدیک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں پس نبی اکرم ﷺ نے میرا سر اپنی گود میں رکھا پھر اپنی ہتھیلی میں لعاب ڈال کر اس کو میری آنکھ پر ملا۔ اور طبرانی کے نزدیک اس طرح ہے کہ اب تک میری آنکھ میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی اور رسول اکرم ﷺ نے میرے لئے دعا بھی فرمائی جس کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنْهُ الْحَرَّ وَالْقَرَّ.

یا اللہ! ان سے (نقصان دہ) گرمی سردی کو دور کر دے۔

فرماتے ہیں پس آج تک میری آنکھوں میں تکلیف نہیں ہوئی۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۱۱۱ مسند احمد ج ۱ ص ۹۹ البدایۃ والنہایہ ج ۷ ص ۳۵۲ فتح الباری ج ۷ ص ۶۰۶)

خیبر کے دن حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی پنڈلی میں ضرب لگنے سے زخم آ گیا تو نبی اکرم ﷺ نے تین بار لعاب کے ساتھ پھونک ماری تو اس کے بعد ان کو کبھی تکلیف نہیں ہوئی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۹۴ مسند احمد ج ۴ ص ۹۸)

حضرت فدیک رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں سفیدی تھی اور ان کو کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا اور وہ سانپ کے انڈے پر گر گئے تھے رسول اکرم ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعاب کے ساتھ پھونک ماری تو (ان کی حالت یوں ہوگئی کہ) وہ اسی سال کی عمر میں سوئی میں دھاگہ ڈال لیتے تھے اور ان کی آنکھیں روشن ہو چکی تھیں۔

فصل نمبر ۳

رسول اکرم ﷺ کی خصوصیات

اللہ تعالیٰ نے جن معجزات کے ساتھ آپ کو خاص کیا اور جن کرامات اور دلائل کے ذریعے آپ کو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے مقابلے میں زیادہ شرف عطا کیا۔ (البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۲۸۵)

نبی اکرم ﷺ کی فضیلت

اللہ تعالیٰ میرے اور تیرے دل کو روشن کر دے نیز میرے اور تیرے دل کو پاک کر دے جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو بعض امور کے ساتھ خاص کیا اور وہ باتیں آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں اور جس نبی کو جو کچھ دیا گیا ہمارے آقا ﷺ کو بھی اس کی مثل دیا گیا آپ کو جامع کلمات عطا کیے گئے اور آپ اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے جب کہ دوسرے نبی اپنی نبوت کی حالت اور اپنے زمانہ رسالت میں ہی نبی ہوتے ہیں۔

تو جب سرکار دو عالم ﷺ کو یہ مقام عطا کیا گیا تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ کو تمام کامل اور مبعوث انسانوں (انبیاء کرام) سے بڑھ کر فضیلت عطا کی گئی۔

اللہ تعالیٰ امام شرف الدین بوصیری ادیب رحمہ اللہ پر رحم فرمائے انہوں نے کیا ہی اچھا کلام کہا ہے وہ فرماتے ہیں:

وکل ای اتی الرسل الکرام بھا　　فانما اتصلت من نورہ بھم

فانہ شمس فضل ھم کواکبھا　　یظھرن انوارھا للناس فی الظلم

''جس قدر معجزات انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں لائے درحقیقت وہ تمام آپ ہی کے نور سے ان کو حاصل ہوئے کیوں کہ آپ آفتاب کمال ہیں اور باقی انبیاء کرام حضور علیہ السلام کے مقابلے میں ستاروں کی طرح ہیں جو علم وہدایت کی روشنی کو جہالت کے اندھیرے میں لوگوں پر ظاہر کرتے ہیں''۔

علامہ ابن مرزوق رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام میں سے ہر ایک جو معجزہ لے کر آیا وہ اسے نور محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے ذریعے حاصل ہوا اور ان کا یہ قول کتنا اچھا ہے۔

"فانما اتصلت من نوره بهم"۔ یعنی نبی اکرم ﷺ کا نور ہمیشہ قائم رہا اور اس سے کچھ بھی کم نہ ہوا اور یہ آپ کے نور کا فیضان ہے یہ وہم نہ کیا جائے کہ آپ کا نور ان کو مل گیا اور آپ کے لئے کچھ بھی باقی نہ رہا۔

اور ہر نبی کا معجزہ رسول اکرم ﷺ کے نور سے حاصل ہوا کیونکہ آپ فضیلت کا سورج ہیں اور وہ اس سورج کے ستارے ہیں جو اس سورج کے انوار کو اندھیرے میں لوگوں کے لئے ظاہر کرتے ہیں پس ستارے خود بخود روشن نہیں ہوتے بلکہ وہ سورج سے مدد حاصل کرتے ہیں جب وہ غروب ہوتا ہے تو یہ اس کی روشنی کو ظاہر کرتے ہیں اس طرح آپ کے وجود مسعود سے پہلے انبیاء کرام آپ کی فضیلت کو ظاہر کرتے تھے پس انبیاء کرام کے ہاتھوں سے جو انوار ظاہر ہوئے وہ آپ کے نور کا فیض اور وسیع مدد ہے اور آپ کے نور میں بھی کوئی کمی نہیں آئی۔

سب سے پہلے آپ کا نور حضرت آدم علیہ السلام میں ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلیفہ بنایا اور نبی اکرم ﷺ کو جوامع کلمات عطا کئے تھے ان کی جگہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے اور تمام اشیاء کے ناموں کے ذریعے وہ فرشتوں پر غالب آ گئے جو فرشتے کہتے تھے:

اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ (البقرۃ:۳۰)

کیا تو اس (زمین) میں ان لوگوں کو پیدا کرتا ہے جو اس میں فساد پھیلائیں گے اور خون بہائیں گے۔

پھر خلفاء کو زمین میں اتارا حتیٰ کہ رسول اکرم ﷺ کے جسمانی وجود مسعود کا وقت آ گیا تا کہ آپ کے مقام و مرتبہ کو ظاہر کیا جائے جب آپ تشریف لائے تو گویا آپ سورج ہیں جس کے نور میں تمام نور گم ہو گئے اور تمام انبیاء کرام کے معجزات آپ کے معجزات میں لپیٹ دیئے گئے' تمام رسالتیں آپ کی صلب نبوت میں داخل ہو گئیں اور تمام نبوتیں آپ کی رسالت کے جھنڈے کے نیچے آ گئیں پس جس کو جو فضیلت دی گئی اس کی مثل رسول اکرم ﷺ کو بھی عطا کی گئی۔

دیگر انبیاء کرام کے ساتھ فضائل میں شرکت

حضرت آدم علیہ السلام کی یہ فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا تو ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کو یہ اعزاز عطا کیا کہ آپ کے سینہ مبارکہ کو کھول دیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے یہ کام کیا اور اس میں ایمان اور حکمت بھر دی اور یہ آپ کا خلق عظیم ہے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کی تخلیق فرمائی تو ہمارے آقا ﷺ کے خلق مبارک کی تخلیق خود فرمائی حالانکہ جیسا کہ گزر گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا مقصد' نبی اکرم ﷺ کو آپ کی پشت مبارک سے پیدا کرنا تھا تو حضرت محمد ﷺ مقصود اور حضرت آدم علیہ السلام وسیلہ تھے اور مقصود کو وسیلہ پر سبقت (فضیلت) حاصل ہوتی ہے۔

اور جہاں تک حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے فرشتوں کے سجدہ کرنے کا تعلق ہے تو امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر (تفسیر کبیر) میں فرمایا کہ فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ

رسول اکرم ﷺ کا نور ان کی پیشانی میں چمکتا تھا۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

تجلیت جل اللہ فی وجہ آدم فصلی لہ الاملاک حین توسلوا

''اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے آپ نے حضرت آدم علیہ السلام کے چہرے (پیشانی) میں تجلی فرمائی تو فرشتوں نے آپ کے وسیلہ سے ان کو سجدہ کیا (آپ کے نور کی وجہ سے)''۔

حضرت ابوعثمان الواعظ سے الفاکھانی نے نقل کیا وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت امام سہل بن محمد رحمہ اللہ سے سناوہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ:

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاO (الاحزاب:۵۶)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجتے ہیں پس اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

کے ذریعے آپ کو جو شرف عطا فرمایا وہ اس شرف سے زیادہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دے کر حضرت آدم علیہ السلام کو عطا فرمایا کیونکہ اس شرف میں (سجدہ کرنے میں) اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کے ساتھ شریک ہونا جائز نہیں تو اس اعزاز کی عطا جس میں اللہ تعالیٰ فرشتے اور مؤمن شامل ہوں وہ اس اعزاز واکرام سے زیادہ بلیغ ہے جو فرشتوں کے ساتھ خاص ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جو تمام چیزوں کے نام سکھائے گئے تو امام دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

مثلت لی امتی فی الماء والطین و علمت الاسماء کلھا کما علم الادم الاسماء کلھا.

میرے لئے میری امت پانی اور گارے میں پیش کی گئی اور مجھے تمام ناموں کا علم دیا گیا جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام نام سکھائے گئے۔

(الدر المنثور ج ا ص ۴۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۵۸۸)

پس جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو تمام علوم حاصل ہوئے اسی طرح ہمارے نبی ﷺ کو بھی تمام علوم بلکہ اس سے زیادہ کا علم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان علوم کی ذاتوں کا بھی علم عطا کر کے آپ پر رحمت اور سلامتی نازل فرمائی

امام بوصیری رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا:

لک ذات العلوم من عالم الغیب ومنھا لادم الاسماء

''آپ کے لئے غیب جاننے والے کی طرف سے علوم کی ذات عطا ہوئی اور ان میں سے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کے ناموں کا علم دیا گیا''۔

اور اس میں شک نہیں کہ مسمیات (اشیاء) ناموں سے بلند مرتبہ رکھتی ہیں کیونکہ نام تو ان اشیاء کی پہچان کے لئے ہوتے ہیں پس ذاتی طور پر مقصود اشیاء ہی ہوتی ہیں ان کی طرف ''ذات العلوم'' کے الفاظ سے اشارہ کیا گیا اور اسماء (نام) دوسروں کے لئے (اشیاء کے لئے) مقصود ہوتے ہیں لہٰذا وہ نچلے درجہ میں ہیں پس عالم کی فضیلت اس کی معلومات کی فضیلت کے مطابق ہوتی ہے (چونکہ حضور علیہ السلام کی معلومات اشیاء ہیں اور وہ ناموں سے افضل ہیں لہٰذا آپ کو آدم علیہ السلام کے مقابلے میں فضیلت حاصل ہے)۔

حضرت ادریس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بلند مقام عطا فرمایا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا. (مریم:۵۷) اور ہم نے ان کو بلند مقام عطا فرمایا۔

تو ہمارے آقا ﷺ کو معراج عطا کیا گیا اور ایسے مقام تک لے جایا گیا کہ وہاں تک کسی دوسرے کو رفعت عطا نہیں ہوئی۔

حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے ہمراہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ڈوبنے سے بچایا اور زمین میں دھنسنے سے نجات دی تو ہمارے آقا ﷺ کو یہ اعزاز عطا فرمایا کہ آپ کی امت آسمانی عذاب سے ہلاک نہیں ہوگی۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم. اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عذاب نہیں دے گا جب کہ آپ ان میں موجود ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کو پانی پر روک کر ان کو اعزاز بخشا تو حضرت محمد ﷺ کو اس سے بھی بڑا اعزاز عطا کیا ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ پانی کے کنارے پر تھے اور حضرت عکرمہ بن ابوجہل وہاں بیٹھ گئے کہنے لگے اگر آپ سچے ہیں تو اس پتھر کو بلائیں جو دوسری طرف ہے وہ تیرتا ہوا آئے اور غرق نہ ہو نبی اکرم ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کیا تو وہ پتھر اپنی جگہ سے نکل کر تیرتا ہوا آپ کے سامنے آیا اور آپ کی رسالت کی شہادت دی نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے یہ کافی ہے؟

حضرت عکرمہ نے عرض کیا حتیٰ کہ اپنی جگہ چلا جائے۔ تو یہ بات دوسروں کے لئے نہیں دیکھی گئی اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (تغلیق التعلیق رقم الحدیث:۱۹۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نمرود کی آگ ٹھنڈی اور سلامتی بن گئی تو ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کو اس کی مثل اعزاز اس طرح عطا کیا گیا کہ آپ سے لڑائی کی آگ کو ٹھنڈا کیا گیا۔

اور تمہارے لئے یہی بات کافی ہے کہ حضور علیہ السلام کی لڑائی کی آگ کے لئے تلواریں لکڑی' اس کی گرمی ہلاکت اس کا سبب حسد اور مراد روح و جسم تھا (یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اعزاز عطا فرمایا اور دشمن کے مکر و فریب کو کمزور کیا)۔

ارشادِ خداوندی ہے:

كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ جب بھی انہوں (کفار) نے لڑائی کے لئے آگ جلائی اللہ تعالیٰ نے اسے بجھا دیا۔

تو انہوں نے کتنی بار آگ کے ذریعے نور کو بجھانے کی کوشش کی اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کو پورا کرنے کے بغیر کچھ نہ مانا نیز ان کے شر کو مٹانے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعریف پر خوشی اور اس کے ظہور کا ارادہ فرمایا۔

ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ معراج کی رات آگ کے دریا پر سے سلامتی کے ساتھ گزر گئے جو آسمان دنیا سے گزر کر ہے جس طرح کہ میں نے بعض کتب میں مروی دیکھا ہے۔

حضرت امام نسائی رحمہ اللہ نے روایت کیا کہ حضرت محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بچہ تھا کہ مجھ پر ہنڈیا الٹ گئی جس سے میرا تمام چمڑا جل گیا تو میرے والد مجھے اٹھا کر نبی اکرم ﷺ کے پاس لے گئے آپ نے میری جلد پر لعاب مبارک لگایا اور جلی ہوئی جگہ پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ. اے لوگوں کے رب! اس تکلیف کو دور کر دے۔

پس میں صحیح ہو گیا اور کوئی تکلیف باقی نہ رہی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۷۵-۵۷۴۳-۵۷۴۴-۵۷۵۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۶-۴۷-۴۹، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۱۹-۳۵۲۰-۳۵۳۰، مسند احمد ج۶ ص۴۴، السنن الکبریٰ ج۳ ص۳۸۱، المستدرک ج۴ ص۶۲، المعجم الکبیر ج۴ ص۳۲۷، دلائل النبوۃ ج۶ ص۱۷۴، شرح السنہ ج۵ ص۲۴۴، مجمع الزوائد ج۵ ص۱۱۲، کشف الخفاء ج۱ ص۱۱۵، موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۴۱۵-۱۴۱۷، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۵۳۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۳۷۱-۲۵۶۹۱-۲۸۵۳۷-۲۸۵۳۹)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو مقام خلت عطا کیا گیا (اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا خلیل بنایا) تو یہ اعزاز ہمارے آقا ﷺ کو بھی عطا کیا گیا اور مقام محبت مزید عطا کیا گیا۔ حدیث شفاعت میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلیل بنایا ہے پس ہماری سفارش کیجئے تو انہوں نے فرمایا ''میں دور دور سے خلیل تھا کسی اور کی طرف جاؤ'' یہاں تک کہ حضور علیہ السلام تک سفارش کا سلسلہ پہنچے گا تو آپ فرمائیں گے:

انا لھا انا لھا. میں ہی اس کام کے لئے ہوں (دوبار فرمائیں گے)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۱۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۲۹، تفسیر ابن کثیر ج۸ ص۴۲۱، البدایہ والنہایہ ج۱ ص۱۶۰، الشفاء ج۱ ص۲۲۰)

تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے خلیل تھے اور آپ سے پردہ ہٹایا دیا گیا اور اگر آپ بھی دور دور سے (پردے کے پیچھے سے) خلیل ہوتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح آپ بھی معذرت کر دیتے۔

اس سے اس بات پہ تنبیہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی زیارت اور پردوں کے اٹھ جانے کا اعزاز بھی حاصل ہوا حتیٰ کہ آپ نے اپنی سر کی آنکھوں سے حق کو دیکھا جس طرح پانچویں مقصد میں اس پر بحث آئے گی۔ انشاء اللہ

خلاصہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو وہ مقام خلت بھی ملا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے مشہور ہے اور یوں ملا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ کا حصہ اس سے اعلیٰ ہے۔ اور یہ آپ کے اس قول سے ثابت ہوا جس میں انہوں نے فرمایا میں پردے کے باہر باہر سے خلیل تھا بلکہ آپ کے لئے پردہ ہٹ گیا اور آپ کو بارگاہ خداوندی کا قرب حاصل ہوا (یہاں مکان مراد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے)۔

تو دلیل و برہان کے ساتھ (ثابت) مقام مصطفیٰ یہ ہے (ﷺ) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ آپ نے زمین پر تنہا اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اس کی توحید کا اعلان کیا اور بتوں کو توڑ پھوڑ دیا تو ہمارے آقا ﷺ کو بھی یہ اعزاز حاصل ہوا کہ آپ نے ان کے مددگاروں کی موجودگی میں شاخ سے ان کو توڑا تو یہ ربانی قوت اور مادۃ الٰہیہ کے ساتھ توڑا' کلہاڑی کی بجائے سانسوں کے ذریعے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کیا کسی کدال کی مدد نہیں لی ایسا کلام بھی نہیں کیا جو دو معنوں کا احتمال رکھتا ہو اور حملہ کرنے کے لئے کوئی بہانہ نہیں تراشا بلکہ واضح الفاظ اور بلند آواز میں فرمایا:

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا. آپ فرما دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے ہی کے لئے ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ الحرام کی تعمیر کا اعزاز عطا کیا گیا اور اس بات میں کوئی پوشیدگی نہیں کہ بیت اللہ شریف جسم ہے اور اس کی روح حجر اسود ہے بلکہ وہ اس کے دل کا خاص حصہ ہے بلکہ حدیث شریف میں یوں آیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے اور یہ بات اس سے کنایہ ہے کہ اس کا بوسہ لیا جاتا ہے یا اسے چھوا جاتا ہے۔ جس طرح عہد و پیمان کے وقت دائیں ہاتھ کو چھوا جاتا ہے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۷۲۹-۳۴۷۳۰)

اور یہ (حجر اسود) ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کو عطا کیا گیا کہ جب قریش نے بیت اللہ شریف کو گرانے کے بعد تعمیر کیا اور صرف حجر اسود رکھنا باقی رہ گیا تو انہوں نے فخر کی وجہ سے ایک دوسرے سے جھگڑا کیا پھر وہ اس بات پر متفق ہو گئے کہ جو شخص سب سے پہلے حرم میں داخل ہوا سے فیصل تسلیم کریں گے۔

چنانچہ اتفاق ایسا ہوا کہ ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ پہلے داخل ہوئے تو انہوں نے کہا ''ہذا الامین'' (یہ امین ہیں) تو انہوں نے آپ کو اس سلسلے میں فیصل مقرر کیا آپ نے چادر بچھانے کا حکم دیا پھر اس میں حجر اسود کو رکھا اس کے بعد فرمایا کہ ہر قبیلہ ایک طرف کو پکڑ کر اٹھائے چنانچہ ان سب نے اٹھایا پھر ہمارے آقا ﷺ نے اسے اٹھا کر اس کے مقام پر رکھ دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام آپ کے لئے رکھا تاکہ رہتی دنیا تک آپ کی تعریف ہوتی رہے۔

(سیرۃ ابن ہشام ج ا ص ۲۰۸' البدایۃ والنہایہ ج ۲ ص ۲۷۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزہ عطا ہوا کہ آپ کا عصا سانپ میں بدل جاتا لیکن بولتا نہیں تھا تو ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کو کھجور کے خشک تنے (ستون) کے رونے کا معجزہ عطا کیا گیا اس کا واقعہ پہلے گزر چکا ہے۔

حضرت امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اور دوسرے حضرات نے بھی لکھا ہے کہ جب ابوجہل نے آپ کو پتھر مارنے کا ارادہ کیا تو اس نے آپ کے دونوں کاندھوں پر دو سانپ دیکھے پس وہ خوفزدہ ہو کر واپس چلا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دوسرا معجزہ سفید ہاتھ کی صورت میں دیا گیا اور اس کی سفیدی آنکھوں کو ڈھانپ لیتی تھی تو ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ایک ایسا دائمی نور عطا کیا گیا جو آپ کے آباؤ اجداد کی پشتوں سے آپ کی ماؤں (دادیوں) کے پیٹوں میں منتقل ہوتا رہا اور یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک جاری رہا اور نبی اکرم ﷺ نے حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کو ایک نہایت تاریک رات میں ایک لاٹھی عطا فرمائی انہوں نے آپ کے ہمراہ عشاء کی نماز پڑھی تھی (پھر گھر جانے لگے تو یہ لاٹھی دے کر) فرمایا کہ یہ لاٹھی آپ کے آگے اور پیچھے دس دس گز تک روشنی دے گی پس جب تم اپنے گھر میں داخل ہو جاؤ گے تو اندھیرا دیکھو گے تو اسے مارنا یہاں تک کہ وہ چلا جائے وہ شیطان ہے پس وہ تشریف لے گئے اور لاٹھی نے ان کو روشنی دی حتیٰ کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہوئے اور وہ سیاہی پائی اور اسے مارا تو وہ نکل گئی۔

امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا وہ فرماتے ہیں حضرت عباد بن بشر اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما کسی کام کے لئے حضور علیہ السلام کے پاس موجود تھے حتیٰ کہ رات کا کچھ حصہ گزر گیا اور اس رات سخت اندھیرا تھا پھر وہ دونوں وہاں سے نکلے اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں عصا تھا پس ان دونوں کے لئے ایک عصا روشن ہو گیا اور وہ دونوں اس کی روشنی میں چلے حتیٰ کہ جب ان کا راستہ جدا جدا ہوا تو ہر ایک اپنے اپنے عصا کی روشنی میں چلنے لگا حتیٰ کہ وہ اپنے اپنے مقام مقصود تک پہنچ گئے۔ امام بخاری نے اس کی مثل حدیث ''اپنی صحیح میں'' نقل کی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۵_۳۶۳۹_۳۸۰۵)

امام بخاری رحمہ اللہ نے ''اپنی تاریخ میں'' اور امام بیہقی نیز ابونعیم نے حضرت حمزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے پھر اندھیری رات میں الگ الگ ہو گئے تو میرے انگلی روشن ہو گئی حتیٰ کہ ان کی سواریاں اس کے پاس جمع ہو گئیں اور ان میں سے کوئی بھی ہلاک نہ ہوا اور بے شک میری انگلی روشن رہی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ بھی عطا ہوا کہ آپ کے لئے دریا پھٹ گیا اور ہمارے آقا ﷺ کو چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ ملا جیسا کہ گزر چکا ہے پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تصرف زمین میں تھا اور ہمارے آقا ﷺ نے آسمانی دنیا میں تصرف فرمایا اور دونوں میں فرق واضح ہے۔ یہ بات ابن منیر نے کہی ہے۔

ابن حبیب نے ذکر کیا کہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک سمندر ہے جس کو مکفوف کہا جاتا ہے اس کے مقابلے میں زمین کا سمندر ایسا ہے جیسے سمندر کا ایک قطرہ ہو۔

ابن منیر کہتے ہیں اس بنیاد پر یہ سمندر ہمارے نبی ﷺ کے لئے پھٹا حتیٰ کہ آپ اس سے تجاوز کر گئے یعنی معراج شریف کی رات ایسا ہوا اور اس سمندر کا پھٹ جانا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریا کے پھٹنے سے بڑا معجزہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ ان کی دعا قبول ہوتی اور ہمارے نبی ﷺ کو یہ اعزاز بے شمار مرتبہ حاصل ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ آپ کے لئے پتھر سے پانی جاری ہوا جب کہ ہمارے سردار حضرت

محمد ﷺ کو یہ معجزہ عطا ہوا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی جاری ہوا اور یہ زیادہ بلیغ ہے کیونکہ پتھر زمین کی جنس سے ہے جس سے پانی نکلتا ہے اور عادتاً گوشت میں سے پانی نہیں نکلتا۔ اللہ تعالیٰ شاعر پر رحم فرمائے وہ کہتے ہیں:

وکل معجزة للرسل قد سلفت وافی بـا عـجـب منها عند اظهار
فما العصاحية تسعى باعجب من شكوى البعير ولا من مشى اشجار
ولا انفجار معين الماء من حجر اشد من سلسل من كفه جار

''رسولوں کے جتنے معجزات گزر گئے ہیں یہ اظہار کے وقت ان سب سے زیادہ تعجب خیز ہیں (حضرت موسیٰ علیہ السلام کا) سانپ جو اژدھا کی صورت میں دوڑ رہا تھا وہ (حضور علیہ السلام کی خدمت میں) اونٹ کی شکایت اور درختوں کے چلنے سے زیادہ تعجب خیز نہیں ہے۔ اور اسی طرح پتھر سے پانی کا نکلنا آپ کی ہتھیلی سے جاری ہونے والے پانی کے مقابلے میں زیادہ تعجب میں ڈالنے والا نہیں ہے''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی حاصل ہوا تو ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی معراج کی رات اور قرب خداوندی کے وقت یہ اعزاز ملا نیز نبی اکرم ﷺ کا مقامِ مناجات آسمانوں سے اوپر بلندی یا سدرۃ المنتہیٰ جہاں (تقدیر لکھنے والی) قلموں کے چلنے کی آواز آتی' نور کے پردوں اور رفرف۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقامِ مناجات طور سیناء ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام کو زبان کی فصاحت عطا کی گئی تو ہمارے نبی ﷺ کو افضل محل اور ایسی جگہ فصاحت دی گئی جہاں جہالت نہیں بعض صحابہ کرام نے آپ سے عرض کیا کہ ہم آپ سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں دیکھتے آپ نے فرمایا مجھے فصاحت سے رکاوٹ کیوں ہوتی جب کہ قرآن میری زبان یعنی واضح عربی زبان میں نازل ہوا۔ (الشفاء ج اص ۸۰)

حضرت ہارون علیہ السلام کی فصاحت کی انتہاء یہ تھی کہ وہ عبرانی زبان میں تھی اور عربی زبان اس کے مقابلے میں زیادہ فصیح ہے۔

کیا حضرت ہارون علیہ السلام کی فصاحت معجزہ تھا؟ تو ابن منیر نے کہا ظاہر یہ ہے کہ یہ معجزہ نہیں تھا البتہ فضیلت تھی۔ اور ہمارے نبی ﷺ کے علاوہ کسی نبی نے فصاحت کے ساتھ چیلنج نہیں کیا کیونکہ یہ خصوصیت کتابِ عزیز کے علاوہ نہیں ہو سکتی۔

اور آپ کی فصاحت جو ان جامع کلمات میں ہے جن کا تعلق قرآن مجید سے نہیں بلکہ احادیث میں شمار ہوتے ہیں کیا ان کے مقابل لانے کا چیلنج ہوا تو آپ کے اس قول مبارک کہ:

اوتیت جوامع الکلم۔ مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے۔

سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اپنے خصائص کا ذکر فرمایا لیکن اس اعتبار سے کہ ان میں غیب کی خبریں بھی شامل ہیں ان کلمات کے معجزہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ (مسلم رقم الحدیث: ۷۔۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۰۔۵۰۱' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۷' کشف الخفاء ج اص ۱۴' دلائل النبوۃ ج اص ۱۴' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۱۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۰۶۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نصف حسن عطا ہوا تو ہمارے آقا ﷺ کو مکمل حسن عطا کیا گیا ان شاء اللہ اس بات کی

طرف اشارہ معراج شریف سے متعلق مقصد میں آئے گا اور میں نے آپ کی جو صفات ذکر کی ہیں جو شخص اس میں غور کرے اس کے لئے اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ جو بھی کسی قبیلے میں حسن کے ساتھ مشہور ہے ہمارے آقا ﷺ کو اس پر فضیلت حاصل ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو خوابوں کی تعبیر سکھائی گئی تو آپ سے تین خوابیں منقول ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے گیارہ ستاروں نیز سورج اور چاند کو دیکھا۔

دوسرا خواب دو قیدیوں سے متعلق تھا اور تیسرا خواب بادشاہ کا خواب تھا۔[1]

اور ہمارے آقا ﷺ نے بے شمار خوابوں کی تعبیر بیان فرمائی جو آدمی احادیث و آثار میں غور وفکر کرے گا تو عجیب سے عجیب تر باتیں پائے گا اور اس میں سے کچھ عنقریب آئے گا ان شاءاللہ تعالیٰ۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ آپ کے ہاتھ میں لوہا نرم ہو جاتا تھا تو ہمارے آقا ﷺ کو یہ معجزہ عطا ہوا کہ ایک خشک ٹہنی آپ کے دست مبارک میں سرسبز اور نرم ہو گئی اور آپ نے حضرت ام معبد کی بکری کو ہاتھ لگایا جو خارش زدہ تھی تو وہ ٹھیک ہو کر دودھ دینے لگی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں سے کلام کرنے اور شیطانوں نیز ہوا کو ان کے لئے مسخر کرنے کے اعتبار سے معجزہ عطا ہوا اور ایسی بادشاہی عطا ہوئی جو ان کے بعد کسی کو نہیں دی گئی تو ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اس کی مثل بلکہ اس سے زائد عطا کی گئی۔

جہاں تک پرندوں اور وحشی جانوروں سے گفتگو کا تعلق ہے تو ہمارے نبی کریم ﷺ سے پتھروں نے کلام کیا اور کنکریوں نے آپ کی ہتھیلی میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی حالانکہ وہ جمادات ہیں اور زہر ملی ہوئی بکری کے بازوؤں نے آپ سے گفتگو کی جیسا کہ غزوۂ خیبر کے بیان میں گزر چکا ہے۔

اسی طرح آپ سے ہرن نے کلام کیا اور اونٹ نے شکایت کی جیسا کہ گزر چکا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک پرندے کو اس کے بچے کی وجہ سے پریشان کیا گیا تو وہ آپ کے سر پر اڑتا اور کلام کرتا تھا آپ نے فرمایا اس پرندے کو اس کے بچے کی وجہ سے کس نے ستایا ہے؟ ایک صاحب نے کہا میں نے ایسا کیا ہے آپ نے فرمایا اس کے بچے کو لوٹا دو۔

یہ واقعہ امام رازی نے ذکر کیا اور امام ابوداؤد نے ان الفاظ میں نقل کیا' راوی فرماتے ہیں:

ہم ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو ہم نے ایک لالی (پرندہ) دیکھی جس کے ساتھ اس کے دو بچے بھی تھے ہم نے اس کے بچوں کو پکڑ لیا لالی آکر بچھنے لگی (پریشانی میں زمین

---

[1] بادشاہ کے دو غلام تھے ایک کے ذمہ پانی اور دوسرے کے ذمہ کھانے کا انتظام تھا ان دونوں نے خواب دیکھا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی تعبیر بتائی اور بادشاہ نے ایک خواب دیکھا کہ سات گائے جو موٹی تھیں سات دبلی گایوں کو کھا رہی تھیں اور گندم کی سات بالیں سبز اور سات خشک ہیں تو آپ نے اس کی تعبیر بیان فرمائی کہ سات سال خوشحالی ہوگی اور پھر سات سال قحط ہوگا۔ ۱۲ ہزاروی

پرلوٹ پوٹ ہونے لگی)۔ نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو فرمایا اسے کس نے اس کے بچوں کی وجہ سے ستایا ہے؟ اس کے بچے اس کو واپس کر دو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۷۵، المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۲۱۸، دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۳۳، المستدرک ج ۴ ص ۲۳۹، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۵۴۲، البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۱۵۸، نصب الرایہ ج ۳ ص ۴۰۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۷۴۳)

اور بھیڑئیے کا آپ سے کلام کرنا مشہور واقعہ ہے (پہلے گزر چکا ہے) اور ہوا جو ایک مہینے کی مسافت صبح کے وقت اور ایک مہینے کی مسافت شام کے وقت طے کرتی، حضرت سلیمان علیہ السلام زمین کے جس کنارے پر جانے کا ارادہ کرتے، وہ آپ کو لے کر جاتی تو ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو براق عطا کیا گیا جو ہوا سے بھی زیادہ تیز اور چمکنے والی بجلی سے بھی زیادہ تھا اس نے ایک ساعت میں آپ کو زمین سے اٹھا کر عرش تک پہنچا دیا اور اس کی کم از کم مسافت سات ہزار سال کی تھی اور یہ آسمانوں کی مسافت تھی اور وہ جو مستوی تک اور رفرف تک مسافت ہے اسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

نیز حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا مسخر ہوتی تاکہ آپ کو زمین کے مختلف کناروں تک لے جائے اور ہمارے نبی ﷺ کے لئے زمین کو لپیٹ دیا گیا یعنی جمع کیا گیا حتیٰ کہ آپ نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا تو جو زمین کی طرف دوڑے اس میں اور جس کے لئے زمین دوڑے اس میں فرق واضح ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ بھی اعزاز تھا کہ آپ کے لئے شیطان کو مسخر کیا گیا تو ایک روایت میں ہے کہ شیطانوں کا باپ ابلیس نبی اکرم ﷺ کے سامنے آیا اور آپ نماز پڑھ رہے تھے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر قدرت دی تو آپ نے اسے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا [1] (باندھنا چاہا)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۱۔ ۱۲۱۰۔ ۳۲۸۴۔ ۳۴۲۳۔ ۴۸۰۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۹، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۸، شرح السنہ ج ۳ ص ۲۶۹، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۲۸۶، دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۹۷، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۹۸۷، المغنی ج ۳ ص ۳۶، البدایۃ والنہایہ ج ۱ ص ۵۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۵۶)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے اعزازات سے بہتر اعزاز جو آپ کو عطا کیا گیا وہ جنوں کا نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانا ہے پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے خدمت لی اور نبی اکرم ﷺ نے ان سے اسلام کا مطالبہ کیا اور جنوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں شمار کیا گیا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُہٗ مِنَ الْجِنِّ. اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جنوں میں سے ان کے لشکر کو جمع کیا گیا۔

اور اس سے بہتر فرشتوں کو جن میں حضرت جبریل علیہ السلام بھی شامل ہیں رسول اکرم ﷺ کے لشکروں میں شمار کیا گیا کہ انہوں نے جہاد بھی کیا اور آپ کے لشکروں میں اضافہ کا باعث بھی بنے۔

[1] "صحیح بخاری میں ہے" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ شیطان میرے سامنے آیا تو مجھے سخت کوفت ہوئی کہ وہ میری نماز توڑ دے گا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر طاقت دی پس میں نے اسے دور کر دیا اور میں نے ارادہ کیا کہ اسے ستون سے باندھ دوں حتیٰ کہ صبح ہو جائے اور صحابہ کرام اسے دیکھیں لیکن مجھے خیال آیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایسی بادشاہی کا سوال کیا تھا جس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو (تو چھوڑ دیا) پس وہ ذلیل ہو کر چلا گیا۔ (زرقانی ج ۵ ص ۲۰۰)

اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں پرندوں کو شمار کیا گیا تو اس سے زیادہ تعجب خیز بات غار ثور کی کبوتری اور ایک ساعت میں اس کے اپنے لئے گھونسلہ بنانا اور دشمن کے مقابلے میں آپ کی حمایت کرنا تھا اور لشکر کی زیادتی سے مقصود بھی حمایت اور مدد ہی ہے اور یہ مقصود ایک چھوٹی سی چیز کے ساتھ بہت بڑی چیز سے (حفاظت کے طور پر) حاصل ہوا (کبوتری چھوٹی اور دشمن بڑا تھا)۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو بادشاہی عطا کی گئی تو ہمارے آقا ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ آپ نبی بادشاہ بننا چاہتے ہیں یا نبی بندہ؟ تو آپ نے نبوت کے ساتھ بندگی کو اختیار کیا۔

اللہ تعالیٰ شاعر کو جزائے خیر عطا کرے جس نے کہا:

یا خیر عبد علی کل الملوک ولی. اے وہ بہترین انسان جس نے بندگی اختیار کر کے تمام بادشاہوں پر ولایت حاصل کر لی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ دیا گیا کہ آپ مادرزاد اندھے اور کوڑھ کے مریض کو درست کر دیتے تھے اور مردوں کو زندہ کرتے تو ہمارے آقا ﷺ کو یہ معجزہ عطا کیا گیا کہ آپ نے باہر نکلی ہوئی آنکھ واپس اس کی جگہ رکھ دی پس وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت ہوگئی۔

امام بیہقی کی کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں اس شخص کا واقعہ مذکور ہے جس نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ جب تک آپ میری بیٹی کو زندہ نہ کر دیں میں آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا اس حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس لڑکی کی قبر پر تشریف لائے اور فرمایا اے فلاں لڑکی! تو اس نے کہا لبیک وسعدیک یارسول اللہ! یہ حدیث گزر چکی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کی بیوی کو برص کی بیماری تھی اس نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے اپنا عصا مبارک اس پر پھیرا پس اللہ تعالیٰ اس کی برص والی بیماری کو لے گیا۔ یہ بات امام رازی رحمہ اللہ نے نقل کی ہے نیز آپ کی ہتھیلی میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی' پتھر نے آپ کو سلام کیا' آپ کے فراق میں ستون رویا' اور یہ مردوں کے کلام کرنے سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ یہ چیزیں اس جنس سے ہیں جو کلام نہیں کرتی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ بھی عطا ہوا کہ لوگ جو کچھ اپنے گھروں میں چھپاتے تھے آپ ان کو جان لیتے تھے۔ اور ہمارے آقا ﷺ کو اس انداز کے بے شمار واقعات پر مبنی معجزہ دیا گیا ان شاء اللہ عنقریب کافی وشافی بحث آئے گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ اعزاز ہے کہ آپ کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا تو ہمارے نبی ﷺ کو معراج کی رات یہ اعزاز عطا ہوا بلکہ آپ کے درجات میں مزید ترقی ہوئی اور مناجات کی سماعت نیز مشاہدات کے ساتھ بارگاہ قدس کی حاضری بھی نصیب ہوئی۔

رسول اکرم ﷺ کی مزید خصوصیات

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو بعض خصوصیاتِ کریمہ کے ساتھ خاص فرمایا جو دوسرے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اعطیت خمسا لم یعطهن احد قبلی' کان کل نبی یبعث الی قومه خاصة و بعثت الی کل احمر و اسود' واحلت لی الغنائم ولم تحل لاحد قبلی' وجعلت لی الارض مسجدا و طهورا فایما رجل من امتی ادرکته الصلاة فلیصل حیث کان' و نصرت بالرعب مسیرة شهر واعطیت الشفاعة.

مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں ہوئیں ہر نبی ایک خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں ہر سرخ وسیاہ کی طرف مبعوث ہوا' میرے لئے مال غنیمت حلال ہوا جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھا' میرے لئے تمام زمین کو سجدہ گاہ اور پاکیزگی حاصل کرنے (تیمم کرنے) کا ذریعہ بنایا گیا پس میری امت کا جو شخص نماز (کا وقت) پائے تو وہ جہاں بھی ہو نماز پڑھے ایک مہینے کی مسافت سے رعب سے میری مدد کی گئی اور مجھے شفاعت عطا کی گئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵_۴۳۸_۳۱۳۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳' سنن نسائی ج ۱ ص ۲۱۰' مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۴۔ ج ۵ ص ۱۴۸' سنن دارمی ج ۲ ص ۲۲۴' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۱۲' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۹۴۵' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۵۹' الدر المنثور ج ۵ ص ۲۳۷' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۴۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۴۴۷' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۱۶' البدایۃ والنہایہ ج ۳ ص ۲۹۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۳۰_۳۲۰۶۲_۳۲۰۶۵)

ایک اور روایت میں ہے:

و بعثت الی الناس کافة.

اور مجھے تمام لوگوں کے لئے کفایت کرنے والا (نبی بنا کر) بھیجا گیا۔

امام بخاری نے نماز کے بیان میں حضرت محمد بن سنان رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ اضافہ کیا:

من الانبیاء.

(یعنی) انبیاء کرام میں سے (کسی کو یہ باتیں عطا نہیں کی گئیں)۔

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس طرح ہے:

اعطیت خمسا لم یعطهن نبی قبلی ولا اقوله فخرا.

مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں اور میں یہ بات بطور فخر نہیں کہتا۔

اسی میں ہے آپ نے فرمایا:

واعطیت الشفاعة فاخترتها لامتی فهی لمن لا یشرک بالله شیئا.

اور مجھے شفاعت عطا کی گئی اور میں نے اسے اپنی امت کے لئے اختیار کیا پس یہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

ابن کثیر کے مطابق اس کی سند عمدہ ہے۔

اس حدیث سے آپ کے خصائص کو ان پانچ باتوں میں محدود کرنا مراد نہیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فضلت علی الانبیاء بست' اعطیت جوامع الکلم' ونصرت بالرعب و جعلت لی الارض طهورا و مسجدا' وارسلت الی الخلق کافة' وختم بی النبیون.

مجھے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام پر چھ باتوں کے ذریعے فضیلت دی گئی ہے مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی' زمین کو میرے لئے پاک کرنے والی اور جائے سجدہ بنایا گیا' مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبیوں کی آمد کا سلسلہ ختم کیا گیا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۵۵۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۵' مسند احمد ج۲ص۴۱۲' السنن الکبریٰ ج۲ص۴۳۳' دلائل النبوۃ ج۵ ص۴۷۲' مجمع الزوائد ج۸ص۲۶۹' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۵۷۴۸' الدرالمنثور ج۳ص۲۰۴' کنزالعمال رقم الحدیث:۳۱۹۳۲)

تو اس حدیث میں شفاعت کے علاوہ باقی ان چار باتوں کا بھی ذکر ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہیں اور خصلتوں کا اضافہ بھی ہے ایک یہ کہ مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے اور دوسری یہ کہ مجھے آخری نبی بنایا گیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت اور اس روایت کو ملانے سے سات باتیں حاصل ہوئیں۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا:

فضلنا علی الناس بثلاث جعلت صفوفنا کصفوف الملئکة.

ہمیں لوگوں پر تین باتوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہماری صفوں کو فرشتوں کی صفوں کی طرح بنایا گیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۴' السنن الکبریٰ ج اص۲۱۳' الدرالمنثور ج۵ص۲۹۳' تمہید ج۵ص۲۲۱' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۵۲۶' تفسیر قرطبی ج۵ص۲۱۳' مشکل الآثار ج اص۴۵۰' فتح الباری ج اص۵۷۸' کنزالعمال رقم الحدیث:۳۱۹۱۲_۳۲۰۷۵)

زمین کی خصلت (اس کا مسجد اور طہارت کا باعث ہونا) بھی ذکر کیا جیسا کہ گزر گیا راوی فرماتے ہیں ایک اور خصلت کا بھی ذکر فرمایا۔

اور یہ خصلت مبہم ہے حضرت ابن خزیمہ اور امام نسائی رحمہما اللہ نے اسے بیان کیا اور یہ اس طرح ہے کہ مجھے سورۃ بقرہ کے آخر سے یہ آیات عرش کے نیچے خزانے سے عطا کی گئیں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کی امت سے بوجھ اتارا گیا اور وہ بوجھ نہیں لادا گیا جس کی انہیں طاقت نہیں نیز خطا اور نسیان (بھولنے) کو اٹھایا گیا۔

پس یہ سات خصلتیں ہو گئیں۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ مجھے چار باتیں عطا کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں مجھے زمین کی چابیاں عطا کی گئیں' میرا نام احمد (ﷺ) رکھا گیا' میری امت کو سب سے

بہتر امت بنایا گیا۔ نیز مٹی کی خصلت بھی ذکر کی۔
تو اس طرح یہ کل بارہ خصلتیں ہو گئیں۔
(مسند احمد ج ۱ ص ۱۵۸' المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۸۵' فتح الباری ج ۱ ص ۵۷۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۰۶۷)
امام بزار رحمہ اللہ نے ایک اور سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فضلت على الانبياء' غفر لی ما تقدم من ذنبی وما تاخر' وجعلت امتی خير الامم' واعطيت الكوثر' وان صاحبكم لصاحب لواء الحمد يوم القيامة' تحته آدم فمن دونه.

مجھے انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت دی گئی میرے تمام پہلے اور پچھلے خلاف اولیٰ کام بخش دیئے گئے' میری امت کو تمام امتوں سے بہتر بنایا گیا' مجھے حوض کوثر عطا کیا گیا اور بے شک تمہارے صاحب (حضور علیہ السلام) قیامت کے دن حمد کے جھنڈے والے ہوں گے جس کے نیچے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ (سب) ہوں گے اور وہ دو باتیں بھی ذکر کیں جو پہلے ذکر ہو چکی ہیں۔

امام بزار رحمہ اللہ ہی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فضلت على الانبياء بخصلتين: كان شيطاني كافرا فاعانني الله عليه فاسلم

مجھے (دیگر) انبیاء کرام پر دو باتوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی میرا (ساتھی) شیطان کافر تھا پس اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد کی تو وہ مسلمان ہو گیا۔

راوی فرماتے ہیں میں دوسری بات بھول گیا۔
تو اس طرح یہ سترہ خصلتیں بن جاتی ہیں اور جو آدمی تلاش کرے تو ممکن ہے اس سے زیادہ بھی پائی جائیں۔
حضرت ابو سعید نیشاپوری رحمہ اللہ نے کتاب ''شرف المصطفیٰ (ﷺ)'' میں لکھا ہے کہ جو خصائص نبی اکرم ﷺ کو خصوصی طور پر عطا کئے گئے وہ ساٹھ ہیں تو اس بات کو ان روایات کے ساتھ یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ شاید پہلے آپ بعض امور مختصہ پر مطلع ہوئے ہوں اس کے بعد باقی پر اطلاع ہوئی۔
اور جو لوگ مفہوم عدد کو حجت نہیں سمجھتے وہ اس اشکال کو سرے سے ہی دور کر دیتے ہیں اور بعض علماء نے ذکر کیا کہ رسول اکرم ﷺ کو تین ہزار معجزات اور خصوصیات عطا کی گئیں۔

علم بالخصائص کے فائدہ میں اختلاف

نبی اکرم ﷺ کے خصائص سے متعلق علم میں اختلاف ہے۔ شافعی مسلک کے صمیری نے کہا کہ ابو علی بن خیران نے ان میں کلام کرنے سے منع فرمایا کیونکہ یہ بات ہو چکی ہے لہٰذا اب اس میں کلام کا کیا فائدہ ہے اور امام الحرمین نے فرمایا کہ محققین کہتے ہیں خصائص سے متعلق مسائل میں اختلاف کا ذکر بے مقصد اور بے فائدہ ہے کیونکہ اس کے ساتھ کوئی

ایسا فوری حکم متعلق نہیں جس کی حاجت ہو اختلاف تو وہاں جاری ہوتا ہے جہاں حکم کا اجر ضروری ہو کیونکہ یہاں قیاس کی مجال نہیں اور خصوصی احکام کے سلسلے میں نصوص کی اتباع کی جاتی ہے اور جس میں نص نہ ہو اس میں اختلاف کسی فائدے کے بغیر غیب کی باتیں کرنا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ''الروضۃ'' اور ''التھذیب میں'' یہ دونوں کلام نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ تمام اصحاب شافعی نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہ صحیح بات ہے کیونکہ اس سے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔

یہ اصحاب شافعی کا کلام ہے اور بہتر بات یہ ہے کہ اس بات کے جواز کا عقیدہ رکھا جائے بلکہ مستحب سمجھا جائے اگر واجب کہا جائے تو بھی بعید از عقل نہیں کیونکہ بعض اوقات ایک جاہل شخص بعض خصائص کو حدیث میں ثابت دیکھتا ہے تو اصل تعمیل حکم کے تحت اس پر عمل کرتا ہے پس اس کی پہچان کے لئے بیان واجب ہوا تا کہ وہ عمل نہ کرے پس اس سے اہم فائدہ کیا ہو سکتا ہے البتہ جو لوگ خصائص کے سلسلے میں بے مقصد چھان بین کرتے ہیں وہ تھوڑے ہیں اور فقہ کے ابواب اس قسم کی باتوں سے خالی نہیں کیونکہ مقصد تربیت' دلائل کی معرفت اور کسی بات کی تحقیق ہے۔

خصائص نبوی کے مراجع

میں نے نبی اکرم ﷺ کے ان خصائل کو جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرف عطا فرمایا اور جن فضائل کے ذریعے آپ کو مکرم و محترم بنایا کتب علماء میں تلاش کیا جس طرح ابن سبع کی کتاب ''الخصائص'' امام نووی کی ''خصائص الروضہ'' حجازی کی ''المختصر'' ابن ملقن کی ''شرح حاوی'' شیخ الاسلام زکریا انصاری کی ''شرح البھجہ'' شیخ قطب الدین الخیضری کی ''اللفظ المکرّم فی خصائص النبی'' وغیرہ اور میں نے معجزات کی فصل میں اس سے بہت فائدہ حاصل کیا اور فتح الباری کے مطالعہ کے دوران بھی میں نے اسے دیکھا اسی طرح امام نووی کی شرح مسلم اور عراقی کی ''تقریب الاسانید'' وغیرہ جن کا ذکر طویل ہے تو ان سب کتب سے مجھے کچھ نہ کچھ حاصل ہوا کئی ائمہ نے ان خصائص کو چار قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

پہلی قسم: واجب خصائص

نبی اکرم ﷺ کی کچھ خصوصیات واجب ہیں اور اس میں حکمت یہ ہے کہ آپ کو قرب خداوندی زیادہ سے زیادہ حاصل ہو کیونکہ تقرب حاصل کرنے والے محض فرائض کی ادائیگی سے اس کے قریب نہیں ہو سکتے (اگرچہ قرب خداوندی کے حصول کے لئے فرائض کی ادائیگی نہایت ضروری ہے۔۱۲ ہزاروی)۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو بعض واجبات کے ساتھ خاص کیا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آپ ان لوگوں کے مقابلے میں ان واجبات کو زیادہ قائم کر سکتے ہیں اور بعض نے کہا کہ اس کی وجہ آپ کو زیادہ سے زیادہ اجر عطا کرنا مقصود ہے۔

پس ایک مذہب کے مطابق آپ پر چاشت کی نماز فرض کی گئی لیکن صحیح حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول اس طرح ہے:

ما رایت رسول اللہ ﷺ یسبح سبحة الضحیٰ.
میں نے نبی اکرم ﷺ کو چاشت کے وقت نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۱۷، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۔۸۱، مسند احمد ج ۶ ص ۸۵۔۲۳۸)

یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس نماز کے وجوب کا قول ضعیف ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

اس پر مزید گفتگو ان شاء اللہ مقصد عبادات کے ضمن میں چاشت کی نماز سے متعلق ذکر میں آئے گی۔

اور کیا آپ پر چاشت کی کم از کم دو رکعتیں یا زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعات نماز واجب تھی یا کمال کے قریب تھی (یعنی چار رکعات تھیں)؟

تو حجازی کہتے ہیں اس سلسلے میں کوئی بات منقول نہیں لیکن مسند امام احمد میں ہے آپ نے فرمایا:

امرت بر کعتی الضحی ولم تومروا بهما.
مجھے چاشت کی دو رکعتوں کا حکم دیا گیا اور تمہیں اس بات کا حکم نہیں دیا گیا۔

(مسند احمد ج ا ص ۲۳۲۔۳۱۷، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۴۳۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۴۸۶)

ان امور میں سے نماز وتر اور فجر کی دو رکعتیں بھی ہیں جیسا کہ امام حاکم رحمہ اللہ نے ''المستدرک'' میں اور دوسرے حضرات نے بھی نقل کیا۔ امام احمد اور طبرانی کے الفاظ اس طرح ہیں:

ثلاث علی فریضة وھن لکم تطوع الوتر و رکعتا الفجر و رکعتا الضحی.
مجھ پر تین کام فرض ہیں جب کہ یہ باتیں تمہارے لئے نفل ہیں وتر، فجر کی دو رکعتیں (سنتیں) اور چاشت کی دو رکعتیں۔

(الحلیہ ج ۹ ص ۲۳۲، العلل المتناہیہ ج ا ص ۴۵۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۵۴۰)

اور ان میں سے بعض حضرات نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کا سواری پر وتر پڑھنا ثابت ہے اگر یہ نماز واجب ہوتی تو سواری پر پڑھنا جائز نہ ہوتا۔

ف: حنفی فقہ کے مطابق وتر نماز امت پر بھی واجب ہے جس پر کتب فقہ میں دلائل مذکور ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ آپ کا سواری پر نماز پڑھنا بھی آپ کی خصوصیات میں سے ہے جیسا کہ آپ سے مخصوص مباح امور کے بارے میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

لیکن اس کا جواب دیا گیا کہ یہ بات دلیل کی محتاج ہے اور آپ پر کتنی رکعات وتر واجب تھیں؟ تو حجازی کہتے ہیں ہم نے اس سلسلے میں کوئی روایت نہیں دیکھی۔

نماز تہجد کی فرضیت بھی آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ اور آپ رات کو تہجد پڑھیں یہ آپ پر ایک زائد فرض ہے۔

یعنی دیگر فرض نمازوں سے زائد فرض ہے یا یہ کہ آپ کے لئے فضیلت کا باعث ہے کیونکہ اس کا وجوب آپ کے ساتھ خاص ہے۔

اس بات کو امام رافعی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا اور امام نووی رحمہ اللہ نے جمہور سے نقل کیا پھر فرمایا کہ شیخ ابو حامد رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس بات کو صراحتاً ذکر کیا کہ آپ کے حق میں اس کا وجوب منسوخ ہو گیا جس طرح دوسروں کے حق میں منسوخ ہوا۔

خصوصیاتِ نبویہ میں سے ایک خصوصیت جو واجب ہے' مسواک ہے اس پر اس حدیث سے استدلال کیا گیا جو حضرت امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن ابی حنظلہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ کو ہر نماز کے لئے وضو کا حکم دیا گیا چاہے آپ کا وضو ہوتا یا نہ' جب یہ بات آپ کے لئے مشقت کا باعث ہوئی تو آپ کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیا گیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸' السنن الکبریٰ ج ۱ص ۳۸' المستدرک ج ۱ص ۱۵۶)

اس حدیث کی سند میں محمد بن اسحاق راوی ہے اور اس نے عنعنہ (عن فلاں عن فلاں) کے طور پر حدیث کو روایت کیا اور وہ مدلس ہے (راوی کو چھوڑتا ہے)۔

اور جن لوگوں کے نزدیک آپ پر مسواک کرنا واجب نہیں تھی ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت جبریل علیہ السلام جب بھی میرے سامنے آئے انہوں نے مجھے مسواک کے بارے میں کہا حتیٰ کہ مجھے ڈر ہوا کہ وہ مجھ پر اور میری امت پر فرض نہ ہو جائے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۹' مسند احمد ج ۵ص ۲۶۳' المعجم الکبیر ج ۸ص ۲۴۹' الدرالمنثور ج ۱ص ۱۱۳' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۸۶)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے مسواک کا حکم دیا گیا حتیٰ کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں مجھ پر فرض نہ ہو جائے۔ (مسند احمد ج ۳ص ۴۹۰' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۴۲۳۔ ۴۴۳۰۔ ۴۴۳۶' مجمع الزوائد ج ۲ص ۹۸' الترغیب والترہیب ج ۱ص ۱۶۶)

اس حدیث کی سند حسن ہے اور خصائص صحیح دلیل سے ثابت ہوتے ہیں یہ بات "شرح تقریب اسانید" میں کہی گئی ہے۔

انہی واجب خصائل میں سے ایک قربانی کرنا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ (الکوثر: ۲) پس آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔

امام دارقطنی اور امام حاکم رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے

فرمایا:

ثلاث ھن علی فرائض و ھن لکم تطوع النحر والوتر ورکعتا الفجر۔ تین باتیں ایسی ہیں جو مجھ پر فرض اور تمہارے لئے نفل ہیں قربانی، وتر، اور صبح کی دو رکعتیں۔

اسی طرح مشورہ کرنا بھی آپ پر لازم تھا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ. آپ معاملات میں ان سے مشورہ کیا کریں۔

اس آیت کے ظاہر سے وجوب معلوم ہوتا ہے بعض نے کہا مستحب ہے تاکہ صحابہ کرام کے دل آپ کی طرف مائل رہیں۔

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کی رائے معلوم کریں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''معرفۃ السنن والاثار'' میں امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ وہ فرماتے ہیں آپ پر مشورہ کرنا واجب نہ تھا جس طرح حجازی وغیرہ نے کہا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مشورہ کرنے کا حکم کیوں دیا اس معنیٰ میں اختلاف ہے حالانکہ آپ عقل کامل اور صائب رائے کے مالک تھے آپ پر مسلسل وحی آ رہی تھی اور امت پر آپ کی اطاعت واجب تھی بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت معنوی اعتبار سے خاص ہے اگرچہ لفظاً عام ہے یعنی ان امور میں ان سے مشورہ کیجئے جن میں آپ سے اللہ تعالیٰ کا کوئی عہد و پیمان نہیں ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت: وشاورھم فی بعض الامر بعض امور میں ان سے مشورہ کریں۔ دلالت کرتی ہے۔

کلبی فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ دشمن سے مقابلے اور جہاد کے موقعہ پر دشمن کے مکر و فریب کی صورت میں ان کی رہنمائی فرمائیں۔

حضرت قتادہ اور حضرت مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ عرب کے معززین سے جب کسی کام میں باہم مشورہ نہ لیا جاتا تو یہ بات ان کے لئے باعث مشقت ہوتی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ان سے مشورہ کرنے کا حکم دیا اور یہ بات ان کے لئے زیادہ شفقت اور ان کی قلبی خوشی کا باعث ہوتی اور دل میں کسی قسم کا ملال نہ رہتا۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ حضور علیہ السلام کو ان کی حاجت نہیں لیکن اس بات کا ارادہ فرمایا کہ آپ کے بعد یہ عمل سنت کی صورت اختیار کرے۔

حضرت قاضی ابویعلیٰ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جن امور میں مشورہ کا حکم دیا گیا ان کے بارے میں دو قول ہیں ان میں سے ایک خاص دنیوی امور کے بارے میں ہے اور دوسرا دین و دنیا دونوں سے متعلق ہے اور یہی زیادہ صحیح بات ہے۔

یہ بات المعافی بن زکریا نے اپنی تفسیر میں کہی ہے۔

دینی معاملات میں مشورہ کی حکمت یہ ہے کہ احکام کی علتوں اور اجتہاد کے طریقے پر آگاہی ہو۔

ابن عدی نے نیز امام بیہقی نے ''شعب الایمان میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں جب آیت کریمہ ''و شاورھم فی الامر'' نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اما ان اللہ و رسولہ لغنیان عنھا ولکن جعلھا اللہ رحمۃ لامتی.

سنو! بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اس سے بے نیاز ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی امت کے لئے رحمت بنایا ہے۔ (الدرالمنثور ج۲ص۹۰)

حضرت حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً نقل کیا کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

ان اللہ امرنی بمداراۃ الناس کما امرنی باقامۃ الفرائض.

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے لوگوں کی دلجوئی کا اسی طرح حکم دیا جس طرح فرائض قائم کرنے کا حکم دیا۔

(الدرالمنثور ج۲ص۹۰' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۷۱۳' تفسیر ابن کثیر ج۲ص ۱۲۸' لسان المیزان ج۲ص ۹۳' میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۱۲۰۵)

اوران واجب خصوصیات میں سے ایک بات دشمن سے لڑنا ہے اگرچہ ان کی تعداد زیادہ ہو۔

ان امور میں سے برائی کو بدلنا بھی ہے جب ان کو دیکھیں۔ کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خوف کی وجہ سے آپ سے یہ فریضہ ساقط نہیں ہوگا جبکہ دوسروں کا معاملہ الگ ہے۔

ان امور میں سے ایک' اس مسلمان کے قرض کی ادائیگی ہے جو تنگ دستی کی حالت میں فوت ہو۔ صحیح مسلم میں ہے آپ نے فرمایا:

انا اولی بالمومنین من انفسھم فمن توفی و علیہ دین فعلی قضاوہ ومن ترک مالا فلو رثتہ.

میں مؤمنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہوں پس جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر قرض ہو تو وہ قرض میرے ذمہ ہے اور جو آدمی مال چھوڑ جائے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۹۸_۲۳۹۸_۲۳۹۹_۴۷۸۱_۵۳۷۱_۶۷۳۱_۶۷۴۵_۶۷۶۳' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۷۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۴۱۵' سنن نسائی ج۴ص ۶۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۵۴' مسند احمد ج۲ص ۲۹۰' السنن الکبریٰ ج۶ ص ۲۰۱' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۹۱۳' الدرالمنثور ج۵ص ۱۸۲' الترغیب والترہیب ج۲ص ۶۰۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۴۰۸)

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ادائیگی آپ پر واجب تھی اور یہ بھی کہا گیا کہ محض مستحب تھی تو ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والوں) اور دوسروں کے درمیان یہ اختلاف ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا میں تم میں سے ہر ایک کے معاملات کو قائم کرنے والا ہوں وہ زندہ ہو یا فوت ہو جائے میں دونوں حالتوں میں اس کا ولی ہوں اگر اس پر قرض ہو تو میں اپنی طرف سے ادا کروں گا اگر وہ ادائیگی کے لئے کچھ نہ چھوڑے اور اگر اس کے پاس مال ہو تو وہ اس کے وارثوں کا ہے میں اس سے کچھ نہیں لوں گا۔ اور اگر وہ محتاج اولاد چھوڑ کر جائے جن کے ضائع ہونے کا خوف ہو تو وہ میرے پاس آئیں ان کا نفقہ اور ضروریات میرے ذمہ ہیں۔

رعایا کی ضرورتوں سے متعلق مال سے (یعنی بیت المال سے) قرض کی ادائیگی امام پر واجب ہونے کے سلسلے میں

دو قول ہیں [1] لیکن امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص قرض لے اور وہ مرنے تک تنگدست رہے اس کا قرض بیت المال سے ادا نہ کیا جائے اور اگر اس نے تاخیر کر کے ظلم کیا تو اس میں احتمال ہے اور زیادہ بہتر ادا نہ کرنا ہے۔

اسی سلسلے میں آپ کا ازواج مطہرات کو آپ سے علیحدگی اختیار کرنے کا اختیار دینا اور ان کے آپ کو اختیار کرنے کے بعد ان کو روک لینا بھی ایک قول کے مطابق ضروری ہے نیز یہ کہ آپ شادی نہ کریں اور ان کو تبدیل نہ کریں تا کہ ان کا بدلہ دیا جائے پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا تا کہ آپ کا ان پر احسان رہے ارشادِ خداوندی ہے:

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا. (الاحزاب:۲۸)

اے نبی! علیہ السلام آپ اپنی ازواج مطہرات سے فرما دیں کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہوں (تو آؤ میں تمہیں سامان دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں)۔

آپ نے ان کو اختیار دیا تو اس سلسلے میں یوں اختلاف ہے کے اگر وہ دنیا کو اختیار کریں تو آپ ان کو چھوڑ دیں اور اگر آخرت کو اختیار کریں تو آپ ان کو روک لیں لیکن ان کو طلاق کا اختیار نہیں دیا یہ حضرت حسن اور حضرت قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان کو طلاق لینے یا حضور علیہ السلام کے پاس ٹھہرنے کا اختیار دیا یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت مجاہد، امام شعبی اور حضرت مقاتل رحمہم اللہ کا قول ہے۔

نبی اکرم علیہ السلام نے اپنی ازواج مطہرات کو اختیار کیوں دیا؟ تو اس سلسلے میں کئی اقوال ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیوی بادشاہی اور اخروی نعمتوں کے درمیان اختیار دیا تو آپ نے آخرت کو اختیار کیا اور بارگاہِ خداوندی میں دعا کی:

اللهم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرة المساکین.

یا اللہ! تو مجھے مسکین زندہ رکھنا اور اسی حالتِ مسکینی پر موت دینا اور مجھے مساکین کی جماعت میں اٹھانا۔

جب آپ نے اس بات کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ازواج مطہرات کو اختیار دیں تا کہ آپ کے اختیار کی مثل ہو جائے یہ بات ابوالقاسم النمیری نے نقل کی ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے درمیان آپ کے حوالے سے باہم غیرت واقع ہوگی۔

۳۔ آپ کی ازواج مطہرات نے آپ سے اس چیز کا مطالبہ کیا جو (بظاہر) آپ کے بس میں نہ تھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سب سے پہلے نقش و نگار والے پردے کا مطالبہ کیا' حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے یمنی جوڑے کا سوال کیا' حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے دھاری دار کپڑے یعنی یمنی چادر کا مطالبہ کیا' حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے سحولی کپڑا مانگا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ ہر ایک نے ایک ایک چیز کا مطالبہ کیا۔ یہ بات نقاش نے نقل کی ہے۔

---

[1] زیادہ اعتماد اس پر ہے کہ واجب نہیں مالکی حضرات کے نزدیک حاکموں پر واجب ہے جب وہ فوت ہونے سے پہلے ادائیگی سے عاجز ہو جائے اور گناہ کے کاموں کے لئے قرض نہ لیا ہو یا لیا لیکن توبہ کر لی۔

۴۔ چوتھا قول یہ ہے کہ ایک دن تمام ازواج مطہرات جمع ہوئیں اور انہوں نے کہا ہم زیورات کا مطالبہ کرتی ہیں جو عورتیں مانگا کرتی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آیت تخییر نازل فرمائی۔ یہ بات بھی نقاش نے نقل کی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی مدد کی اور آپ پر قریظہ اور نضیر کو فتح کیا تو آپ کی ازواج مطہرات نے خیال کیا کہ یہودیوں کی نفیس چیزیں اور ذخیرے آپ کے لئے مختص ہوتے ہیں چنانچہ وہ آپ کے گرد بیٹھ گئیں اور کہنے لگیں یارسول اللہ! کسریٰ اور قیصر کی بیٹیاں زیورات اور قیمتی جوڑوں میں ملبوس رہیں اور ہمارے فاقہ اور تنگی کے حالات آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ اس سے آپ کے دل کو دکھ پہنچا کہ وہ آپ کے وسعت حال کا مطالبہ کر رہی ہیں اور یہ کہ ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو بادشاہ اور بڑے بڑے لوگ اپنی بیویوں سے کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جو کچھ ان کے معاملے میں نازل ہوا وہ ان پر پڑھیں۔ تاکہ ان میں سے کسی ایک آیت پر اس صبر کے سلسلے میں جسے آپ نے سخت زندگی کے سلسلے میں اختیار کیا' احسان نہ ہو۔

پھر جب ازواج مطہرات نے آپ کو اختیار کر لیا اور آپ کے ساتھ صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس صبر کے بدلے میں دو اعزاز عطا کئے ایک یہ کہ ان کو ان کے حق کی تعظیم اور حرمت کی تاکید کے حوالے سے مؤمنوں کی مائیں بنا دیا اور تمام عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ اس سلسلے میں ارشاد فرمایا:

لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ. (الاحزاب:۳۲) تم دوسری عورتوں میں سے کسی ایک کی طرح نہیں ہو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ پر ان کو طلاق دینا حرام قرار دیا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ. (الاحزاب:۵۲) آپ کے لئے اس کے بعد عورتیں حلال نہیں اور نہ ان ازواج کو بدلنا جائز ہے۔

پس ان کی طلاق کا حرام ہونا دائمی تھا البتہ ان پر کسی سے شادی کرنے کی حرمت منسوخ ہو گئی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

نبی اکرم ﷺ کے وصال سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے عورتوں کو حلال کر دیا یعنی وہ جن سے نکاح کرنا آپ کے لئے حرام کیا گیا تھا۔ یہ بھی کہا گیا کہ ان کی حرمت کی ناسخ یہ آیت کریمہ ہے:

اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ. (الاحزاب:۵۰) بے شک ہم نے آپ کے لئے آپ کی ازواج کو حلال کیا۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ ''الروضۃ میں'' فرماتے ہیں جب ازواج مطہرات کو اختیار دیا تو انہوں نے آپ کو اختیار کیا ان کے اس اچھے عمل کا بدلہ ان کو جنت کی صورت میں دیا گیا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا○ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لئے بہت بڑا اجر تیار کیا۔

نبی اکرم ﷺ پر واجب کیا گیا کہ آپ اپنی ازواج مطہرات کو اختیار دیں کہ ان کو چھوڑا جائے یا روکا جائے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اتنی تعداد میں ان کا اکٹھا ہونا ان کے دلوں میں غیرت پیدا کر رہا تھا جو سب سے بڑی تکلیف تھی اور یہ اپنے دل میں نفرت پیدا کرنے اور اعتقاد کو کمزور کرنے کا باعث بن سکتی تھی اسی طرح ان پر صبر اور فقر کو لازم کرنا بھی ایذا کا باعث تھا۔

پس جب اختیار کی لگام ان کے ہاتھ میں دے دی تو ضرر نہ رہا تو آپ کا منصب عالی اس سے پاک رکھا گیا اور آپ سے کہا گیا "آپ اپنی ازواج مطہرات سے فرمادیں" (یعنی اختیار دے دیں جیسا کہ گزر چکا ہے)۔

آپ پر یہ بھی لازم تھا کہ جس نفل عبادت کو شروع کریں پورا کریں [1] یہ بات اور اس کی اصل "الروضہ" میں نقل کی گئی اور امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات ضعیف ہے۔

بعض اصحابِ شافعی نے اس پر یوں تفریع ذکر کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر یہ بات حرام تھی کہ جب آپ زرہ پہن لیں تو جب تک دشمن کا مقابلہ اور اس سے لڑائی نہ کریں اسے نہ اتاریں یہ بات "تہذیب الاسماء اللغات" میں ذکر کی گئی ہے۔

ان واجب امور میں سے ایک یہ ہے کہ آپ پر فرض نماز کی ادائیگی کسی خلل کے بغیر واجب تھی۔ (یعنی خشوع و خضوع لازم تھا) یہ بات ماوردی نے کہی ہے۔ عراقی نے "شرح المھذب میں" کہا کہ آپ فرائض میں نقص سے معصوم تھے۔ اور اس خلل سے مراد وہ بات ہے جو نماز کو باطل نہیں کرتی (جیسا کہ خشوع وغیرہ)۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ پر یہ بات بھی واجب تھی کہ جب کسی تعجب خیز بات کو دیکھیں تو فرمائیں:

لبیک ان العیش عیش الاخرۃ. میں حاضر ہوں اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔

(السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۴۸، اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۳۳۹، الزہد رقم الحدیث: ۲۸، تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۲۴۰، مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۴۰۷)

پھر فرمایا کہ یہ آپ سے سب سے اچھی حالت میں بھی صادر ہوا اور وہ عرفات میں حج کا موقعہ تھا اور سب سے سخت حالت میں بھی اور وہ خندق کا دن تھا۔

جو امور آپ پر خصوصی طور پر واجب تھے ان میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ حالت وحی میں آپ کو دنیا سے منقطع کر دیا جاتا لیکن اس کے باوجود آپ سے روزہ، نماز اور باقی تمام احکام ساقط نہ ہوتے جس طرح یہ بات "زوائد الروضہ" میں ابن قاص اور قفال سے روایت کی گئی اور ابن سبع نے بھی اسے اسی طرح ذکر کیا۔

ان امور میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ آپ کے قلب مبارک پر کوئی پردہ آجاتا تو آپ ستر مرتبہ بخشش مانگتے۔

یہ بات ابن القاص نے ذکر کی اور ابن الملقن نے اسے "الخصائص میں" نقل کیا جب کہ امام مسلم اور امام ابوداؤد رحمہما

---

[1] احناف کے نزدیک نفل عبادت شروع کرنے سے لازم ہو جاتی ہے اور یہ بات نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

اللہ نے اسے حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا:

انہ لیغان علی قلبی وانی لا ستغفر اللہ فی الیوم مائۃ مرۃ . بے شک میرے دل پر پردہ چھا جاتا ہے تو میں ایک دن میں ستر مرتبہ اللہ تعالیٰ کی بخشش مانگتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۵۱۵ صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۱ مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۱ المعجم الکبیر ج اص ۲۸۰ السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۵۲ اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۵۷ الدر المنثور ج ۶ ص ۶۳ تاریخ الکبیر ج ۲ ص ۴۳ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۲۳۲۴ کنز العمال رقم الحدیث:۲۰۷)

یہ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں اور سنن ابوداؤد میں ''فی کل یوم'' (ہر روز) کے الفاظ ہیں۔

حضرت شیخ ولی الدین عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ دوسرا جملہ پہلے جملہ پر مرتب ہے اور استغفار کا سبب پردہ ہے اور اس پر سنن نسائی کی روایت جو ''عمل الیوم واللیلۃ میں'' ذکر کی گئی کہ الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

انہ لیغان علی قلبی حتی استغفر اللہ کل یوم مائۃ مرۃ . بے شک میرے دل پر پردہ چھاجاتا ہے حتیٰ کہ میں دن میں ایک سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں۔

ان ہی کی ایک روایت میں ''فاستغفر اللہ'' (پس میں اللہ تعالیٰ کی بخشش طلب کرتا ہوں) اور حدیث کے بعض الفاظ دوسرے بعض کی تفسیر کرتے ہیں اور لفظی اعتبار سے یہ احتمال بھی ہے کہ دوسرا جملہ مستقل کلام ہو اور پہلے جملہ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہ ہو پس حضور علیہ السلام نے خبر دی کہ میرے دل پر پردہ چھا جاتا ہے نیز میں دن میں ایک سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں (یعنی دونوں باتیں الگ الگ ہیں)۔

حضرت ابو عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جس ''غین'' (لیغان میں جو غین ہے) کا ذکر ہے یہ وہ چیز ہے جو دل کو ڈھانپ دیتی ہے اور اس کی اصل ''غین السماء'' ہے یعنی بادل کا چھا جانا۔

دوسرے حضرات فرماتے ہیں ''غین'' سے مراد یہ ہے کہ دل پر چھانے کے باوجود اس کو کلی طور پر ڈھانپتا نہیں جس طرح پتلے قسم کے بادل جو ہوا میں ہوتے ہیں وہ سورج کی روشنی کو نہیں روکتے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پردے سے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کو جو امور سونپے گئے ہیں مثلاً بشری تقاضے' امت کے معاملات اور دوست دشمن سے متعلق امور کی انجام دہی مصلحتِ نفس' رسالت کی ذمہ داریوں اور امانت کی ادائیگی وغیرہ کی وجہ سے آپ کا قلب مبارک اللہ تعالیٰ کے دائمی ذکر اور اس کے مشاہدہ سے غافل ہو جاتا ہے اور کچھ کمی آتی ہے تو یہی پردہ ہے اور ان تمام امور کی انجام دہی میں بھی آپ اپنے رب کی اطاعت اور عبادت میں ہوتے ہیں۔

لیکن جب اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا مقام و مرتبہ تمام مخلوق سے بڑا ہے اور آپ کی معرفت سب سے زیادہ مکمل ہے اور جب آپ کا دل اور ارادہ خالصۃ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے اور آپ مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو دونوں حالتوں میں سے یہ حالت ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے تو آپ نے جب اس حالت میں کمی دیکھی اور دوسری طرف مشغولیت کی

وجہ سے اس مقام رفیع سے اپنے آپ کو نیچے دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے بخشش کا سوال کیا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث کی سب سے بہترین توجیہہ یہی ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے اور جو مفہوم ہم نے بیان کیا اکثر لوگ اسی کی طرف مائل اور اسی کے گرد گھومتے ہیں۔

پس تم اس سے کوئی مجازی معنی نہ لو ہم نے اس شخص کے لئے جس پر اس کا معنیٰ پوشیدہ تھا' یہ مفہوم قریب کر دیا اور فائدہ حاصل کرنے والے کے لئے اس کو واضح کر دیا اور توجیہہ اس بات پر مبنی ہے کہ تبلیغ کے علاوہ آپ کے تعلق باللہ میں کچھ کمی یا بھول وغیرہ ہو سکتی ہے۔

لیکن اس پر اعتراض کیا گیا کہ حضور علیہ السلام کی طرف اس بات کی نسبت پسندیدہ نہیں کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ فرشتوں کو آپ پر فضیلت حاصل ہو اس لئے کہ وہ تسبیح اور مشاہدہ میں کوتاہی نہیں کرتے اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لست انسی ولکن انسی. میں بھولتا نہیں بلکہ بھلایا جاتا ہوں۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲' صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۴۵' الشفاء ج ۲ ص ۱۴۰' تمہید ج ۵ ص ۲۰۶۔ ج ۶ ص ۳۹۲)

پس یہ بات کوتاہی میں شمار نہیں ہوتی بلکہ حکمت مقصودہ کی بنیاد پر ایسا ہوتا ہے تاکہ اس کے ساتھ حکم شرعی ثابت کیا جائے پس اس بات پر محمول کرنا جس کو علت قرار دیا زیادہ مناسب ہے یعنی آپ بشری تقاضوں' امت کے معاملات اور دیگر امور میں مشغول ہوتے اور یہ سب امور نبوت کی ذمہ داریوں کا حصہ ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ''غین'' (پردہ) حدیث نفس کی وجہ سے دل پر طاری ہوتا ہے۔ حافظ شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام رافعی نے ''اپنی امالی میں'' اسی بات کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ ان کے والد اس بات کو صحیح قرار دیتے تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ ایک ایسی حالت تھی کہ اس میں آپ اپنی امت کے احوال پر مطلع ہو کر ان کے لئے بخشش کی دعا مانگتے تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وہ سکون واطمینان تھا جو آپ کے قلبِ اقدس پر طاری ہوتا تو آپ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی عطا پر شکر ادا کرتے ہوئے مغفرت طلب کرتے۔

شیخ الاسلام ابن عراقی رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ جملہ حالیہ ہے نبی اکرم ﷺ نے اس بات کی خبر دی کہ آپ کے دل پر پردہ چھا جاتا حالانکہ آپ دن میں ایک سو بار بخشش مانگتے تھے اور یہ حال مقدرہ ہے کیونکہ استغفار کے وقت یہ پردہ موجود نہیں ہوتا تھا بلکہ جب استغفار ہوتا تو یہ پردہ زائل ہو جاتا۔

وہ فرماتے ہیں جب دونوں جملوں کا باہم تعلق ہو اور دوسرا جملہ پہلے کا مسبب بنے (یعنی پہلا جملہ سبب ہو) تو اس بات کا احتمال ہے کہ یہ پردہ دل کو امور دنیا سے ڈھانپ دیتا ہو اور دل اور امور دنیا کے درمیان حجاب واقع ہوتا ہے اور اس وقت دل مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہو کہ آپ بطور شکر استغفار کریں اور بندگی کو اختیار کریں۔

وہ فرماتے ہیں قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جو کچھ فرمایا اس کا مفہوم بھی یہی ہے یعنی ''شفاء'' میں جو کچھ آپ نے فرمایا

کہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ پردہ خشیت کی حالت میں ہو اور اس کی بڑائی کا اظہار جو دل کو ڈھانپ لے پس آپ اس وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی خاطر طلبِ مغفرت فرماتے اور بندگی کو ہمیشہ کے لئے اختیار کر لیتے۔

شیخ ابن عراقی کہتے ہیں میرے نزدیک یہ عمدہ کام ہے اور دوسرا جملہ پہلے جملہ کا مسبب ہے یہ مطلب نہیں کہ آپ استغفار کے ذریعے پردے کو دور کرنے کی کوشش کرتے بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ یہ پردہ ایک قابلِ تعریف ہے یہی استغفار کا سبب ہے اور اسی پر استغفار مرتب ہوتا ہے۔

یہ قول تمام اقوال سے زیادہ پاکیزہ اور اچھا ہے کیونکہ اس صورت میں غین (یعنی پردہ) وصف محمود ہوگا اور اسی کی وجہ سے آپ استغفار فرماتے تھے جبکہ پہلے معنیٰ کے اعتبار سے اس پردے کو دور کرنے کے لئے استغفار کے ذریعے کوشش فرماتے ہیں اور اسی معنیٰ کے اعتبار سے اعتراضات پیدا ہوتے ہیں۔

اہلِ لغت کے نزدیک ''غین'' ''غشاء'' کے معنیٰ میں ہے (یعنی پردہ) پس ہم اس پردے پر محمول کریں گے جو نبی اکرم ﷺ کے شایانِ شان ہے اور یہ ایسا پردہ ہے جو دل کو دنیوی امور سے دور کرتا اور ڈھانپ لیتا ہے خصوصاً جب کہ یہ پردہ ایک قابل تعریف امر ہو اور وہ استغفار ہے اور یہ اچھا کام (استغفار) اچھے کام (اچھے پردے) سے وجود میں آتا ہے۔

شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''لطائف المنن میں'' ذکر کیا کہ شیخ ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ سے اس حدیث ''انه لیغان قلبی'' کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا اے مبارک! یہ انوار کا پردہ ہے اغیار کا پردہ نہیں۔

دوسری قسم: وہ باتیں جو صرف آپ پر حرام تھیں

ان میں سے ایک زکوٰۃ لینے کی حرمت ہے اسی طرح صحیح مشہور نصوص کے مطابق صدقہ آپ پر حرام تھا۔

آپ نے فرمایا:

انا لا نا کل الصدقة. بے شک ہم صدقہ نہیں کھاتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۹۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۱' سنن نسائی ج ۱ص ۸۹' السنن الکبریٰ ج ۷ص ۲۹' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ص ۲۶' مسند احمد ج ۲ص ۴۰۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۵۲۰۔۱۶۵۲۴)

اور جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ آپ کے لئے صدقہ مباح تھا وہ کہتے ہیں کہ آپ کے صدقہ نہ کھانے سے اس کا حرام ہونا لازم نہیں آتا ہو سکتا ہے آپ نے محض بچنے کے لئے نہ کھایا ہو اور وہ مباح ہو۔ اور یہ ظاہر حدیث کے خلاف ہے۔

شیخ الاسلام ابن عراقی نے ''شرح التقریب میں'' فرمایا:

''جو بھی صورت ہے آپ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ نے صدقہ نہیں کھایا چاہے اس سے بچنا آپ پر واجب تھا یا ویسے پرہیز فرماتے تھے۔

اس کی حکمت یہ تھی کہ آپ کے منصب شریف کو لوگوں کے مالوں کی میل سے بچایا جائے۔

آپ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کی آل پر بھی زکوٰۃ حرام ہے اور اصح قول کے مطابق آپ کی آل زکوٰۃ کی وصولی پر عامل بھی نہیں بن سکتی اسی طرح نذر اور کفارات کا مال بھی ان کو دینا حرام ہے البتہ اصح قول کے مطابق ان کو نفلی صدقہ دیا جاسکتا ہے اس میں مالکی فقہ والوں کا اختلاف ہے اور ہمارے (شافعیوں) کے نزدیک اس (نفلی صدقہ کے آلِ بیت کے لئے حلال ہونے) پر دلیل موجود ہے۔

ان امور میں سے ایک بات یہ ہے کہ جس چیز کی بو اچھی نہ ہو اس کا کھانا نبی اکرم ﷺ پر حرام تھا جیسے لہسن اور پیاز۔ کیونکہ آپ کے پاس فرشتوں اور وحی کا آنا ہر وقت متوقع ہوتا تھا۔

اسی طرح آپ کے لئے تکیہ لگا کر کھانا بھی منع تھا جب کہ زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں آپ پر حرام نہیں بلکہ مکروہ تھیں۔

امام سہیلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تکیہ لگا کر کھانا دوسرے لوگوں کے لئے بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ تکبر کرنے والوں کا عمل ہے اور اس پر مزید گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

اسی طرح کتابت اور شعر گوئی بھی آپ پر حرام تھی اور حرمت کا یہ قول ان لوگوں کے نزدیک ہے جو کہتے ہیں کہ آپ اچھی طرح شعر کہہ سکتے تھے لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آپ یہ دونوں کام نہیں کرتے تھے (یعنی آپ کو سکھائے نہیں گئے تھے)۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ. (العنکبوت: ۴۸)
اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے۔

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ.
اور ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھائے اور وہ آپ کے لئے مناسب بھی نہیں۔

یعنی یہ آپ کی طبیعت وفطرت کے خلاف تھے اور آپ کے لئے مناسب بھی نہیں تھے۔

اس بات کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ آپ کا ان دونوں تک پہنچنا حرام تھا اور کیا شعر گوئی نہ کرنا آپ کے ساتھ خاص تھا یا دیگر انبیاء کرام کے لئے بھی یہی حکم تھا؟

تو بعض حضرات نے کہا کہ یہ عام ہے کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ.
اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ ان کی شان کے لائق ہے۔

اس میں خصوصیت کا کوئی نکتہ ظاہر نہیں ہوتا نیز صلح حدیبیہ کے ذکر میں بحث گزر چکی ہے کہ کیا حضور علیہ السلام اچھی طرح لکھ

سکتے تھے یا نہیں؟

ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ جب آپ زرہ پہن لیں تو جب تک لڑائی نہ لڑیں یا اللہ تعالیٰ آپ کے اور آپ کے دشمن کے درمیان کوئی فیصلہ نہ کر دے تو پھر زرہ کا اتارنا حرام تھا۔

کوئی چیز کثرت سے حاصل کرنے کے لئے احسان کرنا بھی آپ پر حرام کیا گیا یہ بات امام رافعی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ. اور اس لئے احسان نہ کریں کہ زیادہ حاصل ہو۔

یعنی کوئی چیز اس لئے نہ دیں کہ آپ کو اس سے زیادہ دیا جائے بلکہ اپنے رب کی رضا کے لئے عطا فرمائیں اور اسی کی رضا کا ارادہ کریں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہترین ادب سکھایا۔ اکثر مفسرین نے یہ بات فرمائی ہے۔ حضرت ضحاک اور حضرت مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور امت میں سے کسی پر لازم نہیں ہے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیوی بدلہ حاصل کرنے کے لئے کوئی چیز نہ دیں یعنی اپنے رب کے لئے عطا فرمائیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے عمل کا اللہ تعالیٰ پر احسان نہ رکھیں اس طرح آپ کثیر طلب کریں گے اور کہا گیا کہ نبوت کا احسان امت پر نہ رکھیں کہ ان سے اجرت اور دنیوی معاوضہ لیں۔

لوگوں کو جو چیز نفع اندوزی کے لئے دی گئی اس کی طرف نگاہیں نہ بڑھائیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ. اور جس چیز کے ساتھ ہم نے نفع دیا اس کی طرف نگاہیں نہ بڑھائیں۔

یعنی اس کو اچھا سمجھ کر اور یہ کہ آپ کے لئے بھی اس کی مثل ہو۔

أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ. جوڑے ان میں سے (ایک جیسی چیزیں)۔

یعنی جو کچھ کفار کو دیا گیا اس قسم کی چیزیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ان سے کچھ ایسی اقسام جن کا ان سے تعلق ہے کیونکہ جو کچھ آپ کو دیا گیا ہے اس کے مقابلے میں یہ سب کچھ حقیر ہے کیونکہ آپ کے پاس وہ ایسا کمال ہے جو ذاتی طور پر مطلوب ہے اور دائمی لذتوں کی طرف جاتا ہے۔

ان امور میں سے ایک آنکھ کے ساتھ اشارہ کرنا ہے جو آپ پر حرام ہے یعنی کسی کو قتل کرنے یا مارنے کا جواز اشارے سے بتانا جب کہ ظاہری حالت اس کے خلاف ہو جیسا کہ آپ نے ایک شخص کے قتل کا ارادہ کیا تو صحابہ کرام نے عرض کیا آپ نے ہمیں اس کو قتل کرنے کے لئے اشارہ کیوں نہیں کیا؟ تو آپ نے فرمایا کسی نبی کے لئے آنکھ سے اشارہ کرنا مناسب نہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۸۳، المستدرک ج ۳ ص ۴۵، دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۶۰، الدر المنثور ج ۳ ص ۳۰۳، السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۲۰۷، تمہید ج ۶ ص ۱۷۶، مشکل الآثار ج ۲ ص ۲۲۶، فتح الباری ج ۱۱ ص ۱۱، تفسیر طبری ج ۱۰ ص ۳۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۱۸۷)

جب کہ دوسروں کے لئے یہ بات حرام نہیں جب کہ کسی ممنوع کام کے لئے اشارہ نہ ہو یہ بات امام رافعی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے جسے حجازی نے ''مختصر الروضہ میں'' نقل کیا ہے۔

ان امور میں سے ایک بات ان خواتین سے نکاح کرنا ہے جنہوں نے ہجرت نہیں کی یہ دو قولوں میں سے ایک ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ اللّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ.

اے نبی ﷺ! بے شک ہم نے آپ کے لئے آپ کی ان ازواج مطہرات کو حلال قرار دیا جن کا مہر آپ نے عطا کیا۔

''اجور'' سے مہر مراد ہے اور مہر کو اجر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ شرمگاہ کی اجرت ہے اور حلال ہونے کے لئے فوری ادائیگی (اتیت ماضی کا صیغہ ہے) کی قید اس لئے نہیں کہ اس (ادائیگی) کے بغیر عورت حلال نہیں ہوتی بلکہ اس میں افضل صورت کو ترجیح دی ہے (یعنی فوری ادائیگی بہتر ہے) جس طرح لونڈی کے حلال ہونے کا ذکر کرتے ہوئے اس کے لئے قیدی ہونے کا وصف بیان کیا (حالانکہ یہ ضروری نہیں) ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمّٰتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خٰلٰتِكَ.

اور جو لونڈیاں آپ کی ملک میں ہوں ان لونڈیوں سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطور غنیمت عطا فرمائی ہیں اور آپ کی چچازاد اور پھوپھی زاد، ماموں زاد اور خالہ زاد۔

قبیلہ بنو زہرہ کی خواتین مراد ہیں:

وَاللّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ.

اور وہ عورتیں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی (یعنی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی)۔

اگرچہ حضور علیہ السلام کے ساتھ ایک ہی وقت میں ہجرت نہیں کی۔

اس آیت کا ظاہر بتاتا ہے کہ عورتوں کا آپ کے لئے حلال ہونے کے لئے ہجرت شرط ہے اور ان میں سے جن عورتوں نے ہجرت نہیں کی ان سے آپ کا نکاح جائز نہیں۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے نکاح کا پیغام دیا تو میں نے کسی وجہ سے معذرت کر لی چنانچہ آپ نے میرا عذر قبول کر لیا [1] پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت (مندرجہ بالا) اتاری۔

پس میں آپ کے لئے حلال نہیں تھی کیونکہ میں نے آپ کے ساتھ ہجرت نہیں کی۔ میں آزاد عورتوں سے تھی۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۱۴)

بعض مفسرین سے منقول ہے کہ حلت کے لئے ہجرت کی شرط منسوخ ہے لیکن انہوں نے ناسخ (آیت) ذکر نہیں کی۔

---

[1] حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کے نکاح میں آنے سے اعتراض نہیں کرتی لیکن میں پسند نہیں کرتی کہ میں نکاح کروں اور میرے بچے چھوٹے چھوٹے ہیں۔ ایک روایت میں ہے آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے اپنے کانوں اور آنکھوں سے زیادہ محبوب ہیں اور خاوند کا حق بہت بڑا ہے مجھے ڈر ہے کہ خاوند کا حق ضائع نہ کر دوں۔ (زرقانی ج ۵ ص ۲۲۴)

حضرت ماوردی سے دوقول (منقول) ہیں ایک یہ کہ نبی اکرم ﷺ کے عقد نکاح میں آنے کے لئے ہر عورت کا مہاجرہ ہونا شرط ہے وہ اجنبی ہوتی یا رشتہ دار' اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ شرط آپ کی چچازاد اور پھوپھی زاد وغیرہ جن کا ذکر ہو چکا ہے' سے متعلق ہے۔ اجنبی (غیر رشتہ دار) خواتین کے لئے ہجرت کی شرط نہیں ہے انہی سے یہ بھی مروی ہے کہ مہاجرات سے مسلمان عورتیں مراد ہیں۔

جو عورت آپ کے ساتھ رہنا پسند نہ کرے اس کو روکنا آپ پر حرام تھا۔

کتابیہ عورت سے نکاح بھی آپ پر حرام تھا کیونکہ آپ کی ازواج مطہرات مؤمنوں کی مائیں اور آخرت میں آپ کی ازواج ہوں گی اور آپ کے ساتھ جنت میں اسی درجہ میں رہیں گی (جہاں آپ ہوں گے)۔

نیز یہ کہ آپ کی شان اس سے بلند و بالا ہے کہ آپ اپنا مادۂ منویہ کسی کافرہ عورت کے رحم میں رکھیں۔ علماء کرام فرماتے ہیں اگر آپ کسی کتابیہ عورت سے نکاح کرتے تو آپ کے اعزاز کی وجہ سے اسے اسلام کی طرف ہدایت دی جاتی۔

مسلمان لونڈی سے نکاح کرنا بھی آپ پر حرام تھا اور اگر لونڈی سے آپ کا نکاح فرض کیا جائے تو آپ کی اس سے ہونے والی اولاد آزاد ہوتی اور غلامی کے نہ پائے جانے کی وجہ سے آپ پر اس کی فضیلت لازم نہ ہوتی یہ بات قاضی حسین نے کہی ہے۔

ابو عاصم کہتے ہیں (یہ قیمت) لازم ہوتی۔ یہ بات حجازی نے نقل کی ہے اور اس وقت ہے آپ کے حق میں (لونڈی سے نکاح کے لئے) گناہ کا خوف اور آزاد عورت سے نکاح کی مالی طاقت نہ ہونے کی شرط نہ ہوتی۔

جہاں تک لونڈی بنانے کا تعلق ہے تو زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آپ کے لئے یہ عمل حلال تھا کیونکہ آپ نے اپنی لونڈی ریحانہ سے ان کے اسلام لانے سے پہلے نفع اٹھایا۔ اس بنیاد پر سوال یہ ہے کہ کیا حضور علیہ السلام پر یہ بات لازم تھی کہ وہ اسے اختیار دیتے کہ وہ اسلام لائے اور آپ اسے اپنے پاس روک لیں یا وہ اپنے دین پر قائم رہے تو آپ اس کو جدا کر دیں؟ تو اس میں دو قول ہیں۔

ایک یہ کہ آپ پر لازم تھا کہ اسے اختیار دیتے تا کہ وہ آخرت میں آپ کی ازواج مطہرات میں سے ہوتی اور دوسرا قول یہ ہے کہ واجب نہیں تھا کیونکہ جب آپ نے ریحانہ پر اسلام پیش کیا تو اس نے انکار کر دیا لیکن اس کے باوجود وہ آپ کی ملک میں رہی اور آپ اس سے نفع اٹھاتے رہے اور بعد میں اس نے اسلام قبول کیا۔

ان امور میں سے ایک بات یہ تھی کہ جب آپ کی قوم سے اذان سنیں تو ان پر حملہ کرنا حرام تھا۔ جس طرح ابن سبع نے ''الخصائص میں'' ذکر کیا۔

تیسری قسم: وہ خصائص جو مباح ہیں

نبی اکرم ﷺ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ آپ حالت جنابت میں مسجد میں ٹھہر سکتے تھے۔ یہ بات صاحب التلخیص نے کہی ہے (ابن قاص مراد ہیں) لیکن ابن قفال نے اسے تسلیم نہیں کیا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو کچھ ''التلخیص میں'' کہا گیا اس پر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس روایت

سے استدلال کیا گیا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اے علی میرے اور تمہارے علاوہ کسی کے لئے اس مسجد میں جنبی ہونا جائز نہیں۔ امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۷۲۷' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۶۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۶۰۸۹' تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷۴' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث:۹۵' البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۳۵۶' کنز العمال رقم الحدیث:۳۲۸۸۵_۳۳۰۵۲)

اس حدیث پر اعتراض کیا گیا کہ عطیہ راوی جمہور کے نزدیک ضعیف ہے اس کا جواب یوں دیا گیا کہ امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا اس لئے جو بات اس کے حسن کی متقاضی ہے اس کے ساتھ اسے تقویت حاصل ہو گی لیکن جب اس بات میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ شریک ہیں تو آپ کی خصوصیت نہ ہوئی۔

امام الحرمین وغیرہ نے صاحب التلخیص کے اس قول کو غلط قرار دیا ہے اور یہ بات بھی جان لیں کہ نبی اکرم ﷺ نے کئی بڑے بڑے مباح اور جائز کام چھوڑ دیئے اگرچہ آپ کے لئے جائز تھے۔

آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ چت لیٹنے سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا اور عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو کے ٹوٹنے کے بارے میں دو قول ہیں۔ (نوٹ: حنفی فقہ کے مطابق عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا مذکورہ بالا قول' امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ ۱۲ ہزاروی)

پہلے قول والوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اور اس طرح کی دیگر روایات سے استدلال کیا ہے آپ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنی بعض ازواج مطہرات کا بوسہ لیتے پھر نماز پڑھتے اور وضو نہ فرماتے۔ (سنن نسائی ج ۱ ص ۱۰۴' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۳۵' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۳۲۳' تاریخ ابن عساکر ج ۵ ص ۱۶۸' کنز العمال رقم الحدیث:۲۷۱۲۲)

امام نسائی نے بھی اسے روایت کیا اور امام ابوداؤد فرماتے ہیں یہ مرسل حدیث ہے ابراہیم تیمی کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع حاصل نہیں اور امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا اس باب سے اس حدیث سے زیادہ اچھی حدیث نہیں اگرچہ یہ مرسل ہے۔

آپ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ کے لئے عصر کے بعد نماز جائز تھی آپ کی ظہر کے بعد والی دو رکعتیں فوت ہو گئیں تو آپ نے ان کو عصر کے بعد قضا کیا پھر ان کو ہمیشہ پڑھتے رہے۔ یہ بات حجازی نے ذکر کی ہے اور وتر نماز واجب ہونے کے باوجود آپ اسے سواری پر پڑھتے تھے اور آپ کے لئے ایسا کرنا جائز تھا۔

''شرح المھذب میں'' یہ بات اس طرح ذکر کی گئی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کے لئے یہ کام (وتر پڑھنا) سواری پر جائز تھا۔ اور غائبانہ نماز جنازہ بھی آپ کی خصوصیات میں سے ہے یہ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک رحمہما اللہ کا مسلک ہے۔

باوجود قوتِ شہوت کے آپ کے لئے روزے کی حالت میں بوسہ لینا جائز تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے' اس میں ہے آپ فرماتی ہیں۔

رسول اکرم ﷺ روزے کی حالت میں بعض ازواج مطہرات کا بوسہ لیتے تھے اور آپ اپنے نفس پر تم لوگوں سے

زیادہ کنٹرول کرنے والے تھے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۹۲۷۔۱۹۲۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۲۳۸۲' جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۸۔۷۲۷۔۷۲۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۶۵' مسند احمد ج۶ ص۴۲۔۲۳۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۶۸۴۔۱۶۸۵' مسند الحمیدی رقم الحدیث:۱۹۹' شرح السنہ ج۶ ص۲۷۵' حلیۃ الاولیاء ج۷ ص۱۶۱' کنز العمال رقم الحدیث:۱۸۰۸۳۔۲۴۴۰۳)

حضرت ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ جو شخص اپنے نفس کو قابو میں رکھ سکتا ہو اس کے لئے یہ عمل جائز ہے لیکن جو آدمی حرام میں واقع ہونے (جماع کرنے) سے بے خوف نہ ہو اس کے لئے جائز نہیں۔

وہ فرماتے ہیں امام نسائی نے حضرت حماد کی روایت سے نقل کیا کہ حضرت اسود فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا روزہ دار اپنی بیوی کے ساتھ لیٹ سکتا ہے؟ فرمایا نہیں میں نے عرض کیا کیا رسول اکرم ﷺ روزے کی حالت میں ایسا نہیں کرتے تھے؟ فرمایا نبی اکرم ﷺ اپنے نفس پر تم سب سے زیادہ کنٹرول کرنے والے تھے۔

فرماتے ہیں اس حدیث کا ظاہر بتاتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ بات نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے یہ بات امام قرطبی نے فرمائی اور فرمایا کہ یہ ام المؤمنین کا اجتہاد ہے امام مالک رحمہ اللہ نے "موطا میں" جو روایت نقل کی ہے وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ام المؤمنین کے نزدیک نہ تو یہ عمل آپ پر حرام تھا اور نہ ہی آپ کی خصوصیت۔

حدیث اس طرح ہے کہ حضرت عائشہ بنت طلحہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھیں کہ ان کے خاوند حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم داخل ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا کہ تمہیں اپنی زوجہ کے قریب جانے' اس سے ہنسنے کھیلنے اور اس کا بوسہ لینے سے کس چیز نے روکا ہے؟ انہوں نے عرض کیا' کیا میں روزے کی حالت میں بوسہ لوں؟ فرمایا ہاں۔(موطا امام مالک رقم الحدیث:۱۶)

نبی اکرم ﷺ کے لئے وصال کے روزے رکھنا بھی جائز تھا جیسا کہ آگے آئے گا۔امام الحرمین نے فرمایا یہ عمل آپ کے حق میں عبادت تھا۔

آپ کی خصوصیت تھی کہ اگر آپ کو کھانے پینے کی حاجت ہوتی تو ان چیزوں کے مالک سے لے سکتے تھے اور اس پر لازم تھا کہ آپ کو دیتا اگرچہ وہ ان چیزوں کا محتاج ہوتا[1] اور اپنی زندگی کو آپ کی زندگی پر قربان کر دیتا۔ارشادِ خداوندی ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ. نبی اکرم ﷺ مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں۔

اگر کوئی ظالم آپ کا قصد کرتا تو وہاں موجود لوگوں پر واجب تھا کہ آپ کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے جیسا کہ اُحد کے دن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کیا۔(واقعہ پہلے گزر چکا ہے)

چونکہ نبی اکرم ﷺ معصوم تھے اسی لئے اجنبی عورتوں کی طرف آپ کا دیکھنا جائز تھا اور آپ کے علاوہ لوگوں کا حکم چوتھی قسم میں آئے گا۔اسی طرح آپ کا ان عورتوں کے ساتھ علیحدگی میں ہونا بھی جائز تھا۔

---

[1] نبی اکرم ﷺ کو یہ اختیار حاصل تھا لیکن آپ نے کبھی اسے استعمال نہیں کیا بلکہ بڑے بڑے مباح کاموں سے دور رہے بلکہ آپ دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔(زرقانی ج۵ ص۲۲۸)

''فتح الباری میں'' فرمایا کہ مضبوط دلائل کے ساتھ جو کچھ ہمارے سامنے واضح ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اجنبی عورتوں کے ساتھ آپ کی علیحدگی آپ کے خصائص میں سے ہے اسی طرح ان کی طرف دیکھنا بھی اس پر حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کا واقعہ دلالت کرتا ہے کہ آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور وہاں آرام فرما ہوئے اور وہ آپ کے سر کی صفائی کرنے لگیں حالانکہ آپ کے اور ان کے درمیان محرمیت اور زوجیت نہیں تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۸۸-۲۷۸۹-۲۷۹۹-۶۲۸۲-۷۰۰۱-۷۰۰۲ سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۴۹۱ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۴۵ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۹ سنن نسائی ج ۶ ص ۴۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۰)

ان امور میں سے ایک بات یہ تھی کہ آپ چار خواتین سے زیادہ کے ساتھ نکاح کر سکتے تھے دیگر انبیاء کرام کے لئے بھی یہی حکم تھا اور ہمارے آقا علیہ السلام کے لئے نو سے زیادہ خواتین کے ساتھ نکاح کے جواز میں اختلاف ہے۔

کوئی خاتون اپنے آپ کو بطور ہبہ آپ کی خدمت میں پیش کر کے آپ سے نکاح کر سکتی تھیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ. اور کوئی عورت اگر اپنے نفس کو نبی کریم علیہ السلام کے لئے ہبہ کرے۔

جہاں تک رسول اکرم علیہ السلام کا تعلق ہے تو آپ کی طرف سے لفظ نکاح یا لفظ تزویج ضروری تھا ''اصل الروضہ'' میں اس کو زیادہ صحیح قرار دیا گیا ہے۔

امام رافعی نے شیخ ابو حامد سے اس قول کی ترجیح نقل کی ہے کیونکہ قرآن مجید کا ظاہر یہی بتاتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ. اگر نبی علیہ السلام ارادہ کریں کہ اس سے نکاح کریں یہ آپ کے لئے خالص ہے۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ ''وامراۃ مؤمنۃ'' کے بارے میں فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم نے آپ کو خبر دے دی کہ ہر وہ عورت جو اپنے نفس کو آپ کے لئے ہبہ کرے وہ آپ کے لئے حلال ہے اگر ایسا ہو جائے تو وہ مہر نہیں مانگ سکتی اسی لئے نکرہ لایا گیا۔

اس سلسلے میں اختلاف ذکر کیا گیا ہے اور جو اس کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ چار خواتین ہیں حضرت میمونہ بنت حارث زینب بنت خزیمہ انصاریہ ام شریک بنت جابر اور خولہ بنت حکیم (انہوں نے اپنے آپ کو پیش کیا)۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اَن (فتح کے ساتھ) پڑھا گیا ہے یعنی یہ کہ ہبہ کرے یا اس مدت میں جب ہبہ کرے جیسے تم کہتے ہیں:

اجلس ما دام زید جالسا. بیٹھو جب تک زید بیٹھا ہے۔

اور ارشادِ خداوندی ہے:

اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا اگر نبی اکرم علیہ السلام اس سے نکاح کا ارادہ فرمائیں۔

تو یہ حلت کے استحباب کی پہلی شرط کے لئے شرط ہے کیونکہ یہ قبول کی جگہ ہے۔

فرماتے ہیں خطاب کے صیغے سے غائب کی طرف عدول کر کے ''النبی'' کا لفظ تکرار کے ساتھ فرمایا پھر خطاب کی

''فتح الباری میں'' فرمایا کہ مضبوط دلائل کے ساتھ جو کچھ ہمارے سامنے واضح ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اجنبی عورتوں کے ساتھ آپ کی علیحدگی آپ کے خصائص میں سے ہے اسی طرح ان کی طرف دیکھنا بھی' اس پر حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کا واقعہ دلالت کرتا ہے کہ آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور وہاں آرام فرما ہوئے اور وہ آپ کے سر کی صفائی کرنے لگیں حالانکہ آپ کے اور ان کے درمیان محرمیت اور زوجیت نہیں تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۸۸_۲۷۸۹_۲۷۹۹_۶۲۸۲_۷۰۰۱_۷۰۰۲' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۴۹۱' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۴۵' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۹' سنن نسائی ج ۶ ص ۴۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۰)

ان امور میں سے ایک بات یہ تھی کہ آپ چار خواتین سے زیادہ کے ساتھ نکاح کر سکتے تھے' دیگر انبیاء کرام کے لئے بھی یہی حکم تھا اور ہمارے آقا ﷺ کے لئے نو سے زیادہ خواتین کے ساتھ نکاح کے جواز میں اختلاف ہے۔

کوئی خاتون اپنے آپ کو بطور ہبہ آپ کی خدمت میں پیش کر کے آپ سے نکاح کر سکتی تھیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ. اور کوئی عورت اگر اپنے نفس کو نبی کریم ﷺ کے لئے ہبہ کرے۔

جہاں تک رسول اکرم ﷺ کا تعلق ہے تو آپ کی طرف سے لفظ نکاح یا لفظ تزویج ضروری تھا ''اصل الروضہ'' میں اس کو زیادہ صحیح قرار دیا گیا ہے۔

امام رافعی نے شیخ ابو حامد سے اس قول کی ترجیح نقل کی ہے کیونکہ قرآن مجید کا ظاہر یہی بتاتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ. اگر نبی ﷺ ارادہ کریں کہ اس سے نکاح کریں یہ آپ کے لئے خالص ہے۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ ''وامراۃ مؤمنة'' کے بارے میں فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم نے آپ کو خبر دے دی کہ ہر وہ عورت جو اپنے نفس کو آپ کے لئے ہبہ کرے وہ آپ کے لئے حلال ہے اگر ایسا ہو جائے تو وہ مہر نہیں مانگ سکتی اسی لئے نکرہ لایا گیا۔

اس سلسلے میں اختلاف ذکر کیا گیا ہے اور جو اس کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ چار خواتین ہیں حضرت میمونہ بنت حارث' زینب بنت خزیمہ انصاریہ' ام شریک بنت جابر اور خولہ بنت حکیم (انہوں نے اپنے آپ کو پیش کیا)۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اَن (فتح کے ساتھ) پڑھا گیا ہے یعنی یہ کہ ہبہ کرے یا اس مدت میں جب ہبہ کرے جیسے تم کہتے ہیں:

اجلس ما دام زید جالسا. بیٹھو جب تک زید بیٹھا ہے۔

اور ارشادِ خداوندی ہے:

اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا اگر نبی اکرم ﷺ اس سے نکاح کا ارادہ فرمائیں۔

تو یہ حلت کے استحباب کی پہلی شرط کے لئے شرط ہے کیونکہ یہ قبول کی جگہ ہے۔

فرماتے ہیں خطاب کے صیغے سے غائب کی طرف عدول کر کے ''النبی'' کا لفظ تکرار کے ساتھ فرمایا پھر خطاب کی

طرف رجوع کرتے ہوئے فرمایا:

خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ. یہ حکم آپ کے لئے خالص ہے مؤمنوں کے لئے نہیں۔

یہ اس بات کی خبر ہے کہ یہ بات آپ کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ آپ کو شرف نبوت حاصل ہے اور اس بات کو پکا کیا کہ اس وجہ سے آپ کرامت کے مستحق ہیں۔

معافی (بن زکریا بن یحییٰ بن حمید حافظ مفسر رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ ''خالصۃ'' میں تین قول ہیں۔

ایک یہ کہ کوئی عورت جب اپنے نفس کو آپ کے لئے ہبہ کر دے تو آپ پر مہر لازم نہیں ہوگا جب کہ دیگر مؤمنوں کا یہ حکم نہیں یہ بات حضرت انس بن مالک اور ابن مسیب رضی اللہ عنہما نے فرمائی ہے۔

دوسری بات یہ کہ آپ اس سے ولی اور گواہوں کے بغیر نکاح کریں اور یہ بھی آپ کے ساتھ خاص ہے۔

اور تیسری بات یہ کہ آپ اس سے لفظ ہبہ کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں دوسرے مؤمنوں کو یہ بات حاصل نہیں۔

انہوں نے فرمایا کہ یہ بات امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک ہے جب کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دوسرے لوگ بھی لفظ ہبہ کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے لئے مہر کے بغیر نکاح کرنا بھی جائز تھا یعنی ابتدائے نکاح ہو یا انتہا مہر کے بغیر نکاح کر سکتے تھے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اگر کوئی خاتون اپنے آپ کو آپ کی خدمت میں ہبہ کرے تو آپ پر اس کا مہر لازم نہیں ہوگا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب کوئی عورت اپنے نفس کو آپ کی خدمت میں بطور ہبہ پیش کر دے پس آپ اس سے مہر کے بغیر نکاح کرتے تو آپ کے لئے یہ عمل جائز تھا اور اس کے بعد جماع کرنے کی صورت میں بھی آپ پر مہر واجب نہ تھا نہ کسی اور وجہ سے واجب ہوتا۔

جب کہ دوسرے لوگوں کا معاملہ یہ نہیں کیونکہ کوئی نکاح مہر سے خالی نہیں ہوتا چاہے مہر مقرر کیا ہوا یا مہر مثل ہو۔

اسی طرح آپ کے لئے حالتِ احرام میں بھی نکاح کرنا جائز تھا امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں فرمایا۔

ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والے) فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے جائز تھا کہ حالتِ احرام میں نکاح کریں اور یہ آپ کی خصوصیت ہے امت کے لئے جائز نہیں وہ فرماتے ہیں ہمارے اصحاب کے نزدیک دو قولوں میں سے یہ زیادہ صحیح ہے (احناف کے نزدیک حالت احرام میں نکاح جائز ہے)۔

آپ کی خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ کے لئے کسی عورت سے اس کی مرضی کے بغیر نکاح کرنا جائز تھا اگر آپ کسی عورت میں رغبت رکھتے اور وہ کسی کے نکاح میں نہ ہوتی تو اس پر لازم تھا کہ آپ کی فرمانبرداری کرتی۔ اور کسی دوسرے پر اسے نکاح کا پیغام دینا حرام تھا اور اگر وہ کسی کے نکاح میں ہوتی تو اس پر لازم تھا کہ وہ پہلے طلاق دے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا شاید اس میں راز یہ تھا کہ اس خاوند کے ایمان کا امتحان لیا جائے کہ وہ اپنی بیوی سے دستبردار ہوتا ہے یا نہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ واھلہ و ولدہ والناس اجمعین
تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان اس کے اہل اولاد اور سب لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤ۔

(مسند احمد ج۴ص۳۳۶ سنن دارمی ج۲ص۳۰۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۰ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۔۱۵ سنن نسائی ج۸ ص۱۱۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۷ الدر المنثور ج۳ص۲۲۳ المستدرک ج۲ص۴۸۶ اتحاف السادۃ المتقین ج۹ص۵۴۷ مشکل الآ ثار رقم الحدیث: ۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۷۰۔۹۲۔۹۳)

اور اس واقعہ پر حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا واقعہ دلالت کرتا ہے جو آپ کی پھوپھی امیمہ بنت عبد المطلب کی صاحبزادی تھیں۔ قرآن مجید میں فرمایا:

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ.
اور جب آپ اس سے فرمارہے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا۔

یعنی اسے نعمتِ اسلام عطا کی اور یہ سب سے بڑی نعمت ہے۔

وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ.
اور آپ نے اس پر انعام کیا۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آزاد کر دیا اور وہ حضرت زید بن حارثہ کلبی رضی اللہ عنہ تھے دور جاہلیت میں وہ قید کر دیئے گئے تو نبی اکرم ﷺ بعثت سے پہلے ان کے مالک ہوئے اور آپ نے ان کو آزاد کر کے متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) بنالیا آپ نے ان کے لئے حضرت زینب کا رشتہ مانگا تو انہوں نے اور ان کے بھائی حضرت عبد اللہ (رضی اللہ عنہما) نے انکار کر دیا پھر جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ.
کسی مؤمن مرد و عورت کے لئے مناسب نہیں (کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ فرمائیں تو انہیں اختیار ہو)۔

تو وہ دونوں راضی ہو گئے۔

اور دور جاہلیت میں نیز اسلام کے ابتدائی دور میں جب کوئی شخص کسی کے بیٹے کو متبنیٰ بناتا تو لوگ اسی کی نسبت سے پکارتے اور وہ وراثت میں حصہ دار ہوتا اور اس کی بیوی اس شخص پر حرام ہوتی۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے کو منسوخ کرتے ہوئے فرمایا:

اُدْعُوْھُمْ لِاٰبَآئِھِمْ.
ان کو ان کے باپوں کے نام سے پکارو۔

اس واقعہ سے قولاً و فعلاً یہ حکم ثابت ہوا پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ عنقریب حضرت زینب کو طلاق دیں گے اور آپ ان سے شادی کریں گے اور حضرت زید کے دل میں ان سے نفرت ڈال دی تو انہوں نے حضرت زینب کو چھوڑنے کا ارادہ کیا چنانچہ وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں اپنی بیوی کو چھوڑنا چاہتا ہوں آپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ کیا تو نے اس میں کوئی شک والی بات دیکھی ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ!

اللہ کی قسم میں نے تو ان میں بھلائی ہی بھلائی دیکھی ہے لیکن وہ مجھے اپنے شرف جتاتی ہیں (کیونکہ وہ عربی قریشی ہیں اور میں غلام ہوں) اور مجھے زبان سے اذیت پہنچاتی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا (جسے قرآن مجید نے یوں نقل کیا):

اَمۡسِكۡ عَلَيۡكَ زَوۡجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ. اپنی بیوی کو اپنے پاس روک رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

یعنی اس کے معاملے میں (اللہ تعالیٰ سے ڈرو) اور اس کو نقصان پہنچانے اور کسی علت کی بنیاد پر طلاق نہ دو۔

ارشادِ خداوندی ہے:

فَلَمَّا قَضٰى زَيۡدٌ مِّنۡهَا وَطَرًا. پس جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان سے اپنا کام پورا کرلیا۔

اور ان کے لئے ان سے کوئی حاجت نہ رہی اور انہوں نے ان کو طلاق دے دی پھر ان کی عدت پوری ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب کو نبی اکرم ﷺ کے نکاح میں دے دیا۔

جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

زَوَّجۡنٰكَهَا. ہم نے آپ کے ساتھ ان کا نکاح کردیا۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت زینب سے نکاح کا حکم دیا یا کسی عقد کے بغیر ان کی بیوی بنادیا اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا باقی تمام ازواج مطہرات سے کہا کرتی تھیں کہ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے کر کے دیا اور اور تمہارا نکاح تمہارے ولیوں نے کیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ اس نکاح میں سفیر تھے اور اس میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کے لئے بہت بڑی آزمائش اور ان کی ایمانی قوت پر واضح شہادت تھی۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح کیا تو اس کی علت یوں بیان فرمائی:

لِكَيۡلَا يَكُوۡنَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ حَرَجٌ فِىۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِيَآئِهِمۡ. تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہ ہو۔

جب وہ ان کو جدا کردیں (طلاق دے دیں) اور یہ عورتیں اللہ تعالیٰ کے اس حکم میں داخل نہیں ہیں:

وَحَلَآئِلُ اَبۡنَآئِكُمۡ. اور تمہارے بیٹوں کی بیویاں (تم پر حرام ہیں)۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی:

وَتُخۡفِىۡ فِىۡ نَفۡسِكَ. اور آپ اپنے دل میں چھپاتے تھے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو معلوم تھا کہ عنقریب حضرت زید رضی اللہ عنہ ان کو طلاق دیں گے اور آپ ان سے نکاح کریں گے تو اتنی بات پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو عتاب فرمایا حالانکہ یہ بات آپ کے لئے جائز تھی کہ آپ نے ان سے فرمایا:

اَمۡسِکۡ عَلَیۡکَ زَوۡجَکَ. آپ اپنی بیوی کو اپنے پاس روک رکھیں۔

حالانکہ آپ کو معلوم تھا کہ عنقریب وہ ان کو طلاق دیں گے یہ بات حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور محققین مفسرین کا یہی قول ہے جس طرح حضرت زہری' بکر بن علاء اور قاضی ابوبکر بن عربی وغیرہ رحمہم اللہ۔

اور ارشادِ خداوندی ہے:

وَ تَخۡشَی النَّاسَ. اور آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ منافق' بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کی بری خبر زیادہ پھیلانے سے ڈرتے ہیں جب کہ آپ حرکات وسکنات میں گناہوں سے معصوم ہیں بعض مفسرین نے یہاں ایسا کلام کیا ہے جو منصبِ نبوت کے لائق نہیں ہے اور کہا گیا ہے کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَاتَّقِ اللّٰہَ وَ تُخۡفِیۡ فِیۡ نَفۡسِکَ مَا اللّٰہُ مُبۡدِیۡہِ. اور آپ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور جس بات کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے اس کو دل میں پوشیدہ رکھیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہے یا نبی اکرم ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے یہ بات فرمائی کہ انہوں نے دل میں حضرت زینب کی طرف میلان کو چھپایا اور ان سے اعراض کو ظاہر کیا جب ان کو وہم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ ان کو اپنی بیوی بنانا چاہتے ہیں۔

جار اللہ محمود زمخشری نے کہا کہ انسان کتنے ہی مباح کاموں سے بچتا ہے اور اس بات سے حیا کرتا ہے لوگ اس پر مطلع ہوں پس انسان کے دل میں عورت وغیرہ کے حوالے سے خواہشات رکھنا عقل اور شریعت کے مطابق بری بات نہیں ہے۔ اور مباح چیز کو شرعی طریقے کے مطابق حاصل کرنا بھی قبیح نہیں ہے۔

اور یہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دینے اور ان سے نکاح کرنے کی خواہش تھی جب کہ حضرت زید کو ان کے چھوڑنے کے لئے بھی نہیں فرمایا اور اہل عرب کے نزدیک یہ بات ناپسندیدہ نہیں تھی کہ کوئی شخص اپنے دوست کے لئے اپنی بیوی سے دستبردار ہو جائے اور اس دستبرداری کے بعد وہ عورت دوسرے آدمی سے نکاح کرے تو اسے بھی برا نہیں سمجھتے تھے۔

مہاجرین صحابہ کرام جب مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو انصار نے ان کو ہر چیز میں حصہ دار بنایا حتی کہ اگر کسی کی دو بیویاں تھیں تو ایک سے دستبردار ہو کر مہاجر بھائی کے نکاح میں دے دی۔

پس جب کوئی کام تمام جہات سے جائز ہو تو اس میں کسی اعتبار سے خرابی نہیں ہوتی۔[1]

اسی طرح آپ کے لئے جائز تھا کہ ولی اور گواہوں کے بغیر نکاح کریں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا۔

ہمارے اصحاب کے نزدیک مشہور اور صحیح بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ولی اور گواہوں کے بغیر نکاح صحیح تھا۔ کیونکہ آپ کے حق میں اس بات کی حاجت نہیں تھی اور یہ بات حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے علاوہ میں ہے آپ کا معاملہ تو خود قرآن میں مذکور ہے۔

---

[1] لہٰذا اہل سنت و جماعت کے معمولات مثلاً میلاد شریف منانا' گیارہویں شریف اور عرس وغیرہ ہیں اگر کوئی قباحت نہ ہو تو ان کا مجموعہ ایسے اعمال ہیں جو فی نفسہ جائز ہیں پھر مجموعہ کیسے ناجائز ہو جائے گا۔ ۱۲ ہزاروی

علماء کرام فرماتے ہیں ولی کی ضرورت کفو کی حفاظت کے لئے ہے اور نبی اکرم ﷺ تمام کفوؤں سے بلند و بالا ہیں۔
اور گواہوں کا اعتبار انکار سے بچنے کے لئے ہوتا ہے اور آپ انکار نہیں فرماتے تھے اور عورت انکار کرے تو اس کی پرواہ نہ کی جائے بلکہ عراقی نے "شرح مہذب میں" فرمایا کہ اس انکار کی وجہ سے وہ نبی اکرم ﷺ کی تکذیب کر کے کافر ہو جاتی۔

نبی اکرم ﷺ کو اختیار تھا کہ آپ کسی خاتون کی شادی اس کی اجازت اور اس کے ولی کی اجازت کے بغیر کر دیں اور اپنی صاحبزادیوں کے علاوہ بھی چھوٹی بچیوں پر جبر کر کے ان کا نکاح کر سکتے تھے آپ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کا نکاح کر دیا حالانکہ ان کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ موجود تھے پس آپ باپ سے بھی مقدم ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو آپ کے نکاح میں دیا تو آپ ان کے پاس اس طرح تشریف لے گئے کہ خود نکاح نہیں کیا اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے پر اکتفا فرمایا۔ "الروضۃ میں" اس کی تعبیر یوں کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جائز کرنے سے وہ آپ کے لئے جائز ہو گئی تھیں۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی لونڈی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے ان کی آزادی کو ہی ان کا مہر قرار دیا۔
اس بات کے مفہوم میں اختلاف ہے کہا گیا کہ آپ نے ان کو اس شرط پر آزاد کیا کہ آپ ان سے نکاح کریں گے پس آپ کے لئے حضرت صفیہ پر قیمت واجب تھی اور وہ معلوم تھی پس اسی کے بدلے میں نکاح کیا۔
اور اس کی تائید حضرت عبدالعزیز بن صہیب رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے فرمایا۔
حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کی قید میں آئیں تو آپ نے ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا حضرت ثابت نے حضرت انس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ان کا مہر کیا تھا؟ انہوں نے فرمایا ان کا اپنا نفس مہر تھا پس آپ نے ان کو آزاد کر دیا۔ امام بخاری نے "المغازی میں" اس طرح نقل کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۰۱)
حضرت حماد' حضرت ثابت' حضرت عبدالعزیز سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا۔
حضرت عبدالعزیز نے حضرت ثابت سے پوچھا اے ابو محمد! کیا آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ ان کا مہر کیا تھا؟ تو انہوں نے فرمایا ان کے نفس کو ہی ان کا مہر قرار دیا تو حضرت ثابت نے تبسم فرمایا۔
تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ محض آزادی کو ان کا مہر قرار دیا گیا تھا اور پہلی تاویل میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کے اور قواعد کے درمیان کوئی فرق نہیں حتیٰ کہ قیمت مجہول بھی ہوتی تو بھی صحیح تھا۔
پس مذکورہ شرط کے ساتھ عقد نکاح کے صحیح ہونے میں امام شافعی رحمہ اللہ کے ماننے والوں کے لئے دلیل ہے۔ (اگرچہ یہ ضعیف ہے اور اس کے باوجود مہر مثل واجب ہوتا ہے) دوسرے حضرات کہتے ہیں "بلکہ نفس آزادی کو مہر قرار دیا لیکن یہ آپ کے خصائص میں سے ہے۔ ماوردی نے اس بات کو مضبوط قول قرار دیا۔
دوسرے حضرات نے کہا کہ: اعتقھا و تزوجھا. آپ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کیا۔ کا معنیٰ یہ ہے کہ آزاد کیا پھر ان سے نکاح کیا پس جب ان کے لئے مہر کے بارے میں معلوم نہ تھا تو کہا کہ ان کی آزادی کو ہی مہر قرار دیا

یعنی میری معلومات کے مطابق الگ مہر نہیں دیا لیکن مطلق نفی نہیں کی اسی وجہ سے ابوالطیب الطبری (شافعی) ابن مرابط مالکی اور ان کے متبعین نے کہا کہ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے انہوں نے اپنے گمان کے مطابق یہ بات فرمائی اور یہ مرفوع حدیث نہیں ہے لیکن امام طبرانی کی روایت اور ابوالشیخ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے آزاد کیا اور میری آزادی کو ہی میرا مہر مقرر کیا اور یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے موافق ہے اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ یہ بات حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے خیال کے مطابق کہی ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے اس شرط پر ان کو آزاد کیا ہو کہ آپ ان سے مہر کے بغیر نکاح کریں گے پس ان پر اس شرط کو پورا کرنا لازم تھا اور یہ نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت ہے دوسروں کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے ان کو کسی عوض کے بغیر آزاد کیا ہو اور اس وقت مہر ادا کئے بغیر نکاح کیا ہو لیکن مستقبل میں مہر کی ادائیگی کی نفی نہیں ہے۔

ابن صلاح نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ آزادی مہر کی جگہ آ گئی اگرچہ وہاں مہر نہ تھا وہ فرماتے ہیں یہ اسی طرح ہے جس طرح کہتے ہیں:

الجوع زاد من لا زاد لہ۔ بھوک اس شخص کا زادِ راہ ہے جس کے پاس زادِ راہ نہیں ہے۔

اور یہ تاویل تمام تاویلات کی نسبت زیادہ صحیح ہے اور لفظِ حدیث کے زیادہ قریب ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے "الروضۃ" میں ان کی اتباع کی ہے۔

اور جن لوگوں نے اس کو قطعی طور پر نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں شمار کیا ان میں حضرت یحییٰ بن اکثم بھی ہیں جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں امام مزنی نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے اسی طرح نقل کیا ہے اور فرمایا خصوصیت کا مقام یہ ہے کہ آپ نے ان کو کسی شرط کے بغیر آزاد کیا اور مہر نیز گواہوں کے بغیر ان سے نکاح کیا دوسرے لوگوں کو یہ اختیار نہیں ہے۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے "شرح مسلم میں" فرمایا صحیح بات وہ ہے جسے محققین نے اختیار کیا ہے کہ آپ نے ان کو کسی عوض اور شرط کے بغیر اپنی طرف سے احسان کرتے ہوئے آزاد کیا پھر ان کی مرضی سے مہر کے بغیر ان سے نکاح کیا اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ یہ بات حافظ ابن حجر نے فرمائی ہے۔

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو بھی صرف تین طلاقوں کا حق تھا اور اگر آپ بھی صرف تین طلاقوں کے مالک تھے تو کیا مطلقہ خاتون حلالہ کے بغیر آپ کے لئے حلال ہو جاتی تھیں اور کہا گیا کہ وہ آپ کے لئے کبھی حلال نہیں ہو سکتی تھیں۔[1]

---

[1] کیونکہ تین طلاقوں کے بعد حلالہ ہوتا ہے اور جو خاتون آپ کے عقد نکاح میں آ گئی وہ کسی دوسرے کے نکاح میں نہیں جا سکتی۔

(زرقانی ج ۵ ص ۲۳۸)

ازواج مطہرات کا نفقہ آپ پر واجب تھا یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں دو قول ہیں حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ واجب تھا۔

اہل علم کے کئی گروہ فرماتے ہیں کہ ازواج مطہرات کے درمیان باری مقرر کرنا نبی اکرم ﷺ پر واجب نہ تھا شافعی مسلک کے الاصطخری نے اسے صحیح قرار دیا جب ان کے (شوافع کے) اور اکثر لوگوں کے نزدیک اس کا واجب ہونا مشہور ہے۔

اور کیا آپ کسی خاتون اور اس کی خالہ یا اس کی پھوپھی کو جمع کر سکتے تھے کسی عورت کو اس کی بہن بیٹی یا ماں کے ساتھ نہیں۔

تو علماء کرام نے فرمایا اس سلسلے میں دو قول نقل کئے ہیں (ایک جواز کا دوسرا عدم جواز کا)۔

انہوں نے فرمایا کہ ان خصائص کا غالب حصہ اس بات کی طرف لوٹتا ہے کہ آپ کے حق میں نکاح اسی طرح تھا جس طرح ہمارے حق میں لونڈی بنانا۔ (یعنی دو باہم محرم عورتوں کو اگر بیک وقت لونڈی بنایا جا سکتا ہے تو آپ کے لئے ان کو نکاح میں لانا بھی صحیح ہوگا ورنہ نہیں (زرقانی ج ۵ ص ۲۳۹)

نبی اکرم ﷺ کے لئے جائز تھا کہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس مال میں سے لونڈی وغیرہ جو کچھ چاہیں لے لیں۔

آپ کے لئے مکہ مکرمہ میں لڑائی لڑنا اور قتل کرنا بھی جائز تھا اور احرام کے بغیر داخل ہونا بھی۔ یہ بات القاص نے ذکر کی ہے۔

اور ان حضرات نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جیسے صحاح ستہ کے مصنفین نے نقل کیا آپ فرماتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر خود تھا (لوہے کی ٹوپی تھی) تو آپ کا سر انور ڈھانپا ہوا تھا جبکہ محرم پر سر کا ننگا رکھنا واجب ہوتا ہے نیز حضرت جابر' حضرت زہری اور حضرت مالک رضی اللہ عنہم نے بھی واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ آپ محرم نہیں تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۴۶-۳۰۴۴-۴۲۸۶-۵۸۰۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۵۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۸۵' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۹۳' سنن نسائی ج ۵ ص ۲۰۱' سنن دارمی رقم الحدیث: ۸۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۰۵' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۴۷' مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۹-۱۶۴-۱۸۰-۲۳۲-۲۴۰' شرح السنہ ج ۱۰ ص ۳۹۹' البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۹)

ابن دقیق العید نے کہا کہ سر کو ڈھانپنے کی وجہ کوئی عذر بھی ہو سکتا ہے۔

لیکن شیخ ولی الدین ابن عراقی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کی تصریح وغیرہ اس احتمال کو رد کرتی ہے۔[1] اور یہ استدلال مشہور اختلاف کی جگہ میں نہیں ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کو لڑائی کا خدشہ تھا اور آپ اس کے لئے تیار تھے۔

اور جو اس حالت میں ہو تو ہمارے نزدیک (شافعی مسلک والوں کے نزدیک) وہ احرام کے بغیر داخل ہو سکتا ہے ہمارے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں اور نہ ہی ہمیں کسی اور سے اختلاف معلوم ہے۔

لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح المھذب میں'' اس پر اعتراض کیا ہے کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ

---

[1] کیونکہ ان کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے دن داخل ہوئے تو آپ کے سر انور پر سیاہ عمامہ تھا اور آپ احرام سے نہیں تھے۔ (زرقانی ج ۵ ص ۲۳۹)

مکہ مکرمہ بطور صلح فتح ہوا جب کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بطور غلبہ فتح ہوا تو اس وقت کوئی خوف نہ تھا۔

پھر اس بات کا جواب یوں دیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوسفیان سے مصالحت کر لی تھی لیکن آپ اہل مکہ کی خلاف ورزی سے بے خوف نہیں تھے پس آپ صلح کے طور پر داخل ہوئے لیکن آپ لڑائی کے لئے تیار تھے اگر وہ معاہدے کی خلاف ورزی کرتے۔

اور میں نے فتح مکہ کے سلسلے میں مباحث مقصد اول میں فتح مکہ کے بیان میں ذکر کر دی ہیں۔

پھر دوسرے لوگوں کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ خوف زدہ نہ ہو تو ہمارے اصحاب فرماتے ہیں اگر وہ بار بار داخل نہ ہو تو اس پر احرام کے واجب ہونے میں دو قول ہیں ان میں سے اکثر کے نزدیک زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ واجب نہیں ہے بعض حضرات نے اسے قطعی حکم قرار دیا ہے اور اگر بار بار داخل ہوتا ہو جیسے لکڑیاں لانے والے لوگ یا دوسرے اس قسم کے لوگ ہیں تو ان کے بارے میں اختلاف ہے لیکن زیادہ مناسب بات یہی ہے کہ ان پر احرام واجب نہیں ہے۔

حنبلیوں کے نزدیک خوف زدہ اور ضرورت مند لوگوں کے علاوہ لوگوں پر احرام واجب، ہے۔ مالکی حضرات کے نزدیک بھی بار بار حاجت کے لئے آنے والوں کے علاوہ لوگوں پر واجب ہے۔ حنفی فقہا نے "الفا واجب قرار دیا البتہ جو لوگ میقات کے اندر ہوں ان پر (احرام کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہونا) واجب نہیں اور یہ بات لکھی گئی ہے کہ شافعی مسلک کے مطابق مطلقاً واجب نہیں اور باقی تین مذاہب میں ان لوگوں کے علاوہ جن کی استثناء کی گئی ہے باقی سب پر واجب ہے۔

آپ کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کریں اس میں کوئی اختلاف نہیں نیز اپنے اور اپنی اولاد کے لئے بھی فیصلہ کر سکتے تھے اسی طرح اپنی ذات اور اپنی اولاد کے حق میں گواہی بھی دے سکتے تھے۔

نیز آپ کے لئے غصے کی حالت میں فتویٰ دینا یا فیصلہ کرنا بھی مکروہ نہ تھا جس طرح امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں ذکر کیا ہے۔ آپ نے حرہ (مقام) کے پانی کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ دیا۔ جبکہ اس سے پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مخالف نے آپ کو غصہ دلا دیا تھا۔ (معجم البلدان ج ۳ ص ۳۳۴، معجم ما استعجم ج ۳ ص ۷۹)

اس خصوصیت کی وجہ یہ تھی کہ آپ معصوم ہونے کی وجہ سے غصے کی حالت میں بھی وہی بات فرماتے تھے جو رضا کی حالت میں فرماتے۔

آپ کی خصوصیت تھی کہ جس کے لئے چاہیں "صلوٰۃ" کے ساتھ دعا مانگیں۔ (جیسے آپ نے دعا مانگی اللھم صل علی آل ابی اوفیٰ) لیکن ہم صلوٰۃ کا لفظ صرف نبی یا فرشتے کے لئے بول سکتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کو یہ اختیار حاصل تھا کہ امن دینے کے بعد لڑائی کریں اور جس پر چاہیں کسی سبب کے بغیر لعنت بھیجیں اس کے باوجود آپ اس عمل سے دور رہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی گالی اور لعنت کو اس شخص کے لئے قرب خداوندی کا ذریعہ بنایا جس کو گالی دی یا جس پر لعنت

بھیجی۔ ۱ (مرشد الحائر ص ۱۲۵)

یہ بات ابن القاص نے کہی ہے اور محدثین نے اس پر ان کا رد کیا یہ بات حجازی نے ''مختصر الروضہ میں'' امام رافعی سے نقل کی ہے۔

((نوٹ) جب واضح حدیث جو حاشیہ میں نقل کی ہے موجود ہے تو پھر اس رد کی کوئی وجہ نہیں لیکن ہوسکتا ہے اس کی کوئی اور وجہ ہو بہر حال صحیح بخاری و مسلم میں مذکورہ حدیث کی بنیاد پر یہ بات درست ہے۔۱۲ ہزاروی)۔

اور نبی اکرم ﷺ زمین کو فتح کرنے سے پہلے اسے تقسیم کر دیتے تھے یہ آپ کی خصوصیت تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام زمین کا مالک بنایا ہے۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے ان لوگوں کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا ہے جو حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی اولاد کی راہ میں اس زمین کے سلسلے میں رکاوٹ بنے جو حضور علیہ السلام نے ان کے لئے تقسیم فرمائی تھی۔

اور انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ تو جنت کی زمین عطا فرماتے تھے پس دنیا کی زمین کا تقسیم کرنا اولیٰ ہے۔(اللہ تعالیٰ کے اذن اور حکم سے جنت عطا فرماتے تھے لہٰذا اس پر اعتراض کی کوئی وجہ نہیں)۔

چوتھی قسم: فضائل میں خصوصیات

اس قسم میں ان خصوصیات کا ذکر ہے جو آپ کے فضائل و کرامات سے متعلق ہیں۔

آپ کی تخلیق وولادت سے متعلق

آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ کی تخلیق تمام انبیاء کرام سے پہلے ہوئی۔ جس طرح کتاب کے شروع میں بیان ہوا اور آپ اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ یہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۱ ۶۳' مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۰۔ ج ۳ ص ۳۳' صحیح مسلم ص ۲۰۰۹' سنن الکبریٰ ج ۷ ص ۶۱' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶۶' فتح الباری ج ۱۱ ص ۲۰۵' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۷۳۷' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۲۲۲۴' شرح السنہ ج ۵ ص ۸' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۱۳۶)

سب سے پہلے آپ ہی سے وعدہ لیا گیا جیسا کہ گذر چکا ہے۔

یہ بھی خصوصیت ہے کہ سب سے پہلے ''الست بربکم'' کے جواب میں آپ نے ہی ''بلیٰ'' (ہاں) کہا تھا۔ یہ حدیث ابو سہل قطان نے اپنی ''امالی'' (جس میں املاء ہوتی ہے) کی ایک جزء میں بیان کی ہے۔

آپ کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور تمام مخلوق کو آپ کے لئے پیدا کیا گیا۔ (الموضوعات ص ۵۲' کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۳۲)

اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسم گرامی عرش پر تمام آسمانوں پر جنتوں اور جو کچھ ان میں ہے سب پر لکھا یہ حدیث ابن عساکر

۱ ''صحیح بخاری و مسلم میں ہے'' نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگی۔ یا اللہ! میں تجھ سے ایک وعدہ لیتا ہوں تو ہرگز اس کے خلاف نہ کرنا میں ایک انسان ہوں پس جس مسلمان کو مجھ سے اذیت پہنچے یا میں اسے برا بھلا کہوں یا اسے کوڑے ماروں یا اس پر لعنت بھیجوں تو اسے اس کے لئے نماز' زکوٰۃ اور اپنے قرب کا ذریعہ بنا دے کہ وہ قیامت کے دن اس کے ذریعے تیرا قرب حاصل کرے۔

نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔

آپ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر تمام انبیاء کرام سے وعدہ لیا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام سے وعدہ لیا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت دوں پھر تمہارے پاس رسول ﷺ تشریف لائیں جو اس چیز کی تصدیق کرنے والے ہیں جو تمہارے پاس ہے تو آپ پر ضرور ضرور ایمان لانا اور ضرور بضرور آپ کی مدد کرنا۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اللہ تعالیٰ نے ان سے حضرت محمد ﷺ کے بارے میں وعدہ لیا کہ اگر آپ اس نبی کی زندگی میں مبعوث ہوں تو وہ ضرور بضرور آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں اور انبیاء کرام نے یہ وعدہ اپنی اپنی قوم سے لیا۔

آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ پہلی کتب میں آپ کی بشارت دی گئی ہے جیسا کہ آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ان باتوں میں ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے (آپ کی ذات والا صفات تک) آپ کے نسب میں کوئی اخلاقی کمزوری نہیں ہے۔

ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی ولادت کے موقع پر بتوں نے اپنے سر جھکا لئے۔

نبی اکرم ﷺ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے۔ اس مسئلہ پر کتاب کے شروع میں بحث ہو چکی ہے۔

آپ کی ولادت ہوئی تو پاک صاف تھے کوئی گندگی وغیرہ نہ تھی۔

آپ کے خصائص میں ہے کہ آپ پیدا ہوئے تو زمین پر سجدہ کرتے ہوئے پیدا ہوئے اور آپ نے انگلی مبارک اس طرح اٹھائی ہوئی تھی جس طرح کوئی عاجزی کرنے والا اٹھاتا ہے۔ اسے ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا ہے۔

اور آپ کی والدہ نے اپنے جسم اطہر سے ایک نور نکلتے ہوئے دیکھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے انبیاء کرام علیہم السلام کی مائیں اسی طرح دیکھتی ہیں۔ اسے امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا۔

فرشتے آپ کا جھولا جھلاتے تھے جس طرح ابن سبع نے ''الخصائص میں'' ذکر کیا ہے۔

آپ پنگھوڑے میں ہوتے تو چاند آپ سے گفتگو کرتا اور آپ کے اشارے کے مطابق جھک جاتا۔ یہ بات ابن طغر بک نے ''النطق المفھوم میں'' اور دوسروں نے بھی ذکر کی ہے اور آپ نے بچپن میں کلام کیا یہ بات واقدی اور ابن سبع نے ذکر کی ہے۔

گرمی میں بادل آپ پر سایہ کرتے تھے یہ بات ابونعیم اور بیہقی نے نقل کی ہے۔ درخت کا سایہ آپ کی طرف جھک جاتا جب آپ اس کی طرف تشریف لے جاتے۔

ایک خصوصیت آپ کے سینۂ مبارکہ کا چاک ہونا ہے امام مسلم وغیرہ نے اسے روایت کیا ہے۔

ابتدائے وحی کے موقع پر حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو تین بار اپنے ساتھ دبایا (تاکہ دوسری طرف توجہ نہ رہے) بعض حضرات نے اسے آپ کے خصائص میں شمار کیا ہے جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے نقل کیا اور فرمایا کہ کسی دوسرے نبی کے بارے میں منقول نہیں ہے کہ وحی کی ابتدا میں ان کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا ہو۔

قرآن مجید میں آپ کے ایک ایک عضو کا ذکر

آپ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کے ایک ایک عضو کا ذکر فرمایا۔ قلب مبارک کا یوں ذکر کیا:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ○ (النجم:۱۱) دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔

نیز فرمایا:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ. (الشعراء:۱۹) اسے روح الامین لے کر اترا۔

زبان اقدس کا ذکر یوں فرمایا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ (النجم:۳) اور وہ بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔

نیز فرمایا:

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ. (المریم:۹۷) تو ہم نے یہ قرآن تمہاری زبان میں آسان فرمایا۔

مبارک آنکھوں کا ذکر اس طرح ہوا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ○ (النجم:۱۷) آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔

چہرۂ انور کا ذکر یوں فرمایا:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ. (البقرہ:۱۴۴) ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا۔

آپ کے دست مبارک اور گردن مبارک کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ. (الاسراء:۲۹) اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ۔

پیٹھ مبارک اور سینۂ مطہرہ کا ذکر یوں ہوا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ○ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ○ الَّذِىْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ○ (الم نشرح:۱،۳) کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا اور تم پر سے تمہارا بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی۔

آپ کا اسم مبارک اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی "المحمود" سے مشتق کیا گیا اور اس پر امام بخاری کی وہ روایت جو انہوں نے علی بن زید کے طریق سے "اپنی تاریخ صغیر میں" نقل کی ہے، دلالت کرتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو طالب کہا کرتے تھے:

وشق لـه مـن اسـمـه لیجلـه　　فذو العرش محمـود و ھذا محمد

"اللہ تعالیٰ نے اپنے نام مبارک سے حضور علیہ السلام کا اسم گرامی مشتق کیا پس عرش والا محمود اور یہ محمد ہیں (ﷺ)"۔

یہ شعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مشہور ہے آپ کا اسم گرامی "محمد ﷺ" رکھا گیا اور آپ سے پہلے کسی کا نام محمد نہ تھا امام احمد نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ کی روایت سے نقل کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

مجھے چار ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئی تو آپ نے ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا میرا نام احمد رکھا گیا۔

بعض صفات میں آپ کی خصوصیات

ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ بھوک کی حالت میں رات گزارتے تو کھانا کھاتے ہوئے صبح کرتے آپ کا رب آپ کو جنت سے کھلاتا اور پلاتا تھا "عبادات کے مقصد" میں آپ کے روزے کے ضمن میں یہ بحث آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

آپ جیسے آگے دیکھتے تھے اسی طرح پیچھے بھی دیکھتے تھے۔

اور آپ رات کو اور اندھیرے میں اس طرح دیکھتے جس طرح دن کے وقت اور روشنی میں دیکھتے تھے۔

(دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۷۵، تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۷۲، العلل المتناہیہ ج ۱ ص ۱۶۸)

آپ کا لعاب مبارک نمکین پانی کو میٹھا کر دیتا تھا۔ اور یہ لعاب مبارک دودھ پینے والے بچے کو (دودھ کی جگہ) کفایت کرتا تھا۔

آپ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ جب آپ کسی پتھر پر چلتے تو اس میں آپ کے قدموں کے نشانات پڑ جاتے جیسا کہ پہلوں اور پچھلوں سب کی زبانوں میں مشہور ہے اور شعراء نے اپنے منظوم کلام میں اور بلغاء نے نثر میں اس کا ذکر کیا ہے اور پھر اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مبارک قدم کا نشان پتھر پر موجود ہے جس کا قرآن مجید نے یوں ذکر کیا ہے:

فِيْهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ اِبْرَاهِيْمَ.　　اس (اللہ کے گھر) میں واضح نشانیاں ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔ (آل عمران: ۹۷)

تواتر سے ثابت ہے کہ اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ہیں اسی سلسلے میں ابو طالب نے کہا:

و موطیء ابراھیم فی الصخر رطبة　　علـی قـدمیـه حـافیا غیرنا عل

''پتھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات تازہ ہیں آپ نعلین کے بغیر ننگے پاؤں کھڑے تھے''۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر چھ یا سات ضربیں لگائیں جب آپ غسل کرنے لگے تو وہ آپ کے کپڑے لے کر بھاگ گیا اور وہ نشانات موجود ہیں اس لئے کہ پہلے انبیاء ورسل کو جن جن معجزات کے ساتھ خاص کیا گیا اس قسم کے معجزات ہمارے نبی ﷺ کو عطا ہوئے جیسا کہ علماء کرام نے بیان کیا ہے۔

اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آپ کے خچر کے قدموں کے نشان مدینہ طیبہ کی ایک مسجد میں موجود ہیں حتیٰ کہ اس مسجد کو اسی نام سے یعنی مسجد بغلہ (خچر والی مسجد) کے نام سے جانا جاتا ہے اور یہ بات آپ کے فیض کی وجہ سے جو اس میں جاری ہوا تا کہ یہ نشانی زیادہ قوی ہو اور اس بات پر زیادہ دلیل ہو کہ جو معجزہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیا گیا اس سے اعلیٰ طریقے پر آپ کو عطا ہوا۔

بلکہ حضرت زبیر بن بکار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جسے المجد الشیرازی نے ''المغانم المطابہ میں'' خچر کے نشان اور اس مسجد کا ذکر کرنے کے بعد کہا کہ اس مسجد کے غربی حصے میں نشان ہے گویا یہ ایک نرم وملائم نشان ہے اور کہا جاتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اس پر تکیہ لگایا اور کہنی مبارک رکھی اور ایک دوسرے پتھر پر آپ کی انگلیوں کے نشانات ہیں اور لوگ ان دونوں سے برکت حاصل کرتے ہیں۔

حضرت سید نورالدین سمہوری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''وفاء الوفا'' میں یہ واقعہ ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ میں اس سلسلے میں کسی اصل پر مطلع نہیں ہوا البتہ ابن النجار نے ان مساجد کے بارے میں جو مدینہ طیبہ میں غیر آباد ہوگئیں یوں کہا ہے۔

دو مسجدیں جنت البقیع کے پاس ہیں ان میں سے ایک کو مسجد اجابہ کہا جاتا ہے اور دوسری مسجد بغلہ کے نام سے معروف ہے اس میں ایک ستون ہے اور وہ مسجد غیر آباد ہے اس کے گرد بلند پتھر ہے جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس میں نبی اکرم ﷺ کے خچر کے پاؤں کا نشان ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی بغل مبارک میں بال نہیں تھے۔ یہ بات امام قرطبی نے کہی ہے اور وہ سفید تھی جس کا رنگ بدلتا نہیں تھا جس طرح طبری نے ذکر کیا اور اسے آپ کے خصائص میں شمار کیا۔ شافعی مسلک کے بعض حضرات نے بھی اسے ذکر کیا ہے۔

جس کی بنیاد حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ جس پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں کہ نبی اکرم ﷺ طلب بارش کے سلسلے میں ہاتھ اٹھاتے حتیٰ کہ آپ کی مبارک بغلوں کی سفیدی دکھائی دیتی۔

شیخ جمال الدین الاسنوی نے ''المہمات میں'' لکھا ہے کہ بغلوں کی سفیدی آپ کے خصائص میں سے ہے۔

(الاعلام ج ۳ ص ۳۴۴' شذرات الذہب ج ۶ ص ۲۲۴' الدرر الکامنہ ج ۲ ص ۳۵۴' کشف الظنون ج ۲ ص ۱۱۰۱' بغیۃ الوعاۃ رقم الحدیث: ۳۰۴)

''شرح تقریب الاسانید میں'' فرمایا کہ آپ کی خصوصیت ہونے کے دعویٰ میں نظر ہے کیونکہ یہ بات کسی طریقے سے

ثابت نہیں بلکہ معتبر کتابوں میں ایسی کوئی بات وارد نہیں ہوئی اور خصائص کو احتمال سے ثابت نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ یا دوسرے حضرات کی روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی بغلوں میں بال نہیں تھے اور جب بال اکھیڑے جائیں تو وہ جگہ سفید رہ جاتی ہے۔ اگرچہ وہاں بالوں کے آثار باقی رہتے ہیں اسی لئے حضرت عبداللہ بن اقرم الخزاعی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سجدہ کرتے تو میں آپ کی بغلوں میں سفیدی دیکھتا۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے نقل کر کے حسن قرار دیا نیز امام نسائی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ نے بھی ذکر کیا ہے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۸۱، مسند احمد ج ۴ ص ۳۵)

(ابوعبید احمد بن محمد) الھروی نے ''الغریبین میں'' اور ابن اثیر نے ''النھایہ میں'' فرمایا کہ اس سے وہ سفیدی مراد ہے جو خالص نہیں (عفرۃ کا لفظ ہے جس کا معنیٰ ایسی سفیدی ہے) جس کا رنگ زمین کے ظاہر کی طرح ہے۔

(الاعلام ج ۱ ص ۲۱۰، فیات الاعیان ج ۱ ص ۲۸۔۳۴، شذرات الذھب ج ۳ ص ۱۶۱، معجم الادباء ج ۱ ص ۶۴۰، بغیۃ الوعاۃ رقم الحدیث: ۱۶۱، کشف الظنون رقم الحدیث: ۱۲۰۶، مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۳)

تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بالوں کے نشانات نے اس جگہ کو سرخی مائل سفید رنگ کی طرح کر دیا اور اگر وہ جگہ بالوں سے خالی ہوتی تو یہ رنگ نہ ہو۔

ہاں یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کی بغلوں سے ناپسندیدہ بُو نہیں آتی تھی بلکہ وہ پاک تھیں اور اچھی خوشبو آتی تھی جس طرح صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ [1]

رسول کریم ﷺ کی آواز اور سماعت اس قدر تیز تھی کہ کسی دوسرے کی آواز وہاں تک نہ پہنچتی جہاں آپ کی آواز پہنچتی اور نہ ہی وہ وہاں سے سن سکتا جہاں سے آپ سنتے تھے۔

آپ کی آنکھیں سوتی تھیں لیکن دل جاگتا تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے کبھی جمائی نہیں لی۔ ابن ابی شیبہ نے اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں یزید بن اصم کی مرسل روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کسی نبی نے کبھی بھی جمائی نہیں لی اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ جمائی شیطانی عمل ہے۔

رسول اکرم ﷺ کو اور اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو کبھی احتلام نہیں ہوا۔ اور آپ کا پسینہ کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔

جب آپ کسی لمبے آدمی کے ساتھ چلتے تو اس سے طویل القامت معلوم ہوتے اور آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا (یعنی) آپ کا سایہ نہ سورج میں دیکھا گیا اور نہ چاندنی میں۔

اور اس کی شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب بارگاہِ خداوندی میں یہ سوال کیا کہ وہ آپ کے تمام اعضاء اور جہات کو نور بنا دے تو اس کے آخر میں یوں عرض کیا:

وَاجْعَلْنِیْ نُوْرًا. اور مجھے سراپا نور بنا دے۔

---

[1] حضرت بزار روایت کرتے ہیں ایک شخص نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے معانقہ فرمایا تو آپ کی بغلوں کا پسینہ مجھ پر گرا جو کستوری کی طرح خوشبودار تھا۔ (زرقانی ج ۵ ص ۲۴۸)

رسول اکرم ﷺ کے کپڑوں پر مکھی کبھی نہیں بیٹھی یہ بات امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے نقل کی ہے۔
اور نہ کبھی مچھر نے آپ کا خون مبارک چوسا جس طرح حجازی وغیرہ نے نقل کیا ہے اسی طرح جوؤں نے آپ کو اذیت نہ دی (یعنی آپ کے کپڑوں اور بالوں میں جوئیں نہیں ہوتی تھیں)۔
ابن سبع نے ''الشفاء میں'' اور السبتی نے ''اعذب الموارد میں'' یہ بات لکھی ہے۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۵۰)

بعثت کے وقت آسمان کی حفاظت

آپ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ جب آپ مبعوث ہوئے تو کاہنوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور چوری چھپے باتیں سننے سے آسمان کی حفاظت ہو گئی اور شہاب ثاقب ستاروں سے شیطانوں کو مارا جاتا ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ شیطانوں کو آسمانوں سے رکاوٹ نہیں تھی وہ وہاں داخل ہو کر وہاں سے خبریں لاتے اور کاہنوں کو بتاتے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت مبارکہ ہوئی تو ان کو تین آسمانوں روکا گیا اور جب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادت مبارکہ ہوئی تو ان کو تمام آسمانوں سے روک دیا گیا۔
پس جو شیطان بھی کان لگا کر بات سننا چاہتا ہے شہاب ستارے کے ذریعے اس کو مارا جاتا ہے اور یہ آگ کا شعلہ ہے وہ خطا نہیں کرتا بلکہ ان (شیطانوں) میں سے بعض کو ہلاک کر دیتا ہے کچھ کے چہرے جل جاتے ہیں اور بعض کی عقل یا کوئی عضو خراب ہو جاتا ہے جو خشکی میں لوگوں کو گمراہ کرتا ہے (اسے غیلان کہتے ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ جب تمہیں غیلان گمراہ کرے تو اذان دو)۔ (زرقانی ج ۵ ص ۲۵۰)
اور یہ بات نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے ظاہر نہ تھی اور نہ ہی آپ کے زمانے سے پہلے کسی نے اس کا ذکر کیا ہے۔
یہ بات آپ کی نبوت کے آغاز میں ظاہر ہوئی اور یہ نبوت کی بنیاد تھی۔
حضرت معمر فرماتے ہیں میں نے حضرت زہری سے پوچھا کیا جاہلیت کے دور میں شیطان کو ستاروں کے ذریعے مارا جاتا تھا؟ انہوں نے فرمایا ہاں میں نے کہا کیا آپ نے یہ قول سنا ہے:

وانا کنا نقعد منها مقاعد للسمع. اور یہ کہ ہم پہلے آسمان میں سننے کے لیے کچھ موقعوں پر بیٹھا کرتے تھے۔

(اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ان کو مارا نہیں جاتا تھا)۔
تو انہوں نے فرمایا جب نبی اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو ان کے معاملے میں سختی کر دی گئی۔
ابن قتیبہ نے کہا کہ آپ کی بعثت سے پہلے بھی ان کو مارا جاتا تھا لیکن سخت حفاظت آپ کی بعثت کے بعد ہوئی ہے۔
یہ بھی کہا گیا کہ ستارے ٹوٹتے اور شیطانوں کو مارتے پھر اپنی جگہ چلے جاتے یہ بات امام بغوی نے ذکر کی ہے۔

معراج کے خصائص

ان امور میں سے ایک یہ ہے کہ معراج کی رات آپ کے پاس براق لایا گیا جس پر زین پڑی ہوئی تھی اور اسے لگام ڈالی ہوئی تھی کہا گیا کہ دیگر انبیاء کرام براق پر سوار ہوتے تو اس کی پیٹھ ننگی ہوتی تھی۔

نیز آپ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی اور بلند مقام تک لے جایا گیا نیز آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں' معراج میں آپ کی حفاظت فرمائی حتیٰ کہ آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی انبیاء کرام کو آپ کے لئے حاضر کیا گیا تو آپ نے امام بن کر ان کو اور فرشتوں کو نماز پڑھائی علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت اور جہنم پر مطلع فرمایا۔ یہ بات امام بیہقی کی طرف منسوب ہے۔

آپ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا جس طرح معراج کے بیان میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ (الشفاء ج اص ۱۹۵' البدایہ والنہایہ ج ۳ص ۱۰۷' دلائل النبوۃ ج ۲ص ۳۶۶)

اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے کلام اور رؤیت کو جمع کیا اور بلند مقام پر آپ سے کلام فرمایا جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہاڑ پر کلام فرمایا۔

یہ بھی آپ کی خصوصیت ہے کہ جب آپ چلتے تو فرشتے آپ کے پیچھے پیچھے چلتے اور آپ کے ساتھ مل کر لڑتے جس طرح غزوۂ بدر اور غزوۂ حنین کے بیان میں ذکر ہوا۔

نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنا

آپ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ ہم پر واجب ہے کہ آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًاO (الاحزاب: ۵۶)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

اور یہ بات منقول نہیں ہے کہ پہلی امتوں پر اپنے نبیوں کی بارگاہ میں ہدیہ درود پیش کرنا واجب ہو۔

قرآن مجید سے متعلق خصائص

آپ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کو قرآن مجید دیا گیا اور آپ اُمّی تھے آپ نے لکھنا پڑھنا سیکھا نہیں تھا اور نہ ہی درس وتدریس میں مشغول رہے۔

ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی کتاب (قرآن مجید) تبدیلی اور تحریف سے محفوظ ہے حتیٰ کہ بے شمار ملحدوں اور مذہب تعطیل والوں خصوصاً قراقطہ[1] نے قرآن مجید کی محکم آیات کو بدلنے کی کوشش کی لیکن وہ اس کے نور میں سے کچھ بھی بجھانے پر قادر نہ ہو سکے اور نہ ہی اس کا کوئی کلمہ بدل سکے بلکہ اس کے کسی حرف میں مسلمانوں کو شک میں بھی نہ ڈال سکے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ.

اس کے آگے اور پیچھے سے باطل اس کے قریب نہیں آ سکتا۔

---

[1] المعطلہ ایک بے دین فرقہ ہے جس نے اپنے آپ کو قتل سے بچانے کے لئے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے یہ لوگ صانع کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ قراقطہ بھی ایک بے دین جماعت ہے جو قرقط نامی شخص یا ایک قول کے مطابق حمدان بن قرقط کی طرف منسوب ہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے زرقانی ج ۵ص ۲۵۳)۔ ۱۲ ہزاروی

اورآپ کی کتاب ان تمام باتوں کی جامع ہے جو پہلی کتب میں ہیں اس میں گذشتہ زمانوں اور پہلی امتوں کی خبریں بھی ہیں اوراحکام شرع بھی۔ اور یہ باتیں صرف اہلِ کتاب کا کوئی عالم ہی جان سکتا ہے جس نے اس کو سیکھنے میں زندگی صرف کردی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک سیکھنے والوں کے لئے اسے آسان اور حفظ کرنے والوں کے قریب کردیا جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ. ہم نے یادکرنے کے لئے قرآن مجید کوآسان کردیا۔

جب کہ دوسری کسی امت کا ایک آدمی بھی اپنی کتاب کو یادنہیں کرسکتا زیادہ لوگوں کے بارے میں کیسے اس بات کا تصور ہو سکتا ہےاورزمانہ گزرچکا ہے جب کہ قرآن مجید بچوں کوتھوڑی سی مدت میں یادہوجاتا ہے۔

یہ بھی آپ کی خصوصیت میں سے ہے کہ قرآن مجید سات قرأتوں میں نازل ہواتا کہ ہمارے لئے آسانی‘شرف‘ رحمت اور ہماری فضیلت کے لئے خصوصیت ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۴۱۹_۴۹۹۲_۵۰۴۱_۶۹۳۶_۷۵۵۰‘صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۶۴_۲۷۰_۲۷۲‘ مسند احمد ج۲ص۲۳۲_ج۵ص۱۱۴_۳۹۱‘ سنن نسائی ج۲ص۱۳۹رقم الحدیث:۳۷‘ مجمع الزوائد رقم الحدیث:۷۵۰‘المعجم الکبیرج۳ص۱۸۵‘الدرالمنثورج۲ص۷‘جمع الجوامع رقم الحدیث:۴۵۳۴‘کشف الخفاءج۱ص۲۴۱‘المطالب العالیہ رقم الحدیث:۳۴۸۹‘مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۲۲۳۸‘الکامل ج۲ص۶۷۹‘ کنزالعمال رقم الحدیث:۳۰۸۳_۳۰۹۴_۳۰۹۵)

ایک بات یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خوداس (قرآن مجید) کی حفاظت کا ذمہ لیا پس فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ○ بے شک ہم نے ذکر (قرآن مجید) اتارا اور بے شک ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

یعنی ہرقسم کی تبدیلی‘زیادتی اورنقصان سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔اس کی مثال قرآن مجید کی یہ صفت بھی بیان ہوئی:

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ. باطل اس کے قریب نہیں آسکتا نہ اس کے آگے سے نہ پیچھے سے۔

اورفرمایا:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا. اوراگر یہ اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔

سوال: یہ آیت قرآن مجید میں اختلاف کی نفی کرتی ہےاورحدیث شریف:

انزل القران علی سبعۃ احرف. قرآن مجید سات قرأتوں (لغات) پراتاراگیا۔

جوحضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اختلاف کوثابت کررہی ہے۔

جواب: اس کا جواب جعبری نے شاطبیہ کی پہلی شرح میں یوں دیا ہے کہ جو چیز ثابت ہے وہ اختلاف تغایر ہے (ایک دوسرے کا غیرہونا) اورنفی‘اختلافِ تناقض کی ہے (یعنی ایسا اختلاف نہیں کہ آیات ایک دوسرے کوغلط قرار دیتی ہوں) لہٰذا دونوں کی بنیاد مختلف ہے۔

سوال: صحابہ کرام قرآن مجید کو ایک مصحف میں جمع کرنے میں کیوں مشغول ہوئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے اور جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ فرمائے اس کے بارے میں کوئی خوف نہیں؟

جواب: جیسا کہ امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسے جمع کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی حفاظت کے اسباب میں سے تھا اللہ تعالیٰ نے جب اس کی حفاظت کا ارادہ کیا تو ان کو اس طرف متوجہ کر دیا۔

وہ فرماتے ہیں ہمارے اصحاب نے فرمایا اس آیت میں اس بات پر دلیل ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کی آیت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ لیا اور حفاظت یہی ہوتی کہ یہ ہر تبدیلی سے محفوظ ہو ورنہ زیادتی سے محفوظ نہ ہوگا اور اگر صحابہ کرام کے بارے میں یہ گمان کرنا جائز ہو کہ انہوں نے زیادتی کی ہے تو ان کے بارے میں یہ گمان کرنا بھی صحیح ہوگا کہ انہوں نے اس میں سے کچھ کم بھی کیا ہوگا اور اس طرح قرآن مجید حجت نہیں رہے گا۔ [1]

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ قرآن مجید کی حفاظت کا کیا طریقہ ہے' تو بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کی حفاظت اس طرح کی گئی کہ اس کو معجزہ قرار دیا گیا جو انسانی کلام سے مختلف ہے اور مخلوق کو اس میں زیادتی اور کمی سے عاجز کر دیتا ہے اس لئے کہ اگر وہ اس میں کوئی زیادتی یا کمی کر سکتے تو قرآنی عبارت میں تبدیلی لازم آتی ہے اور ہر عقلمند پر واضح ہو جاتا کہ یہ قرآن مجید سے نہیں ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس کے باطل یا فاسد کرنے سے عاجز کر دیا بلکہ ایک جماعت کو مقرر کر دیا کہ وہ اس کو یاد کریں اور آخر دم تک لوگوں کے درمیان پڑھیں پڑھائیں۔

کچھ دوسرے حضرات نے کہا کہ حفظ سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے ایک حرف یا ایک نقطہ کو بھی تبدیل کرنے کے درپے ہو تو دنیا والے اس سے کہتے ہیں یہ جھوٹ ہے۔

حتیٰ کہ استاذ جس سے بچے ڈرتے ہیں اگر اتفاقاً (غیر ارادی طور پر) اس سے کسی حرف میں تبدیلی ہو جائے تو تمام بچے بول پڑتے ہیں اے استاذ! کیا تم سے غلطی ہوگئی ہے؟ صحیح اس طرح ہے۔

یہ اعزاز کسی دوسری کتاب کو حاصل نہیں ہے کیونکہ ہر کتاب میں تحریف اور تبدیلی داخل ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو ہر قسم کی تحریف سے محفوظ رکھا ہے جب کہ ملحدین' یہودی اور عیسائی اس کو باطل و فاسد کرنے پر متفق ہیں اور بھرپور کوشش کر رہے ہیں اور اب تک (مصنف علیہ الرحمہ کے زمانے تک) آٹھ سو اٹھانوے سال ہو چکے ہیں لیکن الحمد للہ! یہ قرآن مجید بہت زیادہ محفوظ ہے۔

قرآن مجید کو آیت الکرسی کی خصوصیت عطا کی گئی اور سورتیں جو مفصّل ہیں' مثانی ہیں اور سبع طوال ہیں۔ اس کتاب میں موجود ہیں جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے آپ فرماتے ہیں (حضور علیہ السلام نے فرمایا):

اعطیت خواتیم البقرۃ من کنوز العرش. مجھے سورۂ بقرہ کی آخری آیات عرش کے خزانوں سے دی گئی ہیں۔

---

[1] یہ بات تب درست ہو سکتی ہے کہ جب اسے سورت کا جزء مانا جائے حالانکہ احناف کا عقیدہ یہ ہے کہ بسم اللہ دو سورتوں کے درمیان فصل کے لئے ہے سورت کا جز نہیں کہ صحابہ کرام پر یہ الزام عائد ہو۔ ۱۲ ہزاروی

آپ نے فرمایا مجھے اس کے ساتھ خاص کیا گیا ہے کسی دوسرے نبی کو یہ فضیلت حاصل نہیں ہوئی اور مجھے تورات کی جگہ مثانی (سورۂ فاتحہ جو بار بار پڑھی جاتی ہے) عطا ہوئی اور انجیل کی جگہ ایک ایک سو آیات والی سورتیں (المئین) اور زبور کی جگہ الحوامیم (وہ سورتیں جن کے شروع میں حٰم ہے) دی گئی اور مجھے مفصل کے ساتھ فضیلت دی گئی۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَO

اور بے شک ہم نے آپ کو سبع مثانی (سورۂ فاتحہ) اور عظیم الشان قرآن مجید عطا کیا۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ام القران ھی السبع المثانی والقران العظیم.

سورۂ فاتحہ ہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۷۰۴' جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۱۲۴)

(یعنی پورے قرآن کا خلاصہ یا نچوڑ ہے)۔

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ اس کو مثانی کیوں کہا گیا ہے تو حضرت حسن بصری' حضرت ابن عباس اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ یہ سورت نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہے پس یہ ہر نماز میں پڑھی جاتی ہے اور کہا گیا کہ یہ سورت اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم ہے اس کا نصف اللہ تعالیٰ کی ثناء اور نصف بندے کی دعا ہے جس طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

یقول اللہ تعالی قسمت الصلوٰۃ بینی و بین عبدی نصفین.

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھا آدھا کر دیا ہے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۸۲۱' جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۹۵۳' مسند الحمیدی رقم الحدیث:۹۷۳' السنن الکبریٰ ج۲ص۳۷۔ ص۴۰۰' اتحاف السادۃ المتقین ج۳ص۱۵۰' تمہید ج۲ص۲۳۰' الترغیب والترہیب ج۲ص۳۶۷)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سورت دو مرتبہ نازل ہوئی ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ طیبہ میں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کو اس امت کے لئے مستثنیٰ کیا اور جمع رکھا کسی دوسری امت کو نہیں دیا اس لئے اسے مثانی کہتے ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ سبع مثانی سے سبع طوال (سات طویل سورتیں) مراد ہیں جن میں سے پہلی سورت' سورۂ فاتحہ ہے اور آخری سورت سورۂ انفال اور اس کے ساتھ سورۂ توبہ ہے بعض حضرات نے سورۂ انفال کی جگہ سورۃ یونس کا ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سبع طوال کو سبع مثانی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ فرائض' حدود' امثال' خبریں اور عبرت پر مبنی واقعات ان سورتوں میں ہیں۔

حضرت طاؤس فرماتے ہیں پورے کا پورا قرآن مثانی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِھًا مَّثَانِیَ. (الزمر: ۲۳) — اللہ نے اتاری سب سے اچھی کتاب کہ اول سے آخر تک ایک سی ہے۔

تو قرآن مجید کو مثانی فرمایا کیونکہ اس میں واقعات بار بار بیان ہوئے۔

خزانوں کی چابیاں عطا ہوئیں

رسول اکرم ﷺ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کو خزانوں کی چابیاں عطا کی گئیں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۴۴_۳۵۹۶_۴۰۴۲_۴۰۸۵_۶۵۹۰)

بعض حضرات نے فرمایا اس سے مراد عالم کی تمام اجناس کی چابیاں ہیں تاکہ آپ ان کو اس کے مطابق عطا کریں جو وہ اپنی ذات کے لئے طلب کریں پس مخلوق کا رزق جو ظاہر ہوتا ہے تو اسم الٰہی حضرت محمد ﷺ کے ذریعے ہی عطا کرتا ہے جن کے پاس چابیاں ہیں جس طرح غیب کی چابیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں پس اس کے سوا کوئی بھی (اس کے بتائے بغیر) غیب کی بات نہیں جانتا۔ اور اس سید کریم ﷺ کو خزانوں کی چابیاں دے کر خزانوں کی تقسیم آپ کے ساتھ خاص کردی۔ لہٰذا جس کو جو ملتا ہے آپ کے ہاتھوں سے ملتا ہے۔[1]

جامع کلمات کا اعزاز

آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کو جامع کلمات کا وصف عطا کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوئے اور کلمات (یا کلم) کلمہ کی جمع ہے (اور جب اللہ تعالیٰ کے کلمات غیر محدود ہیں تو) اس کا ایک کلمہ بھی کئی کلمات ہیں تو جب آپ کو جوامع الکلم کا علم دیا گیا تو قرآن مجید کا معجزہ عطا کیا گیا جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ترجمانی کرتا ہے تو اس کے ترجمہ میں بھی اعجاز واقع ہوا کیونکہ جو معانی' مواد سے خالی ہوں ان میں اعجاز کا تصور نہیں ہوتا۔ اعجاز یہ ہے کہ ان معانی کا کلمات کے ساتھ ربط ہو۔ جو کلام حروف کی ترکیب سے قائم ہے اور وہ حق تعالیٰ کی زبان' سماعت اور بصارت ہے۔

بعثت عمومی

نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کو تمام لوگوں کی طرف عمومی طور پر بھیجا گیا (اور اس سلسلے میں ''کافة'' کا لفظ فرمایا) اور یہ لفظ بعض کے نزدیک کفة سے بنا ہے جس کا معنیٰ ملانا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ کِفَاتًا O — کیا ہم نے زمین کو جمع کرنے والی نہ کیا؟

کہ زمین زندہ لوگوں کو اپنی پیٹھ سے اور مرنے والوں کو اپنے اندر سے ملاتی ہے اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی شریعت تمام لوگوں کو ایک دوسرے سے ملاتی ہے پس جو بھی آپ کے بارے میں سنتا ہے اس پر لازم ہے کہ آپ پر ایمان لائے اور جب جنوں نے قرآن مجید کی تلاوت سنی تو انہوں نے کہا:

---

[1] اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''انما انا قاسم واللہ یعطی'' میں تو قاسم ہوں اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔ امام اہل سنت اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ نے فرمایا لا و رب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا۔ بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی۔

يَا قَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ . اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی بات کو قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ۔

تو آپ کی شریعت نے جنوں اور انسانوں کو ملا دیا اور آپ کی رحمت جس کے ساتھ آپ کو بھیجا گیا سب کو شامل ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ O اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

پس جس آدمی تک آپ کی رحمت نہ پہنچے تو اس میں خود اس کا اپنا قصور ہے کیونکہ یہ تو قبول کرنے والے پر ہے۔ پس آپ کی رحمت سورج کی روشنی کی طرح ہے جس کی شعاعیں زمین کو فائدہ پہنچاتی ہیں پس جو شخص اس سے ہٹ کر کسی پردے یا دیوار کے سائے میں ہو وہ سورج کی روشنی کے پھیلاؤ کو قبول نہیں کر سکتا لیکن سورج نے تو اسے منع نہیں کیا۔

سوال: حضرت نوح علیہ السلام طوفان کے بعد اہلِ زمین کی طرف مبعوث ہوئے اور کوئی شخص بھی آپ پر ایمان لائے بغیر نہ رہا اور آپ ان کی طرف بھیجے گئے تھے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات سے مروی ہے:

كان النبي يبعث الى قومه خاصة وبعثت الى كل احمر و اسود. ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں ہر سرخ وسیاہ کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳' مسند احمد ج ۱ص ۲۵۰۔ ج ۵ص ۱۶۲' مجمع الزوائد ج ۸ص ۲۵۹' الدر المنثور ج ۵ص ۲۴۰' طبقات ابن سعد ج ۱ص ۱۵۰)

اور ایک روایت میں ہے "الی الناس کافة" تمام لوگوں کی طرف کفایت کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

(مسند احمد ج ۳ص ۳۰۴' السنن الکبریٰ ج ۲ص ۴۳۳' مجمع الزوائد ج ۸ص ۲۵۹' المعجم الکبیر ج ۱۲ص ۴۱۳' طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۵۰' الدر المنثور ج ۵ص ۲۳۷' تفسیر ابن کثیر ج ۲ص ۱۱۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۰۰۴)

جواب: ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کیلئے جو عموم تھا' ان کی اصل بعثت میں نہیں تھا بلکہ وہ تو اس طوفانی حادثہ کی وجہ سے اتفاق ہو گیا یعنی سب لوگوں کے ہلاک ہونے کے بعد باقی موجود پر انحصار ہوا لیکن ہمارے نبی ﷺ کی رسالت کا عموم اصل بعثت سے ہے لہٰذا اس وصف میں بھی آپ کا اختصاص ثابت ہوا۔

صحیح حدیثِ شفاعت کے سلسلے میں جو کچھ ثابت ہے کہ میدانِ محشر والے حضرت نوح علیہ السلام سے کہیں گے کہ وہ زمین پر پہلے رسول ہیں تو اس سے رسالت کا عموم مراد نہیں بلکہ رسالت کی اوّلیت مراد ہے اور اگر عموم کا مراد ہونا فرض کیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ خاص کیا گیا ہے جو متعدد آیات میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور یہ بات ذکر نہیں فرمائی کہ ان کے علاوہ کی طرف نہیں بھیجا۔

بعض حضرات نے حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کے عموم پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے تمام اہلِ زمین کے خلاف دعا کی تو کشتی والوں کے علاوہ لوگ ہلاک ہو گئے اگر آپ کی بعثت سب کی طرف نہ ہوتی تو وہ ہلاک نہ ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا. اور ہم ہلاک کرنے والے نہیں حتیٰ کہ رسول کو بھیجیں۔

تو ثابت ہوا کہ آپ سب سے پہلے رسول ہیں۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں کوئی دوسرا نبی بھی بھیجا گیا ہو لیکن حضرت نوح علیہ السلام نے جب دیکھا کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو آپ نے اپنی قوم اور دوسروں (سب) کے خلاف دعا فرمائی۔

(اس جواب کا) جواب یوں دیا گیا ہے کہ یہ جواب اچھا ہے لیکن یہ بات منقول نہیں ہوئی کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں آپ کے علاوہ بھی کوئی نبی بھیجا گیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہمارے آقا ﷺ کی خصوصیت کا مطلب یہ ہو کہ آپ کی شریعت باقی رہے گی۔

بعض یہودیوں کا یہ کہنا کہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ صرف عرب والوں کی طرف مبعوث ہوئے تو یہ بات باطل ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ یہودی اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سچے رسول ہیں جو عرب کی طرف بھیجے گئے ہیں پس یہ بات لازم ہے کہ آپ کا ہر قول سچا ہو اور تواتر سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ تمام لوگوں کی طرف رسول ہیں اب اگر وہ اس قول میں آپ کو جھٹلاتے ہیں تو تناقض لازم آتا ہے۔ صاحب معالم (معالم السنن شرح ابوداؤد کے مصنف خطابی) نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۷۲۶)

رعب کے ذریعے مدد

خصائص محمدیہ میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ایک مہینے کی مسافت سے رعب کے ساتھ مدد کی گئی اور مہینے سے مراد اتنی مدت ہے کہ چاند فلک محیط کے درجات کو طے کرلے اور آپ کا رعب زیادہ تیزی سے سفر طے کرنے والا ہے کیونکہ وہ دشمنوں کے دلوں تک پہنچتا تھا پس آپ کا رعب ایسے دشمن تک پہنچتا جو مقصود ہوتا تا کہ نیک بخت اور بدبخت میں امتیاز ہو جائے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے علاوہ کسی کو یہ اعزاز حاصل نہ تھا کہ اتنی مدت میں رعب کے ذریعے اس کی مدد کی گئی ہو اور نہ اس سے زیادہ مدت میں البتہ کم مدت کی نفی نہیں۔

لیکن حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

ونصرت على العدو بالرعب ولو كان بيني و بينهم مسيرة شهر. اور دشمن پر رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی ہے اگرچہ میرے اور اس کے درمیان ایک مہینے کی مسافت ہو۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۲، فتح الباری ج ۱ ص ۵۷۶، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۹، المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۷۳)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مطلق اختصاص ہے۔ اور مہینے کو انتہا اس لئے قرار دیا گیا کہ آپ کے شہر مبارک اور آپ کے دشمنوں کے شہروں کے درمیان ایک مہینے سے زیادہ مدت کی مسافت نہ تھی۔ اور آپ کو یہ خصوصیت مطلقاً حاصل تھی۔

حتیٰ کہ اگر آپ لشکر کے بغیر تنہا بھی ہوتے (تو بھی یہ مدت حاصل ہوتی) کیا آپ کے بعد آپ کی امت کو بھی یہ اعزاز حاصل ہے تو اس میں احتمال ہے۔

غنیمتوں کا حلال ہونا

ان خصوصیات میں سے ایک خصوصیت آپ کے لئے مال غنیمت کا حلال ہونا ہے اور آپ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں تھا۔[1]

پہلے لوگوں کی دو قسمیں تھیں ان میں سے بعض کو جہاد کی اجازت ہی نہ تھی پس ان کے لئے مال غنیمت بھی نہ تھا اور بعض کو اجازت دی گئی لیکن جب ان کو مال غنیمت کا مال حاصل ہوتا تو ان کے لئے اسے کھانا جائز نہ تھا بلکہ آگ آ کر اسے جلا دیتی تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۲۴۔۵۱۵۷' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۸)

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو اپنی امت کی خواہش کے مطابق عطا ہوا کیونکہ انسانی نفس اس سے لطف اندوز ہوتا ہے کیونکہ مال غنیمت ان کو قہر وغلبہ کی بنیاد پر حاصل ہوا تو وہ نہیں چاہتے کہ انہوں نے جو شدت اور تھکاوٹ برداشت کی ہے اس کے مقابلے میں ملنے والے مال غنیمت سے لطف اندوز نہ ہو سکیں۔

زمین کو مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنایا گیا

آپ کو حاصل ہونے والی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے زمین کو سجدہ گاہ اور پاکیزگی حاصل کرنے (تیمّم کرنے) کا ذریعہ بنایا گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵۔۴۳۸۔۳۱۲۲' مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۶' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۹' مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۳۰۳)

اس سے سجدہ گاہ مراد ہے یعنی سجدہ کرنا زمین کے کسی ایک حصے کے ساتھ خاص نہیں اور ممکن ہے مجازاً وہ جگہ مراد ہو جو نماز کے لئے بنائی گئی اور یہ مجاز تشبیہ ہو کیونکہ جب تمام زمین پر نماز جائز ہے تو وہ مسجد کی طرح ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ میرے لئے زمین کو مسجد اور باعثِ طہارت بنایا گیا جب کہ دوسروں کے لئے صرف مسجد بنائی گئی ہے وہ اس سے طہارت حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سفر کرتے اور جہاں نماز کا وقت ہو جاتا اسی جگہ پڑھ لیتے۔ یہ بات ابن التین نے اور ان سے پہلے الداودی نے کہی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ان کے لئے صرف اسی جگہ نماز جائز تھی جس کے پاک ہونے کا ان کو یقین ہوتا جبکہ اس امت کے لئے تمام زمین کو مباح قرار دیا ہاں جس جگہ نجاست کا یقین ہو وہ مستثنیٰ ہے۔

زیادہ ظاہر بات وہ ہے جو خطابی نے کہی ہے وہ فرماتے ہیں پہلی امتوں کے لئے مخصوص جگہوں مثلاً ان کی عبادت گاہوں میں نماز پڑھنا جائز تھا اس کی تائید حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

کان من قبلی انما کانوا یصلون فی کنائسھم۔

مجھ سے پہلے لوگ صرف اپنی عبادت گاہوں میں نماز پڑھتے تھے۔

تو اختلاف کے مقام پر یہ نص فیصلہ کن ہے لہٰذا آپ کی خصوصیت ثابت ہو گئی اور اس کی تائید امام بزار رحمہ اللہ کی

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں احتمال کی اصل حضرت امام احمد کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا میری امت کے سامنے رعب ایک مہینے کی مسافت آگے دوڑتا ہے بعض حضرات نے فرمایا زیادہ مشہور یہ ہے کہ ان کو وافر حصہ عطا کیا گیا۔ (زرقانی ج ۵ ص ۲۶۴)

نقل کردہ اس روایت سے بھی ہوتی ہے جوانہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرح ہے کہ آپ نے فرمایا:

ولم یکن من الانبیاء احد یصلی حتی یبلغ محرابہ. (فتح الباری ج۱ص۵۷۶)

اور کوئی نبی بھی اس وقت تک نماز نہ پڑھتا جب تک وہ محراب تک نہ پہنچ جائیں۔

معجزۂ قرآن کا باقی رہنا

آپ کے خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کا معجزہ قیامت تک باقی ہے جبکہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات اپنے وقت پر ختم ہو گئے اور اب صرف ان کی خبر باقی ہے اور قرآن مجید ہمیشہ کے لئے حجت قاہرہ کے طور پر باقی رہے گا اور اس کا مقابلہ مشکل ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کے معجزات تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات سے زیادہ ہیں۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ کے معجزات زیادہ ہیں اور یہ قرآن پاک مکمل طور پر معجزہ ہے اور بعض محققین کے نزدیک اس کا سب سے کم اعجاز سورۂ کوثر یا اس کے برابر کوئی آیت ہے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس کی ہر آیت وہ جس کیفیت میں ہوں معجزہ ہے اور دوسرے حضرات اس طرف گئے کہ اس کا ہر جملہ معجزہ ہے چاہے وہ ایک کلمہ ہو یا دو کلمے ہوں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا حق بات وہی ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی ہے کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ. اس کی مثل کوئی ایک سورت لے آؤ۔

اور "اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ○" کے گیارہ کلمات ہیں تو اس کی نسبت سے قرآن مجید سات ہزار اجزاء سے زیادہ اجزاء پر مشتمل ہے پس ان میں سے ہر ایک ذاتی طور پر معجزہ ہے۔

پھر جیسا کہ پہلے گزر گیا اس کے اعجاز کی دو صورتیں ہیں ایک اس کی بلاغت اور دوسری اس کے الفاظ کا طریقہ، ہر جز میں دو معجزے ہوئے تو اس طرح گنتی دوگنا ہو گئی پھر اس میں اعجاز کی کئی دوسری صورتیں ہیں کہ غیب کی خبریں ہیں پس ایک ایک سورت میں غیب کی کئی خبریں اور ہر خبر ذاتی طور پر معجزہ ہے اس طرح یہ گنتی پھر کئی گنا ہو گئی۔

پھر اعجاز کی دوسری کئی وجوہ جو ہم نے ذکر کی ہیں وہ اسے کئی گنا بڑھا دیتی ہیں پس اس کے معجزات کا شمار نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کے دلائل کا احاطہ کیا جا سکتا ہے۔ (الشفاء ج۱ص۲۵۸)

چاند کا شق ہونا وغیرہ

آپ کی خصوصیت میں سے چاند کا دو ٹکڑے ہونا اور پتھر کا آپ کو سلام کرنا بھی ہے اسی طرح خشک ستون کا رونا اور انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا اور اس قسم کا معجزہ کسی دوسرے نبی کے لئے ثابت نہیں ہے جس طرح ابن عبد السلام وغیرہ نے ذکر کیا اور یہ مباحث گزر چکی ہیں۔

ختم نبوت اور تائیدِ شریعت

سرکار دو عالم ﷺ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ تمام انبیاء و رسل کے آخر میں تشریف لائے آپ نے فرمایا:

میری مثال اور مجھ سے پہلے آنے والے انبیاء کرام کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک نہایت اچھا مکان بنایا لیکن اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ اس کے اردگرد چکر لگاتے ہیں اور اس پر تعجب کرتے اور کہتے ہیں یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی پس وہ اینٹ میں ہوں اور میں سب سے آخری نبی ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۴۔۳۵۳۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳، مسند احمد ج ۳ص ۳۶۱، دلائل النبوۃ ج ۱ص ۳۶۵تا ۳۶۶، السنن الکبریٰ ج ۹ص ۵)

آپ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ قیامت تک آپ کی شریعت کی تائید ہوتی رہے گی اور یہ شریعت تمام انبیاء کرام کی شریعتوں کے لئے ناسخ ہے اور آپ کی اتباع کرنے والے سب سے زیادہ ہیں جیسا کہ آپ نے فرمایا۔

پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میری اتباع کرنے والے سب سے زیادہ ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۸۱۔۷۲۷۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۹، مسند احمد ج ۲ص ۱۵۲۔ ج ۲ص ۳۴۱، السنن الکبریٰ ج ۹ص ۴، دلائل النبوۃ ج ۷ص ۱۲۹، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۴۶، الدر المنثور ج ۱ص ۳۵، حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ص ۲۳۳، البدایۃ والنہایہ ج ۶ص ۸۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۱۲۔۳۲۱۱۲)

آپ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اگر سابقہ انبیاء کرام آپ کا زمانہ پاتے تو ان پر آپ کی اتباع واجب ہوتی جیسا کہ آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

جنوں کے رسول ﷺ

آپ کے خصائص میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ آپ کو جنوں کی طرف بھی مبعوث کیا گیا اور اس پر سب کا اتفاق ہے اور اس پر کتاب و سنت اور اجماع سے دلیل پائی جاتی ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا۞ تا کہ آپ تمام جہانوں کے لئے ڈرسنانے والے ہوں۔

اور مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت میں (مذکورہ عالمین میں) جن بھی شامل ہیں اور وہ اس کے الفاظ کے موصول ہیں لہٰذا کسی دلیل کے بغیر ان کو نکالا نہیں جاسکتا۔

اگر کہا جائے کہ اس سے فرشتے خارج ہیں پس (جنوں کو نکالنے میں) کوئی حرج نہیں کیونکہ عام مخصوص البعض جمہور علماء اور اصولیوں کے نزدیک حجت ہے اور اگر عموماتِ مخصوصہ سے استدلال باطل ہوگیا تو اکثر دلائل سے استدلال باطل ہو جائے گا۔ اور ارشادِ خداوندی ہے:

اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ. اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کا حکم مانو۔

تو ان میں سے بعض کو قبول کرنے کا مشورہ دیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ ان کو دعوت دینے والے ہیں اور یہی آپ کی ان کی طرف بعثت کا مفہوم ہے۔اس کے علاوہ آیات بھی ہیں۔

جہاں تک سنت کا تعلق ہے تو صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فضلت علی الانبیاء بست. مجھے (دوسرے) انبیاء کرام ﷺ پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے۔

پس آپ نے ان میں سے ایک بات یہ ذکر فرمائی کہ "**ارسلت الی الخلق کافة**" مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۵۵۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۵' مسند احمد ج۲ص۴۱۲' دلائل النبوۃ ج۵ص۴۷۲' مجمع الزوائد ج۸ص۲۶۹' السنن الکبریٰ ج۲ص۴۳۲' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث:۵۷۴۸' شرح السنہ ج۱۳ص۱۹۸' فتح الباری ج۱ص۵۷۵' کنز العمال رقم الحدیث:۳۱۹۳۲)

تو یہ رسالت انسانوں اور جنوں کو شامل ہے اور صرف انسان مراد لینا تخصیص بلا دلیل ہے جو جائز نہیں اور اس میں کلام اس طرح ہے جس طرح قرآن مجید کی آیت میں کلام ہے۔

سوال: ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا. آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ. اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے کفایت کرنے والا (رسول) بنا کر بھیجا ہے۔

یہ آیت اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت انسانوں کے ساتھ خاص ہے اور اس کے علاوہ کا احتمال ظاہر سے پھر جانا ہے۔

جواب: یہ بات "الدقاق" کے مذہب کے مطابق ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ لقب کا مفہوم حجت ہے اور "الناس" بھی لقب کے قبیل سے ہے کیونکہ وہ مسئلہ جس کو اصول میں "مفہوم اللقب" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ لقب کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام خاص نام اور تمام جنسوں کے نام اسی طرح ہیں جب تک صفت نہ ہوں اور "الناس" اسم جنس ہے صفت نہیں پس اس کا کوئی مفہوم نہیں۔

پس اس آیت میں کوئی ایسا اصل (قانون) نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ آپ انسانوں کے علاوہ کی طرف رسول نہیں ہیں البتہ الدقاق کے مذہب پر ہو سکتا ہے۔

بلکہ اس کے مذہب پر بھی اس مفہوم کے ساتھ استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ دقاق کا یہ قول بھی وہاں ہوتا ہے جہاں اس اسم کی تخصیص میں اس کے علاوہ کوئی غرض ظاہر نہ ہو۔اور جہاں غرض ظاہر ہو وہاں مفہوم کا قول نہیں کیا جاتا بلکہ تخصیص کو اس غرض پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

اور اس آیت میں غرض یہ ہے کہ رسالت تمام انسانوں کو شامل ہے اور ان میں سے بعض کے ساتھ خاص نہیں ہے پس ان کے غیر سے رسالت کی نفی نہیں ہوگی نہ تو دقاق کے مذہب پر اور نہ کسی اور کے مذہب کے مطابق۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ خطاب صرف انسانوں کو ہوا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو دیکھنا زیادہ تر انسانوں کے لئے واقع ہوا اور خطاب بھی انہی کو ہوا پس آیت کا مقصود انسانوں کو خطاب کرنا اور ان میں رسالت کا عموم ہے ان کے غیر سے نفی مقصود نہیں ہے۔

یہ اس صورت میں ہے جب ہم کہیں کہ لفظ ''الناس'' جنوں کو شامل نہیں اور اگر ہم کہیں کہ اس میں جن بھی شامل ہیں تو بات واضح ہے اور اس میں اختلاف ''الناس'' کے اشتقاق میں اختلاف پر مبنی ہے کہ آیا وہ ''النوس'' سے مشتق ہے جس کا معنی حرکت ہے یا ''انس'' سے مشتق ہے جو وحشت کی ضد ہے۔

اگر ہم پہلا قول کریں تو دونوں فریقوں (انسانوں اور جنوں) پر اس کا اطلاق ہوگا لیکن اس کا استعمال انسانوں کے لئے زیادہ ہوتا ہے جہاں بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اس سے اولاد آدم علیہ السلام مراد ہوتی ہے۔

اور اگر ہم اسے ''انس'' سے مشتق مانیں تو جنوں کو شامل نہیں ہوگا کیونکہ ہم جنوں کو نہ تو دیکھتے ہیں اور نہ ہی ان سے مانوس ہوتے ہیں۔

پس آیت میں جنوں کی شمولیت یا تو ممتنع ہوگی یا قلیل ہوگی لہٰذا اس پر محمول نہیں کیا جا سکتا اس سے اس استدلال کی کمزوری واضح ہوگئی لیکن یہ بات اس کے خلاف پر دلیل نہیں۔

ضحاک اور ان کی اتباع کرنے والوں نے کہا کہ جنوں کا رسول انہی میں سے ہوتا ہے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ — اے جنوں اور انسانوں کی جماعت کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے۔

آیت کا ظاہر یہی ہے لیکن ضحاک یا ان کے علاوہ کسی نے یہ بات اس ملت کے حوالے سے نہیں کہی اس بات کا اختلاف پہلی ملتوں کے حوالے سے ہے۔

جہاں تک رسالت کا تعلق ہے تو ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی ان سب کی طرف اور ان کے علاوہ کی طرف مبعوث ہوئے اور ضحاک سے کسی نے یہ بات نقل نہیں کی کہ جنوں کے رسول مطلقاً ان ہی میں سے ہیں اور نہ ان کی طرف یہ بات منسوب ہو سکتی ہے جو اجماع کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں اکثر نے کہا ہے کہ رسول صرف انسانوں میں سے ہوتے ہیں اور کوئی جن بھی رسول نہیں ہوا لیکن جب انسان اور جن خطاب میں جمع ہوئے (مندرجہ بالا آیت میں) تو یہ بات صحیح ہوگئی کہ اس کی مثال یہ ارشاد خداوندی ہے

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ○ — ان دونوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں۔

حالانکہ وہ نمکین پانی سے نکلتے ہیں میٹھے سے نہیں اسی طرح رسول صرف انسانوں میں سے ہوئے لیکن خطاب میں جنوں کو بھی شامل فرمایا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جنوں کے رسول وہ ہیں جو انسانی رسولوں کے نمائندے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں ہیں کیونکہ

ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ O وہ اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے تا کہ ان کو ڈرائیں۔

یہ بات بعض علماء نے کہی ہے۔

کیا نبی اکرم ﷺ فرشتوں کے بھی رسول ہیں؟

رسول اکرم ﷺ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ (ایک قول کے مطابق) آپ کو فرشتوں کی طرف بھی رسول بنا کر بھیجا گیا امام سبکی نے اس قول کو ترجیح دی ہے: ارشادِ خداوندی ہے:

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا O (الفرقان:۱) وہ ذات برکت والی ہے جس نے اپنے بندۂ خاص پر قرآن مجید نازل کیا تا کہ وہ تمام جہانوں کے لئے ڈر سنانے والا ہو۔

اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہاں بندے سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مراد ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے اسے عالم کہا جاتا ہے پس یہ تمام مکلفین کو شامل ہے وہ جن ہوں یا انسان یا فرشتے۔ اور اس سے ان لوگوں کا قول باطل ہو گیا جو کہتے ہیں کہ آپ بعض کی طرف رسول تھے اور بعض کی طرف نہیں تھے کیونکہ لفظ العالمین تمام مخلوقات کو شامل ہے پس آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ تمام مخلوق کے لئے رسول ہیں۔

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ اس عموم سے فرشتے خارج ہیں اگر ان سے کہا جائے کہ اس پر دلیل پیش کرو تو وہ اس سے عاجز ہوں گے کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ فرشتوں میں سے بعض وہ ہوں جن کو نبی اکرم ﷺ نے شبِ معراج یا اس کے علاوہ ڈرایا ہو لیکن آپ کے ان کو ڈرانے یا ان کی طرف کسی خاص بات میں رسول ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ تمام شریعت کے ساتھ آپ ان کے رسول ہوں۔

اور جب ہم کہتے ہیں کہ فرشتے آسمانی جنوں میں سے مؤمن ہیں اور اس کے ساتھ اس قول کو بھی ملایا جائے کہ آپ کی رسالت جنوں کو بھی شامل ہے۔

جس پر اجماع ہے تو اس سے آپ کی رسالت ان سب کو شامل ہو گی لیکن فرشتوں کو جن قرار دینا شاذ ہے (غیر معتبر ہے)۔

جمہور کے نزدیک قرآن مجید کی آیت میں ''العالمین'' کا لفظ ایسا عام ہے جو جنوں اور انسانوں کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ حدیث شریف ''وارسلت الی الخلق کافة'' میں مخلوق سے یہ دونوں مراد لئے گئے ہیں۔ یہ حدیث امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کی ہے (اور پہلے گزر چکی ہے)۔

حلیمی نے اور امام بیہقی نے ''شعب الایمان کے چوتھے باب میں'' واضح طور پر فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کو فرشتوں کی طرف نہیں بھیجا گیا اور پندرھویں باب میں ہے کہ ان کا آپ کی شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔

اسی طرح امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کی تفسیر (تفسیر کبیر) میں اور ''البرہان النسفی'' میں آیت قرآنی کی تفسیر میں

اجماع نقل کیا گیا کہ آپ فرشتوں کی طرف رسول نہیں تھے جس طرح علامہ جلال الدین محلی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔

(الاعلام ج ۵ ص ۳۳۳ شذرات الذہب ج ۷ ص ۳۰۳ الضوء اللامع ج ۷ ص ۳۹)

نسفی کی عبارت اس طرح ہے پھر انہوں نے کہا کہ یہ آیت چند احکام پر دلالت کرتی ہے۔

ا۔ ارشاد خداوندی ''لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا'' تمام مکلفین کو شامل ہے وہ جن ہوں یا انسان یا فرشتے' لیکن ہمارا اتفاق ہے کہ آپ ﷺ فرشتوں کی طرف رسول نہیں بلکہ انسانوں اور جنوں دونوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کی عبارت بھی یہی ہے۔

کمال الدین بن ابی شریف نے جلال الدین محلی رحمہ اللہ کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ امام بیہقی نے یہ بات حلیمی سے نقل کی ہے اور فرمایا یہ حلیمی کے کلام کا معنیٰ ہے۔

اور ان کے اس قول میں اس سے برأت کا اشارہ ہے اور اگر اس طرف اشارہ نہ ہو تو بھی انہوں نے واضح الفاظ میں نہیں فرمایا کہ ان کے نزدیک یہ پسندیدہ بات ہے۔

جہاں تک حلیمی کا تعلق ہے تو اگرچہ وہ اہل سنت میں سے ہیں لیکن فرشتوں کو انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت دینے میں وہ معتزلہ کی موافقت کرتے ہیں اور ان سے فرشتوں کی افضلیت کا جو قول منقول ہوا تو اس کی بنیاد بھی یہی ہو سکتی ہے۔

اور امام رازی اور نسفی کے حوالے سے اس بات پر جو اجماع نقل کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ فرشتوں کی طرف رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے تو امام رازی کی تفسیر کے بعض نسخوں میں اجمعنا (ہم نے اجماع کیا) کی بجائے ''لکنا بینا'' کے الفاظ ہیں کہ ''اجمعنا'' کا لفظ اجماع امت پر واضح دلیل نہیں ہے کیونکہ اس قسم کی عبارت دو مخالف مناظرہ کرنے والوں کے اتفاق پر بولی جاتی ہے بلکہ اگر وہ تصریح کرتے تو ان کو منع کر دیا جاتا۔

کیونکہ امام سبکی رحمہ اللہ نے ''لیکون للعالمین نذیرا'' کے بارے میں فرمایا کہ تمام مفسرین نے اپنی تفاسیر میں جنوں اور انسانوں کا ذکر کیا اور بعض نے فرشتوں کا ذکر بھی کیا۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ امام رازی اور نسفی کی تفسیر پر کہ انہوں نے اجماع نقل کیا اعتماد کرنا علمائے نقل کے نزدیک حجت نہیں ہے کیونکہ اجماع کا نقل کرنا ائمہ اور حفاظ امت سے ہے جیسا کہ ابن منذر اور ابن عبدالبر رحمہما اللہ۔ نیز ان سے اوپر درجہ کے لوگ جس طرح ان مذاہب کے ائمہ جن مذاہب کی اتباع کی جاتی ہے اور جو ان سے ملحق ہیں کہ ان کا دائرہ اطلاع' حفظ اور یادداشت علمائے نقل کے نزدیک اس قدر مشہور ہے کہ اس میں زیادہ کلام کی گنجائش نہیں ہے اور اس مسئلہ کے لائق بات یہ ہے کہ اس میں غور و خوض سے توقف کیا جائے یعنی دونوں طرف سے کوئی قطعی بات نہ کہی جائے۔

تمام جہانوں کے لئے رحمت

رسول اکرم ﷺ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

(الانبیاء: ۷)

حضرت سمرقندی فرماتے ہیں: یعنی جنوں اور انسانوں کے لئے' یہ بھی کہا گیا کہ تمام مخلوق کے لئے' آپ مومنوں

کے لئے ہدایت کے ساتھ اور منافقوں کو قتل سے امان کے ساتھ رحمت ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہر نیک و بد کے لئے رحمت ہیں کیونکہ جس نبی کو بھی جھٹلایا گیا اسے اللہ تعالیٰ نے اس کے جھوٹ کی وجہ سے ہلاک کر دیا جب کہ آپ کی تکذیب کو اس شخص کی موت یا قیامت تک مؤخر کر دیا گیا لیکن جو شخص آپ کی تصدیق کرے اس کے لئے دنیا اور آخرت میں رحمت ہے پس آپ کی ذات والا صفات حدیث شریف کے مطابق تمام مؤمنوں اور کافروں کے لئے رحمت ہے۔ [1]

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ . (الانفال:۳۳) اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عذاب نہیں دے گا جب تک آپ ان میں موجود ہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انما انا رحمة مهداة. بے شک میں رحمت ہوں جو بطور تحفہ عطا کی گئی۔

چھٹے مقصد میں اس پر مزید گفتگو ہوگی۔ ان شاء اللہ

اسلوب خطاب کے ساتھ تکریم

رسول اکرم ﷺ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے ناموں سے خطاب کیا پس فرمایا: (یاادم) اے آدم' اے نوح' اے ابراہیم' اے داؤد' اے زکریا' اے یحییٰ اور اے عیسیٰ علیہم السلام۔

لیکن نبی اکرم ﷺ کو یوں خطاب فرمایا:

يَآ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ (اے رسول) اے نبی' اے مزمل اور اے مدثر۔

آپ کی یہ خصوصیت ہے کہ امت پر آپ کو نام سے پکارنا حرام کر دیا گیا ارشادِ خداوندی ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا. (النور:۶۳) رسول اکرم ﷺ کی پکار کو آپس میں ایک دوسرے کی پکار کی طرح نہ بناؤ۔

یعنی آپ کو نام لے کر اس طرح نہ پکارو جس طرح ایک دوسرے کو پکارتے ہو نہ آواز بلند کرو نہ حجروں کے باہر سے آواز دو بلکہ یوں کہو یارسول اللہ! یا نبی اللہ' وقار کا خیال رکھو' تواضع اختیار کرو اور آواز پست رکھو کہا گیا کہ جب رسول اکرم ﷺ تمہیں بلائیں تو اس کو اس طرح نہ سمجھو جس طرح ایک دوسرے کو بلاتے ہو کہ اس میں منہ پھیر لو یا جواب دینے میں سستی کر و تب بھی جائز ہے (بلکہ یہاں فوری طور پر حاضر ہونے کا حکم ہے)۔

نبی کریم ﷺ کو بلند آواز سے پکارنا بھی ناجائز ہے۔

---

[1] حضرت ابوبکر بن طاہر نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو زینتِ رحمت کے ساتھ زینت دی ہے پس آپ کو اور آپ کی تمام عادات و فضائل نیز آپ کی موت و حیات کو رحمت بنایا جیسا کہ خود آپ نے فرمایا کہ میری زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر رحمت کا ارادہ فرماتا تو اس کے نبی کی روح قبض کر لیتا ہے پس اسے ان کے لئے آگے جا کر ان کے دخول جنت کا سامان کرنے والا بناتا ہے۔ (زرقانی ج ۵ ص ۲۷۶)

ارشادِ خداوندی ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ (الحجرات:۲)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی اکرم ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ آپ کو چلا کر پکارو جس طرح ایک دوسرے کو چلا کر پکارتے ہو کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں پتہ ہی نہ چلے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی:

لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی — نہ بلند کرو اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز پر۔

نازل ہوا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے اسی طرح گفتگو کرتے جس طرح دو ہمراز آپس میں سرگوشی سے بات کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج۴ ص۲۰۶)

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بات نہ سن سکتے حتیٰ کہ ان سے دوبارہ پوچھتے کیونکہ وہ بہت ہلکی آواز میں گفتگو کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۸۴۵)

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سن نہیں سکتے تھے ان کی آواز اونچی تھی جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ حضور علیہ السلام سے دور رہنے لگے۔

آپ نے ان کو نہ پایا تو بلا لیا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے اور میری آواز اونچی ہے پس مجھے ڈر ہوا کہ کہیں میرے اعمال ضائع نہ ہو جائیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم ایسے نہیں ہو کہ تم بھلائی کے ساتھ زندہ رہو گے اور بھلائی کے ساتھ تمہارا وصال ہوگا اور تم جنتیوں میں سے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۸۴۶ 'مسند الحمیدی رقم الحدیث:۶۴۹ 'المعجم الکبیر ج۲ ص۶۱ 'دلائل النبوۃ ج۶ ص۳۰۴ 'السنن الکبریٰ ج۲ ص۲۴۳ 'مجمع الزوائد ج۹ ص۳۲۲ 'کنز العمال رقم الحدیث:۳۶۳۲۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم جنتی آدمی کو دیکھتے تھے کہ وہ ہمارے درمیان چل رہا ہے اور جب جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب سے لڑائی ہوئی تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں میں کچھ کمزوری دیکھی اور ایک گروہ بھاگ گیا تو وہ لڑتے رہے حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔

رسول اکرم ﷺ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارنا منع تھا ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ (الحجرات:۵)

بے شک وہ لوگ جو آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر سمجھ نہیں سکتے۔

کیونکہ عقل کا تقاضا ہے کہ حسن ادب اور جاہ وحشمت کا خیال رکھے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ. (الحجرات:۵)

اور اگر وہ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ ان کی طرف نکلتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔

یعنی اس جلدی کی نسبت صبر بہتر ہوتا کیونکہ اس میں ادب کا لحاظ ہے اور رسول اکرم ﷺ کی تعظیم ہوتی اور وہ تعریف اور

ثواب کے مستحق ہو جاتے۔

اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ

آپ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور آپ کے لئے اللہ تعالیٰ نے محبت اور خلت (خلیل ہونا) دونوں کو جمع کیا اس کی مزید تحقیق ساتویں مقصد میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خصوصیت بھی عطا فرمائی کہ آپ کی رسالت' زندگی' شہر اور زمانے کی قسم کھائی جس طرح چھٹے مقصد میں آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

ان میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے ساتھ وحی کے تمام طریقوں سے کلام فرمایا جس طرح ابن عبد السلام نے نقل کیا اور اس کی تحقیق مقصد اول میں بعثت کے بیان میں گزر چکی ہے۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام کا اترنا

آپ کی یہ خصوصیت ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام آپ پر اترے اور وہ آپ سے پہلے کسی نبی پر نہیں اترے تھے امام طبرانی نے یہ بات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا مجھ پر آسمان سے ایک فرشتہ اترا جو مجھ سے پہلے کسی نبی پر نہیں اترا اور نہ میرے بعد کسی پر اترے گا اور وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام نے کہا میں آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس بطور رسول (نمائندہ) آیا ہوں اس نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ کو خبر دوں کہ اگر آپ چاہیں تو نبوت کے ساتھ بندگی کو اختیار کریں اور اگر چاہیں تو نبی بادشاہ ہو جائیں میں نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا تو انہوں نے مجھے تواضع اختیار کرنے کا اشارہ کیا اگر میں کہہ دیتا کہ میں نبی بادشاہ بننا چاہتا ہوں تو پہاڑ میرے ساتھ سونا بن کے چلتے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۳۴۸' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۹' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۵۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۰۲۷)

اولاد آدم کے سردار

آپ کے خصائص میں سے ایک بات یہ ہے کہ آپ تمام اولاد آدم کے سردار ہیں یہ بات امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

انا سید ولد آدم یوم القیامۃ. میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔

اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے یوں نقل کیا ہے آپ نے فرمایا:

انا سید ولد آدم یوم القیامۃ لا فخر و بیدی لواء الحمد ولا فخر. میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور اس پر مجھے فخر نہیں اور حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور اس پر مجھے فخر نہیں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۸۔۳۶۱۵ ۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳' مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۱۔ ج ۳ ص ۲' الشفاء ج ۱ ص ۲۰۷' شرح السنہ

ج ۱۳ص ۲۰۴، اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ص ۲۲۵، مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۴۱۔۵۷۶۱، تفسیر قرطبی ج ۳ص ۲۶۲، الترغیب والترہیب ج ۴ص ۴۴۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۸۱۔۳۲۰۴۳۔۳۹۰۵۲، البدایۃ والنہایۃ ج اص ۱۶۰۔ج ۲ص ۲۴۰)

آپ نے یہ بات اس لئے فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے جس فضل اور سیادت سے آپ کو اعزاز بخشا ہے اس سے (امت کو) آگاہ کر دیں نیز اللہ تعالیٰ کی نعمت کا بیان بھی ہو جائے اور امت کو اس لئے بھی بتایا کہ وہ آپ کے مقام و مرتبہ پر ایمان لائیں اسی لئے اس کے ساتھ فرمایا مجھے اس پر فخر نہیں۔ یعنی یہ فضیلت جو مجھے حاصل ہوئی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اعزاز ہے میں نے اسے ذاتی طور پر حاصل نہیں کیا اور نہ میری ذاتی قوت کی وجہ سے مجھے یہ اعزاز ملا ہے پس مجھے اس پر فخر کرنے کا حق نہیں ہے۔

خلافِ اولیٰ باتوں کی مغفرت

آپ کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ آپ کی اگلی پچھلی تمام خلافِ اولیٰ باتوں کو بخش دیا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ. (الفتح:۲)

تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی خلاف اولیٰ باتوں کو بخش دے۔ [۱]

شیخ عز الدین بن عبد السلام فرماتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مغفرت کی خبر دی اور پہلے کسی نبی کے بارے میں ایسی بات منقول نہیں ہے اور اس پر قیامت کے دن ان کا "نفسی نفسی" کہنا دلیل ہے۔ [۲]

حافظ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اس آیت فتح میں کوئی دوسرا آپ کے ساتھ شریک نہیں۔

امام ابو یعلیٰ، طبرانی اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو تمام آسمان والوں اور انبیاء کرام پر فضیلت دی ہے آپ سے پوچھا گیا آسمان والوں پر آپ کی فضیلت کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان والوں سے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ یَّقُلْ مِنْھُمْ اِنِّیْٓ اِلٰہٌ مِّنْ دُوْنِہٖ فَذٰلِکَ نَجْزِیْہِ جَھَنَّمَ. (الانبیاء:۲۹)

اور ان میں سے جو کوئی کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو اسے ہم جہنم کی سزا دیں گے۔

اور نبی اکرم ﷺ سے فرمایا:

---

[۱] انبیاء کرام علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اس سے علماء اہل سنت نے یہاں آپ کے گناہ مراد نہیں لیے بلکہ امت کے گناہ مراد ہیں یا خلاف اولیٰ باتوں کی بخشش مراد ہے۔ امام اہل سنت اعلیٰحضرت رحمہ اللہ نے یوں ترجمہ کیا" تا کہ اللہ! تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں اور پچھلوں کے" اور حضرت غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ نے یوں ترجمہ کیا" تا کہ اللہ آپ کے لئے معاف کر دے آپ کے اگلے پچھلے (بظاہر) خلاف اولیٰ سب کام (جو آپ کے کمال قرب کی وجہ سے محض صورۃ ذنب ہیں حقیقتاً حسنات الابرار سے افضل ہیں)"۔ ۱۲ ہزاروی

[۲] اس کا یہ مطلب نہیں کہ (معاذ اللہ) انبیاء کرام علیہم السلام کو گناہوں کی وجہ سے خوف ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کے غضب و جلال کی وجہ سے ایسا کہیں گے ورنہ انبیاء کرام گناہوں سے محفوظ ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ. (الفتح:۲،۱) بے شک ہم نے آپ کو واضح فتح عطا فرمائی تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی پہلی اور پچھلی خلافِ اولیٰ باتیں معاف کر دے۔

تو آپ کے لئے برأت لکھ دی گئی۔

انہوں نے پوچھا انبیاء کرام علیہم السلام پر آپ کی فضیلت کس طرح ہے؟

فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ. (ابراہیم:۴) اور ہم نے ہر رسول کو ان کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا۔

اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ. (سباء:۲۸) اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے کفایت کرنے والا رسول بنا کر بھیجا۔

پس آپ کو انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث فرمایا۔

سب مخلوق سے زیادہ معزز

آپ کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام مخلوق سے زیادہ معزز و محترم ہیں پس آپ تمام رسولوں سے اور تمام مقرب فرشتوں سے افضل ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث جو امام مسلم نے نقل کی ہے اس میں آپ نے فرمایا:

ما ینبغی لعبد ان یقول انا خیر من یونس بن متی. کسی بندے کے لئے مناسب نہیں کہ وہ کہے میں (حضور علیہ السلام) حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں۔[1]

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۶۳۰۔۳۶۳۱، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۷، سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۴۶۶۹۔۴۶۷۰، مسند احمد ج۲ص۴۰۵، دلائل النبوۃ ج۵ص۴۹۴، الشفاء ج۱ص۲۲۶، شرح السنہ ج۱۳ص۲۰۵، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۵۷۱۰، مشکل الآثار ج۱ص۴۴۷)

اس کا جواب چھٹے مقصد میں آئے گا ان شاء اللہ۔

ان خصائل میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کے قرین (ہمزاد) نے اسلام قبول کیا (یا آپ کا مطیع ہو گیا) یہ حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے امام مسلم نے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امام بزار نے نقل کی ہے۔

آپ کی فضیلت و خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ سے خطاء واقع نہیں ہوتی تھی جس طرح حضرت ابن ابو ہریرہ (ابن ابو ہبیرہ) اور ماوردی نے نقل کیا اور ایک جماعت نے کہا آپ سے نسیان بھی واقع نہیں ہوتا تھا یہ بات امام نووی رحمہ اللہ نے "شرح مسلم میں" بیان کی ہے۔

---

[1] نبی اکرم ﷺ نے تواضع کے طور پر یہ بات فرمائی ورنہ آپ کی فضیلت واضح ہے۔۱۲ہزاروی

آپ کی خصوصیت ہے کہ قبر میں آپ کے بارے میں سوال ہوتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا قبر کی آزمائش یہ ہے کہ میری ذات کے ساتھ تمہاری آزمائش ہوگی اور میرے بارے میں سوال ہوگا پس جب آدمی کو بٹھایا جائے گا تو کہا جائے گا یہ شخصیت تم میں تھیں، کون ہیں؟ تو وہ کہے گا ''محمد رسول اللہ'' اس حدیث کو امام احمد اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے نقل کیا۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۹، الدر المنثور ج ۴ ص ۸۳، اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۴۱۸، الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۳۶۴)

امہات المؤمنین سے نکاح کا حرام ہونا

آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے نکاح کرنا حرام ہوا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ.

اور نبی اکرم ﷺ کی بیویاں ان (مسلمانوں) کی مائیں ہیں۔

یعنی ماؤں کی طرح حرام ہیں اور آپ کے بعد آپ کے احترام اور خصوصیت کی بنیاد پر ان سے نکاح کرنا حرام ہے نیز وہ آخرت میں آپ کی بیویاں ہوں گی۔ اور یہ ان کے بارے میں ہے جنہوں نے اپنے آپ کو اختیار نہیں کیا۔ (جب آپ کی ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ آپ کے پاس رہیں یا علیحدہ ہو جائیں تو) ان میں سے جس نے دنیا کو اختیار کیا ان کے دوسری جگہ نکاح کرنے کے بارے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اختلاف ہے اور دوسرا یہ کہ قطعی طور پر جائز تھا یہ بات امام الحرمین (عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف بن محمد متوفی ۴۷۸ھ) اور امام غزالی رحمہما اللہ نے اختیار کی ہے۔

(الاعلام ج ۴ ص ۱۶۰، فیات الاعیان ج ۱ ص ۲۸۷، شذرات الذہب ج ۳ ص ۳۵۸، طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۲۴۹، مفتاح السعادہ ج ۱ ص ۴۴۲، کشف الظنون رقم الحدیث: ۶۸۔ ۷۰۔ ۲۴۲)

لیکن جو ازواج مطہرات آپ کے وصال کے وقت موجود تھیں وہ دوسروں پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئیں۔

البتہ ان کو دیکھنے میں دو قول ہیں زیادہ مشہور یہ ہے کہ نا جائز ہے اور ان کے احترام اطاعت اور نکاح کے حرام ہونے کے سلسلے میں وہ ماں کی طرح ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کے ساتھ علیحدگی میں بیٹھنا یا نفقہ دینا یا وراثت کے حوالے سے مائیں ہیں۔ اور یہ بات ان کے غیر کے لئے نہیں ہے پس ان کی بیٹیوں کو مومنوں کی بہنیں کہا جاتا زیادہ صحیح قول یہی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ازواج مطہرات سے نکاح کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ قبر انور میں زندہ ہیں اسی لئے ماوردی نے نقل کیا کہ ان پر عدت وفات واجب نہیں تھی اور وہ خاتون جسے زندگی میں چھوڑ دیا مثلاً وہ عورت جس نے آپ سے پناہ مانگی تھی اور وہ جس کے پہلو میں آپ نے سفیدی دیکھی ان خواتین کے بارے میں کئی قول ہیں ایک یہ کہ وہ بھی حرام ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کی تصریح کی ہے اور ''الروضہ میں'' اس کو صحیح قرار دیا کیونکہ آیت عام ہے اور بعد سے مراد آپ کے وصال کا بعد مراد نہیں بلکہ نکاح کے بعد ان کا حرام ہونا مراد ہے۔ بعض نے کہا یہ خواتین حرام نہیں ہیں۔

تیسرا قول جسے امام الحرمین اور امام رافعی نے ''الصغیر میں'' صحیح قرار دیا ہے یہ ہے کہ جن سے آپ کا قرب ہوا صرف

وہی حرام ہیں کیونکہ حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس خاتون سے نکاح کیا جس نے پناہ مانگی تھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے سنگسار کرنے کا ارادہ کیا تو آپ کو بتایا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وطی نہیں کی تو آپ رک گئے۔ اور جس لونڈی کو وطی کے بعد آپ نے جدا کر دیا اس کے بارے میں کئی قول ہیں تیسرا قول یہ ہے کہ وہ بھی حرام ہے اگر وہ آپ کے وصال تک رہی ہو تو اس سے بھی نکاح حرام ہے جس طرح حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا اور اگر آپ نے اپنی زندگی میں اسے بیچ دیا تو حرام نہیں ہے۔

آپ کے نام کا وسیلہ

ابن عبد السلام نے آپ کی یہ خصوصیت بھی شمار کی ہے کہ آپ کے نام سے اللہ تعالیٰ پر قسم کھانا جائز ہے اور دوسروں کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔ ابن عبد السلام نے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ یہ بات آپ کے ساتھ خاص ہو کیونکہ آپ تمام اولاد آدم کے سردار ہیں اور کسی دوسرے نبی، فرشتے اور ولی کے نام سے ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ آپ کے درجہ میں نہیں ہیں اور یہ بات آپ کے درجہ اور مرتبہ کی بلندی کی وجہ سے آپ کی خصوصیت ہونی چاہیے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۵، مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۸، المستدرک ج ۱ ص ۳۱۳، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۶۸۱۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۴۰)

کیا امہات المؤمنین کے باپردہ جسم کو دیکھنا بھی حرام ہے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی ازواج مطہرات کو چادر کے اندر (لپٹے ہونے کی صورت میں) بھی دیکھنا جائز نہیں اسی طرح گواہی دینے یا کسی دوسرے مقصد کے لئے ان کے چہروں اور ہاتھوں کا ننگا ہونا بھی جائز نہ تھا۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

ازواج مطہرات جس بات کے ساتھ خاص ہیں اس کا پردہ بھی فرض ہے پس بلا اختلاف ان پر چہرے اور ہتھیلیوں کو ڈھانپنا بھی ضروری تھا اور شہادت یا کسی دوسرے موقعہ پر ان اعضاء کو ننگا کرنا جائز نہ تھا اسی طرح جسم کا ننگا کرنا بھی جائز نہ تھا چاہے گھر میں ہوں البتہ قضائے حاجت وغیرہ کا حکم الگ ہے۔

پھر قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''موطا کی'' اس حدیث سے استدلال کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو عورتیں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو پردے میں لے کر گئیں تاکہ آپ کا وجود کسی کو نظر نہ آئے اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے لئے ان کے جنازے کی چارپائی پر ایک قبہ سا بنایا گیا تاکہ ان کا وجود پردے میں رہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں اس دعویٰ پر دلیل نہیں جو پردے کی فرضیت کے سلسلے میں کیا گیا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد امہات المؤمنین حج کرتیں اور طواف کرتی تھیں اور صحابہ کرام نیز ان کے بعد کے لوگ ان سے احادیث روایت کرتے تو ان کے بدن ڈھانپے ہوتے تھے شخصیات پردہ میں نہیں ہوتی تھیں۔

امہات المؤمنین کے علاوہ کسی عورت کی طرف دیکھنے کا کیا حکم ہے تو ''الروضہ میں ہے اور'' اس کی اصل اکثر حضرات سے منقول ہے کہ آزاد عورت جو بڑی اور اجنبی ہو اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف دیکھنا جائز ہے اگر فتنہ کا خوف نہ ہو تو مکروہ ہے۔

شیخین یعنی امام رافعی اور امام نووی رحمہ اللہ کے کلام کی قوت اس بات کی ترجیح کا تقاضا کرتی ہے اور ''المھمات میں'' اس کو صحیح قرار دیا گیا کیونکہ امام رافعی نے تصریح کی ہے کہ اکثر حضرات کا یہی قول ہے۔

لیکن ابن عراقی نے نقل کیا کہ ان کے شیخ البلقینی نے فرمایا ترجیح دلیل کی قوت سے ہوتی ہے اور فتویٰ اس پر ہے جو ''منھاج'' میں ہے اور ''التدریب میں بھی'' اسی پر اعتماد کیا ''الشرح الصغیر کے'' کلام کی قوت اس کی ترجیح کا تقاضا کرتی ہے اور اس کی علت یہ ہے کہ مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورتوں کو سفر میں جانے سے منع کیا جائے اور ''الروضہ میں'' نقل کیا گیا کہ اس کی اصل یہ اتفاق ہے اور انہوں نے اسی کو برقرار رکھا۔

اس کا معارضہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کے اس قول سے کیا گیا جو انہوں نے علماء کرام سے مطلقاً نقل کیا ہے کہ عورت پر لازم نہیں کہ وہ راستے میں چہرے کو ڈھانپے اور یہی سنت ہے اور مردوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو پست رکھیں۔

ان سے امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں نقل کرتے ہوئے اسے برقرار رکھا شیخ نجم الدین ابن قاضی عجلون نے ''تصحیح المنھاج میں'' یہ بات فرمائی ہے۔ واللہ اعلم

نبی اکرم ﷺ کے حق میں نکاح مطلق عبادت تھا جس طرح حضرت سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا جب کہ دوسروں کے حق میں یہ عبادت نہیں بلکہ محض جائز ہے اور عبادت اس کو لاحق ہوتی ہے۔

آپ کی صاحبزادیوں سے متعلق خصائص

ان خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کی صاحبزادیوں کی اولاد آپ کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

ان ابنی ھذا سید. میرا یہ بیٹا سردار ہے۔

آپ کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ ہر نسب اور سبب قیامت کے دن منقطع ہو جائے گا لیکن آپ کا سبب اور نسب باقی رہے گا آپ نے فرمایا:

کل سبب و نسب ینقطع یوم القیامۃ الا سببی و نسبی. ہر سبب اور نسب قیامت کے دن منقطع ہو جائے گا مگر میرا سبب اور نسب باقی رہے گا۔

(المعجم الکبیر ج ۳ ص ۳۶، المستدرک ج ۳ ص ۱۴۲، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۱۱۴، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۴، الدر المنثور ج ۵ ص ۱۵، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۷۱، تفسیر قرطبی ج ۴ ص ۱۰۴، تاریخ بغداد ج ۶ ص ۱۸۲، تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۴۸۹، البدایۃ والنہایہ ج ۷ ص ۸۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۱۴)

نسب ولادت کے ساتھ اور سبب نکاح کے ساتھ ہوتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ آپ کی امت قیامت کے دن آپ کی نسبت سے نفع اندوز ہو گی جب کہ دوسروں کی امت کو یہ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

آپ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کی صاحبزادیوں کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے منبر شریف پر سنا آپ فرمار ہے تھے بنو ہاشم بن مغیرہ نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کردیں لیکن میں ان کو اجازت نہیں دوں گا۔ پھر میں ان کو اجازت نہیں دوں گا۔ پھر میں ان کو اجازت نہیں دوں گا۔ میری بیٹی میرے جگر کا ٹکڑا ہے جو بات اسے پسند نہیں وہ مجھے بھی پسند نہیں اور جس بات سے اسے اذیت پہنچتی ہے اس سے مجھے بھی تکلیف پہنچتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۳۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۷۱، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۶۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۹۸، مسند احمد ج ۴ ص ۳۲۸، السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۲۸۸، حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۳۲۵، شرح السنہ ج ۱۴ ص ۱۵۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۲۱۳)

انہی سے مروی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے ابوجہل کی بیٹی کو منگنی کا پیغام دیا اور حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ان کے پاس تھیں جب انہوں نے یہ بات سنی تو وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا آپ کی قوم باتیں کرتی ہے کہ آپ کو اپنی بیٹیوں کی وجہ سے غصہ نہیں آتا اور یہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں جو ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت مسور رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے سنا کہ نبی اکرم ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: امابعد: میں نے (اپنی بیٹی) ابوالعاص بن ربیع کے نکاح میں دی تو انہوں نے مجھ سے جو بات کی سچ کہا اور بیشک حضرت فاطمہ بنت محمد میرا ٹکڑا ہے اور میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اسے کسی آزمائش میں ڈالیں اور اللہ کی قسم! رسول اللہ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے پاس کبھی بھی اکٹھی نہیں ہوسکتیں۔

فرماتے ہیں پھر آپ نے خطبہ چھوڑ دیا۔

(صحیح ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۹۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۶، مسند احمد ج ۴ ص ۳۲۶، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۰۸)

ابوجہل کی بیٹی کا نام جویریہ تھا وہ اسلام لائیں اور بیعت کی اور حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ سے اور ان کے بعد ابان بن سعید رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح ہوا۔

امام ابوداؤد نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر حرام کردیا کہ وہ حضرت خاتون جنت کی زندگی میں ان پر کسی دوسری عورت کو نکاح میں لائیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ اور جس بات کا رسول ﷺ تمہیں حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس بات سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔

شیخ ابوعلی السنجی (حسین بن شعیب بن محمد السنجی متوفی ۴۲۷ھ) (الاعلام ج ۲ ص ۲۳۹، فیات الاعیان ج ۱ ص ۱۴۵، کشف الظنون رقم الحدیث: ۴۷۹۔۱۶۳۵) رحمہ اللہ نے ''شرح التلخیص میں'' ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ کی صاحبزادیوں پر نکاح کرنا حرام تھا اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ بات حضرت خاتون جنت کے ساتھ خاص ہو کیوں کہ اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اس سے آپ کو اذیت پہنچتی ہے اور آپ کو اذیت پہنچانا بالاتفاق حرام ہے۔ اور اس میں اس کی اذیت کو حرام قرار دیا جس کی اذیت، نبی اکرم ﷺ کی اذیت کا باعث ہے کیونکہ آپ کو اذیت پہنچانے کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے وہ تھوڑی ہو یا زیادہ۔

اور آپ نے واضح طور پر فرمایا کہ جو بات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اذیت کا باعث ہے اس سے آپ کو اذیت ہوتی ہے' پس حضرت خاتون جنت کے حق میں جو کچھ بھی واقع ہوگا وہ آپ کی اذیت کا باعث ہوگا تو اس سے رسول اکرم ﷺ کو اذیت پہنچتی تھی اور اس پر یہ حدیث صحیح شاہد ہے۔

سوال: حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس بات کو خاص کرنے پر اعتراض ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام پر غیرت دین کے حوالے سے فتنہ میں پڑنے کا خوف ہے اور اس کے باوجود آپ نے زیادہ ازواج کو اختیار کیا اور ان سے غیرت پائی جاتی تھی لیکن اس کے باوجود آپ نے ان کے حق میں اس بات کا خیال نہ رکھا جس طرح حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے بارے میں اس بات کا خیال فرمایا۔

جواب: حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کو اس وقت کوئی ایسی شخصیت حاصل نہ تھی جن کا سہارا لیتیں اور ان سے مانوس ہوکر وحشت کا ازالہ کرتیں نہ ماں تھی نہ کوئی بہن۔

جب کہ امہات المؤمنین کا یہ معاملہ نہیں تھا کیونکہ ہر ایک کو ایسی شخصیات حاصل تھیں جن سے مانوس ہو سکتی تھیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بات یہ کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات تھیں اور آپ کی وجہ سے ان کے دلوں کو خوشی اور خوش طبعی حاصل ہوتی اور دلوں کی ڈھارس بندھتی تھی کیونکہ ان میں سے ہر ایک آپ کے حسن اخلاق وغیرہ پر راضی تھیں کہ اگر کسی قسم کی غیرت کا مسئلہ پیدا ہوتا تو فوراً زائل ہو جاتا۔

محراب نبوی میں اجتہاد نہیں

آپ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے جس محراب شریف میں نماز پڑھی ہے اس کے بارے میں اجتہاد نہیں ہو سکتا کہ شاید یہ دائیں طرف ہو یا بائیں طرف۔

شیخ الاسلام ابوزرعہ عراقی نے اس شخص کے بارے میں فتویٰ دیا ہے جو نبی اکرم ﷺ کے محراب شریف کی طرف رخ کر کے نماز نہیں پڑھتا بلکہ کہتا ہے کہ میں اجتہاد کروں گا اور پھر نماز پڑھوں گا کہ اگر وہ اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے ایسا کرتا ہے کہ یہ اسی طرح ہے جس طرح نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں تھا تو پھر وہ مرتد ہوگیا اور اگر وہ تاویل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اب یہ محراب اس صورت میں نہیں جس طرح آپ کے زمانے میں تھا بلکہ اس سے بدل گیا ہے اور اسی وجہ سے میں اجتہاد کرتا ہوں تو اس صورت میں اس کو مرتد نہیں کہا جائے گا اگرچہ اس کی تاویل صحیح نہ ہو۔

آپ کو خواب میں دیکھنا حق ہے

آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ جس نے آپ کو خواب میں دیکھا اس نے حقیقتاً آپ ہی کو دیکھا کیونکہ شیطان آپ کی صورت میں نہیں آ سکتا۔

''صحیح مسلم کی روایت میں ہے'' آپ نے فرمایا:

من رانی فی المنام فسیرانی فی الیقظۃ او لکانما رانی فی الیقظۃ لا	جس نے مجھے خواب میں دیکھا عنقریب وہ مجھے بیداری کی حالت میں دیکھے گا یا (فرمایا) گویا اس نے مجھے

یتمثل الشیطان بی. بیداری میں دیکھا (کیونکہ) شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۹۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۲۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۔۱۳، مسند احمد ج ۵ ص ۳۰۶، المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۲۹۷، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۸۲، شرح السنہ ج ۱۲ ص ۲۲۷، مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۶۱۱، تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۲۸۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسماعیلی کے نزدیک یوں ہے:

فقد رانی فی الیقظة. پس اس نے مجھے بیداری میں دیکھا۔

یہ لفظ ''فسیرانی'' کی جگہ ہیں ابن ماجہ کے نزدیک بھی اسی طرح ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کرتے ہوئے اسے صحیح قرار دیا۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

من رانی فقد رای الحق. جس نے مجھے دیکھا تحقیق اس نے حق دیکھا (یا حق کو دیکھا)۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

من رانی فی المنام فقد رانی فانہ لا ینبغی للشیطان ان یتمثل فی صورتی جس نے مجھے خواب میں دیکھا ہے پس اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ میری صورت اختیار کرے۔

ایک روایت میں ہے:

من رانی فی المنام فقد رانی فانہ لا ینبغی للشیطان ان یتشبہ بی. جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان کے لئے مناسب نہیں کہ میری مشابہت اختیار کرے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فان الشیطان لا یتکوننی. بے شک شیطان میری طرح نہیں ہوسکتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۹۷، مسند احمد ج ۳ ص ۵۵، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۸۱، دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۴۵، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۰، مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۶۱۰)

یعنی ''لا یتکون کونی'' میرے ہونے کی طرح نہیں ہوسکتا تو یہاں لفظ ''کون'' مضاف محذوف ہے اور مضاف الیہ یاء ضمیر کو فعل سے ملا دیا گیا۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے:

لا یتراء ی بی. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۹۵) شیطان میری شکل میں نہیں آسکتا۔

یتراءی بروزن یتعاطی ہے یعنی اسے طاقت نہیں کہ وہ میری صورت اختیار کرے یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو یہ

اختیار دیا ہے کہ وہ جو شکل چاہے اختیار کرے لیکن وہ نبی اکرم ﷺ کی صورت اختیار کرنے پر قادر نہیں ہے۔

ایک جماعت اسی طرف گئی ہے وہ کہتے ہیں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دیکھنے والا نبی اکرم ﷺ کو اسی صورت میں دیکھے جس پر آپ تھے لیکن بعض حضرات نے اس بات کو تنگ کر دیا اور فرمایا کہ اس صورت میں دیکھے ضروری ہے جس پر آپ کا وصال ہوا حتیٰ کہ انہوں نے آپ کے سفید بالوں کا اعتبار بھی کیا جو بیس کی تعداد کو نہیں پہنچے تھے۔

حضرت حماد بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت محمد ابن سیرین کے سامنے جو کوئی شخص بیان کرتا کہ اس نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی ہے تو آپ فرماتے جو کچھ تم نے دیکھا ہے اسے بیان کرو اگر وہ ان اوصاف کا ذکر کرتا جن کو آپ نہیں پہچانتے تھے تو آپ فرماتے تم نے زیارت نہیں کی اس کی سند صحیح ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے حضرت عاصم بن کلیب رحمہ اللہ کے طریق سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں مجھ سے میرے والد نے بیان کیا اور فرمایا میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے آپ نے فرمایا میرے سامنے بیان کرو فرماتے ہیں میں نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کی مشابہت بیان کی تو انہوں نے فرمایا تم نے آپ کی زیارت کی ہے اور اس کی سند عمدہ ہے۔

لیکن جو حدیث ن ابی عاصم نے دوسرے طریق سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من رانی فقد رانی فانی اریٰ فی کل صورۃ. (فتح الباری ج ۱۲ ص ۴۷۴)

جس نے مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ میں ہر صورت میں دکھائی دیتا ہوں۔

اس حدیث کی سند میں ابن توامہ راوی اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے اور جس نے روایت کیا اس نے اختلاط کے بعد ان کر روایت کیا۔

قاضی ابوبکر بن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ کو آپ کی معلوم صفات کے ساتھ دیکھنا حقیقتاً ادراک ہے اور غیر صفت پر دیکھنا آپ کی مثالی صورت کو دیکھنا ہے کیونکہ صحیح بات یہ ہے کہ زمین' انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو تبدیل نہیں کرتی۔ پس آپ کی ذات پاک کا ادراک حقیقی ادراک ہوگا اور صفات کا ادراک مثال کا ادراک ہوگا۔

بعض قدریہ (تقدیر کے منکر لوگوں) نے الگ راستہ اختیار کرتے ہوئے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی کوئی حقیقت نہیں۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۴۷۵)

حضرت ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''فسیرانی'' کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اس نے دیکھا اس کی تفسیر عنقریب دیکھے گا کیونکہ یہ حق ہے اور غیب ہے اور ''فکانما رانی'' تشبیہ ہے اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر وہ مجھے بیداری کی حالت میں دیکھے تو اس نے جو کچھ خواب میں دیکھا ہے یہ اس کے مطابق ہوگا۔ پس پہلا حق اور حقیقت ہوگا اور دوسرا (دیکھنا) حق اور تمثیل ہوگی۔

وہ فرماتے ہیں: یہ سب باتیں اس وقت ہیں جب صورت معروضہ پر دیکھے اگر وہ آپ کی صفت کے خلاف دیکھے تو یہ امثال ہیں اگر آپ کو اپنی طرف متوجہ دیکھے تو دیکھنے والے کے لئے بہتر ہے اور اس کے برعکس دیکھے تو معاملہ بھی برعکس ہو

گا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا یہ بھی احتمال ہے کہ ''فقد رانی'' یا ''فقد رای الحق'' سے مراد یہ ہو کہ جو شخص آپ کو آپ کی صورت معروضہ کے مطابق دیکھے جو آپ کی حیات طیبہ میں تھی تو اس کا دیکھنا حق ہے اور جو شخص کسی دوسری صورت میں دیکھے تو اس میں تاویل ہوگی۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا یہ ضعیف بات ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ اس نے حقیقتاً دیکھا ہے چاہے معروف صفت پر دیکھا یا اس کے علاوہ۔

اور ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے لئے قاضی عیاض رحمہ اللہ کے کلام سے اس کے منافی بات ظاہر نہیں ہوئی بلکہ ان کے قول سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ دونوں صورتوں میں آپ کو حقیقتاً دیکھ رہا ہے لیکن پہلی صورت میں کسی تعبیر کی حاجت نہ ہوگی جب کہ دوسری صورت میں تعبیر کی ضرورت ہوگی۔

بعض حضرات نے فرمایا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جو شخص آپ کو دیکھے گا وہ آپ کو اصل صورت پر ہی دیکھے گا۔

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۴۷۵)

اور جس نے کہا کہ آپ کو آپ کی معلوم صورت پر ہی دیکھا جا سکتا ہے تو اس کے نزدیک کسی دوسری صفت پر دیکھنا محض خیالات ہیں۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ خواب میں آپ کی زیارت اس حالت میں ہوتی ہے جو دنیوی حالت کے خلاف ہے اور اگر شیطان آپ کی صورت مبارکہ کی مثل بن سکتا تو یہ اس عموم کے خلاف ہوتا جس میں آپ نے فرمایا کہ شیطان میری شکل میں نہیں آ سکتا پس زیادہ بہتر یہی ہے کہ ہم آپ کی زیارت کو اسی طرح آپ سے کچھ دیکھنے کو یا جو کچھ آپ کی طرف منسوب ہو اس کو پاکیزہ قرار دیں کیونکہ حرمت میں یہی زیادہ پہنچنے والی بات ہے' عصمت کے زیادہ لائق یہی ہے کہ جس طرح عالم بیداری میں آپ شیطان سے محفوظ تھے۔

پس اس حدیث کی صحیح تاویل یہ ہے کہ آپ کا مقصود یہ تھا کہ آپ کو کسی حالت میں دیکھنا باطل یا خیالات نہیں بلکہ یہ حق ہے اگر آپ کو دوسری صورت میں دیکھا جائے تب بھی اس صورت کا تصور یوں ہو کہ وہ شیطان کی طرف سے نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یہ قاضی ابوبکر طیب وغیرہ کا قول ہے۔

اور آپ کا ارشاد گرامی ''فقد رای الحق'' اس کی تائید کرتا ہے' قرطبی نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

ابن بطال نے کہا کہ ''فسیرانی فی الیقظة'' کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تصدیق عالم بیداری میں ہو جائے گی اور معلوم ہو جائے گا کہ یہ حق ہے اور صحیح ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ آخرت میں زیارت کرے گا کیونکہ قیامت کے دن تمام امت کو زیارت نصیب ہوگی چاہے وہ خواب میں آپ کو دیکھے یا نہ۔

مازری نے کہا اگر یہ بات صحیح ثابت ہو کہ آپ نے فرمایا ''گویا اس نے مجھے بیداری میں دیکھا'' تو اس کا معنیٰ ظاہر ہے۔ اور اگر یہ بات صحیح ثابت ہو کہ ''عنقریب وہ بیداری میں مجھے دیکھے گا'' تو اس بات کا احتمال ہے کہ آپ کے زمانے کے وہ لوگ مراد ہوں گے جنہوں نے آپ کی طرف ہجرت نہیں کی کیونکہ جب اس نے آپ کو خواب میں دیکھا تو یہ اس

بات کی علامت ہے کہ وہ عنقریب آپ کو بیداری کی حالت میں بھی دیکھے گا اور یہ بات اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی۔

یہ بھی کہا گیا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اس خواب کی تعبیر عنقریب بیداری میں دیکھے گا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اس احتمال پر کہ اس کا خواب میں زیارت کرنا اس صفت پر ہو جس کے ساتھ آپ معروف اور موصوف ہیں یہ قیامت کے دن اس کے اکرام واحترام کا سبب ہے کہ اسے خصوصی طور پر قریب ہوکر زیارت نصیب ہوگی۔ یا اسے آپ کی شفاعت نصیب ہوگی اور اس کا درجہ بلند ہوگا اور اس طرح کی خصوصیات حاصل ہوں گی وہ فرماتے ہیں یہ بات بھی بعید از عقل نہیں کہ بعض گناہ گاروں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زیارت سے ایک مدت تک روک دے۔

ابن ابی جمرہ نے اسے ایک اور بات پر محمول کیا پس انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یا کسی اور سے نقل کیا کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو بیدار ہونے کے بعد اس حدیث کے بارے میں متفکر ہوئے چنانچہ وہ ایک ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے اور شاید وہ ان کی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا تھیں پس انہوں نے حضور علیہ السلام کا آئینہ ان کو دکھایا تو انہوں نے اس میں نبی اکرم ﷺ کی صورت مبارکہ دیکھی اپنی صورت نظر نہ آئی۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''فقد رانی'' کا معنیٰ یہ نہیں کہ اس نے میرا جسم اور میرا بدن دیکھا بلکہ اس نے ایک مثال دیکھی کہ وہ مثال ایک آلہ بن گئی جس کے ذریعے وہ اس معنیٰ کی ادائیگی کرسکتا ہے جو میرے نفس میں اس تک ہے۔

اسی طرح ''فسیرانی فی الیقظۃ'' سے بھی میرے جسم اور بدن کو دیکھنا مراد نہیں۔

وہ فرماتے ہیں آلہ بعض اوقات حقیقی اور کبھی خیالی ہوتا ہے اور نفس اس خیالی مثال کا غیر ہوتا ہے پس اس نے جو صورت دیکھی وہ نبی اکرم ﷺ کی روح مبارک یا بدن اقدس نہیں بلکہ مثال دیکھی۔

وہ فرماتے ہیں جو شخص خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کرتا ہے اس کا مسئلہ بھی یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شکل وصورت سے پاک ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی معرفت بندے تک محسوس مثال سے پہنچتی ہے وہ نور ہو یا کچھ اور۔

اور یہ مثال اس کے حق میں پہچان کا واسطہ ہوتی ہے پس دیکھنے والا کہتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھا جس طرح دوسروں کے بارے میں کہتا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنے بعض فتاویٰ میں یہ بھی فرمایا کہ جس نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا اس نے آپ کی اس شخصیت مبارکہ کو نہیں دیکھا جو روضۂ انور کے اندر مدینہ طیبہ میں ہے بلکہ آپ کی مثال کو دیکھا۔ پھر فرمایا یہ مثال آپ کی روح کی مثال ہے جو صورت اور شکل سے منزّہ ہے۔

طیبی کہتے ہیں اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جس نے مجھے خواب میں کسی بھی صورت میں دیکھا اس کے لئے خوشخبری ہے اور اس کو جان لینا چاہیے کہ اس نے واقعی مجھے دیکھا ہے یعنی یہ دیکھنا سچ ہے جھوٹ نہیں ہے۔

اسی طرح آپ کے ارشاد گرامی ''فقد رانی'' کا مفہوم ہے پس جب شرط اور جزا اکٹھے ہوں تو کمال کی انتہا پر دلالت ہوتی ہے یعنی اس نے مجھے اس طرح دیکھا کہ اس کے بعد کچھ نہیں۔

ان جوابات کا خلاصہ یہ ہے۔

کہ یہ تشبیہ اور تمثیل کے طور پر ہے اور اس پر "فکانما رانی فی الیقظة" کے الفاظ دلالت کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ حقیقتاً بیداری میں بھی دیکھے گا تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ بات آپ کے زمانے والوں کے ساتھ خاص ہے یعنی وہ لوگ جو آپ کی زیارت کرنے سے پہلے آپ پر ایمان لائے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ وہ اپنے شیشے میں آپ کو دیکھے گا اگر اس کے لئے ممکن ہو ہمارے شیخ المشائخ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس بات پر محمول کرنا بہت دور کی بات ہے (عقل کے خلاف ہے) پانچواں جواب یہ ہے کہ اسے قیامت کے دن مزید خصوصیت کے ساتھ آپ کی زیارت ہوگی مطلق دیکھنا مراد نہیں کیونکہ اس طرح تو وہ بھی زیارت کرے گا جس نے آپ کو خواب میں نہیں دیکھا۔

اور درست بات یہ ہے کہ اس میں عموم ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے یعنی دیکھنے والا جس حالت پر بھی دیکھے بشرطیکہ آپ کی حقیقی صورت ہو وہ جس وقت کی صورت مبارکہ ہو آپ کی جوانی' ادھیڑ عمر یا بڑھاپا یا آخری عمر کچھ بھی ہو اور بعض اوقات اس کی تعبیر دیکھنے والے سے متعلق ہوتی ہے۔ جس طرح خوابوں کی تعبیر کے علماء نے فرمایا کہ جو شخص آپ کو بڑھاپے میں دیکھے وہ انتہائی سلامتی میں ہوگا اور جو آپ کو جوانی کے عالم میں دیکھے وہ بہت لڑنے والا ہوگا۔

حضرت ابو سعید احمد بن محمد بن نصر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس نے کسی نبی کو ان کی حالت و ہیئت میں دیکھا تو یہ اس دیکھنے والے کی اصلاح' مرتبے اور دشمن پر کامیابی کی دلیل ہے اور جس نے کسی بدلی ہوئی حالت میں دیکھا مثلاً کچھ غصے کی حالت ہے تو یہ دیکھنے والے کی بری حالت پر دلالت ہے۔

عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس نے آپ کو اچھی حالت میں دیکھا تو یہ دیکھنے والے کی دین میں اچھی رائے پر دلالت ہے اور اگر کسی عضو میں نقص دیکھا تو دیکھنے والے میں دین کے حوالے سے خرابی پر دلالت ہے۔ وہ فرماتے ہیں یہی بات حق ہے اور اس کا تجربہ اسی انداز پر ہو چکا ہے۔

پس آپ کی زیارت سے یہ عظیم فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ دیکھنے والے کو اپنی حالت کا پتہ چل جاتا ہے کہ اس میں کوئی خلل تو نہیں؟ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نورانی ہیں جس طرح صیقل کیا ہوا صاف شفاف آئینہ ہوتا ہے دیکھنے والا شیشے میں اپنا حسن یا اس کے علاوہ جو کچھ ہے اسے دیکھتا ہے جب کہ اس آئینہ میں کوئی نقص نہیں ہوتا۔ (اسی طرح نبی اکرم ﷺ تو سراپا حسن اور کمال ہیں دیکھنے والا اپنی حالت دیکھتا ہے)۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھنے والے کا حال ہے کہ جو موافق ہو وہ حق ہے اور جو اس کے خلاف ہو تو دیکھنے والے کی سماعت میں خلل ہوتا ہے پس آپ کی ذات کریمہ کو دیکھنا حق ہے' خلل دیکھنے والے کے سننے یا دیکھنے میں ہوتا ہے اور یہ بات اس کا غیر ہے جو تو نے اس سلسلے میں سنی ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا: کہ آپ کو دیکھنا آنکھ سے دیکھنا نہیں ہے بلکہ وہ بصیرت (دل) سے دیکھنا ہے اور یہ صرف دیکھنے والے تک محدود نہیں بلکہ مشرق سے مغرب تک اور زمین سے عرش تک سب دیکھتے ہیں جس طرح شیشے کے سامنے کوئی صورت ہو تو وہ صورت شیشے میں منتقل نہیں ہوتی اور دیکھنے والے کی آنکھ تمام کائنات کے سامنے ہے جیسے شیشہ سامنے

ہوتا ہے۔

اور آپ کو دیکھنے میں یہ اختلاف کہ بعض نے آپ کو بڑھاپے اور بعض نے جوانی کے عالم میں دیکھا کسی نے مسکرائے ہوئے اور کسی نے روتے ہو دیکھا تو یہ دیکھنے والوں کی حالت کے مطابق ہے جس طرح ایک صورت مختلف آئینوں میں دیکھتے ہوئے اختلاف معلوم ہوتا ہے بڑے شیشے میں چہرہ بڑا نظر آتا ہے اور چھوٹے شیشے میں چھوٹا دکھائی دیتا ہے آئینہ ٹیڑھا ہو تو چہرہ ٹیڑھا اور لمبا ہو تو لمبا نظر آتا ہے۔ پس دکھانے والے (آئینے) کا اختلاف ہی اصل اختلاف ہے دیکھنے والے کے چہرے کا فرق نہیں ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کو دیکھنے والوں کا معاملہ ہے آپ کی طرف نسبت کی وجہ سے ان کے احوال مختلف ہیں پس جس نے آپ کو تبسم کی حالت میں دیکھا تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ دیکھنے والا آپ کی سنت پر عمل کرتا ہے۔

حضرت شیخ بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں سوال کرنے والی جماعت کو یوں جواب دیا کہ یہ ایک دوسرے سے دور قطروں سے ایک چیز کو دیکھنے کی صورت ہے باوجود یکہ آپ کو دیکھنا حق ہے کیونکہ آپ چراغ ہیں اور اس عالم میں سورج کا نور ہیں اور آپ کے نور کی مثال تمام عالمین میں ہے اور جس طرح سورج کو مشرق و مغرب میں رہنے والے تمام لوگ ایک وقت میں اور مختلف صفات کے ساتھ دیکھتے ہیں تو نبی اکرم ﷺ کا بھی یہی معاملہ ہے شاعر نے کیا خوب کہا:

کالبدر من ای النواحی جئتہ   یھدی الی عینیک نورا ثاقبا

"آپ چاند کی طرح ہیں تم جس جہت سے اس کے پاس آؤ وہ تمہاری آنکھوں کو چمکتا ہوا نور عطا کرے گا"۔

بیداری کے عالم میں آپ کی زیارت

نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ کو بیداری کی حالت میں دیکھنے کے بارے میں ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ کسی صحابی یا بعد کے کسی فرد کی طرف سے ہم تک یہ بات نہیں پہنچی۔

حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کا غم کتنا سخت تھا حتیٰ کہ وہ آپ کے وصال کے چھ مہینے بعد اداسی کے عالم میں انتقال کر گئیں اور ان کا خانۂ اقدس آپ کی قبر شریف سے متصل تھا لیکن ان سے منقول نہیں ہے کہ اس مدت میں ان کو آپ کی زیارت ہوئی ہو۔

بعض اولیاء کرام سے ان کے ذاتی واقعات منقول ہیں جس طرح البارزی کی کتاب "توثیق عری الایمان" میں اور ابومحمد عبداللہ بن جمرہ رحمہ اللہ کی کتاب "بہجۃ النفوس" میں اور عفیف یافعی رحمہ اللہ کی "روض الریاحین" کتاب میں اور ان کی دیگر تصنیفات میں نیز شیخ صفی الدین بن ابوالمنصور کے رسالہ میں ہے۔

ابن ابی جمرہ کی عبارت یہ ہے کہ سلف وخلف میں آج تک ایک ایک جماعت سے اس حدیث کی تصدیق منقول ہوتی رہی ہے کہ "جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب بیداری کی حالت میں مجھے دیکھے گا" تو جن لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھا انہوں نے اس کے بعد بیداری کی حالت میں دیکھا اور ان باتوں کے بارے میں آپ سے پوچھا جن

کے بارے میں ان کو تشویش تھی تو آپ نے ان کو ان مسائل کے بارے میں بتایا اور ایسے طریقے پر بتایا کہ ان کے سامنے معاملہ کھل گیا تو وہ معاملہ کسی کمی زیادتی کے بغیر اسی طرح ہوا۔

پھر فرمایا کہ اس بات کا منکر دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو وہ اولیاء کرام کی کرامات کی تصدیق کرتا ہے یا نہیں۔

اگر منکرِ کرامات ہے تو اس کے ساتھ بحث نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اس چیز کا منکر ہے جو واضح دلائل کے ساتھ سنت سے ثابت ہے اور اگر پہلی بات ہے (یعنی کرامات کو مانتا ہے) تو یہ بھی اس کی کرامت ہے کیونکہ اولیاء کرام کے لئے خلافِ عادت اوپر اور نیچے کے تمام جہانوں میں متعدد واقعات منکشف ہوتے ہیں اور اس کی تصدیق بھی پائی جاتی ہے۔

شیخ ابن ابی المنصور نے اپنے رسالے میں فرمایا "اور کہا جاتا ہے کہ شیخ ابوالعباس قسطلانی رحمہ اللہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا اے احمد (قسطلانی) اللہ تعالیٰ نے تیری مدد کی ہے"۔

حضرت شیخ ابوالسعود رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں مصر میں اپنے شیخ ابوالعباس اور دیگر بزرگوں کی زیارت کرتا تھا پس جب میں ادھر سے منقطع ہو کر مشغول ہو گیا اور مجھ پر (دروازے) کھل گئے تو اب میرے شیخ صرف نبی اکرم ﷺ تھے اور آپ ہر نماز کے بعد مجھ سے مصافحہ فرماتے تھے۔

شیخ ابوالعباس الحراز رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

میں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اولیاء کرام کے لئے منشور لکھنے کا حکم دے رہے تھے۔ فرماتے ہیں آپ نے (آپ کے حکم سے) میرے بھائی محمد رحمہ اللہ کے لئے بھی منشور لکھوایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ میرے بھائی کی طرح میرے لئے نہیں لکھتے؟ آپ نے فرمایا تم "فمھار" بننا چاہتے ہو اور یہ لفظ اندلس کی لغت میں ہے۔ جس کا معنیٰ راستہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان کا کوئی اور مقام ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ نے "المنقذ من الضلال میں" لکھا کہ وہ (اربابِ قلوب) بیداری کی حالت میں فرشتوں اور ارواح انبیاء کو دیکھتے ہیں ان کی آواز سنتے اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔

اور میں نے "المنح الالھیہ فی مناقب السادۃ الوفائیہ میں" جو سیدی علی بن سیدی محمد وفا رحمہ اللہ کی کتاب ہے (لکھا ہوا) دیکھا کہ انہوں نے اپنا ایک مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں جب پانچ سال کا بچہ تھا تو ایک شخص سے قرآن پڑھ رہا تھا اور ان کا نام شیخ یعقوب تھا۔

ایک دن میں ان کے پاس آیا تو ایک آدمی کو دیکھا جو سورۂ والضحیٰ پڑھ رہا تھا اور اس کے پاس اس کا ایک دوست تھا اور وہ اپنے جبڑوں کو ٹیڑھا کر رہا تھا جب کہ اس کا دوست تعجب کرتے ہوئے ہنس رہا تھا۔ پس میں نے نبی اکرم ﷺ کو بیداری کی حالت میں دیکھا اور یہ خواب نہیں تھا آپ پر سفید سوتی قمیص تھی پھر میں نے وہ قمیص اپنے اوپر دیکھی تو آپ نے مجھ سے فرمایا پڑھو' میں نے آپ کے سامنے سورۂ والضحیٰ اور سورۂ "الم نشرح" پڑھی پھر آپ مجھ سے غائب ہو گئے جب میں اکیس سال کا ہوا تو میں نے وہاں صبح کی نماز کے لئے تکبیر تحریمہ کہی تو نبی اکرم ﷺ کو اپنے سامنے دیکھا آپ نے مجھ سے معانقہ کیا اور فرمایا:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ○ اور اپنے رب کی نعمت کا اظہار کیجئے۔

(الضحیٰ: ۱۰)

تو اس وقت سے مجھے آپ کی زبان مبارک دی گئی (یعنی میں بہت جامع کثیر المعانی کلام کرتا ہوں)۔

شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ نے "لطائف المنن میں" حضرت شیخ ابوالعباس المرسی سے نقل کیا کہ وہ سترہ رمضان المبارک کو جمعۃ المبارک کی رات قیروان میں حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ کے ساتھ تھے اور ان کے ساتھ جامع مسجد میں گئے (پورا واقعہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں)۔

میں نے رسول اکرم ﷺ کی زیارت کی اور آپ فرما رہے تھے اے علی! اپنے کپڑوں کو میل سے پاک رکھو تم پر ہر سانس میں اللہ تعالیٰ کی مدد اترے گی۔ تو ہوسکتا ہے یہ خواب کی بات ہو۔

اسی طرح شیخ قطب الدین القسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں مدینہ طیبہ میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن عمر بن یوسف قرطبی کے پاس پڑھتا تھا ایک دن ان کی علیحدگی میں، میں ان کے پاس آیا اور اس وقت میں نوعمر تھا وہ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا تمہیں کس نے یہ طریقہ سکھایا ہے؟ گویا انہوں نے میرے اس آنے کو پسند نہ فرمایا فرماتے ہیں میں واپس چلا گیا لیکن میں آزردہ خاطر تھا میں مسجد میں داخل ہوا اور رسول اکرم ﷺ کی قبر شریف کے پاس بیٹھ گیا میں اسی حالت میں بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے دیکھا کہ میرے شیخ تشریف لائے اور فرمایا اٹھو تیرے لئے ایسی شخصیت نے سفارش کی ہے جس کو رد نہیں کیا جاسکتا (اور وہ حضور علیہ السلام تھے)۔

اسی قسم کا واقعہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ نے "عوارف المعارف میں" حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں میں نے شادی نہ کی حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا شادی کرلو۔

حضرت سید نور الدین الایجی جو سید عفیف الدین کے والد ہیں ان سے منقول ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے دوران قبر انور کے اندر سے سلام کا جواب سنا کہ آپ نے فرمایا "اے میرے بیٹے وعلیک السلام"۔

حضرت بدر حسن بن اہدل نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے حوالے سے فرمایا کہ اولیاء کرام کے لئے یہ اعزاز تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور اس سے یقین مضبوط ہوا اور شک دور ہوگیا اور جس واقع کے بارے میں ان بزرگوں کی خبریں تواتر سے ثابت ہوں اس میں کسی قسم کا شبہ باقی نہیں رہتا لیکن ان پر بعض اوقات ایسی حالت طاری ہوتی ہے جو احاطہ تحریر میں نہیں آسکتی اس بنیاد پر یہ رؤیت محسوس نہیں ہوتی اور آنکھیں بند ہوتی ہیں اور اس سلسلے میں ان کے مراتب مختلف ہیں اور اس سلسلے میں راویوں سے بہت غلطی ہوئی اور بہت کم صحیح متصل روایت ایسے شخص سے ملے گی جس پر اعتماد کیا جاسکے اور جس پر اعتماد نہیں ہوتا بعض اوقات اس کو جھوٹا قرار دیا جاتا ہے بعض اوقات وہ خواب میں، یا احساس کے بغیر دیکھتا ہے اور اس کو بیداری خیال کرتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات وہ نور اور خیال کو رسول ﷺ کی ذات خیال کرتا ہے اور بعض اوقات شیطان اس پر خلط ملط کردیتا ہے لہٰذا اس بات میں احتیاط واجب ہے۔

خلاصۂ کلام

نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ کو سر کی آنکھوں سے بیداری کی حالت میں دیکھنے کو عقل صحیح قرار نہیں دیتی کیونکہ اس سے آپ کا قبر انور سے باہر نکلنا، بازاروں میں چلنا، لوگوں سے مخاطب ہونا اور لوگوں کا آپ سے مخاطب ہونا نیز قبر شریف کا آپ کے جسم اقدس سے خالی ہونا لازم آتا ہے اور اس طرح آپ کے جسم اقدس سے کچھ بھی قبر میں باقی نہ

رہے گا اور یوں محض قبر کی زیارت ہوگی اور غائب کو سلام ہوگا۔

یہ بات امام قرطبی نے اس شخص کے رد میں کہی ہے جو کہتا ہے کہ آپ کو خواب میں دیکھنے والا حقیقت کو دیکھتا ہے پھر اسی طرح بیداری میں بھی آپ کو حقیقتاً دیکھتا ہے۔

انہوں نے فرمایا یہ جہالت کی باتیں ہیں جس آدمی کے پاس تھوڑی سی عقل بھی ہو وہ اس قسم کی بات نہیں کرتا اور اس میں سے کسی بات کا التزام کرنے والے کی عقل میں خلل ہے۔

قاضی ابوبکر بن عربی رحمہ اللہ نے فرمایا بعض صالحین نے الگ راہ اختیار کرتے ہوئے یہ گمان کیا کہ یہ زیارت حقیقتاً سر کی آنکھوں سے ہوتی ہے اور ''فتح الباری میں'' ابن ابی جمرہ کا کلام نقل کرنے کے بعد فرمایا یہ بہت مشکل بات ہے اور اگر اس کو ظاہر پر محمول کیا جائے تو یہ لوگ صحابی بن جائیں اور قیامت تک آپ کی صحبت باقی رہے۔

شیخ مسلم اور مسلمیہ طائفہ کے شیخ نے فرمایا:

فمن یدعی فی ھذہ الدار انہ یری المصطفی حقا فقد فاہ مشتطا
ولکن بین النوم والیقظۃ التی یباشر ھذا الامر مرتبۃ وسطا

''بنی نوع انسان میں سے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ سچ مچ نبی کریم ﷺ کو دیکھتا ہے تو اس نے مبالغہ کیا' لیکن ان کی زیارت تو نیند اور بیداری کے درمیان ہوتی ہے''۔

تو قاضی ابوبکر بن عربی نے اس قول کو کہ خواب میں سر کی آنکھوں سے زیارت ہوتی ہے' زیادتی اور حماقت قرار دیا پھر وہ بات نقل کی جو بعض متکلمین کی طرف منسوب ہے یعنی دل کی آنکھوں سے زیارت ہوتی ہے اور یہ ایک قسم کا مجاز ہے۔

پس خواص جو ارباب قلوب ہیں اور مراقبہ نیز خوف کی حالت میں رہتے ہیں ان کے لئے یہ بات ممتنع نہیں ہے کہ ان کے لئے جو کرامات واقع ہوتی ہیں وہ ان سے سکون حاصل نہیں کرتے چہ جائیکہ کسی ضرورت کے بغیر اسے بیان کیا جائے حالانکہ وہ لوگ ایسی باتوں سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرتے تھے جو ان کی حالت کو میلا کر دیں اور وہ دنیا اور دنیا والوں سے اعراض کرتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ وہ اپنے اہل و مال سے نکل جائیں۔

اور وہ نبی اکرم ﷺ کو دیکھتے تھے جس طرح حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے دل میں نبی اکرم ﷺ کی مثالی صورت آئی اور وہ باطنی عالم میں آپ سے ہمکلامی کا تصور کرتے تھے لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ کسی قسم کا اضطراب نہ ہو بلکہ قرار ہو اگر اضطراب وغیرہ ہو تو شیطانی عمل ہے اور یہ بات ان کے بلند منصب میں خرابی کا باعث نہیں کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی معصوم نہیں ہے۔

علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ نے ''جمع الجوامع میں'' لکھا اور ان سے پہلے دوسرے حضرات نے لکھا ہے کہ الھام حجت نہیں ہے کیونکہ جو لوگ معصوم نہیں ہیں ان کے دلوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا پس اس وقت جن لوگوں نے یہ کہا کہ جو کچھ دیکھا جاتا ہے وہ مثال ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اس کو اس معنیٰ پر محمول کرنا منع نہیں بلکہ جن لوگوں نے اس معنیٰ پر محمول کیا ہے تو انہوں نے مناسب راہ اختیار کی ہے نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی اس کے قریب ہے آپ نے فرمایا:

انی رایت الجنة والنار. ۱ میں نے جنت اور دوزخ کو دیکھا۔

اور یہ کہنا بعید از عقل ہے کہ اس دیکھنے سے علم مراد ہے۔

حضرت شیخ ابوالعباس مرسی رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر رسول اکرم ﷺ میری نگاہوں سے پلک جھپکنے کے برابر بھی اوجھل ہوں تو میں اپنے آپ کو مسلمان شمار نہ کروں۔ ۲

اس بنیاد پر "عنقریب وہ مجھے بیداری کی حالت میں دیکھے گا" کا مطلب یہ ہے کہ میرے مشاہدہ کا تصور کرے گا اور اپنے آپ کو میرے ساتھ حاضر سمجھے گا کہ وہ آپ کی سنت اور آداب سے باہر نہیں جائے گا بلکہ آپ کے راستے اور شریعت وطریقت پر چلے گا۔ نبی اکرم ﷺ کا احسان کے حوالے سے یہ ارشاد گرامی اسی مفہوم کو واضح کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا:

ان تعبد الله كانك تراه. اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۔۴۷۷۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۔۷۔۸، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۳، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۴، سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۔۶، مسند احمد ج ۱ص ۲۷۔ص ۵۲۔ج ۳ص ۱۰۷۔۲۸۵۔ج ۵ص ۳)

اور "من رانی" (جس نے مجھے دیکھا) کے عموم کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اس سے وہ تمام لوگ مراد ہیں جن کو توفیق دی گئی اور بعض قابل اعتماد حضرات کا یہ قول اسی بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جس نے مجھے اس طرح دیکھا کہ وہ حرمت کی تعظیم کرنے والا اور میرے مشاہدہ کا شوق رکھنے والا ہے وہ اپنے محبوب کو دیکھ لے گا اور ہر مطلوب کو پائے گا۔

شارحِ مصابیح کا یہ قول اس بات کے قریب ہے کہ انہوں نے فرمایا "یا وہ آپ کو دنیا میں حالتِ ذوق اور جسمانی آلائش سے پاک ہونے کی صورت میں دیکھے گا۔ جس طرح بعض صالحین سے منقول ہے کہ انہوں نے حالتِ ذوق وشوق میں آپ کی زیارت کی"۔

الاھدل نے حضرت شیخ ابوالعباس مرسی رحمہ اللہ کی حکایت کے بعد فرمایا کہ یہ مجاز ہے جو شیوخ کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ مراد یہ ہے کہ وہ آپ سے غفلت اور نسیان کے پردے میں نہیں ہوتے کیونکہ وہ ہمیشہ مراقبہ میں رہتے اور اعمال واقوال کو سامنے رکھتے ہیں اور یہ بات منقول نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی روح ملک سے وہ پلک جھپکنے کے برابر پردے میں نہ رہے ہوں کیونکہ یہ بات محال ہے۔ واللہ اعلم

رسول اکرم ﷺ کا اسم گرامی اپنانا

نبی اکرم ﷺ کا ایک اختصاص یہ ہے کہ جس بچے کا نام آپ کے مبارک نام پر رکھا جائے وہ بابرکت ہوتا ہے۔ اور یہ اسم گرامی اسے دنیا اور آخرت میں نفع دیتا ہے۔

---

۱ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "مامن شی لم اکن رائیة الا رائیه فی مقامی هذا حتی الجنة والنار" کوئی ایسی چیز نہیں جس کو میں نے پہلے نہ دیکھا مگر میں نے اس مقام پر اس کو دیکھ لیا حتیٰ کہ جنت اور جہنم کو بھی۔ اسی حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے صلوٰۃ الکسوف میں نقل کیا۔ (زرقانی ج ۵ص ۳۰۰)

۲ ان کی مراد یہ ہے کہ میں کامل مؤمن نہیں رہوں گا کیوں کہ یہ حجاب میری کوتاہی پر دلالت کرتا ہے۔ (زرقانی ج ۵ص ۳۰۰)

ہم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ دو بندوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا پھر ان کو جنت میں لے جانے کا حکم ہو گا وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہم جنت کے مستحق کیسے ہو گئے جب کہ ہم نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس کی وجہ سے تو ہمیں جنت کی صورت میں بدلہ دے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ میں نے اپنے نفس پر قسم کھائی ہے کہ میں اس شخص کو جہنم میں داخل نہیں کروں گا جس کا نام احمد یا محمد ہو گا۔[1] (الموضوعات ج ۱ ص ۱۵۷' تنزیہ الشریعہ ج ۱ ص ۱۷۳' اللالی المصنوعہ ج ۱ ص ۵۵)

ابو نعیم نے نبیط بن شریط رحمہ اللہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ لَا عذبت اَحَدًا تَسمی بِاسمِکَ فِی النَّارِ. مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم میں کسی ایسے شخص کو جہنم میں عذاب نہیں دوں گا جس کا نام آپ کے نام پر رکھا گیا ہو۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو دستر خوان بچھایا جائے پس اس پر وہ آدمی آئے جس کا نام احمد یا محمد ہو مگر اللہ تعالیٰ اس گھر کو ہر دن میں دو مرتبہ پاک کرتا ہے۔ یہ حدیث ابو منصور دیلمی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے۔

اور کسی شخص کے لئے آپ کی کنیت "ابوالقاسم" اپنانا جائز نہیں ہے اس کا نام محمد ہو یا نہ ہو؟

ان میں سے بعض نے (اسم گرامی اور کنیت کو) جمع کرنا جائز قرار نہیں دیا البتہ الگ الگ اپنانے کو جائز قرار دیا اور یہ بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کئی مذاہب ہیں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ مطلقاً منع کرتے ہیں امام مالک رحمہ اللہ نے جائز قرار دیا اور تیسرا قول یہ ہے کہ جس کا نام محمد نہ ہو اس کے لئے یہ کنیت جائز ہے اور جنہوں نے مطلقاً جائز قرار دیا انہوں نے ممانعت کو آپ کی حیاتِ طیبہ سے خاص کیا ہے اور یہی بات زیادہ قریب ہے۔

حدیث شریف پڑھنے سے متعلق خصائص

رسول اکرم ﷺ کی حدیث شریف پڑھنے کے لئے غسل کرنا اور خوشبو لگانا مستحب ہے نیز اس وقت آواز بلند نہ کی جائے بلکہ پست آواز رکھے جس طرح آپ کی حیات طیبہ میں گفتگو کے وقت حکم تھا کیونکہ جو کلام آپ سے منقول ہے آپ کے وصال کے بعد اس کا مقام و مرتبہ اسی طرح ہے جیسے آپ کی زبان مبارک سے سنے جانے والے الفاظ کا ہے نیز حدیث شریف کسی بلند مقام پر پڑھی جائے۔

حضرت مطرف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب لوگ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے پاس حاضر ہوتے تو ایک لونڈی ان لوگوں کے پاس آ کر کہتی حضرت شیخ تم سے پوچھتے ہیں کہ تم حدیث پڑھنا (یا سننا) چاہتے ہو یا مسائل معلوم کرنا چاہتے ہو؟

اگر وہ کہتے ہیں کہ ہم مسائل جاننا چاہتے ہیں تو آپ اسی وقت ان کے پاس تشریف لاتے اور اگر وہ کہتے کہ حدیث شریف سننا چاہتے ہیں تو آپ غسل خانے میں تشریف لے جاتے' غسل فرماتے' خوشبو لگاتے نئے کپڑے پہنتے' عمامہ شریف باندھتے اور اوپر چادر لیتے اور آپ کے لئے کوئی بلند چیز (کرسی وغیرہ) بچھائی جاتی پس آپ تشریف لاتے اور

[1] حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس شخص کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو پس وہ اس کا نام محمد رکھے وہ میری محبت میں اور میرے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے ایسا کرے تو وہ اور اس کا بچہ جنت میں جائیں گے۔

اس پر بیٹھتے اور آپ پر خشوع طاری ہوتا اور اگر بتیاں مسلسل جلائی جاتیں حتیٰ کہ آپ حدیثِ رسول ﷺ سے فارغ ہو جاتے اور اس مسند پر صرف حدیث شریف بیان کرتے وقت تشریف فرما ہوتے۔

حضرت ابن ابی ادریس رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان سے اس سلسلے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ رسول اکرم ﷺ کی حدیث کی تعظیم کروں اور جس قدر ممکن ہو طہارت کی حالت میں بیان کروں اور کہا جاتا ہے کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے یہ طریقہ حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے لیا تھا۔

حضرت قتادہ' حضرت مالک اور ایک جماعت (رحمہم اللہ) نے وضو کے بغیر حدیث شریف بیان کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ حضرت اعمش رحمہ اللہ باوضو نہ ہوتے تو تیمّم کر لیتے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی حرمت و تعظیم اور توقیر آپ کے وصال کے بعد' آپ کے ذکر کے وقت اور آپ کی حدیث سننے اور سنانے کے وقت نیز آپ کے اسم گرامی اور سیرت طیبہ کا ذکر کرتے وقت اسی طرح ہے جس طرح آپ کی زندگی میں تھی۔

آپ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کی حدیث شریف والے کے لئے مکروہ ہے کہ کسی کے لئے اٹھے۔

حضرت ابن حاج رحمہ اللہ نے ''المدخل میں'' اس کی وجہ یوں بیان فرمایا کہ اس طرح نبی اکرم ﷺ کے احترام میں کمی آتی ہے اور گویا اس بات کی پرواہ نہیں کی جاتی کہ کسی دوسرے کے لئے آپ کی حدیث کو منقطع کیا جائے پس کھڑا ہونا کیسے جائز ہوگا پہلے بزرگ نہ تو حدیث شریف کو ترک کرتے اور نہ حرکت کرتے اگرچہ ان کے بدنوں میں کوئی تکلیف پہنچے وہ اس مشقت کو برداشت کر لیتے تھے جو ان پر نازل ہوتی کیونکہ وہ اس وقت نبی اکرم ﷺ کی حدیث کا احترام کرتے تھے۔

اس سلسلے میں حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا واقعہ تمہارے لئے کافی ہے کہ آپ کو بچھو نے سترہ مرتبہ ڈنگ مارا لیکن آپ نے حرکت نہ کی اور آپ نے نبی اکرم ﷺ کی حدیث شریف کی عظمت کے پیش نظر کہ کسی مصیبت کی خاطر جو ان کو پہنچے وہ حدیث شریف پڑھتے ہوئے کیسے حرکت کریں؟ آپ نے اس کے ڈسنے کو برداشت کر لیا حالانکہ آپ کے لئے حرکت کا عذر پایا جاتا تھا تو کسی کے آنے پر کھڑا ہونا اور حرکت کرنا کیسے جائز ہوگا کیوں کہ یہاں ضرورت بھی نہیں بلکہ ایک بدعت ہے خصوصاً جب اس میں عام غیر مناسب گفتگو بھی شامل ہو۔

یہ بھی آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ کی حدیث شریف پڑھنے والوں کے چہرے تروتازہ ہوتے ہیں اور ان کو حفاظ حدیث کا لقب دیا جاتا ہے نیز دیگر علماء کے درمیان وہ مؤمنوں کے امیر کہلاتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی مجلس سے متعلق خصائص

آپ کے خصائص میں سے ہے کہ جو شخص ایک لحظہ کے لئے بھی آپ کے ساتھ رہے اس کے لئے صحابیت ثابت ہو جاتی ہے۔ جب کوئی شخص کسی صحابی کے ساتھ طویل عرصہ تک نہ رہے وہ تابعی نہیں ہو سکتا۔ اہل اصول کے نزدیک یہی بات صحیح ہے۔ اور فرق یہ ہے کہ آپ کو نبوت کا عظیم منصب اور نور حاصل ہے پس آپ کی نگاہ کسی سخت اعرابی پر پڑ جاتی تو وہ حکمت بھری گفتگو کرنے لگتا۔

ان خصائص میں سے ہے کہ آپ کے تمام صحابہ کرام عادل تھے (فاسق نہ تھے) کتاب وسنت کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے پس ان کی عدالت کے بارے میں کوئی بحث نہیں کی جاتی ہے جس طرح دوسرے راویوں کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے وہاں موجود حضرات سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا. اسی طرح ہم نے تمہیں درمیانی (بہترین) امت بنایا۔

یعنی عدل والے بنایا۔ اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لاتسبوا اصحابی فو الذی نفسی بیدہ لو انفق احدکم مثل احد ذھبا ما بلغ مد احدھم ولا نصیفہ. میرے صحابہ کرام کو گالی نہ دو پس اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی ایک احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو ان (صحابہ کرام) میں سے کسی ایک کے ایک سیر بلکہ نصف کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۶۵۸، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۶۱، المستدرک رقم الحدیث: ۴۷۸۔۴۷۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۱۷۵، الدر المنثور ج ۶ ص ۱۷۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۴۶۳)

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم. بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں پھر وہ جو ان سے ملے ہوئے ہیں پھر وہ جو ان سے ملے ہوئے ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۲، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۵۹۔۵۲۲۱، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۵۲۔۳۶۵۱۔۶۴۲۹، مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۸۔۴۳۴، السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۲۲، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۹۔ص ۲۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۱۷۶۔۱۷۷، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۷۶۷، موارد الظمآن رقم الحدیث: ۲۲۸۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۴۴۹۔۳۲۴۹۵۔۳۲۴۵۱)

بے شمار آیات اور احادیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عادل ہونے کا تقاضا کرتی ہیں۔

اسی لئے قابل اعتماد لوگوں (اہل سنت و جماعت) کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان میں سے جو کسی فتنہ میں مبتلا ہوئے اور جو نہیں ہوئے عدل میں سب برابر ہیں کیونکہ ان کے بارے میں حسن ظن واجب ہے اور جو کچھ ہوا وہ اجتہاد پر محمول ہے اور اس بات کو دیکھا جائے کہ ان لوگوں نے نبی اکرم کے احکام کی تعمیل کی، ممالک فتح کئے، نبی اکرم ﷺ کی نیابت میں کتاب وسنت کی تبلیغ کی اور لوگوں کی رہنمائی کی وہ نمازوں اور زکوٰۃ اور طرح طرح کی عبادات کے پابند تھے پھر شجاعت، تقویٰ، کرم اور اخلاق حمیدہ کا سہرا ان کے سروں پر سجا اور یہ باتیں پہلی امتوں میں نہیں تھیں اور نہ بعد والے لوگوں کو حاصل ہوئیں اور یہ سب کچھ نگاہ مصطفیٰ ﷺ کا فیض (اور صدقہ) ہے۔

اہلِ سنت کے نزدیک سب سے افضل صحابی حضرت ابوبکر صدیق پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں اس پر اجماع ہے اور جمہور کے نزدیک ان کے بعد حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما ہیں۔ مزید تفصیل ساتویں مقصد میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

رسول اکرم ﷺ کے بلانے پر حاضر ہونا چاہیے جب نماز میں ہو

آپ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ نمازی نماز میں آپ کو مخاطب کر کے "السلام علیک ایھا النبی" کہتا ہے جب کہ کسی دوسرے کو مخاطب نہیں کر سکتا۔

یہ خصوصیت بھی ہے کہ کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور آپ اسے بلائیں تو اس پر واجب ہے کہ وہ حاضر ہو اس پر حضرت ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہما کی حدیث دلالت کرتی ہے وہ فرماتے ہیں۔

میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے بلایا میں حاضر نہ ہوا۔اس میں یہ ہے کہ بعد میں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا:

اِسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاكُمۡ لِمَا یُحۡیِیۡكُمۡ ۚ (الانفال:۲۴) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ جب وہ تمہیں اس بات کی طرف بلائیں جو تمہاری زندگی کا باعث ہے۔

تو آپ کے حکم پر حاضر ہونا فرض ہے اور اسے ترک کرنے والا گناہ گار ہوتا ہے۔[1]

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۶۴۷۔۴۷۰۳۔۴۴۷۴ سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۴۵۸ سنن نسائی ج ۲ ص ۱۳۹ المستدرک ج ۱ ص ۵۵۸ السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۶۸۔ ج ۷ ص ۶۴ الدر المنثور ج ۱ ص ۴ مشکل الآثار ج ۱ ص ۴۶۷۔ ج ۲ ص ۷۷ موضح اوہام الجمع والتفریق ج ۱ ص ۲۱۹)

سوال: تو کیا اس صورت میں نماز ٹوٹ جاتی ہے؟

جواب: ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والوں) اور دوسرے حضرات نے واضح طور پر فرمایا کہ اس شخص کی نماز نہیں ٹوٹتی اور اس میں بحث ہے ہو سکتا ہے آپ کو جواب دینا مطلقاً واجب ہو جائے مخاطب نماز پڑھ رہا ہو یا نہ لیکن جہاں تک نماز سے خارج ہونے یا نہ ہونے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں حدیث میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے نماز کے ٹوٹنے کا لزوم ثابت ہوتا ہو۔

پس اس کا بھی احتمال ہے کہ اس کا حاضر ہونا واجب ہے اگرچہ وہ نماز سے خارج ہوتا ہو بعض شافعی حضرات اسی طرف گئے ہیں۔(احناف کا بھی یہی مذہب ہے کہ نماز نہیں ٹوٹتی۔۱۲ ہزاروی)۔[2]

آپ پر جھوٹ باندھنا

آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ پر جھوٹ باندھنا دوسروں پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں ہے (بڑا جرم ہے) پس جو شخص آپ پر جھوٹ باندھے اس کی روایت کبھی بھی قبول نہ ہوگی اگرچہ توبہ کرے محدثین کی ایک جماعت نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

---

[1] حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے حضور علیہ السلام نے انہیں پکارا انہوں نے جلدی جلدی نماز مکمل کر کے سلام عرض کیا حضور علیہ السلام نے فرمایا تمہیں جواب دینے سے کیا بات مانع ہوئی عرض کیا حضور! میں نماز میں تھا آپ نے فرمایا قرآن میں یہ نہ پایا کہ اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ عرض کیا بے شک آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔(خزائن العرفان حاشیہ ترجمہ کنز الایمان الانفال:۲۴)

[2] قاضی ثناء اللہ مظہری رحمہ اللہ حنفی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے بلانے پر حاضر ہونے سے نماز نہیں ٹوٹتی وہ فرماتے ہیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی امر کے لئے بلائیں جس میں تاخیر نہیں ہو سکتی تو نمازی نماز توڑ کر جائے لیکن پہلی بات زیادہ ظاہر ہے کیونکہ نماز کو توڑنا ہر ایسے دینی کام کے لئے جائز ہے جس میں تاخیر سے اس کے فوت ہونے کا ڈر ہو جیسا کہ اندھے کا کنویں میں گرنا وغیرہ۔(تفسیر مظہری ج ۴ ص ۴۶)

حضرت عبدالرزاق فرماتے ہیں ہمیں حضرت معمر نے ایک شخص سے روایت کرتے ہوئے خبر دی وہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے جھوٹی بات منسوب کی تو آپ نے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو بھیجا اور فرمایا جاؤ اور اگر اس کو پاؤ تو قتل کر دو۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۷۷)

اسی لئے حضرت امام الحرمین نے اپنے والد سے روایت کیا کہ جو شخص جان بوجھ کر رسول اکرم ﷺ پر جھوٹ باندھتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

لیکن کسی امام نے ان کی موافقت نہیں کی اور حق یہ ہے کہ یہ بہت بری بات اور گناہ کبیرہ ہے لیکن کافر نہیں ہو گا جب تک اس کام کو حلال نہ جانے۔ حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اصل مسئلہ میں مجھے ان سے کوئی دلیل نہیں ملی اور ہو سکتا ہے انہوں نے سختی اور تنبیہ کے طور پر کہا ہو اور سخت جھڑک مقصود ہو تا کہ کوئی شخص حضور علیہ السلام کے حوالے سے جھوٹی بات نہ کہے کیونکہ اس کی بے شمار خرابیاں ہیں۔

کیونکہ اس سے ایک راستہ کھل جاتا ہے جو قیامت تک جاری رہے گا جب کہ دوسروں کے خلاف جھوٹ باندھنا یا جھوٹی گواہی دینا زیادہ فساد کا باعث نہیں۔

پھر فرمایا یہ بات جو ان ائمہ نے ذکر کی ہے ضعیف اور قواعد شرعیہ کے خلاف ہے اور مختار قطعی بات یہ ہے کہ ایسے شخص کی توبہ صحیح ہے اور اس کے بعد جب شرائط معروفہ کے ساتھ اس کی توبہ صحیح ہو جائے تو اس کی روایت قبول ہو گی۔ فرمایا یہ بات قواعد شرعیہ کے مطابق جاری ہوتی ہے اور علماء کرام کا اجماع ہے کہ جب کوئی کافر اسلام قبول کر لے تو اس کی روایت صحیح ہوتی ہے اسی طرح اس کی شہادت کی قبولیت پر بھی اجماع ہے اور اس سلسلے میں شہادت و روایت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

ہمارے شیخ فرماتے ہیں ممکن ہے یوں کہا جائے کہ جب کوئی جھوٹی حدیث گھڑے اور وہ اس سے منقول ہو کر مدون ہو جائے تو یہ گناہ اس سے جدا نہیں ہو گا بلکہ اس پر ہمیشہ جاری رہے گا کیونکہ جس نے برا عمل جاری کیا اس پر اس (جاری کرنے) کا گناہ بھی ہوتا ہے اور قیامت تک جو بھی اس پر عمل کرے گا ان کا گناہ بھی اس پر ہو گا اور اس وقت توبہ متعذر ہے اگرچہ محض اس کا نام پایا جائے۔

گناہوں اور جنون سے عصمت

آپ کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ آپ تمام صغیرہ کبیرہ، جان بوجھ کر یا بھول کر سب گناہوں سے معصوم تھے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کا بھی یہی معاملہ ہے۔

ایک بات یہ ہے کہ آپ پر جنون کا وارد ہونا جائز نہیں کیونکہ یہ ایک عیب ہے اسی طرح آپ طویل عرصہ تک بیہوشی سے بھی پاک تھے۔ یہ بات شیخ ابو حامد نے ''اپنی تعلیق میں'' ذکر کی اور بلقینی نے ''الروضہ کے'' حواشی میں اس پر اعتماد کیا اور باقی انبیاء کرام کا بھی یہی معاملہ ہے۔

اور امام سبکی رحمہ اللہ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ انبیاء کرام کی بیہوشی دوسروں کی بیہوشی سے مختلف تھی اور یہ حواس ظاہرہ پر غلبہ کرتی ہے دل پر نہیں کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی تھیں دل نہیں سوتے تھے۔ پس جب ان کے دل محفوظ ہو گئے اور وہ نیند سے بچا لئے گئے جو بیہوشی سے ہلکی ہے تو بیہوشی سے ان کا معصوم ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہوا۔

حضرت امام سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں انبیاء کرام کا نابینا ہونا بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ ایک نقص ہے اور کوئی نبی کبھی نابینا نہیں ہوا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ ذکر کیا گیا کہ آپ نابینا تھے تو یہ بات ثابت نہیں اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں پر پردہ آ گیا تھا جو زائل ہو گیا۔

امام رازی رحمہ اللہ نے ارشادِ خداوندی ''وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم (یوسف:۸۴) اور آپ کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور آپ اندر ہی اندر غصہ کھا رہے تھے (غمگین تھے)''۔ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب آپ نے کہا: یا اسفی علی یوسف۔ ہائے یوسف پر افسوس۔ تو آپ پر رونے کا غلبہ ہو گیا اور جب رونا زیادہ ہو جائے تو آنکھوں میں پانی زیادہ ہو جاتا ہے اور اس پانی کی سفیدی کی وجہ سے آنکھیں سفید معلوم ہوتی ہیں۔

لہٰذا آنکھوں کی سفیدی سے رونے کا غلبہ مراد ہو گا اور اس قول کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ زیادہ رونے کی صورت میں غم کی تاثیر ہوتی ہے اندھے پن میں نہیں پس جب سفیدی کو رونے کی زیادتی پر محمول کریں تو یہ اچھی تعلیل ہے اور اگر اندھے پن پر محمول کریں تو اچھی تعلیل نہیں لہٰذا جو کچھ ہم نے ذکر کیا وہ زیادہ بہتر ہے۔

پھر فرمایا اس سلسلے میں اختلاف ہے بعض حضرات نے کہا کہ آپ کی بینائی بالکل چلی گئی تھی پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی وقت بینائی عطا فرما دی اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ زیادہ رونے اور غم کی وجہ سے بینائی کمزور ہو گئی تھی کہ آپ کو کم نظر آتا تھا پس جب انہوں نے (حضرت یوسف علیہ السلام کی) قمیص آپ کے چہرے پر ڈالی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے زندہ ہونے کی خوشخبری دی تو آپ بہت خوش ہوئے اور سینہ کھل گیا اور غم دور ہو گیا پس اس وقت آپ کی بینائی میں قوت آ گئی اور نقصان زائل ہو گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے کا حکم

آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جو شخص آپ کو گالی دے یا توہین کرے اسے قتل کیا جائے۔

لیکن اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ اسے اسی وقت قتل کیا جائے یا توبہ کا موقع دیا جائے اور کیا توبہ واجب ہے یا نہ؟

مالکی مذہب کے مطابق اسے بطور حد قتل کیا جائے بطور مرتد نہیں اور اگر وہ دعویٰ کرے کہ یہ حرکت اس سے بھول کر یا غلطی سے ہوئی ہے تو اس کی توبہ اور عذر قبول نہ کیا جائے ان کے شیخ علامہ خلیل کی عبارت ان کی مختصر (کتاب) میں یوں ہے۔

''جو شخص کسی نبی یا فرشتے کو گالی دے یا توہین کرے یا لعنت بھیجے یا عیب لگائے یا الزام لگائے یا ان کے حق کو معمولی سمجھے یا کسی صفت کو بدلے یا ان کی ذات یا دین یا خصلت میں کوئی نقص نکالے یا ان کے مرتبہ، علم، زہد و تقویٰ وغیرہ کو کم کرنے کی کوشش کرے یا وہ بات نبی کی طرف منسوب کرے جو ان کے شایانِ شان نہیں یا ان کے بارے میں بطور مذمت ایسی بات کہے جو ان کے منصب کے لائق نہیں یا اس سے کہا جائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق سے، تو وہ لعنت بھیجے اور کہے میں نے بچھو کا ارادہ کیا تھا تو ایسے شخص کو بطور حد (سزا) قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے مگر یہ کہ کافر مسلمان ہو جائے''۔ [1]

---

[1] کافر جب حالت کفر میں اس قسم کے کلمات کہے اور پھر اسلام قبول کرے تو اس کو قتل نہ کیا جائے کیونکہ اسلام پہلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور مسلمان ہو کر جو توہین کرتا ہے وہ زندیق ہے اس کی توبہ قبول نہیں ہو گی اور کافر پہلے کفر پر تھا اور اب اسلام معتبر ہے۔ (زرقانی ج۵ ص۳۱۶)

توہین کرنے والے کے بارے میں اگر چہ یہ بات ظاہر ہو کہ اس نے جہالت یا نشہ یا کثرت کلام کی وجہ سے مذمت کا ارادہ نہیں کیا (کیونکہ توہین رسالت کی وجہ سے جو کفر لازم آتا ہے اس میں کوئی عذر قبول نہیں ہوتا۔

(زرقانی ج۵ص۳۱۶)(مختصر علامہ خلیل ص۲۸۴)

یہ بات قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفاء میں'' اور دوسروں نے بھی ذکر کی ہے اور انہوں نے کتاب اللہ، سنتِ رسول ﷺ اور اجماع سے استدلال کیا ہے: (الشفاء ج۲ص۲۱۳)

قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًاO

بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائی اور ان کے لئے ذلت والا عذاب تیار کیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت کا مطلب یہ ہے کہ اس نے ملعون کو اپنی رحمت سے دور کر دیا او اسے سخت عذاب کا مستحق قرار دیا۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں لعنت کا مستحق وہ شخص ہوتا ہے جو کافر ہو جائے اور کافر کا حکم یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔

اور اذیت سے شرِ خفیف مراد ہے جب زیادہ ہو تو وہ ضرر کہلاتی ہے خطابی وغیرہ نے اسی طرح کہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں اذیت کا اطلاق مجاز کے طریقے پر ہے کیونکہ اس کی ذات کے حوالے سے حقیقی معنیٰ متعذر ہے اور اس سلسلے میں حدیث قدسی شاہد ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے (جسے حدیث کے طور پر بیان کیا گیا):

یا عبادی انکم لن تبلغوا ضری فتضرونی. (صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۵)

اے میرے بندو! تم ہرگز مجھے نقصان پہنچانے تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے کہ تم مجھے نقصان پہنچاؤ۔

جب کہ رسول اکرم ﷺ کو اذیت پہنچتی ہے پس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حق میں اذیت کفر ہے۔ جس پر یہ آیت شاہد ہے کیونکہ ذلت والا عذاب کفار کے لئے ہی ہوتا ہے اسی طرح دردناک عذاب بھی۔

ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ اَبِاللّٰہِ وَ اٰیٰتِہٖ وَ رَسُوْلِہٖ کُنْتُمْ تَسْتَھْزِءُوْنَ O لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ کَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ.

آپ فرما دیجئے کیا تم اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات اور اس کے رسول (ﷺ) سے مذاق کرتے ہو بہانے نہ بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے ہو۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل تفسیر نے فرمایا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اپنے قول کی وجہ سے کافر ہو گئے۔

جہاں تک سنت سے استدلال کا تعلق ہے تو امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من لنا بابن الاشرف اور دوسری حدیث میں "من لکعب بن الاشرف" کون ہماری طرف سے کعب بن اشرف کو قتل کرے گا؟

فقد استعلن لعداوتنا و ھجائنا. اس نے ہماری دشمنی اور مذمت کو ظاہر کیا۔

اور ایک روایت میں ہے:

فانہ یوذی اللہ و رسولہ. وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت پہنچاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۱۰۔ ۳۰۳۱۔ ۳۰۳۲۔ ۴۰۳۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۶۸، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۴۰۔ ج ۹ ص ۸۱، دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۱۹۵۔ ۱۹۹، المستدرک ج ۳ ص ۴۳۴، مشکل الآثار ج ۱ ص ۶۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۸۶۸)

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کا قتل اس کی غفلت میں اعلان کے بغیر جائز قرار دیا جب کہ دوسرے مشرکین کا یہ حکم نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے آپ کو اذیت پہنچائی پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس کا قتل شرک کی وجہ سے نہیں بلکہ حضور علیہ السلام کو اذیت پہنچانے کی وجہ سے تھا۔

حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب فتح مکہ کا دن ہوا تو رسول اکرم ﷺ نے چار آدمیوں کے علاوہ سب کو امان دے دی حضرت مصعب نے ان کا ذکر کیا اور پھر فرمایا ابن ابی سرح، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس چھپ گیا جب نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو بیعت کے لئے بلایا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسے لے کر آئے اور حضور علیہ السلام کے پاس کھڑا کر دیا اور پھر عرض کیا اے اللہ کے نبی! عبداللہ بن سرح کی بیعت لیں آپ نے سر انور اٹھایا اور اس کو تین بار دیکھا اور ہر بار انکار کیا پھر تین بار کے بعد بیعت لے لی پھر صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم میں کوئی سمجھدار آدمی نہ تھا جو اس کی طرف اٹھتا جب میں نے بیعت کرنے سے ہاتھ روکا تھا اور وہ اسے قتل کر دیتا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں آپ کا ارادہ معلوم نہ ہو سکا آپ نے اشارہ کیوں نہ فرمایا؟ آپ نے فرمایا کسی نبی کے لئے جائز نہیں کہ وہ آنکھ کا اشارہ کرے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۸۳، سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۴۹۱، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۶۸)

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عبداللہ بن خطل کو قتل کرنے کا حکم دیا کیونکہ ابن خطل آپ کے خلاف اشعار کہتا تھا اور اپنی گانے والی دو لونڈیوں کو حکم دیتا کہ وہ ان اشعار کو پڑھیں اسی طرح آپ نے اس کی لونڈیوں کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا۔[1]

علماء کرام فرماتے ہیں یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے ان لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا جنہوں نے آپ کو اذیت پہنچائی اور جنہوں نے آپ کی گستاخی کی۔ نبی اکرم ﷺ کو اس بات کا حق بھی تھا اور آپ کو اختیار بھی دیا گیا تھا آپ نے قتل کرنا پسند کیا کیونکہ ہمیں ان لوگوں کی معافی کی اطلاع نہیں ہے اور امت کے لئے جائز نہیں کہ آپ کے بعد آپ کے اس حق کو

[1] ان میں سے ایک کو قتل کر دیا گیا اور دوسری مسلمان ہو گئی تھی۔ (زرقانی ج ۵ ص ۳۱۸)

ساقط کر دے اگرچہ آپ کی طرف سے اجازت کا ذکر نہیں ہے۔

جہاں تک اجماع کا تعلق ہے تو قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا۔ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص آپ کی توہین کرتا یا برا بھلا کہتا ہے اسے قتل کر دیا جائے' ابن منذر نے کہا عام اہلِ علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو گالی دینے والے شخص کو قتل کر دیا جائے یہ بات امام مالک بن انس' حضرت لیث' حضرت امام احمد اور حضرت اسحاق رحمہم اللہ نے فرمائی' حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

حضرت خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں کسی ایسے مسلمان کو نہیں جانتا جس نے ایسے شخص کے قتل میں اختلاف کیا ہو جبکہ وہ (گستاخی سے پہلے) مسلمان ہو۔

حضرت محمد بن سحنون رحمہ اللہ فرماتے ہیں علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو گالی گلوچ کرنے والا گستاخی کرنے والا کافر ہے اور اسے عذاب کی وعید بھی ہے اور امت کے نزدیک اس کو قتل کرنے کا حکم ہے اور جو آدمی اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ کافر ہے۔

شافعی مسلک یہ ہے کہ ایسا شخص مرتد ہو جاتا ہے' اسلام سے کفر کی طرف نکل جاتا ہے اور وہ قطعاً کافر ہے ہمارے جمہور ائمہ کے نزدیک اس کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں اور مرتد سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اگر توبہ کر لے تو ٹھیک ورنہ قتل کر دیا جائے۔

اس سے توبہ کا مطالبہ کرنے کے بارے میں دو قول ہیں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ واجب ہے کیونکہ اسلام کی وجہ سے وہ قابلِ احترام تھا اور اسے شبہ ہو گیا جس کا ازالہ ضروری ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے کیونکہ اس کے خون کی ضمان نہیں۔

اگر ہم پہلے والے قول کو تسلیم کریں تو اس سے فوری طور توبہ کا مطالبہ کیا جائے دوسروں کی طرح مہلت نہ دی جائے۔

صحیح حدیث میں ہے:

من بدل دینه فاقتلوه. جو شخص اپنا دین بدل لے اسے قتل کر دو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۹۲۲' جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۴۵۸' سنن نسائی ج ۷ ص ۱۰۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۵۳۵' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۴۳۵۱' مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۷۔۲۸۲۔ ج ۵ ص ۲۳۱' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۱۹۵' المستدرک ج ۳ ص ۵۳۸' المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۳۳۰' سنن دارقطنی ج ۳ ص ۱۱۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۱۳۹' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث:۹۴۱۳' نصب الرایہ ج ۳ ص ۴۰۷' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۶۱' تمہید ج ۵ ص ۳۰۴' کنز العمال رقم الحدیث:۳۸۷۔۳۹۱)

اور ایک قول کے مطابق اسے تین دن مہلت دی جائے اگر توبہ نہ کرے اور اپنے مؤقف پر ڈٹ جائے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ وہ مرد ہو یا عورت اور اگر اسلام قبول کرے تو اس کا اسلام صحیح ہو گا اور اس کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ. پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو مسلمان اللہ تعالیٰ کو یا کسی نبی کو گالی دے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو جھٹلایا اور یہ مرتد ہونا ہے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اگر توبہ کرے تو ٹھیک ہے ورنہ قتل کر دیا جائے اور جس نے

بھی عہد کیا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ یا کسی نبی علیہ السلام کو گالی دیتا ہے اس کا عہد ٹوٹ گیا' اسے قتل کر دو۔

مالکیہ کے دلائل کا جواب

ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ: بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا پہنچاتے ہیں۔

پس اس آیت میں صرف یہ بات ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو ایذا پہنچانے والا کافر ہے اسے توبہ اور اسلام کے بعد قتل کرنے کے بارے میں اس آیت میں کوئی دلالت نہیں۔

ابن خطل کو قتل کیا گیا اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا گیا کیونکہ وہ کافر تھا اور بہت زیادہ اذیت پہنچاتا تھا نیز اس میں قتل کے کئی اسباب پائے جاتے تھے اور اذیت پہنچانا اس کی عادت بن چکی تھی پس کسی دوسرے کو اس پر قیاس نہ کیا جائے جو گستاخی کرے اور ہم اسے کافر قرار دیں پھر وہ توبہ کر کے اسلام کی طرف رجوع کر لے پس فرق واضح ہے۔ اسی طرح اس کی دونوں لونڈیوں کو بھی قتل کیا گیا کیونکہ گستاخی کر کے اذیت پہنچانا ان کا وطیرہ بن گیا تھا اور وہ کافرہ بھی تھیں۔

حضرت امام بزار رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ عقبہ بن ابی معیط نے آواز دی اے قریش کی جماعت! کیا وجہ ہے کہ مجھے تمہارے درمیان باندھ کر قتل کیا جا رہا ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا' تمہارے کفر اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ پر افتراء باندھنے کی وجہ سے (قتل کیا جا رہا ہے) پس آپ نے اس کے قتل میں دو سبب ذکر فرمائے اور یہ انتہائی واضح بات ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۶ ص ۸۹' الشفاء ج ۲ ص ۴۸۹)

خطابی وغیرہ کا یہ قول کہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے گستاخ رسول کے قتل میں اختلاف کیا ہو جبکہ پہلے وہ مسلمان ہو تو یہ توبہ نہ کرنے کے ساتھ مقید ہے۔

اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس شخص کا واقعہ بیان کیا جس نے نبی اکرم ﷺ کو جھٹلایا اور آپ نے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو بھیجا کہ اسے قتل کر دیں۔

تو اس مقام پر یہ واقعہ غرض کا فائدہ نہیں دیتا کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ جھوٹ ہے اور مسلمانوں کے درمیان فتنہ پھیلانا ہے خصوصاً جب کہ وہ کافر ہو لہٰذا وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ لڑنے والوں میں سے ہوا اور زمین میں فساد کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے پس اسے قتل کرنا ضروری ہے ورنہ محض اس کا جھوٹ قتل کا باعث نہیں ہے۔

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کہ خطمہ عورت (عصماء بنت مروان یہودیہ) نے نبی اکرم ﷺ کے خلاف اشعار کہے تو آپ نے فرمایا میرے لئے کون اس کو قتل کرے گا اس کی قوم میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں اسے قتل کروں گا پس وہ اٹھا اور اسے قتل کر دیا نبی اکرم ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا:

اس میں دو بکریاں ایک دوسری کو سینگ نہیں مارتیں۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۹۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۴۹۱)

یعنی اس میں وعدہ خلافی اور جھگڑا جاری نہیں ہوتا تو اس قسم کے واقعات واضح ہیں کہ وہ لوگ کافر تھے بہت زیادہ توہین کرتے تھے اور نبی اکرم ﷺ نے خبر دی کہ اسلام کا دعویٰ کرنے کے بعد صرف اسلام ہی کسی شخص کو محفوظ رکھ سکتا تو

ان میں سے ہر ایک کا خون مباح تھا مگر ان میں سے جس کو اللہ تعالیٰ اسلام کے ذریعے بچا لے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳' دلائل النبوۃ ج ۴ص ۲۰۶' سنن سعید بن منصور رقم الحدیث: ۲۴۷۴' خصائص علی للنسائی رقم الحدیث: ۱۴' البدایہ والنہایہ ج ۴ص ۱۸۷' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۵_۳۰۱۳۰)

استدلال کے مقام پر وہی بات نفع بخش ہے جو اس مسلمان کے بارے میں ہو جو توہین رسول کی وجہ سے مرتد ہو گیا پس توبہ کر کے اسلام کی طرف لوٹ آیا ہو پس نزاع اسی بات میں اور اسی طرح کے حوالے سے استدلال ہونا چاہیے۔

اور کافر اصلی جس تک نبی اکرم ﷺ کی دعوت پہنچی اور اس نے اسے قبول نہ کیا بلکہ اپنے ہاتھ اور زبان کے ساتھ آپ کے مقابلے میں لڑائی کی تو اس میں شک نہیں کہ اس کا خون بہانا مباح ہے خصوصاً وہ کافرہ عورت جو اسلام پر عیب لگاتی تھی اور نبی اکرم ﷺ کو اذیت پہنچاتی بلکہ دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتی تھی تو اس میں قتل کے کئی اسباب جمع ہوئے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جن گستاخوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا وہ کفار کے بارے میں منقول ہے اور یہ بات منقول نہیں کہ آپ نے کسی مسلمان کو گستاخی کی وجہ سے قتل کیا ہو وہ کفر اور عناد رکھنے والے لوگ تھے اور اگر یہ بات منقول بھی ہو تو اس سزا کا بطور حد ہونا متعین نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے اسے کفر کی وجہ سے قتل کیا ہو۔ اور ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء: ۴۸)

اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے (کفر کیا جائے) اور بخش دیتا ہے اس کے علاوہ کو' جس کے لئے چاہے۔

تو ہمیں بتایا کہ شرک کے علاوہ کے لئے بخشش کا امکان ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا. (الزمر: ۵۳)

بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

اگر کہا جائے کہ یہ بات انسان کے اپنے نفس پر ظلم کرنے اور حقوق اللہ سے متعلق ہے' حقوق العباد کے حوالے سے نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں چشم پوشی ہوتی ہے لیکن بندوں کے حقوق میں یہ گنجائش نہیں ہے اور یہ بات نبی اکرم ﷺ کے حق سے متعلق ہے اور ہمیں اس سزا کو ساقط کرنے کا اختیار نہیں کیونکہ اس سلسلے میں ہمیں اجازت نہیں جبکہ نبی اکرم ﷺ خود ایسا کر سکتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر کوئی نص ہونی چاہیے مثلاً آپ نے فرمایا ہو کہ جس نے مجھے گالی دی اس کو قتل کر دو اور اس کی توبہ قبول نہ کرو اور نہ ہی اس گستاخی سے اس کا رجوع قبول کرو اگر ایسی بات منقول ہے تو ہم اس کی اتباع کریں گے

نوٹ: شرک کی معافی نہ ہونے کا تعلق مرنے کے بعد سے ہے کہ کوئی شخص شرک پر مر جائے تو اس کی معافی نہیں اگر مرنے سے پہلے توبہ کر لے تو معافی ہو جائے گی اور اس پر ہر قسم کا کفر شاہد ہے۔ ۱۲ ہزاروی

پھر مناسب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے حقوق کو اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ملایا جائے پس جس طرح اللہ تعالیٰ کے حقوق کی

بنیاد چشم پوشی پر ہے اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے حقوق کا معاملہ بھی ہے کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہیں۔[1]

رسول اکرم ﷺ کا دفاع واجب ہے

آپ کے خصائص میں اس بات کو بھی شمار کیا گیا کہ جب کوئی شخص آپ پر ظلم کا ارادہ کرے تو جو لوگ وہاں موجود ہوں وہ آپ پر اپنی جان نچھاور کر دیں یہ بات امام نووی رحمہ اللہ نے ''زیادۃ الروضہ میں'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے نقل کی ہے۔

اختیاراتِ مصطفیٰ ﷺ

آپ کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ آپ جس کے لئے چاہتے جو حکم چاہتے اس کے ساتھ خاص کر دیتے۔

جس طرح حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا۔ امام ابوداؤد نے حضرت عمارہ بن خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں اور وہ نبی اکرم ﷺ کے صحابی تھے۔

(الاعلام ج ۲ ص ۳۰۵' الاصابہ ج ۲ ص ۱۱۱)

وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا آپ نے اسے اپنے پیچھے بلایا تا کہ وہ آپ سے گھوڑے کی قیمت وصول کرے نبی اکرم ﷺ تیز تیز چل رہے تھے اور اعرابی کو دیر ہو گئی کچھ لوگوں نے اسے روک کر گھوڑے کی قیمت لگانا شروع کر دی اور ان کو معلوم نہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ گھوڑا خرید لیا ہے حتیٰ کہ انہوں نے اس کو زیادہ قیمت بتائی۔ دیہاتی کہنے لگا آپ کوئی گواہ لائیں جو اس بات کی گواہی دے کہ یہ گھوڑا میں نے آپ پر بیچا ہے مسلمانوں میں سے جو بھی آتا اسے کہتا تمہارے لئے ہلاکت نبی اکرم ﷺ حق بات کے سوا کچھ نہیں فرماتے حتیٰ کہ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انہوں نے اعرابی کے رجوع کے بارے میں سنا تو فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے یہ گھوڑا نبی کریم ﷺ پر فروخت کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو

[1] یعنی وہ صفات جو نبی اکرم ﷺ کے لائق ہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''کان خلقہ القرآن'' (نبی اکرم ﷺ کا خلق قرآن ہے)۔ لیکن وہ دلائل شرعیہ جو اس عقلی دلیل کے خلاف ہیں نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اس (معافی) کو منع کرتے ہیں (مطلب یہ کہ حضور علیہ السلام کے حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے یا آپ کے گستاخ کو معاف نہیں کیا جا سکتا) سنن نسائی میں حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک شخص نے آپ سے بدسلوکی کی تھی تو آپ نے اس کو واپس کر دیا میں نے عرض کیا اے خلیفۂ رسول! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں کیونکہ اس نے آپ کو اذیت پہنچائی ہے آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ یہ بات صرف رسول اکرم ﷺ کے لئے ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے جو عامل کوفہ پر مقرر تھے انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی گستاخی کرنے والے شخص کو قتل کرنے کے بارے میں مشورہ کیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کی طرف لکھا کسی شخص کی وجہ سے کسی دوسرے شخص کو قتل کرنا جائز نہیں البتہ جو شخص حضور علیہ السلام کو گالی دے اس کا خون حلال ہو جاتا ہے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا انبیاء کرام پر الزام تراشی کرنے والے کی سزا حدود کی طرح نہیں (بلکہ قتل ہے)۔ (زرقانی ج ۵ ص ۲۲۲)

آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے وہ آیت حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس پائی۔[1] جن کی گواہی کو رسول اکرم ﷺ نے دو گواہیوں کے برابر قرار دیا تھا۔

حضرت حارث بن ابی اسامہ اپنی مسند میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دیہاتی سے گھوڑا خریدا تو اس نے (بعد میں) انکار کر دیا' حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو فرمایا: اے اعرابی! میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے یہ گھوڑا نبی اکرم ﷺ پر بیچا ہے دیہاتی نے کہا جب حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے گواہی دے دی ہے تو آپ قیمت دے دیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اے خزیمہ! ہم نے تمہیں گواہ نہیں بنایا تھا آپ کیسے گواہی دے رہے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا میں نے آسمان کی خبر پر آپ کی تصدیق کی ہے تو اس اعرابی کی خبر پر کیسے تصدیق نہ کروں؟ چنانچہ رسول اکرم ﷺ فرمانے لگے ان کی گواہی دو آدمیوں کی گواہی کے برابر ہے پس اسلام میں حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کی گواہی دو آدمیوں کی گواہی کے برابر ہو۔

حضرت خطابی فرماتے ہیں کئی لوگوں نے اسے اپنے محل پر محمول نہیں کیا اور بعض اہل بدعت ہر اس آدمی کی شہادت کو جائز سمجھتے ہیں جو ان کے نزدیک سچائی کے ساتھ معروف ہو کہ وہ ہر دعویٰ پر گواہی دے سکتا ہے حالانکہ حدیث کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اعرابی کے خلاف فیصلہ اپنے علم کی بنیاد پر دیا اور حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو تاکید کے طور پر اور دشمن پر غلبہ کے طور پر رکھا پس ان کے علاوہ دوسرے مقدموں میں دو گواہوں کی گواہی سے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو نوحہ کی اجازت دی۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے ان سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی:

يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا. (الممتحنہ:۱۲)
وہ آپ کے دست مبارک پر بیعت کرتی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی۔

وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ.
اور نیکی کے کاموں میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔

وہ فرماتی ہیں ان کاموں میں نوحہ (پیٹنا) بھی تھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ فلاں گھر والوں نے دور جاہلیت میں میری مدد کی تھی۔ اب میرے لئے ضروری ہے کہ میں ان کی مدد کروں تو آپ نے ان کے لئے نوحہ کی اجازت دے دی۔

(اللسان ج۶ ص۲۶۲)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اس بات پر محمول ہے کہ آپ نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو خاص اس گھرانے والوں کے لئے نوحہ کی اجازت دی اور صاحب شریعت کے لئے جائز ہے کہ عمومی حکم میں سے کسی کو خاص کر دے۔

---

[1] وہ آیت کریمہ یہ ہے ''رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه''۔ علماء کرام فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت لکھی ہوئی نہیں تھی لیکن یہ حضرت خزیمہ اور دوسرے حضرات کے پاس محفوظ تھی کیونکہ قرآن مجید کا ثبوت تواتر کے ساتھ ہوتا ہے (یعنی بیان کرنے والوں کی طرح۔ اتنی زیادہ ہو کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو)۔ (زرقانی ج۵ ص۳۲۳)

ان امور میں سے ایک یہ ہے آپ نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو سوگ چھوڑنے کی اجازت دی۔ ابن سعد نے حضرت اسماء بنت عمیس سے نقل کیا کہ جب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضور علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا تین دن زینت چھوڑ دو پھر جو چاہے کرو (حالانکہ بیوہ کے لئے چار ماہ دس دن کا حکم ہے)۔

(اللسان ج ۶ ص ۳۱۸، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۷، سنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۴۸، تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۱۸۱)

اسی طرح آپ نے حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کے لئے بھیڑ کے ایسے بچے کی قربانی جائز قرار دی جس کی عمر ایک سال سے کم تھی۔ (اللسان ج ۹ ص ۴۳۲) امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے قربانی کے دن ہمیں خطبہ دیا تو فرمایا:

من صلی صلاتنا و نسک نسکنا فقد اصاب السنة ومن نسک قبل الصلاة فتلک شاة لحم.

جس نے ہمارے طریقے پر نماز پڑھی اور ہمارے طریقے پر قربانی کی اس نے سنت کو پالیا اور جس نے نماز (نمازِ عید) سے پہلے قربانی کی تو یہ محض گوشت والی بکری ہے۔

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے نماز کیلئے آنے سے پہلے قربانی کر دی ہے اور میرا خیال تھا کہ آج کھانے اور پینے کا دن ہے پس میں نے جلدی کی اور خود بھی کھایا اور گھر والوں نیز پڑوسیوں کو بھی کھلایا۔

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا یہ تو ایک گوشت والی بکری ہوئی انہوں نے عرض کیا میرے پاس بکری کا ایک بچہ ہے جو ایک سال سے کم عمر کا ہے لیکن وہ اس گوشت والی بکری سے بہتر ہے کیا میرے لئے وہ کفایت کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اور تمہارے بعد کسی کے لئے ہرگز کفایت نہیں کرے گا۔ نیار میں نون کے نیچے زیر ہے اور یاء غیر مشدد ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۰، سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۷، الضحایا رقم الحدیث: ۱۷، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۵۵)

اس حدیث میں حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کی تخصیص ہے کہ بکری کا سال سے کم عمر کا بچہ ان کے لئے بطور قربانی جائز ہے لیکن متعدد احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابو بردہ کے علاوہ کے لئے بھی جائز ہے امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا ''تمہارے بعد کسی اور کے لئے اجازت نہیں ہے''۔ امام بیہقی فرماتے ہیں اگر یہ الفاظ محفوظ ہیں تو یہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے لئے رخصت ہوگی جس طرح حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو اجازت عطا فرمائی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان دونوں کو جمع کرنا محل نظر ہے کیونکہ دونوں صیغہ عموم کے ساتھ ہیں ان میں سے جس کے لئے پہلے حکم ہوگا دوسرے کے لئے نفی کا تقاضا کرے گا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلے کی خصوصیت دوسرے کے لئے خصوصیت کے ثبوت سے منسوخ ہوگئی ہو اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں کیونکہ سیاق حدیث میں غیر کے لئے منع کے استمرار کی تصریح نہیں ہے۔ بعض کے کلام میں یوں ہے کہ جن لوگوں کے لئے اجازت ثابت ہے وہ چار یا پانچ ہیں اور جمع کرنے میں کوئی مشکل نہیں۔

لیکن اس سلسلے میں جو احادیث آئی ہیں ان میں حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کے واقع میں نفی کی تصریح ہے اور امام بیہقی کے نزدیک حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے واقع میں نفی کی تصریح کی گئی ہے۔

اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے تو ابوداؤد نے حدیث نقل کی جسے ابن حبان نے صحیح قرار دیا۔

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مجھے بکری کا پانچ ماہ کا بچہ دیا اور فرمایا اس کی قربانی کرو میں نے عرض کیا یہ تو ایک سال سے کم عمر کا ہے کیا میں اس کی قربانی کروں؟ آپ نے فرمایا تم اس کی قربانی کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵' سنن نسائی ج ۷ ص ۲۱۸' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۳۸' مسند احمد ج ۳ ص ۳۲' السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۲۷۰' المعجم الکبیر ج ۵ ص ۲۷۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۴۵۶)

طبرانی نے ''اوسط میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بکری کا چھ ماہ سے کم عمر کا بچہ دیا اور ان کو قربانی کرنے کا حکم دیا۔

امام حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

تو اس میں اور حضرت ابو بردہ اور حضرت عقبہ رضی اللہ عنہما کی حدیثوں میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ ابتدا کی بات ہو پھر یہ بات پکی ہوگئی کہ بکری کا سال سے کم عمر کا بچہ قربانی کے لئے جائز نہیں اور اس میں حضرت ابو بردہ اور حضرت عقبہ رضی اللہ عنہما کو اجازت دے دی۔

اور اگر حضرت ابو بردہ اور حضرت عقبہ رضی اللہ عنہما کی حدیثوں کو جمع کرنا مشکل ہے تو حضرت ابو بردہ کی حدیث مخرج کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے (صحیح بخاری و مسلم کی حدیث ہے)۔ اگرچہ امام بیہقی کے نزدیک حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مخرج بھی صحیح ہے۔

اختیاراتِ مصطفیٰ ﷺ کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ نے ایک شخص کا نکاح قرآن مجید کے علم کو مہر قرار دیتے ہوئے کر دیا ایک جماعت نے یہ حدیث نقل کی ہے اور اس سلسلے میں سعید بن منصور نے مرسل حدیث حضرت نعمان ازدی سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک عورت کا نکاح قرآن مجید کی ایک سورت پر کر دیا اور فرمایا تمہارے بعد کسی اور کے لئے یہ مہر نہیں ہوگا۔[1]

رسول اکرم ﷺ کی بیماری' وصال اور قبر شریف سے متعلق خصائص

آپ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کو بخار کی حرارت دو آدمیوں کی حرارت کے برابر ہوتی تھی کیونکہ آپ کے لئے دوگنا اجر تھا۔

یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی بیماری کے دوران تین مرتبہ بھیجے گئے تا کہ آپ کا حال پوچھیں۔

آپ کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کی نماز جنازہ امام کے بغیر صحابہ کرام نے گروہوں کی صورت میں عام معروف طریقہ کے بغیر پڑھی۔ امام بیہقی' ابن سعد اور ان کے علاوہ حضرات نے یہ بات ذکر کی ہے اور تین دن دفن کے بغیر آپ کو چھوڑا گیا جیسا کہ آگے آئے گا اور آپ کے لئے قبر شریف میں ایک کمبل بچھایا گیا جب کہ ہمارے حق میں یہ دونوں کام

[1] احناف کے نزدیک مہر کی رقم کم از کم دس درہم ضروری ہے اور اس حدیث میں جو کچھ بیان ہوا وہ نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

مکروہ ہیں نیز آپ کے وصال کے بعد زمین میں اندھیرا چھا گیا۔

آپ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کا جسم اقدس پرانا نہیں ہوگا دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کا بھی یہی معاملہ ہے یہ حدیث امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے نقل کی ہے۔

آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کی وراثت نہیں تھی کہا گیا ہے کہ جو کچھ تھا وہ آپ کی ملک میں باقی رہا اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ صدقہ قرار دیا۔ الرویانی نے اسے یقینی قرار دیا پھر دو صورتیں بیان کی گئیں کہ کیا وہ آپ کے وارثوں کے لئے وقف ہو گیا؟ اور اگر وقف ہوا تو وقف کرنے والے آپ خود تھے؟ اس سلسلے میں دو باتیں ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ''زیادات الروضۃ میں'' فرمایا: درست بات یہ ہے کہ آپ کی ملک زائل ہوگئی اور آپ نے جو کچھ چھوڑا وہ مسلمانوں پر صدقہ ہے ورثاء کے لئے مختص نہیں۔

''شرح صغیر میں'' فرمایا ''مشہور یہ ہے کہ صدقہ ہے''۔

امام رافعی رحمہ اللہ نے مال کی تقسیم کے سلسلے میں ذکر کیا کہ اس کا پانچواں حصہ (خمس) نبی اکرم ﷺ کے لئے تھا آپ اسے اپنی ضروریات پر خرچ کرتے تھے اور نہ آپ نے اس کو اپنی ملک بنایا اور نہ آپ کے وارثوں کی طرف منتقل ہوا۔

اور خصائص کے باب میں فرمایا کہ آپ اس کے مالک تھے۔ تو ان دونوں باتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ خرچ کرنے کی جہت میں دو صورتیں تھیں مملوکہ اور غیر مملوکہ اور اختلاف صرف ایک بات میں ہے۔

اس بنیاد پر آپ کے لئے جائز تھا کہ تمام مال فقراء کو دینے کی وصیت فرماتے اور یہ وصیت آپ کے وصال کے بعد جاری ہوئی جب کہ دوسرے لوگ اس طرح نہیں کر سکتے کیونکہ ان کی وصیت صرف تہائی حصہ مال میں جاری ہوتی ہے۔

اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت بھی جاری نہیں ہوتی تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام نسائی رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انا معاشر الانبیاء لا نورث۔ ہم انبیاء کرام کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۔۴۸۔۱۶۲۔۱۷۹۔۱۹۱ شمائل ترمذی ص ۲۱۴ طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۳۹ تمہید ج ۸ ص ۱۷۵)

اور ارشاد خداوندی ہے:

فَهَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِي. (یا اللہ) میرے لئے اپنی طرف سے کوئی وارث بنا دے جو میرا وارث بنے۔ (مریم: ۶)

تو یہاں نبوت اور علم کی وراثت مراد ہے۔

حیات النبی ﷺ

آپ کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ آپ اپنی قبر انور میں زندہ ہیں۔ [1] اور اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں

[1] آپ کے اکرام و احترام میں فرشتے اذان و اقامت کہتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''الانبیاء احیاء فی قبورھم تصلون انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں'' اور سنن نسائی میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں شب اسراء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر سے گزرا جو سرخ ٹیلے کے پاس ہے تو وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ (زرقانی ج ۵ ص ۳۳۲)

دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی یہ اعزاز حاصل ہے اسی لئے کہا گیا کہ آپ کی ازوج مطہرات پر عدت لازم نہ تھی۔

ابن زبالہ (محمد بن حسن بن زبالہ مخزومی) اور ابن نجار نے کہا کہ واقعہ حرہ (جب یزیدی لشکر نے مدینہ طیبہ پر ہلہ بولا) کے موقعہ پر تین دن تک (مسجد نبوی میں) اذان نہ ہوئی اور لوگ باہر چلے گئے' حضرت سعید بن میبب رضی اللہ عنہ مسجد میں تھے وہ فرماتے ہیں مجھے تنہائی سے وحشت ہوئی تو میں قبر انور کے قریب ہو گیا جب ظہر کا وقت ہوا تو میں نے قبر انور سے اذان سنی اور ظہر کی نماز پڑھی پھر یہ اذان اور تکبیر ہر نماز کے وقت قبر انور سے آتی حتیٰ کہ تین راتیں گزر گئیں اور لوگ واپس آ گئے' موذن بھی واپس لوٹے تو میں نے ان کی اذان اسی طرح سنی جس طرح نبی اکرم ﷺ کی قبر انور سے سنی تھی۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام حج کرتے اور تلبیہ (لبیک اللھم لبیک آخر تک) کہتے ہیں۔

سوال: انبیاء کرام کس طرح نماز پڑھتے' حج کرتے اور تلبیہ کہتے ہیں جب کہ وہ انتقال کر کے دوسرے گھر منتقل ہو گئے اور وہ عمل کا گھر نہیں ہے؟

جواب: وہ شہداء کی طرح ہیں بلکہ ان سے افضل ہیں اور شہداء زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے پس ان کا حج کرنا اور نماز پڑھنا کوئی بعید بات نہیں یا ہم کہتے ہیں کہ ان کے اعمال کے بڑھ جانے اور اجر کے اضافے کے حوالے سے برزخ پر دنیا کا حکم لگایا جاتا ہے اور آخرت میں اعمال کی تکلیف منقطع ہوتی ہے اور تکلیف کے بغیر محض لذت حاصل کرنے کے لئے اعمال پائے جاتے ہیں اسی لئے حدیث میں وارد ہے کہ وہ تسبیح پڑھتے اور قرآن مجید کی قرأت کرتے ہیں اور اسی سے نبی اکرم ﷺ کا شفاعت کے وقت سجدہ کرنا بھی ہے۔

"تلخیص کے" مصنف (ابن القاص) نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ کا مال آپ کے نفقہ اور مِلک میں قائم ہے اور انہوں نے اسے آپ کے خصائص میں شمار کیا ہے۔

امام الحرمین نے ان سے نقل کیا کہ جو کچھ آپ نے چھوڑا وہ اسی حالت میں رہا جس پر آپ کی حیاتِ طیبہ میں تھا پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسی سے آپ کے گھر والوں اور خدام پر خرچ کرتے تھے۔

اور وہ سمجھتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کی ملک ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں اور یہ بات احکام دنیا میں ان کی حیات کا تقاضا کرتی ہے اور ان کی حیات' شہداء کی حیات سے بڑھ کر ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ملک زائل ہو گئی اور آپ کا ترکہ تمام مسلمانوں پر صدقہ ہے' آپ کے ورثاء کے ساتھ خاص نہیں۔

سوال: قرآن مجید تو آپ کی موت کی گواہی دیتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ○ بے شک آپ فوت ہونے والے ہیں اور وہ بھی فوت ہونے والے ہیں۔

اور آپ نے خود فرمایا:

انی امرؤ مقبوض. بے شک میں ایسا شخص ہوں جس کی روح قبض ہو گی۔

(الدر المنثور ج ۲ ص ۱۲۶ امنحۃ المعبود رقم الحدیث: ۷۶)

اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فان محمد اقدمات. بے شک حضرت محمد ﷺ فوت ہو گئے۔

اور اس کے اطلاق پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

جواب: شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ موت جاری رہنے والی نہیں ہے اور نبی اکرم ﷺ کو موت کے بعد زندہ کر دیا گیا۔

ورنہ دوسری زندگی اخروی زندگی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شہداء کی زندگی سے یہ اعلیٰ اور اکمل ہے اور یہ روح کے لئے ثابت ہے جس پر کوئی اعتراض نہیں اور یہ بات ثابت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے جسم پرانے نہیں ہوتے اور روح کا جسم کی طرف لوٹنا صحیح حدیث ہیں۔

تمام فوت شدہ لوگوں کے لئے ثابت ہے چہ جائیکہ شہداء کے لئے اور پھر انبیاء کرام کے لئے ثابت نہ ہو دیکھنا تو یہ ہے کہ وہ بدن میں برقرار رہتی ہے یا نہیں اور کیا بدن اس کے ساتھ دنیوی زندگی کی طرح زندہ ہوتا ہے یا اس کے بغیر زندہ ہوتا ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ چاہے ہوتی ہے تو روح کا زندگی کے لئے لازم ہونا ایک امر عادی ہے عقلی نہیں پس عقل نے روح کے بغیر زندگی کو جائز قرار دیا پس اگر اس کے بارے میں صحیح قول سنا جائے تو اس کی اتباع کرنی چاہیے علماء کی ایک جماعت نے یہ بات ذکر کی ہے۔

اور اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا دلالت کرتا ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کا تقاضا کرتی ہے اسی طرح وہ صفات جو معراج کی رات انبیاء کرام علیہ السلام کے سلسلے میں مذکور ہیں یہ تمام صفات جسموں کا تقاضا کرتی ہیں۔

اور اس زندگی کے حقیقی زندگی ہونے سے لازم نہیں آتا کہ دنیا کی طرح اب بھی ان کے جسم ساتھ ہوں اور کھانے پینے کی حاجت ہو جو جسم کی صفات میں سے ہیں اور ہم ان کا مشاہدہ کرتے ہیں بلکہ اس کے لئے دوسرا حکم ہے اور عقل ان حضرات کے لئے حقیقی زندگی کے ثبوت سے نہیں روکتی۔

اور ادراک جیسے جاننا اور سننا وغیرہ کے بارے میں کوئی شک نہیں کہ یہ ان لوگوں بلکہ تمام فوت شدہ کے لئے ثابت ہیں۔ شیخ زین الدین المراغی نے اسی طرح ذکر کیا اور فرمایا کہ اس کا وجود بہت اہم ہے اور رغبت رکھنے والے اسی کی طرف راغب ہیں۔

امت کا سلام آپ تک پہنچتا ہے

آپ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کی قبر انور پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو آپ کو درود شریف پڑھنے والوں کا درود شریف پہنچاتا ہے یہ بات امام احمد نسائی اور حاکم رحمہم اللہ نے روایت کی اور امام حاکم نے ان الفاظ کے ساتھ اسے صحیح قرار دیا:

ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی عن امتی السلام. اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین میں سیاحت کرتے ہیں وہ میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہنچاتے ہیں۔

(سنن نسائی ج ۳ ص ۴۳، مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۱-۴۵۲، سنن دارمی ج ۲ ص ۳۱۷، المستدرک ج ۲ ص ۴۲۱، المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۲۷۱، مجمع

الزوائد ج۹ص۲۴٬ شعب الایمان رقم الحدیث:۳۱۱۶٬ الترغیب والترہیب ج۲ص۴۹۸٬ المغنی ج۱ص۱۷۲٬ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۹۲۴۔۲۲۶۷٬ اتحاف السادۃ المتقین ج۳ص۴۱۹۔۴۵۷٬ الشفاء ج۲ص۱۸۳٬ اللالی ءالمصنوعہ ج۱ص۱۴۶٬ کنز العمال رقم الحدیث:۱۷۴۷)

اصبھانی نے حضرت عمارہ سے اس طرح نقل کیا:

ان لله ملكا اعطاه الله سمع العباد كلهم فما من احد يصلى على الا ابلغنيها اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کی قوت سماعت عطا کی ہے پس جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھے پہنچا تا ہے۔

(اللالی ءالمصنوعہ ج۱ص۱۴۷٬ جمع الجوامع رقم الحدیث:۶۹۴۸٬ میزان الاعتدال ص۸۲۹٬ المنذری ج۲ص۴۹۹)

امت کے اعمال نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں اور آپ ان کے لئے بخشش طلب کرتے ہیں

ابن مبارک رحمہ اللہ نے حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کوئی دن ایسا نہیں جب نبی اکرم ﷺ پر اپنی امت کے اعمال صبح وشام پیش نہ کئے جاتے ہوں پس آپ ان کو ان کی پیشانیوں اور اعمال سے پہچانتے ہیں۔

منبر نبوی٬ حوض پر

آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کا منبر شریف آپ کے حوض پر ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔[1]

اور ایک روایت میں ہے:

و منبرى على ترعة من ترع الجنة. میرا منبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ پر ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۰۰۔۵۰۲٬ صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۱۹۵۔۱۸۸۸۔۶۵۸۸٬ جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۹۱۵٬ سنن نسائی ج۲ص۵۳٬ مسند احمد ج۲ص۲۳۶٬ السنن الکبریٰ ج۵ص۲۴۷٬ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۵۲۴۳٬ مسند الحمیدی رقم الحدیث:۲۹۰٬ مجمع الزوائد ج۴ص۸٬ طبقات ابن سعد ج۱ص۱۹۵٬ تمہید ج۲ص۲۸۵٬ مشکل الآثار ج۴ص۶۹٬ علل الحدیث:۸۸۵۔۲۶۹۴٬ کنز العمال رقم الحدیث:۳۴۸۳۵۔۳۴۹۴۴)

''الترعۃ'' وہ باغ ہے جو اونچی جگہ پر ہو جب میدان میں ہو تو اس کو ''روضۃ'' کہتے ہیں اور علماء کا اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور یہ حق محسوس موجود ہے کیونکہ قدرت اس بات کی صلاحیت رکھتی ہے اس میں عجز نہیں ہے اور نبی اکرم ﷺ نے جن غیبی باتوں کی خبر دی ہے ان پر ایمان واجب ہے۔

روضہ شریف (ریاض الجنۃ)

رسول اکرم ﷺ کا یہ اعزاز ہے کہ آپ کے منبر شریف اور قبر انور کے درمیان جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے (جسے ریاض الجنۃ کہا جاتا ہے) امام بخاری نے اس کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ فرمایا:

---

[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میرے گھر (حجرۂ مبارکہ) اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے (جسے ریاض الجنۃ کہتے ہیں) اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔ (صحیح بخاری)

ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ۔ میرے حجرۂ مبارکہ اور میرے منبر کے درمیان جنت کا ایک باغ ہے۔

اس میں حقیقت اور مجاز دونوں کا احتمال ہوسکتا ہے۔

حقیقت اس طرح کہ نبی اکرم ﷺ نے جس روضہ کی خبر دی ہے ہوسکتا ہے وہ جنت سے کاٹ کر یہاں لایا گیا ہو جس طرح حجر اسود جنت میں سے لایا گیا ہے۔[1] اسی طرح نیل اور فرات جنت سے ہیں۔[2]

(سنن نسائی ج ۵ ص ۲۲۶، مسند احمد ج ۱ ص ۳۰۷، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۹۵، المغنی ج ۱ ص ۲۴۲، اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۲۷۶، کشف الخفاء ج ۱ ص ۴۱۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۷۲۶)

اسی طرح ہندوستانی پھل اس پتے سے ہیں جس پر حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اترے تھے۔

تو حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا یہ ہے کہ اس دنیا میں جنت کے پانیوں، جنت کی مٹی، پتھر اور پھلوں میں سے ہو یہ بہت بڑے حکیم کی حکمت ہے۔

مجازی صورت یہ ہے کہ مسبب کا نام سبب پر بولا جائے کہ اس جگہ نماز اور عبادت کا التزام حصول جنت کا سبب ہے ابن ابی جمرہ فرماتے ہیں بعض لوگوں نے جو یہ فرمایا "تا کہ اس میں عبادات، عبادت گزار کے جنت کے باغ میں داخل ہونے کا ذریعہ بنے" اس کا یہی مطلب ہے لیکن یہ محلِ نظر ہے کیونکہ اس معنیٰ کے اعتبار سے اس جگہ کی کوئی خصوصیت نہیں ابن ابی جمرہ کی کتاب "بہجۃ النفوس" میں منقول ہے کہ یہ مبارک جگہ (ریاض الجنۃ) اسی طرح جنت سے منتقل ہوا پس یہ جنت سے ہے یعنی اس کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔

وہ فرماتے ہیں زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ دونوں قولوں کو جمع کیا کہ یہ حصۂ زمین جنت سے منتقل بھی ہوا اور اس جگہ عمل سے بندہ جنت کے باغ میں جاسکتا ہے اس پر مزید گفتگو آگے آخری مقصد میں زیارت نبوی کے ضمن میں آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کا کھلنا

آپ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ کی قبر انور کھلے گی۔

"مسلم شریف کی" روایت میں ہے:

انا اول من تنشق عنہ الارض۔ میں، وہ ہوں جس کے لئے سب سے پہلے زمین شق ہوگی۔

اور سب سے پہلے صور کی آواز سے آفاقہ بھی آپ ہی کو ہوگا۔ آپ نے فرمایا:

انا اول من یرفع راسہ بعد النفخۃ فاذا (قیامت کے دن) صور پھونکنے کے بعد سب سے

---

[1] نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "الحجر الاسود من الجنۃ" (حجر اسود جنت سے ہے)۔ (سنن نسائی)

[2] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سیحان، جیحان، فرات اور نیل یہ سب جنت کی نہروں میں سے ہیں۔ صحیح مسلم

انا بموسی اخذ بقائمة من قوائم العرش فلا ادری افاق قبلی ام جوزی بصعقة الطور

پہلے میں اپنے سر کو اٹھاؤں گا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جنت کے پایوں میں ایک پائے کو پکڑے کھڑے ہوں گے پس مجھے معلوم نہیں کہ مجھ سے پہلے ان کو ہوش آیا یا ان کو گرج کا بدلہ دیا گیا جو طور پر واقع تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۱۱۔۳۴۰۸۔۳۳۹۸۔۴۶۳۸۔۶۹۱۷۔۷۴۲۷)

تو ظاہر بات یہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے بتانے کے بغیر علم نہ تھا پس آپ نے اپنے نفس کریمہ کے بارے میں خبر دی کہ سب سے پہلے آپ ہی کی قبر کھلے گی۔

سب سے پہلے پُل صراط سے بھی آپ ہی گزریں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۰۶) امام بخاری نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے اور قیامت کے دن آپ ستر ہزار فرشتوں کے جلوس کے ساتھ میدان محشر کی طرف تشریف لائیں گے جس طرح حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' آپ فرماتے ہیں۔ ہر صبح جو طلوع ہوتی ہے ستر ہزار فرشتے نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کو اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں جب شام ہوتی ہے تو یہ چلے جاتے ہیں اور ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں حتیٰ کہ جب آپ کی قبر انور شق ہوگی تو آپ ستر ہزار فرشتوں کے ہمراہ تشریف لائیں گے اور وہ آپ کی تعظیم کر رہے ہوں گے۔ ابن نجار نے یہ روایت ''تاریخ المدینہ میں'' نقل کی ہے۔

اور آپ براق پر سوار ہونے کی حالت میں میدان محشر کی طرف جائیں گے حافظ سلفی نے اسے روایت کیا جیسا کہ طبری نے ذکر کیا ہے۔ اور آپ کو میدان محشر میں بہترین جوڑا پہنایا جائے گا یہ روایت امام بیہقی نے اس طرح نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے ایسا جنتی جوڑا پہنایا جائے گا کہ کوئی انسان اس کی قیمت نہیں لگا سکتا۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳' دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۷۹)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے کہ قیامت کے دن لوگ جمع ہوں گے میں اور میرے امتی ایک ٹیلے پر ہوں گے اور میرا رب مجھے سبز جوڑا پہنائے گا۔ یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کی ہے۔

(مشکل الآثار ج ۱ ص ۴۴۹' الشفاء ج ۱ ص ۴۱۹)

ابن ابی شیبہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا کہ آپ نے فرمایا دوسرے لوگ ایک ٹیلے پر (الگ) جمع ہوں گے اور میرے امتی ایک (الگ) ٹیلے پر جمع ہوں گے۔

طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کی امت لوگوں سے اوپر ٹیلے پر ہوں گے اور آپ عرش کی دائیں جانب کھڑے ہوں گے۔ اس حدیث کو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا اور اس میں اس طرح ہے کہ وہاں آپ کے علاوہ کوئی بھی کھڑا نہ ہوگا اور پہلے اور پچھلے آپ پر رشک کریں گے۔

آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کو مقام محمود عطا کیا جائے گا حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں مقام محمود کا مطلب آپ کا عرش (تخت) پر بیٹھنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اس سے کرسی مراد لیتے ہیں۔
یہ دونوں باتیں امام بغوی نے ذکر کی ہیں۔ مقام محمود کے حوالے سے زیادہ تفصیل اس کے بعد آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کو شفاعت عظمیٰ عطا کی جائے گی کہ قیامت کے دن جب لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس جانے کے بعد آپ کے پاس حاضر ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے (اور وہ پسینہ میں شرابور حساب و کتاب کے منتظر ہوں گے) تو آپ کی شفاعت سے فیصلہ ہوگا۔

آپ کی شفاعت سے بے شمار لوگ حساب و کتاب کے بغیر جنت میں جائیں گے اور آپ کی شفاعت سے جنت میں لوگوں کے درجات بلند ہوں گے۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے ان (مندرجہ بالا) امور کو نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت قرار دیا اور خود ان احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے مزید تفصیل ان شاء اللہ آخری مقصد میں بیان ہوگی اور اللہ تعالیٰ ہی مددگار ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو یہ مقام اور خصوصیت بھی حاصل ہے کہ قیامت کے دن لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) آپ کے پاس ہو گا۔ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ وہ سب اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

سب سے پہلے جنت کا دروازہ بھی آپ ہی کھٹکھٹائیں گے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے المختار ابن فلفل کی روایت جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا اکثر الناس تبعا یوم القیامۃ وانا اول من یقرع باب الجنۃ.

قیامت کے دن میری اتباع کرنے والوں کی اکثریت ہوگی اور سب سے پہلے جنت کا دروازہ بھی میں ہی کھٹکھٹاؤں گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۳۰، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۴، اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۴۹۷، مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۱۰۹، شرح السنہ ج ۱۵ ص ۱۶۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۵۰۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۷۷)

"صحیح مسلم میں ہی" حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اتی باب الجنۃ یوم القیامۃ فاستفتح فیقول الخازن بک امرت لا افتح لاحد قبلک.

قیامت کے دن میں جنت کے دروازے پر آ کر دروازہ کھلواؤں گا تو خازن (فرشتہ) کہے گا مجھے آپ کے بارے میں حکم دیا گیا اور یہ کہ میں آپ سے پہلے کسی کے لئے نہ کھولوں۔

طبرانی نے کچھ اضافہ کے ساتھ نقل کیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خازن کھڑا ہوگا اور کہے گا آپ سے پہلے میں کسی کے لئے نہیں کھولوں گا اور آپ کے بعد کسی کے لئے کھڑا نہیں ہوں گا۔

تو یہ نبی اکرم ﷺ کی ایک اور خصوصیت ہے وہ یہ کہ جنت کا دربان فرشتہ خازن نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی کے لئے کھڑا نہیں ہوگا تو آپ کے لئے اس کے کھڑا ہونے میں آپ کی مزید فضیلت ہے اور آپ کے بعد بھی کسی کے لئے

کھڑا نہیں ہوگا بلکہ جنت کے فرشتے آپ کی خدمت میں کھڑے ہوں گے اور آپ ان کے لئے بادشاہ کی طرح ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے بندۂ خاص اور رسول ﷺ کی خدمت میں کھڑا کیا حتیٰ کہ اس نے چل کر دروازہ کھولا۔

آپ کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی ہے کہ سب سے پہلے جنت میں آپ داخل ہوں گے آپ نے فرمایا:

وانا اول من یحرک حلق الجنۃ فیفتح اللہ لی فیدخلنیھا ومعی فقراء المومنین ولا فخر۔

سب سے پہلے جنت کا کنڈا میں کھٹکھٹاؤں گا تو اللہ تعالیٰ اسے میرے لیے کھولے گا پس مجھے اس میں داخل کرے گا اور میرے ساتھ فقراء مؤمن ہوں گے اور اس پر مجھے فخر نہیں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۶ ‘سنن دارمی رقم الحدیث: ۸‘ مسند احمد ج ا ص ۲۸۲۔ ج ۳ ص ۱۴۴)

آپ کے خصائص میں کوثر بھی شامل ہے اور یہ جنت میں ایک نہر ہے جو اس کے حوض سے موتیوں اور یاقوت پر جاری ہوتی ہے اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ سفید ہے۔

آپ کو مقام وسیلہ بھی عطا کیا گیا جو جنت میں اعلیٰ درجہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی امت کی خصوصیات

شریعتِ اسلامیہ کے مطابق فیصلہ

نبی اکرم ﷺ کی امت کو خصوصیات عطا کی گئیں اور اس کا شرف اور عزت بڑھائی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے جب کائنات کو انتہائی یقین پر پیدا فرمایا اور ہمارے نبی کریم ﷺ کے مبارک جسم کو کسی شک کے بغیر ظاہر فرمایا اور آپ کی امت جو انسانوں سے تعلق رکھتی ہے (ورنہ آپ تمام مخلوق کے لئے رسول ہیں) پر اس کی عنایت ظاہر ہوئی جس کا سبب نبی اکرم ﷺ کا ان میں ظہور و حضور تھا اگرچہ انسان اور جن سب آپ کی امت ہیں لیکن انسانوں کو خصوصی وصف حاصل ہے تو ان کو بہترین امت بنایا جسے لوگوں کے (فائدے کے) لئے پیدا کیا گیا۔

ان کو انبیاء کرام کا وارث بنایا اور احکام کے نفاذ کے لئے ان کو اجتہادی صلاحیت عطا کی پس وہ اپنے اجتہاد کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔

پس جو نبی بھی اس امت کے زمانے میں داخل ہوگا جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا اس کے داخل ہونے کو فرض کیا گیا جیسے حضرت خضر علیہ السلام تو وہ اس امت میں نبی اکرم ﷺ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرے گا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام (آسمان سے) اتریں گے تو ہمارے نبی ﷺ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں گے چاہے انہیں الہام ہو یا روح محمدی پر مطلع ہوں یا جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو آپ کی امت کے لئے جو شریعت دی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے آپ سے حاصل کریں گے اور حرام و حلال کے سلسلے میں وہی فیصلہ کریں گے جو نبی

اکرم ﷺ کرتے تھے اور وہ اس شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے جو ان کی رسالت کے دوران ان کو عطا ہوئی پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام' نبی اکرم ﷺ کے تابع ہیں۔

حضرت حکیم ترمذی نے اپنی کتاب ''ختم الاولیاء'' میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے ان سے ''عنقاء مغرب کے'' مصنف (شیخ محی الدین بن عربی الطائی اندلسی) نے اور اسی طرح شیخ سعد الدین تفتازانی نے ''شرح عقائد نسفی میں'' نقل کیا اور اس بات کو صحیح قرار دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو نماز پڑھائیں گے اور ان کی امامت کریں گے اور حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ ان کی اقتدا کریں گے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان سے افضل ہیں پس آپ امامت کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔[1] (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۱۷۳)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ امت محمدیہ میں خلیفہ ہوں گے لیکن آپ رسول اور معزز و محترم نبی ہیں جیسا کہ پہلے تھے ایسا نہیں جس طرح بعض حضرات نے گمان کیا کہ آپ حضور علیہ السلام کے ایک امتی کی حیثیت میں آئیں گے ہاں اس اعتبار سے وہ اس امت کا ایک فرد ہیں کہ وہ ہمارے نبی ﷺ اور آپ کی شریعت مطہرہ کی پیروی کریں گے۔

سوال: صحیح مسلم میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما مقسطا فیکسر الصلیب و یقتل الخنزیر و یضع الجزیۃ.

عنقریب تم میں ابن مریم علیہ السلام اتریں گے جو انصاف کرنے والے حاکم ہوں گے' وہ صلیب کو توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ اٹھا دیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۲۲۔ ۳۴۴۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۲' مسند احمد ج ۲ ص ۵۳۸' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۴۴۔ ج ۹ ص ۱۸۰' مشکل الآثار ج ۱ ص ۲۷' الدر المنثور ج ۲ ص ۲۴۲' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۱۴۰' مسند ابو عوانہ ج ۱ ص ۱۰۴)

اس معنی میں یہ قول صحیح ہے کہ آپ جزیہ قبول نہیں کریں اور اسلام کے سوا کوئی بات قبول نہیں کریں یا قتل کر دیں گے۔

اور یہ بات ہماری آج کی شریعت کے خلاف ہے کیونکہ اہل کتاب جب جزیہ دیں تو اسے قبول کرنا واجب ہے اور اسے نہ تو قتل کرنا جائز ہے اور نہ اسلام پر مجبور کرنا۔ جب صورت حال یہ ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فیصلہ شریعت محمدیہ کے مطابق کیسے ہوا؟

جواب: اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس شریعت محمدیہ کے مطابق فیصلہ کرنے والے کی حیثیت سے تشریف لائیں گے اور مستقل رسالت کے ساتھ نبی بن کر نہیں آئیں گے اور ایسی شریعت جو ناسخ ہو وہ لے کر نہیں آئیں گے بلکہ اس امت کے حکام میں سے ایک حاکم ہوں گے۔

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ نے صحیح بخاری و مسلم کی ایک ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب ابن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا' اس مضمون کی دیگر کئی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ امامت فرائض امام مہدی انجام دیں گے تو امام زرقانی نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ شروع میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام' امام مہدی کی اقتدا کریں گے تاکہ معلوم ہو کہ وہ ہمارے نبی ﷺ کے تابع اور آپ کی شریعت پر عمل کرنے والے ہیں پھر امام مہدی ان کی اقتدا کریں گے کیونکہ قاعدہ یہی ہے کہ مفضول' افضل کی اقتدا کرتا ہے۔ (زرقانی ج ۵ ص ۳۴۸)

جہاں تک جزیہ اور اس کے متعلقات کا تعلق ہے تو یہ ایسا حکم نہیں جو قیامت تک جاری رہے بلکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے پہلے کے دور سے مقید ہے اور ہمارے آقا علیہ السلام نے اس کے منسوخ ہونے کی خبر دی ہے اور اس کے ناسخ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں بلکہ اس کے ناسخ اور بیان کرنے والے خود سرکار دو عالم ﷺ ہیں پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس وقت جزیہ کی قبولیت سے رک جانا ہمارے نبی اکرم ﷺ کی شریعت ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اترنے کے وقت جزیہ قبول نہ کرنے کے حوالے سے حکم شریعت کی تبدیلی کا کیا مطلب ہے؟

جواب: ابن بطال نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ ہم نے جزیہ اس لئے قبول کیا کہ ہمیں مال کی ضرورت تھی۔

لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو ان کو مال کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ ان دنوں مال کی فراوانی ہوگی حتیٰ کہ اسے کوئی بھی قبول نہیں کرے گا اس لئے آپ قتل یا اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک پر ایمان کے علاوہ کچھ بھی قبول نہیں کریں گے۔[1]

شیخ ولی الدین ابن عراقی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ سے جزیہ کا قبول کرنا اس شبہ کی بنیاد پر ہے کہ ان کے پاس تورات اور انجیل ہے اور ان کے خیال میں ان کا قدیم شریعت سے تعلق ہے پس جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو ان کو دیکھ کر ان لوگوں کا شبہ زائل ہو جائے گا پس ان کے شبہ کے ختم ہونے اور معاملہ واضح ہونے کی وجہ سے وہ بت پرستوں کی طرح ہو جائیں گے کہ بس ان سے ان (بت پرستوں) والا معاملہ کیا جائے گا کہ ان سے صرف اسلام قبول ہوگا کیونکہ (مشرکین پر جزیہ نہیں ہے)۔

اور علت کے زوال سے حکم زائل ہو جاتا ہے انہوں نے فرمایا کہ یہ مناسب توجیہ ہے میں نے اس پر اعتراض کرنے والا کوئی نہیں دیکھا اور ابن بطال کی توجیہ سے یہ بہتر ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت اور اس کے باقی رہنے کے قائلین بھی اسی طرح کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی اس ملت کے تابع ہیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام کا معاملہ بھی اسی طرح ہے جیسا کہ ابو عبداللہ قرطبی نے اس بات کو صحیح قرار دیا کہ وہ بھی زندہ ہیں۔

اور رسولوں میں سے کوئی ایسا نبی نہیں جو کتاب والا ہو اور اس کی اتباع کی جائے یہ اعزاز صرف ہمارے نبی کریم ﷺ کو حاصل ہے اور یہ بات امت محمدیہ کے شرف و اکرام کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے شرف کو زیادہ کرے۔

تم بہترین امت ہو

اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے جس نے ہمیں اس رحمت کے ساتھ خاص کیا اور ہمیں یہ نعمت عطا فرمائی اور بے شمار فضائل کے ذریعے ہم پر احسان فرمایا اور اپنی کتاب عزیز میں ہمیں عظمت عطا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ — تم بہترین امت ہو۔

[1] مطلب یہ ہے کہ وہ صرف قتل کرنے کا حکم دیں گے، جزیہ لینے کا حکم نہیں دیں گے مجازاً حکم قتل کو عدم قبولیت سے تعبیر کیا گیا۔

(زرقانی ج ۵ ص ۳۵۰)

اس میں لفظ "کنتم" پر غور کیجئے یعنی لوح محفوظ میں تمہیں بہترین امت لکھ دیا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تم بہترین امت ہو۔

بس اس امت کے ہر فرد کو چاہیے کہ پاکیزہ اخلاق اپنائے تاکہ اس کے لئے وہ پسندیدہ اوصاف ثابت ہو جائیں جو امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو عطا کئے گئے اور وہ بھلائی کی باتوں کا اہل ہو جائے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں تم بہترین امت ہو لیکن جب ان شرائط پر اترو جو اس کے ساتھ مذکور ہیں یعنی نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔

یہ بھی کہا گیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت بہترین امت ہے کیونکہ اس امت میں مسلمان زیادہ ہیں اور اس امت میں نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا زیادہ پایا جاتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے۔ جس طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم.

بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں پھر وہ لوگ جو ان سے ملے ہوئے ہیں (یعنی تابعین) پھر وہ جو ان سے ملے ہوئے ہیں (یعنی تبع تابعین)۔

اور یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس امت کے پہلے لوگ بعد والوں سے بہتر ہیں۔ اور امت کے بڑے بڑے علماء کا یہی موقف ہے۔

فضیلتِ صحابہ

جن لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی اگرچہ زندگی میں ایک مرتبہ ہی ہو وہ بعد میں آنے والے تمام لوگوں سے افضل ہیں اور کوئی عمل صحابیت کی فضیلت کے برابر نہیں ہو سکتا یہ جمہور کا مذہب ہے۔

ابو عمر بن عبد البر اس طرف گئے ہیں کہ صحابہ کرام کے بعد بھی کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو صحابہ کرام میں موجود بعض لوگوں سے افضل ہوں گے اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی "خیر الناس قرنی" اپنے عموم پر نہیں کیونکہ ایک صدی (یا زمانے) میں فاضل اور مفضول اکٹھے ہوتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں منافق بھی تھے جو ایمان کا اظہار کرتے تھے اور گناہ کبیرہ کے مرتکب بھی تھے جن میں سے بعض پر حدود نافذ ہوئیں۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

طوبی لمن رآنی و امن بی و طوبی سبع مرات لمن لم یرنی و امن بی.

اس شخص کے لئے مبارک ہو جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور اس شخص کے لئے سات بار مبارک ہو جس نے مجھے نہیں دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۴' الاستذکار ج ۱ ص ۲۳۶)

"مسند ابی داؤد طیالسی میں" حضرت محمد بن ابو حمید سے روایت نقل کی گئی ہے وہ حضرت زید بن اسلم سے وہ اپنے والد سے اور وہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا میں' نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو آپ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ مخلوق میں سے کن لوگوں کا ایمان افضل ہے؟ میں نے عرض کیا فرشتوں کا ایمان افضل

ہے' آپ نے فرمایا ان کا حق ہے لیکن ان کے علاوہ کے بارے میں سوال ہے ہم نے عرض کیا انبیاء کرام علیہم السلام کا ایمان' فرمایا ان کا حق ہے لیکن ان کے علاوہ کے بارے میں بتائیں پھر خود ہی فرمایا مخلوق میں سے افضل ایمان ان لوگوں کا ہے جو (ابھی) مردوں کی پیٹھوں میں ہیں (یعنی پیدا نہیں ہوئے) وہ مجھ پر ایمان لائیں گے لیکن انہوں نے مجھے دیکھا نہیں وہ لوگ ایمان کے اعتبار سے تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ (الضعفاء ج ۴ ص ۲۳۸' الاستذکار ج ۱ ص ۲۳۸)

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ منصبِ خلافت پر فائز ہوئے تو انہوں نے حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مجھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیرت لکھ کر بھیجیں تاکہ میں اس پر عمل کروں' حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا اگر آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت پر عمل کریں گے تو آپ ان سے افضل ہو جائیں گے کیونکہ آپ کا زمانہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ والا زمانہ نہیں ہے اور نہ آپ (کی رعایا) کے لوگ ان کے زمانے کے لوگوں جیسے ہیں۔

راوی فرماتے ہیں انہوں نے اپنے زمانے کے فقہاء کو لکھا تو ان سب نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے قول کی طرح جواب دیا۔ حضرت ابو عمر (بن عبد البر) لکھتے ہیں یہ احادیث اپنے طرق کے تواتر اور حسن کے ساتھ اس بات کو چاہتی ہیں کہ اس امت کے پہلے اور پچھلے لوگ عمل میں برابر ہیں البتہ بدر اور حدیبیہ والوں کا مقام زیادہ ہے اور جو شخص اس باب میں غور و فکر کرے گا اس کے لئے صحیح بات واضح ہو جائے گی۔

ابوداؤد طیالسی کی حدیث جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' کی سند ضعیف ہے لیکن امام احمد' دارمی اور طبرانی نے حضرت ابوعبیدہ (بن جراح) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم سے بھی کوئی شخص بہتر ہوگا؟ ہم آپ پر ایمان لائے اور ہم نے آپ کے ساتھ مل کر جہاد کیا؟ آپ نے فرمایا ایک قوم ہوگی وہ لوگ تمہارے بعد آئیں گے اور مجھ پر ایمان رکھیں گے حالانکہ انہوں نے مجھے نہیں دیکھا۔ اس حدیث کی سند حسن ہے اور اسے امام حاکم نے صحیح قرار دیا۔ (المستدرک ج ۳ ص ۱۷۵' مشکل الآثار ج ۳ ص ۱۷۵' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۶۵)

اور حق وہی بات ہے جس پر جمہور ہیں کہ صحابی ہونے کی فضیلت کا مقابلہ کوئی عمل نہیں کر سکتا کیونکہ ان لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی۔

صحابہ کرام کی دوسروں پر فضیلت کے دلائل بے شمار ہیں ہم ان کے ذکر کے ساتھ بات کو لمبا کرنا نہیں چاہتے باقی گفتگو ساتویں مقصد میں فضائل صحابہ کے ضمن میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے فضائل

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو کچھ ایسی خصوصیات عطا فرمائی ہیں جو ان سے پہلے کسی امت کو نہیں دی گئیں اور ان خصوصیات کے ذریعے ان کی فضیلت کو ظاہر کیا اس بات پر احادیث و آثار ناطق ہیں۔

ابونعیم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جب تورات نازل ہوئی اور انہوں نے اسے پڑھا تو اس میں اس امت کا ذکر پایا عرض کیا اے میرے رب! میں اپنی تختیوں میں (جن پر تورات لکھی ہوئی تھی) ایک امت کا ذکر پاتا ہوں وہ آخری بھی ہیں اور پہلے

بھی ان کو میری امت بنادے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت احمد ﷺ کی امت ہے انہوں نے عرض کیا اے میرے رب میں نے تختیوں میں ایک امت کا ذکر پایا ان کی کتاب ان کے سینوں میں ہے لیکن وہ اسے ظاہری طور پر پڑھیں گے ان کو میری امت بنادے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت احمد ﷺ کی امت ہے عرض کیا اے میرے رب! میں تختیوں میں ایک امت کا ذکر پاتا ہوں جو مال فے (جو مال مسلمانوں کو کفار سے لڑائی کے بغیر حاصل ہو) کھائیں گے پس اس امت کو میری امت بنادے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت احمد ﷺ کی امت ہے انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! میں تختیوں میں ایک امت کا ذکر پاتا ہوں جو صدقہ اپنے پیٹوں میں ڈالیں گے (یعنی نفلی صدقہ خود بھی کھائیں گے اور ان کے گھر والے بھی کھائیں گے واجب صدقہ نہ امیر کھا سکتا ہے نہ صدقہ کرنے والا) ان کو اس پر اجر ملے گا ان لوگوں کو میری امت بنادے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت احمد ﷺ کی امت ہے عرض کیا اے میرے رب! میں تختیوں میں ایک امت کا ذکر پاتا ہوں کہ جب ان میں سے کوئی شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے گا تو عمل سے پہلے ہی ایک نیکی لکھ دی جائے گی اور اگر وہ عمل کرے تو اس کو دس نیکیاں (مزید) ملیں گے یا اللہ! ان لوگوں کو میری امت بنادے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت احمد ﷺ کی امت ہے عرض کیا اے میرے رب! میں (تورات کی) تختیوں میں ایک امت کا ذکر پاتا ہوں کہ جب ان میں سے کوئی برائی کا ارادہ کرے لیکن اس پر عمل نہ کرے تو گناہ نہ لکھا جائے گا اور اگر عمل کرے تو صرف ایک گناہ لکھا جائے گا پس اس کو میری امت بنادے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت احمد ﷺ کی امت ہے، عرض کیا اے میرے رب میں نے تختیوں میں ایک امت کا ذکر پایا جن کو پہلا اور پچھلا سب علم دیا جائے گا پس وہ مسیح دجال کو قتل کریں گے اس امت کو میری امت بنادے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت احمد ﷺ کی امت ہے۔

اس پر انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! پس مجھے حضرت احمد ﷺ کی امت میں سے کر دے اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دو خصلتیں عطا کی گئیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا مُوسٰى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي فَخُذْ مَا اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ O

اے موسیٰ علیہ السلام! میں نے آپ کو اپنے پیغامات اور کلام کے ساتھ لوگوں پر منتخب کر لیا پس جو کچھ میں آپ کو دوں اس کو مضبوطی سے اختیار کریں اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! میں راضی ہوا۔ (دلائل النبوۃ ج اص ۱۴' الدر المنثور ج ۳ ص ۱۲۴)

ابن طغربک نے "النطق المفھوم میں" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! کیا تمام امتوں میں سے کوئی امت، میری امت سے زیادہ معزز ہے' ان پر بادلوں کا سایہ کیا گیا اور ان پر من اور سلویٰ اتارا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام! کیا آپ نہیں جانتے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت تمام امتوں سے اس طرح افضل ہے جیسے مجھے تمام مخلوق پر فضیلت حاصل ہے انہوں نے عرض کیا یا اللہ! مجھے وہ امت دکھا دے فرمایا آپ اس امت کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے البتہ میں آپ کو ان کا سلام سناتا ہوں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آواز دی تو سب نے ایک ہی آواز میں کہا "لبیک اللھم لبیک" (حاضر ہیں یا اللہ! ہم حاضر ہیں) اس وقت وہ اپنے باپوں کی پیٹھوں اور ماؤں کے پیٹوں میں تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تم پر میری رحمت ہوگی اور میری رحمت' میرے غضب سے سبقت کر گئی اور میرا معاف کرنا میرے عذاب سے سبقت کر گیا میں تمہاری بات تمہارے سوال کرنے سے پہلے قبول کروں گا پس جو شخص مجھ سے اس طرح ملاقات کرے کہ وہ میری توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی شہادت دیتا ہو میں اس کے گناہ بخش دوں گا"۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۹۵۹)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پس اللہ تعالیٰ نے اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر احسان کرنے کا ارادہ فرمایا اور ارشاد فرمایا:

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا. (القصص: ۴۶) اور نہ تم طور کے کنارے تھے جب ہم نے ندا فرمائی۔

یعنی جب ہم نے آپ کی امت کو پکارا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کا کلام سنایا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اسے روایت کیا لیکن اس میں یہ اضافہ ہے "حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ! حضرت محمد ﷺ کی امت کی آواز کتنی خوبصورت ہے ایک مرتبہ پھر مجھے سنا دے"۔

حضرت ابونعیم رحمہ اللہ کی "الحلیہ" میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ بنی اسرائیل کو بتایئے کہ جو شخص مجھ سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ وہ حضرت احمد ﷺ کا منکر ہوگا میں اس کو جہنم میں داخل کروں گا۔ انہوں نے پوچھا اے میرے رب احمد کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو میرے نزدیک ان سے زیادہ معزز ہو میں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پہلے ان کا نام اپنے نام کے ساتھ ملا کر عرش پر لکھا جب تک وہ اور ان کی امت جنت میں داخل نہ ہو جائیں باقی تمام مخلوق پر جنت حرام رہے گی۔ انہوں نے عرض کیا ان کی امت کون لوگ ہیں؟ فرمایا وہ بہت تعریف کرنے والے ہیں وہ (پہاڑوں وغیرہ پر) اترتے چڑھتے اور ہر حالت میں تعریف کریں گے وہ اپنی کمر کو ازار بند سے باندھیں گے اور وضو کریں گے' دن کو روزہ رکھیں گے اور رات کو عبادت کریں گے' میں ان سے تھوڑا سا عمل بھی قبول کروں گا اور کلمۂ شہادت کے ذریعے جنت میں داخل کروں گا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ! مجھے اس امت کا نبی بنا دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کا نبی ان ہی میں سے ہوگا۔

عرض کیا مجھے اس امت میں سے کر دے فرمایا میں نے آگے اور پیچھے کر دیا (یعنی آپ پہلے آئے اور وہ بعد میں آئیں گے) لیکن میں جنت میں تم دونوں کو اکٹھا کر دوں گا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۳۳)

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیاء علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں ایک ایسا نبی بھیجوں گا جس کے ذریعے بہرے کانوں' بند دلوں اور اندھی آنکھوں کو کھول دوں گا ان کی جائے ولادت مکہ مکرمہ' مقام ہجرت مدینہ طیبہ اور حکومت شام میں ہوگی میرا وہ بندہ متوکل (مجھ پر بھروسہ کرنے والا) مصطفیٰ' بلند

مقام‘ محبوب‘ منتخب اور مختار ہوگا۔ وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دے گا بلکہ معاف کردے گا اور درگزر کرے گا اور بخش دے گا وہ مؤمنوں پر مہربان ہوگا وہ بھاری جانور کے لئے اور بیوہ عورت کی گود میں یتیم بچے کے لئے بھی روئے گا وہ سخت مزاج بدکلام اور بازاروں میں شوروشغب کرنے والا نہیں ہوگا‘ برائی کا لباس پہنے گا اور نہ بدکلام ہوگا اور اگر وہ چراغ کے پاس سے گزرے تو اس کے سکون کی وجہ سے چراغ نہیں بجھے گا اور اگر طویل بانس پر چلے تو اس کے قدموں کے نیچے سے آواز نہیں آئے گی میں اسے خوشخبری دینے والا اور ڈرسنانے والا بنا کر بھیجوں گا۔ یہاں تک کہ فرمایا میں ان کی امت کو بہترین امت بناؤں گا جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی یعنی ان کو نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے‘ میری توحید بیان کریں گے‘ مجھ پر ایمان لائیں گے جو کچھ میرے رسول علیہم السلام لے کر آئے ان کی تصدیق کریں گے اور وہ (عبادات کے اوقات کے لئے) سورج اور چاند کا خیال رکھیں گے۔ ان دلوں‘ چہروں اور روحوں کے لئے مبارک باد ہے جو میرے لئے خاص ہوئے میں ان کو تسبیح‘ تکبیر‘ تحمید اور توحید (سبحان اللہ‘ اللہ اکبر‘ الحمد للہ اور لا الہ الا اللہ) کا الہام کروں گا (ان کے دلوں میں ڈالوں گا) کہ وہ اپنی مساجد‘ مجالس‘ بستروں اور ہر ٹھکانے پر پڑھیں وہ اپنی مساجد میں اس طرح صفیں بنائیں گے جس طرح فرشتے میرے عرش کے گرد صفت بستہ ہیں وہ میرے دوست اور میرے (دین کے) مددگار ہیں۔ میں ان کے ذریعے اپنے دشمنوں سے انتقام لوں گا جو بت پرست ہیں‘ وہ میرے لئے کھڑے بیٹھے‘ رکوع اور سجود کی حالت میں نماز پڑھیں گے وہ میری رضا کی خاطر اپنے گھروں اور مالوں کو چھوڑ کر جہاد کے لئے نکل جائیں گے اور صفیں باندھے میری راہ میں لڑیں گے۔

ان کی کتاب کے ذریعے پہلی کتب کو ان کی شریعت کے ذریعے پہلی شریعتوں کو اور ان کے دین کے ذریعے پہلے ادیان کو منسوخ کروں گا۔

پس جو ان کو پائے اور ان کی کتاب پر ایمان نہ لائے اور نہ ان کے دین اور شریعت میں داخل ہو تو اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں وہ مجھ سے دور ہے میں ان کو تمام امتوں سے افضل امت بناؤں گا ان کو درمیانی (بہترین) امت بنا کر لوگوں پر گواہ بناؤں گا جب ان کو غصہ آئے گا تو لا الہ الا اللہ پڑھیں گے اور جھگڑیں تو سبحان اللہ کہیں گے وہ اپنے چہروں اور اعضاء کو پاک کریں گے‘ کپڑوں کو نصف جسم تک باندھیں گے اور ہر اونچی جگہ اور پستی میں لا الہ الا اللہ پڑھیں گے۔

ان کی قربانی‘ خون (جانور کو ذبح کرنے) کی صورت میں ہوگی ان کی کتاب ان کے سینے میں ہوگی‘ رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے اور دن کو (دشمن کے مقابلے میں) شیر ہوں گے جو ان کا ساتھ دے گا اور ان کے دین اور شریعت پر ہوگا اس کے لئے مبارک باد ہے اور یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں عطا کروں اور میں بہت فضل والا ہوں اس حدیث کو ابونعیم نے روایت کیا ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ جس نبی کے معجزات زیادہ ظاہر ہوں اس کی امت کا ثواب کم ہوتا ہے امام سبکی فرماتے ہیں یہ بات مستثنیٰ ہے کیونکہ اس امت کے نبی کے معجزات زیادہ ظاہر اور امت کا ثواب تمام امتوں سے زیادہ ہے۔

مال غنیمت کا حلال ہونا

اس امت کے خصائص میں سے ہے کہ اس کے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا جب کہ پہلی امتوں کے لئے حلال نہ تھا۔ اور ان کے لئے تمام زمین کو سجدہ گاہ بنا دیا گیا جب کہ پہلی امتیں اپنی مخصوص عبادت گاہوں میں نماز پڑھ سکتی تھیں نیز اس امت کے لئے مٹی کو پاک کرنے والا بنایا گیا یعنی اس سے تیمم کیا جا سکتا ہے۔

اور ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس میں یوں آیا ہے:

وجعلت الارض كلها لي ولامتي مسجدا و طهورا. (مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۸)

تمام زمین کو میرے لئے اور میری امت کے لئے مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔

اور امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت یوں نقل کی ہے:

و جعلت لنا الارض كلها مسجدا و جعلت تربتها طهورا اذا لم نجد الماء

اور ہمارے لئے تمام زمین کو مسجد بنایا گیا اور اس کی مٹی کو طہارت کا ذریعہ بنایا گیا جب ہم پانی نہ پائیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴، شرح السنہ ج ۲ ص ۱۱۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۴۔ ج ۱۱ ص ۴۳۵)

نماز سے متعلق خصائص

اس امت کے خصائص میں سے ایک خصوصیت وضو ہے۔ پہلی امتوں کے لئے وضو نہیں تھا صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے تھا یہ بات الحلیمی نے ذکر کی ہے اور انہوں نے صحیح بخاری کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان امتي يدعون يوم القيامة غرا محجلين من آثار الوضوء.

قیامت کے دن میری امت کو بلایا جائے گا تو ان کے اعضاء وضو سے چمک رہے ہوں گے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۳۶۱، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۶۲۷۷، الترغیب ج ۱ ص ۱۴۹، مشکوۃ رقم الحدیث: ۲۹۰)

"لیکن فتح الباری میں فرمایا" یہ بات محل نظر ہے کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت سارہ علیہم السلام کے اس واقعہ میں ثابت ہے کہ جس میں بادشاہ نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام آپ کے حوالے کیں کہ جب بادشاہ نے آپ کے قرب کا ارادہ کیا تو آپ کھڑی ہو گئیں اور وضو کر کے نماز پڑھنے لگیں اور جریج راہب کے واقع میں بھی ہے کہ اس نے اٹھ کر وضو کیا، نماز پڑھی اور پھر بچے سے کلام کیا۔

تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس امت کی خصوصیت وضو کی وجہ سے اعضاء کا چمکنا ہے محض وضو نہیں۔

اور "صحیح مسلم کی" ایک روایت میں اس بات کو صراحتاً بیان کیا گیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لكم سيما ليست لاحد غيركم.

یہ تمہارے ساتھ خاص ہے، تمہارے غیر کے لئے نہیں ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۳۶۔۳۷'اتحاف السادۃ المتقین ج۱۰ص۵۰۲'تفسیر قرطبی ج۶ص۱۰۷)

یعنی اس وضو کا علامت ہونا اور "تحجیل" (چمک) کی انتہا یہ ہے کہ وہ بازوؤں اور پنڈلیوں کو گھیر لے اور "غرۃ" سر کے اگلے حصے کو دھونا اور گردن کو چہرے سمیت دھونا۔

ان خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ پانچ نمازوں کا مجموعہ کسی دوسری امت کو نہیں دیا اور وہ اس امت کے ساتھ خاص ہے امام طحاوی رحمہ اللہ نے حضرت عبید اللہ بن محمد بن عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تو انہوں نے فجر کے وقت دو رکعتیں نماز پڑھی تو یہ صبح کی نماز ہوگئی حضرت اسحاق علیہ السلام کا فدیہ ظہر کے وقت دیا گیا۔ [1]

تو (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) چار رکعات پڑھیں تو اس طرح ظہر کی نماز بن گئی حضرت عزیر علیہ السلام کو جب اٹھایا گیا تو عصر کا وقت تھا پوچھا گیا کتنا عرصہ ٹھہرے فرمایا ایک دن' جب سورج کو دیکھا تو فرمایا یا دن کا کچھ حصہ' پس آپ نے چار رکعات ادا کیں تو یہ عصر کی نماز ہوگئی۔ [2] حضرت داؤد علیہ السلام کی بخشش مغرب کے وقت ہوئی تو آپ چار رکعتیں پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو تھک جانے کی وجہ سے وہ تیسری رکعت پر بیٹھ گئے تو اس طرح مغرب کی تین رکعات ہوگئیں اور عشاء کی نماز ہمارے آقا ﷺ نے پڑھی۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے "اپنی سنن (سنن داؤد) میں" ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے "اپنی مصنف میں" اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے "اپنی سنن (سنن الکبریٰ) میں" حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک رات نبی اکرم ﷺ نے عشاء کی نماز مؤخر کی حتیٰ کہ گمان کرنے والے نے گمان کیا کہ آپ نے نماز پڑھ لی ہے پھر آپ باہر تشریف لائے تو فرمایا اس نماز کو اندھیرے میں پڑھو (تاخیر سے پڑھو) بے شک تمہیں اس نماز کے ذریعے تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے اور تم سے پہلے کسی امت نے یہ نماز نہیں پڑھی۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۴۲۱'مسند احمد ج۵ص۲۳۷'السنن الکبریٰ ج۱ص۴۵۱'حلیۃ الاولیاء ج۹ص۲۳۸'الدر المنثور ج۱ص۳۰۰۔ج۲ص۶۵' کنز العمال رقم الحدیث:۱۹۴۷۷)

اس امت کے خصائص میں سے اذان اور اقامت بھی ہے۔ [3] نیز بسم اللہ پڑھنا بھی اس امت کی خصوصیت ہے۔ شیخ شہاب الدین حلبی نحوی نے اپنی تفسیر میں بعض حضرات سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے "بسم اللہ" ہم

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اللہ مانتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں (زرقانی ج۵ص۳۶۹) حقیقت بھی یہی ہے کیونکہ ذبح کی یادگار منیٰ ہے اور حجاج کرام وہاں جانوروں کو ذبح کرتے ہیں جب کہ منیٰ کا تعلق حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہے' حضرت اسحاق علیہ السلام سے نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

[2] امام زرقانی فرماتے ہیں کہ امام رافعی کی شرح مسند میں ہے کہ عصر کا وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مقرر ہوا۔ (زرقانی ج۵ص۳۶۹)

[3] کیونکہ حدیث شریف کے مطابق جب مسلمانوں کو یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ نماز کے لئے لوگوں کو جمع کرنے کی خاطر کیا طریقہ اختیار کیا جائے تو حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ کو خواب میں اذان سکھائی گئی حضرت آدم علیہ السلام جب ہندوستان میں اترے اور وحشت محسوس کی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اتر کر اذان دی تو یہ بات اس خصوصیت کی خلاف نہیں کیونکہ نماز کے لئے اذان و اقامت کی مشروعیت اس امت کی خصوصیت ہے (وہ اذان' نماز کے لئے نہیں تھی)۔ زرقانی ج۵ص۳۷۰)

سے پہلے کسی امت پر نازل نہیں کی البتہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام پر نازل ہوئی تو یہ اس امت کی خصوصیت ہے۔ [1]

آمین کہنا بھی اس امت کی خصوصیت ہے حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا آپ فرماتی ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس تھی کہ ایک یہودی نے اندر آنے کی اجازت مانگی (اس کے بعد انہوں نے پوری حدیث ذکر کرتے ہوئے فرمایا) کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ لوگ ہم پر باقی کسی چیز میں اتنا حسد نہیں کرتے جس قدر جمعۃ المبارک کے حوالے سے حسد کرتے ہیں ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف ہدایت دی اور یہ اس سے بھٹکے رہے۔ [2]

نیز امام کے پیچھے آمین کہنے کے اعتبار سے زیادہ حسد کرتے ہیں۔ (الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۳۲۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے ہم اسے ان الفاظ کے ساتھ صرف اسی سند سے جانتے ہیں لیکن بعض حضرات نے آمین کے سلسلے میں حسن روایت کے ساتھ متابعت کی ہے۔ ابن ماجہ نے اسے روایت کیا اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح قرار دیا وہ دونوں حضرت سہیل بن ابی صالح سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے باپ سے، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

یہودیوں نے ہم پر کسی چیز میں اتنا حسد نہیں کیا جتنا حسد سلام اور آمین کہنے پر کرتے ہیں۔

(تمہید ج ۷ ص ۱۵، مصنف عبدالرزاق ص ۲۶۴۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۲۷۶)

رکوع کے ساتھ اختصاص بھی اس امت کو حاصل ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم نے سب سے پہلے جس نماز میں رکوع کیا وہ عصر کی نماز تھی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیا ہے؟ فرمایا مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔

اس حدیث سے استدلال کی صورت یہ ہے کہ اس سے پہلے نبی اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی اور پانچ نمازوں کی فرضیت سے پہلے آپ رات کو قیام کرتے تھے تو اس سے پہلے کی نماز رکوع کے بغیر ہوتی تھی کیونکہ سابقہ امتوں کی نماز بھی رکوع سے خالی تھی یہ بات بعض علماء نے فرمائی ہے (امام جلال الدین سیوطی کی طرف اشارہ ہے)۔ (زرقانی ج ۵ ص ۳۷۲)

اور مفسرین کی ایک جماعت نے "وارکعوا مع الراکعین" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ رکوع کی مشروعیت اس امت کے ساتھ خاص ہے اور بنی اسرائیل کی نماز میں رکوع نہیں تھا اسی لئے ان کو نبی کریم ﷺ کی امت کے ساتھ رکوع کرنے کا حکم دیا۔

لیکن یہ بات اس آیت سے ٹکراتی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

یَا مَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّکِ وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرَّاکِعِیْنَ O (آل عمران: ۴۳)

اے مریم! علیہا السلام اپنے رب کے لئے باادب ہو جاؤ اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

---

[1] یعنی قرآن مجید میں اس کا نزول برائے تلاوت اس امت کے ساتھ خاص ہے لہٰذا حضرت سلیمان علیہ السلام پر اس کا نزول اور حضرت آدم علیہ السلام کا اسے پڑھنا اس خصوصیت کے خلاف نہیں۔ (زرقانی ج ۵ ص ۳۷۰)

[2] یہود و نصاریٰ کو عبادت کے لیے ایک خاص دن اختیار کرنے کی اجازت دی گئی تو انہوں نے ہفتہ اور اتوار اختیار کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو ایسا فرمایا تو انہوں نے جمعہ کا دن عطا فرمایا۔ ۱۲ ہزاروی

ان کونماز باجماعت کاحکم دیا گیااورارکان نماز کاذکربھی کیا گیا تاکہ ان پرمحافظت اچھی طرح ہو۔

علماء کرام فرماتے ہیں رکوع سے سجدہ کومقدم کرنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ ان کی شریعت میں اسی طرح تھایااس بات کی طرف اشارہ ہے کہ واو (مطلق جمع کے لئے ہے) ترتیب کونہیں چاہتی۔

یہ بھی کہا گیا کہ قنوت (اقنتی) سے مراددائمی اطاعت ہے جس طرح فرمایا:

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا. (الزمر:۹) کیا وہ جو رات کی گھڑیوں میں سجدے اور قیام کی حالت میں مسلسل کھڑا رہتا ہے۔

اور سجدہ سے نماز مراد ہے۔ارشادِ خداوندی ہے:

وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ. (ق:۴۰) اورنمازوں کے بعد

نماز میں صف بندی بھی اس امت کی خصوصیات میں شامل ہے جس طرح فرشتے صف بستہ ہیں یہ حدیث امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔

ملاقات کے وقت سلام کرنا بھی اس امت کے خصائص میں سے ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث گزرچکی ہے۔

جمعۃ المبارک

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ کی خصوصیات میں سے ایک بات جمعۃ المبارک ہے۔رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ہم پچھلے ہیں قیامت کے دن سے سب سے آگے ہوں گے البتہ ان کوہم سے پہلے کتاب دی گئی پھر یہ دن جو اللہ تعالیٰ نے ان پرفرض کیا توانہوں نے اس میں اختلاف کیا پس اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی لہٰذا لوگ اس میں ہم سے پیچھے ہیں یہودی کل (ہفتہ کے دن) کواورعیسائی پرسوں (اتوار کے دن)۔

(مسند احمد ج ۲ص ۲۴۹_۵۰۴'سنن دارقطنی ج ۲ص ۳'السنن الکبریٰ ج ۱ص ۲۹۸' دلائل النبوۃ ج ۵ص ۴۷۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ص ۲۱۵' کنز العمال رقم الحدیث:۳۴۴۷۵_۳۴۵۱۷)

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اسے جمعہ کے دن قبولیت کی ساعت عطا کی گئی اس ساعت کی تعیین میں اختلاف ہےاورتیس سے زائداقوال ہیں جومیں (مصنف) نے ''**لوامع الانوار فی الادعیۃ والاذکار** میں'' درج کئے ہیں۔

ماہِ رمضان سے متعلق خصائص

اس سلسلے میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ جب ماہ رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان (لوگوں) کی طرف نظر فرماتا ہےاوروہ جس کی طرف نظر فرمائے اسے کبھی عذاب نہیں دے گا اس مہینے میں جنت کوسنوارا جاتا ہےاورروزہ دار کے منہ کی بواللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے زیادہ مہکتی ہے۔ہررات مسلمانوں کے لئے فرشتے بخشش مانگتے ہیں حتیٰ کہ عید الفطر آجائے' جب آخری رات آتی ہے تو ان سب کوبخش دیا جاتا ہے یہ بات امام بیہقی نے ایسی سند کے ساتھ ذکر کی ہے جس میں کوئی حرج نہیں۔حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

اعطیت امتی فی شھر رمضان خمسالم یعطھن نبی قبلی.
میری امت کو رمضان کے مہینے میں پانچ باتیں عطا ہوئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔

(الترغیب والترہیب ج ۲ص ۹۴ الدر المنثور ج اص ۱۸۴ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۷۰۹)

اور ان (مسلمانوں) کے لئے مچھلیاں بخشش طلب کرتی ہیں یہاں تک کہ روزے رکھنا چھوڑ دیں (ماہِ رمضان ختم ہو جائے) اس حدیث کو امام بزار نے نقل کیا۔

اور سرکش شیطان بند کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ حدیث امام احمد اور امام بزار رحمہما اللہ نے نقل کی ہے۔

ایک خصوصیت سحری کھانا اور افطار میں جلدی کرنا ہے یہ حدیث امام بخاری اور مسلم نے نقل کی ہے۔

اور طلوع فجر تک رات میں کھانا پینا جائز قرار دیا گیا جب کہ پہلی امتوں پر سو جانے کے بعد یہ کام حرام تھے۔ اسلام کے شروع میں بھی اسی طرح تھا پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

ان خصائصِ امت میں سے ایک لیلۃ القدر ہے جس طرح امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح المھذب میں'' فرمایا ہے۔

اور کیا رمضان المبارک کے روزے اس امت کے خصائص میں سے ہیں یا نہیں؟ تو اگر ہم قرآن مجید کی آیت کریمہ:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ.
تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے۔

میں لفظ ''کما'' کو دیکھیں جس میں کاف تشبیہ کے لئے ہے اگر اس کو حقیقت پر محمول کریں تو ہم سے پہلے لوگوں پر بھی رمضان کے روزے فرض ہوں گے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ رمضان شریف کے روزے اللہ تعالیٰ نے تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کئے تھے۔ اس کی سند مجہول ہے۔ اور اگر ہم کہیں کہ مطلق روزے مراد ہیں ان کی تعداد اور وقت مراد نہیں ہے تو تشبیہ مطلق روزوں میں ہو گی اور یہ جمہور کا قول ہے۔

مصیبت کے وقت ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھنا

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مصیبت کے وقت یہ ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھتے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس امت کو مصیبت کے وقت وہ چیز دی گئی کہ پہلے انبیاء کرام کو اس کی مثل نہیں دی گئی اور وہ ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ'' ہے اگر یہ کلمات انبیاء کرام علیہم السلام کو دیئے جاتے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیئے جاتے جب آپ نے فرمایا:

يَآ اَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ.
ہائے حضرت یوسف علیہ السلام (کے جانے) پر افسوس۔

آسانی کا ہونا اور حرج کا اٹھ جانا

اس امت کو ایک خصوصیت یہ حاصل ہوئی کہ ان سے وہ بوجھ اٹھالئے گئے جو پہلی امتوں پر رکھے گئے تھے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَ یَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَ الۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ كَانَتۡ عَلَیۡهِمۡ. (الاعراف:۱۵۷)
اور ان سے وہ بوجھ اور بیڑیاں اتار دے جو ان پر تھیں۔

یعنی ان کو جن مشکل کاموں کا مکلف بنایا گیا تھا ان میں آسانی کر دے جس طرح جان بوجھ کر اور غلطی سے دونوں طرح قتل کرنے کی صوت میں قصاص واجب تھا۔ [۱]

اور جس عضو سے خطا سرزد ہوتی اسے کاٹ دیا جاتا اور نجاست کی جگہ کو بھی (دھونے کی بجائے) کاٹ دیا جاتا۔ [۲]

اور توبہ کے لئے قتل کرنا ضروری تھا۔ [۳]

اور بنی اسرائیل میں کوئی شخص گناہ کرتا تو صبح اس کے دروازے پر لکھا ہوتا کہ اس کا کفارہ یہ ہے کہ تمہاری آنکھیں نکال لی جائیں تو اس کی آنکھیں نکال دی جاتیں۔ ''اصر'' وہ بوجھ جو اٹھانے والے کو حرکت سے روک دے یعنی بہت بھاری ہو۔

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بہت سے کام حلال کر دیئے جو پہلے لوگوں پر حرام تھے اور ان پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَیۡكُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ. (الحج:۷۸)
اور اس نے دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔

مقصد یہ کہ تمہیں ایسے کاموں کا مکلف نہیں بنایا جن کی ادائیگی تمہارے لئے مشکل ہو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ (شرعی احکام کی ادائیگی سے) کوئی رکاوٹ یا عذر نہیں ہے کہ ان کو چھوڑ دیا جائے یعنی جو شخص کھڑا ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا وہ بیٹھ کر پڑھے اور سفر میں روزہ چھوڑنا جائز قرار دیا اور نماز میں قصر کا حکم دیا (چار کی بجائے دو پڑھے)۔

اور کہا گیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے نکلنے کا راستہ بنایا ہے اور ان کے لئے توبہ کا دروازہ کھول دیا اور حقوق خداوندی میں کفارے رکھے جب کہ حقوق العباد میں تاوان اور دیت وغیرہ رکھی۔ یہ بات امام بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔ (لسان العرب ج۱ص۱۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل پر جو بوجھ اور سختیاں تھیں یہ حرج ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس امت سے اٹھا دیا۔

---

[۱] ''صحیح بخاری میں ہے کہ'' بنی اسرائیل میں قصاص ہی تھا دیت نہیں تھی چاہے قتل ہو یا زخم۔

[۲] ''صحیح بخاری میں ہے کہ'' بنی اسرائیل میں (جب کسی کے کپڑوں کو) پیشاب لگ جاتا ہے تو اس کو کاٹ دیتا۔

[۳] ارشادِ خداوندی ہے: ''فَتُوبُوٓا اِلٰی بَارِئِكُمۡ فَاقۡتُلُوٓا اَنۡفُسَكُمۡ'' (پس اپنے پیدا کرنے والے کے ہاں توبہ کرو تو اپنے نفسوں کو قتل کرو) یعنی بے گناہ مجرم کو قتل کرے۔ (البقرہ:)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں اس امت کو تین باتیں ایسی دی گئی ہیں جو صرف انبیاء کرام علیہم السلام کو دی گئی تھیں ان کو لوگوں پر گواہ بنایا' ان پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی گئی اور فرمایا تم دعا مانگو میں تمہارے لئے قبول کروں گا۔

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے غلطی اور بھول جانے کے سبب سرزد ہونے والے گناہ کا مواخذہ اٹھادیا اسی طرح جس کام پر ان کو مجبور کیا جائے یا ان کے دل میں جو وسوسے پیدا ہوں ان پر بھی کوئی گرفت نہیں ہو گی۔[1]

جب کہ بنی اسرائیل کا حال یہ تھا کہ جب وہ احکام خداوندی میں سے کسی بات کو بھول جاتے یا ان سے خطا ہو جاتی تو ان پر فوری طور پر عذاب آتا تھا یعنی گناہ کے مطابق کوئی کھانا یا مشروب حرام ہو جاتا۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ وضع عن امتی الخطأ والنسیان وما استکرھوا علیہ۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا' نسیان اور جس بات پر ان کو مجبور کیا جائے' اسے اٹھادیا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۰۴۵' نصب الرایہ ج۲ص ۶۴' کشف الخفاء ج اص ۵۲۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۴۶۰)

اسلام اس امت کے ساتھ مخصوص ہے

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اسلام ان کے ساتھ مخصوص وصف ہے اس میں انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی دوسرا ان کے ساتھ شریک نہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا. (الحج:۷۸)

اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا پہلے بھی اور اس کتاب میں بھی۔

اور ارشاد فرمایا:

وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (المائدہ:۳)

اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔

اگر یہ اس امت کے ساتھ خاص نہ ہوتا تو اس کے ذریعے ان پر احسان جتانے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ان کے لئے بطور دین' اسلام کو پسند کرنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان کا نام مسلمان رکھنا ان کے غیر کے اسلام کے ساتھ موصوف ہونے کی نفی نہیں کرتا اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ فضائل جو دوسروں کو عطا فرمائے اس امت پر انعام فرمانے کی خبر دی ہے۔

کہا گیا کہ اسلام کا لفظ اس امت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ دوسروں کے لئے بھی بولا گیا ہے کیونکہ یہ لفظ تمام ادیانِ حق کا لغوی اور شرعی نام ہے۔ جس طرح ابن صلاح نے اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت نقل کی آپ نے فرمایا:

---

[1] نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کی ان باتوں سے درگزر فرمایا جو ان کے دلوں میں پیدا ہوتی ہیں جب تک وہ ان کو زبان پر نہ لائیں یا ان پر عمل نہ کریں۔ (صحیح بخاری)

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ O پس ہرگز نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔

(البقرہ:۱۳۲)

اور ارشادِ خداوندی ہے:

فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ O پس ہم نے اس میں مسلمانوں کے علاوہ کسی کا گھر نہیں پایا۔

(الذاریات:۳۶)

اور اس کے علاوہ بھی دلائل ہیں۔

نیز اسلام کے مقابلے میں ایمان زیادہ خاص ہے جس طرح بہت سے علماء کا مذہب ہے اور وہ اس امت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کرام علیہم السلام کا اقرار کرتے ہوئے شریعت میں داخل ہوتا ہے وہ ایمان کی صفت سے موصوف ہوتا ہے جس طرح امام راغب نے فرمایا ہے۔

شریعتِ امتِ محمدیہ کا کامل ہونا

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کی شریعت پہلی تمام شریعتوں سے زیادہ کامل ہے اور اس بات کی وضاحت بیان کی محتاج نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو دیکھئے آپ کی شریعت میں جلال اور قہر تھا' تو ان کو اپنی جانیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا ان پر چربی اور پنجے والے جانور نیز کئی پاکیزہ چیزیں حرام کی گئیں۔ ان پر مال غنیمت بھی حرام کیا گیا ان کو عذاب دینے میں جلدی کی گئی اور ان پر وہ بوجھ رکھے گئے جو دوسروں پر نہیں رکھے گئے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بہت بڑی ہیبت اور وقار والے تھے اللہ تعالیٰ کے لئے سخت غصے میں آنے والے اور گرفت کرنے والے تھے آپ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو پکڑتے تو کوئی شخص آپ کی طرف دیکھ نہیں سکتا تھا۔

جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیکر جمال تھے اور ان کی شریعت' فضل واحسان کی شریعت تھی آپ لڑائی نہیں کرتے تھے اور نہ ہی آپ کی شریعت میں جہاد تھا۔ نصاریٰ کے دین میں لڑائی حرام تھی اور وہ لڑائی کی وجہ سے گناہ گار ہو جاتے تھے کیونکہ انجیل میں ہے۔ جو تمہارے دائیں رخسار پر تھپڑ مارے تم بایاں رخسار اس کے آگے کر دو اور جو تم سے کسی کپڑے میں جھگڑا کرے تو اپنی چادر اسے دے دو اور جو تمہیں ایک میل تک لے جانا چاہے تم اس کے ساتھ دو میل تک چلو۔ (متی ج ۵ ص ۳۹۔۴۱)

اس قسم کے دوسرے احکام ہیں ان کی شریعت میں کوئی مشقت' بوجھ اور بیڑیاں نہیں تھیں۔

لیکن یہ رہبانیت (عمل میں اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنا اور دنیا سے قطع تعلق ہو جانا) عیسائیوں نے خود اختیار کی ان پر فرض نہیں کی گئی تھی۔

لیکن ہمارے نبی اکرم ﷺ مظہر کمال تھے آپ اس قوت' عدل' دین کے معاملے میں سختی اور نرمی' مہربانی اور رحمت کے جامع تھے پس آپ کی شریعت تمام شریعتوں سے کامل آپ کی امت تمام امتوں سے زیادہ کامل اور آپ کے احوال و مقامات تمام احوال و مقامات سے اکمل ہیں۔ اسی لئے آپ کی شریعت میں عدل وانصاف واجب اور فضل وکرم مستحب اور پسندیدہ ہے' سختی کے مقام پر سختی اور نرمی کے موقعہ پر نرمی' جہاں تلوار کی ضرورت ہو وہاں تلوار اور حسن سلوک کے مقام پر حسن سلوک ہے آپ ظلم کا ذکر کر کے اسے حرام قرار دیتے تھے اور انصاف کا ذکر کرتے ہوئے اس کا حکم دیتے ہیں بلکہ بعض

اوقات فضل و کرم کی دعوت دیتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا. (الشوریٰ:۴۰) برائی کا بدلہ برائی سے اس کی مثل ہے۔

یہ عدل ہے اور فرمایا:

فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ. (الشوریٰ:۴۰) پس جس نے معاف کیا اور اصلاح کی پس اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے۔

تو یہ فضل ہے اور فرمایا:

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ○ (الشوریٰ:۴۰) بے شک وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

یہ ظلم کو حرام کرنا ہے۔

اور ارشادِ خداوندی ہے:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ. (النحل:۱۲۶) اور اگر تم سزا دو تو ایسی ہی سزا دو جیسی تمہیں تکلیف پہنچائی۔

تو یہ عدل کو واجب کرنا اور ظلم کو حرام کرنا ہے۔ اور ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ. (النحل:۱۲۶) اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے۔

اس سے فضل واحسان کی دعوت دی گئی۔

جس طرح اس امت پر بعض کام اس امت کی حفاظت وحمایت کے لئے حرام کئے گئے اسی طرح تمام خبیث اور نقصان دینے والی اشیاء بھی حرام کی گئیں اور ہر پاک اور نفع بخش چیز کو جائز قرار دیا گیا پس اس کا (کسی چیز کو) حرام قرار دینا رحمت کے تحت ہے اور پہلے لوگوں پر جو کچھ حرام کیا گیا وہ ان کے لئے سزا تھی جس طرح پہلے اشارہ کیا گیا۔

اس امت کی ان چیزوں کی طرف رہنمائی کی گئی جن چیزوں سے پہلے لوگ بھٹکے ہوئے تھے ان کو تمام امتوں سے بہتر قرار دیا گیا اور لوگوں کے فائدے کے لئے پیدا کیا گیا نیز جو خوبیاں دوسروں کو متفرق طور پر دی گئیں اس امت میں جمع کر دی گئیں جس طرح اس امت کے نبی علیہ السلام میں وہ تمام محاسن جمع کر دیئے گئے جو پہلے انبیاء کرام میں متفرق طور پر تھے ان کی کتاب (قرآن مجید) میں وہ تمام خوبیاں مکمل کر دی گئیں جن کو پہلی کتب میں متفرق طور پر رکھا گیا تھا۔ اور یہی حال آپ کی شریعت مطہرہ کا ہے۔

پس یہ امت ہی مجتبیٰ (منتخب) ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ. (الحج:۷۸) اس نے تمہیں چن لیا اور تم پر تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

ان کو لوگوں (پہلی امتوں) پر گواہ بنایا اور اس سلسلے میں ان کو رسولوں کی جگہ رکھا گیا جو اپنی امتوں پر گواہ ہوں گے۔ ابن قیم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس امت کا اجتماع اور اجماع کی فضیلت

اس امت کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ امام احمد نے "اپنی مسند میں" امام طبرانی نے "الکبیر میں" اور ابن ابی خیثمہ نے "اپنی تاریخ میں" حضرت ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہو تو اس نے (میری دعا قبول کر کے) مجھے یہ اعزاز عطا فرمایا۔ (کشف الخفاء ج ۲ ص ۴۸۸ الاسرار المرفوعہ رقم الحدیث: ۸۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۷۹۰۴)

ابن ابی عاصم اور طبرانی نے اسے حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں تین چیزوں سے پناہ دی۔ [1] اور ان میں یہ بھی ذکر فرمایا کہ تم گمراہی پر جمع نہیں ہو گے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث کا متن مشہور ہے' اس کی اسناد اور شواہد مرفوع ہیں اور اس کے علاوہ بھی بہت زیادہ ہیں۔

ایک فضیلت یہ ہے کہ اس امت کا اجماع حجت اور اختلاف رحمت ہے جب کہ پہلے لوگوں کا اختلاف عذاب تھا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے "المدخل میں" حضرت سلیمان ابن ابی کریمہ سے انہوں نے جویبر سے انہوں نے ضحاک سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

واختلاف اصحابی لکم رحمة. اور میرے صحابہ کرام کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے۔

(کشف الخفاء ج ۱ ص ۶۸' المغنی عن حمل الاسفر ج ۱ ص ۲۸' تاریخ دمشق ج ۶ ص ۲۸۵)

جویبر نہایت ضعیف راوی ہے اور حضرت ضحاک کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت منقطع ہے۔

اور یہ حدیث جس طرح کہ حضرت شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا لوگوں کی زبانوں پر مشہور حدیث ہے اور ابن حاجب نے اسے "المختصر میں" قیاس کی بحث میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے:

اختلاف امتی رحمة للناس. میری امت کا اختلاف لوگوں کے لئے رحمت ہے۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ اس کے بارے میں سوال زیادہ ہوا اور بہت سے ائمہ نے خیال کیا کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے لیکن خطابی نے غریب الحدیث میں ضمناً ذکر کیا اور فرمایا کہ اس حدیث پر دو آدمیوں نے اعتراض کیا ایک وہ جو پاگل ہو اور دوسرا وہ جو دین سے نکل گیا اور یہ اسحاق موصلی اور عمرو بن بحر جاحظ ہے ان دونوں نے کہا اگر امت کا اختلاف رحمت ہے تو اتفاق عذاب ہوگا۔ [2]

---

[1] ایک بات یہ کہ تمہارے نبی ﷺ تمہارے خلاف دعا (بددعا) نہیں کریں گے جس سے تم سب ہلاک ہو جاؤ اور اہل باطل' اہل حق پر غالب نہیں آئیں گے (اور تیسری بات یہی کہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی)۔ (زرقانی ج ۵ ص ۳۸۹)

[2] کیونکہ امت کا احکام میں اختلاف وسعت اور گنجائش کا پیش خیمہ ہے اسی لئے امت کے لئے اجتہاد کی اجازت ہے' عقائد میں اختلاف مراد نہیں۔ امام زرقانی فرماتے ہیں حق بات جس پر اہل سنت و جماعت ہیں۔ یہ ہے کہ یہ حدیث احکام میں اختلاف سے متعلق ہے۔

(زرقانی ج ۵ ص ۳۸۹' ۳۹۰)

فرماتے ہیں پھر خطابی ان لوگوں کے رد میں مشغول ہوئے اور اس حدیث کی نسبت میں ان کی کوئی تصریح نہیں پائی گئی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان کے نزدیک اس کی کوئی اصل ہے۔

حضرت لیث بن سعد کی حدیث جو یحییٰ بن سعید سے مروی ہے اس میں ہے کہ اہل علم، وسعت والے ہیں اور فتنہ باز ہمیشہ اختلاف کریں گے یہ حلال کہے گا تو وہ حرام کہے گا لیکن ایک دوسرے کو الزام نہیں دیں گے اس بات کی طرف ہمارے شیخ نے ''المقاصد الحسنہ میں'' اشارہ کیا ہے۔

طاعون شہادت ہے

اس امت کا ایک اختصاص یہ ہے کہ ان کے لئے طاعون شہادت اور رحمت کا باعث ہے جبکہ پہلی امتوں پر عذاب تھا اس حدیث کو امام احمد نے اور امام طبرانی نے ''الکبیر میں'' ابو عسیب کی روایت سے نقل کیا جو حضور علیہ السلام کے آزاد کردہ غلام ہیں اور امام احمد کی روایت کے راوی ثقہ ہیں اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

الطاعون شهادة لامتی و رحمة لهم و رجز علی الکافرین.

طاعون میری امت کے لئے شہادت (کا باعث) اور ان کے لئے رحمت ہے اور کافروں پر عذاب ہے۔

(سنن دارمی ج ۲ ص ۲۰۷، اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۳۹۲، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۳۳۴، تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۲۸۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۴۳۷)

اچھی شہادت جنت میں دخول کا باعث ہے

اس امت کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ جب ان میں سے دو آدمی کسی شخص کی بھلائی کی شہادت دیں تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ [1] جب کہ پہلی امتوں کو یہ اعزاز ایک سو آدمیوں کی شہادت پر ملتا تھا۔

عمل کم اور ثواب زیادہ

اس امت کو حاصل ہونے والی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ ان کا عمل کم اور اجر زیادہ ہے اور عمریں بھی کم ہیں لیکن اوّل و آخر کا علم دیا گیا اور یہ آخری امت ہے اس لئے پہلی امتوں کی خرابیاں اور شرمندگی ان کے سامنے ظاہر ہوئی لیکن یہ کسی امت کے سامنے شرمندہ نہیں ہیں۔

اسناد کی خصوصیت

ان خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ ان کو سند کا اعزاز دیا گیا اور یہ ایک عمدہ خصوصیت ہے جو اس امت کے خصائص میں سے ہے اور مؤکدہ سنتوں میں سنت بالغہ ہے۔

اور ہم نے حضرت ابو العباس الدغولی کی سند سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت محمد بن حاتم بن مظفر سے سنا وہ

---

[1] امام احمد، بخاری اور نسائی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) جس مسلمان آدمی کے لئے چار آدمی گواہی دیں اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا عرض کیا گیا اور ''تین''؟ فرمایا تین بھی عرض کیا گیا اور ''دو'' فرمایا دو بھی، اس سے مقصود اچھے الفاظ میں تعریف کرنا ہے۔

فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عزت اور شرف سند کے ذریعے (بھی) عطا فرمایا اور اس سے پہلے کسی امت کے لئے وہ قدیم ہو یا جدید سند (موصول) نہ تھی ان کے ہاتھوں میں کتابیں تھیں اور انہوں نے اپنی کتابوں میں اپنی خبروں کو ملا دیا پس ان کے نزدیک اس بات کی تمیز نہیں تھی کہ تورات اور انجیل میں کیا اترا اور انہوں نے غیر ثقہ لوگوں سے لے کر جو خبریں شامل کی ہیں وہ کون سی ہیں۔

اور یہ امت شریفہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کے ذریعے ان کے شرف کو اور زیادہ کرے' حدیث شریف کو ان لوگوں سے لیتے ہیں جو اپنے زمانے میں صدق اور امانت میں معروف ہوتے ہیں اور وہ اپنی مثل لوگوں سے لیتے ہیں حتیٰ کہ ان کی خبریں انتہا کو پہنچ جاتی ہیں۔

پھر وہ اس پر بہت زیادہ بحث کرتے ہیں حتیٰ کہ جو زیادہ یادداشت والا ہے اس کو پہچان لیتے ہیں پھر اس سے کم درجے والا اور اسی طرح زیادہ یاد رکھنے والے لوگ اسی ترتیب سے' نیز جس کو زیادہ صحبت حاصل ہوئی وہ مقدم ہوتا پھر وہ جس کو کم حاضری نصیب ہوئی پھر وہ بیس وجوہ سے یا اس سے زیادہ طرق سے بھی حدیث لکھتے ہیں حتیٰ کہ اس کو غلطی اور لغزش سے ممتاز کر دیتے ہیں' اس کے حروف کو ضبط میں لاتے اور اسے خوب شمار کرتے ہیں تو اس امت پر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے پس ہم اس نعمت اور دوسری نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

ابو حاتم رازی (محمد بن ادریس رازی متوفی ۲۷۷ھ) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب سے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا کسی امت میں ایسے امین لوگ نہیں رہے جو رسل عظام کے آثار اور ارشادات کو محفوظ رکھتے ہوں یہ اعزاز صرف اس امت کو حاصل ہے۔ (الاعلام ج ۶ ص ۲۷' تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۱' تاریخ بغداد ج ۲ ص ۷۳' مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۱۶۹)

اس امت کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کو نسب کی معرفت اور فصیح کلام (کا ملکہ) دیا گیا۔ ابوبکر محمد بن احمد (بغدادی) فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو تین ایسی باتوں کے ساتھ خاص کیا جو ان سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں اسناد' معرفتِ انساب اور کلام میں فصاحت۔

یہ بات حضرت ابو علی جیانی (حسین بن محمد اندلسی متوفی ۴۹۸ھ) سے بھی مروی ہے۔

(الاعلام ج ۲ ص ۲۵۵' فیات الاعیان ج ۱ ص ۱۵۸)

ایک خصوصیت جو اس امت کو عطا کی گئی یہ ہے کہ یہ کتب تصنیف کرتے ہیں۔ یہ بات بعض علماء نے ذکر کی ہے اور ان میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ جائے۔

اس امت میں ابدال کا وجود

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اقطاب' اوتاد' نجباء اور ابدال پائے جاتے ہیں۔ [1]

[1] صوفیاء کی اصطلاح میں قطب ایک باطنی خلیفہ اور اپنے زمانے کا سردار ہوتا ہے چونکہ اس میں تمام مقامات واحوال جمع ہوتے ہیں اس لئے اس کو قطب کہا جاتا ہے۔

اوتاد ہر زمانے میں چار ہوتے ہیں وہ انسانوں کے لئے اس طرح ہوتے ہیں جس طرح زمین کے لئے پہاڑ ہیں جو زمین کو ٹھہرائے رکھتے ہیں (وتد میخ یا کیل کو کہا جاتا ہے)۔ نجباء ستر ہیں اور ان کا درجہ نقباء سے اوپر اور ابدال سے کم ہوتا ہے۔ ابدال بدل کی جمع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک فوت ہو جائے تو اس کی جگہ دوسرا آتا ہے (تو یہ تمام صوفیاء کی اصطلاحات اور ان کے مقامات ہیں)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ ابدال چالیس مرد اور چالیس عورتیں ہیں جب ایک مرد انتقال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو لے آتا ہے اور جب کوئی عورت فوت ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسری عورت کو لے آتا ہے۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۷۶٬ اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۳۸۵٬ کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۵٬ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۵۹۷)

یہ حدیث (حسن بن ابی طالب بن محمد بن حسن) خلال نے اپنی تصنیف ''کرامات الاولیاء'' میں نقل کی ہے۔

(الاعلام ج ۲ ص ۲۱۳٬ تاریخ بغداد و کشف الظنون ج ۱ ص ۲۶)

امام طبرانی نے ''الاوسط میں'' ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ زمین اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں سے چالیس آدمیوں سے خالی نہیں ہوتی ان لوگوں کے وسیلے سے بارش برستی ہے اور ان کے صدقہ سے لوگوں کی مدد کی جاتی ہے ان میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو لے آتا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۶۳٬ اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۳۸۵٬ الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۴۲۳٬ الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲۰٬ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۶۰۳)

ابن عدی نے ''اپنی کامل (الکامل لابن عدی) میں'' ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا کہ ابدال چالیس ہیں بائیس شام میں اور اٹھارہ عراق میں ہیں جب ان میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو لے آتا ہے پس جب اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا تو ان سب کی روح قبض ہو جائے گی پس اس وقت قیامت قائم ہو گی۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۲۰۸۲٬ اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۳۸۵٬ کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۶٬ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۶۰۹)

اسی طرح امام احمد نے ''مسند میں'' اور الخلال نے بھی حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ اس امت میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح کے تین افراد رہیں گے جب ان میں سے ایک فوت ہو گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو لے آئے گا۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۹۸۶)

طبرانی الکبیر فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کی وجہ سے زمین قائم رہے گی ان کی ذریعے بارش برسے گی اور ان کے وسیلہ سے لوگوں کی مدد کی جائے گی۔

ابونعیم نے ''الحلیہ میں'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا وہ فرماتے ہیں (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا)۔ میری امت کے پسندیدہ لوگ (خیار) ہر صدی میں پانچ سو ہوں گے اور ابدال چالیس ہوں گے نہ پانچ سو میں کمی ہو گی اور نہ چار سو سے کم ہوں گے جب ان میں سے کوئی ایک فوت ہو گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو بدل دے گا اور یہ سب زمین میں ہوں گے۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۹۴٬ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۸٬ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۵۹۱)

''حلیہ میں ہی'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ میری امت میں چالیس ایسے آدمی ہمیشہ رہیں گے جن کے دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کے مطابق ہوں گے ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ زمین والوں کی مصیبتیں دور کرے گا اور ان کو ابدال کہا جائے گا ان کو یہ مقام نماز روزے اور صدقہ کی وجہ سے نہیں ملے گا۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ! ان کو یہ مقام کس وجہ سے ملے گا؟ فرمایا سخاوت اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی وجہ سے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۶۳٬ اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۳۸۶٬ الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲٬ کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۵٬ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۶۱۲-۳۴۶۱۴)

حضرت معروف کرخی (معروف بن فیروز کرخی متوفی ۲۰۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص روزانہ یہ کلمات پڑھے:

(الاعلام ج ۷ص ۲۶۹ فیات الاعیان ج ۲ص ۱۰۴ صفۃ الصفوہ ج ۲ص ۱۷۹ تاریخ بغداد ج ۱۴ص ۱۹۹)

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ. یااللہ! حضرت محمد ﷺ کی امت پر رحم فرما۔

تو اللہ تعالیٰ اسے ابدال میں لکھ دے گا۔

یہ بات ''الحلیہ میں'' ان الفاظ کے ساتھ ہے۔ جو شخص ہر دن دس مرتبہ یوں کہے:

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ اَللّٰهُمَّ فَرِّجْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ.

یا اللہ! حضرت محمد ﷺ کی امت کی اصلاح فرما یا اللہ! حضرت محمد ﷺ کی امت کی مشکلات دور کر دے یا اللہ! حضرت محمد ﷺ کی امت پر رحم فرما۔

تو یہ شخص ابدال میں لکھا جائے گا۔ (الحلیۃ الاولیاء ج ۸ص ۳۶۶)

دوسرے حضرات سے ابدال کے بارے میں مروی ہے کہ ان کی اولاد نہیں۔ ایک مرفوع مفصل (نبی اکرم ﷺ سے مروی وہ حدیث جس کی سند کے درمیان سے دو راوی چھوٹ جائیں) حدیث میں ہے کہ میری امت کے ابدال کی علامت یہ ہے کہ وہ کسی چیز پر کبھی بھی لعنت نہیں بھیجتے۔

حضرت یزید بن ہارون رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابدال، علم والے ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر علم حدیث والا ابدال نہیں تو کون ابدال ہیں؟ ''تاریخ بغداد میں'' الخطیب نے حضرت کتانی (عبدالعزیز بن احمد بن محمد بن علی التمیمی متوفی ۴۶۶ھ) سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں نقباء تین سو ہیں، نجباء ستر، ابدال چالیس، اخیار سات، العمد چار اور غوث ایک ہے۔

(الاعلام ج ۴ص ۱۴ شذرات الذہب ج ۴ص ۳۲۵)

نقباء کا ٹھکانہ مغرب میں، نجباء کا مصر میں اور ابدال کا شام میں ہے، اخیار زمین میں سیاحت کرتے ہیں، عمد زمین کے کونوں میں ہوتے ہیں اور غوث کا مسکن مکہ مکرمہ ہے۔

پس جب تمام لوگوں کو کسی معاملہ کی حاجت پیش آتی ہے تو اس سلسلے میں نقباء بارگاہِ خداوندی میں گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں پھر نجباء، پھر ابدال، پھر اخیار اور پھر عمد، اگر ان کی دعا قبول ہو جائے تو ٹھیک ورنہ غوث گڑگڑا کر دعا مانگتا ہے۔[1] اور اس وقت تک سوال مکمل نہیں ہوتا جب تک اس کی دعا قبول نہ ہو۔

اخروی زندگی سے متعلق خصائص

اس امت کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ یہ اپنی قبروں میں گناہوں کے ساتھ داخل ہوتے ہیں اور گناہوں کے بغیر نکلیں گے جب مؤمن ان کے لئے دعا مانگتے ہیں تو ان کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ امام طبرانی نے ''الاوسط میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

میری امت مرحومہ ہے یہ اپنی قبروں میں گناہوں سمیت داخل ہوتے ہیں اور قبروں سے نکلتے ہیں تو ان پر کوئی گناہ

[1] ایک حدیث شریف میں ہے کہ مؤمن کی دعا رد نہیں ہوتی تو یہ حدیث اس کے خلاف نہیں ہے جب کہ یہ ابدال وغیرہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کو ''مستجاب الدعوات'' بنایا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دعا قبول ضرور ہوتی ہے لیکن اس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں کبھی دنیا میں حاجت پوری ہوتی ہے کبھی قیامت کے لئے ذخیرہ ہو جاتی ہے کبھی مؤخر ہوتی ہے۔ (زرقانی ج ۵ص ۴۰۱)

نہیں ہوتا کیونکہ مؤمنین ان کے لئے بخشش کی دعا مانگتے ہیں تو گناہ مٹ جاتے ہیں۔

(المستدرک ج ۴ص ۴۴۴، کشف الخفاء ج ۱ص ۲۲۹، اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ص ۱۷۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۴۵۴۔۳۷۹۰۶)

ایک خصوصیت یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ امت تمام امتوں سے پہلے زمین سے نکلے گی۔ ابو نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا آپ نے فرمایا:

وانا اول من تنشق الارض عنی وعن امتی ولا فخر. میں وہ پہلا شخص ہوں کہ میرے لئے اور میری امت کے لئے زمین پھٹے گی اور میں یہ بات بطور فخر نہیں کہتا۔

اس امت کا ایک اختصاص یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کو پکارا جائے گا تو وضو کے آثار سے ان کے اعضاء سفید چمکتے ہوں گے۔ جس طرح گھوڑے کا چہرہ اور پاؤں سفید ہوتے ہیں اور اس سے حسن و جمال میں اضافہ ہوتا ہے اسی طرح مسلمانوں کا حسن دوبالا ہوگا۔

تو نبی اکرم ﷺ نے اس نور کو جو قیامت کے دن اعضائے وضو میں ہوگا چمک اور سفیدی کے ساتھ تشبیہ دی تاکہ معلوم ہو کہ انسانی اعضاء میں یہ سفیدی زینت کا باعث ہوگی۔ بدنما نہیں ہوگی مطلب یہ ہے کہ جب ان کو لوگوں کے سامنے بلایا جائے گا تو اس وصف کے ساتھ بلایا جائے گا۔ یا وہ اس صفت پر ہوں گے۔

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ میدان محشر میں یہ لوگ بلند جگہ پر ہوں گے۔ ابن جریر اور ابن مردویہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے مرفوعاً نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

میں اور میری امت ٹیلے پر دوسروں لوگوں سے بلند ہوں گے ہر آدمی چاہے گا کہ وہ ہم میں سے ہو اور جس نبی کو ان کی قوم نے جھٹلایا ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ انہوں نے اپنے رب کا پیغام پہنچایا ہے۔

ابن مردویہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا و امتی علی تل. میری اور میری امت ایک ٹیلے پر ہوں گے۔

اس امت کی خصوصیات میں یہ خصوصیت بھی شامل ہے کہ ان کی نشانی ان کے چہروں پر سجدوں کے اثرات ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ. (الفتح: ۲۹) ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے۔

اور کیا یہ نشانی دنیا میں ہوگی یا آخر میں؟ تو اس میں دو قول ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ نشانی دنیا میں ہوگی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ابن ابی طلحہ کی روایت میں فرماتے ہیں:

السمت الحسن. یہ سکون و وقار ہے۔

حضرت مجاہد کی روایت میں ہے کہ یہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو یہ نشانی نہیں ہے بلکہ یہ اسلامی وقار ہے، نشانی سے خشوع مراد ہے ایک قول یہ ہے کہ شب بیداری کی وجہ سے ان کے چہرے زرد ہوں گے پس تم ان کو بیمار سمجھو گے لیکن وہ بیمار نہیں ہوں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نشانی آخرت میں ہوگی کہ ان کے چہروں کے وہ حصے جو سجدے میں استعمال ہوتے ہیں قیامت کے دن بہت زیادہ سفید ہوں گے اور اس سے معلوم ہوگا کہ انہوں نے دنیا میں سجدہ کیا۔
العوفی (عطیہ بن سعد بن حنالاہ) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور حضرت شہر بن حوشب سے روایت کیا کہ ان کے چہروں کے مقامات سجدہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔
(الاعلام ج ۴ ص ۲۷۸' تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۶۹)
عطاء خراسانی (عطا بن ابی مسلم خراسانی) فرماتے ہیں اس آیت میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو پانچ نمازیں پابندی سے پڑھتے ہیں۔ (الاعلام ج ۴ ص ۲۳۵' شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۹۲)
امت مسلمہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کے نامہ ہائے اعمال ان کے دائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے۔
(مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۹' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۴۴)
ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کا نور ان کے سامنے چل رہا ہوگا یہ حدیث امام احمد رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ ذکر کی ہے۔ [1]
امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کو اس عمل کا ثواب بھی ملتا ہے جو وہ خود کرتے ہیں اور جو ان کے لئے کیا جاتا ہے اس کا ثواب بھی ان کو دیا جاتا ہے جبکہ پہلے لوگوں کے لئے صرف ان کا عمل ہی کارآمد ہوتا تھا۔
سوال: ارشاد خداوندی ہے:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝ (النجم: ۳۹)

اور انسان کے لئے صرف وہی ہے جو اس نے کمایا۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو صرف اس کے اپنے اعمال کا ثواب ملتا ہے دوسرے اپنے اعمال کا ایصال ثواب نہیں کر سکتے۔
جواب: اس سوال کے کئی جواب ہیں۔
۱۔ یہ آیت منسوخ ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے منسوخ ہونے کا ذکر فرمایا اور اس کی ناسخ یہ آیت کریمہ ہے:

وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی اتباع کی ہم نے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو ملا دیا۔

تو چھوٹے بچے کو باپ کے میزان میں کر دیا اور اللہ تعالیٰ باپ کی سفارش اولاد کے حق میں اور اولاد کی سفارش باپ کے حق میں قبول فرمائے گا۔ اس کی دلیل یہ ارشاد خداوندی ہے:

---

[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں قیامت کے دن دوسری امتوں کے درمیان اپنی امت کو پہچان لوں گا اور ان کی پہچان اس طرح ہوگی کہ ان کے نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے' ان کے چہروں پر موجود نشانی سے پہچانوں گا جو سجود کے اثرات ہوں گے اور ان کو اس طرح پہچانوں گا کہ ان کے نور ان کے آگے چل رہے ہوں گے۔

اٰبَآءُکُمْ وَ اَبْنَآءُکُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ لَکُمْ نَفْعًا. تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کہ ان میں کون تمہارے نفع کے زیادہ قریب ہے۔

۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ کافروں کے ساتھ خاص ہے جب کہ مسلمان کو دوسروں کے عمل سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں اس قول پر کئی احادیث دلالت کرتی ہیں اور مؤمن تک دوسروں کے نیک اعمال کا ثواب پہنچتا ہے۔

صحیح حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا:

من مات و علیہ صیام صام عنہ ولیہ. جو شخص مر جائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۳، سنن الکبریٰ ج ۴ ص ۲۵۵، سنن دارقطنی ج ۲ ص ۱۹۵، تعلیق التعلیق رقم الحدیث: ۶۹۷، تمہید ج ۹ ص ۲۸، نصب الرایہ ج ۲ ص ۴۶۴، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۸۲۱)

اور جس نے دوسرے کی طرف سے حج کیا ان سے فرمایا:

حج عن نفسک ثم حج شبرمة. اپنی طرف سے حج کرو پھر حضرت شبرمہ کی طرف سے حج کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۱۱، تمہید ج ۹ ص ۱۳۸، المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۴۳، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۸۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ اپنے بھائی حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی طرف سے اعتکاف بیٹھیں اور ان کی طرف سے غلام آزاد کیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے تو کیا میں اس کی طرف سے صدقہ کروں آپ نے فرمایا ہاں (صدقہ کرو) پوچھا کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا پانی پلانا۔[۱]

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۸۴، سنن نسائی ج ۶ ص ۲۵۴۔۲۵۵، مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۵۔ ج ۶ ص ۷، السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۱۸۵، المستدرک ج ۱ ص ۴۱۴، الدر المنثور ج ۳ ص ۹۰، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۷۳)

''مؤطا میں ہے'' حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اپنی پھوپھی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ان کی دادی (حضرت عبداللہ کی دادی) سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ انہوں نے مسجد قباء تک پیدل جانے کی منت مانی اور اسے پورا نہ کیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فتویٰ دیا کہ وہ ان کی طرف سے چل کر جائیں[۲] (اور ان کی نذر پوری کریں)۔

---

[۱] چونکہ مدینہ طیبہ میں پانی کی اشد ضرورت تھی اس لئے حضور علیہ السلام نے اسے افضل صدقہ قرار دیا' آج ایصال ثواب' محافل میلاد اور محافل نعت کے حوالے سے زر کثیر خرچ کیا جاتا ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ اس کا مصرف صحیح نہیں اہل سنت کے دینی مدارس' اپنی کتب کی اشاعت اور اس طرح کے اہم کاموں پر روپیہ پیسہ خرچ کر کے فوت شدہ مسلمانوں کی ارواح کو تسکین پہنچانے کی ضرورت ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[۲] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان تمام واقعات میں اس بات پر دلالت ہے کہ ایک انسان کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے۔

(زرقانی ج ۵ ص ۴۰۵)

مفسرین میں سے بعض نے کہا کہ اس آیت میں انسان سے مراد ابوجہل ہے بعض نے کہا عقبہ بن ابی معیط مراد ہے بعض نے ولید بن مغیرہ مراد لیا ہے اور کسی مفسر نے کہا کہ ہم سے پہلے کی شریعتوں کے بارے میں خبر دی گئی ہے اور ہماری شریعت میں اس بات پر دلالت موجود ہے کہ انسان کو اپنی کوشش بھی فائدہ دیتی ہے اور دوسروں کے عمل سے بھی اسے فائدہ پہنچتا ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں انسان بھلائی کے لئے کوششیں کرتا ہے اور اچھی مجالس اختیار کرتا ہے تو اچھے دوست مل جاتے ہیں اب وہ ان سے محبت کرتا اور اچھا سلوک کرتا تو اس کے مرنے کے بعد اس کی کوشش کی وجہ سے ان کا ثواب اسے بھی ملتا ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت میں انسان سے زندہ مراد ہے فوت شدہ نہیں' بعض نے کہا کہ آیت میں دوسروں کے عمل سے انسان کو پہنچنے والے نفع کی نفی نہیں بلکہ اس بات کی نفی ہے کہ وہ دوسرے کے عمل کا مالک نہیں بن سکتا اور دونوں باتوں میں فرق ہے۔ زمخشری نے اس آیت کے ضمن میں کہا کہ اگر تم کہو کہ کیا میت کی طرف سے صدقہ اور حج کی احادیث صحیح ہیں تو میں کہوں گا کہ اس کے دو جواب ہیں۔

ایک جواب یہ ہے کہ اگر دوسرے کا عمل اسے صرف اپنے عمل کی بنیاد پر نفع دیتا ہو یعنی وہ مومن تصدیق کرنے والا ہو تو دوسرے کی کوشش گویا اس کی ذاتی کوشش ہے کیونکہ یہ اس کے تابع اور قائم مقام ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ دوسرے کا عمل اس صورت میں نفع نہیں دیتا جب اس (دوسرے) نے اپنے لئے عمل کیا ہو لیکن جب اس نے اس کے لئے نیت کی ہو تو وہ شرعی طور پر اس کا نائب اور اس کے قائم مقام وکیل ہے۔

اور صحیح جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ:

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیO اور انسان کے لئے وہی ہے جو اس نے کوشش کی۔

(النجم:۳۹)

عام ہے لیکن اس میں وہ امور خاص ہیں جن کا ذکر جوابات کی صورت میں ہو چکا ہے۔

تلاوت کا ایصال ثواب

اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا قرآن مجید کی قرأت کا ثواب میت تک پہنچتا ہے یا نہیں؟

تو اکثر حضرات انکار کی طرف گئے ہیں امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے مذہب سے یہی بات مشہور ہے اور حنفیوں کی ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے۔

لیکن اکثر شافعی اور حنفی فرماتے ہیں کہ یہ ثواب پہنچتا ہے امام احمد رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں پہلے انہوں نے فرمایا تھا کہ قبر پر قرآن مجید پڑھنا بدعت ہے بلکہ امام احمد رحمہ اللہ سے یوں منقول ہے کہ صدقہ' نماز' حج' اعتکاف اور تلاوت و ذکر وغیرہ سب کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔

شیخ شمس الدین قطان عسقلانی رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا کہ تلاوت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے چاہے وہ قریبی رشتہ دار ہو یا کوئی اجنبی' جس طرح صدقہ' دعا اور استغفار کا ثواب بالاتفاق پہنچتا ہے۔

قاضی حسین نے فتویٰ دیا کہ قبر کے سرہانے قرآن مجید پڑھانے کے لئے کسی کو اجرت پر حاصل کرنا بھی جائز ہے جس طرح اذان اور تعلیم قرآن کے لئے کسی کو تنخواہ پر حاصل کیا جاتا ہے۔

لیکن امام رافعی رحمہ اللہ نے فرمایا اور امام نووی رحمہ اللہ نے ان کی اتباع کی کہ اجارہ کی صورت میں نفع کا اجرت پر حاصل کرنے والے (مستاجر) کی طرف لوٹنا شرط ہے تو اس سے نفع اس مستاجر یا اس کی میت کی طرف لوٹنا واجب ہے لیکن مستاجر کو فائدہ نہ ہوگا جب کوئی دوسرا اس کے لئے پڑھے اور مشہور یہ ہے کہ میت کو محض تلاوت کا ثواب نہیں پہنچتا (جب تک دعا نہ کی جائے) پس اجرت پر حاصل کرنے والے کو اس صورت پر اتارنے کی ضرورت ہے کہ میت کو تلاوت کا ثواب پہنچے۔ تو اس سلسلے میں انہوں نے دو طریقے ذکر کئے ہیں۔

۱۔ تلاوت کے بعد میت کے لئے دعا کی جائے کیونکہ دعا اس تک پہنچتی ہے اور تلاوت کے بعد دعا قبولیت کے زیادہ قریب ہے اور اس میں برکت زیادہ ہوتی ہے۔

۲۔ دوسرا طریقہ شیخ عبدالکریم شالوسی (متوفی ۴۶۵ھ) نے ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں اگر تلاوت کرنے والا یہ نیت کرے کہ اس تلاوت کا ثواب میت کو پہنچے تو وہ نہیں پہنچے گا لیکن تلاوت کرنے کے بعد اس کا ثواب میت کو ایصال کرے تو یہ اس اجر کے میت کے لئے ہونے کی دعا ہے پس میت کو فائدہ پہنچے گا۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے ''زیادات الروضہ میں'' فرمایا کہ قاضی حسین کے کلام کا ظاہر بتاتا ہے کہ اجارہ مطلقاً صحیح ہے اور یہی مختار ہے کیونکہ تلاوت کا مقام برکت کی جگہ ہے اور رحمت نازل ہوتی ہے اور یہی مقصود ہے جس سے میت کو نفع حاصل ہوتا ہے۔

امام رافعی نے اور ان کی اتباع میں امام نووی رحمہ اللہ نے وصیت کے باب میں فرمایا کہ میت کے سرہانے قرآن مجید کی تلاوت کا جو طریقہ جاری ہے ہم نے ''باب الاجارہ'' میں دو طریقے ذکر کئے ہیں کہ میت تک فائدہ کس طرح پہنچتا ہے؟

اور قاضی ابوالطیب نے ایک تیسرا طریقہ بھی ذکر کیا ہے وہ یہ کہ میت زندہ حاضر کی طرح ہے پس جب تلاوت کرنے والا اسے ثواب کا تحفہ بھیجتا ہے تو اس کے لئے رحمت اور برکت پہنچنے کی امید کی جاسکتی ہے۔

اور شیخ عبدالکریم شالوسی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب تلاوت سے میت کو ثواب پہنچانے کی نیت کرے تو یہ ثواب نہیں پہنچے گا کیونکہ ثواب حاصل ہونے سے پہلے ایصال ہوا اور تلاوت بدنی عبادت ہے جو غیر کی طرف سے نفع نہیں دیتی۔ اور اگر تلاوت کرنے کے بعد حاصل ہونے والے ثواب کو میت کے لئے ایصال کرے تو اس کو فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ ثواب دوسرے کے لئے ایصال ہوا اور میت کو دوسرے کی دعا سے فائدہ پہنچتا ہے۔

لیکن مطلق یہ کہنا کہ دعا میت کو نفع پہنچاتی ہے اس پر بعض حضرات نے اعتراض کیا کہ یہ قبولیت پر موقوف ہے۔ اور ممکن ہے یوں کہا جائے کہ میت کے لئے کی جانے والی دعا قبولیت کا شرف حاصل کرتی ہے جس طرح علماء کرام نے فرمایا اور یہ اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت و فضل پر اعتماد ہے۔

امام رافعی اور ان کی اتباع میں امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ (میت کے لئے) صدقہ اور دعا میں وارث اور اجنبی

برابر ہیں امام شافعی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ صدقہ کرنے والے کو بھی ثواب عطا کرے۔

اسی لئے فرمایا گیا کہ صدقہ کرنے والے کو چاہیے کہ وہ صدقہ کرتے وقت اپنے ماں باپ (کے ایصال ثواب) کی نیت کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی ثواب پہنچاتا ہے اور اس کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں آتی۔

''صاحب العدۃ'' فرماتے ہیں اگر اپنی زندگی میں کوئی کنواں وغیرہ کھودے یا درخت لگائے یا قرآن مجید وقف کرے یا اس کے مرنے کے بعد کوئی دوسرا یہ کام کرے تو میت کو اس کا ثواب پہنچتا ہے۔

امام رافعی اور امام نووی رحمہما اللہ فرماتے ہیں جب یہ کام زندہ آدمی کرے تو یہ صدقات جاریہ ہیں ان کا ثواب میت کو پہنچتا ہے جس طرح حدیث شریف میں ہے۔ [1]

اور قرآن مجید وقف کرنے کے ساتھ حکم خاص نہیں بلکہ ہر وقف کا ثواب ملتا ہے اس قیاس سے معلوم ہوا کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا صدقہ ہے لیکن ''التھذیب میں ہے کہ'' دوسرے کی طرف سے قربانی اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہوسکتی اسی طرح میت کی طرف سے بھی اس کی وصیت کے بغیر جائز نہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے یا کسی دوسرے صحابی سے مروی ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی طرف سے قربانی کرتے تھے۔ حضرت ابو محمد بن اسحاق سراج رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ستر قربانیاں دی ہیں۔ لیکن تلاوت کا ثواب بارگاہ نبوی میں پیش کرنے سے متعلق کوئی حدیث یا قول صحابی معلوم نہیں اور ایک جماعت نے اس کا انکار کیا جن میں شیخ برہان الدین بن فرکاح بھی شامل ہیں کیونکہ صحابہ کرام میں سے کسی ایک نے ایسا نہیں کیا۔

لیکن ابن قیم نے ''الروح میں'' کہا کہ متاخرین فقہاء میں سے بعض نے اس کو مستحب قرار دیا اور بعض نے بدعت کہا ہے وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ کو اس کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی امت کا کوئی بھی شخص نیکی کرے آپ کو اس کا ثواب ملتا ہے اور عمل کرنے والے کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں آتی۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ کا کوئی امتی نیک عمل کرے تو اس کی اصل نبی کریم ﷺ ہیں۔

''تحقیق النصرۃ میں'' فرمایا کہ مسلمانوں کی تمام نیکیاں اور اعمال صالحہ ہمارے نبی ﷺ کے نامۂ عمل میں باقی ہیں اور ان کے اصل ثواب سے اس قدر بڑھ کر ثواب ملتا ہے جس کا شمار اللہ تعالیٰ ہی کرسکتا ہے کیونکہ ہر ہدایت پانے والے اور عمل کرنے والے کو قیامت تک اجر ملتا رہے گا اور اس کی مثل اجر اس کے شیخ اور اس شیخ کے شیخ کو دوگنا تیسرے شیخ کو چار گنا اور چھوتھے شیخ کو آٹھ گنا ملے گا اسی طرح ہر مرتبہ میں بڑھتا جائے گا اور ان تمام کے اجروں کے مطابق حضور علیہ السلام کو ملے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے بزرگوں کو بعد والوں پر فضیلت حاصل ہے اگر نبی اکرم ﷺ کے بعد دس مراتب فرض کئے جائیں تو آپ کے لئے ایک ہزار چوبیس بار کا اجر ہوگا اور اگر دسویں سے گیارہواں ہدایت حاصل کرے تو نبی اکرم ﷺ کا ثواب دو ہزار اڑتالیس ہو جائے گا اسی طرح جب بھی ایک بڑھے گا تو پہلے والا دوگنا ہو جائے گا جس طرح بعض محققین

---

[1] نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مؤمن کو اس کے مرنے کے بعد جو کچھ اس کے عمل اور نیکیوں سے پہنچتا ہے وہ علم ہے جو اس نے پھیلایا' نیک اولاد ہے جو چھوڑ گیا قرآن مجید جو وقف کیا مسجد بنائی اللہ تعالیٰ کے راستے میں کوئی گھر بنایا نہر جاری کی یا اپنے مال سے صحت اور زندگی میں صدقہ کیا تو مرنے کے بعد اس کا ثواب ملتا ہے۔ (زرقانی ج ۵ ص ۴۰۸)

نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ شاعر یعنی سیدی محمد وفا رحمہ اللہ کو جزا عطا فرمائے:

فلا حسن الا من محاسن حسنه ولا محسن الا له حسناته

''ہر حسن رسول اکرم ﷺ کے حسن کے محاسن کا فیض ہے اور ہر نیکی کرنے والے کی نیکی کا ثواب رسول اکرم ﷺ کو ملتا ہے''۔

نبی اکرم ﷺ کے بارے میں معلوم ہے کہ عزت و شرف کے تمام مراتب میں آپ کو کمال حاصل ہے اس کے باوجود آپ کے درجات کی بلندیوں کے لئے جو دعا کی جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہی ہے گویا دعا کرنے والا اس بات کو سامنے رکھتا ہے کہ اس کے معلم کو اس کے ثواب کے برابر ملتا ہے حتیٰ کہ پہلے معلم یعنی حضور علیہ السلام کو اس تمام ثواب کے برابر ملتا ہے۔

کعبۃ اللہ کی زیارت کے وقت جو کہا جاتا ہے کہ یا اللہ اس گھر کے شرف میں اضافہ فرما اور اس کی عظمت کو بڑھا دے تو اس دعا کا فائدہ دعا کرنے والے کو ہوتا ہے کہ اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ جس طرح نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں درود شریف کا ہدیہ پیش کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہاں آپ کے شرف کو زیادہ فرمائے تو اس دعا کا فائدہ درود شریف پڑھنے والے کو ہوتا ہے یہ بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمائی۔

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ امت جنت میں تمام امتوں سے پہلے جائے گی۔ امام طبرانی نے ''الاوسط میں'' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

حرمت الجنة على الانبياء حتى ادخلها و حرمت على الامم حتى تدخلها امتى

جب تک میں داخل نہ ہو جاؤں انبیاء کرام پر جنت حرام رہے گی اور تمام امتوں پر جنت حرام رہے گی جب تک میری امت داخل نہ ہو جائے۔

(تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۲۱۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۰۴۹)

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان میں سے ستر ہزار افراد حساب کے بغیر جنت میں جائیں گے یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے نقل کیا ہے۔

طبرانی نے نیز امام بیہقی نے ''شعب الایمان میں'' نقل کیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ میری امت سے ستر ہزار کو حساب کے بغیر جنت میں داخل کرے گا اور میں نے اس میں اضافہ کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار دیئے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ اص ۵۶۷، المعجم الکبیر ج ۱۷ اص ۱۲۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۱۰۴۔۳۲۱۰۶)

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اس امت کو وہ خصوصیات حاصل ہیں جو کسی دوسری امت کو حاصل نہیں اور یہ نبی اکرم ﷺ کی عزت و شرف کی وجہ سے ہے۔ اس امت کی فضیلت اور خصائص کی تفصیل کے لئے ایک پوری کتاب بلکہ کئی کتب درکار ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

پانچواں مقصد

اسراء ومعراج

نبی اکرم ﷺ کی معراج اور اسراء کی خصوصیات کے ساتھ تخصیص اور مکالمہ' مشاہدہ اور بڑی بڑی نشانیوں کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں قرب کے ذریعے آپ کو عطا کیا گیا اعزاز اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر عمومی لطف وکرم۔

بہت بڑی نشانی

جان لو! اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں سعادتوں کی معراجوں میں ترقی عطا فرمائے اور اس کے ذریعے ہمیں کرامات کی جنتوں میں اپنا وصل عطا فرمائے کہ اسراء اور معراج کا واقعہ تمام معجزات میں زیادہ مشہور' واضح دلائل میں زیادہ ظاہر اور قطعی دلائل میں زیادہ مضبوط ہے' سب سے زیادہ سچی خبر اور سب سے بڑی نشانی ہے نیز نبی اکرم ﷺ کے عمومِ کرامات کے ساتھ تخصیص پر سب سے زیادہ مکمل دلالتوں میں سے ہے۔

نقاط اختلاف کی حد بندی

علماء کرام کا اسراء کے بارے میں اختلاف ہے۔

کہ کیا یہ ایک ہی رات میں ایک اسراء تھا؟ کیا یہ بیداری کی حالت میں ہوا یا خواب میں؟ یا یہ دو اسراء تھے جو دو الگ الگ راتوں میں ہوئے ایک مرتبہ روح اور بدن کے ساتھ جاگتے ہوئے اور دوسری مرتبہ نیند کی حالت میں۔

یا یہ صرف روح اور جسم کے ساتھ ہی تھا؟ جو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک ہوا پھر مسجد اقصیٰ سے عرش تک کا معراج خواب میں ہوا یا یہ چار اسراء تھے؟

اختلاف کا مناقشہ (تفصیل)

جو لوگ خواب میں معراج کے قائل ہیں (اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرام کا خواب وحی ہوتا ہے) ان کی دلیل یہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ. (بنی اسرائیل:٦٠)

اور جو خواب ہم نے آپ کو دکھایا ہم نے اسے لوگوں کے لئے آزمائش بنایا۔

کیونکہ ''رؤیا'' خواب میں دیکھنے کا مصدر ہے اور آنکھوں سے دیکھنے کے لئے ''رؤیت'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

ابن مالک' حریری اور دوسروں نے اس بات کا انکار کیا جس طرح شیخ بدر الدین زرکشی نے بیان کیا کہ آنکھوں سے دیکھنے کے لئے بھی رویا کا لفظ استعمال ہوتا ہے انہوں نے متنبی کے اس قول کو غلط قرار دیا:

وروياك احلى فى العيون من الغمض. اور تجھے دیکھنا آنکھوں میں نیند سے بھی زیادہ میٹھا ہے۔

اس کا جواب دیا گیا کہ رات کو واقع ہونے اور جلد پورا ہو جانے کی وجہ سے رؤیا کہا گیا گویا خواب تھا اور رؤیا اور رؤیت کا ایک ہی معنیٰ ہے جس طرح قربیٰ اور قربت ایک ہی ہیں۔

اس بات پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس آیت سے متعلق قول دلالت کرتا ہے جیسا کہ ''صحیح بخاری میں ہے کہ'' انہوں نے فرمایا:

هى رويا عين اريها ﷺ ليلة اسرى به. یہ آنکھ سے دیکھنا تھا جو اس رات نبی اکرم ﷺ کو دکھایا گیا جس رات آپ کو سیر کرائی گئی۔

حضرت سعید بن منصور نے حضرت سفیان سے روایت کرتے ہوئے حدیث کے آخر میں یہ اضافہ فرمایا:

وليس رويا منام. اور یہ خواب میں دیکھنا نہیں تھا۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت میں اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ کیا دیکھا؟

حضرت سعید بن منصور ہی سے حضرت ابو مالک کے طریق سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ ہے جو بیت المقدس کے راستے میں آپ کو دکھایا گیا۔

تو یہ ان دلائل میں سے ہے جب سے اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ لفظ رؤیا حالت بیداری میں آنکھ سے دیکھنے پر بولا جاتا ہے۔ اور یہ ان لوگوں کا رد ہے جنہوں نے متنبی کے قول کو غلط قرار دیا۔

پھر اس آیت کے حوالے سے مفسرین کا اختلاف بھی ہے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ رؤیا ہے جس کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے معراج کی رات آپ کو دکھایا۔ حضرت امام بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رؤیت کی تفسیر لفظ رؤیا کے ساتھ کی گئی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حدیبیہ کے سال کا رؤیا (دیکھنا) مراد ہے جب آپ نے دیکھا کہ آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو مشرکین نے آپ کو روکا اس سے لوگ آزمائش میں مبتلا ہو گئے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ واقعۂ بدر کو دیکھنا مراد ہے۔

ابن النقیب نے اپنے شیخ ابو العباس القرطبی [1] سے آیت کے بارے میں پوچھا' تو انہوں نے فرمایا۔

(الاعلام ج ۱ ص ۱۸۶' نفح الطیب ج ۲ ص ۶۴۳)

صحیح یہ ہے کہ یہ بیداری کی حالت میں آنکھ سے دیکھنا ہے حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کو بدر میں

---

[1] امام قرطبی' احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی مالکی ہیں فقیہ محدث ہیں اور اسکندریہ میں اترے تھے۔ ۵۷۸ھ میں ولادت ہوئی آپ نے ''المفہم فی شرح مسلم'' تصنیف کی اور صحیح بخاری و مسلم کی تلخیص۔ ۶۵۶ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

مشرکین کے مرکر گرنے کے مقامات بتائے۔ تو جو کچھ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کو دکھایا انہوں نے آپ کو دکھایا کہ کون کافر مر کر کس جگہ گرے گا؟

قریش نے ایک دوسرے سے سنا تو مذاق کرنے لگے جو لوگ واقعہ معراج کو خواب میں دیکھنا سمجھتے ہیں ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

ما فقدت جسده الشریف. میں نے آپ کے جسم مبارک کو گم نہیں پایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات مشاہدہ کی بنیاد پر نہیں فرمائی کیونکہ ان دنوں وہ آپ کی زوجہ نہیں تھیں اور نہ ہی آپ ان لوگوں کی عمر کو پہنچی تھیں جو بات کو یاد رکھتے ہیں یا اسراء (معراج) کی تاریخ میں اختلاف کی صورت میں ابھی تک ان کی پیدائش بھی نہیں ہوئی تھی۔

علامہ تفتازانی نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے جسم کو روح سے جدا نہیں پایا بلکہ آپ کا جسم اقدس روح کے ساتھ تھا اور معراج شریف جسم اور روح کے مجموعہ کو ہوا۔

جو لوگ جسمانی معراج کے اس طرح قائل ہیں کہ بیت المقدس تک جسم کے ساتھ اور آسمان تک روح کے ساتھ معراج ہوا' ان کی دلیل یہ ارشاد خداوندی ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا. وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے بندۂ خاص کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک رات کے تھوڑے سے حصے میں سیر کرائی۔ (الاسراء:۱)

تو مسجد اقصیٰ کو اسراء کی انتہا قرار دیا جو تعجب خیز واقعہ ہے اسے اپنی قدرت کے ذکر کے ساتھ بیان کیا' نبی اکرم ﷺ کے شرف کے ساتھ آپ کی تعریف کی اور اسراء کے ذریعے جو اعزاز عطا فرمایا اس کو ظاہر کیا۔

یہ حضرات فرماتے ہیں اگر مسجد اقصیٰ سے اوپر کا اسراء بھی جسم کے ساتھ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کا ذکر بھی فرماتا تاکہ تعریف اچھی طرح ہوتی۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ مسجد اقصیٰ تک کا ذکر قریش کے سوال کی بنیاد پر تھا کہ انہوں نے بیت المقدس کی جو صفت مشاہدہ کی اور اسے پہچانا اس کے ذریعے ان کا امتحان لینا مقصود تھا۔ اور انہیں معلوم تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے کبھی اس طرف سفر نہیں کیا۔

پس آپ نے ان کے علم کے مطابق ان باتوں کا جواب دیا جو آپ نے دیکھی تھیں اور ان کے خلاف حجت قائم ہوگئی اور واقعہ اس طرح ہوا اسی لئے انہوں نے آپ سے اس چیز کا سوال نہیں کیا جو کچھ آپ نے آسمان میں دیکھا کیونکہ انہیں آسمان کی معلومات نہ تھیں۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کا اسراء (معراج) دو مرتبہ ہوا ایک بار خواب میں اور دوسری مرتبہ بیداری کی حالت میں۔

امام سہیلی رحمہ اللہ نے اس مذہب کی تصحیح اپنے شیخ قاضی ابوبکر ابن عربی سے نقل کی ہے اور خواب میں معراج ایک

تمہید اور دوسرے معراج کے لئے آسانی پیدا کرنا تھا۔ جس طرح نبوت کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی تا کہ آپ پر نبوت کا معاملہ آسان ہو جائے کیونکہ نبوت ایک عظیم کام ہے جس سے انسانی قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے معراج کے معاملے کو خواب کے ذریعے آپ پر آسان کر دیا کیونکہ اس کی ہولناکی عظیم تھی پس بیداری کے عالم میں معراج اسی پہلے والے معراج پر واقع ہوا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندہ پر نرمی اور ان کے لئے آسانی تھی۔

اس قول کے بعض قائلین نے اس بات کو جائز قرار دیا کہ ہو سکتا ہے کہ خواب کا واقعہ بعثت سے پہلے کا ہو جس طرح حضرت شریک رضی اللہ عنہ نے ایک روایت میں فرمایا:

و ذلک قبل ان یوحی الیہ. اور یہ واقعہ آپ پر وحی کے نزول سے پہلے کا ہے۔

ان حضرات نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کو بھی اپنی تائید میں پیش کیا جس میں آپ نے فرمایا:

نبی اکرم ﷺ کی وحی کا آغاز نیند کی حالت میں سچے خوابوں کے ذریعے ہوا آپ جو خواب دیکھتے وہ صبح کی روشنی پھوٹنے کی طرح سامنے آتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۵۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۲-۲۵۴ مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۳-۲۳۲)

اس پر بحث ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

جن حضرات نے فرمایا کہ حالتِ بیداری میں چار مرتبہ اسراء (معراج) ہوا انہوں نے متعدد روایات سے استدلال کیا جو معراج کے بارے میں ہیں کچھ باتیں کسی ایک روایت میں ہیں تو کچھ دوسری میں ایک بات بعض روایات میں نہیں ہے تو دوسری روایات میں مذکور ہے۔

اس موقف کا جواب یہ ہے کہ یہ بات متعدد بار معراج پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ بعض راوی کسی بات کو اس کے معلوم ہونے کی وجہ سے حذف کر دیتے ہیں یا وہ اسے بھول جاتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا جو شخص ہر اس روایت کو جو دوسری کے خلاف ہے الگ معراج قرار دیتا ہے اور یوں وہ متعدد معراج ثابت کرتا ہے تو اس کی بات نہایت عجیب اور بعید از عقل ہے اور وہ اس طرف بھاگتا ہے جو بھاگنے کی جگہ نہیں ہے اور اس کو مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ اور یہ بات اسلاف سے منقول نہیں اور اگر یہ بات ہوتی تو خود نبی کریم ﷺ اپنی امت کو اس کی خبر دیتے اور یہ تکرار اور کثرت منقول ہوتی۔

حضرت عبثر بن قاسم' حضرت حصین بن عبد الرحمٰن سے روایت کرتے ہیں اور یہ روایت امام ترمذی اور امام نسائی رحمہما اللہ نے نقل کی ہے فرماتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کو سیر کرائی گئی تو آپ کسی نبی کے پاس سے گزرتے تو ان کے ساتھ ایک آدمی ہوتا۔

پس اگر یہ حدیث محفوظ ہے تو اس میں ان لوگوں کے موقف کی قوت ہے جو متعدد بار معراج کے قائل ہیں اور مدینہ طیبہ میں جو معراج ہوا وہ مکہ مکرمہ والے معراج کے علاوہ ہے۔

"فتح الباری میں فرمایا کہ" اس مسئلہ میں جو بات قابل تحریر ہے وہ یہ ہے کہ جو معراج مدینہ طیبہ میں ہوا اس میں وہ امور واقع نہیں ہوئے جو مکہ مکرمہ والے معراج میں ہوئے مثلاً آسمانوں کے دروازے کھلوانا' آسمان میں انبیاء کرام سے

ایک ایک کر کے ملاقات کرنا ان سے گفتگو کرنا اور فرضیتِ نماز سے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کرنا اور تخفیفِ نماز کا مطالبہ کرنا اور دوسرے امور جو اس سے متعلق ہیں ان امور کے علاوہ بہت سی باتیں ہیں جو دوبارہ ہوئیں ان میں سے بعض مکہ مکرمہ میں اور بعض ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ملاحظہ فرمائیں اور بڑے بڑے امور خواب میں دیکھے۔ واللہ اعلم

بعض عارفین فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ کو چونتیس مرتبہ معراج ہوا ان میں سے ایک معراج جسمانی تھا اور باقی معراج روحانی تھے جو خواب کی حالت میں ہوئے۔

جمہور کی رائے

حق یہ ہے کہ واقعہ معراج ایک ہی ہے اور آپ کو یہ معراج بیداری کے عالم میں روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوا۔

محدثین' فقہاء اور متکلمین میں سے جمہور علماء کا یہی موقف ہے اور صحیح روایات کا ظاہر یہی بات ہے اور اس سے پھرنا مناسب نہیں کیونکہ عقلی طور پر اس سے پھرنے کی کوئی دلیل نہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل تحقیق نے فرمایا کہ قرآن وحدیث اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی روح اور جسم دونوں کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی۔

قرآن مجید سے اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا. وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے (خاص) بندے کو (بنی اسرائیل:۱) رات کے تھوڑے سے حصے میں سیر کرائی۔

دلیل کی تقریر یہ ہے کہ لفظ ''عبد'' جسم اور روح (کے مجموعہ) کا نام ہے پس لازم ہوا کہ اسراء جسم اور روح دونوں کو حاصل ہو اور اس معنیٰ پر یہ آیتِ کریمہ دلالت کرتی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰیO کیا آپ نے اس کو دیکھا جو بندے کو منع کرتا ہے (العلق:۹) جب وہ نماز پڑھتا ہے؟

اس میں شک نہیں کہ اس جگہ روح اور جسم کا مجموعہ مراد ہے۔

سورۂ جن میں ارشاد خداوندی ہے:

وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ. (جن:۱۹) اور جب اللہ کا بندہ کھڑا ہو کر اسے پکارتا ہے۔

یہاں بھی ''عبد'' سے روح اور جسم کا مجموعہ مراد ہے۔

نیز جمہور نے نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے بھی استدلال کیا ہے آپ نے فرمایا:

اسری بی. مجھے سیر کرائی گئی۔

اور افعال میں اصل یہ ہے کہ ان کو بیداری پر محمول کیا جائے حتیٰ کہ کوئی دلیل اس کے خلاف پر دلالت کرے نیز اگر یہ واقعہ خواب میں ہوتا تو اس میں کمزور (ایمان والے) لوگوں کے لئے آزمائش نہ ہوتی اور نہ کند ذہن لوگ اس کو عقل سے بعید سمجھتے۔ علاوہ ازیں جانور' ارواح کو نہیں اٹھاتے وہ تو جسموں کو اٹھاتے ہیں اور متواتر روایات سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو براق پر سیر کرائی گئی۔

رات کے وقت معراج کرانے کی حکمت

سوال: رات کے وقت معراج کرانے کی کیا حکمت تھی؟

جواب: رات کو معراج کے لئے خاص کرنے میں حکمت یہ ہے کہ آپ مقام محبت کے ساتھ خاص تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حبیب اور خلیل بنایا اور رات کا وقت محبین کے لئے زیادہ خاص ہے کیونکہ وہ اس میں جمع ہوتے ہیں اور محبوب کی ملاقات رات کے وقت متحقق ہوتی ہے۔

ابن منیر نے کہا کہ شاید معراج کا واقعہ رات کے ساتھ خاص کرنے میں حکمت یہ تھی کہ ایمان بالغیب میں اضافہ ہو اور کافروں کی آزمائش بڑھ جائے کیونکہ رات کا حال دن کے مقابلے میں زیادہ مخفی ہوتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں اگر دن کو معراج ہوتا تو غیب پر ایمان کے حوالے سے مؤمن کی فضیلت ضائع ہوتی اور بدبخت لوگوں کے لئے آزمائش اور فتنہ کا وقوع نہ ہوتا۔ اہلِ اشارات کے طریقے پر اس میں ایک اور حکمت بھی ہے جسے علامہ ابن مرزوق نے نقل کیا وہ یہ کہ کہا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے رات کی نشانی کو مٹا دیا اور دن کی نشانی کو دیکھنے والی بنایا تو رات کا دل ٹوٹ گیا تو رات کے وقت حضرت محمد ﷺ کو سیر کرا کے اس کمی کو پورا کیا۔

یہ بھی کہا گیا کہ دن نے رات پر سورج کے حوالے سے فخر کا اظہار کیا تو اس سے کہا گیا فخر نہ کر اگر دنیا کا سورج تجھ میں چمکتا ہے تو عنقریب وجود کا سورج آسمان کی طرف معراج کرے گا۔

اور کہا گیا کہ نبی اکرم ﷺ سراج (چراغ) ہیں اور چراغ رات کو روشن کیا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

قلت یا سیدی تؤثر اللیل علی بھجة النھار المنیر

قال لا استطیع تغییر رسمی ھکذا الرسم فی طلوع البدور

انما زرت فی الظلام لکیما یشرق اللیل من اشعة نوری

''میں نے کہا اے میرے سردار آپ دن کی روشنی اور چمک پر رات کو ترجیح دیتے ہیں تو انہوں نے کہا میں اپنی رسم کو بدل نہیں سکتا چاندوں کے طلوع میں رسم یہی ہے۔

میں اندھیرے میں ملاقات کرتا ہوں تا کہ میرے نور کی شعاعوں سے رات چمک اٹھے۔''

شبِ معراج اور شبِ قدر

سوال: شبِ معراج اور شبِ قدر میں سے کونسی رات افضل ہے؟

جواب: شیخ ابوامامہ بن نقاش فرماتے ہیں کہ معراج کی رات نبی اکرم ﷺ کے لئے افضل ہے اور لیلۃ القدر امت کے حق میں افضل ہے کیونکہ ان کے لئے گذشتہ زمانوں کے لوگوں کے اسی سالہ عمل سے اس رات کا عمل بہتر ہے اور شبِ معراج میں عمل کی فضیلت کے سلسلے میں کوئی صحیح یا ضعیف روایت وارد نہیں ہے۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے اسے اپنے صحابہ کرام کے لئے معین نہیں فرمایا اور نہ صحابہ کرام سے کسی صحیح سند کے ساتھ اسی کی تعیین ثابت ہے اور اب تک بلکہ قیامت تک اس سلسلے میں کوئی صحیح بات ثابت نہیں اگر کوئی شخص اس سلسلے میں کوئی بات کہتا ہے تو وہ اپنی طرف سے کہتا ہے اس

لئے اس ضمن میں اقوال میں تصادم ہے اور اس میں (عبادت کی فضیلت کے حوالے سے) کوئی بات ثابت نہیں اگر اس کے ساتھ امت کا نفع متعلق ہوتا اگرچہ ایک ذرے کے برابر ہی ہوتا تو ان کے نبی ﷺ ان کے لئے بیان کرتے۔[1]

اسراء آپ کے ساتھ خاص ہے

سوال: کیا نبی اکرم ﷺ کے علاوہ بھی کسی کے لئے اسراء (معراج) واقع ہوا ہے؟

جواب: عارف عبدالعزیز المہدوی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ جسم کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں حاضری صرف ہمارے نبی ﷺ کو حاصل ہوئی ہے۔

آیتِ اسراء کی تفسیر

اللہ تعالیٰ نے ''اسری بعبدہ'' (اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو سیر کرائی) فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ سفر پر لے جانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے تاکہ معلوم ہو کہ اسراء اللہ تعالیٰ کا ایک تحفہ اور عنایت ہے جو اس صورت میں آپ کو ملا کہ اس سے پہلے آپ کے قلبِ مبارک میں اس کا تصور اور خیال تک بھی نہیں آیا تھا۔

پھر ''بعبدہ'' میں ''عبدہ'' پر وضاحت کی باء داخل فرمائی تاکہ یہ فائدہ حاصل ہو کہ نبی اکرم ﷺ کی اس سیر میں اللہ تعالیٰ اپنی عنایات' مہربانیوں اور رعایت کے ذریعے آپ کے ساتھ تھا اس پر نبی کریم ﷺ کا یہ قول دلالت کرتا ہے آپ فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ — یا اللہ! سفر میں تو ہی ساتھی ہے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۵۹۸' مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۶۔ ج ۵ ص ۸۳' المستدرک ج ۲ ص ۹۹' السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۲۵۲' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۲۹' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۲۳۵۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۵۔ ۱۷۶۱۶۔ ۱۷۶۳۶)

اور ارشاد خداوندی:

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ. (الیونس: ۲۲) — وہی ذات ہے جو تمہیں خشکی اور سمندر میں چلاتی ہے۔

اور فرمایا:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ. (الاسراء: ۱) — وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے خاص بندے کو سیر کرائی۔

دونوں آیتوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو خصوصی مصاحبت عطا فرمائی عام مخلوق کو نہیں (کیونکہ بعبدہ میں باء مصاحبت کی ہے دوسری آیت میں نہیں ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے اس سیر کے ساتھ لفظ سبحان ذکر فرمایا تاکہ کسی وہم کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کے لئے جسم اور تشبیہ ثابت کرنے والوں کے دلوں سے یہ غلط خیال نکل جائے کہ وہ کسی جہت' حد اور مکان میں ہے۔

---

[1] جب شب معراج کو نبی اکرم ﷺ کے سفر مبارک کی نسبت سے فضیلت حاصل ہے تو اس رات میں عبادت کی فضیلت میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

اسی لئے فرمایا:

لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا. (الاسراء:۱) تا کہ ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں۔

یعنی وہ عجیب وغریب نشانیاں جو اس رات آپ نے ملاحظہ فرمائیں۔

گویا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آپ کو یہ سیر اس لئے کرائی کہ اپنی نشانیاں دکھاؤں یہ بات نہیں کہ میری طرف سیر تھی کیونکہ میں تو کسی مکان میں محدود نہیں ہوں اور تمام مکانات کی نسبت میری طرف ایک جیسی ہے۔

پس کس طرح میں نے ان کو اپنی طرف سیر کرائی حالانکہ میں ان کے ساتھ ہوں اور وہ جہاں بھی ہوں میں ان کے ساتھ ہوں۔

شاعر کو اللہ تعالیٰ جزاء عطا فرمائے کیا خوب کہا ہے:

سبحان من اسری الیه بعبده لیری الذی اخفاه من آیاته
کحضوره فی غیبه وکسکره فی صحوه والمحو فی اثباته
ویری الذی عنه تکون سره فی صنعه ان شاءه و هباته
ویریه ما ابدی له من جوده بوجوده والفقد من هیئاته
سبحانه من سید و مهیمن فی ذاته و سماته وصفاته

''وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے خاص بندے کو اپنی طرف سیر کرائی تا کہ ان کو اپنی وہ نشانیاں دکھائے جن کو دوسروں سے پوشیدہ رکھا اس کا غائب ہونا' حاضر ہونے کی طرح' صحو میں سکر اور اثبات میں محو ہے۔[1] اور وہ اس کی پوشیدہ صفت اور عطیہ کو دیکھیں اور آپ کو اپنا وہ وجود دکھائے جو آپ کے وجود مسعود کے باعث فرمایا اور وہ سردار محافظ اپنی ذات وصفات میں پاک ہے''۔

اور اللہ تعالیٰ نے (''اسری'' کو) لیلا کے ساتھ مؤکد کیا حالانکہ اسراء عربی زبان میں رات کی سیر کو ہی کہتے ہیں' دن کے سفر کو نہیں کہتے تو اس تاکید کی وجہ یہ بھی کہ اعتراض اٹھ جائے حتیٰ کہ کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ یہ صرف روحانی سیر تھی اور اس شخص کا خیال بھی زائل ہو جائے جس کے نزدیک بعض اوقات دن کی سیر کو بھی اسراء کہتے ہیں قرآن مجید اگرچہ لغت عرب میں نازل ہوا لیکن اس کے ذریعے تمام لوگوں کو خطاب کیا گیا وہ عربی زبان والے ہوں یا نہ۔

امام بیضاوی نے کشاف کی اتباع میں فرمایا کہ ''لیلا'' کو نکرہ لانے کا فائدہ اسراء کی مدت کی قلت بتانا ہے اسی لئے ایک قرأت میں ''من اللیل'' ہے (یعنی رات کے بعض حصہ) جس طرح ارشاد خداوندی ہے:

وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّکَ. (الاسراء:۷۹) اور رات کے وقت تہجد پڑھیں یہ آپ کے لئے زائد نماز ہے۔

---

[1] کسی حالت کے وارد ہونے پر توجہ ادھر مبذول ہو جائے تو یہ سکر ہے پھر اس غیب ہونے والی حالت سے احساس کی طرف رجوع کرنا صحو ہے' عام عادت والے احکام کا مقام اثبات اور ان اوصاف کا اٹھ جانا صحو ہے۔ ۱۲ ہزاروی

القطب نے کشاف پر اپنے حاشیہ میں اس کا تعاقب کیا جیسا کہ الشفاء کے حاشیہ میں ہے۔[1]

مراحلِ معراج

شب اسراء نبی اکرم ﷺ کو دس معراج ہوئے سات معراج آسمانوں تک آٹھواں سدرۃ المنتہیٰ تک نواں مستویٰ تک یعنی اس مقام تک جہاں تقدیروں کے قلموں کے چلنے کی آوازیں آتی ہیں۔

اور دسواں معراج عرش، رفرف، دیدار خداوندی، بلا واسطہ خطاب اور کشف حقیقی تک۔

اور نبی اکرم ﷺ نے ہجرت کے بعد جو وقت مدینہ طیبہ میں گزارا اس کے سالوں کو معراج شریف سے ایک لطیف مناسبت ہے اسی لئے ہجرت کے یہ سال آپ کے وصال پر مکمل ہوئے اور وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات دارفنا سے دار بقا کی طرف انتقال اور آپ کی روح کریمہ کا سچائی کے مقام، سچے وعدے، وسیلہ جو بلند مرتبہ ہے تک عروج ہوا جس طرح اسراء کے معراج اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور اس کی بارگاہِ مقدسہ میں حاضری پر مکمل ہوئے۔

اسراء سے متعلق تصانیف

امام ذہبی رحمہ اللہ نے بتایا کہ حافظ عبدالغنی نے اسراء سے متعلق تمام احادیث کو دو جلدوں میں جمع کیا ہے لیکن تلاش کے باوجود مجھے یہ کتاب نہ مل سکی۔

شیخ ابواسحاق (ابراہیم) نعمانی رحمہ اللہ نے اسراء اور معراج سے متعلق ایک جامع کتاب لکھی ہے جس میں دقائق و حقائق کا زیادہ بیان ہے اور میں اس مقصد شریف کو لکھتے وقت اس کتاب پر مطلع نہ ہو سکا۔

اللہ تعالیٰ شیخ الاسلام والحفاظ شہاب ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ پر رحم فرمائے انہوں نے اپنی کتاب "فتح الباری" میں حدیث اسراء وغیرہ کے متفرق طرق کو جمع کر دیا ہے اس کے ساتھ ساتھ دقیق فقہی مباحث اور معانی الفاظ کے اسرار کو بھی کھول دیا ہے۔

اور جو شخص بھی نبوی عطیات اور محمدی مناقب کے سلسلے میں کوئی کتاب تصنیف کرتا ہے وہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کے باغ "الشفاء" سے معارفِ لطائف چننے اور مشکلات کی بیماریوں سے شفاء حاصل کرتے ہیں جو لا علاج بیماری سے نجات دے، شفاء شریف کو نظر انداز نہیں کر سکتا اور نہ اس سے بے نیاز ہو سکتا ہے۔ (الشفاء ج۱ص۱۷۶)

اللہ تعالیٰ ان پر اور اس امت کے تمام علماء پر اپنی رحمت و رضا کا فیضان فرمائے اور ہمیں ان کے ساتھ اپنی جنت کے درمیان میں ٹھکانہ دے۔

حدیث اسراء کے راوی

حدیث اسراء (حدیث معراج کے راوی) یہ جلیل القدر صحابی وصحابیات ہیں۔

حضرت انس، حضرت ابی بن کعب، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت بریدہ، حضرت سمرہ بن جندب، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمرو، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت شداد بن اوس، حضرت صہیب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عمر بن خطاب، حضرت مالک بن صعصعہ، حضرت ابوامامہ، حضرت ابوایوب،

---

[1] انہوں نے فرمایا کہ یہ بات محل نظر ہے کیونکہ تنکیر اس وقت قلت بیان کرنے کے لئے آتی ہے جب وہ چیز قلت و کثرت کو قبول کرے اور رات قلت و کثرت کو قبول نہیں کرتی۔ (زرقانی ج۶ص۱۲)

حضرت ابوحبہ' حضرت ابوذر' حضرت ابوسعید خدری' حضرت ابوسفیان بن حرب' حضرت ابوہریرہ' حضرت عائشہ' حضرت اسماء بنت ابی بکر' حضرت ام ہانی' حضرت ام سلمہ اور ان کے علاوہ حضرات رضی اللہ عنہم۔

حافظ ابن کثیر کی تفسیر میں جو کچھ ہے وہ کافی وشافی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث معراج پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور زندیق بے دینوں نے اس سے اعراض کیا۔ ارشاد خداوندی ہے:

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ (الصف: ۸)

وہ (کفار) چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نور اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے چاہے کافر برا مانیں۔

حدیث اسراء اور امام بخاری رحمہ اللہ

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ حضرت انس بن مالک سے اور وہ حضرت مالک بن صعصعہ (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے اس رات کا واقعہ بیان کیا جس رات آپ کو سیر کرائی گئی آپ نے فرمایا۔

''اس دوران کہ میں حطیم میں آرام کر رہا تھا بعض اوقات حطیم کی بجائے حجر کا لفظ فرمایا۔ میں لیٹا ہوا تھا کہ ایک آنے والا آیا پس اس نے یہاں سے یہاں تک شق کیا (چیرا پھاڑا) راوی فرماتے ہیں حضرت جارود رضی اللہ عنہ میرے پہلو میں تھے میں نے ان سے پوچھا اس سے آپ کی مراد کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا سینے کی ہنسلی سے اس کے بالوں تک۔

پھر میرا دل نکالا اس کے بعد سونے کا ایک تھال لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا پس میرے دل کو دھویا گیا پھر اس میں ایمان وحکمت بھر کر دوبارہ اپنی جگہ رکھ دیا گیا اس کے بعد ایک جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا اور وہ سفید رنگ کا تھا۔ حضرت جارود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابوحمزہ! وہ براق تھا؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہاں'' وہ اپنے پاؤں وہاں رکھتا تھا جہاں نگاہ پہنچتی ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں میں اس پر سوار ہوا پس حضرت جبریل علیہ السلام مجھے لے کر چلے حتیٰ کہ آسمان دنیا پر آ گئے تو دروازہ کھلوایا پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبریل ہوں کہا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ ہیں پوچھا گیا کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا ہاں کہا گیا ان کو خوش آمدید وہ کیا اچھا آنا آئے پس دروازہ کھولا میں وہاں پہنچا تو اس میں حضرت آدم علیہ السلام تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا یہ آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں انہیں سلام کریں پس میں نے سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا پھر فرمایا نیک بیٹے اور نیک نبی کا آنا مبارک ہو۔ پھر مجھے اوپر لے گئے حتیٰ کہ دوسرے آسمان پر آئے تو اسے کھلوایا پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبریل ہوں پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ ہیں کہا گیا کہ ان کی طرف بھیجا گیا تھا جواب دیا ہاں کہا گیا ان کا آنا مبارک ہو۔ کیا اچھا آنا ہے پس ہمارے لئے دروازہ کھولا گیا پس جب میں اندر پہنچا تو حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام تھے اور وہ دونوں آپس میں خالہ زاد ہیں حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا یہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہیں ان دونوں کو سلام کریں میں نے ایک ایک کو سلام کیا تو ان دونوں نے فرمایا نیک بھائی اور نیک

نبی کا آنا مبارک ہو۔

پھر مجھے تیسرے آسمان کی طرف لے گئے اور دروازہ کھولنے کو کہا پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبریل ہوں کہا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ ہیں کہا گیا ان کی طرف پیغام بھیجا گیا تھا ؟ فرمایا ہاں کہا گیا خوش آمدید اچھا آنا آئے' پس دروازہ کھولا اور آپ اندر تشریف لے گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں ان کو سلام کیجئے آپ فرماتے ہیں میں نے ان کو سلام کیا پس انہوں نے جواب دیا پھر فرمایا' اچھے بھائی اور اچھے نبی کا آنا مبارک ہو۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام مجھے اوپر لے گئے حتیٰ کہ چوتھے آسمان پر پہنچا دیا دروازہ کھولنے کو کہا تو پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبریل ہوں پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ ہیں کہا گیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ فرمایا ہاں' کہا گیا ان کو خوش آمدید اچھا آنا ہوا۔

پس دروازہ کھولا میں اندر داخل ہوا تو وہاں حضرت ادریس علیہ السلام تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا یہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں ان کو سلام کریں میں نے سلام کیا تو انہوں نے جواب دیا پھر فرمایا اچھے بھائی اور اچھے نبی کا آنا مبارک ہو۔ پھر وہ مجھے اوپر لے گئے حتیٰ کہ پانچویں آسمان پر پہنچے تو دروازہ کھلوایا گیا پوچھا گیا کون ہے؟ جواب دیا جبریل ہوں کہا گیا؟ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ پوچھا گیا کیا ان کو بلایا گیا؟ فرمایا ہاں کہا گیا ان کو خوش آمدید' پس اچھا آنا ہوا۔

آپ فرماتے ہیں جب میں اندر داخل ہوا تو حضرت ہارون علیہ السلام تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا یہ حضرت ہارون علیہ السلام ہیں انہیں سلام کیجئے میں نے سلام کیا تو انہوں نے جواب دیا پھر فرمایا صالح بھائی اور صالح نبی کا آنا مبارک ہو۔

پھر حضرت جبریل علیہ السلام مجھے چھٹے آسمان پر لے گئے اور دروازہ کھولنے کو کہا پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبریل ہوں کہا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ ہیں پوچھا گیا کیا ان کی طرف کسی کو بھیجا گیا تھا؟ فرمایا ہاں کہا ان کا آنا مبارک ہو کیا اچھا آنا ہے۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں ان کو سلام کریں میں نے سلام کیا تو انہوں نے جواب دیا پھر فرمایا نیک بھائی اور صالح نبی کا آنا مبارک ہو جب میں آگے چلا تو وہ رو پڑے ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں روئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں روتا ہوں کہ میرے بعد ایک نوجوان کو مبعوث کیا گیا کہ میری امت کے مقابلے میں اس کی امت کے لوگ جنت میں زیادہ جائیں گے۔

پھر حضرت جبریل علیہ السلام مجھے ساتویں آسمان پر لے گئے انہوں نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا میں جبریل ہوں پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا یہ حضرت محمد ﷺ ہیں پوچھا گیا کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا ہاں انہوں نے فرمایا ان کا آنا مبارک ہو کیا اچھا آنا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے حضرت جبریل علیہ السلام

نے فرمایا یہ آپ کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ان کو سلام کیجئے آپ فرماتے ہیں میں نے سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا پھر فرمایا نیک بیٹے اور صالح نبی کا آنا مبارک ہو۔

پھر بیت المعمور کو میری طرف اٹھایا گیا اس میں ہر دن ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں پھر میرے پاس شراب کا ایک برتن، دودھ کا ایک برتن اور شہد کا ایک برتن لایا گیا تو میں نے دودھ کو پسند کیا حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا یہ فطرت ہے جس پر آپ اور آپ کی امت ہے۔

پھر مجھ پر ہر دن میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں میں واپس آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا انہوں نے پوچھا آپ کو کس بات کا حکم دیا گیا؟ میں نے کہا ہر دن پچاس نمازیں پڑھنے کا حکم ہوا ہے انہوں نے کہا آپ کی امت یومیہ پچاس نمازیں پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی اللہ کی قسم میں اس سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اور میں نے بنی اسرائیل کا تجربہ کیا ہے پس آپ اپنے رب کے پاس جائیں اور اپنے رب سے اپنی امت کے لئے تخفیف کا سوال کریں میں واپس ہوا تو دس نمازیں مجھ سے اٹھالی گئیں۔

پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف واپس آیا تو انہوں نے پہلے کی طرح کہا چنانچہ دس نمازیں مزید اٹھالی گئیں پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ کر آیا تو انہوں نے وہی بات کہی میں واپس ہوا تو دس نمازیں اٹھادی گئیں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر وہی بات کہی میں واپس گیا تو مجھے روزانہ دس نمازیں پڑھنے کے لئے کہا گیا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر وہی بات کہی چنانچہ میں واپس لوٹ گیا تو مجھے روزانہ پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا گیا پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا آپ کو کیا حکم ملا؟ میں نے کہا روزانہ پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم ہوا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا آپ کی امت روزانہ پانچ نمازیں پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی مجھے لوگوں کا تجربہ ہے اور میں نے انہیں کافی آزمایا (اور مشقت اٹھائی) پس آپ واپس جائیں اور اپنی امت کے لئے تخفیف کا سوال کریں آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے اس قدر سوال کیا کہ اب مجھے حیا آتی ہے میں راضی ہوں اور تسلیم کرتا ہوں آپ فرماتے ہیں جب میں آگے بڑھا تو ایک آواز دینے والے نے مجھے آواز دی آپ نے اپنا فرض پورا کیا اور اپنے بندوں کے لئے آسانی پیدا کی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۷، مسند احمد ج ۴ ص ۲۰۸، تمہید ج ۸ ص ۳۸، شرح السنہ ج ۱۳ ص ۳۳۷، الدر المنثور ج ۴ ص ۱۴۰، دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۷۷، المنتظم ج ۳ ص ۲۶، البدایۃ والنہایہ ج ۳ ص ۱۱۴)

کچھ دوسری ہدایات

"صحیح بخاری کی" ایک اور روایت میں ہے آپ نے فرمایا:

پس میرے سینے کو کھولا پھر اسے زمزم کے پانی سے دھویا پھر سونے کا ایک تھال لائے جو حکمت اور ایماں سے بھرا ہوا تھا چنانچہ اس کو میرے سینے میں ڈال کر بند کر دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۹)

حضرت شریک کی روایت میں ہے۔ **فحشابه صدره و لغاديده** پس اس سے آپ کا سینہ اور حلق کی رگیں بھر گئیں "لغادید" میں لام پر زبر ہے غین نقطہ والی ہے یعنی حلق کی رگیں "النہایہ میں ہے کہ" یہ "لغدودہ" کی جمع ہے اور

یہ گوشت ہے جو تالو کے پاس ابھرا ہوا ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۵۱۷)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے اس قول میں شک کیا گیا جس میں انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ بعض اوقات فرماتے ہیں کہ میں حجر میں تھا۔ جس طرح حضرت امام احمد نے حضرت عفان سے روایت کیا اس کے الفاظ یہ ہیں اس دوران کہ میں حطیم میں تھا اور بعض اوقات حضرت قتادہ حجر کا ذکر کرتے تھے اور یہاں حطیم سے حجر مراد ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ''بدء الخلق'' (عنوان) کے تحت ابتدا میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں (کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا):

بینما انا عند البیت. اس دوران کہ میں بیت اللہ شریف کے پاس تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۲۰۷)

ان الفاظ میں عموم ہے (کیونکہ یہ حطیم حجر اور بیت اللہ شریف سب پر مشتمل ہیں)۔

امام زہری نے حضرت انس سے اور انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا:

فرج سقف بیتی وانا بمکۃ. میرے گھر کی چھت کھولی گئی اور میں مکہ مکرمہ میں تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۴۹)

واقدی نے اپنی اسناد سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کو شعب ابی طالب سے سیر کرائی گئی۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت جو طبرانی نے نقل کی اس میں انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ رات کے وقت ان کے گھر میں تھے (فرماتی ہیں) میں نے رات کے وقت آپ کو نہ پایا تو (پوچھنے پر) آپ نے فرمایا بے شک حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے۔

روایات کو جمع کرنا

ان تمام اقوال کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے (جیسا کہ فتح الباری میں ہے) کہ آپ رات کے وقت حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے اور ان کا گھر شعب ابی طالب کے پاس تھا چنانچہ گھر کی چھت کھل گئی۔ اس گھر کی نسبت حضور علیہ السلام کی طرف اس لئے کی گئی کہ آپ وہاں رہائش پذیر تھے پس وہاں سے فرشتہ اترا اور آپ کو گھر سے مسجد کی طرف لے گیا آپ وہاں لیٹے ہوئے تھے اور آپ پر اونگھ کا اثر تھا پھر فرشتہ آپ کو مسجد سے باہر لایا اور براق پر سوار کر دیا۔

امام عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابن اسحاق نے حضرت حسن رحمہ اللہ کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام' حضور علیہ السلام کے پاس آئے' آپ کو مسجد کی طرف لے گئے اور براق پر سوار کر دیا یہ روایت' روایات کو اس انداز میں جمع کرنے کی تائید کرتی ہے۔

مکان کی چھت کھلنے میں حکمت

سوال: اگر کہا جائے کہ بیت اللہ شریف کی چھت کیوں کھلی اور وہاں سے فرشتہ کیوں اترا' وہ دروازے سے کیوں داخل نہیں ہوا حالانکہ ارشادِ خداوندی ہے:

وائتوا البیوت من ابوابھا۔ اور گھر میں ان کے دروازوں سے آؤ۔

جواب: اس میں حکمت یہ تھی کہ آسمان سے فرشتہ یکبارگی اترے اور اس چھت کے علاوہ کسی چیز پر نہ چڑھے اور یہ فوری طور پر روانگی اور کسی مہلت کے بغیر طلب میں مبالغہ اور تنبیہ تھی اور اس میں نبی اکرم ﷺ کا اعزاز بھی تھا۔

جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ اس کے برخلاف تھا اور ان کی کرامت ایک مقررہ وقت میں شرف ہمکلامی میں تھی۔

جب کہ ہمارے نبی کریم ﷺ سے انتظار کی تکلیف کو اٹھایا گیا جس طرح آپ سے عذر پیش کرنے کی تکلیف اٹھائی گئی۔ [1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے آقا ﷺ کا مقام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت سے اس طرح ہے جس طرح مقام مراد مقام مرید کے مقابلے میں ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے مکان کی چھت کا کھولنا آپ کے سینۂ اقدس کو کھولنے کی تمہید کے طور پر ہو پس فرشتے نے آپ کو دکھایا کہ آپ کے لئے چھت کو کھولا گیا پھر فوری طور پر چھت باہم مل گئی تو عنقریب پیش آنے والے واقعہ (سینۂ مبارکہ کے چاک ہونے) کی کیفیت بتانا مقصود تھا اور ایسی مثال کے ساتھ معاملہ آپ کے قریب کیا جسے آپ نے اپنے گھر میں مشاہدہ کیا یہ آپ کے حق میں اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اور صبر کی تلقین تھی۔

حدیث کے بعض نقاط کی وضاحت

حدیث شریف میں ہے کہ آپ لیٹے ہوئے تھے اور صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نیند اور بیداری کے درمیان والی حالت میں تھے۔

تو یہ ابتدائی حالت پر محمول ہے جب آپ کو مسجد کے دروازے کی طرف لایا گیا اور براق پر سوار کیا گیا تو آپ مسلسل جاگنے کی حالت میں رہے۔

اور حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ کہ ''جب میں بیدار ہوا'' اگر ہم کہیں کہ متعدد واقعات ہیں تو اس میں کوئی اشکال نہیں ورنہ اس کا مقصد یہ ہوگا کہ جب مجھے اس حالت سے افاقہ ہوا جس میں میرا دل مشغول تھا اور وہ عالم ملکوت کا مشاہدہ تھا تو میں عالم دنیوی کی طرف لوٹا پس اس سے مراد ملکیت سے بشریت کی طرف لوٹنا ہے۔

اور آپ کا فرمانا کہ ایک آنے والا میرے پاس آیا تو یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ کے پاس تین افراد آئے اور ابھی آپ کی طرف وحی نہیں ہوئی تھی اور آپ مسجد حرام میں آرام فرما تھے ان میں سے پہلے نے کہا یہ کون ہیں؟ درمیان والے نے کہا یہ ان لوگوں میں سے بہترین ہیں ان میں سے آخری نے کہا ان میں سے بہترین انسان کو لے لو اور یہ واقعہ اسی رات کا ہے جو ہم نے ذکر کیا آپ نے ان کو نہ دیکھا حتیٰ کہ وہ دوسری رات آپ کے پاس آئے کہ آپ کا دل دیکھ رہا تھا اور آنکھیں سو رہی تھیں البتہ دل سویا ہوا نہیں تھا۔

---

[1] حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تیس راتوں کا وعدہ کیا گیا یعنی ان کے ختم ہونے پر اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام کرنے کا' ان کو ذوالقعدہ کا مہینہ روزہ رکھنے کا حکم دیا جب مہینہ مکمل ہوا تو آپ نے اپنے منہ کی بو کو اچھا نہ سمجھتے ہوئے مسواک فرمائی تو اس وجہ سے ان کو مزید دس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا تو اس موقعہ پر ان کو عذر پیش کرنا پڑا جب کہ حضور ﷺ کو انتظار کی زحمت ہوئی نہ عذر کی۔ (زرقانی ج ۶ ص ۲۱)

اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی آنکھیں سوتی ہیں اوران کے دل نہیں سوتے پس انہوں نے آپ سے کلام نہ کیا حتیٰ کہ آپ کو اٹھایا۔

خطابی نے اس بات کا انکار کیا کہ یہ واقعہ وحی سے پہلے کا ہے اسی طرح قاضی عیاض اورامام نووی رحمہما اللہ نے بھی انکار کیا حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں ہے کہ یہ وہم ہیں جن کا علماء کرام نے انکار کیا ہے۔

ان میں سے ایک یہ کہ ''یہ واقعہ وحی سے پہلے کا ہے'' یہ غلط ہے اوراس پر اتفاق نہیں ہے علماء کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ نماز کی فرضیت شب معراج ہوئی ہے پس یہ وحی سے پہلے کیسے ہوسکتا ہے؟

ان لوگوں نے وضاحت کی ہے کہ اس میں حضرت شریک رضی اللہ عنہ متفرد ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تفرد کا دعویٰ محل نظر ہے کیونکہ حضرت کثیر بن خنیس رضی اللہ عنہ نے ان کی موافقت کی ہے جیسا کہ سعید بن یحییٰ بن سعید اموی نے ''کتاب المغازی میں'' اپنے طریق سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ (فرشتوں کے) دومرتبہ آنے کے درمیان تعیین نہیں ہے پس اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ دوسری مرتبہ آنا وحی کے بعد تھا اوراس وقت اسراء اور معراج واقع ہوا۔ پس جب دونوں مرتبہ آنے کے درمیان ایک مدت ہے تواس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ مدت ایک رات ہے یا کئی راتیں یا کئی سال۔

اس سے حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی روایت میں پایا جانے والا اشکال دور ہوگیا اوراس بات پر اتفاق ہوا کہ اسراء (معراج) بیداری کے عالم میں بعثت کے بعد اور ہجرت سے پہلے ہوا اور حضرت خطابی اور دوسرے حضرات کا اس کو برا قرار دینا ساقط ہوگیا کہ حضرت شریک رضی اللہ عنہ نے اپنے اس دعویٰ میں اجماع کی مخالفت کی ہے کہ معراج بعثت سے پہلے ہوا۔ سب سے زیادہ قوی بات جس سے استدلال کیا جاسکتا ہے یہ ہے کہ معراج بعثت کے بعد ہوا حدیث شریف میں ''نفسہ'' کا لفظ ہے حضرت جبریل علیہ السلام نے آسمان کے دربان سے کہا جب اس نے پوچھا کیا بھیجا گیا تھا تو انہوں نے فرمایا ہاں' یہ اس بات میں ظاہر ہے کہ معراج کا واقعہ بعثت کے بعد ہوا۔

طبرانی نے حضرت میمون بن سیاہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام آئے اور انہوں نے کہا ان میں سے کون؟ اور قریش کعبہ شریف کے گرد سوئے ہوئے تھے انہوں (حضرت جبریل علیہ السلام) نے کہا کہ ہمیں ان کے سردار کے بارے میں حکم دیا گیا ہے پھر وہ دونوں چلے گئے پھر آپ کے پاس حاضر ہوئے تو تین تھے اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے کسی کہنے والے سے سنا وہ کہہ رہا تھا ان دونوں کے درمیان تین میں سے ایک ہے پس میرے پاس آیا اور مجھے لے گیا اور دومردوں سے حضرت حمزہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما مراد ہیں۔ نبی اکرم ﷺ ان دونوں کے درمیان آرام فرماتے۔

''فقد'' قاف اور دال مشددہ کے ساتھ ہے اس کا معنیٰ لمبائی میں چیرنا ہے۔

''من ثغرة'' ثاء پر پیش اور غین ساکن ہے۔

''الی شعرة'' شین کے نیچے زیر ہے یعنی زیر ناف بال۔

''صحیح مسلم کی'' ایک روایت میں ہے کہ بطن مبارک کے نیچے تک۔

''صحیح بخاری کی'' روایت میں پیٹ کی کھال تک۔
حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی روایت جو امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کی ہے اس میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کے سینۂ مبارکہ سے حلق مبارک تک کے درمیان کا حصہ شق کیا۔

معراج سے پہلے شق صدر

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفاء میں'' اسراء کی رات سینۂ مبارکہ کے شق ہونے کا انکار کیا اور فرمایا کہ یہ واقعہ آپ کی بعثت سے پہلے، بچپن میں اس وقت پیش آیا جب آپ بنوسعد میں (حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس) تھے لیکن اس کا انکار نہیں ہوسکتا جیسا کہ حافظ ابوالفضل عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ متواتر روایات سے ثابت ہے کہ بعثت کے وقت بھی آپ کا سینۂ مبارکہ شق کیا گیا جیسا کہ ابونعیم نے ''الدلائل میں'' نقل کیا اور ہر بار شق میں الگ حکمت تھی۔

پہلی بار شق صدر کی حکمت

آپ کے قلب مبارک میں جو زائد حصہ تھا اس کو نکالنے کے لئے شق صدر ہوا جس طرح امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا خون کا ایک ٹکڑا نکالا اور فرمایا یہ آپ کے جسم میں شیطان کا حصہ تھا اور یہ بچپن کی بات ہے پس آپ شیطان سے محفوظ ہو کر نہایت کامل حالت میں پروان چڑھے اور شاید یہ شق صدر آپ کے قرین (ہمزاد) کے اسلام کا سبب تھا جیسا کہ امام بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔[1]
اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس شیطان کے حصے کی طرف اشارہ ہو جو اس کے خلاف تھا جیسے عفریت شیطان کہ وہ آپ کی نماز میں خلل ڈالنا چاہتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر قدرت عطا کی۔

دوسری بار شق صدر کی حکمت

بعثت کے وقت شق صدر کی حکمت یہ تھی کہ آپ کو زیادہ اعزاز عطا کیا جائے اور جو کچھ آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے اسے قوی دل کے ساتھ پاکیزگی کے نہایت کامل حال کے ساتھ قبول کریں۔

تیسری بار شق صدر کی حکمت

آسمانوں کی طرف عروج کا ارادہ کرتے وقت آپ کے شق صدر کی وجہ یہ تھی کہ آپ ملاءِ اعلیٰ (بلند مرتبہ فرشتوں) تک جانے کے لیے تیار ہو جائیں بلند و بالا مقام پر قائم رہیں اور اسماء حسنیٰ کی تجلیات کے لئے قوت حاصل ہو۔
اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایسی تیاری نہیں ہوئی کیونکہ آپ کو دیدار خداوندی نہیں ہوا اور جن تجلیات کے سامنے پہاڑ نہ ٹھہر سکا ان کے سامنے کوئی انسان کیسے ٹھہر سکتا ہے؟
اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس دھونے میں حکمت تیسری مرتبہ دھونے کے ذریعے کمال حاصل کرنا ہو جس طرح شریعت میں (تین بار اعضاء وضو کو دھونا) ہوتا ہے۔

---

[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام پر دو خصلتوں میں فضیلت دی گئی یہ شیطان کافر تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد کی چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا راوی فرماتے ہیں دوسری بات میں بھول گیا ہوں۔

پھر یہ تمام امور مثلاً شق صدر، دل کا باہر نکالنا وغیرہ امور جو عادت کے خلاف امور ہیں ان کو ماننا ضروری ہے ان کو حقیقت سے نہیں پھیرنا چاہیے (یعنی حقیقی مفہوم مراد لیا جائے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کوئی بات محال نہیں ہے۔ حضرت عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ کوئی ممکن کام اللہ تعالیٰ کی قدرت کو عاجز نہیں کر سکتا اور یہ کسی چیز کے عدم اور وجود پر موقوف نہیں اور نہ ہی یہ عادت کے ساتھ مربوط ہے (بلکہ عام عادت کے خلاف بھی اللہ تعالیٰ ظاہر کر سکتا ہے) البتہ جہاں اس کی قدرت چاہے وہاں ایسا ہوتا ہے کیونکہ عادت تو یہ ہے اور یہ بات معروف ہے کہ جب کسی انسان کا پیٹ چاک کیا جائے اور دل زخمی ہو جائے تو وہ مر جاتا ہے زندہ نہیں رہتا اور نبی اکرم ﷺ کا بطن اطہر چاک ہوا حتیٰ کہ قلب اقدس نکال کر دھویا گیا۔

اسی طرح بچپن میں آپ کا پیٹ مبارک چاک کیا گیا قلب اقدس شق کیا گیا اور اس سے شیطان کا (ٹھیس پہنچانے والا) حصہ نکال دیا گیا اور یہ بات معلوم ہے کہ جب زخم دل تک پہنچ جائے تو وہ شخص مر جاتا ہے لیکن نبی اکرم ﷺ کا بطن اقدس دو مرتبہ چاک ہوا اس کے باوجود آپ کو تکلیف نہیں ہوئی اور نہ وصال ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ عادت کے مطابق جو کچھ ہوتا ہے مثلاً موت کا واقع ہونا وہ آپ پر اثر انداز نہ ہو پس اس قانون اور عادت کو (یہاں) باطل کر دیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا لیکن آگ نے آپ کو جلایا نہیں بلکہ وہ آپ پر ٹھنڈک اور سلامتی بن گئی۔

شق صدر پر صبر

نبی اکرم ﷺ کے شق صدر سے آپ کو مزید اعزاز یوں حاصل ہوا کہ آپ نے اس پر صبر فرمایا اور یہ اسی قسم کی فضیلت ہے جو حضرت اسماعیل ذبیح علیہ السلام کو حاصل ہوئی کہ آپ نے ذبح کے مقدمات مثلاً باندھا جانا اور پیشانی کے بل لٹایا جانا نیز آپ کے مبارک گلے پر چھری کا پھیرنا وغیرہ امور پر آپ نے صبر کیا ارشاد خداوندی ہے:

سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ○ عنقریب آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔

آپ نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے صبر پر یہ اعزاز عطا کیا کہ آپ کی تعریف ہمیشہ کے لئے جاری کر دی۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کا شق صدر پر صبر کرنا بہت مشکل اور عظیم تھا کیونکہ وہ مقدمات تھے اور یہ نتیجہ تھا وہ محض پیش کرنا تھا یہ حقیقت تھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کا حلق مبارک قتل گاہ تھی اور آپ کو صرف صورت قتل پیش آئی قتل کا عمل نہیں ہوا جب کہ ہمارے نبی ﷺ کا شق صدر پھر قلب اقدس کا نکالنا پھر اسے شق کرنا پھر اسی طرح مختلف عمل بار بار کا ذبح ہونا ہے لیکن آپ کی زندگی کے باقی رہنے سے قانون پر عمل رک گیا پس یہ آزمائش حضرت ذبیح اللہ کی آزمائش سے زیادہ بڑی تھی۔

سوال: صبر تو تب ہوتا جب وہاں مشقت ہوتی لیکن جب آپ کی زندگی کو باقی رکھنے کے حوالے سے عادت کے خلاف عمل ہوا تو تکالیف اور مشقت کے برداشت کرنے میں بھی عادت بدل گئی۔

جواب: شق صدر والی حدیث میں آیا ہے کہ آپ آگے بڑھے اور آپ کا رنگ زرد ہو گیا (منتقع اللون کے الفاظ ہیں یا

ممتقع اللون کے) اس کا معنیٰ یہ ہے کہ مٹیالا رنگ ہو گیا اور یہ فوت ہونے والوں کے رنگ کے مشابہ ہے پس یہ آپ کے مشقت برداشت کرنے پر بلکہ انتہائی مشقت پر دلالت ہے۔

ابن جوزی نے جو کہا ہے کہ آپ کا شق صدر ہوا لیکن آپ کسی مشقت میں مبتلا نہ ہوئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اس شخص کی طرح صبر کیا جو مشقت کو خیال میں نہیں لاتا۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی یہ آزمائش عمر کے اعتبار سے بھی تھی کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے دودھ چھوڑنے کے بعد فوری طور پر یہ واقعہ ہوا نیز آزمائش کا ایک پہلو یہ تھا کہ آپ اپنی والدہ ماجدہ سے الگ تھے اور باپ کی طرف سے یتیم تھے۔ آپ کو بچوں میں سے لے جایا گیا اور وہ عمل (شق صدر والا) ہوا تا کہ مستقبل میں جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ آپ کے لئے آسان ہو جائے اور صبر پر آپ کو بہت بڑی عظمت حاصل ہو اس لئے جب آپ کو زخمی کیا گیا اور آپ کے سامنے کے دانت مبارک شہید ہوئے تو آپ نے (بدلہ لینے کی بجائے) یوں دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ. یا اللہ! میری قوم کو بخش دے بے شک یہ قوم علم نہیں رکھتی۔

(مسند احمد ج ۱ص ۴۴۱' مشکل الآثار ج ۳ص ۱۸۹' المغنی ج ۱ص ۳۱۳۔ ج ۳ص ۶۸۔ ۲۸۳' الدر المنثور ج ۳ص ۹۵' المعجم الکبیر ج ۶ ص ۱۴۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ص ۵۴۔ ج ۷ص ۹۳' الشفاء ج ۱ص ۱۰۵' دلائل النبوۃ ج ۳ص ۲۱۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۸۸۳۔ ۳۵۵۶۳)

اللہ تعالیٰ آپ کے شرف کو مزید بڑھائے۔

سونے کے تھال میں دھونا

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "پھر میرے پاس سونے کا ایک تھال لایا گیا" تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دھونے کے برتنوں میں یہ زیادہ مشہور تھا۔

سوال: نبی اکرم ﷺ کی شریعت میں سونے کا استعمال حرام ہے تو یہاں سونے کا تھال کیسے استعمال کیا گیا؟

جواب: عارف ابن ابی جمرہ نے جواب دیا کہ سونے کا استعمال اس دنیا میں نفع حاصل کرنے کے اعتبار سے حرام ہے جب کہ آخرت میں یہ خالص مومنوں کے لئے ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ھو لھم فی الدنیا وھو لنا فی الاخرۃ. یہ (سونا) ان (کفار) کے لئے دنیا میں ہے اور آخرت میں صرف ہمارے لئے ہے۔

وہ فرماتے ہیں دوسری بات یہ ہے کہ یہ تھال نبی اکرم ﷺ نے استعمال نہیں فرمایا بلکہ آپ کے علاوہ (یعنی فرشتے) اسے لائے اور اس میں جو کچھ تھا انہوں نے ہی اسے استعمال کر کے آپ کے قلبِ مبارک میں رکھا پس اس مبارک تھال کو لانا اور اس کا سونے کا ہونا مقام کی بلندی پر دلالت کرتا ہے پس دلیل کے ساتھ تعارض دور ہو گیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ صرف اتنا کافی نہیں کہ اسے استعمال کرنے والی مخلوق وہ تھی جن پر یہ حرام نہیں یعنی وہ فرشتے تھے اس لئے کہ اگر آپ پر سونا حرام تھا تو اس بات سے اپنے آپ کو بچاتے کہ کوئی

دوسرا اسے آپ کے جسم سے متعلق امور میں استعمال کرے۔

یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ اس کے استعمال کی حرمت احوال دنیا کے ساتھ مخصوص ہے اور اس رات جو کچھ ہوا اس میں احوال غیب کا غلبہ تھا پس اسے احوال آخرت سے ملایا جائے گا۔

یا ہوسکتا ہے اس شریعت میں سونے کی حرمت سے پہلے کی بات ہو یہاں چند مناسبات ظاہر ہوتی ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ وہ جنت کے برتنوں میں سے ہے۔

۲۔ اسے نہ آگ کھا سکتی ہے اور نہ مٹی میں گلتا سڑتا ہے۔

۳۔ اس کو زنگ نہیں لگتا۔

۴۔ یہ (سونا) تمام جواہر میں سے زیادہ وزنی (قیمتی) ہے پس آپ کے قلب اقدس کے مناسب تھا کیونکہ یہ ان برتنوں میں سے ہے جن کا احوال جنت سے تعلق ہے سونے کو بھی آگ اور مٹی نہیں کھاتی اور زمین پر انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو کھانا بھی اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے' انبیاء کرام علیہم السلام کے دلوں کو زنگ نہیں لگتا اور آپ کا قلب مبارک تمام دلوں سے بھاری ہے اور ایک اور مناسبت بھی ہے اور وہ اس میں وحی کا بوجھ ہے۔

میں کہتا ہوں حضرت امام ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ قول کہ شاید یہ بات اس شریعت میں سونے کے حرام قرار دیئے جانے سے پہلے کی ہو۔

تو امام ابن حجر نے اپنی کتاب ''فتح الباری'' میں بیان نماز کے آغاز میں واضح کیا کہ مدینہ طیبہ میں سونے کی حرمت کا حکم آیا۔

امام سہیلی اور ابن دحیہ نے فرمایا کہ اگر لفظ ''ذہب'' (سونا) کو دیکھا جائے تو آپ سے ناپاکی کو دور کرنے کے اعتبار سے یہ زیادہ مناسب ہے اور اس لئے بھی کہ آپ اپنے رب کی طرف جا رہے تھے اور ''ذہب'' کا معنیٰ ہے ''وہ گیا''

اور اگر اس کے معنیٰ کو دیکھا جائے تو اس کی چمک اور صفائی کی وجہ سے مناسبت ہے (کیونکہ وحی کا بھی یہی حال ہے)۔

کیا معانی کا مجسم ہونا جائز ہے؟

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ تھال ''حکمت و ایمان سے بھرا ہوا تھا'' تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس تھال میں کوئی چیز رکھی گئی تھی جس کے ذریعے ایمان و حکمت کا کمال حاصل ہوا پس اس کو مجازی طور پر ایمان و حکمت قرار دیا گیا۔

اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ قول اپنی حقیقت پر ہو اور معانی کا مجسم ہونا جائز ہو جس طرح سورۂ بقرہ قیامت کے دن سائبان کی طرح اور موت مینڈھے کی صورت میں ہوگی اسی طرح اعمال کا وزن کرنا اور دوسرے احوال غیب ہیں۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا شاید یہ مثال دینے کے طور پر ہو کیونکہ معانی کی تمثیل اکثر واقع ہوتی ہے جیسا کہ جنت اور جہنم کو دیوار پر نبی اکرم ﷺ کے سامنے رکھا گیا اور اس کا فائدہ معنوی چیز کو محسوس کے ساتھ واضح کرنا ہے۔

عارف ابن ابی جمرہ فرماتے ہیں اس میں اس بات پر دلیل پائی جاتی ہے کہ ایمان و حکمت جواہر محسوسات میں سے ہیں معانی نہیں ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے تھال کے بارے میں فرمایا کہ آپ کے پاس وہ ایمان و حکمت سے بھرا ہوا لایا

گیا اور خطاب اسی چیز سے متعلق ہوتا ہے جو سمجھ میں آئے اور معروف ہو اور معانی کے جسم نہیں ہوتے کہ ان سے کوئی چیز بھر جائے برتن تو جسم والی چیز اور جواہر سے بھرتے ہیں اور یہ بات نبی اکرم ﷺ کی طرف سے اس بات کی وضاحت ہے کہ متکلمین کا یہ قول صحیح نہیں کہ حکمت و ایمان عرض ہیں۔ [1]

حدیث اور متکلمین کے قول کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ مخلوقات میں سے وہ چیزیں جن کا حواس ادراک نہیں کر سکتے اور نہ کسی نبی نے ان کی حقیقت کی خبر دی ہو ان کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہہ سکتے اور نہ وہ ثابت ہیں یہ محض غلط ظن ہے کیونکہ اہلِ عقل جن کو تائید خداوندی سے توفیق حاصل ہے وہ اس بات پر متفق ہیں کہ عقل کی ایک حد ہے جہاں وہ ٹھہر جاتی ہے اور اس سے آگے نہیں بڑھتی اور نہ اس کی طاقت رکھتی ہے۔

تو متکلمین نے اس قسم کے مسائل میں ان اعراض کو پیش نظر رکھا جو ان کے سامنے ظاہر ہوئے اور ان کا ان جواہر سے تعلق ہے جن کے بارے میں شارع علیہ السلام نے حدیث میں ذکر فرمایا اور عقل کو یہ طاقت حاصل نہیں کہ وہ اس حقیقت تک پہنچ سکے جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے خبر دی تو ان دونوں کو جمع کرتے ہوئے یوں کہا جائے گا کہ جو کچھ متکلمین نے کہا وہ بھی حق ہے کیونکہ وہ جواہر سے صادر ہوتا ہے اور یہ بات عقل میں آتی ہے اور حقیقت وہ ہے جو حدیث میں ذکر کی گئی۔

اس کی کئی مثالیں ہیں جو متکلمین اور آثار نبوت کے درمیان پائی جاتی ہیں ان تمام مثالوں کو اسی طریقے پر جمع کرنا چاہیے جو ہم نے ذکر کیا یا اس جیسا کوئی طریقہ ہو۔

پھر انہوں نے (ابن ابی جمرہ) موت کی مثال چت کبرے مینڈھے کے ساتھ دی پھر اذکار اور تلاوت کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ جو کچھ یہاں (دنیا میں) ظاہر ہوتا ہے وہ معانی ہیں اور قیامت کے دن وہ جواہر اور محسوسات کی صورت میں ظاہر ہوں گے اور میزان میں جواہر کا وزن ہی ہوگا۔

انہوں نے فرمایا اس میں صوفیاء اصحاب المعاملات [2] اور اہل تحقیق کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ وہ اپنے دلوں کو اور اپنے بھائیوں کے دلوں کو اسی طرح اپنے ایمان اور اپنے بھائیوں کے ایمان کو اپنی بصیرتوں کے آنکھوں سے جواہر محسوسات کی طرح دیکھتے ہیں۔

ان میں سے بعض اپنے ایمان کو چراغ کی طرح دیکھتے ہیں بعض شمع کی طرح دیکھتے ہیں بعض مشعل کی صورت میں دیکھتے ہیں اور وہ سب سے زیادہ قوی ہے وہ کہتے ہیں کوئی شخص اس وقت تک اہل تحقیق نہیں ہو سکتا جب تک بصیرت کی آنکھ سے اپنے دل کو نہ دیکھے جیسا کہ وہ اپنی ظاہری آنکھ سے اپنی ہتھیلی کو دیکھتا ہے۔ اور وہ ایمان کی کمی زیادتی کو پہچانتا ہے۔

---

[1] جو چیز خود قائم ہو اسے جوہر کہتے ہیں اور جو کسی دوسرے کے ساتھ مل کر قائم ہو جیسے رنگ، علم وغیرہ وہ عرض ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] نفس انسانی کی جب باطن یعنی روح کی طرف توجہ ہو تو تمام حجاب دور ہو جاتے ہیں اسے معاملہ کہتے ہیں اور یہ دس معاملات ہیں۔ رعایت، مراقبہ، حرمت، اخلاص، تہذیب، استقامت، توکل، تفویض، وثوق (الثقہ) اور تسلیم۔ ان منازل کو معاملات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بغیر بندے کا اپنے رب سے معاملہ درست نہیں ہو سکتا۔ ۱۲ ہزاروی (زرقانی ج ۶ ص ۲۹)

شق صدر کی حکمت

سوال: آپ کے شق صدر اور پھر اس میں ایمان وحکمت کو بھرنے میں کیا حکمت تھی اللہ تعالیٰ اس عمل کے بغیر ایمان وحکمت ڈال دیتا؟

جواب: عارف ابن ابی جمرہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایمان وحکمت کی کثرت عطا کی اور اس سے قوت تصدیق مضبوط ہوگئی اور بطن اقدس اور قلب مبارک کو شق کر کے بتایا گیا کہ ہلاکت کے تمام مروجہ طریقوں سے آپ بے خوف ہو گئے پس آپ کو ایمان کی قوت تین طریقوں سے حاصل ہوئی' تصدیق کی قوت' مشاہدہ کی قوت اور تمام ہلاکت خیز طریقوں سے بے خوف ہونا پس اس طرح نبی اکرم ﷺ کے لئے قوت ایمان اور اللہ تعالیٰ کے غیر سے نہ ڈرنے کا وہ کمال حاصل ہو گیا جو مقصود تھا۔

اور اس بات کی طرف ہم نے اشارہ کیا کہ نبی اکرم ﷺ حال اور قال دونوں اعتبار سے لوگوں سے زیادہ بہادر' مضبوط اور اعلیٰ تھے عالم بالا میں جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے خبر دی کہ جب وہ آپ کے ساتھ اپنے مقام (سدرۃ المنتہیٰ) پر پہنچے تو عرض کیا اب آپ ہیں اور آپ کا رب ہے یہ میرا مقام ہے میں اس سے آگے نہیں جا سکتا پس آپ نے (اس قوت کی بنیاد پر) بلا جھجک اپنے آپ کو مقام نور میں داخل کر دیا اور بارگاہِ خداوندی میں اس طرح حاضر ہوئے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی O (النجم: ۱۷) آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔

اور اس دنیا میں آپ کی مضبوطی کا عالم یہ تھا کہ گھمسان کی لڑائی ہوتی تو آپ اپنی خچر کو دشمن کے سینے میں پہنچا دیتے وہ مسلح ہوتے اور آپ فرماتے:

انا ابن عبد المطلب انا النبی لا کذب. میں عبدالمطلب کا بیٹا (پوتا ہوں) میں جھوٹا نبی نہیں ہوں۔

پھر آپ کے قلب مقدس کی تطہیر اور اس میں ایمان وحکمت کو ڈالنا اہل سنت وجماعت کے اس عقیدے کی طرف اشارہ ہے کہ عقل اور دوسرے اسباب ادراکات جیسے نظر وفکر کا مرکز دل ہے دماغ نہیں جب کہ معتزلہ اور فلاسفر کا اس میں اختلاف ہے۔

قلبِ اقدس کو آب زمزم سے دھونے میں حکمت کے سلسلے میں کہا گیا کہ آب زمزم دل کو مضبوط کرتا اور سکون بخشتا ہے۔

حافظ زین عراقی نے کہا کہ معراج کی رات نبی اکرم ﷺ کے قلب اقدس کو آب زمزم سے اس لئے دھویا گیا کہ آپ کو ملکوت (عالم غیب) کو دیکھنے کی قوت حاصل ہو۔

اور شیخ الاسلام البلقینی نے نبی اکرم ﷺ کے قلب اقدس کو آب زمزم سے دھوئے جانے سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ آب زمزم' آب کوثر سے افضل ہے وہ فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا قلب مکرم سب سے افضل پانی سے دھویا گیا۔ العارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''بہجۃ النفوس'' میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا

ہے۔

کیا قلبِ اقدس دھویا گیا یا سینۂ مبارکہ؟

نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی ''ففسل صدری'' (میرا سینہ دھویا گیا) سے بظاہر قلب اقدس مراد ہے جس طرح دوسری روایت میں ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہر روایت کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے اور دونوں کو جمع کرتے ہوئے کہا جائے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ سینۂ مبارکہ کے دھوئے جانے کی خبر دی اور دل کا ذکر بالکل نہیں کیا۔

اور دوسری بار دل کے دھونے کی خبر دی اور سینۂ مبارکہ کا ذکر بالکل نہیں کیا پس دونوں کو بیک وقت دھویا گیا تاکہ اس مقدس مقام کی پاکیزگی میں مبالغہ ہو۔

اور اس میں شک نہیں کہ یہ محل شریف (قلب اقدس اور سینۂ مبارکہ) پہلے بھی پاک اور خوب پاک تھا اور جو بھلائی اس میں ڈالی جائے اس کو قبول کرنے والا تھا پہلی مرتبہ جب آپ کا بچپن تھا اسے دھویا گیا اور اس سے شیطانی حصے کو دور کیا گیا اور یہ آپ کی عظمت کا اظہار اور جو کچھ آپ کے دل میں ڈالا جا رہا تھا اس کیلئے اسے تیار کرنا تھا اور یہی حکمت دوسرے مقامات میں جاری ہے مثلاً ایک آدمی پاک صاف ہے لیکن وہ وضو کرتا ہے کیونکہ اس کے حق میں وضو اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہونے اور اس سے مناجات کی تیاری کے لئے ہے اسی لئے یہاں آپ کا بطن اقدس دھویا گیا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ. اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے اس کا دل متقی ہے۔

پس نبی اکرم ﷺ کے قلب اقدس کا دھونا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم میں سے ہے اور امت کو عملی اشارہ دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کریں جس طرح بطور قول یہ بات بتائی۔

براق اور معراج

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

پھر میرے پاس ایک چار پایہ لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا اور اس کا رنگ سفید تھا وہ اپنا قدم وہاں رکھتا تھا جہاں نگاہ پہنچتی ہے پس مجھے اس پر سوار کیا گیا اور حضرت جبریل امین علیہ السلام مجھے لے کر چلے حتیٰ کہ آسمانِ دنیا تک پہنچے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی ایک اور روایت میں جو نماز کے بیان سے ہے' اس طرح ہے کہ پھر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آسمان کی طرف لے گئے۔

اس حدیث کا ظاہر بتاتا ہے کہ آپ آسمان تک براق پر ہی رہے تو عارف ابن ابی جمرہ نے فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوا میں چلتے تھے حالانکہ عادتاً آدمی ہوا میں نہیں چلتا خصوصاً جب کہ چار پائے پر سوار ہو لیکن جب قدرت کا یہی منشاء ہو تو ایسا ہو جاتا ہے تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے زمین کو پھیلایا کہ وہ اس پر چلتے ہیں اسی طرح وہ ہوا میں بھی چلتے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت عادت جاریہ کے ساتھ مربوط (یعنی اس کی پابند)

نہیں ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے ان بدبختوں کے بارے میں پوچھا گیا جو قیامت کے دن اپنے چہروں کے بل چلیں گے۔ تو آپ نے فرمایا جو ذات ان کو قدموں پر چلا سکتی ہے وہ قیامت کے دن ان کو چہروں کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۴۵۶)

بعض حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ معراج اس رات کے علاوہ ہوا جس رات بیت المقدس تک سیر کرائی گئی کیونکہ اس حدیث میں بیت المقدس کی طرف سیر کرانے کا ذکر نہیں ہے۔

لیکن اس روایت کے علاوہ احادیث میں براق پر معراج کا ذکر نہیں ہے بلکہ معراج یعنی سیڑھی کے ذریعے اوپر لے جایا گیا جیسا کہ ابن اسحاق اور بیہقی رحمہما اللہ نے واضح طور پر بیان کیا اور ان شاء اللہ عنقریب اس کا ذکر ہوگا۔

ممکن ہے یوں کہا جائے کہ یہاں راوی نے مختصر بیان کیا ہو اور لفظ "ثم" جو تراخی کو چاہتا ہے وہ اس بات کے منافی نہیں کہ اسراء ان دو باتوں کے درمیان واقع ہو یعنی مسجد حرام سے چلنے اور آسمانوں کی طرف عروج کے درمیان۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض راویوں نے ایک بات ذکر کی جو دوسروں نے ذکر نہیں کی اور حضرت ثابت بنانی نے حدیث کو یاد کیا اور امام مسلم رحمہ اللہ نے ان کی روایت یوں نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ بیت المقدس میں تشریف لائے وہاں نماز پڑھی پھر آپ کو آسمان کی طرف لے جایا گیا۔ عنقریب یہ بحث آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حالتِ سواری میں اسراء کی حکمت

کہا گیا ہے کہ سواری کی حالت میں سیر کرائی گئی حالانکہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے زمین کو لپیٹ سکتا تھا تو اس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آپ اس طریقے سے مانوس تھے تو معجزے کے مقام پر یہ عام جاری طریقہ اختیار کیا گیا کیونکہ یہ طریقہ جاری ہے کہ جب کوئی بادشاہ اپنے کسی خاص مہمان کو بلاتا ہے تو اس کے لئے عمدہ سواری بھیجتا ہے تاکہ وہ اس پر سوار ہو کر آئے بعض اہل اشارہ کے کلام میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ درخت کائنات کے پھل' صدف وجود کے موتی' اور کلمہ کن کا راز ہیں تو پھل دینے والے کے سامنے اس پھل کا پہنچنا اور بارگاہ خداوندی کے مقربین کا ان کے گرد چکر کاٹنا ضروری تھا تو بادشاہ کے نہایت معزز خادم کو بھیجا گیا جب وہ حاضر ہوا تو آپ کو اپنے بستر پر آرام فرمایا اس نے کہا اے سونے والے! اٹھو تمہارے لئے غنیمتیں تیار ہیں فرمایا اے جبریل! کہاں جانا ہے؟ عرض کیا اے محمد! ﷺ یہ سوال چھوڑیں میں قدیم ذات کا نمائندہ ہوں آپ کی طرف بھیجا گیا ہوں کہ آپ کے خدام میں شمار ہوں اے محمد! ﷺ آپ مراد ارادہ ہیں اور سب کچھ آپ کی وجہ سے مراد ہے اور آپ بذات خود اس کی مراد ہیں' آپ محبت کے پیالے کا صاف پانی ہیں' آپ اس صدف کے موتی ہیں' معارف کے سورج اور لطائف کے چاند ہیں۔

یہ مکان آپ کے لئے تیار کیا گیا اور یہ مقام آپ کے وصل کے لئے مختص کیا گیا اور محبت کا پیالہ آپ کے پینے کے لئے تیار کیا گیا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے جبریل! کریم نے مجھے اپنی طرف بلایا ہے اس کا کیا ارادہ ہے؟ عرض کیا اس لئے کہ آپ کے سبب سے آپ کے اگلوں پچھلوں کے گناہ بخش دے۔ فرمایا اے جبریل! یہ تو میرے لئے ہے میرے اہل و

عیال اور بچوں کے لئے کیا ہے؟ فرمایا عنقریب آپ کا رب آپ کو اس قدر عطا کرے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے آپ نے فرمایا اے جبریل! اب میرا دل خوش ہو گیا اب میں اپنے رب کی طرف جاؤں گا۔

پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمد ﷺ مجھے آج رات آپ کے خادم کے طور پر بھیجا گیا اور سواری اس لئے لائی گئی کہ آپ کی عظمت ظاہر ہو کیونکہ بادشاہوں کی عادت ہوتی کہ جب وہ اپنے کسی محبوب کو ملاقات کے لئے بلاتے ہیں یا قریب کی جگہ تک رخصت کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح اس کی عزت و احترام کا اظہار کرنا چاہتے ہیں تو اس کی طرف اپنے خصوصی خادموں کو بھیجتے ہیں کہ وہ اسے لے کر آئیں پس ہم آپ کے پاس بادشاہوں کی اس رسم اور آداب سلوک کے مطابق آئے ہیں پس جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ آپ اللہ تعالیٰ تک قدموں کے ساتھ چل کر پہنچے تو اس نے غلط بات کہی اور جو کہے کہ آپ کے آگے پردہ تھا وہ عطا سے محروم ہوا۔

براق کی وجہ تسمیہ، شکل اور تیز رفتاری

براق کے خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا سفید جانور ہونے اور گھوڑے کی صورت میں نہ ہونے میں حکمت یہ تھی کہ یہ امن و سلامتی کی سواری ہے لڑائی اور خوف کی نہیں۔

یا اس جانور کے ذریعے تیز جانے کے ساتھ آپ کے معجزہ کو ظاہر کرنا تھا کیونکہ عام طور پر یہ رفتار نہیں ہوتی۔

براق کو براق کہنے کی وجہ سے اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ یہ لفظ ''بریق'' سے بنا ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا چونکہ وہ دو رنگوں والا تھا اس لئے بریق کہا گیا جب بکری کی سفید اون میں کچھ سیاہ بال ہوں تو کہا جاتا ہے ''شاۃ برقاء'' (دو رنگوں والی بکری) بعض نے کہا کہ یہ برق سے بنا ہے (برق بجلی کو کہتے ہیں) اور اس کی وجہ اس کی تیز رفتاری تھی اور ممکن ہے یہ کسی لفظ سے مشتق نہ ہو۔

اور اس کا وصف یوں بیان فرمایا کہ جہاں اس کی نگاہ پڑتی تھی وہاں قدم رکھتا تھا۔ ابن منیر نے کہا کہ جہاں اس کی نگاہ پڑتی تھی وہاں تک کا فاصلہ ایک قدم میں طے کرتا تھا اس بنیاد پر اس نے زمین سے آسمان تک کا فاصلہ ایک قدم میں طے کیا کیونکہ زمین والے کی نگاہ آسمان پر پڑتی ہے پس وہ سب سے اوپر والے آسمان تک سات قدموں میں پہنچا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے ابو یعلیٰ اور بزار نے نقل کیا جیسا کہ فتح الباری سے معلوم ہوا کہ جب براق پہاڑ پر آتا تو اپنے پچھلے پاؤں اٹھاتا اور جب اترتا تو اگلے پاؤں اٹھاتا۔

ابن سعد نے واقدی سے ان کی اسناد کے ساتھ نقل کیا کہ اس (براق) کے دو پَر تھے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے کسی دوسری کتاب میں یہ بات نہیں دیکھی۔

ثعلبی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے براق کی صفت میں نقل کیا کہ اس کے رخسار انسانی رخساروں کی طرح، اس کی کلغی گھوڑے کی کلغی جیسی، پاؤں اونٹ کی طرح، اس کے کھر اور دم گائے کی طرح تھی اور اس کا سینہ سرخ یاقوت تھا۔

ابن سعد کی روایت جو ''شرف المصطفیٰ میں'' مذکور ہے اس میں یوں ہے کہ اس کی رکاب حضرت جبریل علیہ السلام نے تھام رکھی تھی اور لگام حضرت میکائیل علیہ السلام کے ہاتھ میں تھی۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۴۵)

حضرت معمر نے حضرت قتادہ اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس براق لایا گیا جس پر آپ نے معراج کیا اس پر زین بھی تھی اور لگام بھی ڈالی ہوئی تھی براق نے اپنے اوپر سوار ہونا مشکل بنا دیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے پوچھا تو اس طرح کیوں کر رہا ہے؟ تجھ پر سوار ہونے والی شخصیت سے بڑھ کر کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز نہیں ہے فرماتے ہیں یہ سن کر براق پسینے میں ڈوب گیا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۴' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۱)

اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حسن غریب ہے نیز ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا۔

ابن اسحاق نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا کہ جب اس (براق) نے انکار کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کی کلغی پر ہاتھ رکھا اور فرمایا کیا تجھے حیا نہیں آتا اور اس کی مثل ذکر کیا لیکن یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا۔

وثیمہ کی روایت جسے ابن اسحاق نے نقل کیا کہ وہ مطیع ہو گیا حتیٰ کہ زمین کے ساتھ مل گیا اور میں اس پر سوار ہو گیا امام نسائی اور ابن مردویہ نے یزید بن ابی مالک کے طریق سے نقل کیا وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح موصولاً (جس میں کوئی راوی نہ چھوٹے) روایت کرتے ہیں اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ یہ براق آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے بھی مسخر ہوتا تھا' ابن اسحاق نے ابو سعید کی روایت سے اس کی مثل نقل کیا۔

کیا انبیاء کرام علیہم السلام براق پر سوار ہوئے؟

اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ براق انبیاء کرام علیہم السلام کی سواری کے لئے تیار کیا گیا تھا لیکن بعض حضرات مثلاً ابن دحیہ نے اس کا انکار کیا اور حضرت جبریل علیہ السلام کے اس قول کہ تجھ پر کوئی ایسا شخص سوار نہیں ہوا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں نبی اکرم ﷺ سے بڑھ کر معزز ہو' کا مطلب یہ ہے کہ تجھ پر کوئی بھی کبھی بھی سوار نہیں ہوا تو حضور علیہ السلام سے زیادہ معزز کیسے سوار ہوگا پس یہ امرئ القیس کے اس قول کی طرح ہے:

علی لاحب لا یھتدی لمنارہ — لاحب پر جس کے منارے کی طرف ہدایت نہیں پائی جاتی۔

اس سے سمجھا جاتا ہے کہ اس کا ایک مینار ہے جس سے رہنمائی حاصل نہیں ہوتی لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا کوئی مینارہ نہیں پس اس سے رہنمائی کیسے حاصل ہوتی؟

سہیلی نے فرمایا کہ براق پر سوار ہونا اس لئے مشکل ہو گیا تھا کہ عرصہ دراز تک آپ سے پہلے کوئی نبی اس پر سوار نہیں ہوا' حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

''مختصر العین کے'' مصنف نے فرمایا اور صاحب التحریر نے ان کی اتباع میں کہا کہ انبیاء کرام علیہم السلام براق پر سوار ہوتے تھے وہ فرماتے ہیں یہ بات نقل صحیح کی محتاج ہے اور یہ بات پہلے منقول ہو چکی ہے۔

''فتح الباری میں ہے'' اور نبی اکرم ﷺ کا یہ قول اس کی تائید کرتا ہے کہ میں نے اسے اس حلقہ کے ساتھ باندھا جس کے ساتھ اسے انبیاء کرام علیہم السلام باندھتے تھے۔

غور کیجئے اس میں یہ نہیں ہے کہ میں نے اسے اس حلقہ کے ساتھ باندھا جس کے ساتھ اسے (اس براق کو) پہلے انبیاء کرام باندھتے تھے بلکہ آپ نے صرف انبیاء کرام کے باندھنے کا ذکر کیا (اس براق کا ذکر نہیں کیا) اور یہ نہیں بتایا کہ وہ کس چیز کو باندھتے تھے؟

جیسا کہ ابن منیر نے کہا اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ وہ براق کے علاوہ کچھ اور ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے انبیاء کرام کا خود اپنے آپ کو وہاں ٹھہرانا مراد ہو اور یہ عروۃ وثقیٰ (مضبوط رسی) کی جنس سے ہو۔[1]

لیکن امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں یہ بات صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

اس کے الفاظ اس طرح ہیں (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) میں نے اپنے جانور کو اس حلقہ کے ساتھ باندھا جس کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام باندھا کرتے تھے۔

ابن اسحاق نے معراج کے سلسلے میں حضرت وثیمہ کی روایت سے نقل کیا کہ براق پر سوار ہونا مشکل ہو گیا اور اس پر انبیاء کرام کی سواری کو ایک عرصہ گزر گیا تھا اور زمانہ فترت میں (جب انبیاء کرام کی آمد بند تھی) کوئی سوار نہ ہوا۔

ابن عائذ کی مغازی میں حضرت زہری کے طریق سے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں براق وہ چار پایہ ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سوار ہو کر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ملاقات کے لئے جاتے تھے۔ اس بنیاد پر براق پر سوار ہونا نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں سے نہیں ہے ہاں کہا گیا ہے کہ اس پر اس حالت میں سوار ہونا کہ اس پر زین پڑی ہوئی تھی اور لگام ڈالی گئی تھی نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے نبی کو حاصل نہیں ہوا۔

براق اپنے اوپر سوار کیوں نہیں ہونے دیتا تھا؟

سوال: براق نے اپنے اوپر سوار ہونا مشکل کیوں بنایا؟

جواب: یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ سے پہلے اس پر کوئی سوار نہیں ہوا تو وہ سواری بننے کے لئے تیار نہ ہوا اور اگر ہم کہیں کہ آپ سے پہلے بھی کوئی سوار ہوا تو زیادہ عرصہ گزرنے کی وجہ سے اس نے ایسا کیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا اچھلنا کودنا اس بات پر فخر کی وجہ سے ہو کہ نبی اکرم ﷺ اس پر سوار ہو رہے تھے اور حضرت جبریل علیہ السلام کا یہ قول کہ کیا تو حضرت محمد ﷺ کے لئے سوار ہونا مشکل بنا رہا ہے گویا وہ اس سے بزبان حال یہ کہلوا رہے تھے کہ اس نے انکار کا ارادہ نہیں کیا بلکہ یہ تو نبی اکرم ﷺ کے اس پر سوار ہونے کی وجہ سے ملنے والے اعزاز پر فخر ہے اسی لئے فرمایا کہ وہ پسینے میں ڈوب گیا گویا اس نے زبانِ حال سے جواب دیا اور سوار کرنے سے انکار سے برأت کا اظہار کیا اور اس جھڑک کی شرمندگی کی وجہ سے اسے پسینہ آ گیا پہاڑ کی حرکت بھی اسی قسم کی تھی حتی کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ٹھہر جاؤ تم پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۳۵۰)

تو پہاڑ کا حرکت کرنا غصے کی وجہ سے نہیں خوشی کی بنیاد پر تھا اسی طرح جب جبریل علیہ السلام نے براق سے فرمایا ٹھہر

---

[1] یعنی جس طرح مضبوط رسی کو تھامنے کا مطلب رسی کو پکڑنا نہیں بلکہ صحیح نظر اور مضبوط اور درست رائے سے حق کا دامن تھامنا مراد ہے اسی طرح انبیاء کرام کا وہاں ٹھہرنا مراد ہے۔ (زرقانی ج ۶ ص ۲۷)

جا تجھ پر کوئی ایسا شخص سوار نہیں ہوا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں نبی اکرم ﷺ سے زیادہ معزز و محترم ہو تو وہ اس ظاہری حرکت سے شرمندہ ہو کر ٹھہر گیا اور خطاب کی طرف متوجہ ہوا تو اسے پسینہ آیا حتیٰ کہ پسینے میں شرابور ہو گیا۔

کیا حضرت جبریل علیہ السلام بھی براق پر سوار ہوئے؟

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس براق لایا گیا تو اس کی پیٹھ پر نبی اکرم ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام مسلسل بیٹھے رہے حتیٰ کہ بیت المقدس تک پہنچے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب نہیں کی تو اس بات کا احتمال ہے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے کہا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا قول "ھو و جبویل" (آپ ﷺ اور حضرت جبریل) میں سیر میں رفاقت مراد ہو سواری میں نہیں۔

ابن دحیہ نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام اس براق کے آگے یا پیچھے تھے یا راستہ دکھانے والے تھے ہم نے اس بات پر اعتماد کیا کیونکہ معراج کا واقعہ نبی اکرم ﷺ کا اعزاز ہے اس لئے اس میں کسی دوسرے کا دخل نہیں ہے۔

لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس پر اس طرح اعتراض کیا کہ صحیح ابن حبان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور ہے جس میں یوں آیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو سوار کیا آپ ان کے پیچھے تھے۔

اور حارث نے اپنی مسند میں نقل کیا کہ براق لایا گیا پس آپ کو حضرت جبریل علیہ السلام کے پیچھے سوار کیا گیا اور وہ براق دونوں کو لے کر گیا پس یہ روایت اس بات میں واضح ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ سوار ہوئے۔

اسراء کی رات نبی اکرم ﷺ نے کیا دیکھا؟

اس (مذکورہ بالا) روایت کے علاوہ احادیث میں ان چیزوں کا بیان ہے جو نبی اکرم ﷺ نے معراج کی رات ملاحظہ فرمائیں۔

ان میں سے ایک وہ ہے جو حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اور اسے امام بزار اور طبرانی نے نقل کیا ہے اور امام بیہقی نے اسے "دلائل النبوۃ میں" ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ کو جب سیر کرائی گئی تو آپ کھجوروں والی زمین سے گزرے، حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اتر کر نماز پڑھئے چنانچہ آپ نے نماز پڑھی، انہوں نے کہا آپ نے یثرب کی زمین میں نماز پڑھی ہے پھر ایک سفید زمین سے گزرے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اتر کر نماز پڑھیں پس آپ نے نماز پڑھی انہوں نے عرض کیا آپ نے مدین میں نماز پڑھی ہے پھر بیت اللحم سے گزرے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اتر کر نماز پڑھیں آپ اترے اور نماز پڑھی تو انہوں نے کہا آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت پر نماز پڑھی ہے۔ (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۵۵، المعجم الکبیر ج ۷ ص ۳۳۹)

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''الدلائل میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام براق لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو براق نے دونوں کان اکٹھے کر لئے حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا اے براق! رک جا (اور اطاعت کر) اللہ کی قسم! ان جیسی شخصیت تجھ پر سوار نہیں ہوئی۔

نبی اکرم ﷺ آگے چلے تو راستے کے کنارے پر ایک بڑھیا تھی فرمایا اے جبریل یہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا حضور! چلئے تو آپ چلے جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور تھا پھر ایک بوڑھا شخص تھا اور وہ راستے سے ہٹا ہوا تھا وہ آپ کو پکارنے لگا اے محمد ﷺ! ادھر آؤ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا حضور چلئے پھر آپ ایک جماعت پر گزرے تو ان کو سلام کیا انہوں نے (جواباً) کہا آپ پر سلام ہو اے اول! آپ پر سلام ہو اے آخر! آپ پر سلام ہو اے حاشر! (قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرنے والے) حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا آپ ان کے سلام کا جواب دیں تو آپ نے جواب دیا (اس کے بعد مکمل حدیث ذکر کی اور اس کے آخر میں ہے)۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ وہ بوڑھی عورت جو راستے کے کنارے پر تھی تو دنیا سے صرف اسی قدر وقت باقی ہے جس قدر اس عورت کی عمر باقی ہے اور جس نے آپ کو بلایا تھا وہ (بوڑھا) شیطان تھا اور وہ عورت دنیا تھی اگر آپ ان دونوں کو جواب دیتے تو آپ کی امت آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتی اور جن لوگوں نے آپ کو سلام کیا وہ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام تھے۔ (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۶۲)

حافظ عماد الدین ابن کثیر نے فرمایا کہ اس حدیث کے الفاظ غیر معروف ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے تو وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ نے ایک کلمہ ذکر کیا یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۴، سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۵، مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۴۔ ۲۴۸، البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۲۹۶)

اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ انبیاء کرام علیہ السلام اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں کیونکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں رزق پاتے ہیں پس وہ اپنے دل کی چاہت اور شوق سے عبادت کرتے ہیں یہ بات نہیں کہ ان پر یہ لازم ہے جس طرح جنتی لوگوں کے دلوں میں ذکر الٰہی کا شوق ڈالا جائے گا ان شاء اللہ حجۃ الوداع کے بیان میں اس بات کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام طبرانی اور امام بزار رحمہما اللہ نے نقل کیا ہے اس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو ایک ہی دن میں بیج بوتے اور فصل کاٹ لیتے جب کاٹتے تو فصل دوبارہ اسی طرح ہو جاتی حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں ان کی نیکیاں سات سو گنا تک بڑھ جاتی ہیں اور وہ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اس کا بدلہ دیتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

پھر آپ ایک قوم کے پاس سے گزرے جن کے سر بڑے بڑے پتھروں کے ساتھ کچلے جا رہے تھے جب بھی ان کو کچلا جاتا تو وہ دوبارہ پہلی حالت میں لوٹ آتے اور ان میں کوئی کمی نہ آتی نبی اکرم ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں اے

جبریل! انہوں نے عرض کیا ان کے سر فرض نماز سے بوجھ محسوس کرتے تھے۔

پھر ایک قوم کے پاس تشریف لائے تو ان کی اگلی پچھلی شرمگاہوں پر چیتھڑے تھے وہ جانوروں کی طرح چرتے تھے وہ خشک کانٹے' تھوہر (کڑوا پھل) اور جہنم میں گرم ہوئے پتھر کھا رہے ہیں آپ نے پوچھا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

پھر ایک جماعت کے پاس تشریف لائے جن کے سامنے ہنڈیا میں پکا ہوا گوشت تھا اور ایک ہنڈیا میں کچا بدبودار گوشت تھا وہ اس کچے بدبودار گوشت کو کھاتے اور پکے ہوئے کو چھوڑ دیتے آپ نے پوچھا اے جبریل یہ کیا ہے؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے جس کے پاس حلال پاک عورت ہے لیکن وہ خبیث (فاحشہ) عورت کے پاس جا کر رات گزارتا ہے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی ہے وہ عورت جو اپنے جائز حلال پاکیزہ خاوند کو چھوڑ کر خبیث آدمی کے پاس جاتی اور رات گزارتی ہے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی ہے۔

پھر آپ ایک شخص کے پاس آئے جس نے لکڑیوں کا بہت بڑا گٹھا جمع کر رکھا تھا اور وہ اسے اٹھا نہیں سکتا تھا لیکن مزید لکڑیاں ڈال رہا تھا آپ نے پوچھا اے جبریل یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ آپ کی امت کا ایک فرد ہے جس کے ذمہ لوگوں کی امانتیں ہیں اور وہ ان کو ادا کرنے پر قادر نہیں ہے لیکن وہ انہیں اٹھانا چاہتا ہے۔

اس کے بعد آپ ایک ایسی قوم کے پاس تشریف لائے جو لوہے کی قینچیوں سے اپنی زبانوں اور ہونٹوں کو کاٹ رہے تھے جب ان کو کاٹا جاتا وہ دوبارہ اسی طرح ہو جاتے اور ان میں کوئی کمی نہ آتی آپ نے فرمایا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا یہ فتنہ پھیلانے والے خطباء ہیں۔

فرماتے ہیں پھر ایک چھوٹے سے پتھر کے پاس تشریف لائے جس میں ایک بہت بڑا بیل نکل رہا تھا وہ بیل جہاں سے نکلا تھا دوبارہ وہاں داخل ہونا چاہتا تھا لیکن اس کی طاقت نہیں رکھتا تھا آپ نے پوچھا اے جبریل یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ وہ شخص ہے جو بہت بڑی بات کرتا ہے پھر اس پر نادم ہوتا ہے لیکن اس کو واپس نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد آپ ایک وادی کے پاس آئے تو اس میں ٹھنڈی خوشگوار ہوا اور کستوری کی خوشبو پائی نیز ایک آواز سنی تو فرمایا اے جبریل یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ جنت کی آواز ہے وہ کہہ رہی ہے اے میرے رب! مجھے وہ چیز عطا فرما جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ میرے بالا خانے' (مختلف قسم کے) ریشمی لباس' عمدہ بچھونے' میرے موتی' میرے مرجان' چاندی اور سونا نیز میرے ڈونگے' پیالے' پتھر' چمکتی تلواریں' میری سواریاں' میرا شہد' میرا پانی' میرا دودھ اور میری شراب زیادہ ہو گئی پس جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا اسے میرے پاس لے آ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر مسلمان مرد و عورت اور مؤمن مرد و عورت نیز جو مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لایا اور اس نے اچھے کام کئے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا اور نہ میرے سوا کسی کو معبود بنایا' وہ تیرے لئے ہے جو مجھ سے ڈرا وہ بے خوف ہوا اور جو مجھ سے مانگے گا میں اسے عطا کروں گا اور جو مجھے قرض دے گا میں اس کو اس کا بدلہ دوں گا۔ جو مجھ پر توکل کرے گا میں اسے کفایت کروں گا۔

بے شک میں ہی اللہ ہوں' میں ہی معبود ہوں' میں وعدے کے خلاف نہیں کرتا بے شک مؤمنوں نے فلاح پائی اور سب سے بہترین خالق برکت والا ہے۔ جنت نے کہا میں راضی ہوگئی۔

پھر آپ ایک وادی پر تشریف لائے تو ایک بری آواز سنی اور بدبو محسوس ہوئی فرمایا اے جبریل یہ کیا ہے؟ عرض کیا یہ جہنم کی آواز ہے وہ کہہ رہی ہے اے میرے رب! مجھے وہ کچھ عطا فرما جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے میری بیڑیاں' زنجیریں' بھڑکتی ہوئی آگ اور گرم پانی نیز پیپ اور عذاب زیادہ ہوگیا ہے میری گہرائی زیادہ اور گرمی سخت ہوئی ہے پس جس کا مجھ سے وعدہ کیا ہے اسے میرے پاس لا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر مشرک مرد وعورت اور کافر مرد وعورت ہر متکبر سرکش جو حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتا وہ تیرے لئے ہے۔ اس نے کہا میں راضی ہوئی۔ فرماتے ہیں پھر آپ چلے حتیٰ کہ بیت المقدس پہنچے۔

ابوسعید کی روایت جسے امام بیہقی وغیرہ نے نقل کیا ہے' اس میں ہے کہ مجھے دائیں طرف سے کسی بلانے والے نے بلایا (اور کہا) میری طرف دیکھئے میں آپ سے سوال کرتا ہوں پس میں نے جواب نہ دیا پھر میری بائیں جانب سے کسی نے اسی طرح پکارا پھر بھی میں نے جواب نہ دیا۔

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ اچانک ایک عورت نظر آئی جس کے بازو کھلے تھے اور وہ ہر قسم کی زینت سے مزین تھی جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی اس نے کہا اے محمد! (ﷺ) میری طرف دیکھئے میں آپ سے سوال کرنا چاہتی ہوں آپ نے اس کی طرف توجہ نہ فرمائی اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ سے عرض کیا کہ پہلا بلانے والا یہودیوں کی طرف سے تھا اگر آپ اس کو جواب دیتے تو آپ کی امت یہودی ہو جاتی اور دوسرا بلانے والا عیسائیوں کا نمائندہ تھا اگر آپ اس کو جواب دیتے تو آپ کی امت عیسائی ہو جاتی اور وہ عورت دنیا تھی۔

اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ' آسمان دنیا کی طرف تشریف لے گئے تو وہاں حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا اور وہاں دسترخوان دیکھے ایک پر پاکیزہ گوشت دیکھا لیکن وہاں کوئی نہ تھا اور دوسرے پر بدبودار گوشت دیکھا اور وہاں کچھ لوگ کھا رہے تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ وہ لوگ ہیں جو حلال کو چھوڑ کر حرام کھاتے ہیں۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جن کے پیٹ گھروں کی طرح (بڑے) تھے' ان میں سے کوئی جب بھی اٹھتا گر پڑتا حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ سود خور ہیں' پھر آپ ایک قوم کے پاس سے گزرے جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں جیسے تھے وہ پتھر کھاتے تھے جو ان کی نچلی جانب سے نکل جاتے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال بطور ظلم کھاتے ہیں' آپ کچھ عورتوں کے پاس سے گزرے جو پستانوں کے ذریعے لٹکی ہوئی تھی اور وہ زنا کار عورتیں ہیں۔

آپ ایک ایسی جماعت کے پاس سے گزرے جن کے پہلوؤں کا گوشت کاٹا جا رہا تھا پس وہ اسے کھاتے تھے اور وہ لوگوں کی بہت زیادہ چغلی کھانے والے اور عیب بتانے والے لوگ ہیں۔ (لسان العرب ج ۱۰ ص ۱۲۰' ——— ج ۱۲ ص ۳۲۶)

انبیاء کرام اور فرشتوں سے ملاقات

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت جسے حضرت بزار اور حضرت حاکم رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے' میں ہے کہ نبی اکرم

ﷺ نے فرشتوں کے ہمراہ بیت المقدس میں نماز پڑھی اور وہاں انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح آئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی۔ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول بھی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کو تم پر فضیلت دی گئی ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ہشام نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں فرمایا کہ پھر حضرت آدم علیہ السلام اوران کے علاوہ (انبیاء ورسل) کو آپ کے لئے اٹھایا گیا تو اس رات آپ نے ان سب کو نماز پڑھائی۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث جسے حضرت ابویعلیٰ نے روایت کیا اس میں ہے کہ میرے لئے انبیاء کرام کی ایک جماعت کو اٹھایا گیا ان میں حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام بھی تھے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ پھر نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے ان کی امامت کروائی اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت امام طبرانی نے ''الاوسط میں'' نقل کی ہے اس میں ہے کہ پھر نماز کے لئے اقامت ہوئی تو انہوں نے ایک دوسرے کو آگے کرنا چاہا پھر سب نے حضرت محمد ﷺ کو آگے کیا۔

فطرت کو اختیار کرنا

حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ کی روایت میں ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے اسے (یعنی براق کو) حلقہ کے ساتھ باندھا (حلقہ میں لام ساکن ہے اور یہی مشہور ہے) جس کے ساتھ انبیاء کرام باندھتے تھے (التی تربط به الانبیاء) یہاں بہ میں ضمیر مذکر ہے کیونکہ حلقہ کا معنیٰ مراد لیا گیا اور وہ ''شے'' ہے۔

اور اس سے مراد وہ حلقہ ہے جو مسجد بیت المقدس کے دروازے پر ہے۔

صاحب التحریر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پھر میں مسجد میں داخل ہوا اور دو رکعتیں پڑھیں پھر باہر نکلا تو حضرت جبریل امین علیہ السلام ایک برتن شراب کا اور ایک دودھ کا برتن لائے تو میں نے دودھ کو پسند کیا حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ نے فطرت کو پسند کیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۵۹)

یعنی آپ نے دودھ کو پسند کیا جس پر مخلوق کی بنیاد رکھی گئی اسی سے گوشت بڑھتا اور ہڈیاں پھیلتی ہیں یا یہ مقصد ہے کہ دودھ اسلام میں ہمیشہ حلال رہا ہے جب کہ شراب حرام ہے اور حرام رہے گی۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں فطرت سے اسلام اور استقامت مراد ہے وہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اسلام اور استقامت کی علامت کو اختیار کیا اور دودھ کو علامت قرار دیا گیا کیونکہ یہ آسان' پاک' طاہر اور پینے والوں کے حلق سے آسانی سے اترنے والا ہے اس کا انجام بھی اچھا ہے۔

جب کہ شراب تمام خباثتوں کی جڑ ہے اور فی الحال بھی اور بعد میں بھی طرح طرح کی خرابیوں کو لاتی ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ دودھ کو فطرت کہنے کی وجہ یہ ہو کہ نومولود بچے کے پیٹ میں سب سے پہلے دودھ داخل ہوتا ہے اور اس کی آنتوں کو کھولتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کا اس کی طرف مائل ہونا اور دوسری طرف مائل نہ ہونا اس وجہ سے تھا کہ آپ پہلے سے ہی اس سے مانوس تھے۔

سوال: اس وقت شراب پینا بھی جائز تھا کیونکہ یہ مدینہ طیبہ میں حرام ہوئی اور معراج شریف مکہ مکرمہ میں ہوا تو دو مباح چیزوں میں سے ایک کو متعین کرنے کی کیا وجہ تھی اور اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک کو صحیح اور دوسرے کو خطا شمار کیا گیا حالانکہ اباحت میں دونوں برابر ہیں؟

جواب: اس بات کا احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا اس سے بچنا تقویٰ کی بنیاد پر ہو یا اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ عنقریب اسے (شراب کو) حرام قرار دیا جائے گا اور چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں درست بات کے موافق قول فرمایا اس لئے حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ نے فطرت کو پایا یا فرمایا کہ آپ نے درست فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کے قول کو درست فرمائے دونوں طرح مروی ہے۔

اور جب ہم کہتے ہیں کہ وہ جنت کی شراب سے تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی صورت اور حرام شراب کے مشابہ ہونا اس سے بچنے کا سبب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ حرام ہے اور یہ تقویٰ و پرہیزگاری میں زیادہ بلیغ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص انگور کا پانی لیتا ہے اگر وہ وہ خالص پانی ہو اور صورت میں اسے شراب کے مشابہ بناتا ہے اور وہ طریقہ اختیار کرتا ہے جو اہل شہوات اختیار کرتے ہیں کہ شراب کے لیے جمع ہونا اور لہو ولعب کے آلات وغیرہ تو ایسا شخص گناہ کا مرتکب ہوتا ہے لیکن اس پر حد نافذ نہیں ہوگی۔ یہ بات ابن منیر نے کہی ہے۔

یمن وغیرہ کے فقراء مکہ مکرمہ اور جدہ میں نیز دوسرے مقامات پر جو عمل کرتے ہیں کہ چھلکے وغیرہ سے کچھ بنا کر اسے قہوہ کہتے ہیں اور یہ بھی شراب کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ تو ان کے عمل کو بھی دیکھا جائے (لیکن چونکہ قہوہ شراب نہیں لہٰذا یہ ممنوع یا برا نہیں)۔ (لسان العرب ج ۱۱ ص ۳۴۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت جسے امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس میں ہے کہ جب آپ مسجد اقصیٰ میں تشریف لائے تو آپ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے جب نماز سے سلام پھیرا تو آپ کے سامنے دو پیالے پیش کئے گئے ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شہد پس آپ نے دودھ کو اختیار کیا۔

امام بزار کی روایت میں تین برتنوں کا ذکر ہے اور یہ کہ تیسرا شراب کا برتن تھا اور یہ واقعہ بیت المقدس میں پیش آیا اور پہلا برتن پانی کا تھا' شہد کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ فرماتے ہیں میں نے مسجد میں اس جگہ نماز پڑھی جہاں اللہ تعالیٰ نے چاہا اور مجھے سخت پیاس لگی تو میرے لئے دو برتن لائے گئے ایک میں دودھ اور دوسرے میں شہد تھا پھر اللہ تعالیٰ نے میری رہنمائی فرمائی تو میں نے دودھ اختیار کیا۔

میرے سامنے موجود شیخ نے کہا یعنی حضرت جبریل علیہ السلام سے کہا کہ آپ کے ساتھی نے فطرت کو اختیار کیا۔

آپ کے پاس برتن دو مرتبہ لائے گئے ایک مرتبہ اس وقت جب آپ نماز سے فارغ ہوئے اور دوسری مرتبہ جب آپ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے اور چار نہروں کو دیکھا۔

دو مرتبہ برتن پیش کئے جانے کی تصریح حضرت حافظ عماد الدین بن کثیر نے فرمائی ہے اس بات پر حضرت جبریل علیہ السلام کا آپ کے دودھ کو اختیار کرنے والے عمل کو تکرار کے ساتھ درست قرار دینا باقی چیزوں سے بچنے کی تاکید

تھی۔

براق باندھنے سے متعلق بحث

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے براق کو حلقہ کے ساتھ باندھنے سے انکار کیا ہے۔حضرت امام احمد اور حضرت امام ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ محدثین بیان کرتے ہیں کہ آپ نے براق کو اس لئے باندھا کہ آپ کو اس کے بھاگنے کا ڈر تھا' حالانکہ غیب وشہادت کے عالم (اللہ تعالیٰ) نے اسے آپ کے لئے مسخر کر دیا تھا اسی طرح حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس میں آپ کے نماز پڑھنے کا بھی انکار کیا ہے۔

لیکن امام بیہقی اور ابن کثیر رحمہما اللہ نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ مثبت (ثابت کرنے والی دلیل) نافی (نفی کرنے والی دلیل) پر مقدم ہوتی ہے یعنی جس نے یہ بات ثابت کی کہ آپ نے براق کو باندھا اور بیت المقدس میں نماز پڑھی اس کے پاس نفی کرنے والے کی نسبت زیادہ علم ہے پس قبولیت کے زیادہ لائق یہی ہے۔

امام بزار رحمہ اللہ نے بھی اسے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے فرماتے ہیں جس رات نبی اکرم ﷺ کو سیر کرائی گئی تو حضرت جبریل علیہ السلام بیت المقدس میں قبۂ صحرا کے پاس تشریف لائے اور اپنی انگلی اس میں رکھ کر سوراخ کیا اور اس کے ساتھ براق کو باندھا امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اس کی مثل روایت کی۔

حضرت امام ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام بیہقی نے نقل کیا اس میں ہے کہ (نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں) جب میں بیت المقدس میں آیا تو میں نے اپنے جانور کو اس حلقہ سے باندھا جس کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام باندھتے تھے پس میں اور حضرت جبریل علیہ السلام بیت المقدس میں داخل ہوئے اور ہم میں سے ہر ایک نے دو رکعتیں پڑھیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھانا

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس طرح ہے اور یہ اضافہ ہے (کہ آپ نے فرمایا) پھر میں مسجد میں داخل ہوا تو میں نے انبیاء کرام علیہم السلام کو پہچان لیا ان میں سے کوئی حالتِ قیام میں تھا کوئی رکوع میں اور کوئی سجدے میں تھا پھر مؤذن نے اذان دی اور نماز کے لئے اقامت ہوئی تو ہم کھڑے ہو کر انتظار کرنے لگے کہ ہمیں کون نماز پڑھاتا ہے پس جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے آگے کیا تو میں نے ان کو نماز پڑھائی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا' میں اس طرح ہے اور نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے ان کی امامت کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں جسے امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے یوں ہے پس جب آپ اقصیٰ میں تشریف لائے تو آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی پس تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ پھر آپ بیت المقدس کی طرف تشریف لے گئے تو وہاں اتر کر اپنے گھوڑے (براق) کو پتھر کے ساتھ باندھا پھر آپ داخل ہوئے اور فرشتوں کے ہمراہ نماز پڑھی' نماز ہو چکی تو انہوں

نے پوچھا اے جبریل! یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا یہ حضرت محمد ﷺ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری نبی ہیں انہوں نے پوچھا کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ فرمایا ہاں۔

تو فرشتوں نے کہا اللہ تعالیٰ بھائی اور خلیفہ کو قائم و دائم رکھے کتنے اچھے بھائی اور کتنے اچھے خلیفہ ہیں؟ پھر آپ کی اور فرشتوں کی انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اپنے رب کی تعریف کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

الحمد لله الذی اتخذنی خلیلا' واعطانی ملکا عظیما' و جعلنی امة قانتا یوئتم بی' وانقذنی من النار' وجعلها علی برداً و سلاماً.

اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے جس نے مجھے خلیل بنایا اور مجھے بہت بڑی بادشاہی عطا کی نیز مجھے ایک جماعت بنایا مجھے اپنا فرمانبردار اور دوسروں کا امام بنایا مجھے (نمرودی) آگ سے بچایا اور اس کو مجھ پر ٹھنڈی اور سلامتی بنایا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

الحمد لله الذی کلمنی تکلیما' واصطفانی' وانزل علی التوراة' وجعل هلاک فرعون و نجاة بنی اسرائیل علی یدی' وجعل من امتی قوما یهدون بالحق و به یعدلون.

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھ سے کلام فرمایا اور مجھے چن لیا مجھ پر تورات نازل کی اور میرے ہاتھوں فرعون کو غرق کیا اور بنی اسرائیل کو نجات دی اور میری امت میں ایک جماعت بنائی جو حق کی راہ بتاتی اور اسی (حق) کے ساتھ فیصلہ کرتی ہے۔

پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

الحمد لله الذی جعل لی ملکا عظیما' وعلمنی الزبور' والان لی الحدید' وسخر لی الجبار یسجن معی والطیر واتانی الحکمة و فصل الخطاب.

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے میرے لئے ایک بہت بڑی بادشاہی بنائی اور مجھے زبور کی تعلیم دی میرے لئے لوہے کو نرم کیا اور میرے لئے پہاڑوں کو مسخر کیا وہ میرے ساتھ (مل کر اللہ تعالیٰ کی) تسبیح کرتے ہیں اور پرندے بھی' نیز اس نے مجھے حکمت اور واضح خطاب (کا ملکہ) عطا فرمایا۔

پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

الحمد لله الذی سخر لی الریاح' و سخر لی الشیاطین' یعملون ما شئت من محاریب و تماثیل' و علمنی منطق الطیر واتانی من کل شیء فضلاً' وسخر

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے میرے لئے ہواؤں کو مسخر کیا' شیطانوں کو مسخر کیا وہ میرے لئے وہ کچھ بناتے ہیں جو میں چاہتا ہوں۔ مجھے پرندوں کی بولیاں سکھائیں اور ہر چیز میں مجھے فضیلت عطا فرمائی میرے لئے

لی جنود الشیاطین والانس والجن و الطیر، واتانی ملکاً لا ینبغی لاحد من بعدی، وجعل لی ملکاً طیباً لیس علی فیہ حساب.

شیطانوں انسانوں جنوں اور پرندوں کے لشکر مسخر کئے اور مجھے ایسی بادشاہی عطا کی جو میرے بعد کسی کے لیے نہیں ہو گی اور مجھے ایسی بادشاہی عطا کی کہ اس میں مجھ پر کوئی حساب نہیں۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

الحمد للہ الذی جعلنی کلمتہ، و جعلنی مثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون، وعلمنی الکتاب والحکمۃ والتوراۃ والانجیل وجعلنی اخلق (ای اسوی) من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیراً باذن اللہ، وجعلنی ابری الاکمہ والابرص، واحیی الموتی باذن اللہ، ورفعنی و طھرنی واعاذنی وامی من الشیطان الرجیم. فلم یکن للشیطان علینا سبیل.

اللہ تعالیٰ ہر قسم کی حمد وستائش کے لائق ہے جس نے مجھے اپنا کلمہ بنایا اور مجھے حضرت آدم علیہ السلام کی مثل بنایا ان کو مٹی سے پیدا کیا پھر فرمایا ہو جا تو وہ ہو گیا اور مجھے کتاب، حکمت، تورات اور انجیل سکھائی اور مجھے یوں بنایا کہ میں گارے (مٹی سے) پرندوں کی شکلیں بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور اس نے مجھے یہ اعزاز عطا فرمایا کہ میں پیدائشی اندھے اور کوڑھ کی مرض والے کو ٹھیک کر دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں۔ نیز اس نے مجھے اٹھایا اور مجھے پاک کیا نیز مجھ سے اور میری ماں سے شیطان مردود کو دور رکھا۔ پس شیطان کو ہم پر کوئی گرفت حاصل نہیں ہے۔

راوی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تم سب نے اپنے رب کی تعریف کی ہے اور میں بھی اپنے رب کی تعریف کرتا ہوں چنانچہ آپ نے فرمایا:

الحمد للہ الذی ارسلنی رحمۃ للعالمین و کافۃ للناس بشیراً ونذیراً، وانزل علی الفرقان فیہ تبیان کل شیء، وجعل امتی خیر امۃ اخرجت للناس، وجعل امتی امۃ وسطاً، وجعل امتی ھم الاولون وھم الاخرون، وشرح لی صدری، ووضع عنی وزری، ورفع لی ذکری، وجعلنی فاتحاً وخاتماً.

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا تمام لوگوں کے لئے بشیر و نذیر بنایا، مجھ پر (حق و باطل میں) فرق کرنے والی کتاب نازل فرمائی جس میں ہر چیز کا بیان ہے میری امت کو بہترین امت قرار دیا جسے لوگوں (کی بھلائی) کے لئے پیدا کیا اور میری امت کو درمیانی امت قرار دیا میری امت کو پہلے اور پچھلے لوگ قرار دیا میرے لئے میرے سینے کو کھول دیا اور مجھ سے بوجھ دور رکھا میرے لئے میرے ذکر کو بلند کیا اور مجھے ایمان کے دروازے کھولنے اور صراط مستقیم کی

طرف ہدایت دینے والا نیز آخری نبی بنایا۔

(یہ سن کر) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اسی وجہ سے حضرت محمد ﷺ کو تم پر فضیلت دی گئی ہے۔

پھر ذکر فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کو آسمان دنیا کی طرف لے جایا گیا پھر ایک آسمان سے دوسرے تک۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفاء میں'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مختصراً نقل کیا اور اس کا ماخذ (کس کتاب سے لیا) بیان نہیں کیا۔ (الشفاء ج ۱ ص ۱۸۱)

ابن ابی حاتم کی روایت میں اس کی تفسیر یوں بیان کی گئی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب بیت المقدس پہنچے تو اس مقام پر جسے ''باب محمد ﷺ'' کہا جاتا ہے' پہنچنے کے بعد اس پتھر کے پاس تشریف لے گئے جو وہاں تھا حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنی انگلی سے اس میں سوراخ کیا اور وہاں (براق کو) باندھا پھر دونوں اوپر مسجد کے صحن میں تشریف لے گئے' حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمد! ﷺ کیا آپ نے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ آپ کو حورعین دکھائے؟ آپ نے فرمایا ہاں میں نے سوال کیا ہے انہوں نے عرض کیا ان عورتوں کے پاس جا کر سلام کریں آپ فرماتے ہیں میں نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا میں نے پوچھا تم کن لوگوں کے لئے ہو؟ انہوں نے کہا اچھے اخلاق والے' خوبصورت چہروں والے لوگوں کے لئے ہیں' نیک لوگوں کی بیویاں ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو پاک رکھا' میلا نہیں کیا ایک جگہ رہیں گے' ادھر ادھر جانے کی مشقت برداشت نہیں کریں گے' ہمیشہ رہیں گے انہیں موت نہیں آئے گی۔

آپ فرماتے ہیں پھر میں واپس آیا اور وہاں تھوڑا سا وقت ٹھہرا حتیٰ کہ بہت سے لوگ جمع ہو گئے پھر مؤذن نے اذان دی اور نماز کے لئے اقامت کہی فرماتے ہیں ہم صفیں بنا کر اس انتظار میں کھڑے تھے کہ کون ہمارا امام بنتا ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے کیا پس میں نے ان کو نماز پڑھائی جب سلام پھیرا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے پوچھا کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے پیچھے کن لوگوں نے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا انہوں نے عرض کیا کہ آپ کے پیچھے ہر اس نبی نے نماز پڑھی ہے جس کو مبعوث کیا گیا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس بات کا احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بیت المقدس میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی ہو پھر ان میں سے وہ انبیاء کرام اوپر چلے گئے جن کے بارے میں ذکر کیا گیا کہ آپ نے ان کو آسمانوں میں دیکھا۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ آسمان سے اترنے کے بعد ان کو نماز پڑھائی ہو اور وہ بھی اترے ہوں لیکن زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ آپ نے اوپر جانے سے پہلے ان کو بیت المقدس میں نماز پڑھائی۔

ابن کثیر کہتے ہیں کہ آپ نے اوپر جانے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی ان کو بیت المقدس میں نماز پڑھائی ہے۔ کیونکہ حدیث میں اس پر دلالت پائی جاتی ہے اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

اس نماز سے متعلق گفتگو

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ یہ نماز فرض تھی یا نفل؟ اور اگر ہم اسے فرض کہیں تو کس وقت کی نماز تھی؟

تو بعض حضرات نے فرمایا کہ زیادہ قریب یہ ہے کہ یہ صبح کی نماز تھی اور یہ بھی احتمال ہے کہ عشاء کی نماز ہو۔

اور یہ ان لوگوں کے مطابق صحیح ہوگا جو کہتے ہیں کہ آپ نے آسمان پر جانے سے پہلے ان کو نماز پڑھائی لیکن جن لوگوں کے نزدیک آسمان پر جانے کے بعد نماز پڑھائی ان کے نزدیک صبح کی نماز مراد ہوگی۔

ابن کثیر فرماتے ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نے آسمان میں امامت فرمائی لیکن روایات کے باہم ملنے سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے بیت المقدس میں نماز پڑھائی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ نے واپسی پر نماز پڑھائی اس لئے کہ جب آپ ان کی منازل میں ان کے پاس سے گزرے تو آپ حضرت جبریل علیہ السلام سے ان کے بارے میں پوچھتے رہے اور وہ آپ کو ان کے بارے میں بتاتے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں یہی بات مناسب ہے کیونکہ بارگاہ خداوندی کی حاضری سب سے پہلا مطلوب تھی تا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کی امت پر وہ کام فرض کرے جو چاہے پھر جب اس سے فارغ ہوئے تو آپ اور آپ کے بھائی انبیاء کرام علیہم السلام جمع ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کا شرف ان پر یوں ظاہر کیا کہ آپ کو امامت کے لئے ان سے آگے کیا۔

معراج کی کیفیت

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب میں بیت المقدس کے معاملات سے فارغ ہوا تو ایک سیڑھی (معراج) لائی گئی میں نے اس سے زیادہ خوبصورت چیز نہیں دیکھی جب کسی شخص کی موت کا وقت آتا ہے تو اس کی نگاہیں اسی کی طرف اٹھتی ہے میرے ساتھی نے مجھے اس پر چڑھایا حتیٰ کہ آسمان کے دروازوں تک پہنچ گئے۔

حضرت کعب کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے ایک چاندی کی اور دوسری سونے کی سیڑھی رکھی گئی (مرقاۃ کا لفظ ہے یعنی وہ آلہ جس کے ذریعے اوپر چڑھتے ہیں) حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام اوپر تشریف لے گئے۔

کتاب "شرف المصطفیٰ" میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس معراج (سیڑھی) جنت الفردوس سے لائی گئی اور اس کے دائیں بائیں فرشتے تھے۔

ابن سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں جسے امام بیہقی نے نقل کیا یوں ہے کہ پھر میرے پاس سیڑھی لائی گئی جس پر انسانوں کی روحیں اوپر جاتی ہیں تو مخلوق نے اس سے زیادہ خوبصورت سیڑھی نہیں دیکھی ہوگی کیا تم مرنے والے کو نہیں دیکھتے جب اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں تو وہ آسمان کی طرف دیکھ رہا ہوتا ہے تو وہ اس سیڑھی پر تعجب کرتا ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے لفظ "انا" نہیں کہا

صحیح بخاری کی حدیث گذر چکی ہے جس میں یوں ہے کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) پس حضرت جبریل علیہ السلام مجھے لے کر چلے حتیٰ کہ آسمانِ دنیا پر آئے اور دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبریل ہوں کہا گیا اور آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ ہیں پوچھا گیا کیا ان کو بلوایا گیا ہے؟ جواب دیا ہاں۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا "انا" (میں ہوں) جب ان سے پوچھا گیا کہ کون ہے؟ بلکہ انہوں نے

اپنا نام لیا اور کہا کہ جبریل ہوں کیونکہ اس میں بڑائی کا اظہار ہے اور سب سے پہلے اپنی گفتگو میں شیطان نے لفظ "انا" استعمال کیا تو وہ بدبخت ہو گیا نیز لفظ "انا" مبہم ہے کیونکہ ضمیر کے لئے مرجع کی ضرورت ہے اور بیان میں صرف ضمیر "انا" کافی نہیں ہے اسی لئے اجازت طلب کرنے والے کو چاہیے کہ جب اس سے پوچھا جائے تم کون ہو؟ تو وہ یہ نہ کہے کہ میں ہوں بلکہ اپنا نام بتائے۔

آسمان والوں کا جشن

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے پس آپ اوپر گئے' ماضی معروف کا صیغہ ہے (فعرج)۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کیا اس میں ہے حتیٰ کہ آپ آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازے تک پہنچے جسے "باب الحفظہ" کہا جاتا ہے اور اس پر ایک فرشتہ ہے جسے اسماعیل کہا جاتا ہے اور اس کے ماتحت بارہ ہزار فرشتے ہیں۔

حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس میں ہے۔

پھر آپ کو آسمانِ دنیا کی طرف چڑھایا گیا پس آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازے کو کھٹکھٹایا تو آسمان والوں نے آواز دی کون ہے؟ جواب دیا جبریل ہوں۔ انہوں نے کہا آپ کے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا حضرت محمد ﷺ ہیں انہوں نے پوچھا کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا جواب دیا ہاں بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے خوش آمدید کہا پس اس پر تمام آسمان والوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی فرشتوں کو معلوم نہیں تھا کہ اس سے اللہ تعالیٰ زمین والوں کے لئے کیا ارادہ رکھتا ہے حتیٰ کہ ان کو جس کی زبان سے چاہے بتائے جس طرح حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے بتایا۔

نہروں کا ذکر

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے آسمانِ دنیا میں نیل اور فرات کے نکلنے کی جگہ کو دیکھا۔

اس حدیث کا ظاہر' حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں سدرۃ المنتہیٰ کے ذکر کے بعد ہے کہ اس (سدرہ درخت) کی جڑ سے چار نہریں نکلتی ہے۔

دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ ان کا اصل منبع سدرہ کے نیچے ہے اور ان کا ٹھکانہ آسمانِ دنیا میں ہے اور وہاں سے یہ دونوں (نیل اور فرات) زمین کی طرف اترتی ہیں۔

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ پھر آپ کو آسمانِ دنیا کی طرف لے جایا گیا تو وہاں ایک اور نہر تھی جس پر موتیوں اور زبرجد کے محلات تھے اور وہ حوض کوثر ہے۔

حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی روایت یہ بھی اشکال پیدا کرتی ہے کیونکہ کوثر جنت سے ہے اور جنت ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے اور اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ تقدیرِ عبارت اس طرح ہو کہ پھر آسمانِ دنیا سے ساتویں آسمان تک تشریف لے گئے اور وہاں یہ نہر (حوض کوثر) ہے۔

آسمان کے دروازوں کا کھلنا

پھر حدیث کے یہ الفاظ کہ دروازہ کھولنے کے لئے کہا اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ بند دروازہ کے پاس تشریف لے گئے اور اس میں حکمت یہ تھی کہ آپ ﷺ کی قدر و منزلت کو ظاہر کیا جائے اور اس بات کو واضح و ثابت کیا جائے کہ آسمانوں کو آپ کے علاوہ کسی کے لئے نہیں کھولا گیا اور اگر دروازے کھلے ہوتے تو یہ بات تحریر میں نہ آتی کہ آپ کے لئے دروازوں کو کھولا گیا پس جب آپ کے لئے کھولا گیا تو یہ مقام محفوظ ہے اور اس کا کھولنا آپ کا اعزاز اور تعظیم ہے۔

''ارسل الیه'' کا کیا معنیٰ ہے؟

حدیث شریف میں ''ارسل الیه'' کے الفاظ ہیں اور ایک روایت میں ''بعث الیه'' ہے۔ تو اس میں احتمال ہے کہ اس سوال کا مطلب یہ ہو کہ کیا آسمان کی طرف عروج کے لئے آپ کے پاس کسی کو بھیجا گیا اور لفظ الیه (آپ کی طرف) سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے کیونکہ آپ کی رسالت و نبوت تو ملکوتِ اعلیٰ (فرشتوں) میں مشہور تھی۔

کہا گیا کہ ان کا سوال' نبی اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر تعجب اور خوشی کا اظہار تھا اور وہ جانتے تھے کہ انسان اس مرتبے تک اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ترقی نہیں کر سکتا اور حضرت جبریل علیہ السلام اسی کو لے کر اوپر آتے ہیں جس کی طرف ان کو بھیجا گیا ہو۔

یہ بھی کہا گیا کہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس بات کی اطلاع کا ارادہ فرمایا کہ آپ فرشتوں کے ہاں معروف ہیں کیونکہ انہوں نے پوچھا کیا ان کی طرف بھیجا گیا؟ تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ وہ جانتے تھے کہ عنقریب آپ کے لئے یہ واقعہ رونما ہوگا۔ ورنہ وہ کہتے محمد ﷺ کون ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جواباً کہا ان کا آنا مبارک ہو اور کتنا اچھا آنا ہوا۔ ان کا اس صیغے کے ساتھ کلام کرنا اس بات پر بہت بڑی دلیل ہے جو ہم نے ذکر کی کہ وہ آپ کی جلالتِ شان اور نبوتِ رسالت کی معرفت رکھتے تھے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ حسنِ خطاب کے سلسلے میں بہت بڑی بات ہے کیونکہ اہلِ عرب کی عادت سے یہی بات معروف ہے۔

ان کا یہ پوچھنا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ اس بات کی خبر دینا ہے کہ ان کو نبی اکرم ﷺ کے تشریف لانے کا علم ہو چکا تھا ورنہ وہ یوں پوچھتے کیا آپ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟

اور ان کا یہ احساس یا تو مشاہدے کی بنیاد پر تھا کیونکہ آسمان صاف شفاف ہیں یا کسی امر معنوی کی وجہ سے تھا کہ انوار و تجلیات میں اضافہ ہوا۔ یہ بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

ہو سکتا ہے انہوں نے یہ بات حضرت عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ کے کلام سے اخذ کی ہو انہوں نے اپنی کتاب ''بهجة النفوس'' میں فرمایا دوسری بات یہ ہے کہ انہوں (فرشتوں) نے یہ سوال اس وقت کیا جب انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی آمد پر پہلے سے زیادہ تجلیات اور اچھے اثرات دیکھے۔

وہ فرماتے ہیں یہی بات زیادہ ظاہر ہے گویا انہوں نے کہا آپ کے ساتھ کون شخص ہے۔ جس کی وجہ سے انوار و تجلیات کا یہ اضافہ ہوا تو ان کی چاہت کے مطابق حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کے اسم گرامی کے ساتھ جواب دیا حتیٰ کہ وہ پہچان گئے۔

بعض علماء نے اس ارشار خداوندی: ''لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى O آپ نے اپنے رب کی نشانیوں میں سے بڑی نشانی دیکھی ہے'' کے حوالے سے فرمایا کہ آپ نے ملکوت (عالم غیب) میں اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ کی صورت کو دیکھا کیونکہ وہی عروس مملکت ہے (کیونکہ اس کے انوار وتجلیات بہت زیادہ ہیں)۔

فرشتوں کا ''مرحبا'' کہنا

فرشتوں نے کہا ''آپ کا آنا مبارک ہو اور کیا ہی اچھا آنا ہے'' (مرحبا به ولنعم المجئ جاء) تو اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ جب انہوں نے آپ کی ان برکات کو دیکھا جو آپ کے تشریف لانے سے پہلے ظاہر ہوئیں تو آپ کی آمد کی خوشی میں انہوں نے یہ بات کہی اور اس میں تقدیم وتاخیر ہے یعنی عبارت یوں ہے ''جاء فنعم المجئ مجيئه'' آپ تشریف لائے اور آپ کا تشریف لانا اچھا ہے۔ خازن نے صیغۂ خطاب کے ساتھ ''مرحبا لک'' (آپ کا آنا مبارک ہو) نہیں بلکہ صرف مرحباً کہا اور غائب کا صیغہ استعمال کیا کیونکہ اس نے دروازہ کھولنے اور آپ کو خطاب کرنے سے پہلے خوش آمدید کہا۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ غیب کے صیغے کا استعمال تعظیم کے لئے ہوا ہو کیونکہ بعض اوقات غائب کی ضمیر ''ہا'' خطاب کے کاف سے زیادہ تعظیم کی حامل ہوتی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی اولاد کے اعمال

حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے ایک شخص کو بیٹھے ہوئے دیکھا اس کی دائیں جانب بھی کچھ لوگ ہیں اور بائیں جانب بھی کچھ لوگ ہیں وہ دائیں جانب دیکھ کر ہنستے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو رو پڑتے ہیں انہوں نے کہا صالح نبی اور صالح بیٹے کا آنا مبارک ہو (نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں) میں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ان کی دائیں اور بائیں جانب ان کی اولاد کی ارواح ہیں ان میں سے داہنی جانب والے جنتی ہیں اور بائیں جانب والے جہنمی ہیں جب وہ دائیں جانب دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو روتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۹)

سوال: حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث شریف میں آیا ہے کہ کفار کی روحیں سجین میں ہوتی ہیں اور مومنوں کی ارواح جنت میں ناز ونعمت میں ہوتی ہے تو آسمانِ دنیا میں کس طرح جمع ہوگئیں؟

جواب: اس میں یہ احتمال ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پر مختلف اوقات میں پیش ہوتی ہوں تو جب نبی اکرم ﷺ وہاں سے گزرے تو یہ وہی وقت ہوگا اور جہنم (سجین) میں ان کا ہونا اس بات پر دلالت ہے کہ کسی وقت وہ وہاں ہوتی ہیں اور کسی وقت نہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا. ان پر صبح وشام جہنم کی آگ پیش کی جاتی ہے۔

سوال: اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کفار کے لئے آسمان کے دروازے کھولے نہیں جاتے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ. (الاعراف: ۴۰) بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے نہیں

جاتے۔

جواب: جو چیز ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے جنت' حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب اور جہنم بائیں جانب ہو اور وہ دونوں آپ کے لئے کھولی گئی ہوں اور یوں حضرت آدم علیہ السلام کا ان کو دیکھنا جب کہ آپ آسمان میں ہیں اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جائیں اور وہ وہاں سے داخل ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام بزار رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس میں ہے کہ ان کے دائیں جانب ایک دروازہ تھا جس سے اچھی خوشبو نکلتی تھی اور بائیں جانب ایک دروازہ تھا جس سے بدبو آتی تھی جب آپ (حضرت آدم علیہ السلام) دائیں طرف دیکھتے تو خوش ہوتے اور جب بائیں جانب دیکھتے تو غمگین ہو جاتے۔

اگر یہ روایت صحیح ہو تو پہلے تمام احتمالات سے زیادہ بہتر ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے یہ بات حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرمائی ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے مکانات سے متعلق روایات کو جمع کرنا

حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ (آپ نے فرمایا) پھر مجھے اوپر لے جایا گیا حتیٰ کہ میں دوسرے آسمان پر آیا تو کہا گیا یہ کون ہے؟ حضرت جبریل نے فرمایا جبریل ہوں کہا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ ہیں پوچھا گیا کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ فرمایا ہاں پس کہا گیا کہ مبارک ہو آپ کا آنا کیا ہی اچھا ہوا پس دروازہ کھولا جب ہم اندر گئے تو حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام تھے اور وہ دونوں خالہ زاد بھائی ہیں حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا یہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہیں ان دونوں کو سلام کریں پس میں نے ان کو فرداً فرداً سلام کیا پھر ان دونوں نے کہا نیک بھائی اور صالح نبی کا آنا مبارک ہو۔

(پھر بیان کرتے کرتے) فرمایا پھر مجھے ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوانے کو کہا پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبریل ہوں پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ ہیں پوچھا گیا کیا ان کی طرف کسی کو بھیجا گیا تھا؟ فرمایا ہاں انہوں نے کہا آپ کا آنا مبارک ہو جب اندر داخل ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ آپ کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ان کو سلام کیجئے' فرماتے ہیں میں نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا صالح بیٹے کو خوش آمدید۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۷)

تو یہ روایت حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت کے موافق ہے جو انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام تھے دوسرے میں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ' تیسرے میں حضرت یوسف' چوتھے میں حضرت ادریس' پانچویں میں حضرت ہارون' چھٹے میں حضرت موسیٰ اور ساتویں میں حضرت ابراہیم علیہم السلام تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۹)

ابن شہاب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں اس کی مخالفت ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسے نماز کے بیان میں ذکر کیا کہ ان انبیاء کرام کی منازل

کے بارے میں کوئی بات ثابت نہیں اور یہ بھی فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چھٹے آسمان میں ہیں۔

حضرت شریک رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام دوسرے آسمان میں اور حضرت ہارون علیہ السلام چوتھے آسمان میں ہیں اور ایک اور نبی جن کا نام مجھے یاد نہیں پانچویں آسمان میں ہیں جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چھٹے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان میں ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کی فضیلت حاصل ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۷)

اس حدیث کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی منازل کا ذکر محفوظ نہیں جس طرح امام زہری نے واضح الفاظ میں فرمایا۔

اور جس کو یاد ہے اس کی روایت زیادہ بہتر ہے خصوصاً جب کہ حضرت قتادہ اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہما کا اتفاق ہے۔ اور حضرت یزید بن ابی مالک کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت بھی اس کے موافق ہے مگر حضرت ادریس اور حضرت ہارون علیہما السلام کے بارے میں ان کا اختلاف ہے انہوں نے فرمایا کہ حضرت ہارون علیہ السلام چوتھے آسمان میں اور حضرت ادریس علیہ السلام پانچویں آسمان میں ہیں۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے مگر ان کی روایت کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام دوسرے آسمان میں جب کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحیٰ علیہما السلام تیسرے آسمان میں ہیں۔

روایات میں مشہور یہ ہے کہ ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور اس کی تائید حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ آپ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) بیت المعمور سے تکیہ لگائے ہوئے تھے۔

لیکن اس میں کوئی اعتراض والی بات نہیں کیونکہ جب نبی اکرم ﷺ اوپر تشریف لے گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ساتویں آسمان پر تھے جیسا کہ حضرت مالک بن صعصعہ کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے اور جب اترے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان میں تھے کیونکہ اس واقعہ میں یہ بات مذکور نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کی امت پر نماز کے فرض ہونے سے متعلق کچھ کہا ہو جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سلسلے میں گفتگو کی ہے۔

اترتے وقت سب سے پہلے ساتواں آسمان آتا ہے پس مناسب تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں ہوتے کیونکہ انہوں نے نمازوں سے متعلق آپ سے گفتگو کی جیسا کہ تمام روایات میں ثابت ہے۔

اور ہوسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چھٹے آسمان میں ملاقات ہوئی ہو اور پھر آپ ان کو اپنے ساتھ اوپر لے گئے ہوں کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکلامی کی فضیلت حاصل ہے اور اس کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوا جب انہوں نے نمازوں کے معاملے میں ہمارے آقا ﷺ سے کلام کیا۔ یہ بات فتح الباری میں فرمائی گئی ہے اور فرمایا کہ حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے بھی ان میں سے بعض باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقام

حضرت شریک رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ذکر کیا کہ

(انہوں نے فرمایا) میں گمان نہیں کرتا کہ کسی کو مجھ پر بلند مقام عطا کیا گیا ہو۔ ابن بطال فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلام کا شرف عطا فرمایا دوسرے کسی انسان کو یہ شرف نہ ملا تو انہوں نے یہ تصور کیا۔
کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ. بے شک میں نے آپ کو اپنے پیغامات اور اپنے کلام کے ساتھ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں منتخب کیا۔

تو انہوں نے خیال کیا کہ اس سے تمام لوگ مراد ہیں اور اس وجہ سے ان کا استحقاق ہے کہ کوئی ان سے بلند مرتبہ نہ ہو۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مقام محمود وغیرہ کے ذریعے فضیلت عطا فرمائی تو آپ کا مقام حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے سب لوگوں سے بلند ہو گیا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بنی اسرائیل کا خیال ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ مکرم ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ مجھ سے زیادہ معزز و مکرم ہیں۔

اموی نے اپنی روایت میں یوں اضافہ کیا کہ اگر یہ اکیلے ہوتے تو ان کا درجہ کم ہوتا لیکن ان کے ساتھ ان کی امت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام امتوں سے افضل ہے۔

حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) پس جب میں ان سے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آگے بڑھا تو وہ رو پڑے آواز آئی کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے کہا اے میرے رب! یہ ایک لڑکا ہے جسے تو نے میرے بعد مبعوث فرمایا اور میری امت کے مقابلے میں اس کی امت کے زیادہ لوگ جنت میں جائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا (معاذ اللہ) حسد کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ اس دنیا میں عام لوگوں سے حسد کو دور کر دیا گیا ہے تو جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا وہ کیسے حسد کریں گے بلکہ آپ کو اس اجر کے فوت ہونے کا افسوس تھا جس پر بلندیٔ درجات کا دارومدار ہے کیونکہ آپ کی اُمت نے آپ کی زیادہ مخالفت کی جس کی وجہ سے ان کے اجر کم ہو گئے اور اس سے آپ کے اجر میں کمی لازم آتی ہے کیونکہ ہر نبی کو اس کی اتباع کرنے والوں کو ملنے والے اجر کی مثل اجر ملتا ہے اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متبعین کی تعداد ہمارے نبی ﷺ کی اتباع کرنے والوں سے کم تھی حالانکہ اس امت کی نسبت ان کی مدت زیادہ تھی۔

عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے دلوں میں ان کی امتوں کے لئے مہربانی اور رحم کا جذبہ رکھا ہے اور یہ بات ان کی فطرت میں رکھی ہے' ہمارے نبی پاک ﷺ روئے تو پوچھا گیا آپ کیوں روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے رحم کرنے والوں پر رحم کرتا ہے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۸۴۔۵۶۵۵۔۶۶۰۲۔۶۶۵۵۔۷۳۷۷۔۷۴۴۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱' مسند احمد ج ۱ص ۲۶۸۔ج ۵ص ۲۰۴' السنن الکبریٰ ج ۴ص ۶۵' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۶۶۷۰' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۷۲۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۹۰۲۔۴۲۴۸۱) اور انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے سب سے زیادہ حصہ ملا ہے پس ان کے دلوں میں بندگانِ خدا

کے لئے رحمت دوسروں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام روئے تھے کیونکہ یہ آپ کی طرف سے امت پر رحمت تھی اور یہ فضل و کرم اور جود و سخا کا وقت تھا اور وہ امید رکھتے تھے کہ اس وقت کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کی امت پر رحم فرمائے۔

سوال: یہ بات کیسے ہو سکتی ہے جب کہ ان کی امت دو حال سے خالی نہ تھی ایک قسم ان لوگوں پر مشتمل تھی جو ایمان کی حالت میں فوت ہوئے اور دوسرے وہ جو کفر پر مرے جو ایمان پر فوت ہوئے وہ لازماً جنت میں داخل ہوں گے اور جو کفر پر مرے وہ جنت میں کبھی بھی داخل نہ ہوں گے پس جو کچھ ہو چکا اس پر آپ کے رونے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ ہو چکا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر کو دو صورتوں میں تقسیم کیا ہے ایک تقدیر وہ ہے جو ہر حال میں نافذ ہوتی ہے اور دوسری وہ ہے جو نافذ نہیں ہوتی اور وہ دعا، صدقہ اور اس کے علاوہ امور سے اٹھ جاتی ہے اور چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فطرت میں امت کے لئے رحمت اور مہربانی رکھی گئی تھی تو آپ کو امید تھی کہ آپ کی امت کے لئے وہ تقدیر ہو جو دعا وغیرہ سے اٹھ جاتی ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ کے لطف و احسان کو متوجہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم کو سیر کرا رہا ہے اور آپ کو اپنے قرب خاص اور بہت بڑے فضل سے نواز رہا ہے۔

پس حضرت کلیم اللہ نے اس بات کا طمع کیا کہ آپ کی امت کو اس بہت بڑے خیر سے حصہ مل جائے اور ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی ہوائیں چلتی ہیں پس ان کی طرف متوجہ ہو۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۴۰، الاسماء والصفات ص ۱۵۰، تمہید ج ۵ ص ۳۳۹، الدر المنثور ج ۳ ص ۳۱۸، ج ۴ ص ۲۵، تاریخ دمشق ج ۶ ص ۴۳۵)

اور یہ بھی رحمتِ خداوندی کا ایک جھونکا تھا پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ تقدیر میں ایک معاملہ لکھا گیا اور اسباب اسی وقت مؤثر ہوتے ہیں جب تقدیر میں لکھا گیا ہو کہ اس میں اسباب کی تاثیر ہو گی اور جو تقدیر نافذ ہو جاتی ہے اس میں اسباب نہ تو مؤثر ہوتے ہیں اور نہ اسے رد کر سکتے ہیں کیونکہ وہ حتمی فیصلہ ہوتا ہے جو لازم ہو گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رونے کی ایک اور وجہ بھی ہو سکتی ہے اور وہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کو اس بات کی خوشخبری دینا اور آپ کو خوش کرنا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی امت میں سے جنت میں جانے والے لوگ میری امت کے جنتیوں سے زیادہ ہیں حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کرنے والے تمام انبیاء کرام کے متبعین سے زیادہ ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نبی اکرم ﷺ کے لئے لفظ ''غلام'' استعمال کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کے لئے لفظ غلام استعمال کیا کوئی دوسرا لفظ استعمال نہیں کیا اس میں اشارہ تھا کہ آپ کی عمر، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کم ہے۔

''قاموس میں ہے کہ ''غلام اس کو کہتے ہیں جس کی مونچھیں آ رہی ہوں اور ''کھل'' کا لفظ اس کی ضد ہے یعنی بڑھاپے کے قریب آدمی۔ (القاموس المحیط ج ۴ ص ۱۵۸)

خطابی کہتے ہیں عربی لوگ اس آدمی کو غلام کہتے ہیں جو جوانی کو پہنچ چکا ہو اور جب تک اس میں قوت باقی ہوتی ہے یہ

لفظ بولا جاتا ہے۔

''فتح الباری میں ہے'' (فرماتے ہیں):

میرے لئے یہ بات ظاہر ہوئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس انعام کی طرف اشارہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی علیہ السلام کو عطا فرمایا کہ بڑھاپے کو پہنچ کر بھی قوت و طاقت باقی تھی یہاں تک کہ آپ بڑھاپے میں داخل ہوئے تو آپ کے جسم پر بڑھاپا آیا اور نہ آپ کی طاقت میں کوئی نقص پیدا ہوا حتیٰ کہ جب مدینہ طیبہ میں تشریف آوری کے وقت لوگوں نے آپ کو دیکھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے تھے تو انہوں نے آپ کو نوجوان کہا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے شیخ کا لفظ استعمال کیا حالانکہ نبی اکرم علیہ السلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے زیادہ عمر والے تھے۔ واللہ اعلم

یہ بات مقصد اوّل میں ہجرت کے بیان میں ذکر ہو چکی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا جمال

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے طبرانی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں نقل کیا ہے اس میں ہے کہ وہ (حضرت یوسف علیہ السلام) سفید سر والے تھے جس میں کچھ سیاہی کی آمیزش تھی اور وہ جنت کے دروازے کے پاس کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔

''صحیح مسلم کی'' ایک روایت میں حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا پھر ہمیں ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا تو میں نے وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ نے بیت المعمور سے ٹیک لگا رکھی ہے اور ہر روز وہاں ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں پھر پہلے والے فرشتے واپس نہیں آتے اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ میں نے وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا اور ان کو نصف حسن دیا گیا (یعنی نصف حسن ان کو دیا گیا اور باقی نصف تمام انسانوں میں تقسیم ہوا)۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کیا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام طبرانی نے نقل کیا ان دونوں حدیثوں میں ہے (کہ نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا) اچانک میں ایک ایسے شخص کے پاس پہنچا جو مخلوقِ خداوندی میں سے سب سے زیادہ حسین تھا اسے لوگوں پر حسن کے اعتبار سے اس طرح فضیلت حاصل تھی جیسے چودھویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر فضیلت حاصل ہے۔

اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام تمام لوگوں سے زیادہ حسین تھے لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یوں نقل کیا ہے:

ما بعث اللہ نبیا الا حسن الوجہ حسن الصوت و کان نبیکم احسنھم وجھا و احسنھم صوتا.

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو خوبصورت چہرے اور اچھی آواز کے ساتھ بھیجا مگر تمہارے نبی علیہ السلام سب سے خوبصورت چہرے والے اور سب سے اچھی آواز والے ہیں۔

(الکامل ج ۲ ص ۸۴۰، اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۷۰، المغنی ج ۲ ص ۲۶۸)

اس حدیث کی بنیاد پر حدیث معراج کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اس میں نبی اکرم ﷺ کے علاوہ لوگ مراد ہیں اس کی تائید کسی قائل کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ متکلم اپنے خطاب کے عموم میں داخل نہیں ہوتا۔

ابن منیر نے اس باب کی حدیث کو اس بات پر محمول کیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو حسن ہمارے نبی ﷺ کو دیا گیا اس کا نصف حضرت یوسف علیہ السلام کو دیا گیا۔

کیا حضرت ادریس علیہ السلام، نبی اکرم ﷺ کے دادا (جد اعلیٰ) تھے؟

حدیث شریف میں حضرت ادریس علیہ السلام کا یہ قول کہ صالح بھائی اور صالح نبی کو خوش آمدید، تو اس سے نبوت اور اسلام کے حوالے سے بھائی چارہ مراد ہے کیونکہ اسلام والد اور اولاد کو ملا دیتا ہے۔ ابن منیر نے کہا کہ ایک شاذ طریق کے مطابق انہوں نے یوں کہا صالح بیٹے کو خوش آمدید قیاس بھی یہی چاہتا ہے کیونکہ حضرت ادریس علیہ السلام آپ کے جد اعلیٰ ہیں۔

کہا گیا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام جن سے آپ نے ملاقات کی وہ مشہور دادا نہیں بلکہ آپ کے جد اعلیٰ حضرت الیاس ہیں اگر یہ بات ہو تو اعتراض اٹھ جاتا ہے۔

بعض انبیاء کرام کے آسمان میں ہونے کی حکمت

اعتراض: صرف یہی انبیاء کرام آسمان میں تھے تو دوسرے کیوں نہیں تھے؟ اور ان میں سے ہر ایک کا کسی آسمان کے ساتھ خاص ہونا کس وجہ سے ہے؟ اور دوسرے آسمان میں خاص طور پر دو نبی کیوں تھے؟

جواب: آسمانوں میں صرف ان انبیاء کرام علیہم السلام کا ہونا اور دوسروں کا نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ ان کو ہمارے نبی ﷺ سے ملاقات کا حکم دیا گیا تھا پس ان میں سے بعض کی ملاقات پہلے مرحلہ میں ہی ہو گئی بعض کی ملاقات بعد میں ہوئی اور بعض کی ملاقات نہ ہو سکی۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ عنقریب نبی اکرم ﷺ کو اپنی قوم سے جو کچھ برداشت کرنا پڑے گا وہ اس کی مثل ہے جو ان حضرات نے اپنی قوموں سے برداشت کیا۔

مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین کی طرف آنا پڑا تو نبی اکرم ﷺ کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنا ہو گی اور دونوں میں مشترک بات یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو مشقت برداشت کرنا پڑی اور وطن مالوف سے جدائی ناپسند تھی پھر انجام کار دونوں اپنے اس وطن کی طرف لوٹے جہاں سے تشریف لے گئے تھے۔

حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو یہودیوں کی دشمنی اور ان کے خلاف سرکشی کی وجہ سے نیز ان کے برے رادوں کی وجہ سے ہجرت کرنا پڑی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائیوں سے تکالیف اٹھانا پڑی تو ہمارے نبی کریم ﷺ کو قریش کی طرف سے صائب کا سامنا کرنا پڑا وہ آپ کے مقابلے میں لڑائی کے لئے آئے اور آپ کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا لیکن انجام کار پ ہی غالب رہے نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے دن اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں تم سے وہی ت کہتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی کہ آج تمہارا کوئی مؤاخذہ نہیں، اللہ تعالیٰ تمہیں

بخش دے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (المغنی ج ۳ ص ۱۷۹)

حضرت ادریس علیہ السلام کے ساتھ مشابہت یہ تھی کہ دونوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مقام حاصل ہوا۔ حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ مشابہت یہ تھی کہ ان کی قوم ان کو اذیت دینے کے بعد ان کی محبت کی طرف لوٹ آئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم سے تکلیف اٹھانا پڑی اور آپ کو بھی اذیت برداشت کرنا پڑی نبی اکرم ﷺ نے اپنے اس قول سے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ اذیت پہنچائی گئی پس انہوں نے صبر کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت المعمور سے ٹیک لگائے دیکھا تو آپ مناسک حج اور بیت اللہ شریف کی تعظیم کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔

عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ نے ان انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ہر ایک کے کسی آسمان کے ساتھ اختصاص کی وجہ یوں بیان فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام آسمانِ دنیا پر اس لئے تھے کہ آپ سب سے پہلے نبی اور سب سے پہلے باپ ہیں اور اصل انسان ہیں اور نبوت کو بنوت (اولاد) سے انس ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوسرے آسمان میں ہیں کیونکہ دیگر انبیاء کرام کی نسبت وہ نبی اکرم ﷺ کے زیادہ قریب ہیں اور شریعت محمد یہ نے ان کی شریعت کو منسوخ کیا اور وہ آخری زمانے میں امت محمد یہ کے پاس مصطفوی شریعت کے ساتھ آئیں گے اور اسی کے ساتھ فیصلہ کریں گے اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں تمام لوگوں کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیادہ قریب ہوں۔ پس اس وجہ سے آپ دوسرے آسمان پر تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۵' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۹' المستدرک ج ۲ ص ۵۹۲' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۴' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۳۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۳۴۶)

حضرت یحییٰ علیہ السلام وہاں ان کے ساتھ اس لئے تھے کہ وہ ان کے خالہ زاد بھائی ہیں پس وہ دونوں ایک ہی ہیں گویا ایک دوسرے کو لازم ہونے کی وجہ سے وہ دونوں وہاں تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام تیسرے آسمان میں تھے کیونکہ ان کے حسن پر نبی اکرم ﷺ کی امت جنت میں داخل ہو گی تو وہ اس جگہ دکھائے گئے تاکہ آپ کے لئے خوشخبری ہو اور آپ اس پر خوش ہوں۔

حضرت ادریس علیہ السلام چوتھے آسمان پر تھے کیونکہ وہ وہاں ہی فوت ہوئے اور زمین میں ان کی قبر نہیں جیسا کہ ذکر کیا گیا۔[1]

حضرت ہارون علیہ السلام پانچویں آسمان میں تھے کیونکہ آپ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گہرا تعلق تھا آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی اور ان کی قوم میں ان کے خلیفہ تھے اس لئے وہاں تھے اور چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس لئے نہیں تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ ہونے کی وجہ سے فضیلت واحترام زیادہ حاصل ہے اور آپ کو چند باتوں کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حاصل نہیں ہے اس وجہ سے وہ

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اسرائیلی روایات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ اس روایت کی صحت کو بہتر جانتا ہے۔ (زرقانی ج ۶ ص ۷۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چھٹے آسمان میں نہیں تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چھٹے آسمان میں ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو کچھ فضائل کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے اور ہمارے نبی اکرم ﷺ کے بعد سب سے زیادہ انبیاء کرام ان کے تابع ہیں۔

حضرت ابراہیم کے ساتویں آسمان میں ہونے کا سبب یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور نبی اکرم ﷺ کے جد اعلیٰ تھے تو مناسب تھا کہ ان سے ملاقات کے ذریعے آپ کو ان کی تجدید ہو کیونکہ اس کے بعد آپ ایک دوسرے عالم کی طرف جا رہے تھے اور وہ حجاب کا اٹھ جانا ہے اور اس لئے بھی کہ آپ خلیل اللہ ہیں اور حبیب کے علاوہ کوئی بھی خلیل سے افضل نہیں ہے اور چونکہ حبیب اس سے اوپر تشریف لے جا رہے تھے اس لئے خلیل اپنی خلت اور فضیلت کی وجہ سے سب سے اوپر تھے اور پھر حبیب ﷺ سب سے اوپر ہو گئے کیونکہ آپ کو ایسی خصوصیات حاصل ہیں جن کی وجہ سے آپ کا مرتبہ سب سے زیادہ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ. (البقرہ:۲۵۳)

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ان میں سے بعض سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور ان میں سے بعض کے درجات کو بلند فرمایا۔

پس آپ کو کمال اور بلند درجہ حاصل ہوا اور یہ رسالت و نبوت کا درجہ ہے اور حکمتِ خداوندی کے تحت بعض انبیاء کرام کا درجہ دوسرے بعض سے بلند کیا گیا کہ جس پر درجہ بلند ہوا اس کا درجہ بھی بلند ہو' درجہ کم نہیں کیا گیا۔

آپ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو کیسے دیکھا؟

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان انبیاء کرام علیہم السلام کو کیسے دیکھا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ انبیاء کرام کی ارواح کو دیکھا کیونکہ ان کے جسم کا اٹھایا جانا ثابت ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں بھی ایک قول اسی طرح کا ہے۔

اور بیت المقدس میں جنہوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی ہے تو اس بات کا احتمال ہے کہ خاص ارواح نے پڑھی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ ارواح اور جسموں کا مجموعہ ہو۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے نبی اکرم ﷺ نے ان میں سے ہر ایک کو اس کی قبر میں زمین کے اندر اس صورت میں دیکھا ہو جس کے بارے میں اس جگہ سے خبر دی اور اس سلسلے میں مذکور ہے کہ آپ نے وہاں اسے دیکھا پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو آنکھ اور بصیرت دونوں کے اعتبار سے وہ قوت عطا فرمائی جس کے ذریعے آپ نے اس کا ادراک کیا اور اس کی شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ آپ نے جنت اور آگ کو دیوار کی چوڑائی میں دیکھا تو یہاں اس بات کا احتمال ہے کہ آپ نے ان دونوں (جنت اور جہنم) کو اس جگہ دیکھا ہو یا دیوار میں ان کی صورت کی مثال پیش کی گئی ہو اور قدرت میں ان دونوں صورتوں کی صلاحیت ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ اس بات کا احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ہمارے نبی ﷺ کو سیر کرانے کا ارادہ کیا تو ان انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کی قبروں سے نکالا تا کہ نبی اکرم ﷺ کا احترام اور تعظیم ہو حتیٰ کہ آپ کو ان کی طرف سے وہ انس

اور بشارت حاصل ہو جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اور اس کے علاوہ اعزاز جس کی طرف ہم نے اشارہ نہیں کیا اور نہ ہی ہمیں معلوم ہے۔

ان تمام وجوہ کا احتمال ہے اور کسی ایک احتمال کو دوسرے پر ترجیح نہیں دے سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہر کام کی صلاحیت موجود ہے۔

شبِ معراج جن نہروں کا مشاہدہ ہوا

حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف اٹھایا گیا تو اس کا پھل مقام ہجر کے مٹکوں کے برابر اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی مثل تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے اور وہاں چار نہریں تھیں دو نہریں پوشیدہ اور دو ظاہر تھیں میں نے کہا اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا دو پوشیدہ نہریں جنت میں ہیں اور دو ظاہری نہریں نیل اور فرات ہیں۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی ایک روایت میں ہے کہ اس کی اصل یعنی سدرۃ المنتہیٰ کی جڑوں سے چار نہریں ہیں۔

''صحیح مسلم میں'' یوں ہے کہ اس کی جڑوں سے نکلتی ہیں۔

''صحیح مسلم میں ہی'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے:

اربعة انهار من الجنة النيل و الفرات و سيحان و جيحان. جنت سے چار نہریں نکلتی ہیں نیل' فرات' سیحان اور جیحان۔

پس ہوسکتا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ ایسا درخت ہو جو جنت میں لگا ہوا ہو اور اس کے نیچے سے نہریں نکلتی ہوں پس یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ جنت سے ہیں۔

حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ''کتاب التوحید میں'' بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے آسمانِ دنیا میں دو جاری نہریں دیکھیں تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ نیل اور فرات ہیں جن کا آغاز یہاں سے ہوتا ہے۔

دونوں قسم کی روایتوں کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے ان دونوں نہروں کو جنت کی دونوں نہروں کے ساتھ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا اور ان کو آسمانِ دنیا پر جنت کی نہروں کے علاوہ دیکھا اور آپ کی مراد یہ تھی کہ ان کی اصل آسمانِ دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ ابن دحیہ نے اسی طرح کہا ہے۔

حضرت شریک رضی اللہ عنہ ہی کی حدیث میں ہے کہ آپ کو آسمانِ دنیا کی طرف لے جایا گیا تو وہاں ایک اور چھوٹی سی نہر تھی جو موتیوں اور زبرجد سے بنی ہوئی تھی آپ نے اپنا دست مبارک مارا تو کستوری سے بھی زیادہ خوشبو تھی آپ نے پوچھا اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ کوثر ہے؟ جسے آپ کے رب نے آپ کے لئے پوشیدہ رکھا ہے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنے

کے بعد فرمایا پھر وہ مجھے ساتویں آسمان کے اوپر لے گئے حتیٰ کہ ایک نہر تک پہنچے جہاں یاقوت' موتیوں اور زبرجد کے خیمے تھے اور اس پر سبز پرندے تھے اور میرے دیکھے ہوئے پرندوں میں سے یہ بہترین پرندے تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا کیا ہے تو اس میں سونے اور چاندی کے برتن ہیں وہ نہریں یاقوت اور زمرد کی چھوٹی چھوٹی کنکریوں پر چلتی ہے اس کا پانی دودھ سے سفید ہے (آپ فرماتے ہیں) میں نے اس کا برتن لیا اور اس پانی سے ایک چلو لے کر پیا تو وہ شہد سے زیادہ میٹھا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ وہاں ایک چشمہ جاری تھا جسے سلسبیل کہا جاتا ہے اس سے دو نہریں جاری ہیں ایک کو کوثر اور دوسری کو نہر الرحمۃ کہا جاتا ہے۔ مزید تفصیل ان شاءاللہ حوض کوثر کے بیان میں آخری مقصد میں آئے گی۔

سدرۃ المنتہیٰ

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اس میں ہے کہ پھر وہ مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے گئے کہ اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی مثل تھے اور اس کے پھل (مقام ہجر کے) مٹکوں جتنے تھے۔ فرماتے ہیں جب اس (سدرۃ المنتہیٰ) کو ڈھانپ لیا اس چیز نے جس نے اسے ڈھانپا تو اس میں تبدیلی آ گئی تو مخلوق میں سے کسی کو یہ طاقت حاصل نہیں کہ وہ اس کا حسن بیان کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۵۹' صحیح البخاری رقم الحدیث:٦' سنن نسائی رقم الحدیث:ا' مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۸۔۲۱۰)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس میں سدرۃ المنتہیٰ کی وجہ تسمیہ بیان کی گئی ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ کو سیر کرائی گئی تو آپ فرماتے ہیں حضرت جبریل علیہ السلام مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے اور یہ چھٹے آسمان میں ہے اور زمین سے جو کچھ جاتا ہے یہ اس کی انتہا ہے وہ اسے پکڑ لیتا ہے اور جو کچھ اوپر کی طرف سے اترتا ہے وہ یہاں رک جاتا ہے اور یہاں سب کچھ جمع ہوتا ہے۔

(مسند احمد ج ا ص ۳۸۷۔ ج ۳ ص ۱۴۹۔ ج ۵ ص ۱۴۴)

ابن ابی جمرہ نے جو یہ فرمایا کہ یہاں اعمال رک جاتے ہیں تو اس کا یہی مطلب ہے یہاں سے ہی اوامر و نواہی اترتے ہیں اور احکام کا نزول ہوتا ہے' حفاظت والے فرشتے اور دوسرے فرشتے یہاں ٹھہرتے ہیں اس سے آگے نہیں بڑھتے اس لئے اس کو انتہا کہتے ہیں کیونکہ عالم سفلی سے جو کچھ اوپر جاتا ہے وہ بھی اور جو کچھ عالم علوی سے اترتا ہے وہ بھی یہاں رک جاتا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں فرشتوں کا علم یہاں رک جاتا ہے اور یہاں سے نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی نے تجاوز نہیں کیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں مذکور ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان پر ہے جب کہ دوسری روایات اس کے خلاف ہیں ان میں ہے کہ آپ ساتویں آسمان میں داخل ہونے کے بعد وہاں پہنچے تو ان دونوں قسم کی روایات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ اسے اس بات پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ اس کی اصل چھٹے آسمان میں ہو جب کہ ٹہنیاں

اور شاخیں ساتویں آسمان میں ہوں۔ اور چھٹے آسمان میں صرف اس کی جڑیں ہوں ۔ یہ بات فتح الباری میں فرمائی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے نماز کے بیان میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں اس طرح ہے کہ اس (سدرۃ المنتہٰی) کو کچھ رنگوں سے ڈھانپ لیا تھا میں نہیں جانتا کہ وہ کونسے رنگ تھے؟

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت جو امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کی ہے اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِذْ یَغْشَى السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰیO جب سدرہ کو اس چیز نے ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپا۔

وہ فرماتے ہیں یہ سونے کے پروانے تھے۔

حضرت یزید بن مالک' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ سونے کی ٹڈیاں تھیں۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں پروانوں کا ذکر مثال دینے کے طور پر ہے کیونکہ درختوں پر ٹڈیاں وغیرہ گرتی ہیں اور ان کو سونے کی بنایا اور اللہ تعالیٰ اس پر قدرت رکھتا ہے۔

حضرت ابوسعید اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت میں ہے کہ سدرۃ المنتہٰی کو فرشتوں نے گھیر رکھا تھا۔

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس کے ہر پتے پر ایک فرشتہ ہے۔

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا اس میں فرمایا پس جب اسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپا تو اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق اس کا وصف بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔

حضرت حمید کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت اسی طرح ہے اور اسے ابن مردویہ نے نقل کیا ہے لیکن اس میں فرمایا کہ وہ (سدرہ کا درخت) یاقوت کی شکل میں بدل گیا۔ اور اس کی قسم باتیں مذکور ہیں۔

ابن دحیہ فرماتے ہیں سدرہ کا انتخاب کیا گیا کسی دوسرے درخت کو کیوں اختیار نہیں کیا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں تین اوصاف ہیں اس کا سایہ طویل اور لذت اچھی ہے نیز اس کی خوشبو بھی اچھی ہے پس سدرہ (یعنی بیری کا درخت) ایمان کی طرح ہے جس میں قول' عمل اور نیت تینوں کا اجتماع ہوتا ہے پس سایہ عمل کی طرح' ذائقہ نیت کی طرح اور خوشبو قول کی طرح ہوتی ہے (اعمال' ایمان کا نتیجہ ہوتے ہیں)۔

ابن جمرہ عارف نے فرمایا کہ کیا یہ درخت کسی چیز میں گڑا ہوا ہے یا نہیں؟ اس میں دونوں باتوں کا احتمال ہے کیونکہ قدرت دونوں باتوں کی صلاحیت رکھتی ہے پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس جگہ زمین کو درخت کے ٹھہرنے کی جگہ بنایا اسی طرح وہاں ہوا کہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ بنائی اور جس طرح نبی اکرم ﷺ ہوا میں چلتے واپس ہوئے تو یہ اسی طرح ہے جیسے زمین میں چلتے تھے۔

اور قدرتِ خداوندی سے زمین ٹھہری ہوئی ہے حالانکہ یہ پانی پر ہے تو درخت کے ہوا (فضاء) میں ہونے میں کوئی

رکاوٹ نہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ زمین میں گاڑھا ہوا ہو اور ہوسکتا ہے کہ جنت کی مٹی سے ہو اور اللہ تعالیٰ اپنی ہر چاہت پر قادر ہے۔

برتن کا دومرتبہ پیش ہونا

حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پھر میرے پاس شراب کا برتن لایا گیا ایک دودھ کا برتن اور ایک شہد کا برتن لایا گیا پس میں نے دودھ لے لیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا آپ اس فطرت پر ہیں۔

پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ برتن دومرتبہ آپ کے سامنے پیش کئے گئے ایک مرتبہ بیت المقدس میں اور دوسری مرتبہ جب آپ سدرۃ المنتہٰی تک پہنچے اور آپ نے چار نہریں دیکھیں۔

برتنوں کی تعداد اور ان میں کیا تھا اس سلسلے میں جو اختلاف ہے کہ بعض راویوں نے کچھ لکھا اور دوسرے بعض نے کچھ اور ذکر کیا تو اس کا مجموعہ یہ ہے کہ چار برتن تھے اور ان میں چار نہروں میں سے چار چیزیں تھیں یہ وہی نہریں تھیں جن کو آپ نے سدرۃ المنتہٰی کے نیچے دیکھا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے طبری نے نقل کیا اس میں ہے کہ سدرۃ المنتہٰی کے نیچے سے نہریں نکلتی ہیں ایک پانی کی نہر ہے جس کا پانی ٹوٹتا نہیں' دوسری دودھ کی نہر ہے جس کا ذائقہ بدلتا نہیں' شراب کی نہر ہے جس میں پینے والوں کے لئے لذت ہے اور نہایت صاف شفاف شہد کی نہر بھی ہے۔ تو ہوسکتا ہے ہر نہر سے ایک برتن پیش کیا گیا ہو۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شہد کی نہر' دریائے نیل ہے' دودھ کی نہر' دریائے جیحان ہے' شراب کی نہر' نہر فرات ہے اور پانی کی نہر سیحان کی نہر ہے۔ دریائے نیل کے لئے بہت سے فضائل اور عمدہ باتیں جنہیں متعدد ائمہ نے مستقل تصانیف میں ذکر کیا ہے۔

بعض طرق میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے آسمانوں میں بھی انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی ہے۔ [1]

بیت المعمور

حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ثم رفع الی البیت المعمور۔ پھر میری طرف بیت معمور کو اٹھایا گیا۔

تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ مجھے وہ دکھایا گیا اور ممکن ہے اس سے اٹھانا اور دکھانا دونوں بیک وقت مراد ہوں کیونکہ ہوسکتا ہے نبی اکرم ﷺ اور بیت معمور کے درمیان کئی عالم ہوں حتیٰ کہ آپ اس کا علم حاصل کرنے پر قادر نہ ہوں تو اسے آپ کی طرف اٹھایا گیا اور آپ کی ظاہری اور باطنی نگاہوں کو قوت عطا کی گئی حتیٰ کہ آپ نے اسے دیکھا۔

طبری نے حضرت ابن عروبہ سے اور انہوں نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں ہمارے سامنے

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں اگر یہ روایت صحیح ثابت ہو تو آپ نے کئی بار نماز پڑھائی لیکن اس سے مصنف نے ابن کثیر کے حوالے سے بیان کیا کہ یہ صحیح نہیں روایات جو ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں ان سے صرف بیت المقدس میں آپ کی امامت کا ثبوت ملتا ہے۔

(زرقانی ج ۶ ص ۷۹)

ذکر کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

بیت المعمور آسمان میں ایک مسجد ہے جو کعبہ شریف کے بالمقابل ہے اگر وہ گرے تو سیدھی کعبہ شریف پر گرے اس میں ہر دن ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جب وہ نکلتے ہیں تو پھر کبھی داخل نہیں ہوتے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بہت بڑی دلیل ہے اور کوئی بھی ممکن چیز اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتی۔

کیونکہ اس بیت المعمور میں ہر دن اتنی بڑی تعداد روزانہ نماز پڑھتی ہے اور یہ سلسلہ اس وقت سے شروع ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور ابد تک جاری رہے گا۔ پھر اس دن والی جماعت واپس کبھی نہیں آتی اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی مروی ہے کہ آسمانوں اور زمین میں ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سجدہ ریز نہ ہو پھر سمندروں کے ہر قطرے میں ایک فرشتہ مقرر ہے پس جب آسمانوں' زمین اور سمندروں کا یہ معاملہ ہے تو یہ فرشتے جو داخل ہوتے ہیں کہاں جاتے ہیں؟ پس یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی قدرت ہے کہ کوئی چیز اس جیسی نہیں ہو سکتی۔

اور اس میں اس بات پر بھی دلیل پائی جاتی ہے کہ تمام مخلوق میں فرشتوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے کیونکہ جب ہر دن ستر ہزار فرشتے بیت المعمور میں نماز پڑھتے ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے پھر واپس نہیں لوٹتے حالانکہ فرشتے آسمانوں' زمین اور سمندروں میں ہر جگہ ہیں (تو معلوم ہوا کہ فرشتوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے)۔

ضعیف احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم نے نقل کیا یوں ہے کہ:

آسمان میں ایک نہر ہے جسے حیوان کہا جاتا ہے اس میں حضرت جبریل علیہ السلام روزانہ داخل ہوتے اور غوطہ لگاتے ہیں پھر نکل کر اپنے پر جھاڑتے ہیں تو اس سے ستر ہزار قطرے نکلتے ہیں اور ہر قطرے سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے پس وہ اس (بیت المعمور) میں نماز پڑھتے ہیں پھر وہ کبھی اس کی طرف نہیں لوٹتے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ:

وَ يَخْلُقُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۝ (النحل:۸) اور وہ پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے۔

کی تفسیر کے ضمن میں فرمایا کہ حضرت عطاء' حضرت مقاتل اور حضرت ضحاک رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ عرش کی دائیں جانب ایک نورانی نہر ہے جو سات آسمانوں' سات زمینوں اور سات سمندروں کی مثل ہے حضرت جبریل علیہ السلام ہر سحری کے وقت اس میں داخل ہو کر غسل فرماتے ہیں تو اس سے ان کے نور اور جمال میں اضافہ ہوتا ہے پھر وہ اپنے پر جھاڑتے ہیں تو ان کے پر سے جو نقطہ گرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ہزاروں فرشتے پیدا کرتا ہے ہر دن ان میں سے ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں پھر وہ قیامت تک اس کی طرف نہیں لوٹتے۔

یہ بھی مروی ہے کہ وہاں کچھ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے اور یہ فرشتے' عبادت کرنے والے فرشتوں' سبزیوں اور رزق کے لئے مقرر فرشتوں' حفاظت کرنے والے فرشتوں' انسان کی شکل بنانے والے فرشتوں' بادلوں میں اترنے والے فرشتوں' جمعہ کے دن لوگوں کا عمل لکھنے والے' جنت کے خازن اور آگے پیچھے اترنے والے فرشتوں (وغیرہ) کے علاوہ ہیں۔

اسی طرح یہ فرشتے ان فرشتوں میں بھی شامل نہیں ہیں جو کہتے ہیں:

رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ. اے ہمارے رب تیرے لئے ہی تعریف ہے۔

اور جو نمازی کی قرأت پر آمین کہتے ہیں نیز جو نماز کے منتظر کے لئے دعا مانگتے ہیں اور اپنے خاوند کے بستر سے الگ ہونے والی عورتوں پر لعنت بھیجنے والے فرشتے بھی ان کے علاوہ ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ آسمانِ دنیا جو پانی اور دھوئیں سے بنایا گیا ہے ایسے فرشتے ہیں جن کو پانی اور ہوا سے پیدا کیا گیا ان پر ایک فرشتہ مقرر ہے جس کو رعد کہا جاتا ہے اور یہ فرشتہ بادلوں اور بارش پر مقرر ہے یہ فرشتے ان الفاظ میں تسبیح کرتے ہیں:

سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ. شہادت اور عالم غیب کا مالک پاک ہے۔

دوسرے آسمان میں مختلف رنگوں کے فرشتے ہیں جو اپنی آوازوں کو بلند کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّۃِ وَالْجَبَرُوْتِ. عزت و جبروت (غلبے اور طاقت) والا (رب) پاک ہے۔

اور اس میں ایک فرشتہ ہے جس کے جسم کا نصف حصہ آگ سے اور نصف جسم برف سے بنا ہے پس آگ برف کو نہیں پگھلاتی اور برف آگ کو نہیں بجھاتی۔

وہ کہتا ہے۔

اے وہ ذات جس نے برف اور آگ کو جمع کیا اپنے نیک بندوں کے دلوں کو باہم ملا دے۔

اور تیسرا آسمان جو لوہے سے بنا ہوا ہے اس میں کچھ فرشتے ہیں جن کے مختلف پر مختلف چہرے اور مختلف آوازیں ہیں وہ بلند آواز سے تسبیح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سُبْحَانَکَ اَنْتَ الْحَیُّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ. تو پاک ہے تو زندہ ہے تجھے موت نہیں آئے گی۔

وہ صف بستہ کھڑے ہیں گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو اور خوفِ خداوندی کی وجہ سے ان میں سے ایک' دوسرے کے رنگ کو نہیں پہچانتا۔

اور چوتھا آسمان جو تانبے سے بنا ہے اس میں تیسرے آسمان کے فرشتوں سے دوگنا فرشتے ہیں اسی طرح ہر اوپر والے آسمان کے فرشتے' نچلے آسمان والوں سے زیادہ ہیں اور چوتھے آسمان کے فرشتے قیام' رکوع اور سجدے کی حالت میں مختلف قسم کی عبادت میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی فرشتے کو اپنے امور میں سے کسی امر کے لئے بھیجتا ہے وہ فرشتہ جاتا ہے پھر واپس آتا ہے اور وہ ساتھی فرشتے کو زیادہ عبادت کی وجہ سے پہچان نہیں سکتا' اور وہ یوں کہتے ہیں:

سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ. پاک ہے' مقدس ہے ہمارا رحمٰن رب جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اور پانچویں آسمان میں جو چاندی سے بنا ہوا ہے کچھ فرشتے ہیں جن کی تعداد چاروں آسمان کے فرشتوں سے زیادہ

ہے وہ سجدہ ریز ہیں اور رکوع کرتے ہیں وہ قیامت تک اپنی نگاہوں کو نہیں اٹھائیں گے جب قیامت کا دن ہوگا تو وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے تیری عبادت اس طرح نہیں کی جس طرح تیری عبادت کا حق تھا۔

اور چھٹے آسمان میں جو سونے کا بنا ہوا ہے اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا لشکر ہے جو کروبین (مقربین) کہلاتے ہیں ان کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ان پر ایک فرشتہ مقرر ہے جس کا لشکر ستر ہزار فرشتوں پر مشتمل ہے اور ان میں سے ہر فرشتے کے لشکر میں ستر ہزار فرشتے شامل ہیں اور یہی فرشتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے امور (کی انجام دہی) کے لئے دنیا میں بھیجتا ہے اور بلند آواز سے ''سبحان اللہ'' اور ''لا الہ الا اللہ'' پڑھتے ہیں۔

اور ساتواں آسمان جو سرخ یاقوت سے بنا ہوا ہے اس میں پہلے آسمانوں سے زیادہ فرشتے ہیں اور ان پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو سات لاکھ فرشتوں سے مقدم ہے ان میں ایسے لشکر ہیں جو آسمان کے قطروں، تر مٹی، ریت اور نرم زمین، ریت اور پتوں کی تعداد کی مثل ہیں اللہ تعالیٰ ہر دن جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لشکر کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اور عرش کے اٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں جو آپس میں گفتگو کرتے ہیں ان میں سے ہر فرشتے کے مختلف چہرے ہیں اور اس کے جسم میں مختلف آنکھیں ہیں۔ جو ایک دوسرے سے ملتی نہیں وہ بلند آواز سے ''لا الہ الا اللہ'' پڑھتے ہیں وہ عرش کی طرف دیکھتے ہیں اور کوئی کوتاہی نہیں کرتے اگر ان میں سے کوئی فرشتہ اپنے دونوں بازوؤں کو کھولے تو اپنے بازوؤں کے ایک پر سے تمام دنیا کو ڈھانپ لے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ان کی تعداد کا علم نہیں رکھتا۔

اور عرش کو اٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں جو حسین اور نرم آواز میں گفتگو کرتے ہیں ان میں سے چار کہتے ہیں:

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ عَلٰی حِلْمِکَ بَعْدَ عِلْمِکَ. یا اللہ! تو پاک ہے اور تیرے لئے حمد ہے کہ تو جاننے کے باوجود بردباری فرماتا ہے۔

اور دوسرے چار کہتے ہیں:

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ عَلٰی عَفْوِکَ بَعْدَ قُدْرَتِکَ. یا اللہ! تو پاک ہے اور تعریف کا مستحق ہے کہ طاقت کے باوجود معاف کرتا ہے۔

فرشتوں کے بارے میں دیگر روایات

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا آپ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ تم کس چیز پر (مقرر) ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہوا اور جنود (لشکر) پر، پوچھا حضرت میکائیل علیہ السلام کس کام پر مامور ہیں؟ عرض کیا سبزیوں اور بارش پر پوچھا ملک الموت کس پر مقرر ہیں؟ عرض کیا روحوں کو قبض کرنے پر۔

اس حدیث کی سند میں محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہیں جن کو حافظے کی خرابی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا لیکن ان کو چھوڑا نہیں گیا (بلکہ سنن نسائی، سنن ابوداؤد وغیرہ میں ان سے احادیث نقل کی گئی ہیں کیونکہ یہ سچے ہیں)۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مرفوعاً ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ آسمان میں میرے دو وزیر ہیں (یعنی) حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۸۰، المستدرک ج ۲ ص ۲۶۵، الدر المنثور ج ا ص ۹۴، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۶۷۹۔ ۳۶۱۴۸)

حضرت نقاش نے روایت کیا کہ فرشتوں میں سے سب سے پہلے حضرت اسرافیل علیہ السلام نے سجدہ کیا تو اس کے بدلے میں ان کو لوحِ محفوظ عطا کی گئی۔

اور ابو شیخ ابن حبان کی کتاب ''العظمۃ'' میں اس سے بھی عجیب تر روایات ہیں (جو فرشتوں کی تعداد سے متعلق ہیں) اور میرے (مصنف کے) پاس اس کتاب کی دوسری جزء ہے۔

اسراء کے بارے میں دیگر روایات

امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت کے علاوہ میں اس مقام پر کچھ اضافے ہیں۔

ان میں سے ایک حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے یہ روایت امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''دلائل النبوۃ میں'' نقل کی ہے اس میں یوں ہے (آپ نے فرمایا) پھر مجھے ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے جنہوں نے اپنی پیٹھ کو بیت المعمور سے لگا رکھا تھا گویا وہ خوبصورت ترین مرد ہیں اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے چند افراد ہیں میں نے ان کو اور انہوں نے مجھے سلام کیا میں نے اپنی امت کو دو حصوں میں تقسیم دیکھا ایک حصے والوں پر سفید کپڑے تھے گویا وہ کاغذ ہوں اور دوسروں پر میلے کچیلے کپڑے ہیں آپ فرماتے ہیں میں بیت المعمور میں داخل ہوا اور میرے ساتھ وہ لوگ داخل ہوئے جن کا لباس سفید تھا اور میلے کپڑوں والے پردے میں ہو گئے پس میں نے اور میرے ساتھ والوں نے بیت المعمور میں نماز پڑھی۔

طبرانی کی روایت میں ہے کہ اچانک میں نے وہاں ایک شخص کو دیکھا جس کے سر کے بال سفید تھے اور ان میں سیاہ بال بھی تھے وہ جنت کے دروازے میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے پاس کچھ لوگ سفید چہروں والے تھے گویا وہ کاغذ ہوں اور ایک جماعت تھی جن کے مختلف رنگ تھے وہ نہر میں داخل ہوئے اور اس میں انہوں نے غسل کیا جب نکلے تو ان کا رنگ قدرے خالص ہو گیا تھا پھر نہر میں داخل ہو کر غسل کیا جب باہر نکلے تو رنگ مزید خالص ہو چکا تھا اس کے بعد ایک مرتبہ پھر نہر میں داخل ہوئے اور غسل کیا جب باہر نکلے تو ان کا رنگ بالکل خالص ہو کر وہ سفید چہروں والے لوگوں کی طرح ہو گئے تھے فرمایا یہ کون شخص ہے اور وہ جن کے رنگوں میں کچھ ہے وہ کون ہیں؟ اور یہ کونسی نہریں ہیں جن میں یہ لوگ داخل ہوئے اور ان کے رنگ صاف شفاف ہو گئے؟

حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا یہ آپ کے باپ (جد امجد) حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں زمین میں سب سے پہلے آپ ہی کے بال سفیدی اور سیاہی کا مجموعہ ہوئے اور یہ سفید چہروں والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے مخلوط نہیں کیا اور یہ لوگ جن کے رنگوں میں کچھ آمیزش تھی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اچھے اور برے اعمال کو ملایا پس انہوں نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرمایا۔

اور یہ جو نہریں ہیں تو ان میں سے پہلی نہر رحمت ہے دوسری اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور تیسری نہر وہ ہے جس کے بارے میں فرمایا:

وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا۝ اور ان کو ان کے رب نے پاک مشروب پلایا۔

قلموں کی آواز سننا

صحیح بخاری میں نماز کے بیان میں ہے:

ثم عرج بی حتی ظھرت لمستوی اسمع فیہ صریف الاقلام. پھر مجھے اوپر لے جایا گیا حتیٰ کہ میں مقام مستوی پر چڑھا (اور) میں وہاں قلموں کی آواز سنتا تھا۔

''المستوی'' وہ مقام جس پر چڑھتے ہیں۔ ''صریف الاقلام'' صاد پر زبر ہے' لکھتے وقت قلم کی جو آواز نکلتی ہے اسے صریف کہتے ہیں۔

اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ فیصلے ہیں جن کو فرشتے لکھتے ہیں اور تقدیر جو لکھی گئی ہے وہ قدیم ہے جب کہ لکھنا حادث ہے اور احادیث مبارکہ کا ظاہر بتاتا ہے کہ لوح محفوظ میں سب کچھ لکھ دیا گیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے قلم خشک ہو گئے اور یہ سب کچھ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پہلے ہوا اور یہ تحریر فرشتوں کے رجسٹروں میں اس طرح ہے جس طرح اصل (تنے) سے شاخیں نکلتی ہیں اور اس میں باقی رکھنا بھی ہے اور مٹانا بھی جس طرح ایک روایت میں آیا ہے۔ [1]

ابن قیم نے کہا کہ قلمیں بارہ ہیں اور ان کے درجات میں اختلاف ہے۔ جس قلم کی قدر و منزلت سب سے زیادہ ہے وہ قلم تقدیر ہے جو سبقت کرنے والی ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیر لکھی ہے جیسا کہ سنن ابن داؤد میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا ''لکھ'' اس نے عرض کیا اے میرے رب! میں کیا لکھوں؟ فرمایا قیامت تک آنے والی ہر چیز کی تقدیر لکھ۔ یہ سب سے پہلا اور سب سے زیادہ عظمت والا قلم ہے متعدد مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی قلم کی قسم کھائی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۰' مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۷' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۲۰۴' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۹۴' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۲۸' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۶۳۷۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۴۵۴' المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۴۳۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۹۷۔ ۱۵۱۱۶۔ ۱۵۱۱۷)

دوسرا قلم' قلم وحی ہے۔

تیسرا قلم' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو لکھنے والا قلم ہے۔

چوتھا قلم' بدنوں کی طب کا قلم ہے جس کے ذریعے بدنوں کی صحت محفوظ ہوتی ہے۔

پانچواں قلم' بادشاہوں اور ان کے نائبین کے احکام کا قلم ہے اور اسی کے ذریعے ممالک کی سیاست قائم ہوتی ہے۔

چھٹا قلم' حساب کا قلم ہے جس کے ذریعے مالوں کو ضبط وتحریر میں لایا جاتا ہے یعنی وہ کہاں سے آئے ہیں' کہاں جاتے ہیں اور ان کی مقدار کیا ہے اور یہ رزقوں کا علم ہے۔

ساتواں قلم' حکم کا قلم ہے جس کے ساتھ حقوق قائم ہوتے اور فیصلے نافذ ہوتے ہیں۔

آٹھواں قلم' شہادت کا قلم ہے جس کے ذریعے حقوق کی حفاظت ہوتی ہے۔

---

[1] ابن دحیہ نے اسے ذکر کیا اور ابن منیر نے ان کی اتباع کی اور یہ اضافہ کیا کہ یا لوح محفوظ کی اصل جس سے لوح پر لکھا جاتا ہے وہ علم غیب قدیم ہے جو مٹنے اور باقی رہنے سے پاک ہے لیکن اس وقت لوح وقلم نہ تھا۔ زرقانی ج ۶ ص ۸۹)

نواں قلم، تعبیر کا قلم ہے اور یہ قلم نیند کی حالت میں ہونے والی وحی، اس کی تفسیر اور تعبیر کو لکھتا ہے۔

دسواں قلم، عالمی تاریخ اور واقعات کو لکھتا ہے۔

گیارہواں قلم، لغت اور اس کی تفصیل کا قلم ہے۔

بارہواں قلم، جامع قلم ہے جو اہل باطل کے رد اور تحریف کرنے والوں کے اعتراضات کو دور کرنے والا قلم ہے۔

پس ان قلموں کے ساتھ مصالحِ عالم کا نظام قائم ہے اور قلم کی بزرگی کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتب اسی سے لکھی گئیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کی قسم کھائی ہے۔ (ابن قیم کی کتاب) ''اقسام القرآن'' سے خلاصہ پیش کیا گیا۔

جنت کی صفت

''صحیح مسلم میں اور'' دوسری کتب میں کچھ زیادتی کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ثم ادخلت الجنة فاذا فیها جنابذ اللؤلؤ واذا ترابها المسک. پھر مجھے جنت میں داخل کیا گیا تو اس میں موتیوں کے گنبد تھے اور اس کی مٹی کستوری تھی۔

جنابذ ۔جیم اور نون دونوں پر زبر ہے پھر الف اور اس کے بعد ذال ہے اور اس کا معنیٰ قبے (گنبد) ہے اور اس کی تائید صحیح بخاری کی باب التفسیر میں مذکور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ جب نبی اکرم ﷺ کو معراج شریف کرایا گیا تو آپ نے فرمایا:

اتیت علی نهر حافتاه قباب اللؤلؤ. میں ایک نہر پر آیا جس کے کنارے موتیوں کے گنبد تھے۔

اور ''صحیح بخاری کی'' کتاب الصلوٰۃ میں ہے:

واذا فیها حبائل اللؤلؤ. اور اس میں موتیوں کی رسیاں تھیں۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ تصحیف ہے (یعنی عبارت بدلی گئی ہے)۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

ان دونوں (حضور علیہ السلام اور حضرت جبریل علیہ السلام) کے لئے آسمان کے دروازے کھولے گئے تو آپ فرماتے ہیں میں نے جنت اور جہنم کو دیکھا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ آپ پر جنت کو پیش کیا گیا اور اس کے انار گویا ڈول ہوں اور اس کے پرندے بختی اونٹوں جتنے تھے اور آپ پر جہنم کو پیش کیا گیا تو وہ یوں تھی کہ اگر اس میں پتھر اور لوہا ڈال دیا جائے تو وہ اسے کھالے۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت ہمام کے طریق سے ہے وہ حضرت قتادہ سے اور وہ حضرت انس (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

اس دوران کہ میں جنت کی سیر کر رہا تھا میں نے ایک نہر دیکھی جس کے کناروں پر گول موتیوں کے قبے تھے اور اس

کا گارا نہایت خوشبودار کستوری تھی حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ حوض کوثر ہے۔

حضرت ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود اپنے والد (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ سے فرمایا اے میرے بیٹے! آج رات آپ اپنے رب سے ملاقات کریں گے اور آپ کی امت تمام امتوں میں آخری اور سب سے کمزور امت ہے اگر آپ اپنی امت کی کوئی حاجت پوری کر سکتے ہیں تو کر لیں (یعنی ان کے لئے برکت کی دعا کریں)۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں یوں ہے (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا)۔

پھر مجھے ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا فرمایا پھر مجھے سدرۃ المنتہٰی کی طرف اٹھایا گیا تو اس کے ہر پتے نے اس امت کو ڈھانپ رکھا تھا اور اس میں ایک چشمہ ہے جسے سلسبیل کہا جاتا ہے اس سے دو نہریں نکلتی ہیں ایک کو کوثر کہا جاتا ہے اور دوسری کا نام نہر رحمت ہے میں نے اس میں غسل کیا تو میرے تمام خلافِ اولیٰ کام پہلے اور پچھلے بخش دیئے گئے پھر مجھے جنت کی طرف اٹھایا گیا تو ایک لونڈی میرے سامنے آئی میں نے پوچھا تو کس کی لونڈی ہے؟ اس نے کہا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی لونڈی ہوں۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس (سدرہ درخت) کا پھل گویا مٹکے ہیں پھر میرے سامنے جہنم کو پیش کیا گیا تو اس میں اللہ تعالیٰ کا غضب' جھڑک اور عذاب تھا کہ اگر پتھروں اور لوہے کو اس میں ڈالا جائے تو وہ اسے کھالے پھر مجھ پر اسے بند کر دیا گیا۔

طبرانی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) جب وہ رات آئی جب مجھے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو مجھے جنت میں داخل کیا گیا پس میں جنت کے درختوں میں سے ایک ایسے درخت کے پاس کھڑا ہوا جس سے زیادہ خوبصورت' زیادہ سفید اور نہایت عمدہ پھل والا درخت میں نے نہیں دیکھا میں نے اس کے پھل میں سے کچھ پھل لے کر کھایا تو وہ میری پیٹھ میں مادۂ منویہ بن گیا جب میں زمین کی طرف اترا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قریب ہوا تو وہ' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حاملہ ہوگئیں۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ واقعہ معراج حضرت خاتون جنت کی ولادت سے پہلے پیش آیا حالانکہ آپ نبوت (کے اعلان) سے سات سال اور کچھ ماہ پہلے پیدا ہوئیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعہ معراج' اعلان نبوت کے بعد ہوا۔

ابوالحسن بن غالب نے ستر ہزار سات سو ستر پردوں کے سلسلے میں مروی احادیث میں کلام کیا اور اسے ابوربیع بن سبع کی طرف منسوب کیا کہ انہوں نے ''شفاء الصدور میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حدیث معراج کا ابتدائی حصہ ذکر کیا جیسا کہ احادیث کی بنیادی کتب میں ہے پھر فرمایا۔

میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور وہ میرے رب کی طرف میرے ہم رکاب تھے حتیٰ کہ وہ ایک مقام پر پہنچے پھر وہاں ٹھہر گئے۔ میں نے کہا اے جبریل! کیا ایسے مقام پر ایک دوست دوسرے دوست کو چھوڑ دیتا ہے؟ انہوں نے

کہا اگر میں اس سے آگے بڑھوں تو میں نور سے جل جاؤں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے جبریل! تمہاری کوئی حاجت ہے؟ عرض کیا اے محمد ﷺ آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ میرے بازو کو آپ کی امت کے لئے کھول دے حتیٰ کہ وہ اس پر سے گزریں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں پھر مجھے نور میں اچھی طرح ڈالا گیا اور میرے ذریعے ستر ہزار حجابات کو پھاڑا گیا ان میں سے کوئی حجاب بھی دوسرے حجاب جیسا نہ تھا اور مجھ سے ہر انسان اور فرشتے کا احساس ختم ہو گیا اس وقت مجھے تنہائی کا احساس ہوا تو کسی ندا دینے والے نے مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز میں پکارا اور کہا ٹھہریئے آپ کا رب صلوٰۃ پڑھ رہا ہے میں اس سلسلے میں غور کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھ سے سبقت کر گئے ہیں کہ اتنے میں اللہ تعالیٰ بلند و بالا کی طرف سے آواز آئی اے تمام مخلوق میں سے بہتر! قریب ہو جاؤ اے احمد! قریب ہو جاؤ اے محمد! قریب ہو جاؤ (ﷺ) چاہیے کہ حبیب قریب ہو جائے۔

پس میرے رب نے مجھے قریب کیا حتیٰ کہ میں اس طرح ہو گیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝ (النجم: ۸-۹)

پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔

آپ فرماتے ہیں میرے رب نے مجھ سے سوال کیا تو میں جواب نہ دے سکا تو اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے کاندھوں کے درمیان رکھا (جیسا کہ اس کے شایانِ شان ہے اس کی کوئی کیفیت اور حد بندی نہیں ہے) پس میں نے اس کی ٹھنڈک کو اپنے سینے میں پایا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے پہلوں اور پچھلوں کا علم عطا فرمایا اور مجھے مختلف علوم عطا کئے۔

ایک علم کے چھپانے کا مجھ سے وعدہ لیا کیونکہ اس کو اٹھانے پر میرے سوا کوئی قادر نہیں اور دوسرے علم کے بارے میں مجھے اختیار دیا نیز اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن سکھایا۔ حضرت جبریل علیہ السلام مجھے یاد دلاتے تھے اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک ایسا علم بھی دیا جسے امت کے عام و خاص تک پہنچانے کا حکم دیا میں نے ایک آیت کے سلسلے میں حضرت جبریل علیہ السلام سے جلدی کی جو آیت انہوں نے مجھ پر اتار دی تو میرے رب نے اس پر مجھے تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰٓی اِلَیْکَ وَحْیُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۝ (طٰہٰ: ۱۱۴)

اور قرآن میں جلدی نہ کرو جب تک اس کی وحی تمہیں پوری نہ ہولے اور عرض کرو کہ اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے۔

پھر میں نے کہا یا اللہ! جب مجھے تیرے پاس آنے سے پہلے وحشت محسوس ہوئی تو میں نے ایک منادی کو سنا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبان کے مشابہ زبان میں پکار رہا تھا اس نے مجھے کہا ٹھہر جاؤ تمہارا رب صلوٰۃ پڑھ رہا ہے تو مجھے دونوں باتوں پر تعجب ہوا کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس مقام کی طرف مجھ سے سبقت کی نیز میرا رب صلوٰۃ (نماز) پڑھنے سے بے نیاز ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

میں اس بات سے بے نیاز ہوں کہ کسی کے لئے نماز پڑھوں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ میں کہتا ہوں:

سبحانی سبحانی سبقت رحمتی غضبی.

میں پاک ہوں میں پاک ہوں میری رحمت' میرے غضب سے سبقت لے گئی۔

اے محمد ﷺ! پڑھیئے:

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا۝ (الاحزاب:۴۳)

وہی ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی (رحمت کی دعا مانگتے ہیں) تا کہ تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالے اور وہ مؤمنوں پر مہربان ہے۔

پس میری صلوٰۃ آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے رحمت ہے اور آپ کے ساتھی (حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) کا معاملہ یہ ہے کہ آپ کے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انس عصا کے ساتھ تھا جب ہم نے ان سے کلام کا ارادہ کیا تو ہم نے کہا:

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى قَالَ هِيَ عَصَايَ. (طٰہٰ:۱۸)

اے موسیٰ علیہ السلام آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے تو انہوں نے عرض کیا یہ میرا عصا ہے۔

تو عصا کے ذکر سے بہت بڑی ہیبت سے ان کی توجہ ہٹ گئی اسی طرح اے محمد ﷺ! جب آپ اپنے ساتھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مانوس تھے اور آپ کو اور ان کو ایک ہی مٹی سے پیدا کیا گیا نیز وہ دنیا اور آخرت میں آپ کے ساتھی ہیں تو ہم نے ایک فرشتے کو ان کی صورت میں پیدا کیا جس نے آپ کو ان کی زبان میں پکارا تا کہ آپ سے وحشت دور ہو جائے اور بہت بڑی ہیبت دور ہو جائے جو آپ کو اس بات سے دور کرنے والی ہے جس کے فہم کا آپ سے ارادہ کیا گیا پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

حضرت جبریل علیہ السلام کی حاجت کہاں ہے؟ میں نے کہا یا اللہ! تو خوب جانتا ہے پھر فرمایا اے محمد! ﷺ میں نے ان کے سوال کو پورا کیا لیکن ان لوگوں کے بارے میں جو آپ سے محبت کریں اور آپ کے ساتھی بنیں۔

ایک روایت میں ہے کہ (آپ نے فرمایا) میں آگے بڑھا اور حضرت جبریل علیہ السلام میرے پیچھے تھے حتیٰ کہ وہ مجھے سونے سے بنے ہوئے بچھونے کے حجاب تک لے گئے انہوں نے حجاب کو حرکت دی تو کہا گیا یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا میں جبریل ہوں اور میرے ساتھ حضرت محمد ﷺ ہیں فرشتے نے اللہ اکبر کہا پس اپنا ہاتھ پردے کے نیچے سے نکالا اور مجھے اٹھا کر پلک جھپکنے سے بھی زیادہ جلدی اپنے سامنے رکھ دیا حجاب کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت سے بھی زیادہ تھی اس نے کہا اے محمد! ﷺ آگے بڑھیں میں آگے چلا تو فرشتہ پلک جھپکنے سے بھی زیادہ تیزی سے مجھے موتیوں کے حجاب میں لے گیا اور حجاب کو حرکت دی فرشتے نے حجاب کے پیچھے سے کہا کون ہے؟ کہا میں سونے کے حجاب والا فلاں ہوں اور یہ حضرت محمد ﷺ میرے ساتھ ہیں جو رب العزت کے رسول ہیں اس نے کہا ''اللہ اکبر'' پھر حجاب کے نیچے سے ہاتھ نکالا اور مجھے اٹھا کر اپنے سامنے رکھ دیا میں اسی طرح ایک پردے سے دوسرے پردے تک جاتا رہا حتیٰ کہ ستر حجابات سے آگے چلا گیا ہر حجاب کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر تھی پھر مجھ سے کہا اے محمد! ﷺ آگے بڑھئے میں آگے بڑھا تو ایک فرشتہ مجھے سبز رفرف کے قریب لے گیا جس کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب تھی' میری آنکھیں چندھیا گئیں۔

اور مجھے رفرف پر رکھا گیا پھر مجھے اٹھا کر عرش تک پہنچایا گیا تو میں نے ایک بہت بڑا معاملہ دیکھا جسے زبانیں بیان

نہیں کر سکتیں پھر عرش سے ایک قطرہ میرے قریب کیا گیا میں نے اسے زبان پر رکھا تو چکھنے والوں نے کبھی اس سے زیادہ میٹھی چیز چکھی نہیں ہوگی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے پہلوں اور پچھلوں کی خبریں دیں اور میرے دل کو روشن کر دیا اس کے عرش کے نور نے میری آنکھوں کو ڈھانپ لیا تو مجھے بھی دکھائی نہ دیا پس میں اپنے دل سے دیکھنے لگا اور آنکھوں سے نہیں دیکھتا تھا۔ میں نے اپنے پیچھے اور کاندھوں کے درمیان سے اسی طرح دیکھا جیسے میں اپنے سامنے دیکھتا تھا۔

یہ روایت اور اس سے پہلے والی روایت ''شفاء الصدور'' میں نقل کی گئی ہے جیسا کہ ابن غالب نے ذکر کیا پس اس سلسلے میں ناقل ذمہ دار ہے۔

حجاب اور اس کا معنیٰ

حجابات کی کثرت صحیح طرق میں مروی نہیں ہے اور اس سلسلے میں صرف صحیح مسلم کی روایت صحیح ہے اس میں یوں ہے:

حجابه النور. (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۳) اس کا حجاب نور ہے۔

رفرف' بچھونا ہے کہا گیا ہے کہ اصل میں باریک ریشم سے نہایت عمدہ طریقے پر بنے ہوئے بچھونے کو رفرف کہتے ہیں لیکن اب اس میں وسعت آ گئی ہے۔

یہ بات جان لو کہ اس بلند مقام پر جو حجاب کا ذکر کیا گیا ہے تو وہ مخلوق کے حق میں ہے خالق عز و جل کے حق میں نہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی اس سے پردے میں ہو' کیونکہ پردہ ایک محسوس مقدار کو محیط ہوتا ہے پس تمام مخلوق اسماء' صفات اور افعال کے معانی کے ذریعے اس سے پردے میں ہیں اور تمام مخلوقات کے لئے انوار اور ظلمات کے معانی سے معلوم حجاب سے ایک مقام ہے اسی طرح ادراک اور معرفت سے ایک حصہ ہے جو اس کے لئے منقسم ہے اور مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب وہ فرشتے ہیں جو عرش کو گھیرے ہوئے ہیں اور مقربین ہیں اور یہ ہیبت' عظمت کبریائی' جلال' قدس اور قیومیت کے نور کے ساتھ پردوں میں ہیں ذات' صفات کے پردے میں ہے اور وہ اس سے پردے میں ہونے کے اعتبار سے مختلف طبقات میں ہیں ہر ایک کا ایک معلوم مقام اور درجہ ہے خلاصہ یہ ہے کہ تمام مخلوقات خالق سے حجاب میں نہیں ایک قوم کا حجاب یہ ہے کہ وہ نعمت کو منعم (انعام دینے والے) کی طرف سے نہیں دیکھتے دوسری جماعت حال کو حال عطا کرنے والے کی طرف سے سمجھنے میں حجاب میں ہے' نیز وہ سبب کو مسبب کی طرف سے جاننے میں حجاب میں ہے ایک جماعت کا حجاب یہ ہے کہ وہ علم کو معلم کی طرف سے' فہم کو فہم دینے والے کی طرف سے اور عقل کو عقل عطا کرنے والے کی طرف سے نہیں جانتی اور ان سب کا مطلب یہ ہے کہ انعامات کو منعم کی طرف سے اور عطیات کو معطی کی طرف سے نہیں سمجھتے۔

ایک قوم جائز خواہشات کے ذریعے اور کچھ لوگ حرام خواہشات' گناہوں اور برائیوں کے ذریعے حجاب میں ہیں ایک قوم مال' بیٹوں اور دنیوی زندگی کی زینت کے ذریعے حجاب میں ہے۔

یا اللہ! دنیا میں ہمارے دلوں کو اور آخرت میں ہماری آنکھوں کو اپنی ذات سے حجاب میں نہ کرنا اے کریم!

''ثم دنا فتدلّٰی'' کی تفسیر

صحیح روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں جب حضرت جبریل علیہ السلام مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے گئے اور جبار ذات قریب ہوئی جو عزت وجلال والا ہے تو اس قدر قریب ہوا کہ دو کمانوں کے درمیان جتنا یا اس سے بھی کم فاصل رہ گیا تو اس نے اپنے بندے کی طرف وحی بھیجی جو وحی بھیجی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۷)

اور یہ قرب جو اس حدیث میں اور معراج شریف سے متعلق دیگر احادیث میں مروی ہے اس سے وہ قرب مراد نہیں جو سورۂ نجم میں اس طرح بیان ہوا:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰیO (النجم: ۸۔۹) پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔

اگر چہ دونوں جگہ الفاظ ایک جیسے ہیں۔

صحیح یہ ہے کہ آیت میں اس سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ سورت کے اول میں درج ذیل آیت تک جو کچھ مذکور ہے اس سے وہی مراد ہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰیO (النجم: ۱۳۔۱۴) اور انہوں نے تو وہ جلوہ دو بار دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔

نبی اکرم ﷺ نے صحیح حدیث میں اسی طرح وضاحت فرمائی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا اس سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں میں نے دن کو ان کی اصل صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷' مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۱۵۴' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۷۸' مسند احمد ج ۶ ص ۲۳۶)

اور قرآن مجید کے الفاظ کئی وجوہ سے اس کے غیر پر دلالت نہیں کرتے۔

پہلی وجہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰیO (النجم: ۵) انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے۔

اور اس سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں جن کو سورۂ تکویر میں قوت کے ساتھ موصوف کیا۔

دوسری وجہ: ارشاد خداوندی ہے:

ذُوْ مِرَّةٍ (النجم: ۶) (جلوہ)

یعنی حسن خلق والے اور یہ وہی کریم ہیں جن کا ذکر سورۂ تکویر میں ہے۔

تیسری وجہ: ارشاد خداوندی:

فَاسْتَوٰی وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰیO (النجم: ۶) پھر (اس جلوہ نے) قصد فرمایا اور وہ آسمان بریں کے سب سے بلند کنارے پر تھا۔

اوراس (افق اعلیٰ) سے بلند آسمان کا کنارہ مراد ہے اور اس سے حضرت جبریل علیہ السلام کا استواء مراد ہے اللہ تعالیٰ کا استواءعرش پر ہے۔

چوتھی وجہ: ارشاد خداوندی ہے:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى O (النجم:٨۔٩) پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔

اس سے حضرت جبریل علیہ السلام کا قرب مراد ہے اور وہ زمین کی طرف اترے تھے جب کہ نبی اکرم ﷺ وہیں زمین پر تھے۔ اور جو ''دنو اور تدلی'' حدیثِ معراج میں ہے تو رسول اکرم ﷺ آسمانوں کے اوپر تھے پس وہاں اللہ تعالیٰ جو جبار ہے وہ حضور علیہ السلام کے قریب ہوا اور اس کا جلوہ خوب اتر آیا۔

پانچویں وجہ: ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى O عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى O (النجم:١٣۔١٤) اور انہوں نے تو وہ جلوہ دو بار دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔

اور سدرۃ المنتہیٰ کے پاس قطعی طور پر جو شخصیت تھی وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے اور نبی اکرم ﷺ نے بھی یہی وضاحت فرمائی آپ نے فرمایا وہ جبریل علیہ السلام تھے۔

چھٹی وجہ: ارشاد خداوندی ''ولقد راه'' ''دنا فتدلى'' ''فاستوى'' اور ''وهو بالافق الاعلى'' میں ضمیر ایک ہی ہے پس یہ بات جائز نہیں کہ کسی دلیل کے بغیر مفسرین کے نزدیک اس ضمیر کا مرجع مختلف ہو۔

ساتویں وجہ: اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ یہ جو قریب ہوا اور اترا پھر مزید قریب ہوا وہ افق اعلیٰ میں تھا اور وہ آسمان کا افق ہے بلکہ اس سے نیچے ہے پس وہ زمین کے قریب ہوا پھر رسول اکرم ﷺ کے قریب ہوا اور اللہ تعالیٰ کا قرب جیسا کہ حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے وہ عرش پر تھا زمین کی طرف نہ تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى O (النجم:١٧) آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔

اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے عام دیکھنے والے بے ادب کی حرکت کی نفی فرمائی کہ وہ شخص جب بادشاہوں یا دیگر عظیم شخصیات کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو دائیں بائیں توجہ کرتا ہے اور اس کی نگاہ سامنے والے سے تجاوز کر جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے کمالِ ادب کو بیان فرمایا کہ اس مقام پر اور بارگاہِ خداوندی میں حاضری کے وقت آپ نے کسی دوسری جانب توجہ نہ فرمائی یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات جو آپ کو دکھائی گئیں اور دیگر عجائبات جو وہاں تھے' ان کو دیکھتے رہے بلکہ آپ اس بندے کی طرح رہے جس کا ادب اس کو اسی چیز کی طرف متوجہ کرتا ہے جو اس کو دکھائی جاتی ہے کسی دوسرے جانب توجہ نہیں کرتا اور جو کچھ دکھایا نہیں جاتا اس کی جانب بھی متوجہ نہیں ہوتا اس میں جہاں ادب ہے وہاں دل کا ثبات' سکوں اور طمانیت بھی ہے اور یہ انتہائی درجہ کا کمال ہے (ابن قیم نے) ''مدارج السالکین'' میں لکھا ہے کہ اس آیت میں عجیب و غریب اسرار ہیں جو آداب کی گہرائیوں سے ہیں اور سب سے زیادہ کامل انسان کے لائق ہیں

آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلامتی ہو۔

اس مقام پر آپ کی بصارت وبصیرت باہم متفق ہوگئیں اور انہوں نے ایک دوسرے کی تصدیق کی پس جو کچھ ظاہری نگاہ نے دیکھا باطنی نگاہ نے اس کی موافقت کی اور جو کچھ آپ کی بصیرت نے دیکھا وہ بھی حق تھا اور آنکھ نے اس کی گواہی دی پس آپ کے حق میں دونوں کا اتفاق ہوا یعنی جو کچھ آپ نے آنکھ سے دیکھا دل نے اس کو جھٹلایا نہیں۔ اسی لئے ہشام اور ابوجعفر نے اسے اس طرح پڑھا:

مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰیO دل نے اس کو جھٹلایا نہیں جسے آپ نے دیکھا تھا۔

یعنی ذال پر شد پڑھی یعنی دل نے نگاہ کو جھٹلایا نہیں بلکہ اس کی تصدیق کی اور دل و نگاہ کی صحت کے ساتھ دونوں میں موافقت ہوگئی۔ اور جو کچھ آنکھ اور دل سے دیکھا وہ حق ہے۔

جمہور کی قرأت میں ذال پر شد نہیں ہے اور یہ متعدی ہے اور ''مـا رای'' اس کا مفعول ہے یعنی جو کچھ آپ کی آنکھ نے دیکھا دل نے اس سے جھوٹ نہیں کہا بلکہ اس کی موافقت کی۔

پس آپ کے دل کا جسم کی' ظاہر کا باطن کی اور آنکھ کا بصیرت کی موافقت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ دل نے آنکھ کو جھٹلایا نہیں اور نگاہ نے اپنی حد سے تجاوز نہیں کیا اور اس نے جس کو دیکھا اس سے تھک کر بھٹک نہیں گئی بلکہ نگاہ کو اس پر اعتدال حاصل رہا نہ اس نے اس سے تجاوز کیا نہ دوسری طرف مائل ہوئی کیونکہ دل میں اعتدال تھا اور وہ کلی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھا اور دوسروں سے اعراض کر رہا تھا یعنی دل مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا اور اس کے غیر سے بالکل منہ پھیر لیا۔

جس طرح آنکھ بھٹکتی اور سرکشی کرتی ہے اسی طرح دل بھی بھٹکتا اور سرکشی کرتا ہے لیکن آپ کے دل میں کجی نہیں آئی کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کے غیر کی طرف متوجہ ہو اور جس مقام پر وہ تھا اس سے تجاوز کے ذریعے سرکشی بھی نہیں کی اور یہ بارگاہِ خداوندی کے ادب اور انتہائی کمال کی دلیل ہے اور اس میں کوئی دوسرا شخص' نبی اکرم ﷺ کے ساتھ شریک نہیں ہے۔

عام نفوس کی عادت ہوتی ہے کہ جب ان کو کسی بلند مقام پر کھڑا کیا جائے وہ اس سے بلند اور اوپر والے مقام کی طرف دیکھتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی اور مناجات کا مقام دیا گیا تو آپ کے نفس نے دیدار خداوندی کا مطالبہ کیا اور ہمارے نبی اکرم ﷺ کو جب اس مقام پر کھڑا کیا گیا تو آپ نے اس کا حق ادا کیا اور آپ کی نگاہ اور دل نے دوسری طرف بالکل توجہ نہ کی اسی لئے آپ کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ آئی اور نہ آپ کی مراد رکی حتیٰ کہ آپ ساتوں آسمانوں سے گزر گئے اور آپ کے ارادے کو کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی اور آپ کی ہمت' کمالِ عبودیت سے پہلے نہیں رکی اور اسی لئے آپ کی سواری' سفر میں حد نگاہ سے تجاوز کر جاتی تھی اور وہ وہاں قدم رکھتی جہاں نگاہ پہنچتی اور وہ اپنے سوار کا انداز اختیار کر رہی تھی کہ آپ اپنی سیر میں تمام عالم سے آگے نکل گئے پس براق کا قدم اس کی نگاہ کی جگہ سے پیچھے نہیں رہتا تھا جس طرح نبی اکرم ﷺ کا قدم مبارک اپنے محل معرفت سے پیچھے نہیں رہتا تھا۔

نبی اکرم ﷺ مسلسل کمال ادب کی حمایت اور مرتبۂ زندگی کی تکمیل میں رہے حتیٰ کہ آسمانوں کے پردے پھٹ

گئے اور آپ ساتوں آسمانوں سے آگے نکل کر سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھ گئے اور ایسے محل قرب میں پہنچے جس کے ذریعے تمام پہلوں اور پچھلوں سے سبقت لے گئے پس وہاں قرب کی کئی اقسام کا فیضان ہوا اور حجابات کے بادل چھٹتے چلے گئے وہ ظاہری تھے یا باطنی ایک ایک حجاب اٹھتا گیا اور آپ کو ایسے مقام پر کھڑا کیا گیا جس پر انبیاء و مرسلین بھی رشک کرتے تھے۔

پس جب قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ کو قرب کامل کے مقام پر کھڑا کیا جائے گا جہاں پہلے اور پچھلے آپ پر رشک کریں گے اور وہاں آپ صراط مستقیم پر ہوں گے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کمال ادب کا مظاہرہ فرمائیں گے تو آنکھ نہ کسی طرف پھرے گی نہ حد سے بڑھے گی تو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق اور ہدایت کے سب سے زیادہ سیدھے راستے پر کھڑا کیا اور اپنے کلام قدیم کے ساتھ ذکر حکیم میں اس بات کی قسم کھائی۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

یٰسٓ ○ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ○ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (یٰسین: ۱۔۴) حکمت والے قرآن کی قسم! بے شک سیدھی راہ پر بھیجے گئے ہو۔

پس جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ آپ کو پل صراط پر کھڑا کرے گا تو آپ اپنی اتباع کرنے والوں اور اہل سنت کے لئے سلامتی کی دعا مانگیں گے حتیٰ کہ وہ نعمتوں والے باغات کی طرف چلے جائیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

پھر یہاں جس قرب کا ذکر ہے اس سے محبت اور قرب کی تاکید نیز منزلت اور مرتبہ کی بلندی مراد ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب محبوب کو محبوب کا انتہائی قرب حاصل ہوا تو بہت زیادہ ہیبت طاری ہوگئی پس اللہ تعالیٰ نے انتہائی لطف و کرم سے آپ کو نوازا اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ○ (النجم: ۱۰) پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔

یعنی جو کلام دونوں کے درمیان ہوا اور حبیب نے اپنے محبوب سے وہی کہا جو ایک محبّ اپنے محبوب سے کہتا ہے اور جس طرح ایک محب اپنے محبوب پر مہربان ہوتا ہے پس اس راز کو پوشیدہ رکھا اور اس پر کوئی بھی مطلع نہ ہوا یعنی کیا وحی فرمائی یہ وہی جانتا ہے جس نے وحی فرمائی (یا جس کی طرف وحی ہوئی)۔

فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے غیر نے کہا کہ اس آیت میں وحی کو اس کی عظمت کی وجہ سے مبہم رکھا کیونکہ بعض اوقات ابہام تعظیم کے لئے ہوتا ہے پس یہ مبہم ہے اس پر اطلاع نہیں ہوتی بلکہ صرف ایمان لانے کا حکم ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ احادیث مبارکہ میں اس کی تفسیر آئی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی طرف یہ وحی فرمائی ہے:

اَلَمْ اَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوَيْتُكَ اَلَمْ اَجِدْكَ ضَآلًّا فَهَدَيْتُكَ اَلَمْ اَجِدْكَ عَآئِلًا کیا میں نے آپ کو یتیم نہیں پایا پس آپ کو ٹھکانہ دیا کیا میں نے آپ کو اپنی محبت میں وارفتہ نہ پایا' پھر راہ دکھائی

فاغنیتک. کیا حاجت مند نہ پایا پھر آپ کو بے نیاز کر دیا۔

اور یہ بھی وحی فرمائی:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ O وَ وَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ O الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ O وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ O (الانشراح:۱۔۴)

کیا ہم نے آپ کے لئے آپ کے سینۂ مبارکہ کو نہیں کھولا اور آپ سے وہ بوجھ نہیں اتارا جس نے آپ کی پیٹھ کو دوہرا کر دیا تھا اور ہم نے آپ کے لئے آپ کے ذکر کو بلند کیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ اے محمد! ﷺ جب تک آپ جنت میں داخل نہیں ہوں گے باقی انبیاء کرام علیہم السلام پر یہ حرام رہے گی اور جب تک آپ کی امت داخل نہ ہو دوسری امتوں پر حرام رہے گی۔ یہ بات ثعلبی اور قشیری نے نقل کی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرح وحی فرمائی کہ میں نے آپ کو حوض کوثر کے ساتھ خصوصیت عطا کی پس تمام جنتی پانی کے ساتھ آپ کے مہمان ہوں گے اور ان کے لئے شراب' دودھ اور شہد بھی ہوگا یہ بات قشیری نے ذکر کی ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی طرف اس بات کی وحی ہوئی جو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف ہوئی کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

مَا یُقَالُ لَکَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِکَ. آپ سے وہی کچھ کہا جاتا ہے جو آپ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ پانچ نمازوں کی وحی کی گئی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا سوال کیجئے' آپ نے عرض کیا (یا اللہ) تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور ان کو بہت بڑی سلطنت عطا کی' حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا' حضرت داؤد علیہ السلام کو بہت بڑی بادشاہی عطا کی اور ان کے لئے لوہے کو نرم کر دیا نیز ان کے لئے پہاڑوں کو مسخر کیا' حضرت سلیمان علیہ السلام کو بہت بڑی حکومت دی اور ان کے لئے انسانوں' جنوں اور شیطانوں کو نیز ہواؤں کو مسخر کیا اور انہیں ایسی بادشاہی عطا کی جو ان کے بعد کسی کے لئے مناسب نہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تورات و انجیل سکھائی اور انہیں یہ اعزاز بخشا کہ وہ مادرزاد اندھوں اور کوڑھ کے مریضوں کو شفاء دیتے اور تیرے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے نیز ان کو اور ان کی ماں کو شیطان مردود سے محفوظ رکھا پس شیطان کا ان دونوں پر بس نہیں چلتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے آپ کو اپنا حبیب بنایا پس تورات و انجیل میں آپ کا ذکر ''حبیب الرحمٰن'' کے الفاظ کے ساتھ ہے نیز میں نے آپ کو لوگوں کے لئے کفایت کرنے والا' خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا آپ کے لئے آپ کے سینے کو کھول دیا اور آپ سے آپ کے بوجھ کو اتارا نیز آپ کے لئے آپ کے ذکر کو بلند کیا پس جہاں میرا ذکر ہوگا وہاں آپ کا ذکر بھی ہوگا میں نے آپ کی امت کو تمام امتوں میں سے بہترین امت بنایا جسے لوگوں کے فائدے

کے لئے پیدا کیا گیا آپ کی امت کو درمیانی (بہترین) امت بنایا اور آپ کی امت کو ہی پہلے اور پچھلے لوگ بنایا نیز آپ کی امت کو یوں بنایا کہ ان کا کوئی خطبہ اس وقت تک جائز نہ ہوگا جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں۔

نیز میں نے آپ کی امت میں کچھ ایسے لوگوں کو پیدا کیا کہ ان کے دل ان کی انجیل ہیں آپ کو تمام انبیاء کرام سے پہلے پیدا فرمایا اور سب سے آخر میں مبعوث کیا اور سب سے پہلے آپ کے بارے میں فیصلہ ہوگا میں نے آپ کو سبع مثانی (سورۂ فاتحہ جس کی سات آیات بار بار پڑھی جاتی ہیں) عطا کی جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں عطا کی اور آپ کو سورۂ بقرہ کی آخری آیات اپنے عرش کے نیچے سے عطا کیں جو آپ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کیں۔

میں نے آپ کو کوثر عطا کی نیز آٹھ حصے عطا کئے' اسلام' ہجرت' جہاد' نماز' صدقہ' رمضان کے روزے' نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا میں نے آپ کو (نبوت کا دروازہ) کھولنے والا اور آخری نبی بنایا۔

اس روایت کی سند میں ابو جعفر رازی کو بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے ابو زرعہ نے کہا کہ اس راوی پر تہمت ہے ابن کثیر نے کہا زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ اس کا حافظہ صحیح نہیں ہے۔

لفظ عبد کے ساتھ موصوف ہونا

حضرت امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اپنے والد سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں نے ابو القاسم سلیمان انصاری سے سنا وہ کہتے تھے جب نبی اکرم ﷺ معراجوں کے سلسلے میں بلند درجات اور مراتب رفیعہ تک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی اے محمد! ﷺ آپ کو کس وصف سے مشرف کیا جائے؟ تو آپ نے عرض کیا اے میرے رب! مجھے اپنی طرف بندگی کے ساتھ منسوب فرما تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ. وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا یہ نام رکھا کیونکہ آپ کے لئے اسم اعظم ثابت ہے اور آپ تمام صفات سے موصوف ہیں پس حقیقت میں یہ نام آپ کے لئے ہی درست ہے اور آپ کے بعد اقطاب کے لئے تبعاً ہے حقیقتاً نہیں اگرچہ آپ کے غیر پر اس کا اعلان مجازاً ہوتا ہے۔ ادیب برہان الدین قیراطی پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے انہوں نے کیا عمدہ بات کہی ہے فرماتے ہیں:

ودعتنی بالعبد یوما فقالوا قد دعتہ باشرف الاسماء

''اس نے ایک دن مجھے عبد کہہ کر پکارا تو لوگوں نے کہا اس نے سب سے اچھے نام کے ساتھ پکارا ہے''۔

اشارات

بعض اہل اشارہ نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ سے فرمایا اے محمد! میں نے آپ کو اپنا نور عطا کیا جس سے آپ میرے جمال کو دیکھتے ہیں' ایسی سماعت عطا کی جس سے میرا کلام سنتے ہیں اے محمد! میں زبان حال سے آپ کو اپنی طرف عروج کا معنیٰ بتاتا ہوں اے محمد! میں نے آپ کو لوگوں کی طرف گواہ' خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور گواہ سے اس بات کی حقیقت کا

مطالبہ کیا جاتا ہے جس کی وہ گواہی دیتا ہے میں آپ کو اپنی جنت دکھاؤں گا تا کہ آپ اس چیز کی گواہی دیں جو میں نے اس میں اپنے دوستوں کے لئے تیار کی ہے اور آپ کو اپنا جہنم دکھاؤں گا تا کہ آپ اس چیز کا مشاہدہ کریں جو میں نے اس میں اپنے دشمنوں کے لئے تیار کی ہے پھر میں آپ کو اپنے جلال کا مشاہدہ کراؤں گا اور آپ کے لئے اپنے جمال کو ظاہر کروں گا تا کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ میں اپنے کمال میں تشبیہ اور نظیر سے بے نیاز ہوں اور مجھے کسی وزیر و مشیر کی ضرورت نہیں ہے۔

پس نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اس نور سے دیکھا جس کے ساتھ اس نے آپ کو قوت عطا کی اس میں ادراک اور احاطہ نہ تھا اللہ تعالیٰ ایک اور بے نیاز ہے نہ وہ کسی چیز میں ہے اور نہ کسی چیز سے ہے۔
نہ وہ کسی چیز کے ساتھ قائم ہے اور نہ کسی کے اوپر قائم ہے اور نہ ہی وہ کسی چیز کا محتاج ہے اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔
جب اللہ تعالیٰ نے آپ سے آمنے سامنے گفتگو کی اور کسی رکاوٹ کے بغیر مشاہدہ کرایا تو آپ سے کہا گیا اے محمد! ﷺ اس خلوت کا ایک راز ہونا چاہیے جو نہ پھیلے اور ایسی رمز جو شائع نہ ہو پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔

پس یہ ایک راز ہے جس پر کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل مطلع نہ ہوا اور زبان حال سے پڑھا:

بین المحبین سر لیس یفشیہ   قول ولا قلم فی الکون یحکیہ

سر یمازجہ انس یقابلہ   نور تحیر فی بحر من التیہ

''دو محبت کرنے والوں کے درمیان ایک راز ہے جسے کوئی قول اور قلم اس عالم میں فاش نہیں کرتے جو اس کو بیان کریں ایک ایسا راز جس میں انس ملا ہوا ہے اس کے مقابل نور ہے جو تیہ کے سمندر میں حیران ہے''۔

جب آپ عرش پر پہنچے تو عرش نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور زبان حال سے پکارا اے محمد! ﷺ! آپ کا وقت ہر قسم کی تشویش سے صاف ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدت کے جمال کا مشاہدہ کرایا اور اپنی صمدیت (بے نیازی) کے جلال پر مطلع کیا میں اس کا شوق اور اس کی حسرت رکھتا ہوں اس میں حیران ہوں میں نہیں جانتا کہ کس راستے سے اس کے پاس آؤں۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی مخلوق میں سے سب سے بڑا بنایا پس میں ہیبت کے اعتبار سے سب سے بڑا ہوں' میری حیرت سب سے زیادہ اور خوف بھی شدید تر ہے۔ اے محمد! ﷺ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کیا پس میں اس کے جلال کی ہیبت سے کانپتا ہوں اس نے میرے پایوں پر لکھا ''لا الہ الا اللہ''۔

تو اس کے نام کی ہیبت سے میری کپکپاہٹ بڑھ گئی پس اس نے ''محمد رسول اللہ'' لکھا تو اس سے میرا اضطراب ختم ہو گیا تو یہ میرا خوف ہے۔ تو آپ کا اسم گرامی میرے دل کا کمال اور میرے اندر کا اطمینان ہے آپ کے اسم گرامی کے مجھ پر لکھے جانے کی برکت ہے تو کیسے ہوگا جب آپ کی نظر جمیل مجھ پر پڑے گی اے محمد! ﷺ آپ رسول ہیں' تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں تو مجھے بھی اس رحمت سے حصہ ملنا چاہیے اور اے میرے حبیب! میرا حصہ یہ ہے کہ آپ اس چیز سے

میری برأت کی گواہی دیں جو جھوٹے لوگوں نے مجھ سے منسوب کر رکھی ہے اور دھوکے باز لوگ میرے بارے میں کہتے ہیں۔

وہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ بے مثل ذات مجھ میں سمائی ہوئی ہے اور میں نے بے کیف ذات کا احاطہ کر رکھا ہے۔
اے محمد! ﷺ جس کی ذات حد سے پاک اور صفات شمار سے پاک ہوں وہ میرا محتاج کیسے ہوسکتا ہے یا وہ مجھ پر کیسے سوار ہوسکتا ہے جب کہ رحمٰن اس کا نام اور استواء اس کی صفت ہے اور اس کی صفت اس کی ذات سے متصل ہے تو مجھ سے اس کا اتصال یا علیحدگی کا کیا مطلب ہے؟

اے محمد! ﷺ! اس کی عزت کی قسم اس کا قرب وصل اور اس سے دوری فصل نہیں (بلکہ میں اس کی مخلوق ہوں)۔
اس کا مجھ پر قادر ہونا سوار ہونا نہیں اس نے اپنی رحمت اور فضل سے مجھے وجود عطا کیا اگر وہ مجھے مٹا دے تو اسے اس بات کا حق پہنچتا ہے اور یہ عدل ہے اے محمد! ﷺ میں اس کی قدرت کے تابع ہوں اور مجھ میں اس کی حکمت کارفرما ہے۔

تو ہمارے سردار نے اللہ تعالیٰ آپ کے فضل و شرف کو زیادہ فرمائے زبان حال سے جواب دیا اے عرش! اپنا کام کرو میں تمہاری طرف متوجہ نہیں ہوں میرے تخلیہ کو خراب نہ کرو اور نہ اس میں تشویش پیدا کرو پس نبی اکرم ﷺ نے نہ اس کی طرف نظر اٹھائی اور نہ اس لکھے ہوئے میں سے کوئی حرف پڑھا یا جو آپ کی طرف وحی ہوئی کیونکہ:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ (النجم: ۱۷) آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔

معراج شریف سے متعلق بعض روایات میں ہے جسے علامہ ابن مرزوق رحمہ اللہ نے "بردۃ المدیح کی" شرح میں ذکر کیا کہ جب نبی اکرم ﷺ کو قربِ خداوندی حاصل ہوا تو آپ نے عرض کیا۔

یا اللہ! تو نے بعض امتوں کو پتھروں کے ذریعے عذاب دیا بعض کو زمین میں دھنسانے کے ذریعے اور بعض کو چہرے مسخ کر کے عذاب دیا۔ میری امت سے کیا سلوک فرمائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں ان پر رحمت نازل کروں گا اور ان کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دوں گا ان میں سے جو شخص مجھے پکارے گا میں اس کو جواب دوں گا جو مانگے گا اسے عطا کروں گا جو مجھ پر توکل کرے گا میں اسے کفایت کروں گا۔ میں دنیا میں گناہ گاروں کی پردہ پوشی کروں گا اور آخرت میں ان کے بارے میں آپ کی شفاعت قبول کروں گا اور اگر یہ بات نہ ہوئی کہ محبّ اپنے محبوب کو تنبیہ کرنا پسند کرتا ہے تو میں آپ کی امت کا محاسبہ نہ کرتا۔

نبی اکرم ﷺ نے واپسی کا ارادہ کیا تو عرض کیا اے میرے رب! ہر آنے والے کے لئے سفر سے تحفہ ہوتا ہے میری امت کا تحفہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تک وہ زندہ رہیں گے میں ان کی مدد کروں گا جب مریں گے، جب قبروں میں ہوں گے اور جب ان کو (قیامت کے دن) اٹھایا جائے گا تو بھی میں ان کے لئے (مددگار) ہوں گا۔

اللہ تعالیٰ کا دیدار

قدیم و جدید علماء کرام نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ آیا شبِ معراج نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے یا نہیں؟

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا اے ماں! حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا تمہاری بات سے میرے بال کھڑے ہوگئے تم ان تین باتوں سے کہاں ہو کہ جو شخص وہ تین باتیں تم سے بیان کرے اس نے جھوٹ بولا۔ جو شخص تم سے بیان کرے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا اس نے جھوٹ بولا پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ O (الانعام:۱۰۳)

آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں اور وہ آنکھوں کا (اپنے علم سے) احاطہ کرتا ہے اور وہ لطیف خبر رکھنے والا ہے۔

اور یہ آیت پڑھی:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ. (الشوریٰ:۵۱)

اور کسی انسان کے لئے لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے۔

اور جو شخص تم سے بیان کرے کہ وہ کل کی بات جانتا ہے تو اس نے جھوٹ کہا پھر یہ آیت پڑھی: [1]

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا. (اللقمان:۳۴)

اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔

اور جو آدمی تم سے بیان کرے کہ نبی اکرم ﷺ نے کوئی بات چھپائی ہے تو اس نے جھوٹ کہا پھر ام المؤمنین نے یہ آیت پڑھی:

يَاۤ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ. (المائدہ:۶۷)

اے رسول ﷺ آپ پہنچا دیجئے وہ بات جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے اتاری گئی۔

لیکن آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دوبار دیکھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۸۵۵)

''صحیح مسلم کی'' روایت میں ہے (ام المؤمنین نے فرمایا) جو شخص تم سے بیان کرے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے سب سے بڑا جھوٹ بولا۔

ام المؤمنین کا یہ فرمانا کہ میرے بال کھڑے ہوگئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے جو بات کہی ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس عمل سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے دوسروں کی اتباع میں فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی مرفوع حدیث سے دیدارِ خداوندی کا انکار نہیں کیا اور اگر ان کے پاس ایسی روایت ہوتی تو وہ اسے ذکر کرتیں بلکہ انہوں نے آیت کے ظاہر میں اجتہاد کیا۔

---

[1] درایت کا معنیٰ ہے اپنے آپ جاننا اور یقیناً کوئی بھی شخص اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر اپنے آپ نہیں جانتا لہٰذا یہاں درایت کی نفی ہے علم کی نہیں جسے اللہ تعالیٰ عطا فرمائے۔ ۱۲ ہزاروی

لیکن اس سلسلے میں دیگر صحابہ کرام نے ام المؤمنین کی مخالفت کی ہے اور جب کوئی صحابی ایک بات کہے اور دوسرے صحابہ کرام اس کی مخالفت کریں تو بالاتفاق یہ قول حجت نہیں ہوتا۔

حافظ ابوالفضل عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت امام نووی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ ام المؤمنین نے اس سلسلے میں کسی مرفوع حدیث کے ذریعے دیدار خداوندی کی نفی نہیں کی ابن خزیمہ نے بھی اس سلسلے میں ان کی اتباع کی ہے اور یہ عجیب بات ہے ''صحیح مسلم میں'' ام المؤمنین سے ثابت ہے اور امام نووی نے ''صحیح مسلم کی'' شرح لکھی ہے' (صحیح مسلم میں) داؤد بن ہند کے طریق سے مروی ہے وہ حضرت شعبی سے اور وہ حضرت مسروق سے مذکورہ طریق پر نقل کرتے ہیں حضرت مسروق فرماتے ہیں میں تکیہ لگائے ہوئے تھا پس میں بیٹھ گیا اور عرض کیا کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰىO (النجم:۱۳) اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبارہ دیکھا۔

ام المؤمنین نے فرمایا میں اس امت کی سب سے پہلی شخصیت ہوں جس نے نبی اکرم ﷺ سے اس بارے میں پوچھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا نہیں (بلکہ) میں نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اترتے ہوئے دیکھا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے

ہاں آیت کریمہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استدلال کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انکار کیا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت حکم بن ابان کے طریق سے نقل کیا وہ حضرت عکرمہ سے اور وہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: رای محمد ربہ۔ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا۔ میں نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے: لا تدرکہ الابصار۔ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ نہیں فرمایا؟ انہوں نے فرمایا افسوس اے عکرمہ! یہ اس کے نور کی ایک تجلی تھی اور آپ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۷۹)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت میں لفظ ''الابصار'' پر الف لام استغراق کا ہے پس یہ تخصیص کو قبول کرتا ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے بطور سمع ثابت ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَO (المطففین:۱۰) ہاں بے شک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہیں۔

تو اس سے کافر مراد ہیں کیونکہ دوسری آیت اس بات کی دلیل ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌO اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌO (القیامۃ:۲۲-۲۳) کچھ منہ (چہرے) اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے۔

تو جب آخرت میں دیدار جائز ہے تو دنیا میں بھی جائز ہے کیونکہ دونوں وقت اس ذات کے حوالے سے برابر ہیں جسے دیکھا جا رہا ہے یہ نہایت عمدہ استدلال ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا عقلاً جائز ہے اور عقلی طور پر یہ محال نہیں ہے اس کے جواز

پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال ہے جو دیکھنے کے بارے میں کہا گیا۔

پھر فرمایا شریعت میں اس کے محال ہونے پر کوئی قطعی دلیل نہیں اور نہ ہی اس کے ممنوع پر کوئی دلیل ہے کیونکہ ہر موجود کو دیکھنا جائز ہے محال نہیں ہے اور اس کا انکار کرنے پر استدلال کرنے والوں کے لئے ''**لا تدرکہ الابصار**'' میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس آیت کی مختلف تاویلات ہیں۔

ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے حضرت اسماعیل بن علیہ سے اس کی تاویل یوں نقل کی ہے کہ اس سے دنیا میں دیکھنا مراد ہے۔

اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ پوری آنکھ سے دیکھنا مراد ہے اور اس آیت میں یوں تخصیص کی گئی ہے کہ آخرت میں مؤمن کے لئے رؤیت باری تعالیٰ ثابت ہے۔

آخرت میں رؤیت کا ثبوت

معتزلہ میں سے کچھ لوگوں نے آیت سے یوں سمجھا کہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ دیدار نہیں ہوگا۔

لیکن اہل سنت و جماعت نے اس سلسلے میں ان کی مخالفت کی ہے علاوہ ازیں معتزلہ نے اس سلسلے میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ سے جہالت کا ارتکاب کیا ہے۔

قرآن مجید سے جہالت اس اعتبار سے کہ ارشاد خداوندی ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ (القیامۃ: ۲۲۔۲۳) کچھ منہ (چہرے) اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے۔

اور ارشادِ خداوندی ہے:

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ (المطففین: ۱۵) ہرگز نہیں بے شک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہیں۔

سنتِ رسول ﷺ سے ان کی جہالت یہ ہے کہ متواتر روایات میں حضرت ابوسعید' حضرت ابو ہریرہ' حضرت انس' حضرت جریر' حضرت صہیب' حضرت بلال اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا۔ قیامت کے دن مؤمن اللہ تعالیٰ کو میدان محشر میں اور جنتی باغات میں دیکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں کر دے۔ (آمین)

''لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ'' کے بارے میں آراء

ایک قول یہ ہے کہ آیت کریمہ میں عقل کے ذریعے ادراک کی نفی ہے حافظ ابن کثیر نے فرمایا یہ تاویل نہایت عجیب و غریب ہے اور آیت کے ظاہر کے خلاف ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا کہ رؤیت کے ثبوت اور ادراک کی نفی میں کوئی منافات نہیں کیونکہ ادراک رؤیت کے مقابلے میں خاص ہے اور خاص کی نفی سے عام کی نفی لازم نہیں آتی۔

پھران لوگوں کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جس ادراک کی نفی کی گئی ہے وہ کیا ہے؟ تو کہا گیا ہے کہ اس سے معرفت حقیقت مراد ہے کیونکہ اس کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اگر چہ مؤمنوں کو اس کا دیدار ہوگا جس طرح ایک شخص چاند کو دیکھتا ہے تو وہ اس کی حقیقت اور ماہیت کا ادراک نہیں رکھتا تو عظمت والی ذات اس کے زیادہ لائق ہے اور اس کے لئے اعلیٰ مثال ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اس سے گھیر لینے کے ساتھ ادراک مراد ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر احاطہ نہ ہو سکے تو اس دیکھنے کی نفی لازم نہیں آتی جس طرح نہ دیکھنے سے علم کی نفی لازم نہیں آتی۔

اور صحیح مسلم میں ہے:

لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک. میں تیری تعریف نہیں کر سکتا تو ایسا ہی ہے جس طرح تونے خود اپنی تعریف کی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۲۲' سنن نسائی رقم الحدیث:۵۱' جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۱۲۰۷۵' موطا امام مالک رقم الحدیث:۳۱)

تو اس کا یہ مطلب کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی ثناء بیان نہیں کی بس یہاں بھی یہی معاملہ ہے۔

حضرت ابن ابی حاتم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے آیت کریمہ: ''**لا تدرکه الابصار** آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں''۔ کی تفسیر میں فرمایا کہ اگر تمام جن' انسان' شیطان اور فرشتے جب سے پیدا ہوئے اس وقت سے فنا ہونے تک ایک صف میں کھڑے ہو جائیں تو وہ کبھی اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

ابن کثیر نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور یہ صرف اسی طریق سے معروف ہے اور صحاح ستہ کے کسی مصنف نے اسے روایت نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

''لمع الادلہ میں'' امام الحرمین کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے فرمایا ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا جا سکتا ہے لیکن اس کا ادراک نہیں ہو سکتا کیونکہ ادراک احاطہ اور غایت کو پانے کی خبر دیتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ غایت اور انتہاء سے پاک ہے پھر فرمایا اگر وہ اس کا مقابلہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کریں جو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں فرمایا:

لن ترانی. آپ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکیں گے۔

اور وہ لوگ یہ خیال کریں کہ لفظ ''لن'' ہمیشہ کے لئے نفی کا فائدہ دیتا ہے۔

تو ہم یہ کہتے ہیں یہ آیت دیدار خداوندی پر سب سے واضح دلیل ہے اگر یہ بات محال ہوتی تو اس کے جواز کا قائل گمراہ اور کافر ہوتا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے لئے چنا اور نبوت کے لئے پسند کیا' اکرام واحترام کے ساتھ خاص کیا اور شرف ہمکلامی بخشا وہ کیسے اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس بات کا عقیدہ رکھے گا جو جائز نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے زمانے کے لوگوں سے افضل بنایا اور اپنی دلیل (معجزات) کے ساتھ ان کی مدد کی۔

اور انبیاء کرام اس بات میں کیسے شک کر سکتے ہیں جس کا علم غیب سے تعلق ہے پس آیت کو اس بات پر محمول کیا

جائے گا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس بات کا عقیدہ رکھا جو جائز ہے۔

لیکن ان کا خیال یہ تھا کہ انہوں نے جس بات کے جواز کا عقیدہ رکھا ہے وہ فوری طور پر وقوع پذیر ہونے والی ہے تو جواب میں اس فوری نتیجے کی نفی کی گئی ہے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مستقبل میں رؤیت باری تعالیٰ کا سوال نہیں کیا تھا کہ نفی کو اس کی طرف پھیرا جائے اور جواب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا آپ دیکھ نہیں سکتے یہ بات نہیں کہ میں نہیں دکھاتا۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت میں اس بات پر دلیل ہے کہ فی الجملہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جائز ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا محال بات کا مطالبہ کرنا بھی محال ہے خاص طور پر وہ بات جو اللہ تعالیٰ سے لاعلمی کا تقاضا کرتی ہو اس لئے اللہ تعالیٰ نے جواب میں "لن ترانی" فرمایا "لن اری" نہیں فرمایا (یعنی یہ فرمایا کہ آپ نہیں دیکھ سکتے یہ نہیں فرمایا کہ میں نہیں دکھاتا)۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے حضرت ابوبکر ہزلی رحمہ اللہ سے اس آیت کے ضمن میں نقل کیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی بشر میں طاقت نہیں کہ وہ دنیا میں میری طرف نظر کر سکے اور جو میری طرف نظر کرے گا وہ مر جائے گا۔ وہ فرماتے ہیں میں نے بعض پہلے اور پچھلے بزرگوں کا قول دیکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممتنع ہے کیونکہ دنیا والوں کی جسمانی ساخت اور قوت میں کمزوری ہے اور ان میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے کیونکہ ان میں آفات اور فنا کا دخل بھی ہوتا ہے پس ان میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی قوت نہیں ہوتی۔

لیکن آخرت میں ان کی ترکیب دوسری ہوگی اور ان کو ثابت اور باقی رہنے والی قوت دی جائے گی نیز ان کی نگاہوں اور دلوں کا نور مکمل ہوگا تو وہ اسے دیکھنے پر قادر ہوں گے۔

فرماتے ہیں میں نے حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کا قول دیکھا ہے وہ فرماتے ہیں دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں جا سکتا کیونکہ وہ باقی ہے اور فانی کے ساتھ باقی کو دیکھا نہیں جاتا۔ اور آخرت میں ان کو باقی رہنے والی نگاہیں دی جائیں گی اور باقی کو باقی کے ساتھ دیکھا جائے گا۔

یہ نہایت عمدہ کلام ہے اور اس میں دیدار خداوندی کے محال ہونے پر صرف یہ دلیل ہے کہ یہاں قوت زیادہ نہیں پس جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو قوت دے اور دیدار کی مشقت اٹھانے پر قادر کر دے تو اس کے حق میں یہ دیدار ممتنع نہیں ہوگا۔

ان کا یہ فرمانا کہ "مگر ضعفِ قوت کی وجہ سے ممتنع ہے" یہ استثناء منقطع ہونی چاہیے معنیٰ یہ ہوگا لیکن ضعفِ قوت کی وجہ سے منع ہے ورنہ (استثناء متصل ہونے کی صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ یہ ضعف مانع ہوگا) یعنی ضعف قوت کی وجہ سے منع ہے محال ہونے کی وجہ سے نہیں اور اس پر ان کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ "جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو قوت عطا کرے اور دیکھنے کی مشقت اٹھانے پر طاقت دے تو اس کے حق میں منع نہیں ہے"۔

"صحیح مسلم میں" ایسی روایت موجود ہے جو اس فرق کی تائید کرتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

واعلموا انکم لن تروا ربکم حتی تموتوا. اور جان لو کہ تم اپنے رب کو ہرگز نہیں دیکھ سکو گے حتیٰ کہ مر جاؤ۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۵' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۳۵)

اس حدیث کو ابن خزیمہ نے بھی حضرت ابوامامہ اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا ہے۔

شرعی طور پر رؤیت کا جائز نہ ہونا

اگر چہ دنیا میں دیدار خداوندی کا پایا جانا بطور عقل جائز ہے لیکن شرعی اعتبار سے منع ہے اور جس نے اس کو نبی اکرم ﷺ کے لئے ثابت کیا ہے وہ کہتا ہے کہ متکلم اپنے کلام کے عموم میں داخل نہیں ہوتا۔

ابن کثیر کے کلام میں ہے کہ بعض قدیم کتب میں اس طرح ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس کے دیدار کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! کوئی زندہ مجھے نہیں دیکھ سکتا جب تک اس کا انتقال نہ ہو جائے۔

امام قشیری رحمہ اللہ نے ''الرسالہ میں'' فرمایا کہ دنیا میں بطور کرامت اللہ تعالیٰ کا دیدار جائز نہیں اور انہوں نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے دنیا میں رؤیت باری تعالیٰ کے اجماع پر محدثین' فقہاء اور متکلمین کی ایک جماعت سے ممانعت کا قول نقل کیا ہے۔

امام قشیری رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے امام ابوبکر بن فورک سے سنا وہ کتاب ''الرؤیۃ الکبیر'' میں حضرت ابوالحسن اشعری رضی اللہ عنہ سے دو قول نقل کرتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے لئے رؤیت باری تعالیٰ کے بارے میں آراء

حضرت عائشہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا موقف یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اختلاف کیا ہے۔

ایک جماعت نے اسے ثابت کیا اور عبدالرزاق نے حضرت معمر سے اور انہوں نے حضرت حسن (رحمہم اللہ) سے نقل کیا کہ انہوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا۔ ابن خزیمہ نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے اس کا اثبات نقل کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تمام شاگرد بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت کعب احبار اور حضرت زہری نیز ان کے شاگرد حضرت معمر اور دوسرے حضرات بھی یہی کہتے ہیں حضرت اشعری' حضرت غالب اور ان کے متبعین کا بھی یہی قول ہے۔

پھر اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یا دل سے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مطلق (دیکھنا) بھی منقول ہے اور دوسری روایات مقید بھی ہیں پس مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔

اسی سے وہ روایت ہے جو حضرت امام نسائی رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ نقل کی اور امام حاکم نے بھی اسے صحیح قرار

دیا یہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے خلت' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے کلام اور حضرت محمد ﷺ کے لئے رؤیت ہو۔

اس ضمن میں وہ حدیث بھی ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابوالعالیہ کے طریق سے نقل کیا وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان دو آیتوں کی تفسیر نقل کرتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی O جو کچھ دیکھا اسے دل نے جھٹلایا نہیں۔

اور دوسری آیت ہے:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی O اور بے شک انہوں نے دوسری بار اترتے ہوئے دیکھا۔

آپ فرماتے ہیں آپ نے دونوں مرتبہ دل (کی آنکھوں) سے دیکھا امام مسلم رحمہ اللہ نے ہی بواسطہ حضرت عطاء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دل سے دیکھا۔

اس سے بھی زیادہ واضح وہ حدیث ہے جسے ابن مردویہ نے حضرت عطاء کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا آپ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی آنکھوں سے نہیں بلکہ دل سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔

تو اس بنیاد پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثبات اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نفی کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ ام المومنین آنکھوں سے دیکھنے کی نفی کر رہی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما دل سے دیکھنا ثابت کر رہے ہیں۔

لیکن امام طبرانی نے ''الاوسط میں'' ایسی سند کے ساتھ ذکر کیا جس کے تمام راوی سوائے جھور بن منصور کے' صحیح حدیث کے راوی ہیں اور جھور بن منصور کو ابن حبان نے ثقہ راویوں میں ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ایک مرتبہ آنکھ سے اور دوسری مرتبہ دل سے۔

پھر دل سے دیکھنا (جس کے لئے رویۃ الفؤاد کا لفظ استعمال ہوا اور مراد رؤیت القلب ہے) محض علم کا حصول نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کو جاننے والے تھے بلکہ جس نے رؤیت کو ثابت کیا ہے اس کی مراد یہ ہے کہ آپ نے دل کے ساتھ یوں دیکھا کہ آپ کے دل میں رؤیت کی تخلیق ہوتی جس طرح آنکھ میں دیکھنے کی تخلیق ہوتی ہے اور عقلی طور پر دیکھنے کے لئے کسی مخصوص چیز کی شرط نہیں اگرچہ عادتاً آنکھ میں اس کی تخلیق ہوتی ہے۔

حضرت ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے مضبوط سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا آپ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے اس سلسلے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا میں نے ایک نور دیکھا یعنی حجابِ خداوندی نور ہے تو اس کو کیسے دیکھ سکتا ہوں اس کا معنیٰ یہ ہے کہ نور نے

مجھے دیکھنے سے روکا۔

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے نور دیکھا تو اللہ تعالیٰ کا نور ہونا محال ہے کہ یوں نور عرض ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

حضرت ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ ان ہی (حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا آپ نے دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو دیکھا آنکھ سے نہیں دیکھا۔

اس سے ان کی مراد ظاہر ہوگی جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے نور کا ذکر کیا یعنی وہ نور اللہ تعالیٰ کو آنکھوں کے ساتھ دیکھنے کے راستے میں رکاوٹ بن گیا۔ ابن خزیمہ ''کتاب التوحید میں'' اثبات کی ترجیح کی طرف مائل ہوتے ہیں اور استدلال میں ایسی طوالت اختیار کی جس کا ذکر طویل ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو دو مرتبہ دیکھنے پر محمول کیا ایک مرتبہ دل سے اور دوسری مرتبہ آنکھ سے۔

روایات کو جمع کرنا

استاذ عبدالعزیز المھدوی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے فرمایا جب نبی اکرم ﷺ سفرِ معراج سے واپس ہوئے تو آپ نے تمام لوگوں کو ان کے مراتب کے مطابق خبر دی اور ہر ایک کو اس کے پیالے کے مطابق اور اس کی عقل کے اندازے پر سیراب کیا پس کفار کو جو تمام لوگوں میں آخری درجہ پر ہیں وہ بات بتائی جو راستے میں دیکھی اور جو کچھ مسجد اقصیٰ میں دیکھا نیز جن چیزوں کی ان کو پہچان حاصل تھی۔ کیونکہ وہ جسموں کے فلک میں تھے حتیٰ کہ انہوں نے اسراء (زمینی سفر) کی تصدیق کی پھر ترقی کرتے ہوئے آسمانی فلک کے بارے میں بتایا اسی طرح ہر آسمان میں جو کچھ ہوا اور آپ نے ہر فلک میں جو کچھ دیکھا اس کا ذکر فرمایا اور ان لوگوں کو یہ باتیں بتائیں جو ان باتوں کے لائق تھے یعنی ہر صحابی کو اس کے مقام و مرتبہ کے مطابق بتایا۔

ساتویں آسمان تک کا ذکر کیا جب مقامِ جبریل علیہ السلام تک پہنچے تو افق مبین کے بارے میں بتایا اور اس سے اوپر جو قرب خداوندی حاصل ہوا جہاں سے وحی آتی ہے اور صورتیں اور تخلیق سب ساقط ہو جاتی ہیں تو اس کے بارے میں اپنے صحابہ کرام کو بتایا پس ان میں سے بعض نے کہا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کو افقِ مبین اور افق اعلیٰ میں دیکھا اور اس نے سچ کہا بعض نے دل اور بصیرت سے دیکھنے کا قول کیا تو اس نے بھی سچ کہا اور یہ حضرت عائشہ صدیقہ اور ان کے ساتھ کچھ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور بعض نے کہا کہ سر کی آنکھوں سے دیکھا تو اس نے بھی سچ کہا۔

تو ہر ایک نے اسی بات کی خبر دی جو نبی اکرم ﷺ نے اس کے مقام کے مطابق اس سے بیان کی اور اس کو وہی پیالہ پلایا جو اس کے لائق تھا۔ پس جب یہ معراج صحیح ہے تو تمہیں تمام معاملہ معلوم ہو گیا اور مقام رؤیت اور اس کے قائلین کا بھی علم ہو گیا اور ان سب کی بات حق ہے۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ کی رائے

جن لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کے لئے رؤیت باری تعالیٰ ثابت کی ہے ان میں حضرت امام احمد رحمہ اللہ بھی ہیں حضرت خلال (ابوعلی حسن بن علی بن محمد الخلال متوفی ۲۴۲ھ) نے ''کتاب السنن میں'' حضرت مروزی سے نقل کیا وہ

فرماتے ہیں میں نے حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ بولا۔ تو ان کے اس قول کا جواب کیسے ہوگا؟

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا نبی اکرم ﷺ کے قول سے جواب دیں کہ آپ نے فرمایا "میں نے اپنے رب کو دیکھا" پس نبی اکرم ﷺ کا قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے بڑا ہے۔ (معجم المؤلفین ج ۳ ص ۲۶۱)

"الھدی کے" مصنف (ابن قیم) نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو خیال کرتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا انہوں نے کبھی فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا اور کبھی فرمایا اپنے دل سے دیکھا بعض متاخرین سے منقول ہے کہ آپ نے سر کی آنکھوں سے دیکھا اور یہ نقل کرنے والے کا تصرف ہے آپ کا واضح قول موجود ہے۔

اس مسئلہ میں توقف کا قول

امام قرطبی رحمہ اللہ نے "المفھم میں" اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اس مسئلہ میں توقف کیا جائے اور اس بات کو محققین کی ایک جماعت کی طرف منسوب کیا اور اس کو تقویت یوں دی کہ اس باب میں کوئی قطعی دلیل نہیں دونوں گروہوں کے دلائل کی انتہا ظاہر پر ہے اور یہ روایات ٹکراتی ہیں جو تاویل کو قبول کرنے والی ہیں۔

وہ فرماتے ہیں یہ مسئلہ عملیات میں سے نہیں کہ اس میں دلیل ظنی بھی کافی ہو بلکہ یہ اعتقادی مسائل میں سے ہے پس اس میں صرف دلیل قطعی کفایت کرے گی۔ واللہ اعلم [1]

---

[1] امام سبکی نے السیف المسلول میں اس کا رد کیا کہ اس کی شرط سے قطعی متواتر ہونا نہیں بلکہ جب حدیث صحیح ہو اگرچہ ظاہر میں اس طرح ہو اور وہ خبر واحد ہو تو اسی مسئلہ میں اس پر اعتماد جائز ہے کیونکہ یہ ان اعتقادی مسائل میں سے نہیں ہے جن میں قطعیت شرط ہے اور پھر ہم اس کے مکلف بھی نہیں ہیں۔ ۱۲ ہزاروی (زرقانی ج ۶ ص ۱۲)

نماز کی فرضیت

احادیثِ مبارکہ

حدیث شریف میں ہے:

ثم فرضت علی الصلوٰۃ خمسین صلاۃ فی کل یوم. پھر مجھ پر یومیہ پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ثابت بنانی سے نقل کیا وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

ففرض اللہ علی خمسین صلوٰۃ فی کل یوم و لیلۃ. پس اللہ تعالیٰ نے مجھ پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض فرمائیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے اس جیسی روایت نقل کی ہے۔

یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ آپ پر فرضیت کا لفظ امت پر فرضیت کو مستلزم ہے اور اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے (یعنی جو امت پر فرض ہے وہ آپ پر بھی فرض ہے) البتہ آپ کے خصائص اس (ضابطے) سے مستثنیٰ ہیں۔

''صحیح مسلم میں ہے'' حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''پس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اترا تو انہوں نے پوچھا آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے عرض کیا پچاس نمازیں انہوں نے کہا آپ اپنے رب کی طرف لوٹ جائیں اور تخفیف کا سوال کریں کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی میں نے بنی اسرائیل کو آزمایا اور ان کا تجربہ کیا ہے آپ فرماتے ہیں میں اپنے رب کی طرف لوٹ گیا اور عرض کیا اے میرے رب! میری امت کے لئے آسانی فرمادے تو اس نے پانچ نمازیں کم کردیں پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ مجھ سے پانچ نمازیں کم کردی گئیں ہیں انہوں نے کہا آپ کی امت کو اس کی طاقت بھی نہیں ہے آپ اپنے رب کی طرف لوٹ جائیں اور اس سے تخفیف کا سوال کریں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں میں بار بار اپنے رب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا جاتا رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد ﷺ! یہ دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں اور ہر نماز کا ثواب دس کے برابر ہوگا اس طرح یہ پچاس نمازیں ہوجائیں گی''۔

پس جو شخص نیکی کا ارادہ کرے لیکن اس پر عمل نہ کرسکے اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے پس اگر وہ عمل کرے تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جو آدمی کسی برائی کا ارادہ کرے لیکن اس پر عمل نہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا اگر وہ عمل کرے تو ایک گناہ لکھا جاتا ہے آپ فرماتے ہیں میں اترا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان کو خبر دی انہوں نے فرمایا اپنے رب کی طرف لوٹ جائیں اور تخفیف کا سوال کریں میں نے کہا میں اپنے رب کی طرف اتنی بار گیا ہوں کہ اب مجھے اس سے شرم آتی ہے۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ) اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا میں نے جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا (اس دن) آپ پر اور آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں پس آپ اور آپ کی امت ان نمازوں کے ساتھ قیام کریں۔

آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف آنے کا بھی ذکر کیا اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض فرمائیں تو وہ ان کو ادا نہ کر سکے اور اس حدیث کے آخر میں فرمایا کہ یہ پانچ نمازیں' پچاس کی جگہ ہیں پس آپ اور آپ کی امت ان کو قائم کریں۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حتمی فیصلہ ہے پس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف آیا تو انہوں نے کہا واپس جائیں تو میں واپس نہ گیا۔

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہمارے نبی ﷺ سے کیوں فرمایا کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی یہ کیوں نہیں فرمایا کہ آپ اور آپ کی امت کو اس کی طاقت نہیں؟

جواب: عجز اور کمزوری امت کے ساتھ مخصوص ہے نبی اکرم ﷺ تک متعدی نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ نے آپ کو جب سے کمال عطا فرمایا آپ کو اس کی بلکہ اس سے بڑھ کر عبادت کی طاقت حاصل تھی اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

شبِ معراج نماز کی فرضیت میں حکمت

عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں شب معراج کے ساتھ نماز کے فرض ہونے کی تخصیص اس لئے ہے کہ جب آپ کو معراج کرایا گیا اور آپ نے اس رات فرشتوں کو عبادت کرتے ہوئے دیکھا اور (دیکھا کہ) ان میں سے بعض کھڑے ہیں بیٹھتے نہیں کچھ رکوع میں ہیں سجدہ نہیں کرتے کچھ سجدہ ریز ہیں قعدہ نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے ان تمام باتوں کو ایک رکعت میں جمع کر دیا کہ بندہ ان کی شرائط یعنی اطمینان اور اخلاص کے ساتھ ادا کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نماز کی فرضیّت

نماز کے معاملے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو عنایت اس امت پر ہے وہ کسی دوسرے کی نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جسے امام طبرانی اور امام بزار رحمہما اللہ نے نقل کیا اس بات کی طرف اشارہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

كان موسى اشدهم علي حين مررت و خيرهم لي حين رجعت.

جب میں گزرا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام مجھ پر ان سب سے زیادہ سخت تھے اور جب واپس آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام میرے لئے سب سے بہتر تھے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا میں واپسی پر آیا اور حضرت موسیٰ کے پاس سے گزرا تو

وہ تمہارے لئے بہترین ساتھی تھے انہوں نے پوچھا آپ کے رب نے آپ پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں؟

حضرت امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس امت کی طرف توجہ کرنا اور نبی اکرم ﷺ سے امت کی سفارش کے لئے التجا کرنا اور ان پر تخفیف کا سوال کرنا اس لئے تھا (اور حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے) کہ جب طور کی مغربی جانب ان کے لئے رسالت کا فیصلہ ہوا اور انہوں نے تختیوں میں حضرت محمد ﷺ کی امت کی صفات دیکھیں اور کہنے لگے کہ میں تختیوں میں ایک امت (کا ذکر) دیکھتا ہوں جن کی یہ یہ صفات ہیں تو یا اللہ! ان کو میری امت بنا دے آپ سے کہا گیا وہ تو حضرت محمد ﷺ کی امت ہے۔ یہ مشہور حدیث ہے اور اس امت کے خصائص کے بیان میں اس کا ذکر ہو چکا ہے تو آپ نے اس امت کا اس طرح خیال رکھا جس طرح کسی قوم کا کوئی فرد ایسا کرتا ہے۔ کیونکہ آپ نے یہ دعا مانگی "یا اللہ! مجھے ان میں سے کردے" (تو گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو امت محمدیہ میں سے سمجھ کر نمازوں کے حوالے سے تخفیف کا مشورہ دیا)۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نبی اکرم ﷺ کو نمازوں کے معاملے میں بار بار واپسی کا مشورہ دینے میں اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کو نماز کے معاملے میں اس قدر مکلّف بنایا گیا کہ ان سے پہلے کسی امت کو اس کا مکلّف نہیں بنایا گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی اکرم ﷺ کی امت کے بارے میں بھی یہی خوف تھا۔ اور ان کا یہ قول کہ میں آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مؤقف میں اشارات

بعض اہل اشارہ کے کلام میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں محبت کی آگ ٹھہر گئی تو آپ پر نور طور کے انوار روشن ہوئے تو انہوں نے ان کو لینے کے لئے جلدی کی تو روک دیا گیا پس جب منادی کی طرف سے نداء ہوئی تو آپ منادی (نداء کرنے والے) کے مشتاق ہو گئے چنانچہ آپ بنی اسرائیل میں چکر لگاتے کہ کون میرا پیغام میرے رب تک پہنچائے گا اور آپ کی مراد یہ تھی کہ حبیب کے ساتھ طویل مناجات ہو پس جب ہمارے نبی ﷺ معراج کی رات آپ کے پاس سے گزرے تو نماز کے معاملے میں بار بار واپس کیا تاکہ محبوب کے محبوب کی زیارت سے سعادت حاصل کریں۔

ایک دوسرے صاحب نے فرمایا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا سوال کیا اور آپ کی خواہش پوری نہ ہوئی تو وہ شوق باقی رہا جس نے آپ کو پریشان کیا اور امید جس نے آپ کو بیمار کر دیا جب یہ بات ثابت ہوئی کہ ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کو جو اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں دیدار عطا کیا گیا ہے اور آپ کے مزید ثواب اور فضیلت کا دروازہ کھولا گیا ہے تو آپ نے کثرت سے سوال کیا تاکہ اس ذات کو دیکھنے کی سعادت حاصل کریں جس نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ جیسا کہ کہا گیا:

واستنشق الارواح من نحو ارضکم — لعلی اراکم او اری من یراکم
وانشد من لاقیت عنکم عساکم — تجودون لی بالعطف منکم عساکم
فانتم حیاتی ان حییت وان امت — فیا حبذا ان مت عبد ھواکم

''اور میں تمہاری زمین کی طرف سے خوشبوئیں سونگھتا ہوں شاید کہ تمہیں دیکھوں یا اس کو جو تمہیں دیکھتا ہے اور میں جس سے ملتا ہوں تمہارے بارے میں دریافت کرتا ہوں اس بات کی امید رکھتے ہوئے کہ تم اپنی طرف سے مجھ پر مہربانی کرو گے۔ پس تم میری زندگی ہو اگر میں زندہ رہوں یا مر جاؤں کیا ہی اچھا ہو اگر میں تمہاری محبت کا غلام بن کر مر جاؤں''۔

اور دوسرے شاعر نے کہا:

وانما السر فی موسی یردده	لیجتلی حسن لیلی حین یشهده
یبدو سنا ها علی وجه الرسول فیا	لله در رسول حین اشهده

''اور موسیٰ علیہ السلام کے (نبی اکرم ﷺ کو معراج کی رات) لوٹانے میں راز یہ تھا کہ میری (موسیٰ علیہ السلام) کی رات خوبصورت ہو جائے جب وہ (نبی ﷺ) جلوہ فگن ہوں۔

(اس رات) نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ اقدس پر چمک (خوبصورتی) ظاہر ہوتی پس خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ کی کیا شان ہے جب میں (موسیٰ علیہ السلام) ان کی زیارت کرتا ہوں''؟

ایک اور صاحبِ اشارات نے کہا۔

جب محبوب مقام قرب میں تشریف فرما ہوئے تو ان پر محبت کے پیالے پھیرے گئے پھر واپس لوٹے اور ''ما کذب الفواد ما رای'' کا چاند ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان تھا اور ''فاوحی الی عبده ما اوحی'' کی خوشخبری نے ان کے دل اور کانوں کو بھر دیا پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو ان کی زبانِ حال نے (ہمارے نبی ﷺ سے) کہا:

یا وارداً من اهل الحی یخبرنی	عن جیرتی شنف الاسماع بالخبر
نا شدتک الله یا راوی حدیثهم	حدث فقد ناب سمعی الیوم عن بصر

''اے سب سے ہولناک قبیلے سے آنے والے میرے پڑوسی کے بارے میں کانوں کی بالیاں مجھے خبر دے رہی ہیں میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں اے ان کی بات کے راوی! بیان کر آج میرے کان آنکھ کی نیابت کر رہے ہیں''۔

اور ہمارے نبی ﷺ کی زبانِ حال نے جواب دیا:

ولقد خلوت مع الحبیب و بیننا	سر أرق من النسیم اذا سری
و اباح طرفی نظرة املتها	فغدوت معروفاً و کنت منکرا

''میں اپنے محبوب کے ساتھ خلوت میں اس طرح بیٹھا کہ ہمارے درمیان نسیم سحر سے زیادہ نرم اور خوشگوار راز تھے جبکہ وہ ہوا چلے اس نے اپنی نگاہ مجھ پر ڈالی جس کا میں امیدوار تھا تو میں معروف ہو گیا حالانکہ میں غیر معروف تھا''۔

تو ہر جماعت اپنے مذہب کا لحاظ کرتی ہیں اور ہر گروہ نے اپنے گھاٹ کو جان لیا اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان اپنے

عفوو رضوان کے بادل عارف ربانی ابوعبدالرحمٰن سلمی پر مسلسل برسائے انہوں نے نہایت اچھا کام کیا جب انہوں نے اہل اشارات کے کلام سے لطائف معراج کو نہایت اچھے طریقے پر جمع کیا۔

فرضیتِ نماز کی حدیث سے استدلال

حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ "یہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں ہر نماز دس کے برابر ہے تو کل پچاس ہوئیں"۔

تو اس سے علماء کرام نے یوں استدلال کیا ہے۔

۱۔ پانچ نمازوں سے زائد فرض نہیں جیسے وتر (فرض نہیں)۔

۲۔ فعل سے پہلے اس کا منسوخ ہونا جائز ہے۔

ابن بطال وغیرہ رحمہم اللہ نے فرمایا کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازوں کو ان کے پڑھے جانے سے پہلے پانچ نمازوں کے ساتھ منسوخ کر دیا پھر ان پر فضل فرمایا کہ ان کے لئے ثواب کو مکمل کیا۔

لیکن ابن منیر نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بات اصولیوں کے ایک گروہ اور شرح کرنے والوں نے ذکر کی ہے اور یہ ان لوگوں کیلئے مشکل ہے جو فعل سے پہلے نسخ ثابت کرتے ہیں جس طرح اشاعرہ یا اس کا انکار کرتے ہیں جیسے معتزلہ [۱]۔ کیونکہ یہ لوگ اس بات پر متفق ہو گئے کہ تبلیغ سے پہلے نسخ جائز نہیں اور حدیث معراج میں نسخ، تبلیغ سے پہلے واقع ہوا پس ان سب کے لئے یہ مشکل ہے۔

اگر ہر ایک تک پہنچنا مراد ہو تو یہ بات تسلیم نہیں اور امت کے بعض افراد تک پہنچنا مراد ہو تو یہ بات تسلیم ہے لیکن کہا جائے گا کہ یہ ان کی نسبت سے نسخ نہیں بلکہ نبی اکرم ﷺ کی نسبت سے نسخ ہے کیونکہ قطعی طور پر آپ ہی اس کے مکلّف بنائے گئے پھر جب آپ تک یہ حکم پہنچا تو آپ کے عمل سے پہلے یہ حکم منسوخ ہو گیا پس آپ کے حق میں اس مسئلہ کی تصویر صحیح ہے۔

اسراء کے بارے میں قریش کا مؤقف

نبی اکرم ﷺ سفرِ معراج سے واپس تشریف لائے تو راستے میں قریش کے قافلے سے گزرے جس نے غلہ اٹھایا ہوا تھا اس قافلے میں ایک اونٹ تھا جس نے دو بورے اٹھا رکھے تھے ایک سیاہ رنگ کا بورا تھا اور دوسرا سفید تھا۔ جب آپ قافلے کے مقابل آئے تو وہ بھاگ گئے اور وہ اونٹ گر گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ان کے ایک قافلے کے پاس سے گزرے جن کا اونٹ گم ہو گیا تھا اور اس کو فلاں شخص لایا تھا نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں میں نے ان لوگوں کو سلام کیا تو ان میں سے بعض نے کہا یہ حضرت محمد ﷺ کی آواز ہے پھر صبح سے پہلے آپ مکہ مکرمہ تشریف لے آئے اور جو کچھ دیکھا اپنی قوم کو بتا دیا اور ان سے فرمایا کہ میرے سفر معراج کی ایک علامت یہ بات بھی ہے جو میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ میں فلاں فلاں مقام پر تمہارے قافلے کے پاس سے گزرا ہوں اور فلاں دن وہ تمہارے پاس آ جائیں گے۔

ان میں سے سب سے آگے سیاہ رنگ کا اونٹ ہے جس پر سیاہ ٹاٹ اور دو بورے ہیں جب وہ دن ہوا تو لوگ دیکھنے لگے حتیٰ کہ جب دو پہر قریب ہوئی تو قافلہ آ گیا ان کے آگے وہی اونٹ تھا جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے بتایا تھا۔

---

[۱] مطلب یہ ہے کہ پچاس نمازوں کا حکم دیا گیا پھر منسوخ کرتے کرتے پانچ رہ گئیں حالانکہ پانچ سے زیادہ پر عمل نہیں ہوا۔ ۱۲ ہزاروی

سنن بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے آپ سے نشانی پوچھی تو آپ نے ان کو بتایا کہ قافلہ بدھ کے دن آئے گا پس جب وہ دن ہوا تو وہ لوگ نہ آئے حتیٰ کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہوا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی حتیٰ کہ وہ اسی وصف کے مطابق آگئے جو آپ نے بیان کیا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جب نبی اکرم ﷺ کو مسجد اقصیٰ کی طرف سیر کرائی گئی تو صبح آپ لوگوں سے بیان کرنے لگے تو کچھ لوگ ایمان لانے لگے اور کچھ لوگ دوڑے دوڑے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے اپنے دوست کے پاس جاؤ اس کا خیال ہے کہ گذشتہ رات اسے بیت المقدس کی طرف سیر کرائی گئی ہے انہوں نے پوچھا کیا حضور علیہ السلام نے یہ بات فرمائی ہے؟ قریش کہنے لگے ہاں (کہی ہے) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر حضور علیہ السلام نے یہ بات فرمائی ہے تو سچ فرمایا ہے انہوں نے کہا آپ ان کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ بیت المقدس تشریف لے گئے اور صبح سے پہلے پہلے واپس آگئے؟ آپ نے فرمایا ہاں میں تو اس سے بھی انوکھی بات کی تصدیق کرتا ہوں میں صبح وشام آسمانی خبروں کے بارے میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں اسی لئے آپ کا نام ''صدیق'' ہوا۔ اس حدیث کو امام حاکم نے ''مستدرک میں'' نقل کیا۔

ابن اسحاق نے بھی اسے نقل کیا لیکن یہ اضافہ بھی فرمایا ''پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے نبی! کیا آپ نے ان لوگوں سے بیان کیا ہے کہ آپ گذشتہ رات بیت المقدس کی طرف تشریف لے گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! بیت المقدس کا وصف بیان کیجئے میں وہاں گیا ہوں۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پس مسجد اقصیٰ میری طرف اٹھائی گئی حتیٰ کہ میں نے اسے دیکھا نبی اکرم ﷺ اس کا وصف بیان فرماتے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کہتے آپ نے سچ فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جب بھی آپ کوئی بات بیان کرتے (وہ یہ کلمہ کہتے)۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ آپ مجھ سے بیان کریں شک کی وجہ سے نہیں تھا انہوں نے تو پہلے مرحلہ میں ہی تصدیق کر دی تھی بلکہ ان کا مقصد قوم کے سامنے آپ کی صداقت کو ظاہر کرنا تھا کیونکہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اعتماد کرتے تھے تو جب نبی اکرم ﷺ کی خبر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علم کے موافق ہوگئی اور انہوں نے آپ کی تصدیق کر دی تو ان لوگوں کے خلاف واضح دلیل ہوگئی۔

''صحیح بخاری کی'' ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا:

فجلا اللہ لی بیت المقدس. پس اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے روشن کر دیا۔

یعنی میرے اور اس کے درمیان سے پردہ اٹھا دیا حتیٰ کہ میں نے اسے دیکھا۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے۔

انہوں نے مجھ سے کچھ باتوں کے بارے میں پوچھا جن کی مجھے (کما حقہ) پہچان نہ تھی تو میں اس قدر پریشان ہوا کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے میرے لیے اٹھا دیا کہ میں اسے دیکھ رہا تھا اور جو بات وہ پوچھتے تھے

میں بتاتا تھا۔

تو اس بات کا احتمال ہے کہ اسے اٹھا کر ایسی جگہ رکھا گیا ہو جہاں آپ اسے دیکھتے تھے پھر واپس اسی جگہ رکھ دی گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث جو امام احمد اور امام بزار رحمہما اللہ نے نقل کی ہے اس میں ہے کہ مسجد کو لایا گیا اور میں اسے دیکھ رہا تھا حتیٰ کہ اسے دارِ عقیل کے پاس رکھا گیا پس میں اسے دیکھ رہا تھا۔

یہ آپ کا نہایت بلیغ معجزہ ہے اور یہ بات محال نہیں ہے کیونکہ حضرت بلقیس کا تخت پلک جھپکنے میں حاضر کر دیا گیا تھا۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث جسے ابن سعد نے نقل کیا اس میں ہے کہ بیت المقدس کو میرے تصور میں دیا گیا تو میں اس کی نشانیاں بتانے لگا اگر یہ حدیث ثابت ہے تو اس بات کا احتمال ہے کہ آپ کے قریب اس کی مثالی صورت رکھی گئی جس طرح ایک حدیث میں کہا گیا کہ مجھے جنت اور جہنم دکھائی گئی اور ''مسجد لائی گئی'' کی تاویل یہ ہوگی کہ اس کی مثل لائی گئی۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے آپ سے پوچھا مسجد کے دروازے کتنے ہیں؟ آپ فرماتے ہیں میں نے ان کو گنا نہیں تھا چنانچہ اس کی طرف دیکھ کر ایک ایک دروازہ شمار کرنے لگا۔

حضرت ابویعلیٰ کے نزدیک یوں ہے کہ آپ سے بیت المقدس کی کیفیت حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کے والد مطعم بن عدی نے پوچھی تھی۔

اسراء کی حکمت

ابن ابی جمرہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ بیت المقدس کی طرف سیر کرانے میں حکمت یہ تھی کہ مخالفین کے سامنے حق ظاہر ہو جائے کیونکہ اگر آپ کو مکہ مکرمہ سے سیدھا آسمان کی طرف معراج کرایا جاتا تو مخالفین کے لئے بیان اور وضاحت کا کوئی راستہ نہ ہوتا انہوں نے بیت المقدس کی ایک ایک چیز کے بارے میں اسی لئے پوچھا کہ انہوں نے اسے دیکھا تھا اور ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے پہلے بیت المقدس کو نہیں دیکھا جب آپ نے ان کو خبر دی تو ان کے لئے ثابت ہو گیا کہ آپ کو بیت المقدس کی طرف سیر کرائی گئی ہے اور جب کسی چیز کا کچھ حصہ ثابت ہو جائے تو باقی کی تصحیح لازمی ہو جاتی ہے تو یہ اسراء مؤمنوں کے ایمان کی مضبوطی اور دشمنانِ اسلام منکرین کی بدبختی میں اضافے کا باعث ہوا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

چھٹا مقصد

اس مقصد میں قرآن مجید کی وہ آیات مذکور ہوں گی جو نبی اکرم ﷺ کی قدر و منزلت کی عظمت اور آپ کے ذکر کی بلندی پر دلالت کرتی ہیں نیز اللہ تعالیٰ کا آپ کی نبوت کی صداقت' بعثت کے ثبوت پر شہادت دینا' آپ کی رسالت کے ثبوت اور آپ کے منصبِ جلیل اور مکان کی بلندی کی قسم کھانا' آپ کی اطاعت کے وجوب' سنت کی اتباع کو لازم قرار دینا' تمام انبیاء کرام سے وعدہ لینا کہ اگر وہ آپ کے دور کو پائیں تو آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں نیز کتب سابقہ تورات اور انجیل وغیرہ میں آپ کی عظمت کا یوں اظہار کرنا کہ آپ صاحبِ رسالت ہیں' کا بیان ہے۔

تمہید

جان لو! اللہ تعالیٰ تمہیں اور مجھے بھی قرآن مجید کے اسرار پر مطلع فرمائے اور اپنے لطف و کرم سے ایسی بصیرت عطا فرمائے جو ہمیں سیدھے راستے کی طرف لے جائے کہ ہم اس بات پر دلالت کرنے والی آیات کا احاطہ نہیں کر سکتے اور وہ آیات جن میں صراحتاً یا اشارتاً آپ کے بلند مقام اور مرتبہ کو بیان کیا گیا ہے نیز آپ کے آداب کی حفاظت کو مبالغہ کے طور پر واجب کیا گیا اسی طرح وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعریف بیان کی اور آپ کی عظیم شان کو ظاہر فرمایا' آپ کی حیات طیبہ کی قسم کھائی' لفظ رسول اور نبی کے ساتھ آپ کو پکارا اور نام لے کر نہیں پکارا جبکہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کو نام لے کر پکارا نیز دیگر ایسی آیات جن میں آپ کے بلند مرتبہ کی طرف اشارہ ہے اور آپ کی بزرگی کے برابر کوئی بزرگی نہیں۔

اور جو شخص قرآن مجید میں غور کرے گا وہ اسے اس بات سے بھرپور پائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی عظمت کو بیان کیا اللہ تعالیٰ ابن خطیب اندلسی (ابوعبداللہ محمد بن جابر) رحمہ اللہ پر رحم فرمائے۔ انہوں نے فرمایا:

مدحتک آیات الکتاب فما عسی	یثنی علی علیاک نظم مدیحی
واذا کتاب اللہ اثنی مفصحا	کان القصور قصار کل فصیح

''قرآن مجید کی آیات نے آپ کی تعریف اس طرح کی ہے کہ میری نظم مدح آپ کی عظمت کو بیان نہیں کر سکتی جب اللہ کی کتاب نے فصاحت سے تعریف کی تو ہر فصیح اللسان کی انتہاء اس سلسلے میں عاجز ہونا ہے''۔

(اے قاری) اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے یہ مقصد دس انواع پر مشتمل ہے۔

پہلی نوع

یہ نوع ان آیات پر مشتمل ہے جن میں آپ کے مرتبہ کی تعظیم' رتبہ کی بزرگی اور دیگر انبیاء کرام کے درجات سے آپ

کے درجہ کی فوقیت اور عزت وشرف والے مقام کا ذکر ہے۔ (الشفاء ج اص ۱۳)

مراتبِ رسل میں فرق

ارشادِ خداوندی ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ. یہ رسول ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ان میں سے بعض نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا۔

مفسرین کرام علیہم الرحمہ فرماتے ہیں اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بلاواسطہ کلام کیا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صراحتاً ذکر نہیں ہے جبکہ ہمارے نبی ﷺ سے کلام کرنا بھی ثابت ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

سوال: جب یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے بھی ان کے رب نے کلام کیا ہے اور آپ اس وصف سے موصوف ہیں تو آپ کے لئے اسم کلیم مشتق کیوں نہیں ہوا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہوا؟

جواب: معنیٰ کا اعتبار کبھی اشتقاق کی تصحیح کے لئے ہوتا ہے جیسے اسم فاعل ہے اس وقت یہ بات درست ہوگی کہ جو شخص بھی اس وصف سے موصوف ہو اس کے لئے یہ نام ضرور مشتق ہو۔ لیکن بعض اوقات محض ترجیح کے لئے ہوتا ہے جیسے کلیم اور قارورہ' اس وقت ضروری نہیں ہوتا کہ جو بھی اس وصف سے موصوف ہو اس کے لئے یہ نام مشتق ہو۔ جس طرح قاضی عضد الدین نے بیان کیا یہ اس کا خلاصہ اور تحریر ہے۔ جس طرح سعد الدین تفتازانی نے کہا ہے اور ارشاد خداوندی ''ورفع بعضھم درجات'' سے حضرت محمد ﷺ مراد ہیں جس کی تین وجوہ ہیں۔

(۱) آپ کو معراج ذاتی (جسمانی) ہوا۔

(۲) آپ کو تمام انسانوں کا سردار بنایا گیا۔

(۳) آپ کو وہ معجزات عطا کئے گئے جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔

زمخشری نے کہا کہ اس ابہام میں (نام نہ لینے میں) آپ کی فضیلت اور قدر و منزلت کی عظمت کو ظاہر کیا جو مخفی نہیں کیونکہ اس میں اس بات کی شہادت ہے کہ یہ ایسا حکم ہے جس میں کوئی اشتباہ نہیں اور یہ اس طرح ممتاز ہے کہ التباس کا کوئی خطرہ نہیں۔

اس آیت نے اور اسی طرح آیت کریمہ:

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلٰى بَعْضٍ. اور بے شک ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی۔

(اس آیت) میں واضح کیا گیا کہ انبیاء کرام و رسل عظام کے درجات مختلف ہیں جب کہ معتزلہ کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں انبیاء کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہیں ہے لیکن ان دونوں آیات میں ان کا رد ہے۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام افضل ہیں کیونکہ باپ ہیں بعض نے سکوت اختیار کیا اور کہا کہ خاموشی زیادہ بہتر ہے۔

لیکن قابل اعتماد بات جو جمہور سلف و خلف کا مسلک ہے یہ ہے کہ رسل کرام' انبیاء عظام سے افضل ہیں اسی طرح

بعض رسول دوسرے بعض سے افضل ہیں اور اس پر یہ دو آیتیں اور ان کے علاوہ شہادتیں پائی جاتی ہیں۔

جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے بعض حضرات نے فرمایا تفصیل یہ ہے کہ اس سے دنیا میں (ان کے درجات کا تفاوت) مراد ہے اور یہ (تفاوت) تین احوال سے ہوتا ہے۔

یہ کہ کسی نبی کی علامات اور معجزات زیادہ ظاہر اور زیادہ مشہور ہوں یا اس کی امت زیادہ پاکیزہ اور تعداد میں بھی زیادہ ہو یا وہ ذاتی طور پر افضل اور زیادہ ظاہر ہوں اور ان کی ذاتی فضیلت اس بات کی طرف لوٹتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کلام' خلت (خصوصی دوستی) یا دیگر الطاف کرم جو اللہ تعالیٰ چاہے ان کے ساتھ خاص کیا ہو۔

نبی اکرم ﷺ کی فضیلت

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے نبی ﷺ کی نشانیاں اور معجزات سب سے زیادہ ظاہر' تعداد میں سب سے زیادہ' زیادہ باقی رہنے والی اور زیادہ مضبوط ہیں آپ کا منصب اعلیٰ' حکومت سب سے بڑی اور زیادہ ہے نیز آپ کی ذات افضل واظہر ہے اور تمام انبیاء کرام کے مقابلے میں آپ کی خصوصیات اس قدر مشہور ہیں کہ ان کے ذکر کی ضرورت نہیں رہتی پس آپ کا درجہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے درجات سے بلند اور آپ کی ذات تمام مخلوق میں سب سے زیادہ پاکیزہ اور افضل ہے' قیامت کے دن شفاعت سے متعلق حدیث میں غور کرو کہ اس کی انتہاء آپ پر ہوگی اور اس وقت سیادت و قیادت صرف آپ کے پاس ہوگی جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

انا سید ولد آدم و اول من تنشق عنه الارض یوم القیامة.

میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں اور قیامت کے دن سب سے پہلے میرے لئے زمین (قبر) کھلے گی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۳' مسند احمد ج ۲ ص ۵۴۰' المغنی ج ۳ ص ۵۷)

ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں:

انا اکرم ولد ادم یومئذ علی ربی ولا فخر.

میں اپنے رب کے ہاں اولاد آدم سے زیادہ معزز ہوں اور اس پر مجھے فخر نہیں۔

(الدر المنثور ج ۶ ص ۱۱۹' تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۲۶۳' تفسیر ابن کثیر ج ۷ ص ۱۲' زاد المسیر ج ۴ ص ۲۴۵' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۱۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۴۹۶)

لیکن یہ حدیث اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ آپ' حضرت آدم علیہ السلام سے بھی افضل ہیں بلکہ اس سے تو آپ کی اولادِ آدم پر فضیلت ثابت ہوتی ہے پس اس حدیث سے آپ کی تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت ثابت کرنا ضعیف ہے۔

شیخ سعد الدین تفتازانی نے نبی اکرم ﷺ کی مطلق افضلیت کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی سے ثابت کیا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ.

تم بہترین امت ہو جسے لوگوں (کے نفع) کے لئے پیدا کیا گیا۔

وہ فرماتے ہیں اس میں شک نہیں کہ امت کا بہترین ہونا ان کے دین میں کمال کے اعتبار سے ہے اور یہ ان کے نبی کے

کمال کے تابع ہے جس کی وہ پیروی کرتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے "المعالم میں" یوں استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے اوصاف حمیدہ بیان کئے اور حضرت محمد ﷺ سے فرمایا:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ. یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی پس آپ ان کی ہدایت پر چلیں۔

تو آپ کو ان کے نشانات پر چلنے کا حکم دیا پس اس پر عمل کرنا آپ پر واجب تھا ورنہ حکم خداوندی کے تارک کہلاتے پس جب آپ نے ان تمام اچھے خصائل کو اپنایا تو جو کچھ کمال ان میں متفرق طور پر تھے وہ سب آپ کی ذات میں جمع ہو گئے لہٰذا آپ ان سے افضل ہوئے۔

نیز توحید اور عبادت کے حوالے سے آپ کی دعوت دنیا کے اکثر شہروں تک پہنچی جبکہ دوسرے انبیاء کرام کا یہ معاملہ نہیں ہے پس ظاہر ہوا کہ آپ کی دعوت سے دنیا کا نفع باقی انبیاء کرام کی دعوت سے امتوں کے فائدہ اٹھانے کے مقابلے میں زیادہ کامل تھا۔ پس آپ کا تمام انبیاء کرام سے افضل ہونا ضروری ہوا۔

حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا سید ولد ادم ولا فخر و بیدی لواء الحمد ولا فخر وما من نبی آدم فمن سواہ الا تحت لوائی. میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں اور مجھے فخر نہیں میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور مجھے اس پر فخر نہیں کوئی نبی چاہے آدم ہوں یا ان کے علاوہ کوئی نبی ہو سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۸، مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۱۔ ج ۳ ص ۲، الشفاء ج ۱ ص ۳۹۹، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۴۱۔ ۵۷۶۱، شرح السنہ ج ۱۳ ص ۲۰۴، اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۲۲۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۸۱۔ ۳۹۰۵۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوعہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کی ہے آپ نے فرمایا:

انا سید الناس یوم القیامۃ. میں قیامت کے دن (تمام) لوگوں کا سردار ہوں گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۲۷، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۲، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۴، مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۵، المستدرک ج ۴ ص ۵۷۳، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۵۷۵، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۷۷، دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۷۷، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۵۷۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۰۴۲۔ ۳۹۰۵۱)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ، حضرت آدم علیہ السلام سے اور آپ کی اولاد (سب) سے افضل ہیں بلکہ تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں بلکہ تمام مخلوق سے افضل ہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے فضائل صحابہ میں ذکر کیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سفر سے واپس آئے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ عرب کا سردار ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، کیا آپ عرب کے سردار نہیں ہیں؟ آپ نے

فرمایا میں تمام جہانوں کا سردار ہوں اور یہ عرب کے سردار ہیں۔ یہ اس بات پر دلالت ہے کہ آپ تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں بلکہ تمام مخلوق سے افضل ہیں۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی یہ حدیث اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے لیکن اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ عربوں کے سردار ہیں۔

امام حاکم نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے لیکن صحیح بخاری و مسلم میں اسے ذکر نہیں کیا گیا۔

اس حدیث کی شاہد حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے امام حاکم نے اسے احمد بن عبید کے طریق سے روایت کیا وہ حضرت ناصح سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں ہم سے حسین نے علوان سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا۔ اور یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں۔

حضرت ہشام بن عروہ اپنے باپ سے اور وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا عرب کے سردار کو میری طرف بلاؤ۔ ام المؤمنین فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ عرب کے سردار نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا (اس کے بعد مذکورہ بالا حدیث ذکر کی)۔

(الحلیۃ الاولیاء ج ا ص ۶۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۴۴۸)

اسی طرح عمر بن موسیٰ وجیہی کی روایت سے بھی نقل کیا اور وہ بھی ضعیف ہے حضرت ابو الزبیر' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا عرب کے سردار کو میری طرف بلاؤ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کیا آپ عرب کے سردار نہیں ہیں۔ اس کے بعد مذکورہ بالا حدیث بیان کی۔

ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمہ اللہ) نے فرمایا یہ تمام احادیث ضعیف ہیں بلکہ امام ذہبی کا میلان اس طرف ہے کہ یہ موضوع ہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں تمام لوگوں کا سردار ہوں خود پسندی اور دوسروں پر فخر کے طور پر نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ فرمایا۔

آپ نے یہ بات اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ظاہر کرنے کے لئے اور اپنی امت کو اس بات کی خبر دینے کے لئے بیان فرمائی کہ ان کے امام اور متبوع کی بارگاہ خداوندی میں کس قدر عظمت ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کو بلند مقام حاصل ہے تاکہ امت کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی ان پر اور ان کے نبی پر کتنی بڑی نعمت ہے؟

اسی طرح بندہ جب اس بات کو ملاحظہ کرتا ہے کہ اسے مدد کا فیض حاصل ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا احسان اور جود و کرم ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ ہر وقت اپنے رب کا محتاج ہوتا ہے اور پلک جھپکنے کے برابر بھی وہ اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا تو اس سے اس کے دل میں خوشی کے بادل چھا جاتے ہیں اور جب یہ بادل اس کے دل کے آسمان پر پھیلتے ہیں اور وہ ان سے بھر جاتا ہے تو اس پر خوشی کی بارش برستی ہے جس میں لذت بھرا سرور ہوتا ہے پس اگر اس کو بارش نہ پہنچے تو اوس ہی کافی ہے اس وقت اس کی زبان پر ایسا فخر جاری ہوتا ہے جس میں خود پسندی اور دوسروں پر بڑائی کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت پر خوش ہوتا ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے:

قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذلک فلیفرحوا۔ آپ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے پس چاہیے کہ اس پر خوش ہوں۔

تو آپ ظاہر میں فخر فرماتے اور باطنی طور پر احتیاج اور انکساری تھی اور یہ دونوں ایک دوسرے کے منافی نہیں۔ عارف ربانی سید علی الوفائی نے اپنے قصیدہ میں اسی طرف اشارہ کیا ہے اس قصیدہ کا آغاز اس طرح ہے:

من انت مولاہ حاشا	علاہ ان یتلاشا
واللہ یا روح قلبی	لامات من بک عاشا
قوم لھم انت ساق	لا یرجعون عطاشا
لا قص دھر جناحا	لہ وفاؤک راشا
بک النعیم مقیم	لمن وھبت انتعاشا
ومن بحولک یقوی	لمن یضعف الدھر جاشا
عبد لہ بک عز	فکیف لا یتحاشا
حاشا و فاؤک یرمی	من انت مولاہ حاشا

"وہ شخص جس کا تو مولیٰ ہے وہ اس سے پاک ہے کہ مٹ جائے' اللہ کی قسم اے جان جاناں! جو تیرے ساتھ زندگی گزارے وہ مرتا نہیں' جس قوم کا تو ساقی ہو کبھی پیاسی نہیں لوٹ سکتی زمانہ ان بازوؤں کو توڑ نہیں سکتا جن کی مددگار تیری وفا ہو' تمہارے سبب سے نعمتیں دائمی ہیں اس شخص کے لئے جس کو تو نے سربلندی عطا کی وہ شخص جو تیری قوت کے ذریعے طاقتور ہو زمانہ اس کے جوش کو ہرگز ٹھنڈا نہیں کر سکتا' وہ غلام جو آپ کے سبب سے معزز ہو کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ (حوادثِ زمانہ سے) نہ بچے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ تیری وفا اس شخص کو پھینک دے جس کا تو مولیٰ ہے"۔

فضیلت نہ ماننے والوں کا اعتراض

سوال: ان دو آیتوں کو جو پہلے ذکر کی گئیں اور اس آیت (درج ذیل آیت) کو کیسے جمع کیا جائے گا۔ ارشاد خداوندی ہے:

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ (البقرہ: ۱۳۶)

کہو ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا اور جو کچھ حضرت ابراہیم' حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق' حضرت یعقوب اور ان کی اولاد (علیہم السلام) کی طرف اتارا گیا اور جو کچھ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو دیا گیا اور جو کچھ دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ہم ان میں کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم

اسی (اللہ تعالیٰ) کے سامنے گردن جھکانے والے ہیں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی نے ایک دوسرے کو گالی گلوچ کی تو یہودی نے قسم کھاتے ہوئے کہا اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام جہانوں پر منتخب فرمایا مسلمان نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور یہودی کو تھپڑ مار دیا نیز اسے کہا اے خبیث! کیا حضرت محمد ﷺ پر بھی؟ یہودی، نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا:

لا تفضلونی علی الانبیاء. مجھے انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت نہ دو۔

ایک دوسری روایت میں ہے انبیاء کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۱۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۹، مشکل الآثار ج ا ص ۴۵۲، دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۹۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۳۷۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے نقل کیا اس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو ایک دوسرے کے مقابلے میں ترجیح نہ دو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۱۲۔ ۳۳۹۸۔ ۴۶۳۸۔ ۶۹۱۶۔ ۶۹۱۷۔ ۷۴۲۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۵۲۶)

"صحیح بخاری و مسلم میں" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے یعنی رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

کسی شخص کے لئے مناسب نہیں کہ وہ (میرے بارے میں) کہے کہ میں حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۱۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳، دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۹۵)

شیخین (امام بخاری و امام مسلم) نے ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

جس نے کہا کہ میں حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے زیادہ بہتر ہوں تو اس نے جھوٹ بولا۔

جواب: علماء کرام نے اس کا جوب یوں دیا ہے کہ ارشاد خداوندی:

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ. ہم ان میں سے کسی ایک میں فرق نہیں کرتے۔

کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ان کی طرف نازل ہوا اس پر ایمان لانے اور ان کی تصدیق کرنے میں فرق نہیں کرتے نیز اس بات پر ایمان لانے میں کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبی ہیں اور ان کے درمیان اس قسم کی برابری اس بات کے خلاف نہیں کہ ان میں سے بعض دوسرے بعض سے افضل ہیں۔

اور احادیث (مذکورہ بالا) کے چند جوابات دیئے ہیں بعض حضرات نے فرمایا ہم یہ عقید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کرام کو بعض پر فضیلت دی ہے لیکن اپنی رائے سے اس فضیلت کی تفصیل میں نہیں جاتے۔

ابن طغربک نے کہا اگر اس قائل کا ارادہ یہ ہے کہ ہم اپنی رائے سے فضیلت دیتے ہیں تفصیل سے باز رہیں تو یہ بات صحیح ہے اور اس کا ارادہ یہ ہے کہ ہم اس بات کا بھی ذکر نہ کریں جو ہمیں قرآن مجید سے معلوم ہوئی اور جو کچھ حدیث رسول ﷺ میں ہمارے لئے مروی ہو تو یہ بات کمزور ہے۔

ایک دوسرے قائل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے خصوصی اعزازات اور قرب کے ذریعے جس نبی کا درجہ بلند کیا ہم اس فضیلت کا ذکر کرتے ہیں اور لوگوں کو ڈرسنانے، دین پر صبر کرنے اور ادائیگی رسالت کے لئے اٹھ کھڑا ہونے اور گمراہوں کو

ہدایت دینے کے سلسلے میں بعض کو بعض پر فضیلت دینے میں ہم غور وخوض نہیں کرتے کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے اس سلسلے میں حتیٰ الوسع محنت کی اور اس قدر طاقت خرچ کی جس سے زیادہ کا اللہ تعالیٰ نے ان کو مکلف نہیں بنایا۔

جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے نقل کیا کسی نے یوں کہا کہ نبی اکرم ﷺ کا اس بات سے منع کرنا کہ مجھے فضیلت نہ دو اس بات کے علم سے پہلے کی بات ہے کہ آپ تمام اولاد آدم کے سردار ہیں تو آپ نے اس سے منع فرمایا کہ آپ کو دوسروں پر فضیلت دی جائے کیونکہ یہ بات توقیف کی محتاج ہے (کہ اللہ تعالیٰ اس بات کا علم عطا فرمائے) اور جو بات علم کے بغیر کسی کی فضیلت بیان کرتا ہے وہ جھوٹ کہتا ہے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر نے کہا کہ یہ بات محل نظر ہے اور شاید اس کے محل نظر ہونے کی وجہ یہ ہو کہ وہ اس بات کی معرفت رکھتے ہوں جو تاریخ کے اعتبار سے مقدم ہے پھر میں نے ''تاریخ ابن کثیر میں'' دیکھا کہ اس کے محل نظر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فتح خیبر کے بعد ہجرت کی پس یہ بات بعید از عقل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک آپ کو اس بات کا علم نہ دیا ہو۔ [1]

کسی نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ بات تواضع اختیار کرنے اور تکبر کی نفی کرنے کے طور پر فرمائی ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات بھی اعتراض سے محفوظ نہیں ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ اس طرح فضیلت نہ دی جائے کہ کسی نبی کی توہین کا پہلو نکلتا ہو۔

یہ بھی کہا گیا کہ نبوت و رسالت کے حق میں کسی نبی کو دوسرے پر فضیلت دینے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام اس وصف میں برابر ہیں اس لحاظ سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔ فضیلت زائد احوال' خصوصیات' کرامات اور مراتب میں ہے' نفس نبوت میں کوئی فرق نہیں بلکہ دوسرے زائد امور کے لحاظ سے فرق ہے اسی لئے ان میں سے بعض رسول اولوالعزم رسول ہیں۔ یہ قول دوسرے قول کے قریب ہے۔

ابن ابی جمرہ نے حضرت یونس علیہ السلام والی روایت میں کہا ہے کہ اس سے کیفیت اور حد بندی کی نفی مراد ہے جیسا کہ ابن خطیب الری [2] نے کہا ہے کیونکہ دونوں کے درمیان عالم محسوس میں فضیلت پائی جاتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو سات طبقات سے اوپر کا معراج کرایا گیا اور حضرت یونس علیہ السلام دریا کی گہرائی میں اترے اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا سید ولد ادم یوم القیامۃ. میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔

اور آپ نے فرمایا:

آدم و من دونہ تحت لوائی. حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ (سب) میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے آپ ﷺ کو آپ کی فضیلت سے آگاہ کیا گیا۔

(زرقانی ج ۶ ص ۱۳۸)

[2] امام فخر الدین محمد بن عمر بن حسن ابن حسین تیمی بکری طبیرستانی رازی، بحر العلوم تھے اور ''رے میں'' خطیب تھے۔ ۱۲ ہزاروی

(زرقانی ج ۶ ص ۱۳۹)

نیز نبی کریم ﷺ کو شفاعت کبریٰ کی خصوصیت حاصل ہے جو دوسرے کسی نبی کے لئے نہیں ہے یہ فضیلت آپ کو لازمی طور پر حاصل ہے اب رہ گئی یہ بات کہ آپ نے فرمایا "مجھے حضرت یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت نہ دو تو یہ اللہ تعالیٰ کے قرب و بعد کے اعتبار سے ہے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اگرچہ ساتوں آسمانوں کے اوپر اور جہاں پردے اٹھ گئے سیر کرائی گئی اور حضرت یونس علیہ السلام دریا کی گہرائی میں چلے گئے لیکن اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کے بُعد کے حوالے سے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

یہ بات امام دار الھجرہ (امام مدینہ) حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے اور اس قسم کی بات امام الحرمین (ابو المعالی عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف جوینی رحمہ اللہ) کی طرف منسوب ہے۔

ابن منیر نے کہا اگر تم کہو کہ اگر ذات خداوندی کی طرف نسبت کے اعتبار سے دونوں جہتیں برابر ہیں اور نبی اکرم ﷺ کو حضرت یونس علیہ السلام پر فضیلت حاصل نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے دونوں جہتوں (آسمان اور زمین) میں تفاوت کی وجہ سے آپ کو فضیلت دی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو زمین پر فضیلت دی ہے تو نبی اکرم ﷺ کو حضرت یونس علیہ السلام پر کیسے فضیلت نہیں دے گا اور اگر فضیلت مکان کی وجہ سے نہ ہو تو مکان کی بلندی کے اعتبار سے ضرور ہوگی اور اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

پھر فرمایا میں کہتا ہوں آپ نے مطلق فضیلت دینے سے منع نہیں فرمایا بلکہ آپ نے مکان کے ساتھ مقید فضیلت سے منع فرمایا جس سے قربِ مکان سمجھ آتا ہے (جس سے اللہ تعالیٰ پاک ہے) تو قواعد کو جمع کرتے ہوئے اسی معنیٰ پر محمول کیا جائے گا۔

کیا بشر افضل ہیں یا فرشتے؟

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ آیا بشر افضل ہیں یا فرشتے؟

جمہور اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ انسانوں میں سے خاص لوگ اور وہ انبیاء کرام ہیں، خاص فرشتوں حضرت جبریل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل، حضرت عزرائیل، عرش کو اٹھانے والے فرشتوں اور مقربین روحانی فرشتوں سے افضل ہیں (ان فرشتوں سے انبیاء کرام افضل ہیں) اور خاص فرشتے، عام انسانوں سے افضل ہیں۔ تفتازانی نے کہا یہ بات اجماع بلکہ ضروری طور پر ثابت ہے اور عام انسان عام فرشتوں سے افضل ہیں پس جسے سجدہ کیا گیا (یعنی انسان) وہ سجدہ کرنے والوں سے افضل ہے پس جب خاص (انسانوں) کی خاص (فرشتوں) پر فضیلت ثابت ہوگئی تو عام انسانوں کی عام فرشتوں پر فضیلت بھی ثابت ہوگئی پس عام فرشتے نیک لوگوں کے خادم ہیں اور مخدوم کو خادم پر فضیلت حاصل ہوتی ہے نیز مؤمن خواہش اور عقل سے مرکب ہیں اور شیطان بھی وسوسوں کے ذریعے ان پر مسلط ہوتا ہے جب کہ فرشتوں میں عقل ہے خواہش نہیں اور شیطان بھی ان تک پہنچنے کی راہ نہیں پاتا۔

پس جیسا کہ "شرح عقائد میں ہے" انسان کو علمی اور عملی کمالات حاصل ہیں جب کہ شہوت، غضب اور ایسی ضروری حاجات جو کمالات کے حصول میں رکاوٹ بنتے ہیں انسان کے لئے سدراہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ رکاوٹوں کی موجودگی میں عبادت کرنا اور کمالات حاصل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور اس صورت میں اخلاص بھی زیادہ ہوتا

ہے لہٰذا انسان افضل ہوا۔

اور یہاں عوام الناس سے نیک لوگ مراد ہیں فاسق نہیں جیسا کہ علامہ کمال الدین بن ابی شریف مقدسی نے بتایا وہ فرماتے ہیں۔

امام بیہقی نے ''شعب الایمان میں'' یہ بات واضح الفاظ میں بیان کی وہ فرماتے ہیں۔

پہلے اور پچھلے تمام لوگوں نے بحث کی ہے کہ آیا فرشتے افضل ہیں یا انسان؟ تو کچھ لوگ اس طرف گئے ہیں کہ انسانوں کے رسول فرشتوں کے رسولوں سے افضل ہیں اور انسانوں میں سے اولیاء کرام فرشتوں کے اولیاء سے افضل ہیں۔

معتزلہ فلاسفہ اور بعض اشاعرہ نے فرشتوں کو فضیلت دی ہے۔ قاضی ابوبکر الباقلانی (الاعلام ج۶ ص۱۷۶' فیات الاعیان ج۱ ص۴۸۱' تاریخ بغداد ج۵ ص۳۷۹' الوافی بالوفیات ج۳ ص۱۷۷) اور ابوعبداللہ حلیمی نے بھی اسی بات کو اختیار کیا ہے انہوں نے چند وجوہ کو دلیل بنایا ہے۔ (الاعلام ج۲ ص۲۳۵' رسالۃ المستطرفہ ص۴۴' کشف الظنون ج۲ ص۱۸۷۱)

۱۔ فرشتے محض ارواح ہیں جو بالفعل کامل ہیں وہ شر اور آفات مثلاً شہوت اور غضب سے نیز صورت کے اندھیروں سے پاک ہیں وہ عجیب وغریب افعال کی طاقت رکھتے ہیں اور تمام عالم کے ماضی اور مستقبل کا کسی غلطی کے بغیر علم رکھتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی بنیاد فلسفہ اصول پر ہے اسلامی اصول پر نہیں۔

۲۔ انبیاء کرام علیہم السلام تمام انسانوں سے افضل ہونے کے باوجود ان (فرشتوں) سے سیکھتے ہیں اور اس کی دلیل یہ ارشاد خداوندی ہے:

عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰیo (النجم:۵) انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُo (الشعراء:۱۹۳) اسے روح امین (حضرت جبریل علیہ السلام) لے کر اترے۔

اور اس میں شک نہیں کہ معلم، متعلم سے افضل ہوتا ہے۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ انبیاء کرام' اللہ تعالیٰ سے سیکھتے ہیں فرشتے محض پہنچانے والے ہوتے ہیں۔

۳۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ کتاب وسنت میں فرشتوں کا ذکر انبیاء کرام کے ذکر سے پہلے ہوا ہے اور اس کی وجہ شرف ورتبہ میں ان کا مقدم ہونا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس ذکر کی وجہ ان کا وجود میں مقدم ہونا ہے یا اس لئے کہ ان کا وجود زیادہ پوشیدہ ہے پس ان پر ایمان لانا زیادہ قوی اور تقدیم کے زیادہ لائق ہے۔

۴۔ ان لوگوں کی چوتھی دلیل یہ ارشاد خداوندی ہے:

لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَo (النساء:۱۷۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہرگز نفرت نہیں کرتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہوں اور نہ ہی مقرب فرشتے نفرت

کرتے ہیں۔

اہل لسان اس آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فرشتوں کی افضلیت کو سمجھتے ہیں کیونکہ اس قسم کی صورت میں قیاس یہ ہے کہ ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہوتی ہے کہا جاتا ہے''اس بات سے وزیر نفرت نہیں کرتے اور نہ ہی بادشاہ کرتا ہے''اور یوں نہیں کہا جاتا کہ بادشاہ اور وزیر نفرت نہیں کرتے پھر اس بات کا بھی کوئی قائل نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام میں کوئی فرق ہے۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس قدر تعظیم کی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی بندگی سے بلند و بالا سمجھا بلکہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا کیونکہ آپ باپ کے بغیر پیدا ہوئے تھے نیز آپ پیدائشی اندھوں اور سفید داغ والوں کو تندرست کر دیتے اور مردوں کو زندہ کرتے تھے جب کہ دوسرے انسانوں کا یہ حال نہیں تو ان کا رد کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی اس سے نفرت نہیں کرتے اور وہ بھی جو اس معنیٰ میں ان سے اعلیٰ ہیں اور وہ فرشتے ہیں جن کا باپ اور ماں دونوں نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کاموں سے زیادہ قوی اور زیادہ عجیب کاموں پر قادر ہیں تو یہ ترقی ماں باپ کے بغیر ہونے اور مضبوط آثار کے اظہار میں مطلق شرف و کمال میں نہیں۔

لہٰذا فرشتوں کے افضل ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

فرشتوں کے مراتب

پھر فرشتوں میں سے بعض' دوسرے بعض سے افضل ہیں اور سب میں سے حضرت روح الامین جبریل علیہ السلام افضل ہیں جن کی پاکیزگی تمام جہانوں کے رب کی طرف سے بیان کی گئی ہے ان کے بارے میں عزت والے رب کی طرف سے کہا گیا:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝ (التکویر: ۲۰۔۲۲)

بے شک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور عزت والا وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سات صفات بیان فرمائیں۔ پس آپ ان تینوں فرشتوں سے افضل ہیں جو مطلقاً فرشتوں میں سے افضل ہیں اور وہ حضرت میکائیل' حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت

اسی طرح رسل عظام' انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں اور بعض رسول دوسرے بعض سے افضل ہیں اور حضرت محمد ﷺ تمام انبیاء و رسل سے افضل ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام اور سب سے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت پر قرآن مجید کی دلالت پائی جاتی ہے کہ آپ کو امر اور نہی ہوا اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ ان کے زمانے میں کوئی دوسرا نبی نہیں تھا پس امر و نہی وحی کے ذریعے ہوئی کسی اور طریقے پر نہیں اسی طرح سنت اور

اجماع کی دلالت بھی پائی جاتی ہے پس ان کی نبوت کا انکار کفر ہے جیسا کہ بعض سے منقول ہے۔

(شرح العقائد النسفیہ ص ۱۶۷' الفتاوی الہندیہ ج ۲ ص ۲۰۱' اصول لعبد القاہر ص ۱۵۷۔۱۵۹' مراتب الاجماع ص ۱۷۳)

انبیاء ورسل کی تعداد

انبیاء ورسل کی تعداد میں اختلاف ہے اور اس سلسلے میں مشہور وہ بات ہے جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمائی اور اسے ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! انبیاء کرام کی تعداد کیا ہے آپ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا تین سو تیرہ کا جم غفیر ہے۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان میں سے پہلا نبی کون ہے؟ فرمایا حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ پھر فرمایا اے ابوذر! چار نبی سریانی ہیں حضرت آدم' حضرت شیث' حضرت نوح اور حضرت خنوخ یعنی حضرت ادریس علیہم السلام' سب سے پہلے قلم کے ذریعے حضرت ادریس علیہ السلام نے ہی لکھا چار نبی عرب سے ہیں حضرت ہود' حضرت صالح' حضرت شعیب علیہم السلام اور آپ کے نبی حضرت محمد ﷺ اے ابوذر! بنی اسرائیل کے پہلے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور سب نبیوں میں اول حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخری نبی تمہارے نبی ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۶۷)

اس حدیث کو ابوحاتم بن حبان نے اپنی کتاب ''الانواع والتقاسیم'' میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا اور اس کو صحیح قرار دیا۔

ابن جوزی نے اس حدیث کی مخالفت کرتے ہوئے اسے موضوعات میں شمار کیا اور اس کے راوی ابراہیم بن ہشام کو تہمت زدہ قرار دیا۔

حافظ ابن کثیر نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ متعدد ائمہ جرح وتعدیل نے اس حدیث کی وجہ سے اس راوی (ابراہیم) کے بارے میں گفتگو کی ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حضرت ابویعلیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میرے بھائیوں انبیاء کرام میں سے آٹھ ہزار نبی گزر چکے ہیں پھر حضرت عیسیٰ بن مریم تھے پھر میں ہوا اور وہ جن کے نام لے کر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا۔ وہ حضرت آدم' حضرت ادریس' حضرت نوح' حضرت ہود' حضرت صالح' حضرت ابراہیم' حضرت لوط' حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق' حضرت یعقوب' حضرت یوسف' حضرت شعیب' حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت یونس' حضرت داؤد' حضرت سلیمان' حضرت الیاس' حضرت الیسع' حضرت زکریا' حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہیں اسی طرح بہت سے مفسرین کے نزدیک حضرت ذوالکفل علیہ السلام بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ورفعنا لک ذکرک

ارشاد خداوندی ہے:

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ. (اے محبوب!) ہم نے آپ کے لئے آپ کے ذکر کو بلند کیا۔

ابن جریر نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا بے شک میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے کیا آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ کے ذکر کو کیسے بلند کیا؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِذَا ذُکِرتُ ذُکِرتَ مَعِیَ. جب میرا ذکر ہوگا تو میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر ہوگا۔

(موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۷۷۲ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۴ تفسیر طبری ج ۳۰ ص ۱۵۱ تفسیر ابن کثیر ج ۸ ص ۴۵۲)

اس حدیث کو امام طبرانی نے ذکر کیا اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا۔

ہم نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں ہمیں ابن عیینہ نے حضرت ابن ابی نجیح سے (روایت کرتے ہوئے) خبر دی کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ کے ذکر کے بغیر میرا ذکر نہیں ہوگا۔ ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ''۔

امام شافعی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے لیکن اس سے مراد اللہ تعالیٰ پر ایمان کے وقت اور اذان کے وقت آپ کا ذکر مراد ہے وہ فرماتے ہیں یہ بھی احتمال ہے کہ تلاوتِ قرآن کے وقت اور نیکی کرتے اور برائی سے بچتے وقت آپ کا ذکر مراد ہو (یعنی اس کے دل میں خیال ہوتا ہے کہ میں حضور علیہ السلام کی تبلیغ کی وجہ سے ایسا کرتا ہوں)۔

ایک قول یہ ہے کہ نبوت کے ذریعے آپ کے ذکر کو بلند کیا گیا یہ بات یحییٰ بن آدم نے کہی ہے۔

حضرت ابن عطا فرماتے ہیں (اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا) میں نے آپ کو اپنے ذکر میں سے قرار دیا پس جو آپ کا ذکر کرے گا اس نے میرا ذکر کیا۔

ان ہی سے مروی ہے کہ میں نے آپ کے ساتھ اپنے ذکر کو تکمیل ایمان قرار دیا (یعنی میرا اور آپ کا (دونوں کا) ذکر ہوگا تو ایمان مکمل ہوگا)۔

حضرت امام جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کوئی شخص رسالت کے ساتھ آپ کا ذکر نہیں کرے گا مگر اس نے ربوبیّت کے ساتھ میرا ذکر کیا۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے بڑی بلندی کیا ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلمۂ شہادت میں آپ کے اسم گرامی کو اپنے اسم مبارک کے ساتھ ملایا اور آپ کی اطاعت کو اپنی فرمانبرداری قرار دیا قرآن مجید کی یہ آیت اس طرف اشارہ کرتی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. جس نے رسول اللہ ﷺ کا حکم مانا اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔

اور فرمایا:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ. اللہ اور اس کا رسول اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ یہ لوگ ان کو راضی کریں۔

اور فرمایا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ. اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم مانے۔

نیز فرمایا:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ. اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں آپ کے ذکر کو بلند کیا پس کوئی خطیب اور تشہد پڑھنے والا نیز کوئی نمازی نہیں مگر وہ کہتا ہے۔

''اشھد ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا عبدہ و رسولہ'' تو شہادت اور تشہد دونوں میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور علیہ السلام کا بھی ذکر ہے اور وہ قرآن مجید میں، خطبات میں اور اذان میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ حضور علیہ السلام کے ذکر کا بھی اقرار کرتے ہیں اور قیامت کے دن آپ کے نام کے ساتھ اذان دی جائے گی۔

ابونعیم نے ''الحلیہ میں'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اترے تو ان کو اجنبیت محسوس ہوئی پس حضرت جبریل علیہ السلام نے اتر کر یوں اذان دی۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ (دو مرتبہ) اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (دو مرتبہ) اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (دو مرتبہ)۔

نبی اکرم ﷺ کا اسم مبارک عرش اور تمام آسمانوں پر لکھا گیا نیز جنتوں اور جو کچھ ان میں سے ہے سب پر لکھا گیا۔

حضرت بزار رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا (کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا) جب مجھے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو میں جس آسمان سے گزرا وہاں اپنا نام (یوں) لکھا ہوا پایا ''محمد رسول اللہ'' ''الحلیہ میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جنت میں کوئی ایسا درخت نہیں جس پر پتہ ہو مگر اس پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا ہے۔

طبرانی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے جس میں ہے کہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی پر ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' لکھا ہوا تھا حافظ ابن رجب (ابوالفرج عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب حافظ الحدیث ہیں۔ متوفی ۷۹۵ھ) (الاعلام ج۳ص۲۹۵، شذرات الذہب ج۶ص۳۳۹، الدرر الکامنہ ج۲ص۳۲۱) نے ''احکام الخواتیم'' کتاب میں اسے ابوعلی الخالدی کی جزء کی طرف منسوب کیا اور کہا کہ یہ موضوع ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے اسم گرامی کو اپنے اسم سے مشتق کیا ہے جیسا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وشق من اسمه ليجله ۔۔۔ فذو العرش محمود وهذا محمد

''اللہ تعالیٰ نے آپ کے اسم مبارک کو اپنے نام سے مشتق کیا تا کہ اسے روشن کرے پس عرش والا محمود ہے اور یہ محمد ہیں''۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنیٰ میں سے ستر اسماء کے مطابق نبی اکرم ﷺ کا نام رکھا جیسا کہ آپ کے اسماء مبارکہ کے ذکر میں بیان ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے آپ پر درود شریف پڑھا اور مومنوں کو بھی درود شریف پڑھنے کا حکم دیا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاO (الاحزاب:۵۶)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجو۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خبر دی کہ آسمانوں میں اس کے نبی کی کیا قدر و منزلت ہے کہ مقرب فرشتوں کے سامنے آپ کی تعریف کی جاتی ہے اور فرشتے بھی آپ پر درود پڑھتے ہیں۔ پھر زمین والوں کو آپ پر درود شریف اور سلام پڑھنے کا حکم دیا پس آسمانوں اور زمین والوں (دونوں) کی طرف سے آپ کی تعریف جمع ہو گئی۔

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس وقت نبی لکھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے آپ پر نبوت و رسالت کا اختتام فرمایا اور آپ کے مبارک ذکر کا پہلوں اور پچھلوں میں اعلان فرمایا۔

اور آپ کے عالی شان مرتبہ کو اس وقت بلند کیا جب تمام انبیاء کرام سے وعدہ لیا اور آپ کے ذکر کو رسائل کے آغاز و اختتام میں رکھا اور اس ذکر کے ذریعے منبروں پر فصیح و بلیغ خطباء کو شرف بخشا نیز آپ کے ذکر کے ساتھ قلم اور دوات والوں کو زینت عطا فرمائی آپ کے ذکر کو مشرق و مغرب اور خشکی اور تری میں پھیلایا حتیٰ کہ آسمانوں میں اور مقام مستوی میں اور جہاں تقدیر لکھنے والی قلموں کی آواز آتی ہے عرش و کرسی، تمام مقرب فرشتوں میں جو آسمانوں میں ہیں یا زمین پر سب میں آپ کے ذکر کو جاری کیا۔

مؤمنوں کے دلوں میں آپ کی یاد کو اس طرح رکھا کہ وہ آپ کے ذکر سے لذت پاتے ہیں اور ان کی ارواح کو راحت حاصل ہوتی ہے اور بعض اوقات آپ کے اسم گرامی کو سن کر ان کے جسم مضطرب ہو جاتے ہیں کہا گیا:

واذا ذکرتکم امیل کاننی من طیب ذکر کم سقیت الراحا

''اور جب میں تمہارا ذکر کرتا ہوں تو جھومنے لگتا ہوں گویا میں تمہارے ذکر کی شراب پلایا گیا ہوں''۔

گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں آپ کی پیروی کرنے والوں سے تمام کائنات کو بھر دوں گا سب لوگ آپ کی تعریف کریں گے آپ پر درود شریف پڑھیں گے اور آپ کی سنت کی حفاظت کریں گے بلکہ ہر فرض نماز کے ساتھ سنت نماز بھی ہے پس وہ فرض کی ادائیگی میں میرے حکم کی اور سنت پڑھتے ہوئے آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔

میں نے اپنی اطاعت کو آپ کی اطاعت اور اپنی بیعت کو آپ کی بیعت قرار دیا پس قراء آپ کے منشور کے الفاظ کی حفاظت کرتے ہیں، مفسرین آپ کے فرقان مجید کے معانی کی تفسیر کرتے ہیں واعظین آپ کے فصیح و بلیغ وعظ کو پہنچاتے ہیں۔ بادشاہ اور سلاطین آپ کی خدمت میں کھڑے دروازے کے باہر سے آپ کو سلام پیش کرتے ہیں اور آپ کے روضہ کی خاک پاک اپنے چہروں پر ملتے ہیں نیز آپ کی شفاعت کی امید رکھتے ہیں پس آپ کا شرف ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔

ما انزلنا علیک القران لتشقٰی

ارشادِ خداوندی ہے:

طٰہٰO مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰیO

ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لئے نازل نہیں کیا کہ

(طٰہٰ:۱۔۲) آپ مشقت میں پڑ جائیں۔

جان لو کہ طٰہٰ کے بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ حروف تہجی میں سے ہے اور دوسرا یہ کہ کلمۂ مفیدہ ہے پہلی صورت میں کہا گیا کہ اس کا معنیٰ ''اے امت کے لئے سفارش کی امید رکھنے والے'' ہے نیز یہ معنیٰ ہے ''اے ملت اسلامیہ کی طرف مخلوق کو بلانے والے''۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ حساب کے اعتبار سے طاء کے نو اور ہاء کے پانچ عدد ہیں پس یہ چودہ عدد ہوئے اور اس کا معنیٰ ہے اے چودھویں کے چاند!

لیکن ان اقوال پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے جیسا کہ محققین نے کہا کہ یہ عجیب تفسیر ہے واسطی نے بھی اسی طرح کہا جسے قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفاء میں'' نقل کیا کہ اس سے مراد اے طاہر اے ہادی! ہے اور جو لوگ اسے کلمۂ مفیدہ کہتے ہیں تو اس میں دو وجہ ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کا معنیٰ ''یا رجل'' (اے مرد) ہے۔

حضرت ابن عباس' حضرت حسن' حضرت مجاہد' حضرت سعید بن جبیر' حضرت قتادہ اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہم سے اسی طرح مروی ہے حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں یہ نبطی زبان کے لفظ ہے حضرت قتادہ اسے سریانی زبان کا لفظ قرار دیتے ہیں حضرت عکرمہ کے نزدیک حبشی زبان کا لفظ ہے۔

امام بیضاوی فرماتے ہیں اگر اس کا معنیٰ ''یا رجل'' صحیح ہو تو شاید اس کی اصل ''یا ھذا'' ہو پس انہوں نے اس کو بدل کر مختصر کر دیا ہو۔

کلبی نے کہا اگر تم عک بن عدنان کی اولاد کی زبان میں ''یا رجل'' کہو تو وہ اسے پسند نہیں کرتے حتیٰ کہ تم طٰہٰ کہو۔

سدی نے کہا طٰہٰ کا معنیٰ ہے ''اے فلاں''۔

زمخشری نے کہا شاید ''عک'' قوم نے ''یا ھذا'' میں تصرف کر کے طٰہٰ بنا دیا گویا وہ اپنی لغت میں یاء کو طاء سے بدلتے ہیں پس انہوں نے کہا ''یا طاء'' پھر اسے مختصر کر کے ''ھاء'' پر اکتفا کیا اور صیغہ کا اثر ظاہر ہے اس شعر میں مخفی نہیں جس کو دلیل بنایا گیا:

ان السفاھۃ طٰہٰ فی خلائقکم لا قدس اللہ اخلاق الملاعین

''اے شخص! بیوقوفی تمہاری فطرت میں پائی جاتی ہے اللہ تعالیٰ مردود لوگوں کے اخلاق پاک نہ کرے (یہاں طٰہٰ کا معنیٰ ''یا رجل'' ہے)''۔

(ابوحیان نے اپنی تفسیر) البحر میں فرمایا کہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ ''عک'' (قوم) کی لغت میں طٰہٰ ''یا رجل'' کے معنیٰ میں ہے پھر ان پر انہوں نے ''یا'' کو ''طا'' سے بدلا اور عربی زبان میں یاء ندائیہ کو طاء سے نہیں بدلا جاتا اسی طرح ندا میں اسم اشارہ کو حذف کیا اور کہا گیا کہ اس کا معنیٰ ''یا انسان'' ہے۔

طٰہٰ ہاء ساکن کے ساتھ بھی پڑھا گیا نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ زمین کو اپنے مبارک قدموں سے روندیں (وطاء یطاء سے امر کا صیغہ ہے)۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ تہجد میں ایک پاؤں پر کھڑے ہوئے تو آپ کو حکم دیا گیا کہ دونوں پاؤں زمین پر اکٹھے رکھیں اصل میں طاء تھا پھر ہمزہ کو ''ہاء'' سے بدل دیا گیا جیسے ''ایاک'' کو ''ھیاک'' پڑھتے ہیں اور

ارقت کو ھرقت پڑھا جاتا ہے۔

اور ہوسکتا ہے اصل میں وطی ہو اور ہمزہ نہ ہو پس اس کی اصل ''طا'' ہوگی یعنی ''یا رجل'' پھر وقف کے لئے ''ھاء'' کو لایا گیا اس بنیاد پر احتمال ہے کہ طٰہٰ کی اصل ''طاھا'' ہو اور الف کو ہمزہ اور ہاء سے بدلا گیا جو زمین سے کنایہ ہے لیکن اس پر اعتراض ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں حرف کی صورت میں لکھے جاتے ہیں۔

اور ارشادِ خداوندی ہے:

مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓىۙ (طٰہٰ:۲) ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لئے نہیں اتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔

اس آیت کے سببِ نزول میں کئی اقوال ذکر کئے ہیں۔

پہلا قول: ابوجہل' ولید بن مغیرہ اور مطعم بن عدی نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ آپ (معاذ اللہ) بدبخت ہیں کہ آپ نے اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ دیا' آپ نے فرمایا مجھے تو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے ان (کفار) کا رد کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی اور نبی اکرم ﷺ کی تعریف فرمائی کہ دین اسلام اور قرآن ہی ہر کامیابی کو پانے کی سیڑھی اور ہر سعادت کو پانے کا ذریعہ ہے اور کافروں کا عقیدہ سراسر بدبختی ہے۔

دوسرا قول: نبی اکرم ﷺ نے رات کے وقت نماز پڑھی حتیٰ کہ آپ کے قدم مبارک پھول گئے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اپنے نفس کو باقی رکھیں کیونکہ اس کا بھی آپ پر حق ہے یعنی ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ اپنے آپ کو عبادت میں ہی مصروف رکھیں اور نفس کو بہت بڑی مشقت میں ڈالیں آپ کو خالص نرم دین کے ساتھ بھیجا گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب آپ رات کے وقت کھڑے ہوتے تو اپنے سینہ اقدس کو رسی سے باندھ لیتے حتیٰ کہ آرام نہ فرماتے بعض نے کہا کہ آپ پوری رات جاگتے رہتے۔

اس پر تنقید کی گئی کہ یہ بات بعید از عقل ہے کیونکہ اگر نبی اکرم ﷺ نے ایسا کوئی کام کیا ہوتا تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا ہوتا اور جب کوئی کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا تو وہ سعادت مندی ہے بدبختی کا باعث نہیں۔

تیسرا قول: بعض حضرات نے کہا اس بات کا احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ آپ ان کفار پر افسوس کرتے ہوئے اپنے آپ کو مشقت اور تکلیف میں نہ ڈالیں۔ ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لئے نازل کیا کہ اس کے ذریعے ایمان والوں کو نصیحت سنائیں پس جو شخص ایمان لایا اور صحیح راستے پر رہا اس کا فائدہ اسے ہی ملے گا اور جس نے کفر کیا اس کے کفر سے آپ غمگین نہ ہوں آپ کے ذمہ تو پہنچا دینا ہے اور اسی طرح جیسے ارشاد فرمایا:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ اَلَّا يَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ‏ (شعراء:۳) تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے غم میں کہ وہ ایمان نہیں لائے۔

اور ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا يَحۡزُنۡكَ كُفۡرُهٗ ؕ (لقمان:۲۳) اور کفر سے آپ غمگین نہ ہوں۔

چوتھا قول: یہ سورت ان سورتوں میں سے ہے جو مکہ مکرمہ میں شروع شروع میں نازل ہوئیں۔ اس وقت آپ اپنے دشمنوں کی زیادتیاں برداشت کر رہے تھے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ یہ خیال نہ کریں کہ اسی حالت پر باقی رہیں گے بلکہ آپ کا دین بلند ہوگا اور آپ کی شان ظاہر ہوگی کیونکہ ہم نے قرآن پاک اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ کی شقاوت کا باعث ہو بلکہ آپ معظم ومکرم ہوں گے اللہ تعالیٰ آپ کی عظمت' کرامت اور شرافت کو زیادہ فرمائے۔

انا اعطینا ک الکوثر

ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ. (کوثر:۱) بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کی۔

امام فخر الدین بن الخطیب نے فرمایا کہ اس سورت میں بہت سے فائدے ہیں ان میں سے ایک یہ کہ یہ سورت پہلی سورتوں کا تتمہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ والضحیٰ میں ہمارے نبی ﷺ کی تعریف اور آپ کے احوال کی تفصیل بیان کی پس اس کے شروع میں تین باتیں ذکر کی ہیں جن کا نبوت سے تعلق ہے اور وہ آیات یہ ہیں:

مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ○ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی ○ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ○ (الضحیٰ:۳۔۵) تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا اور بے شک پچھلی (گھڑی) تمہارے لئے پہلی سے بہتر ہے اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

پھر اسی طرح ایسے تین احوال کے ساتھ اختتام فرمایا جن کا دنیا سے تعلق ہے۔

ارشاد فرمایا:

اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ○ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی ○ وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ○ (الضحیٰ:۶۔۸) کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا پھر جگہ دی اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی اور تمہیں حاجت مند پایا پھر غنی کر دیا۔

''ضالا'' یعنی حکم اور احکام سے آپ بے خبر تھے۔

اس کے بعد سورۂ ''الم نشرح'' میں ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین باتوں کے ساتھ مشرف فرمایا۔ اور وہ اس طرح ہیں:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ○ (الم نشرح:۱) کیا ہم نے آپ کے لئے آپ کا سینہ کھول نہیں دیا۔

یعنی اس قدر کھول دیا کہ حق تعالیٰ سے مناجات اور مخلوق کو دعوت' سب کچھ اس میں سمایا ہوا ہے:

وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ ○ (الم نشرح:۲) اور ہم نے آپ سے آپ کے بوجھ کو اتار دیا۔

اس سے بھاری بوجھ مراد ہے یعنی:

اَلَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ ○ وَرَفَعْنَا لَکَ وہ بوجھ جس نے آپ کی پشت مبارک کو توڑ رکھا اور

ذِکْرَکَ O (الم نشرح: ۳۔۴) ہم نے آپ کے لئے آپ کے ذکر کو بلند کیا۔

اسی طرح ایک ایک سورت میں آپ کا ذکر ہے حتیٰ کہ فرمایا:

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ O (کوثر: ۱) بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کی۔

یعنی ہم نے آپ کو یہ مناقب کثیرہ عطا فرمائے کہ ان میں سے ہر ایک تمام دنیا کی ملکیت سے بہت بڑا ہے پس جب ہم نے آپ کو یہ انعامات عطا کیے تو آپ ہماری اطاعت میں مشغول ہوں اور ان لوگوں کی باتوں کی پرواہ نہ کریں۔

پھر عبادت میں مشغولیت یا نفس و بدن کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ ارشاد خداوندی ''فصل لربک'' ہے اور یا حال کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ ''وانحر'' ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی ''انا عطینک'' میں غور کیجئے کس طرح صیغۂ ماضی کے ساتھ ذکر کیا اور یہ نہیں فرمایا ''سنعطیک'' ہم عنقریب آپ کو عطا کریں گے تا کہ اس بات پر دلالت ہو یہ عطاء زمانہ ماضی میں پائی گئی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد. میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

اس میں شک نہیں کہ جو شخص زمانۂ ماضی میں عزیز ہو اور اس کی رعایت کی جاتی ہو وہ اس سے زیادہ شرف والا ہوتا ہے جسے عنقریب یہ اعزاز ملے گا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اے محمد! آپ کے وجود میں آنے سے پہلے ہم نے آپ کی سعادت کے اسباب تیار کر دیئے تو آپ کے وجود میں آنے اور ہماری عبادت میں مشغول ہونے کے بعد کیا کیفیت ہوگی؟

اے عبد کریم! ہم نے آپ کو یہ فضل عمیم آپ کی عبادت و اطاعت کی وجہ سے نہیں دیا ہم نے محض اپنے فضل اور احسان سے آپ کو مختار بنایا اس کا کوئی سببِ موجب نہیں ہے۔

الکوثر کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف

الکوثر کی تفسیر میں مختلف وجوہ ذکر کی گئی ہیں۔

۱۔ ان میں ایک یہ ہے کہ یہ جنت میں ایک نہر ہے سلف و خلف کے نزدیک یہی بات مشہور ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اس دوران کہ میں جنت میں چل رہا تھا اچانک وہاں ایک نہر کے پاس پہنچا جس کے کناروں پر اندر سے خالی موتیوں کے خیمے تھے میں نے پوچھا اے جبریل علیہ السلام! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا کی ہے اس کا گارا نہایت خوشبودار کستوری کا تھا''۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۴۹۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۵۶۶' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۵۱۷' المغنی ج ۴ ص ۵۱۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۹۱۳۳)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ کوثر سے آپ کی اولاد مراد ہے کیونکہ یہ سورت ان لوگوں کے رد میں نازل ہوئی جو آپ کو اولاد نہ ہونے کا عیب لگاتے تھے اس بنیاد پر معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایسی نسل عطا کرے جو زمانہ گزرنے کے بعد بھی باقی

رہیں گے تو دیکھئے اہل بیت میں سے کتنے لوگ شہید ہوئے پھر یہ کائنات ان سے بھری پڑی ہے دوسرے انبیاء کرام کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہے۔

ایک قول کے مطابق کوثر سے خیر کثیر مراد ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبوت مراد ہے اور وہ خیر کثیر ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس سے آپ کی امت کے علماء مراد ہیں ایک قول کے مطابق کوثر سے اسلام مراد ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں خیر کثیر ہیں پس علماء کرام' انبیاء عظام کے وارث ہیں جیسا کہ امام احمد' ابو داؤد اور ترمذی رحمہم اللہ نے اسے روایت کیا ہے۔

اور یہ حدیث کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔ تو اس کے بارے میں حافظ ابن حجر اور ان سے پہلے الدمیری اور زرکشی نے فرمایا کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔

ابو نعیم نے پاکدامن عالم کی فضیلت میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اقرب الناس من درجة النبوة اهل العلم والجهاد. لوگوں میں سے درجۂ نبوت کے زیادہ قریب علماء اور مجاہدین ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ کوثر سے علم مراد ہے اور اس معنیٰ پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے جس کی چند وجوہ ہیں۔ ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ علم ہی خیر کثیر ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ کوثر کو آخرت کی نعمتوں پر محمول کیا جائے گا یا دنیا کی نعمتوں پر؟ وہ فرماتے ہین پہلی صورت جائز نہیں کیونکہ فرمایا ہم نے آپ کو کوثر عطا کی اور جنت بعد میں عطا ہوگی عطا ہوئی نہیں پس کوثر سے وہ نعمتیں مراد ہوں گی جو آپ کو دنیا میں حاصل ہوئیں اور دنیا میں جو کچھ آپ تک پہنچا ان میں سے سب سے زیادہ شرف والی چیز علم اور نبوت ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''انا اعطیناک الکوثر'' فرمانے کے بعد فرمایا ''فصل لربک وانحر'' اور عبادت سے پہلے صرف معرفت ہوتی ہے اور ''فصل'' میں فاء تعقیب کے لئے ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ عبادت کا موجب صرف علم ہے۔

یہ بھی کہا کہ کوثر سے اچھے اخلاق مراد ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے:

ذهب حسن الخلق بخير الدنيا والاخرة. دنیا اور آخرت کی بہتر شخصیت کے ساتھ اچھا اخلاق چلا گیا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو جتنی نعمتیں عطا کی ہیں کوثر سے وہی مراد ہیں خلاصہ کلام یہ ہے کہ آیت سے بعض نعمتیں مراد لینا اور باقی کو چھوڑ دینا بہتر نہیں پس تمام نعمتوں پر محمول کرنا واجب ہے۔

اسی لئے مروی ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول روایت کیا تو بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ لوگوں کے خیال میں اس سے جنت کی ایک نہر مراد ہے حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا

وہ نہر جو جنت میں ہے اسی خیر میں سے ہے جو (خیر) اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے۔

امام فخر الدین بن الخطیب نے کہا کہ بعض علماء کرام فرماتے ہیں "انا اعطیناک الکوثر" کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ کوثر عطا کر دی ہے تو لازم ہے کہ اس کا سب سے قریبی محمول نبوت' قرآن' ذکر عظیم اور دشمنوں کے خلاف مدد ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرحمت فرمائی جہاں تک حوض کوثر اور اس ثواب کا تعلق ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تو اگرچہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بھی کوثر میں داخل ہے کیونکہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق ثابت ہو وہ واقع ہونے والی چیز کی طرح ہے لیکن حقیقت وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کی ہے اگرچہ یہ سب کچھ آپ کے لئے تیار کیا گیا لیکن حقیقتاً یہ کہنا کہ آپ کو اس سورت کے مکہ مکرمہ میں نازل ہوتے وقت حوض کوثر عطا کر دیا گیا تھا' صحیح نہیں۔

ہاں یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ جو شخص اپنے چھوٹے بچے کے لئے کسی چیز کا اقرار کرے تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس نے اسے فلاں چیز دی ہے حالانکہ اس وقت بچہ تصرف کا اہل نہیں ہوتا۔

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ کو ہلکی سی اونگھ آ گئی پھر تبسم فرماتے ہوئے سر انور اٹھایا ہم نے کہا (یا رسول اللہ) مسکرانے کی وجہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو مسکراتا ہوا رکھے آپ نے فرمایا ابھی ابھی مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی پھر آپ نے پڑھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے
اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ O فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ O اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ O (کوثر: ۱۔۳)	بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں تو تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو بے شک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے۔

پھر فرمایا جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا وہ ایک نہر ہے جس کا مجھ سے میرے رب نے وعدہ کیا ہے اس پر بہت بھلائی ہے اور وہ حوض ہے جس پر قیامت کے دن میری امت آئے گی اس کے برتن ستاروں کی تعداد کے مطابق ہیں ان میں سے ایک بندے کو دور کر دیا جائے گا تو میں کہوں گا اے میرے رب! یہ میری امت میں سے ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا آپ نہیں جانتے کہ اس نے آپ کے بعد کیا راستہ اختیار کیا۔[1]

(سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۱۔ ج ۲ ص ۱۳۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۸۴' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۴۲)

تو یہ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے واضح تفسیر ہے کہ یہاں کوثر سے حوض مراد ہے اور یہ احتمال زیادہ مناسب ہے اور یہی مشہور ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

پس وہ ذات پاک ہے جس نے نبی اکرم ﷺ کو یہ عظیم فضائل عطا فرمائے اور ان عمومی خصائل سے آپ کو مشرف فرمایا اور یہ بڑی بڑی نعمتیں عطا فرما کر آپ کو اپنا قرب عطا فرمایا۔

---

[1] مرتدین کا حوض کوثر پر آنا اور حضور علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے سوال و جواب اس وجہ سے ہوگا کہ ان کو زیادہ حسرت پیدا ہو۔

(زرقانی ج ۶ ص ۱۶۰)

خطاب کے ذریعے نبی اکرم ﷺ کی تکریم

اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ اس نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے ذاتی ناموں سے پکارا مثلاً فرمایا:

يَآ اٰدَمُ اسْكُنْ. (البقرہ:۳۵) اے آدم (علیہ السلام) (آپ اور آپ کی بیوی) جنت میں رہیں۔

يَا نُوْحُ اهْبِطْ. (ھود:۴۸) اے نوح (علیہ السلام) آپ اتریں۔

يَا مُوْسٰىٓ اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ (القصص:۳۰) اے موسیٰ (علیہ السلام) بے شک میں ہی اللہ ہوں۔

يَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ. (المائدہ:۱۱۰) اے عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) اپنے اوپر میری نعمت کو یاد کریں۔

لیکن ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کو غیب کی خبر (نبوت) دینے اور رسالت کے مبارک وصف کے ساتھ پکارا۔

ارشاد فرمایا: يَآ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ (اے رسول) يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ (اے نبی) اللہ تعالیٰ شاعر کو جزائے خیر دے کیا خوب کہا:

فدعا جميع الرسل كلا باسمه ودعاک وحدک بالرسول وبالنبی

"تمام رسولوں کو ان کے نام لے کر پکارا لیکن صرف آپ کو رسول اور نبی کہہ کر پکارا"۔

شیخ عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ سردار جب اپنے کسی غلام کو اس کے عمدہ اور اعلیٰ اوصاف سے پکارے اور دوسرے غلاموں کو ان کے ذاتی ناموں کے ساتھ پکارے کسی وصف یا کسی اچھی عادت کے حوالے سے نہ پکارے تو جس کو اس کے اچھے ناموں اور اوصاف سے پکارا وہ اس سے افضل ہوتا ہے جسے وہ محض نام سے پکارتا ہے اور یہ بات عرف عام میں معلوم ہے کہ جس کو اس کے افضل اوصاف واخلاق سے پکارا جائے تو یہ اس کی تعظیم اور احترام میں مبالغہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں غور کیجئے۔ فرمایا:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً. (البقرہ:۳۰) اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں۔

تو اس میں لفظ "رب" کا ذکر اور اس کی نبی اکرم ﷺ کی طرف اضافت ہے اور خطاب میں آپ کے شرف واختصاص پر تنبیہ ہے اور اس میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ خطاب کے ساتھ جس کی طرف توجہ کی جائے اس کے لئے بہت بڑا حصہ ہوتا ہے اور جن جن کے بارے میں خبر دی ہے آپ کے لئے ان سب سے زیادہ حصہ رکھا گیا کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اعظم ہیں۔

کیا تم نبی کریم ﷺ کی رسالت ودعوت کا عموم نہیں دیکھتے اور آپ کو تمام انبیاء کرام سے افضل بنایا شب معراج آپ کو ان سب کی امامت کا شرف عطا فرمایا اور قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ سب کو آپ کے جھنڈے کے نیچے رکھے گا۔ پس آپ زمین وآسمان اور دارالعمل نیز دارالجزاء ہر جگہ مقدم ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ کتاب عزیز میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ آپ کا رتبہ بلند، قدر ومنزلت عظیم، منصب عالی اور

ذکر رفیع ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ احترام واکرام کے انتہائی درجات پر فائز ہیں اور اللہ تعالیٰ نے عتاب سے پہلے آپ کے لئے عفو ودرگزر اور نرمی کا ذکر فرمایا یہ بات آپ کی عظمت شان کے لئے کافی ہے۔ ارشاد فرمایا:

عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ۔ (التوبہ:۴۳) اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے آپ نے ان کو اجازت کیوں دی۔ [1]

آپ کی تعظیم کے طور پر تمام انبیاء کرام سے پہلے آپ کا ذکر کیا حالانکہ آپ کی نبوت کا زمانہ سب سے آخری ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَمِنْکَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرَاھِیْمَ وَ مُوْسٰی وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ۔ (الاحزاب:۷) اور آپ سے اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہم السلام) سے عہد لیا۔

اور یہ خبر بھی دی کہ جہنمی آپ کی اطاعت کی تمنا کریں گے۔

ارشاد فرمایا:

یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْھُھُمْ فِی النَّارِ یَقُوْلُوْنَ یٰلَیْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰہَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَاO (الاحزاب:۶۶) جس دن ان کے منہ الٹ الٹ کر آگ میں تلے جائیں گے کہتے ہوں گے ہائے کسی طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا۔

(تو نبی اکرم ﷺ کے فضائل وکمالات) ایک ایسا سمندر ہے جو کم نہیں ہوتا اور ایسی بارش جو کثرت کی وجہ سے شمار میں نہیں آسکتی۔

دوسری نوع

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل واحسان سے انبیاء کرام سے پکا وعدہ کیا اگر وہ نبی اکرم ﷺ کا زمانہ پائیں تو آپ پر ضرور بضرور ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں۔ (الشفاء ج ۱ ص ۴۳)

ارشادِ خداوندی ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ۔ (آل عمران:۸۱) اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس نے ہر اس نبی سے وعدہ لیا جس کو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی اکرم ﷺ تک مبعوث فرمایا کہ وہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں۔ یہ بات حضرت حسن' حضرت طاؤس اور حضرت قتادہ رحمہم اللہ نے

---

[1] نبی اکرم ﷺ پر نرمی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اور یہ خبر ہے اس کا معنیٰ یہ ہے کہ کوئی مؤاخذہ نہیں یہ مطلب نہیں کہ یہ اجازت دینا گناہ ہے (اور اب اس کی معافی دی جا رہی)۔ (زرقانی ج ۶ ص ۱۶۲)

فرمائی ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اور ان کی امتوں سے وعدہ لیا اور امتوں کے ذکر کی ضرورت نہ تھی (اس لئے ان کا ذکر نہ فرمایا)۔

حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا اس سے وعدہ لیا کہ اگر ان کی زندگی میں حضرت محمد ﷺ کو بھیجا جائے تو وہ ضرور بضرور آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں۔

حضرت قتادہ' حضرت حسن اور حضرت طاؤس رحمہم اللہ نے جو کچھ فرمایا وہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے قول کے خلاف نہیں اور نہ ہی اس کی نفی کرتا ہے بلکہ یہ اس کو لازم ہے اور اس کا تقاضا کرتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں سے وعدہ لیتے تھے کہ جب حضرت محمد ﷺ کو مبعوث کیا جائے تو وہ آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی مدد کریں گے اس قول کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن سے وعدہ لیا ان پر واجب تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت آپ پر ایمان لائیں اور انبیاء کرام آپ کی بعثت کے وقت دنیا سے پردہ فرما چکے تھے اور فوت ہونے والا مکلف نہیں ہوتا پس یہ بات متعین ہوگئی کہ وعدہ امتوں سے لیا گیا تھا۔

وہ فرماتے ہیں اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ جن سے وعدہ لیا گیا ہے اگر وہ اس سے پھر جائیں تو وہ فاسق ہوں گے اور یہ وصف انبیاء کرام کے لائق نہیں بلکہ امتوں کے لائق ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اگر انبیاء کرام (ظاہری زندگی کے ساتھ) زندہ ہوتے تو نبی اکرم ﷺ پر ایمان لاتے۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ. (الزمر: ٦٥)

اگر تم شرک کرو گے تو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ آپ کبھی شرک نہیں کریں گے لیکن یہ کلام فرض کرنے کے طور پر ہے۔

اور ارشاد خداوندی:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ○ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ○ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ○ (الحاقہ: ۴۴-۴۶)

اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے ضرور ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے پھر ان کی رگ دل کاٹ دیتے۔

اور فرشتوں کے بارے میں فرمایا:

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ. (الانبیاء: ۲۹)

اور ان میں سے جو فرشتہ یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود ہوں تو ہم اس کا بدلہ جہنم دیں گے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یوں خبر دی:

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ. (الانبیاء: ۲۷)

بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے۔

اور یہ بھی فرمایا:

يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ. (النحل:۵۰) اپنے اوپر اپنے رب کا خوف کرتے ہیں۔

تو یہ سب کچھ اس بنیاد پر ہے کہ اگر ایسا فرض کیا جائے اور جب یہ آیت یوں نازل ہوتی کہ تمام انبیاء کرام پر واجب فرمایا کہ وہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائیں اگر وہ زندہ ہوں اور اگر وہ اس پر عمل کو ترک کریں گے تو فاسقوں میں شمار ہوں گے تو ان کی امتوں پر بدرجۂ اولیٰ واجب ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر ایمان لائیں تو اس وعدہ کو انبیاء کرام کی طرف پھیرنا مقصود کے حصول میں زیادہ قوی ہے۔

امام سبکی نے (اپنے چھوٹے سے رسالہ ''التعظیم والمنة فی لیومنن به ولتنصرنه ''میں) اس آیت کے ضمن میں ذکر کیا کہ اگر فرض کیا جائے کہ آپ ان کے زمانے میں تشریف لاتے تو آپ ان کی طرف بھی رسول ہوتے پس آپ کی نبوت ورسالت تمام مخلوق کے لئے عمومی ہے اور وہ آدم علیہ السلام کے زمانے سے قیامت تک کے لئے ہے۔ اور انبیاء کرام اور ان کی امتیں سب آپ کی امت ہیں اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی:

بعثت الی الناس کافة. مجھے تمام لوگوں کی طرف کفایت کرنے والا بنا کر بھیجا گیا۔

یہ صرف آپ کے زمانے کے لوگوں سے متعلق نہیں جو قیامت تک ہوں گے بلکہ پہلے لوگوں کو بھی شامل ہے اور انبیاء کرام سے وعدہ اس لئے لیا کہ آپ کا ان پر مقدم ہونا معلوم ہو جائے نیز یہ کہ آپ ان کے بھی نبی اور رسول ہیں اور وعدہ لینا جو حلف لینے کے معنیٰ میں ہے اسی لئے ''لتومنن به ولتنصرنه ''میں لام قسم داخل ہے' ایک لطیف بات ہے وہ یہ کہ گویا بیعت کی قسم ہے جو خلفاء سے لی جاتی ہے اور شاید خلفاء سے قسم لینا اسی آیت سے ماخوذ ہو۔

تو دیکھو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم ﷺ کی کتنی بڑی تعظیم پائی گئی جب یہ بات معلوم ہوئی تو نبی اکرم ﷺ تمام نبیوں کے امام ہوئے اسی لئے یہ بات قیامت کے دن اس وقت ظاہر ہوگی جب تمام انبیاء کرام آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور دنیا میں اس وقت اس کا ظہور ہوا جب شبِ معراج آپ نے ان کو نماز پڑھائی۔

اور اگر آپ حضرت آدم' حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے زمانے میں تشریف لاتے تو ان پر اور ان کی امتوں پر آپ کی اتباع اور آپ پر ایمان لانا اور آپ کی مدد کرنا واجب ہوتا اور ان سے یہی وعدہ لیا گیا۔

تو نبی اکرم ﷺ کی ان پر نبوت ورسالت کا ایک ایسا معنیٰ ہے جو ان کو ان کی زندگیوں میں حاصل ہوا لیکن وہ اس بات پر موقوف تھا کہ وہ سب آپ کے ساتھ جمع ہوں تو یہ امر ان کے وجود تک مؤخر رہا یہ بات نہیں کہ اس کے تقاضے سے وہ موصوف نہ تھے۔

تو فعل کا محل کی قبولیت پر موقوف ہونا اور فاعل کی اہلیت پر موقوف ہونا دونوں میں فرق ہے تو یہاں فاعل کی جہت سے موقوف نہیں اور نہ ہی نبی اکرم ﷺ کی ذات شریفہ کی جہت سے' بلکہ اس کا توقف اس زمانے کے پائے جانے کی وجہ سے تھا جس میں اس کی تعمیل ہوئی پس اگر ان انبیاء کرام کے زمانے میں آپ کا آنا پایا جاتا تو ان پر آپ کی اتباع لازم

ہوتی اور اس میں کوئی شک نہیں۔ اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانے میں نبی اکرم ﷺ کی شریعت کے مطابق آئیں گے جب کہ وہ معزز و محترم نبی ہوں گے جس طرح بعض لوگوں نے گمان کیا کہ آپ اس امت کے فرد کی حیثیت سے تشریف لائیں گے ایسا نہیں ہوگا ہاں اس اعتبار سے وہ اس امت میں ایک فرد ہوں گے کہ نبی اکرم ﷺ کی اتباع کرنے والوں سے ہوں گے اور وہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کی شریعت یعنی قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ کریں گے اور تمام اوامر ونواہی کے ساتھ آپ کا تعلق اسی طرح ہوگا جس طرح تمام امت کا تعلق ہے لیکن آپ کی نبوت میں کوئی فرق نہیں آئے گا بلکہ آپ اسی طرح کریم نبی ہوں گے۔

اسی طرح اگر حضور علیہ السلام کو ان کے زمانے میں یا حضرت موسیٰ یا حضرت ابراہیم یا حضرت نوح و آدم علیہم السلام کے زمانے میں بھیجا جاتا تو وہ اسی طرح اپنی امتوں کی طرف نبی اور رسول ہوتے اور نبی کریم ﷺ ان سب پر نبی اور ان سب کی طرف رسول ہوتے پس آپ کی نبوت عمومی سب کو شامل اور سب سے بڑی نبوت ہے اور شرعی اصول میں آپ کی نبوت ان کی نبوتوں سے متفق ہے کوئی اختلاف نہیں لیکن جن فروع میں اختلاف ہو سکتا ہے ان میں آپ کی شریعت مقدم ہے یا تو تخصیص کے طریقے پر یعنی آپ کی خصوصیت سے یا نسخ کے طریقے پر کہ پہلے احکام منسوخ ہو گئے یا نسخ اور تخصیص نہیں بلکہ آپ کی شریعت اس وقت ان امتوں کی نسبت سے وہ ہوگی جو ان کے انبیاء کرام لے کر آئے اور اس امت کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس وقت یہ شریعت ہے اور اشخاص و اوقات کی تبدیلی سے احکام تبدیل ہو جاتے ہیں اس سے ہمارے لئے دو حدیثوں کا وہ معنیٰ واضح ہو گیا جو ہم سے پوشیدہ تھا۔

ایک حدیث یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

بعثت الی الناس کافة. مجھے سب لوگوں کی طرف کفایت کرنے والا بھیجا گیا۔

ہمارا خیال یہ تھا کہ ہمارے زمانے سے قیامت تک مراد ہے لیکن ظاہر ہوا کہ آپ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے ان کے پہلے سے لے کر آخری تک کے لئے۔

اور دوسری حدیث یہ ہے:

کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد. میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

ہمارا خیال تھا کہ علم کے اعتبار سے یہ بات ہے لیکن واضح ہوا کہ اس سے زائد بات ہے اور دونوں حالتیں جدا ہیں آپ کے جسم اقدس کے وجود میں آنے سے چالیس سال کی عمر کو پہنچنے تک اور اس سے پہلے کے وقت میں جب ان لوگوں کی طرف نسبت کی جائے جن کی طرف آپ کو مبعوث کیا گیا اور وہ آپ کے کلام کو سننے کے اہل ہوئے آپ کی طرف اور ان لوگوں کی طرف نسبت کے اعتبار سے نہیں اگر وہ اس سے پہلے اس کے اہل ہو جائیں اور احکام کا شرائط سے معلق ہونا بعض اوقات قبول کرنے والے محل کے اعتبار سے ہوتا ہے اور کبھی تصرف کرنے والے فاعل کے اعتبار سے اور یہاں تعلیق قبول کرنے والے محل کے اعتبار سے ہے اور محل وہ لوگ ہیں جن کی طرف آپ مبعوث ہوئے اور ان کا خطاب کی سماعت کو

قبول کرنا ہے اور وہ جسم مبارک جو اپنی زبان سے ان کو خطاب کرے۔

یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی باپ اپنی بیٹی کا نکاح کر کے دینے کے لئے کسی کو وکیل بنائے کہ جب کوئی ہم پلہ مل جائے تو وہ نکاح کر کے دے تو یہ وکیل بنانا صحیح ہوگا اور یہ شخص وکالت کا اہل ہوگا اور اس کی وکالت ثابت ہوگی اور بعض اوقات تصرف، کفو (ہم پلہ رشتے) کے پائے جانے تک موقوف رہتا ہے اور کفو ایک مدت کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ بات وکالت کی صحت اور وکیل کی اہلیت میں نقصان پیدا نہیں کرتی۔

تیسری نوع

نبی اکرم ﷺ کا وصف شہادت سے موصوف ہونا اور آپ کی رسالت کی شہادت [1]

وابعث فیهم رسولا منهم

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا کلام نقل کیا کہ انہوں نے بیت اللہ شریف تعمیر کرتے وقت دعا مانگی:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ O رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ O رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَیُزَکِّیْهِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ O (البقرہ: ۱۲۷۔۱۲۹)

اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما بے شک تو سننے جاننے والا ہے اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنے لئے جھکنے والا بنا دے اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت جو تیرے سامنے جھکنے والی ہو اور ہمیں ہماری عبادت کے طریقے دکھا اور ہماری توبہ قبول فرما بیشک تو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اے ہمارے رب! ان میں ایک رسول ان ہی میں سے بھیج دے جو ان پر تیری آیات تلاوت کرے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک کرے بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی دعا کو قبول کیا اور اہل مکہ میں ان ہی میں سے ایک رسول اس صفت سے موصوف بھیجا جس کا تعلق حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہے جنہوں نے اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہمراہ یہ دعا مانگی تھی۔

سوال: یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی کہ یہاں رسول سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں؟

[1] (المصدر السابق ج ۱ ص ۴۳)

جواب: اس کا جواب کئی طریقوں پر ہے۔

(۱) اس پر مفسرین کا اجماع ہے اور یہ حجت ہے۔

(۲) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا دعوۃ ابی ابراھیم و بشارۃ عیسی. میں اپنے باپ (جد امجد) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۱۳۹۔ ج ۵ ص ۲۰۷' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۶۹' طبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۳۳۔ ۳۱۸۸۹' تاریخ دمشق ج ۱ ص ۳۹)

مفسرین فرماتے ہیں دعا سے یہی آیت مراد ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت سورۃ ''الصف'' میں یوں مذکور ہے:

وَ مُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ. (الصف:۶) اور میں ایک رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا اسم گرامی احمد ہے۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا مکہ مکرمہ میں اپنی اولاد کے لئے مانگی تھی جو مکہ مکرمہ اور اس کے ارد گرد تھی اور اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ والوں کی طرف حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے علاوہ کسی کو نہیں بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے اس نبی ﷺ کو اس صفت پر بھیج کر مومنوں پر احسان فرمایا۔ ارشاد خداوندی ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ. (آل عمران:۱۶۴) بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان فرمایا جب ان میں ایک رسول ان ہی میں سے بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی رسالت سے بڑا احسان نہیں فرمایا کیونکہ آپ حق کی طرف اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں اور اس امت کی طرف آپ کا بھیجنا اس امت پر سب سے بڑی نعمت ہے کیونکہ آپ کی ذات پاک ایسی نعمت ہے جس سے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں مکمل ہوئیں اور آپ کے سبب سے اللہ تعالیٰ کا وہ دین پایۂ تکمیل کو پہنچا جس کو اس نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی ''من انفسھم'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ (ظاہر میں) ان کی طرح انسان ہیں اور وحی کی ذریعے ممتاز ہیں بعض شاذ قرأتوں میں ''من انفسھم'' فاء پر فتح (زبر) کے ساتھ بھی پڑھا گیا یعنی سب سے زیادہ مشرف ومکرم ذات۔ کیونکہ آپ بنو ہاشم سے ہیں اور بنو ہاشم (باقی) قریش سے افضل ہیں' قریش تمام عربوں سے اور عرب اپنے غیر سے افضل ہیں۔

پھر کہا گیا کہ لفظ ''مومنین'' عام ہے اور اس کا معنیٰ عرب میں خاص ہے کیونکہ عرب کے ہر قبیلے میں آپ کا نسب موجود ہے [۱] اور مومنوں کو ذکر کے ساتھ خاص کیا کیونکہ وہی آپ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں پس ان پر احسان بھی بہت بڑا ہے۔

[۱] یعنی دادا یا دادی کے حوالے سے آپ کا نسب موجود ہے بغوی نے کہا کہ بنو تغلب کے علاوہ عرب کے ہر قبیلے میں آپ کا نسب شریف پایا جاتا ہے۔ (زرقانی ج ۶ ص ۱۶۸)

سوال: کیا آپ کی بشریت اور عربی ہونے کا علم صحتِ ایمان کے لئے شرط ہے یا فرض کفایہ ہے؟
جواب: شیخ ولی الدین عراقی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یوں دیا کہ ایمان کے صحیح ہونے کے لئے یہ بات شرط ہے وہ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص کہے کہ میں ایمان رکھتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ کو تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا لیکن میں نہیں جانتا کہ آپ انسانوں میں سے ہیں یا فرشتوں میں سے یا جنوں میں سے؟ یا مجھے اس بات کا علم نہیں کہ آپ عربی ہیں یا عجمی؟ تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں کیونکہ وہ قرآن مجید کو جھٹلاتا ہے۔

اور اس بات کا انکار کرتا ہے جو اسلام کے مختلف ادوار میں بزرگوں سے منتقل ہو کر آتی رہی اور خاص و عام کے ہاں معلوم ہے اور مجھے اس میں کوئی اختلاف معلوم نہیں اور اگر کوئی شخص کند ذہن ہو جو اس کی معرفت نہ رکھتا ہو تو اس کو اس کی تعلیم دینا ضروری ہے اس کے بعد بھی وہ انکار کرے تو اس پر کفر کا حکم لگائیں گے۔

سوال: کیا اب بھی آپ اپنی رسالت پر باقی ہیں؟
جواب: ابوالمعین النفسی (میمون بن محمد بن سعید نفسی حنفی رحمہ اللہ) نے جواب دیا کہ حضرت ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ اب بھی رسالت کے حکم میں ہیں اور کسی چیز کا حکم اصل چیز کے قائم مقام ہوتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ عدت' احکام نکاح پر دلالت کرتی ہے۔ (الاعلام ج ۷ ص ۳۴۱' معجم المطبوعات ص ۱۸۵۴' کشف الظنون ص ۳۳۷۔۱۸۴۵)

دوسرے حضرات نے فرمایا کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کی رسالت (حکماً نہیں بلکہ) حقیقتاً باقی ہے جس طرح موت کے بعد ایمان کا وصف باقی رہتا ہے کیونکہ نبوت' رسالت اور ایمان کے ساتھ روح موصوف ہوتی اور وہ باقی رہتی ہے' بدن کی موت سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں لہٰذا وصف نبوت جسم اور روح دونوں کے لئے باقی ہے۔

حضرت امام قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جسے چن لیا اس سے فرمایا میں نے تجھے اس لئے بھیجا کہ تم میری طرف سے تبلیغ کرو اور اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے پس نبی اکرم ﷺ وجود میں آنے سے پہلے بھی رسول تھے جب ولادت مبارکہ ہوئی اس وقت بھی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رسول ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم بھی ہے اور باقی بھی۔

اور اللہ تعالیٰ کا کلام جو آپ کو بھیجنے سے متعلق ہے وہ باطل نہیں ہو سکتا۔

امام سبکی نے اپنے طبقات میں ابن فورک سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنی قبر انور میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حقیقتاً زندہ ہیں مجازاً نہیں۔

بعث فی الامیین رسولا

ارشاد خداوندی ہے:

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍO

وہ اللہ ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ایک رسول ان ہی میں سے بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کو پاک کرتا اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے

(الجمعہ:۲) بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

''امیین''(ان پڑھ) سے مراد عرب والے ہیں اور اس آیت کے ذریعے ان کو اس عظیم نعمت کی قدر سے آگاہ کیا گیا کہ وہ پڑھے ہوئے نہیں تھے اور ان کے پاس کوئی کتاب نہ تھی اور نہ ہی نبوت کے آثار میں سے کوئی چیز ان کے پاس تھی جس طرح اہل کتاب کے پاس آثار نبوت تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس رسول اور اس کتاب کے ذریعے ان پر احسان فرمایا حتیٰ کہ تمام امتوں سے افضل اور زیادہ علم والے ہو گئے اور انہیں پہلے لوگوں کی گمراہی کا علم ہو گیا۔

اور نبی اکرم ﷺ کے ان میں سے ہونے کے دو فائدے ہیں۔

ان میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ رسول ﷺ بھی کسی سے پڑھے ہوئے نہ تھے جس طرح وہ لوگ کسی سے نہیں پڑھے تھے جن کی طرف آپ کو بھیجا گیا آپ نے بالکل کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا تھا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ. (العنکبوت:۴۸) اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھوں سے کچھ لکھتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ اپنے علاقہ سے کہیں باہر بھی تشریف نہیں لے گئے کہ دوسروں کے پاس جا کر ٹھہرے ہوں اور ان سے علم حاصل کیا ہو بلکہ آپ مسلسل امی امت کے درمیان رہے نہ آپ لکھتے تھے اور نہ پڑھتے تھے حتیٰ کہ آپ کی عمر مبارک کے چالیس سال پورے ہو گئے پھر اس کے بعد یہ روشن کتاب اور واضح شریعت آئی اور یہ دین جس کے بارے میں اہل زمین میں سے ماہر اور پرکھ رکھنے والے لوگوں نے اعتراف کیا کہ اس سے بڑے دین نے دنیا کو کبھی نہیں جھنجھوڑا اور اس میں نبی اکرم ﷺ کی صداقت پر بہت بڑی دلیل ہے۔

دوسرا فائدہ یہ تھا کہ ان لوگوں کو اس بات سے آگاہ کیا جائے کہ وہ لوگ ان پڑھ ہیں اور جس کو بھیجا گیا ہے وہ ان ہی میں سے ہے اور خصوصاً اہل مکہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے وہ آپ کے نسب' شرف' صدق' امانت اور پاکدامنی کا علم رکھتے تھے آپ ان لوگوں کے درمیان پروان چڑھے اور یہ بات معروف تھی اور یہ بھی کہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا پس وہ شخص جو لوگوں کے بارے میں جھوٹ نہیں کہتا وہ اللہ تعالیٰ پر کیسے جھوٹ بولے گا' یہ باطل ہے۔

اسی وجہ سے ہرقل (شاہ روم) نے نبی اکرم ﷺ کے ان اوصاف کے بارے میں پوچھا اور اس سے آپ کے دعویٰ نبوت و رسالت کی صداقت پر استدلال کیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ. (الانعام:۳۳) بے شک یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے کہا اے محمد! ﷺ اللہ کی قسم! آپ نے ہم سے کبھی جھوٹ نہیں بولا کہ آج ہم آپ پر تہمت لگائیں لیکن اگر ہم آپ کی پیروی کریں تو اپنی زمین سے اچک لئے جائیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کو ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ حارث بن عامر علانیہ طور پر نبی کریم ﷺ کو جھٹلاتا تھا لیکن جب وہ اپنے لوگوں کے

پاس جاتا تو کہتا محمد ﷺ جھوٹے لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ مشرکین جب آپ کو دیکھتے تو کہتے یہ نبی ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ابو جہل نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے لیکن جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں ہم اسے جھٹلاتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ (مندرجہ بالا) آیت نازل فرمائی۔

معنیٰ یہ ہے کہ وہ اس کی صحت کو جاننے کے بعد اس کا انکار کرتے ہیں کیونکہ ''جحد'' علم کے باوجود انکار کا نام ہے۔

سوال: اس آیت اور اس آیت کو جمع کیسے کیا جائے؟ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ. اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کو جھٹلایا گیا۔

(الانعام: ۳۴)

جواب: یہ جھٹلانا جحد (انکار) کے طور پر تھا اور یہ جہالت میں ان کے اختلافِ احوال کی بنیاد پر تھا پس ان میں سے بعض اپنی جہالت کی وجہ سے انکار کرتے تھے لیکن جوں ہی علم حاصل ہوا ایمان لے آئے اور بعض نے علم کے باوجود کفر اور عناد کی بنیاد پر انکار کیا جس طرح ابو جہل کا معاملہ ہے تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی ''کہ وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے'' سے مخصوص لوگ مراد ہیں تمام لوگ مراد نہیں اس صورت میں دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ابو جہل کی آپ سے ملاقات ہوئی تو اس نے آپ سے مصافحہ کیا اس سے کہا گیا کہ تم ان سے مصافحہ کرتے ہو؟

اس نے کہا اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ یہ نبی ہیں لیکن ہم بنو عبد مناف کے تابع کب ہوئے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا۔

قرآن مجید ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے جو نبی اکرم ﷺ کی صداقت اور آپ کی رسالت کے صحیح ثابت ہونے پر دلالت کرتی ہیں تو یہ بات اللہ تعالیٰ کے کمال کے لائق کیسے ہوگی کہ جو شخص آپ پر بہت بڑا جھوٹ بولے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں غلط خبر دے وہ اسے رسالت پر برقرار رکھے اور اس کی مدد اور تائید بھی کرے اس کا کلمہ اور شان کو بلند کرے نیز اس کی دعا کو قبول کرے اور اس کے دشمنوں کو ہلاک کرے اور اس کے ہاتھ پر معجزات اور ایسے دلائل ظاہر کرے کہ مضبوط ترین آدمی بھی اس قسم کی باتوں سے کمزور پڑ جائے اور آپ اس کے باوجود اس پر جھوٹ بولنے والے اور افترا باندھنے والے ہوں اور زمین میں فساد کرتے پھریں؟

یہ بات معلوم ہے کہ ہر چیز کا اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونا اس کا ہر چیز پر قادر ہونا نیز اس کی حکمت وعزت اور کمال مقدس اس بات کا کلی طور پر انکار کرتا ہے جو شخص یہ گمان کرے اور اس بات کو آپ کے لئے جائز سمجھے وہ اللہ تعالیٰ کی پہچان سے بہت دور ہے اگر اس کو اللہ تعالیٰ کی بعض صفات جیسے صفت قدرت اور صفت مشیت کی پہچان ہو۔ [1]

[1] مطلب یہ ہے کہ تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اکثر صفات کا علم ہے اور وہ ان صفات کا اقرار بھی کرتے ہیں اور جو آدمی ان صفات کو جانتا ہے اس پر لازم ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے صفات کمالیہ سے متصف ہونے کی وجہ سے آپ کے جو دلائل ظاہر ہوتے ہیں ان کا اعتراف کریں۔

اور قرآن مجید اس طریقے سے بھرا پڑا ہے اور یہ خاص لوگوں بلکہ خاص الخاص لوگوں کا طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کے افعال سے اور ان امور سے جو اس لائق ہیں کہ وہ اس کا فعل بن سکیں یا وہ جو نہ بن سکیں، استدلال کرتے ہیں۔

جب تم قرآن مجید میں غور کرو تو اس کو دیکھو گے کہ وہ اس پر پکارتا ہے اس کو ظاہر کرتا اور ان لوگوں کی طرف لوٹاتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ اور قرآن پاک میں غور کرنے والا دل عطا فرماتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ○ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ○ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ○ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ ○ (الحاقہ: ۴۴۔۴۷)

اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے تو ضرور ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے پھر ان کی رگِ دل کاٹ دیتے پھر تم میں کوئی ان کو بچانے والا نہ ہوتا۔

تو کیا تم اس پاک اور بلند ذات کو دیکھتے ہو وہ خبر دیتا ہے کہ اس کے کمال اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص اس پر جھوٹ باندھے وہ اسے برقرار رکھنے سے انکار کرتا ہے بلکہ اس کو بندوں کے لئے عبرت بنانا ضروری ہے جس طرح اس کے خلاف باتیں گھڑنے والے کے بارے میں اس کا طریقہ جاری ہے۔

اور ارشادِ خداوندی ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ. (الشوریٰ: ۲۴)

یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھ لیا اور اللہ چاہے تو تمہارے دل پر اپنی رحمت کی مہر فرما دے۔

یہاں تک شرط کا جواب مکمل ہو گیا پھر قطعی خبر دی جو کسی شرط سے معلق نہیں کہ وہ باطل کو مٹاتا اور حق کو ثابت رکھتا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ. (الانعام: ۹۱)

یہودیوں نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیے تھی جب بولے کہ اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اتارا۔

اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرام کو بھیجنے اور ان سے کلام کرنے کی نفی کرے اس نے اللہ تعالیٰ کی کما حقہ قدر نہیں کی اور نہ اسے اس طرح پہچانا جیسے پہچاننا چاہیے تھا اور نہ ہی اس کی شایانِ شان تعظیم کی پس کوئی شخص کیسے یہ گمان کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آدمی کی مدد کرے گا جو اس پر جھوٹ باندھتا ہے نیز اس کی مدد کرے گا اور اس کے ہاتھ پر آیات اور دلائل ظاہر کرے گا۔

اور قرآن مجید میں یہ بات بکثرت پائی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کمال مقدس اور صفات وجلال کے ذریعے اپنے رسول ﷺ کی صداقت پر استدلال کرتا ہے نیز اپنے وعدہ اور وعید پر بھی استدلال کرتے ہوئے اپنے بندوں کو اس کی طرف بلاتا ہے۔

جن لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کی صداقت پر دلیل طلب کی اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ

اور کیا یہ انہیں بس نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے بے شک اس میں رحمت اور نصیحت

يُؤْمِنُوْنَ ○ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ شَهِيْدًا يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ (العنکبوت:۵۱-۵۲)

ہے ایمان والوں کے لئے تم فرما دو اللہ وہی ہے (کافی ہے) تمہارے اور میرے درمیان گواہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ جو باطل پر یقین لائے اور اللہ کے منکر ہوئے وہی گھاٹے میں ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس نے جو کتاب اتاری ہے وہ ہر نشانی کی جگہ کافی ہے پس اس میں اس بات پر حجت اور دلالت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ کتاب دے کر بھیجا اس میں اس چیز کا بیان ہے جو نبی اکرم ﷺ کی اتباع کرنے والے کو سعادت بخشتی ہے اور عذاب سے نجات دیتی ہے۔ پھر فرمایا:

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ شَهِيْدًا يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (العنکبوت:۵۲)

تم فرماؤ اللہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان گواہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

جب اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے تو اس کی شہادت سب سے زیادہ سچی اور سب سے زیادہ عدل پر مبنی شہادت ہے کیونکہ یہ شہادت مکمل علم کے ساتھ ہے اور جس کی شہادت ہے اس کو گھیرے ہوئے ہے اور اللہ تعالیٰ جب اپنی شہادت اور قدرت کا ذکر کرتا ہے تو اس کے ساتھ علم کا ذکر کرتا ہے اور جب بدلہ دینے کا ذکر کرتا ہے تو اپنی حکومت کا تذکرہ کرتا ہے جب تخلیق کا ذکر کرتا ہے تو اپنی حکمت کو بیان کرتا ہے' رسولوں کو بھیجنے کے ذکر کے ساتھ اپنے امر اور رحمت کا ذکر کرتا ہے بندوں کے گناہوں کا ذکر کرے تو اپنی بردباری بیان کرتا ہے تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنٰی اور تخلیق' امر' ثواب اور عذاب کے ساتھ ان کے تعلق میں غور کرو۔

انا ارسلناک شاھدا

ارشاد خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ○ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ○ (الاحزاب:۴۶)

اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناضر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔

یعنی اللہ کی وحدانیت پر گواہ نیز دنیا میں احوال آخرت یعنی جنت' دوزخ' میزان اور پل صراط پر شاہد اور آخرت میں احوال دنیا نیز اطاعت' نافرمانی' صلاح اور فساد پر شاہد ہیں اور قیامت کے دن مخلوق پر گواہ ہوں گے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا.

(البقرہ:۱۴۳)

اور رسول ﷺ تم پر گواہ ہوں گے۔

گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے وہ ذات جن کو ہماری طرف سے شرف حاصل ہے بے شک ہم نے آپ کو اپنی وحدانیت کا گواہ اور اپنی یکتائی کے کمال کا مشاہدہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہماری طرف سے ہمارے بندوں کو خوشخبری دیجئے اور انہیں

ہماری مخالفت سے ڈرائیں نیز ان کو ہماری طرف سے خوف کے مقامات کی تعلیم دیں۔

نیز ہم نے آپ کو داعی بنایا کہ مخلوق کو ہماری طرف بلائیں اور ایسا چراغ بنایا کہ وہ آپ سے روشنی حاصل کریں ایسا آفتاب بنایا جس کی شعاعیں ہر اس شخص پر پڑتی ہیں جس نے آپ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لایا اور ہم تک صرف وہی شخص پہنچے گا جس نے آپ کی اتباع اور خدمت کی نیز آپ کو مقدم سمجھا پس آپ ان کو خوشخبری دیجئے کہ ہم ان پر اپنا فضل وکرم اور احسان کریں گے۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحدانیت پر شاہد بنایا اور شاہد مدعی نہیں ہوتا پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحدانیت کے مسئلہ میں مدعی نہیں بنایا کیونکہ مدعی اس چیز کا دعویٰ کرتا ہے جو خلافِ ظاہر ہو اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سورج سے زیادہ ظاہر ہے اور نبی اکرم ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا پس اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اس کا شاہد بنایا اور آپ کی ذات باری تعالیٰ کے لئے شہادت کا بدلہ دیا چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۚ (المنافقون:۱)

بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی بھی اسی ضمن میں ہے:

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝ (الرعد:۴۳)

اور کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں آپ فرما دیجئے میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ اور جس کے پاس کتاب کا علم ہے' کی شہادت کافی ہے۔

تو آپ نے اپنی رسالت پر اللہ تعالیٰ کی شہادت کو پیش کیا۔

اسی طرح ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۭ قُلِ اللّٰهُ ۣ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۣ (الانعام:۱۹)

آپ فرما دیجئے کس چیز کی شہادت بڑی ہے تو آپ فرما دیں اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔

اور فرمایا:

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ (النساء:۱۶۶)

لیکن اللہ تعالیٰ اس چیز کی گواہی دیتا ہے جو اس نے آپ کی طرف اتاری اس نے اسے اپنے علم کے ساتھ اتارا اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۚ (المنافقون:۱)

اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں۔

اور یہ بھی فرمایا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ (الفتح:۲۹)

حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

تو یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول کی رسالت پر شہادتیں ہیں ان کو اس نے ظاہر اور بیان کیا اور ان کی صحت کو اس قدر بیان فرمایا کہ اس کے اور اس کے بندوں کے درمیان کوئی عذر نہ رہا اور ان پر اس بات کی حجت قائم کر دی کہ وہ اپنے رسول علیہ السلام کے لئے شاہد ہے۔

وَاَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى

ارشادِ خداوندی ہے:

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا۝ (الفتح:۲۸)

وہی اللہ ہے جس نے آپ کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے اور اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔

تو دو قسم کے ظہور ہوئے حجت و بیان کے ساتھ ظہور اور مدد غلبے اور تائید کے ساتھ ظہور حتیٰ کہ آپ مخالفین پر غالب آ گئے اور آپ کی مدد کی گئی۔

فطرت کی گواہی

اللہ تعالیٰ کی شہادت سے وہ بات بھی ہے جو اس نے مضبوط تصدیق' یقین ثابت اور طمانیت کی صورت میں اپنے کلام اور وحی کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں رکھی ہے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں کو حق کو قبول کرنے اور اس کے لئے جھک جانے پر پیدا کیا نیز اطمینان اور اپنی طرف سے سکون اور محبت عطا کی نیز ان کے دلوں میں جھوٹ اور باطل سے بغض اور اس سے نفرت اور عدم سکون پیدا کیا اگر فطرت اپنی حالت پر باقی رہے تو وہ حق پر کسی دوسری بات کو ترجیح نہ دے اور اسی سے سکون و اطمینان حاصل کرے اور اس کے غیر سے محبت نہ کرے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں غور و فکر کی تعلیم دی ہے کیونکہ جو شخص اس میں غور کرتا ہے اس کے لئے ضروری علم اور یقین جازم حاصل ہو جاتا ہے کہ یہی حق ہے بلکہ سب سے بڑا حق اور سب سے بڑا سچ۔ ارشاد خداوندی ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۝ (محمد:۲۴)

کیا وہ قرآن مجید میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔

اگر ان کے دلوں کے تالے کھل جائیں تو وہ حقائق قرآن سے آگاہ ہو جائیں اور ان کے دلوں میں ایمان کے چراغ روشن ہوں اور ان کو ان حقائق کا علم اس طرح حاصل ہو جس طرح دیگر امور وجدانیہ مثلاً لذت' تکلیف وغیرہ کے بارے میں جانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور اس کو اس کے قاصد حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کے رسول حضرت محمد علیہ السلام کی طرف بھیجا۔

تو یہ دل کا گواہ سب سے بڑا گواہ ہے۔ یہ مختصر تحریر ''مدارج السالکین'' کا خلاصہ ہے۔

اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ

اور ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ

اے محبوب! فرما دیجئے اے لوگو! میں تم سب کی

جَمِیْعًا. (الاعراف:۱۵۸) طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

تو اس آیت میں اس بات پر دلالت ہے کہ آپ تمام جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے۔

یہودیوں میں سے عیسویوں یعنی عیسیٰ اصبہانی کے پیروکاروں نے کہا حضرت محمد ﷺ سچے ہیں لیکن آپ کو عرب کی طرف بھیجا گیا بنی اسرائیل کی طرف نہیں بھیجا گیا۔

ان لوگوں کے قول کے باطل ہونے پر ہماری دلیل یہ آیت کریمہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ''یا ایھا الناس'' خطاب ہے جو تمام لوگوں کو شامل ہے پھر فرمایا:

اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا. بے شک تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

تو یہ الفاظ اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ آپ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے۔

نیز یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ دونوں مخلوقوں (انسانوں اور جنوں) کی طرف مبعوث ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اب یا تو آپ کو سچا رسول مانو گے یا نہیں' اگر آپ سچے رسول ہیں تو آپ پر جھوٹ کا افتراء نہیں باندھ سکتے اور یہ عقیدہ لازمی ہوگا کہ آپ اپنے ہر دعویٰ میں سچے ہیں پس جب متواتر روایات اور اس آیت کے ظاہر سے ثابت ہوا کہ آپ دونوں مخلوقوں کی طرف مبعوث ہونے کا دعویٰ کرتے تھے تو آپ کا سچا ہونا ضروری ہوا اور اس سے ان لوگوں کا قول باطل ہو گیا جو کہتے ہیں کہ آپ صرف اہل عرب کی طرف مبعوث ہوئے بنی اسرائیل کی طرف نہیں۔

پس جب یہ بات ثابت ہو گئی تو ہم کہتے ہیں۔

ارشادِ خداوندی: قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ کے بارے میں بعض لوگ کہتے ہیں یہ عام ہے اور اس سے بعض کو خاص کیا گیا اور دوسرے لوگ اس تخصیص کا انکار کرتے ہیں۔

پہلا گروہ کہتا ہے کہ اس میں دو وجہ سے تخصیص داخل ہے۔

۱۔ آپ تمام لوگوں کی طرف اسی صورت میں رسول ہیں جب وہ مکلفین میں سے ہوں اور جب وہ مکلفین میں سے نہ ہوں تو ان کی طرف رسول نہ ہوں گے اس لئے کہ آپ نے فرمایا:

رفع القلم عن ثلاث عن الصبی حتی یبلغ وعن النائم حتی یستیقظ وعن المجنون حتی یفیق. تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھا لیا گیا بچے سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے' سوئے ہوئے سے حتیٰ کہ بیدار ہو جائے اور مجنون سے حتیٰ کہ اسے افاقہ ہو جائے۔

(مسند احمد ج۶ص۱۰۰' سنن نسائی ج۶ص۱۵۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۴۴۰۲' المستدرک ج۲ص۵۹۔ ج۴ص۳۸۹' شرح السنہ ج۹ص۲۲۱' المنتقی رقم الحدیث:۸۰۸' السنن الکبریٰ ج۱ص۵۶۔ ج۳ص۸۳۔ ج۶ص۲۰' کنز العمال رقم الحدیث:۱۰۳۰۸)

اس حدیث کو ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کی طرف رسول ہیں جن کو آپ کے وجود مسعود کی خبر پہنچی نیز ان کو آپ کے معجزات اور شریعت کا علم ہوا تا کہ وہ آپ کی اتباع کر سکیں اگر ہم دنیا کے کسی کنارے پر ایسی قوم فرض کریں جن تک آپ کی اور آپ کے معجزات و شریعت کی خبر نہیں پہنچی کہ ان کے لئے آپ کی اتباع ممکن ہوتی تو وہ لوگ آپ کی

نبوت کے اقرار کے مکلف نہیں ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لا یسمع بی احد من هذه الامة ولا یهودی ولا نصرانی و مات ولم یومن بالذی ارسلت به الا کان من اصحاب النار. (صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۴۰)

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس امت میں سے کوئی شخص اور کوئی یہودی اور نصرانی جو میرے بارے میں سنے اور میری رسالت پر ایمان نہ لائے وہ جہنمیوں میں سے ہوگا۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں نہ سنا اور اس تک دعوت اسلام نہ پہنچی وہ معذور ہے جس طرح اصول میں ثابت ہے کہ صحیح قول کے مطابق شریعت کے وارد ہونے سے پہلے حکم نہیں ہوتا اس حدیث کے مطابق ہمارے نبی ﷺ کی رسالت سے تمام ادیان منسوخ ہو گئے۔

قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا

ارشاد خداوندی ہے:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (المائدہ:۱۹)

اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارے رسول ﷺ تشریف لائے وہ تمہارے لئے رسولوں کی آمد کے بند ہونے کے بعد بیان کرتے ہیں (اس لئے کہ) کہیں تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا پس تمہارے پاس خوشخبری دینے اور ڈرانے والے تشریف لے آئے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے ان کی طرف اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی بنا کر بھیجا کہ آپ کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول' بلکہ آپ ہی ان سب سے پیچھے آنے والے ہیں۔اسی لئے فرمایا:

عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ.

یعنی آپ کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک طویل مدت گزری۔

اس فترت کی مقدار میں اختلاف ہے کہ وہ کتنی تھی؟ تو النھدی اور حضرت قتادہ نے ایک روایت میں جو ان سے ہی مروی ہے چھ سو سال کی مدت بتائی ہے اور امام بخاری نے اسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے پانچ سو ساٹھ سال کی مقدار نقل کی ہے۔حضرت ضحاک فرماتے ہیں چار سو تیس سے کچھ زائد سال ہیں ابن عسا کر نے حضرت شعبی سے نو سو تینتیس سال کی مقدار روایت کی ہے۔

حافظ عماد الدین بن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا مشہور یہ ہے کہ یہ چھ سو سال ہیں وہ فرماتے ہیں یہ زمانہ فترت ہے جو نبی

سرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تمام انسانوں میں سے مطلقاً آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے درمیان ہے جیسا کہ "صحیح بخاری میں" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا اولی الناس بابن مریم لانہ لیس بینی و بینہ نبی.

میں حضرت ابن مریم علیہ السلام کے زیادہ قریب ہوں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۴۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۵، مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۳، المستدرک ج ۲ ص ۵۹۲، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۴، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۳۴۶)

اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک نبی آئے ہیں جن کا نام خالد بن سنان ہے جس طرح قضاعی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو اس وقت بھیجا جب رسولوں کی آمد بند ہو چکی تھی، راستے مٹ چکے تھے اور دین بدل گئے تھے، بت پرستوں، آتش پرستوں اور صلیبوں کی کثرت ہو گئی تھی۔ پس آپ کے ذریعے نعمت نہایت کامل اور نفع عام ہوا، حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو دیکھا تو ان سے نفرت کا اظہار کیا عجمیوں سے بھی اور عربیوں سے بھی، سوائے بنی اسرائیل میں سے کچھ باقی رہنے والوں کے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳، مسند احمد ج ۴ ص ۱۶۲، المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۳۵۹)

"صحیح مسلم میں" یوں ہے کہ "اہل کتاب کے کچھ لوگوں کے علاوہ"۔ پس زمین والوں پر دین خلط ملط ہو گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو بھیجا اور آپ کے ذریعے مخلوق کو ہدایت دی اور آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالا اور ان کو واضح دلیل اور روشن شریعت پر چھوڑا آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلام ہو۔

رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

ارشادِ خداوندی ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ○ (التوبہ: ۱۲۸)

البتہ تحقیق تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول معظم تشریف لائے ان پر وہ بات گراں گزرتی ہے جو تمہیں مشقت میں ڈالے وہ تمہارے (ایمان کے) حرص رکھنے والے ہیں (اور) مؤمنوں پر مہربان رحم فرمانے والے ہیں۔

یعنی شرک اور گناہوں کی وجہ تمہارا جرم آپ پر گراں گزرتا ہے اور آپ ﷺ تمہاری ہدایت کی حرص رکھتے ہیں۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمہارا جہنم میں جانا ان پر گراں گزرتا ہے اور وہ تمہارے جنت میں جانے کی حرص رکھتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کی ہم پر حرص کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آپ جو کچھ ہم تک پہنچانا چاہتے تھے اور جو بات ہمیں سمجھانا چاہتے تھے اس کے ساتھ اپنے مقام و مرتبہ کے اعتبار سے نہیں بلکہ ہمارے مقام و مرتبہ کے اعتبار سے پکارا۔

قصیدہ بردہ شریف کے مصنف (علامہ بوصیری رحمہ اللہ) نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

لم یمتحنا بما تعی العقول بہ حرصا علینا فلم نرتب ولم نھم

''نبی اکرم ﷺ نے اس شفقت کی وجہ جو ہم سے رکھتے ہیں ایسی چیزوں سے ہمیں آزمائش میں نہیں ڈالا جن کے سمجھنے سے عقلیں حیران رہ جائیں اس لئے ہم نہ تو شک میں پڑے نہ حیرت زدہ ہوئے''۔

یعنی جو کچھ ہمارے لئے بیان فرمایا اس میں ہم نہ تو حیران ہوئے اور نہ ہی ہمیں شک ہوا۔ اور ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ O اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ (الانبیاء: ۱۰۷)

اور جس بات کی سمجھ نہ آئے اس کا مکلّف بنانا رحمت نہیں ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی ہماری ہدایت کے لئے حرص کی ایک علامت یا صورت یہ تھی کہ آپ اکثر محسوسات کے ساتھ مثالیں بیان کرتے تھے تاکہ بات سمجھ آ جائے اور قرآن مجید کا بھی یہی طریقہ ہے اور جو شخص کتاب وسنت میں غور کرتا ہے وہ نہایت تعجب خیز باتیں دیکھتا ہے پس جب اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی حرص کو تمام لوگوں کے اسلام میں برابر رکھا تو مؤمنوں کو آپ کی مہربانی اور رحمت کے ساتھ خاص کیا۔

اور ارشاد خداوندی ''من انفسکم'' ہے ''من ارواحکم'' نہیں فرمایا تو بعض نے کہا اس بات کا احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہو کہ آپ اپنے نفیس جسم کے ساتھ ہم میں سے ہیں روح مقدس کے ساتھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ شاعر پر رحم فرمائے کیا خوب کہا:

اذا رمت مدح المصطفی شغفاً بہ تبلد ذھنی ھیبة لمقامہ

فاقطع لیلی ساھر الجفن مطرقاً ھوی فیہ احلی من لذیذ منامہ

اذا قال فیہ اللہ جل جلالہ رؤوف رحیم فی سیاق کلامہ

فمن ذا یجاری الوحی والوحی معجز بمختلفیہ نثرہ و نظامہ

''جب میں نبی اکرم ﷺ کی محبت میں وارفتہ ہو کر ان کی تعریف (نعت) کا ارادہ کرتا ہوں' تو آپ کے علوّ مرتبہ کی ہیبت سے میرا ذہن کند ہو جاتا ہے۔ (مجھے آپ کی شان کے مطابق الفاظ تلاش کرنے میں ذہنی دشواری ہوتی ہے)۔ میں سر جھکائے ساری رات جاگتے ہوئے گزار دیتا ہوں اور آپ کے عشق کی خواہش نیند کی لذت سے زیادہ بہتر اور عمدہ ہے۔ جب اللہ جل جلالہ نے اپنے کلام (قرآن کریم) میں آپ کی شان میں رؤوف رحیم فرما دیا۔ تو کون ہے جو وحی کا مقابلہ کر سکے؟ حالانکہ وحی اپنے ساتھ اختلاف کرنے والوں کی نثر ونظم کو عاجز کر دیتی ہے''۔

''شفاء شریف'' کے کلام کی توجیہ

اس آیت کو ذکر کرنے کے بعد قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا ''پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد آپ کے اوصاف

حمیدہ ذکر کئے اور کئی قابل تعریف امور کے ساتھ آپ کی تعریف کی مثلاً یہ کہ آپ ان کی ہدایت اور اسلام کی حرص رکھتے ہیں اور ان کی مشقت اور ضرر رساں بات آپ کو سخت گراں معلوم ہوتی ہے ان کی یہ مشقت دنیوی اعتبار سے ہو یا آخرت کے حوالے سے ہو یہ بات اگرچہ مقصد کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن اس کے ظاہر میں ایک بات ہے کیونکہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کا قول ''و شدة ما یعنتھم'' مصدر یعنی ''الحرص'' کے متعلق پر معطوف ہونے کا وہم ہے (انہوں نے فرمایا من حرصہ علی ھدایتم و رشدھم و اسلامھم و شدة ما یعنتھم و یضربھم فی دنیاھم و اخراھم و عزتہ علیہ''۔

اور اس وہم کو قوت کلام سے تقویت حاصل ہوئی ہے کیونکہ ''عزة علیہ'' کی پہلی ضمیر نبی اکرم ﷺ کی طرف اور دوسری ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے پس لفظ ''شدة'' مصدر کے متعلق پر معطوف ہوا اور اس میں جو خرابی ہے وہ پوشیدہ نہیں۔

بعض علماء نے اس کی یوں تاویل کی ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی ''کراھة شدة ما یعنتھم'' یا کوئی دوسرا مضاف محذوف ہوگا۔

زیادہ مناسب یا زیادہ بہتر بات یہ ہے کہ لفظ ''الشدة'' نفس مصدر یعنی ''الحرص'' پر معطوف ہو اور ''عزة'' ''الشدة'' پر معطوف ہو اور اس (عزة) میں ضمیر اسم موصول لفظ ''ما'' کی طرف راجع ہو جو ''ما یعنتھم'' میں ہے اور ''علیہ'' کی ضمیر نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹے۔

رحمة للعالمین

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ○ اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

(الانبیاء:۱۰۷)

جائز ہے کہ لفظ ''رحمة'' مفعول لہ ہو یعنی رحمت کے لئے اور جائز ہے کہ حال ہونے کی بنا پر منصوب ہو اور مبالغہ کے طور پر آپ کی ذات والاصفات کو رحمت قرار دیا یا یہاں مضاف محذوف ہوگا یعنی ''ذا رحمة'' (رحمت والا) یا ''راحم'' کے معنیٰ میں ہوگا۔ یہ بات السمین (ابن مفوز بن احمد المعافری الشاطبی متوفی ۷۵۶ھ رحمہ اللہ) نے فرمائی ہے۔

(الاعلام ج۱ ص ۲۷۴' غایۃ النہایہ ج۱ ص ۱۵۲' الدرر الکامنہ ج۱ ص ۳۳۹)

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ ابوبکر بن طاہر نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو رحمت کی زینت سے مزین فرمایا پس آپ کا رحمت ہونا اور آپ کی تمام صفات وخصائل مخلوق پر رحمت ہیں پس جس کو آپ کی رحمت سے کچھ حصہ ملا اس نے دونوں جہاں میں ہر مکروہ بات سے نجات حاصل کی اور وہی دونوں جہانوں میں ہر محبوب تک پہنچنے والا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں آپ نیک اور بدکار سب کے لئے رحمت ہیں کیونکہ جس نبی کو جھٹلایا گیا اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والے کو ہلاک کیا لیکن آپ کے جھٹلانے والے کو موت یا قیامت تک مہلت دی گئی لیکن جس نے آپ کی تصدیق کی اس کو دنیا اور آخرت میں رحمت ملی۔

(حضرت نصر بن محمد الفقیہ الحنفی) سمرقندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمام جہانوں کے لئے رحمت سے مراد یہ ہے کہ جنوں

اور انسانوں کیلئے رحمت ہیں کہا گیا کہ تمام مخلوق کے لئے رحمت ہیں مؤمنوں کے لئے ہدایت کے ساتھ منافق کے لئے قتل سے امان کے ساتھ اور کافروں کے لئے تاخیر عذاب کی صورت میں رحمت ہیں۔ پس آپ کی ذات والا صفات جیسا کہ کہا گیا ہے ایسی رحمت ہے جو مؤمن وکافر دونوں کو شامل ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ. (الانفال:۳۳) اور نہیں اللہ تعالیٰ کہ ان کو عذاب دے اس حال میں کہ آپ ان میں موجود ہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انما انا رحمة مهداة. بے شک میں رحمت ہوں جو تمہیں عطا کی گئی۔

(دلائل النبوۃ ج اص ۱۵۸' جامع الصغیر ج اص ۳۴۸' الدر المنثور ج ۴ص ۳۴۲' مجمع الزوائد ج ۸ص ۲۵۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ص ۱۶۲' طبقات ابن سعد ج اص ۱۵۱' الکامل ج ۴ص ۱۵۴۶)

اس حدیث کو امام دارمی نے روایت کیا اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''شعب الایمان میں'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

بعض عارفین نے فرمایا تمام انبیاء کرام کو رحمت سے پیدا کیا گیا اور ہمارے نبی اکرم ﷺ عین رحمت ہیں اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

غنيمة عمر الكون بهجة عيشه سرور حياة الدهر فائدة الدهر

هو النعمة العظمى هو الرحمة التى تجلى بها الرحمن فى السر والجهر

''حیاتِ کائنات کی غنیمت اس کی زندگی کا حسن ہے نیز زمانے کی حیات کا سرور زمانے کا فائدہ ہے وہی بہت بڑی نعمت ہیں اور وہی رحمت ہے جس رحمت کے ساتھ رحمٰن باطن وظاہر میں تجلی فرماتا ہے''۔

پس آپ کا بیان' آپ کی نصیحتیں' آپ کی دعا اور استغفار رحمت ہے جس نے قبول کیا اسے حصہ ملا اور جس نے رد کیا وہ محروم رہا۔

سوال: آپ کیسے رحمت ہوں گے جب کہ آپ نے تلوار چلانے اور دوسروں کا مال مباح کرنے کی راہ اختیار کی؟

جواب: اس بات کا جواب دو طرح ہے۔

(۱) آپ کی تلوار اس شخص کے لئے تھی جس نے تکبر اور دشمنی کی اور (دین میں) غور وفکر نہ کیا اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں الرحمٰن الرحیم بھی ہے لیکن اس کے باوجود وہ نافرمانوں سے بدلہ لیتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا. (ق:۹)[1] اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا۔

پھر بعض اوقات یہ پانی فساد کا باعث بن جاتا ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ ہمارے نبی پاک ﷺ سے پہلے تمام انبیاء کرام کا معاملہ یوں تھا کہ جب ان کی قوم نے ان کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے زمین میں دھنسانے' چہرے بدلنے اور غرق کرنے کے ذریعے ان کو ہلاک کیا لیکن ہمارے آقا ﷺ

[1] مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے اجتماعی اور عمومی عذاب اٹھا دیا گیا استثناء سے فرق نہیں پڑتا۔ ۱۲ ہزاروی

کو جھٹلانے والوں سے عذاب کو موت یا قیامت تک مؤخر کر دیا۔
یہ بات نہ کہی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تو یوں فرمایا ہے:

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ. (التوبہ:۱۴) ان سے لڑو اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے ان کو عذاب دے گا۔

اور ارشاد خداوندی:

لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ. (الاحزاب:۷۳) تاکہ اللہ تعالیٰ منافقوں کو عذاب دے۔

کیونکہ ہم کہتے ہیں عام میں سے بعض کی تخصیص سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کی کتاب ''الشفاء'' میں منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کیا آپ کو اس رحمت سے کچھ حصہ ملا؟ انہوں نے کہا میں انجام سے ڈرتا تھا پس مطمئن ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری تعریف میں فرمایا:

ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ. (التکویر:۲۰-۲۱) جو قوت والا ہے مالکِ عرش کے حضور عزت والا وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے۔

حضرت سمرقندی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں یوں ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (الانبیاء:۱۰۷) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

کیا آپ کو بھی اس رحمت سے کچھ حصہ ملا؟ انہوں نے فرمایا ہاں مجھے بھی اس رحمت سے حصہ ملا ہے مجھے انجام کار کا خوف رہتا تھا پس میں آپ کی وجہ سے بے خوف ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ. (التکویر:۲۰) قوت والے عرش کے پاس ٹھہرنے والے۔

یہ اس کا تقاضا ہے کہ حضرت محمد ﷺ، حضرت جبریل علیہ السلام سے افضل ہیں اور جمہور کا یہی مسلک ہے لیکن بعض لوگوں کے نزدیک حضرت جبریل علیہ السلام افضل ہیں ان کا استدلال یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی سات صفات کمالیہ بیان کی ہیں ارشاد فرمایا:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝ (التکویر:۱۹-۲۱) بے شک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور عزت والا وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ کا وصف یوں بیان فرمایا:

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ. (التکویر:۲۲) اور تمہارے صاحب مجنوں نہیں۔

اگر حضرت محمد ﷺ فضیلت کی صفات میں حضرت جبریل علیہ السلام کے مساوی یا قریب قریب ہوتے تو آپ کے اوصاف بھی اسی طرح بیان ہوتے۔

اس کا جواب یوں دیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے فضائل اس آیت میں مذکور وصف کے علاوہ بھی ہیں اور ان فضائل کا یہاں ذکر نہ کرنا اجمالی طور پر ان کے عدم پر دلالت نہیں کرتا اور جب ثابت ہوا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے کچھ دوسرے فضائل بھی ہیں جو زائد ہیں تو آپ' حضرت جبریل علیہ السلام سے افضل ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ دو شخصیتوں میں سے ایک کے وصف کا الگ بیان اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ دوسری شخصیت میں یہ اوصاف نہیں پائے جاتے پس جب قرآنی دلیل سے ثابت ہوا کہ آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں اور ان جہانوں میں فرشتے بھی شامل ہیں تو واجب ہوا کہ آپ ان سے افضل ہیں۔

خاتم النبیین

ارشادِ خداوندی ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. (الاحزاب:۴۰)

حضرت محمد ﷺ تم میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔

اس آیت سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں پس جب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تو رسول کی نفی بطریق اولیٰ ہوگئی کیونکہ مقام رسالت' مقام نبوت سے زیادہ خاص ہے اس لئے کہ ہر رسول نبی ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں جیسا کہ ہم نے مقصد ثانی میں آپ کے اسمائے شریف کے بیان میں ذکر کیا ہے۔

اور اس سلسلے میں (ختم نبوت کے بارے میں) آپ ﷺ سے احادیث آئی ہیں۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ انبیاء کرام علیہم السلام میں میری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک مکان نہایت خوبصورت بنایا اور اسے مکمل کیا لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی اور وہاں اینٹ نہ لگائی اب لوگ اس مکان کے گرد چکر لگاتے اور اس پر تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کاش اس اینٹ کی جگہ بھی پر ہو جاتی تو انبیاء کرام میں سے میں اس اینٹ کی جگہ پر ہوں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۶۱۳' مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۸' کنز العمال رقم الحدیث:۳۱۹۸۱)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت بندار سے اور انہوں نے حضرت ابو عامر العقدی سے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً روایت کیا نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی.

بے شک رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ ہی کوئی نبی۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۲۷۲' مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میری مثال اور دیگر انبیاء کرام کی مثال اس

شخص کی طرح ہے جس نے ایک مکان بنایا تو اسے خوبصورت بنایا اور مکمل کیا لیکن ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی پس جو شخص وہاں داخل ہوتا اور اس کی طرف نظر کرتا ہے وہ کہتا ہے یہ کس قدر خوبصورت ہے البتہ ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے اور اس اینٹ کی جگہ میں ہوں مجھ پر انبیاء کرام علیہم السلام کی آمد کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد طیالسی نے اور اسی طرح امام بخاری اور امام مسلم (رحمہم اللہ) نے نقل کیا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پس میں آیا اور میں نے اس اینٹ کو مکمل کیا۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

وارسلت الی الخلق کافۃ وختم بی النبیون.

مجھے مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر انبیاء کرام کی آمد کا سلسلہ ختم کیا گیا۔

تو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر احسان فرمایا کہ آپ کو ختم نبوت و رسالت سے مشرف فرمایا اور دین حنیف کو آپ پر مکمل کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور نبی اکرم ﷺ نے احادیث متواترہ میں اس بات کی خبر دی کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تاکہ معلوم ہو کہ آپ کے بعد جو شخص اس منصب کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا' دجال' گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے اگرچہ وہ شعبدہ بازی کرے اور طرح طرح کے جادو' طلسم اور کرتب دکھائے پس یہ سب کچھ اہل عقل کے نزدیک محال اور گمراہی ہے۔ (القاموس المحیط ج ۱ ص ۲۱۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آپ کے بعد آسمان سے اترنا آپ کے منصب ختم نبوت میں کوئی خرابی پیدا نہیں کرتا کیونکہ جب وہ اتریں گے تو ہمارے آقا ﷺ کے دین اور طریقے پر ہوں گے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ آپ نے سب سے آخر میں نبوت کا اعلان فرمایا۔

ابوحیان کہتے ہیں جو شخص یوں کہے کہ نبوت کسبی ہے منقطع نہیں ہوتی یا یہ کہ ولی' نبی سے افضل ہے تو وہ شخص زندیق واجب القتل ہے۔ واللہ اعلم

چوتھی نوع

پہلی کتب یعنی تورات وانجیل وغیرہ میں نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہے کہ آپ رسول اور مشرف و مکرم ہیں [1]

ارشادِ خداوندی ہے:

اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ الَّذِیۡ یَجِدُوۡنَہٗ مَکۡتُوۡبًا عِنۡدَھُمۡ فِی التَّوۡرٰىۃِ وَالۡاِنۡجِیۡلِ. (الاعراف: ۱۵۷)

وہ لوگ جو اس رسول نبی امی (کسی سے نہ پڑھے ہوئے) کی پیروی کرتے ہیں جن کا ذکر وہ اپنے پاس تورات وانجیل میں مذکور پاتے ہیں۔

---

[1] (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۷۰)

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ کے بارے میں ان کتابوں میں لکھا ہوا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا یہ کلام یہود و نصاریٰ کے لئے آپ کے ارشاد سے نفرت کا بہت بڑا سبب ہوتا کیونکہ جھوٹ اور بہتان پر اصرار نفرت پیدا کرنے والے امور میں سے بہت بڑا سبب ہے اور عقلمند شخص ایسے کام کے لئے کوشش نہیں کرتا جو اس کے حال میں نقصان کا موجب ہو اور لوگوں کو اس کا قول قبول کرنے سے متنفر کرے پس جب نبی اکرم ﷺ نے ان سے یہ بات فرمائی تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ آپ کا یہ وصف تورات و انجیل میں مذکور ہے اور یہ بات آپ کی نبوت کے صحیح ہونے پر بہت بڑی دلیل ہے۔

لیکن جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اہل کتاب جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ. (المائدہ:۱۳) وہ کلمات کو ان کی جگہوں سے بدلتے ہیں۔

ورنہ وہ (اللہ ان کو ہلاک کرے) نبی اکرم ﷺ کی معرفت اس طرح رکھتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور وہ آپ کے بارے میں اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں لیکن انہوں نے ان دونوں باتوں کو مٹایا اور بدل دیا تا کہ وہ اپنے مونہوں سے اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا دیں لیکن اللہ تعالیٰ نہیں مانے گا سوائے اس کے کہ وہ اپنے نور کو مکمل کرے اگرچہ کافروں کو یہ بات ناپسند ہو۔

پس نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے دلائل ان کی کتابوں میں تحریف کے بعد بھی واضح ہیں اور آپ کی شریعت و رسالت کی علامات ان کتابوں میں روشن ہیں اور ان کا انکار انہیں کیسے فائدہ دے سکتا ہے جب کہ نبی اکرم ﷺ کا اسم گرامی سریانی زبان میں ''مشفح'' ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مشفح سے نبی اکرم حضرت محمد ﷺ مراد ہیں اور اسے اس بات پر قیاس کریں کہ جو وہ ''الحمد لله'' کہنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں **شفحالاھا** (اے اللہ! تیرے لئے حمد ہے) تو جب حمد کے لئے شفح کا لفظ مستعمل ہوتا ہے تو مشفح کا معنیٰ محمد ﷺ ہے نیز وہ جن صفات کا اقرار کرتے ہیں وہ آپ کے احوال، زمانے، ولادت، بعثت اور شریعت کے موافق ہیں پس وہ ہمیں بتائیں کہ یہ صفات کس کے لئے ہیں؟ اور تمام گروہ کسی کے سامنے آئے اور جھک گئے اور انہوں نے کس کی دعوت کو قبول کیا اور کون ہے اونٹوں کا مالک جس کے ذریعے بابل شہر اور اس کے بت ہلاک ہوئے علاوہ ازیں اگر ہم یہ خبریں اور واقعات ان کی کتب سے نہ لاتے تو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کیا وہ اس پر دلیل نہ ہوتی؟ انہوں نے اسے چھوڑ کر انکار کیا حالانکہ وہ ان کے ذہنوں کو کھٹکھٹاتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے اعتراف کیا۔ قرآن مجید کہتا ہے:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ. (الاعراف:۱۵۷) وہ لوگ اس رسول نبی امی (کسی سے نہ پڑھے ہوئے) کی پیروی کرتے ہیں جن کا ذکر وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں پاتے ہیں۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي بے شک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری طرف رسول ہوں اس چیز کی تصدیق کرنے والا جو مجھ سے پہلے

اسْمُہٗ اَحْمَدُ۔ (الصف:۶) ہے (یعنی تورات) اور اس رسول کی خوشخبری دینے والا جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ﷺ ہے۔

اور ارشادِ خداوندی ہے:

یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ (آل عمران:۷۱) اے اہلِ کتاب حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو اور حق کو کیوں چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو؟

اور ارشادِ خداوندی ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰـھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ (البقرہ:۱۴۶) وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی وہ آپ کو پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

اور لڑائی کے وقت اہل کتاب اپنے مخالفین سے کہا کرتے تھے کہ اس نبی کی ولادت کا وقت آ چکا ہے اور آپ کی ان صفات کا ذکر کرتے جو ان کی کتب میں مذکور ہیں پس جب وہ نبی تشریف لائے جن کو وہ پہچانتے تھے تو انہوں نے حسد کرتے ہوئے اور اقتدار (چلے جانے) کے خوف سے انکار کر دیا۔

یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے خیال میں نبی آخر الزمان بنی اسرائیل میں سے ہوں لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل عرب سے مبعوث فرمایا جن کا تعلق حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہے تو ان پر یہ بات گراں گزری اور انہوں نے کھلم کھلا جھٹلانا شروع کر دیا پس کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

نبی اکرم ﷺ ان لوگوں کو اپنی اتباع اور تصدیق کی دعوت دیتے تھے پس کیسے جائز ہوگا کہ آپ کسی باطل دلیل کو اپناتے پھر اسے ان کے سپرد کرتے جو ان کے پاس اور ان کے ہاتھوں میں ہے اور فرماتے ہیں کہ میری نبوت اور صداقت کی ایک علامت یہ ہے کہ تم میرا ذکر اپنے پاس تورات میں لکھا ہوا پاتے ہو اور وہ اس طرح نہ پاتے جس طرح ذکر کیا گیا؟

تو کیا اس سے ان کی دوری میں اضافہ نہ ہوتا حالانکہ آپ کو اس بات کی ضرورت نہ تھی کہ آپ ان کو اس چیز کی دعوت دیتے جو ان کو متنفر کرتی اور آپ ان کو اس بات کی طرف مائل کرتے جو ان کو وحشت میں ڈالتی حالانکہ ان کے علماء میں سے کچھ لوگ ایمان لا چکے تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت تمیم داری اور حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہم اور ان کو آپ کی طرف سے ان دعووں کا علم ہو چکا تھا (اور وہ اس کا اعتراف کر چکے تھے)۔

(الاعلام ج ۴ ص ۹۰، الاصابہ رقم الترجمہ: ۷۴۲۵، الاعلام ج ۲ ص ۸۷، صفۃ الصفوہ ج ۱ ص ۳۱۰)

ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں حضرت محمد بن حمزہ بن عبداللہ بن سلام سے روایت کیا وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن سلام (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ جب انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے کے بارے میں سنا تو باہر نکلے اور آپ سے ملاقات کی آپ نے فرمایا تم یثرب والوں کے عالم ابن سلام ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں آپ نے فرمایا میں تمہیں اس اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی کیا تم اللہ کی کتاب (تورات) میں میرے اوصاف پاتے ہو؟ انہوں نے کہا اے محمد! ﷺ اپنے رب کی تعریف کیجئے۔

نبی اکرم ﷺ پر گھبراہٹ طاری ہوگئی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے پڑھا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ (اخلاص:۱۔۴)

آپ فرمادیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور اس کے برابر کا کوئی نہیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے دین کو غالب کرے گا اور میں آپ کی صفت کو اللہ تعالیٰ کی کتاب (تورات) میں یوں پاتا ہوں:

یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھد او مبشرا و نذیرا انت عبدی و رسولی سمیتک المتوکل لیس بفظ و لا غلیظ و لاسخاب فی الاسواق و لا یجزی بالسیئة مثلھا و لکن یعفو و یصفح و لن یقبضه اللہ حتی یقیم به الملة المعوجة حتی یقولوا لا الہ الا اللہ و یفتح به اعینا عمیا و اذا نا صما و قلوبا غلفا

اے نبی ﷺ! بے شک ہم نے آپ کو گواہ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں میں نے آپ کا نام متوکل رکھا آپ بد اخلاق اور سخت دل نہیں اور نہ بازاروں میں شور وشغب کرنے والے ہیں اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیں گے بلکہ معاف کریں گے اور درگزر فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کو اس وقت نہیں اٹھائے گا جب تک آپ کے ذریعے ٹیڑھی ملت کو سیدھا نہ کر دے حتیٰ کہ وہ کہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں نابینا آنکھ کو، بہرے کان اور پردے میں چھپے دلوں کو کھول دے۔

''لیس بفظ و لا غلیظ'' قرآن مجید کی اس آیت کے موافق ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ. (آل عمران:۱۵۹)

پس آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ان کے لئے نرم ہو گئے اور اگر آپ سخت مزاج تنگ دل ہوتے تو وہ آپ کے گرد سے دور ہو جاتے۔

اور آپ کی یہ صفت حکم خداوندی:

وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ. (التوبہ:۷۳) اور آپ ان پر سختی کیجئے۔

کے خلاف نہیں کیونکہ نفی اس بات پر محمول ہے کہ آپ کی فطرت مبارکہ میں یہ بات نہیں اور امر (سختی کیجئے) خلاص فطرت عمل کرنے پر محمول یا نفی مؤمنوں کے اعتبار سے ہے اور امر کفار اور منافقین کی نسبت سے ہے جس طرح آیت سے واضح ہے۔

امام بیہقی اور ابونعیم نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں میں نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نبی اکرم ﷺ کی صفت کو تورات میں کیسے پاتے ہو؟ انہوں نے فرمایا ہم اس کتاب میں آپ کی تعریف یوں پاتے ہیں:

محمد رسول الله اسمه المتوكل' ليس بفظ ولا غليظ ولا سخاب في الاسواق' واعطى المفاتيح' ليبصر الله به اعينا عورا' و يسمع به اذانا صما' و يقيم به السنة معوجة' حتى يشهدوا ان لا اله الا الله وحده لا شريك له' يعين المظلوم و يمنعه من ان يستضعف.

حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں آپ کا اسم گرامی متوکل ہے آپ بدکلام' سخت دل اور بازاروں میں شور کرنے والے نہیں آپ کو خزانوں کی چابیاں دی گئیں تاکہ آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ اندھی آنکھوں کو دکھائے بہرے کانوں کو سنائے اور آپ کے ذریعے ٹیڑھی زبانوں کو سیدھا کردے حتی کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں آپ مظلوم کی مدد کریں گے اور اس کو کمزور کئے جانے سے بچائیں گے۔

صحیح بخاری میں حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو عرض کیا مجھے نبی اکرم ﷺ کی صفت کے بارے میں خبر دیجئے۔انہوں نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم تورات میں آپ کی ان صفات کا ذکر ہے جن میں سے بعض صفات قرآن مجید میں مذکور ہیں:

يا ايها النبى انا ارسلناك شاهدا و مبشرا و نذيرا' و حرزا للاميين' انت عبدى و رسولى' سميتك المتوكل ليس بفظ ولا غليظ و لا سخاب فى الاسواق' ولا يجزى بالسيئة السيئة' ولكن يعفو ويصفح' ولن يقبضه الله حتى يقيم به الملة العوجاء' بان يقولوا: لا اله الا الله' ويفتح به اعيناً عميا و آذانا صما و قلوبا غلفا. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۳۸)

اے نبی! (ﷺ) ہم نے آپ کو شاہد (حاضر ناظر) اور خوشخبری دینے والا ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے آپ امی لوگوں کے لئے پناہ گاہ ہیں آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے آپ سخت زبان' سخت دل اور بازاروں میں شور کرنے والے نہیں ہیں اور آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف کرتے اور درگزر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس وقت تک آپ کی روح مبارک قبض نہیں فرمائے گا جب تک آپ کے ذریعے ٹیڑھی ملت کو سیدھا نہ کردے کہ وہ ''لا الہ الا اللہ پڑھیں'' اور اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے نابینا آنکھوں' بہرے کانوں اور بند دلوں کو کھول دے گا۔

ابن اسحاق کی روایت میں ان الفاظ کے ساتھ ہے:

ولا صخب فى الاسواق' ولا متزين بالفحش' ولا قوال للخنا' اسدده بكل جميل' واهب له كل خلق كريم' ثم اجعل السكينة لباسه' والبر شعاره' والتقوى ضميره' والحكمة

آپ بازار میں شور کرنے والے اور فحش کلامی کو زینت والے نہیں ہوں گے اور نہ ہی بدکلامی کرنے والے ہوں گے میں ہر حسن کے ساتھ ان کو اعتدال پر رکھوں گا اور ان کو ہر اچھا خلق عطا کروں گا پھر سکون کو ان کا لباس' نیکی کو

معقوله، والصدق والوفاء طبيعته، والعفو والمعروف خلقه، والعدل سيرته، والحق شريعته، والهدى امامه، والاسلام ملته، واحمد اسمه، اهدى به بعد الضلالة، واعلم به بعد الجهالة، وارفع به بعد الخمالة، واسمي به بعد النكرة، واكثر به بعد القلة، واغنى به بعد العيلة، واجمع به بعد الفرقة واؤلف به بين قلوب مختلفة، واهواء متشتة، وامم متفرقة، واجعل امته خير امة اخرجت للناس.

ان کا شعار اور تقویٰ کو ان کی ضمیر بناؤں گا۔ ان کی سمجھ حکمت پر مبنی، صدق و وفا ان کی طبیعت، درگزر اور نیکی ان کا خلق، عدل ان کی سیرت، حق ان کی شریعت، ہدایت ان کا امام اور اسلام ان کی ملت قرار دوں گا۔ میں ان کا نام احمد رکھوں گا، گمراہی کے بعد ان کے ذریعے ہدایت دوں گا، جہالت کے بعد ان کے ذریعے علم عطا کروں گا، ذلت کے بعد ان کے ذریعے بلندی عطا کروں گا، گمنامی کے بعد ان کے ذریعے معروف کروں گا قلت کے بعد ان کے ذریعے مختلف دلوں میں باہمی الفت پیدا کروں گا اور منتشر خواہشات نیز متفرق لوگوں کو یکجا کروں گا اور آپ کی امت کو لوگوں کے لئے بہترین امت قرار دوں گا۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ جارود بن معلیٰ نے آ کر اسلام قبول کیا تو کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں نے آپ کا وصف انجیل میں (مذکور) پایا اور حضرت مریم بتول کے بیٹے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) نے آپ کی خوشخبری دی ہے۔

ابن سعد نے نقل کرتے ہوئے فرمایا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ وہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو لے جائیں تو انہوں نے ان کو براق پر بٹھایا تو وہ جس نرم زمین سے گزرتے تو فرماتے اے جبریل یہاں اتروں؟ وہ فرماتے ہیں نہیں حتیٰ کہ مکہ مکرمہ آ گیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا اے ابراہیم علیہ السلام! اتریئے انہوں نے فرمایا نہ تو یہاں کوئی جانور ہے اور نہ ہی کھیتی؟ فرمایا ہاں یہاں ایک نبی پیدا ہوں گے جو آپ کے بیٹے (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کی اولاد سے ہوں گے ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ بلند کلمہ کو مکمل کرے گا۔

تورات میں حذف اور تبدیلی کر دی گئی اس کے باوجود یہ کلمات موجود ہیں جو ابن ظفر نے "البشر میں" اور ابن قتیبہ نے "اعلام النبوۃ میں" نقل کئے ہیں وہ کلمات یہ ہیں:

تجلى الله من سينا واشرق من ساعير واستعلن من جبال فاران.

اللہ تعالیٰ نے طور سینا پر تجلی فرمائی ساعیر پہاڑ سے اس کے کلام کے انوار چمکے اور فاران پہاڑوں پر اس کا امر ظاہر ہوا۔

"سینا" وہ پہاڑ جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا "ساعیر" وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور آپ کی نبوت ظاہر ہوئی اور "فاران" عبرانی زبان میں پہاڑ کا نام ہے اور اس کا پہلا الف ہمزہ نہیں ہے یہ بنو ہاشم کے پہاڑ ہیں۔ نبی اکرم ﷺ ان میں سے ایک پر گوشہ نشینی اختیار کرتے تھے اور وحی کا آغاز بھی وہاں ہی ہوا (یعنی جبل نور جہاں غارِ حرا ہے) ان میں سے ایک جبل ابوقبیس ہے اس کے مقابلے میں قعیقعان ہے جو بطن وادی

تک ہے اور تیسرا پہاڑ شرقی فاران ہے وہ قعیقعان سے شروع ہوتا ہے اور بطن وادی تک پہنچتا ہے یہ بنو ہاشم کی شعب (گھاٹی) ہے اور ایک قول کے مطابق نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت یہیں ہوئی ہے۔

ابن قتیبہ کہتے ہیں اس میں کوئی پوشیدگی نہیں کیونکہ طورسینا سے تجلّی کا مطلب اس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کرنا ہے اور ''ساعیر'' سے چمکنے سے مراد ہوسکتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل کا نازل کرنا ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سرزمینِ خلیل کے ساعیر پہاڑ کی ایک بستی ''ناصرہ'' میں رہتے تھے اور اسی وجہ سے آپ کی اتباع کرنے والوں کو نصاریٰ کہا جاتا ہے تو جس طرح ساعیر سے چمکنے سے مراد حضرت مسیح علیہ السلام پر انجیل کا نازل کرنا ہوسکتا ہے اسی طرح ضروری ہے کہ فاران کے پہاڑوں سے بلند ہونے کا مطلب نبی اکرم ﷺ پر قرآن نازل کرنا ہو اور یہ مکہ مکرمہ میں پہاڑ ہیں اور اہل کتاب اور مسلمانوں کے درمیان اس سلسلے میں اختلاف نہیں کہ فاران مکہ مکرمہ ہے۔

اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ فاران مکہ مکرمہ نہیں ہے تو ہم کہتے ہیں کیا تورات میں یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو فاران میں ٹھہرایا؟ اور ہم کہتے ہیں ہمیں بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے کس مقام پر اپنے امر کو ظاہر کیا اور اس کا نام فاران ہے اور وہ کون سے نبی ہیں جن پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کتاب نازل ہوئی لیکن ''استعلن'' اور ''علن'' ایک ہی معنیٰ میں نہیں یعنی ظاہر و منکشف ہونا کیا تم کسی ایسے دین کو جانتے ہو جو اسلام کی طرح ظاہر ہوا ہو اور اسلام کی طرح زمین کے مشرقوں اور مغربوں میں پھیلا ہو۔ تورات میں ہی مذکور ہے جیسا کہ ابن ظفر نے اسے ذکر کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب ہوا جس سے خصوصی طور پر وہ لوگ مراد ہیں جن کو آپ نے اپنے رب سے ملاقات کے لئے منتخب فرمایا اور ان کو گرج نے آلیا پھر عمومی طور پر تمام بنی اسرائیل مراد ہیں فرمایا گیا کہ ''اللہ تعالیٰ جو تمہارا رب ہے تمہارے بھائیوں میں سے ایک کو نبی قائم کرے گا پس اس کی بات غور سے سنو اس بات کی طرح جو تم نے اجتماع کے دن مقام ''حوریت'' میں سنی جب تم نے کہا میں دوبارہ اپنے رب کی آواز نہیں سنوں گا تاکہ میں مرنہ جاؤں۔

پس اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کیا اچھا ہے جو انہوں نے کہا اور میں عنقریب ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے آپ کی طرح ایک نبی قائم کروں گا اور اپنا کلام ان کے منہ میں ڈالوں گا پس وہ ان سے ہر وہ بات کہیں گے جس کا میں انہیں حکم دوں گا اور جو شخص اس شخص کی اطاعت نہیں کرے گا جو میرے نام سے بولتا ہے تو میں اس سے انتقام لوں گا''۔

ابن ظفر کہتے ہیں اس کلام میں نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر کئی دلائل ہیں۔

ایک تو یہ بات ہے کہ ''ان کے بھائیوں میں سے ایک نبی'' فرمایا جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کا تعلق بنو اسحاق سے ہے اور ان کے بھائی بنی اسماعیل ہیں اگر یہ نبی جن کا وعدہ کیا گیا ہے بنی اسحاق سے ہوتے تو وہ انہی میں سے ہوتے ان کے بھائیوں میں سے نہ ہوتے۔

اور یہ فرمایا کہ ''آپ کی مثل نبی'' تو تورات میں فرمایا کہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثل کوئی نبی نہیں ہوں گے اور ایک جگہ یوں کہا گیا کہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثل کوئی نبی کبھی بھی نہیں ہوگا۔ تو یہودیوں کے خیال میں یہ نبی جن کا وعدہ کیا گیا حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں اور یہ باطل ہے کیونکہ حضرت یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برابر نہیں تھے بلکہ ان کی زندگی میں ان کے خادم تھے اور ان کی وفات کے بعد ان کی دعوت کی

تاکید کرنے والے تھے پس یہ بات متعین ہوگئی کہ اس نبی موعود سے حضرت محمد ﷺ مراد ہیں کیونکہ آپ ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برابر ہیں اس لئے کہ منصب نبوت اور معجزہ کے ذریعے چیلنج کرنے یا احکام شریعت اور پہلی شریعتوں کو منسوخ کرنے میں آپ ان کی مثل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی کہ میں اپنا کلام اس نبی کے منہ میں ڈالوں گا تو یہ اس بات میں واضح ہے کہ اس سے حضرت محمد ﷺ کا قصد کیا گیا ہے کیونکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ میں ان کی طرف اپنا کلام بطور وحی بھیجوں گا تو وہ جس طرح سنیں گے اسی طرح بیان کریں گے اور ان کی طرف صحیفے اور تختیاں نہیں اتاروں گا کیونکہ وہ امی ہیں اور لکھا ہوا اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے۔

ابن طغربک نے ''الدر المنظم میں'' ذکر کیا کہ یوحنا نے اپنی انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا میں باپ سے مطالبہ کروں گا کہ وہ تمہیں ایک اور فارقلیط عطا فرمائے جو تمہارے ساتھ ہمیشہ رہے وہ روحِ حق ہوگا لوگ اسے قبول کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے۔

ابن ظفر نے ان الفاظ میں نقل کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو میری وصیت کی حفاظت کرو اور میں اپنے باپ سے مطالبہ کروں گا کہ وہ تمہیں ایک اور فارقلیط عطا کرے۔ جو زمانہ بھر تمہارے ساتھ رہے۔ (الشفاء ج ا ص ۲۳۴)

ابن ظفر کہتے ہیں اس میں واضح طور پر بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ان کی طرف ایسا نبی بھیجے گا جو ان (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کی جگہ ہوں گے اور اپنے رب کا پیغام پہنچانے اور مخلوق کی سیاست میں ان کے قائم مقام ہوں گے اور ان کی شریعت ہمیشہ ہمیشہ رہے گی تو حضرت محمد ﷺ کے علاوہ کون ہوسکتا ہے؟

ابن طغربک کے مطابق یوحنا کے علاوہ انجیل کو نقل کرنے والے کسی دوسرے نے فارقلیط کا لفظ ذکر نہیں کیا اور عیسائیوں کا لفظ فارقلیط میں اختلاف ہے۔ ایک قول میں اس کا معنیٰ حامد اور دوسرے قول میں مخلص ذکر کیا گیا ہے۔

اگر ہم اس بات میں ان کی موافقت کریں کہ اس سے مخلص مراد ہے تو معاملہ یوں ہوگا کہ مخلص ایک ایسا رسول ہے جو جہان والوں کو چھٹکارا دلانے کے لئے آئے گا اور یہی ہماری غرض ہے کیونکہ ہر نبی اپنی امت کو کفر سے نجات دلاتا ہے اور اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انجیل میں مذکور قول شاہد ہے آپ فرماتے ہیں میں دنیا والوں کو نجات دینے آیا ہوں پس جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے خود اپنے آپ کو دنیا کا نجات دہندہ قرار دیا اور انہوں نے ہی اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ ایک اور فارقلیط عطا کرے تو الفاظ کا تقاضا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایک فارقلیط گزر چکا ہے اب دوسرا آئے گا۔

اور اگر ہم ان کے ساتھ اس بات میں موافقت کریں کہ اس کا معنیٰ حامد (تعریف کرنے والا) ہے تو احمد اور محمد کے قریب اس سے زیادہ قریب کونسا لفظ ہوسکتا ہے؟

ابن ظفر نے کہا کہ انجیل میں اس بات پر دلالت بھی ملتی ہے کہ فارقلیط کا معنیٰ ''رسول'' ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ کلام جو تم سنتے ہو یہ میرے لئے نہیں بلکہ باپ نے مجھے اس کلام کے ساتھ تمہارے لئے بھیجا ہے لیکن فارقلیط'

پاک روح ہے جسے میرا باپ میرے نام کے ساتھ بھیجے گا تو وہ تمہیں ہر بات سکھائے گا اور میں نے جو کچھ تم سے کہا وہ تمہیں اس کی یاد دلائے گا۔

تو کیا اس کے بعد بیان کی گنجائش رہ جاتی ہے؟ کیا یہ واضح نہیں کہ فارقلیط سے رسول مراد ہے جسے اللہ تعالیٰ بھیجے گا اور وہ پاک روح ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تصدیق کرے گا اور ان کے نام کو ظاہر کرے گا کہ حضرت مسیح اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچے رسول ہیں معبود نہیں ہیں اور وہ (فارقلیط) مخلوق کو ہر بات سکھائے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے جو کچھ کہا وہ ان کو یاد دلائے گا نیز ان کو توحید کے سبق کی یاد دہانی بھی کرائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے جو کہا گیا کہ آپ نے فرمایا ''میں اپنے باپ سے کہوں گا'' تو اس لفظ میں تبدیلی کی گئی اور اہل کتاب کے نزدیک اس کا استعمال غیر معروف نہ تھا یہ رب سبحانہ وتعالیٰ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ لفظ تعظیم کے طور پر استعمال ہوتا تھا طالب علم جس استاذ سے علم حاصل کرتا اس کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کرتا تھا اور یہ بات مشہور ہے کہ عیسائی اپنے دینی اکابر کو روحانی باپ کہا کرتے ہیں اور بنی اسرائیل اور بنو عیصو ہمیشہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے بیٹے کہتے تھے لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں صحیح سمجھ نہ تھی۔

اور یہ قول کہ اللہ تعالیٰ اس فارقلیط کو میرے نام کے ساتھ بھیجے گا تو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی صداقت اور رسالت کی شہادت دی نیز قرآن مجید میں جو کچھ ان کی تعریف میں کہا گیا اس کی شہادت ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے جھوٹ گھڑا گیا اس کی شہادت نہیں، انجیل کے ایک اور ترجمہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا جب فارقلیط آئے گا تو لوگوں کو ان کے گناہوں پر جھڑکے گا اور اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا جو کچھ (اللہ تعالیٰ سے) سنے گا وہ ان سے بیان کرے گا اور سچی سیاست کرے گا اور ان کو آنے والے واقعات کی خبر دے گا۔

ابن ظغربک کے نزدیک یہ الفاظ ہیں:

فاذا جاء روح الحق لیس ینطق من عندہ بل یتکلم بکل ما یسمع و یخبر کم بکل ما یاتی وھو یمجدنی لانہ یا خذ مما ھو لی و یخبر کم.

(حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) جب وہ روحِ حق آئے گا تو اپنی طرف سے کلام نہیں کرے گا بلکہ جو کچھ سنے وہی بات کہے گا اور تمہیں تمام آنے والی باتوں کی خبر دے گا وہ میری تعریف بیان کرے گا کیونکہ وہ میرے خاص علم سے لے کر تمہیں اس کی خبر دے گا۔

ان کا قول ''لیس ینطق من عندہ'' دوسری روایت میں اس طرح ہے ''ولا یقول من تلقاء نفسہ بل یتکلم بکل ما یسمع'' (معنیٰ وہی ہے) یعنی اس اللہ کی طرف سے بیان کرے گا جس نے اس کو بھیجا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا:

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ (النجم: ۳-۴)

اور وہ (حضور علیہ السلام) اپنی خواہشات سے کلام نہیں کرتے بلکہ وہی بات کرتے ہیں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

اوران کا قول ''وھو یمجدنی ''تو جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بزرگی بیان کرنے کا حق ہے نبی اکرم ﷺ کے سوا کسی نے بیان نہیں کی کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ان کا وصف بیان کیا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اوران کی اوران کی والدہ کی ان الزامات سے برأت بیان کی جوان دونوں پر لگائے گئے اور آپ نے اپنی امت کو بھی اسی بات کا حکم دیا۔

ابن ظفر کہتے ہیں کون ہے جس نے علماء کو سچ چھپانے اور کلمات کو ان کی جگہوں سے بدلنے پر جھڑ کا نیز کھوٹے سکوں کے عوض دین بیچنے کی تنبیہ کی' کون ہے جس نے حوادث سے ڈرایا اور غیبوں کی خبر دی وہ صرف حضرت محمد ﷺ ہیں۔

ابو محمد عبداللہ شقراطیسی کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے انہوں نے اپنے مشہور قصیدہ میں فرمایا:

تـوراۃ مـوسـی اتـت عـنـه فـصـدقـهـا انـجـیـل عیـسـی بـحـق غیر مفعتل

اخـبـار احـبـار اهل الکتاب قدوردت عـمـا راؤا ورووا فـی الاعـصـر الاول

''حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات نے حضور علیہ السلام کی خبر دی تو حضرت عیسیٰ کی انجیل نے ایسے حق کی تصدیق کی جس کی کوئی سابق مثال نہیں' اہل کتاب کے علماء کی خبریں اس بات کے بارے میں آئی ہیں جوانہوں نے دیکھا اور پہلے زمانوں سے روایت کیا''۔

اور عارف ربانی ابو عبداللہ بن نعمان کے کلام نے مجھے خوش کر دیا انہوں نے فرمایا:

هـذا الـنـبـی مـحـمـد جـاءت بـه تـوراۃ مـوسـیٰ لـلانـام تـبـشـر

و کـذاک انـجـیـل الـمـسـیـح مـوافـق ذکـراً لاحـمـد معـرب و مذکـر

''یہ نبی حضرت محمد ﷺ ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی تورات نے مخلوق کو ان کی خوشخبری دی اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت احمد ﷺ کے ذکر اور اظہار میں اس کی موافقت کی''۔

اور اللہ تعالیٰ ابن جابر پر رحم فرمائے انہوں نے فرمایا:

لـمـبـعـثـه فـی کـل جـیـل عـلامة عـلـی مـا جلته الکتب من امره الجلی

فـجـاء بـه انـجـیـل عیـسـیٰ بـآخـر کـمـا قـد مـضـت توراۃ مـوسـیٰ باول

''ہر قوم میں آپ کی بعثت کی علامت ہے جس طرح کہ کتب سماویہ نے اس امر کو روشن کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل نے بھی بعد میں آپ کا ذکر کیا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات نے پہلے آپ کا ذکر کیا''۔

امام بیہقی کی کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں ایسی سند کے ساتھ مروی ہے جس میں کوئی خرابی نہیں وہ ابوامامہ باہلی سے روایت کرتے ہیں اور وہ ہشام بن عاص اموی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا مجھے اور ایک دوسرے شخص کو روم کے بادشاہ ہرقل کے پاس بھیجا گیا کہ ہم اسے اسلام کی دعوت دیں۔ پھر انہوں نے حدیث ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اس نے ان کو رات کے وقت بُلا بھیجا فرماتے ہیں ہم اس کے ہاں داخل ہوئے تو اس نے ایک چیز منگوائی جو عطر فروش کے بڑے ڈبے کی طرح تھی اور اس پر سونا چڑھا ہوا تھا اس میں چھوٹے چھوٹے گھر تھے جن کے دروازے تھے اس نے کھول کر سیاہ ریشمی کپڑا نکال کر پھیلایا تو اس میں سرخ صورت تھی جب دیکھا تو وہ ایک شخص ہے جس کی آنکھیں موٹی اور سرین

بڑے بڑے ہیں اس کی گردن جیسی لمبی گردن میں نے نہیں دیکھی اس کی دو مینڈھیاں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں زیادہ حسین تھیں پوچھا کیا تم ان کو جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں تو اس نے کہا یہ آدم علیہ السلام ہیں پھر ایک اور دروازہ کھولا تو اس سے سیاہ ریشم نکالا جس میں سفید صورت تھی دیکھا تو وہ ایک شخص ہے جس کی آنکھیں سرخ ہیں سر کی کھوپڑی بڑی اور داڑھی خوبصورت ہے پوچھا ان کو پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں' اس نے کہا یہ نوح علیہ السلام ہیں راوی کہتے ہیں پھر ایک دروازہ کھولا اور ریشمی کپڑا نکالا اس میں سفید تصویر تھی اور دیکھا تو قسم بخدا! رسول اکرم ﷺ تھے۔ اس نے کہا ان کو پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا ہاں یہ حضرت محمد ﷺ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے رسول اور ہمارے نبی ہیں اس نے کہا ہاں وہی ہیں پھر وہ سیدھا کھڑا ہوا پھر بیٹھ گیا اور کہا یہ وہی ہیں؟ ہم نے کہا ہاں وہی ہیں گویا تم ان کو دیکھ رہے ہو پس وہ ایک گھڑی رک کر تصویر کو دیکھتا رہا پھر کہا سنو! اللہ کی قسم یہ آخری گھر (خانہ) ہے لیکن میں نے اس (کو کھولنے) کے لئے جلدی کی تا کہ دیکھوں کہ تمہارے پاس کیا ہے؟ الحدیث

اس حدیث میں انبیاء کرام حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ' حضرت سلیمان اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر ہے راوی فرماتے ہیں ہم نے اس سے پوچھا یہ تصویریں تمہارے پاس کہاں سے آئی ہیں؟ اس نے کہا حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ ان کو ان کی اولاد میں سے انبیاء کرام دکھائے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کی صورتیں اتاریں تو یہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ آدم علیہ السلام کے خزانے میں تھیں تو ذوالقرنین نے ان کو اس مقام سے نکال کر حضرت دانیال علیہ السلام کو دیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور کے چوالیسویں مزمور میں ہے (جس طرح قرآن مجید کی آیات ہیں زبور کا کلام اور دعائیں مزمور (جمع مزامیر ہے) کہلاتی ہیں۔

آپ کے مبارک ہونٹوں سے نغمہ جاری ہوا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ابد تک (ہمیشہ کے لئے) مبارک بنایا اے جبار (حضور علیہ السلام کا اسم گرامی) تلوار لٹکایئے بے شک آپ کی شریعتیں اور سنت آپ کے دائیں ہاتھ کی ہیبت سے ملی ہوئی ہے اور آپ کے تیر مسنون ہیں اور تمام گروہ آپ کے سامنے سرنگوں ہیں۔

تو یہ مزمور نبی اکرم ﷺ کی نبوت کی رفعت بتاتا ہے اور وہ نعمت (یا نغمہ) جو آپ کے مبارک ہونٹوں سے نکلا وہ قول ہے جو آپ فرماتے ہیں اور یہ وہ کتاب ہے جو آپ پر اتاری گئی اور سنت جو آپ نے جاری کی اور یہ بات کہ آپ تلوار لٹکائیں گے اس بات پر دلالت ہے کہ اس سے عربی نبی مراد ہیں کیونکہ عرب کے علاوہ کسی امت نے تلواریں نہیں لٹکائیں وہ سب اپنے کاندھوں پر رکھتے تھے۔

اور یہ کہنا کہ "آپ کی شریعت اور سنت" تو یہ واضح نص ہے آپ صاحبِ شریعت و سنت ہیں اور آپ کی تلوار اسے قائم کرے گی اور جبار کہا گیا یعنی وہ جو تلوار کے ذریعے مخلوق کو حق پر رکھتا ہے اور ان کو جبراً کفر سے پھیرتا ہے۔[1]

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے بعض قدیم کتابوں میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم ہے میں عرب کے پہاڑوں پر ضرور ایک نور اتاروں گا جو مشرق اور مغرب کے درمیان کو بھر دے گا۔ اور میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ضرور بضرور ایک امی نبی پیدا کروں گا جس پر آسمان کے

---

[1] حضور علیہ السلام نے فرمایا "امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ" مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے لڑوں حتیٰ کہ وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

ستاروں اور زمین کی سبزیوں کی تعداد کے مطابق لوگ ایمان لائیں گے وہ سب میرے رب ہونے اور ان کے رسول ہونے پر ایمان لائیں گے۔ وہ اپنے باپ دادا کے ادیان کا انکار کریں گے اور ان سے بھاگیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا (اے اللہ!) تو پاک ہے اور تیرے نام مقدس ہیں تو نے اس نبی کو عزت و شرف عطا کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام میں دنیا اور آخرت میں اس کے دشمن سے بدلہ لوں گا اور اس نبی کی دعوت کو ہر دعوت پر غالب کروں گا جو اس کی شریعت کی مخالفت کرے گا اس کو ذلیل کروں گا۔ میں اسے عدل کے ساتھ زینت دوں گا اور انصاف کے ساتھ ظاہر کروں گا اور مجھے اپنی عزت کی قسم میں اس کے ذریعے کئی گروہوں کو جہنم سے ضرور بچاؤں گا میں نے دنیا کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ شروع کیا اور حضرت محمد ﷺ پر ختم کروں گا پس جس نے ان کو پایا اور ان پر ایمان نہ لایا اور ان کی شریعت میں داخل نہ ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بری ہے (اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں) یہ بات ابن ظفر وغیرہ نے ذکر کی ہے۔

پانچویں نوع

اس نوع میں ان آیات کا ذکر ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی رسالت کے ثبوت اور جو کچھ آپ کی طرف آیات خداوندی کی وحی ہوئی نیز آپ کے مرتبہ شریفہ اور مقام کا بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ تمہیں عزت عطا کرے اس نوع کا اکثر حصہ ابن قیم کی کتاب ''اقسام القرآن'' کا خلاصہ اور کچھ دیگر عمدہ فوائد پر مشتمل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے چند امور پر بعض امور کے ساتھ قسم کھائی ہے اور اپنی ذات کو کچھ صفات سے موصوف کرتے ہوئے قسم کھائی اور ان آیات کی قسم کھائی جو اس کی ذات وصفات کو مستلزم ہیں اور اس کا اپنی بعض مخلوقات کے نام سے قسم کھانا اس بات کی دلیل کہ وہ اس کی عظیم نشانیوں میں سے ہے۔ (الشفاء ج ۱ ص ۳۱)

پھر بعض اوقات اللہ تعالیٰ جواب قسم کا ذکر کرتا ہے اور عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے اور کبھی اس کو حذف کر دیتا ہے۔ کبھی قسم کھاتا ہے کہ قرآن مجید حق ہے اور کبھی یوں قسم کھاتا ہے کہ رسول ﷺ حق ہیں کبھی جزاء اور وعدہ وعید کے حق ہونے کی قسم کھاتا ہے۔

پہلی قسم کی مثال ارشادِ خداوندی ہے:

فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ ○ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عَظِيۡمٌ ○ اِنَّهٗ لَقُرۡاٰنٌ كَرِيۡمٌ ○ فِىۡ كِتٰبٍ مَّكۡنُوۡنٍ ○ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الۡمُطَهَّرُوۡنَ ○

(الواقعہ: ۷۵۔۷۹)

تو مجھے قسم ہے ان جگہوں کی جہاں تارے ڈوبتے ہیں اور تم سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے بے شک یہ عزت والا قرآن ہے محفوظ نوشتہ میں اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔

(قرآن مجید کے حق ہونے پر قسم ہے)۔

دوسری قسم کی مثال یہ ارشاد خداوندی ہے:

يٰسٓ ○ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَكِيۡمِ ○ اِنَّكَ لَمِنَ

حکمت والے قرآن کی قسم بے شک آپ مرسلین

الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (یٰس:۱۔۳) (رسولوں) میں سے ہیں۔

(یہاں رسول اکرم ﷺ کی رسالت کے حق ہونے پر قسم کھائی گئی)۔

اور تیسری مثال کے سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے:

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۝ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۝ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝ وَاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝ (الذاریات:۱۔۶)

قسم ان کی جو بکھیر کر اڑانے والیاں پھر بوجھ اٹھانے والیاں پھر نرم چلنے والیاں پھر حکم سے بانٹنے والیاں بے شک جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے ضرور سچ ہے اور بے شک انصاف ضرور ہوتا ہے۔

(اس میں آخرت کے ثبوت پر قسم ہے)۔

اور یہ تین امور ایک دوسرے کو لازم ہیں پس جب ثابت ہو گیا کہ رسول ﷺ حق ہیں تو ثابت ہوا کہ قرآن مجید بھی حق ہے اور قیامت کے دن اٹھنا بھی ثابت ہو گیا اور جب ثابت ہوا کہ قرآن مجید حق ہے تو رسول ﷺ کی صداقت بھی ثابت ہو گئی جو اس قرآن کو لے کر آئے اور جب ثابت ہوا کہ وعدہ اور وعید حق ہیں تو رسول ﷺ جو ان امور کو لے کر آئے ان کا حق ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

اس نوع میں پانچ فصلیں ہیں۔

فصل نمبرا

اللہ تعالیٰ کا آپ کے خلق عظیم پر جسے آپ کے ساتھ خاص کیا نیز جو فضل عمیم آپ کو عطا کیا اس پر قسم کھانا

ارشاد خداوندی ہے:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (القلم:۱۔۴)

قلم اور ان کے لکھنے کی قسم تم اپنے رب کے فضل سے مجنوں نہیں اور ضرور تمہارے لئے بے انتہا ثواب ہے اور بے شک تمہاری خو بو (خلق) بڑی شان کی ہے۔

''ن'' حروف کے اسماء میں سے ہے جیسے ''الم'' ''المص'' اور ''ق'' ان اسماء میں اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ یہ قرآن مجید کے نام ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ یہ سورتوں کے نام ہیں ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یوں کہا کرتے ہے ''یا کھیعص'' یا ''حم عسق''۔ جیسا کہ کہا گیا ہے اور ہو سکتا ہے ان کی مراد یہ ہو کہ اے ان حروف کو نازل کرنے والے!

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک راز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں سے مخفی رکھا ہے اور چاروں خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کے قریب قریب مروی ہے اور شاید ان کی مراد یہ ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان راز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے غیر کو سمجھانے کا قصد نہیں فرمایا کیونکہ (اگر رسول ﷺ کو بھی علم نہ ہو تو) غیر مفید بات سے خطاب عقل سے بعید ہے۔

اور کہا یہاں ''ن'' سے مچھلی کا نام مراد ہے اور کہا مچھلی کی جنس مراد ہے یا ''البھموت'' مراد ہے جس پر زمین قائم ہے یہ بھی کہا گیا کہ اس سے دوات مراد ہے یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے تو یہ دوات اور قلم کی قسم ہے کیونکہ کتاب کے سبب سے ان دونوں سے بہت بڑا فائدہ حاصل کیا جاتا ہے کیونکہ کسی چیز کی سمجھ بعض اوقات بولنے سے حاصل ہوتی ہے اور کبھی کتابت سے۔

یہ بھی کہا گیا کہ ''ن'' سے نورانی تختی مراد ہے جس میں وہ امور لکھے جاتے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے۔ یہ بات معاویہ بن قرہ نے مرفوعاً نقل کی ہے۔

اور حق یہ ہے کہ یہ سورت کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ نے کتاب اور اس کے آلہ کی قسم کھائی ہے اور وہ آلہ قلم ہے جو اس کی نشانیوں سے ایک نشانی اور اس کی پہلی مخلوقات میں سے ہے۔ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر اور شریعت کو جاری کیا اور اس کے ساتھ وحی لکھی گئی' اس کے ساتھ دین کو مقید کیا اور اسی کے ساتھ شریعت کو ثابت کیا اور علوم کی حفاظت بھی اسی کے ذریعے کی گئی' قلم کے ذریعے بندوں کے مفادات' وہ معاشی ہوں یا قیامت سے متعلق ہوں قائم کئے' لوگوں میں نہایت بلیغ فصیح' زیادہ نفع بخش اور زیادہ نصیحت کرنے والے خطیب کو کھڑا کیا اور ایسا واعظ جس کے وعظ دلوں کو بیماریوں سے شفا دے دیں اور ایسا طبیب جو اپنے رب کے حکم سے مختلف تکالیف سے محفوظ رکھے کہ اس نے اپنے رسول اور نبی محمد ﷺ کی پاکیزگی بیان کی جو اپنے تمام افعال و اقوال میں ان خرابیوں سے پاک ہیں جو آپ کے دشمنوں یعنی کفار نے آپ کی طرف منسوب کئے اور آپ کو جھٹلایا اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد خداوندی کے ذریعے ان خرابیوں کی نفی کی:

مَآ اَنۡتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّکَ بِمَجۡنُوۡنٍ ○ (قلم:۲) تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔

اور اس شخص کو کیسے مجنون کہا جا سکتا ہے جو ایسے معجزات لاتا ہے جو عقلمند لوگوں کو بھی مقابلے سے عاجز کر دیں اور اس کی مثل نہ لایا جا سکے جس نے ان کو حق کی اس طرح پہچان کرائی کہ عقل کو وہاں تک راہ نہیں ملتی جہاں عقلمند لوگوں کی عقلیں جھک جائیں اور جو کچھ آپ لائیں اس کے پہلو میں وہ یوں ہلکی پڑ جائیں کہ تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو اور خود اپنی مرضی سے سر جھکانا پڑے پس ان کی وجہ سے عقلوں کی تکمیل ہوئی ہے جیسے بچہ پستان سے دودھ پی کر پروان چڑھتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی دونوں حالتوں یعنی دنیوی اور اخروی حالت کے کمال کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

وَاِنَّ لَکَ لَاَجۡرًا غَيۡرَ مَمۡنُوۡنٍ ○ (القلم:۳) اور ضرور تمہارے لئے بے انتہا ثواب ہے۔

یعنی ایسا ثواب ہے جو ختم نہیں ہوگا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا اور لفظ اجر کو تعظیم کے لئے نکرہ لایا گیا یعنی اتنا عظیم اجر کہ اس کا وصف بیان نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کی تعبیر ہو سکتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو عطا کردہ وصف پر تعریف فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ○ (القلم:۴) اور بے شک آپ بہت بڑے خلق کے مالک ہیں۔

اور یہ بات آپ کی نبوت ورسالت کی بہت بڑی علامات میں سے ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے خلق کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

کان خلقه القرآن . آپ کا خلق قرآن ہے۔

اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر حضرات نے فرمایا کہ آپ بہت بڑے دین پر تھے اور دین کو خلق کہا کیونکہ خلق ایک ایسی حالت کو کہتے ہیں جو سچے علوم' پاکیزہ ارادوں' ظاہری و باطنی اعمال جو عدل' حکمت اور مصلحت کے موافق ہوں اور وہ اقوال جو حق کے مطابق ہوں سے مرکب (حالت) ہوتی ہے وہ اقوال و اعمال ان علوم اور ارادوں سے صادر ہوتے ہیں پس نفس ان کے ذریعے ایسے اخلاق کا کسب کرتا ہے جو سب سے زیادہ پاکیزہ' اشرف اور افضل اخلاق ہوں۔ اور نبی اکرم ﷺ کے اخلاق قرآن مجید سے ماخوذ تھے پس آپ کا کلام تفصیل اور بیان میں قرآن مجید کے موافق ہے اور آپ کے علوم' علوم قرآن ہیں آپ کے ارادے اور اعمال وہ ہوئے جن کو قرآن نے واجب کیا اور ان کی دعوت دی اور جن کاموں سے قرآن مجید نے منع کیا آپ ان سے اعراض فرماتے اور ان کو ترک کر دیتے آپ کی رغبت ان کاموں میں ہوتی جن کی ترغیب قرآن نے دی اور ان کاموں سے آپ بے رغبت رہتے جن سے بے رغبتی کا راستہ قرآن نے دکھایا قرآن نے ناپسند کیا تو آپ نے ناپسند کیا اور اگر قرآن مجید نے اسے پسند کیا تو آپ نے بھی پسند کیا اور آپ احکام قرآن کے نفاذ کے لئے کوشش فرماتے ہیں چونکہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو قرآن مجید اور رسول اکرم ﷺ دونوں کی کمال معرفت حاصل تھی اس لئے آپ نے ترجمانی کی اور بہترین تعبیر کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کا خلق قرآن تھا اور سوال کرنے والا اس مفہوم کو سمجھ گیا پس اس نے اس پر اکتفا کیا اسے تسلی ہوگئی۔

پس جب اللہ تعالیٰ نے آپ کا وصف خلق عظیم کے ساتھ بیان فرمایا تو فرمایا:

فَسَتُبۡصِرُ وَ یُبۡصِرُوۡنَ ○ بِاَىيِّكُمُ الۡمَفۡتُوۡنُ ○ (القلم:۵) تو اب کوئی دم جاتا ہے کہ تم بھی دیکھ لو گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں کون مجنون تھا۔

یعنی اے محمد! ﷺ عنقریب آپ بھی دیکھیں گے اور مشرک بھی دیکھیں گے کہ آپ کے دین کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت ہوگی اور یہ لوگ ذلیل اور مغلوب ہوں گے اور آپ ان کے قتل اور مال غنیمت کے مالک ہوں گے۔[1] (لسان العرب ج ۱۴ ص ۲۹۸)

---

[1] نبی اکرم ﷺ عمدہ اخلاق کے مالک تھے اور آپ کا دین قتل سے نہیں بلکہ اخلاق حسنہ اور عفو و درگزر سے پھیلا جس کی واضح مثال فتح مکہ ہے کہ شدید ترین دشمنوں کو بھی معاف کر دیا۔ ۱۲ ہزاروی

فصل نمبر۲

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی قدر و منزلت کو ظاہر فرمایا اس پر قسم کھانا

ارشادِ خداوندی ہے:

وَالضُّحٰی O وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی O مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی O (الضحیٰ: ۱-۳)

چاشت کی قسم! اور رات کی جب پردہ ڈالے کہ تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر جو انعام و اکرم فرمایا اور آپ کی پسند کے مطابق جو کچھ آپ کو عطا فرمایا اس پر اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی تصدیق کو متضمن ہے پس یہ آپ کی نبوت کی صحت اور آخرت میں جزاء پر نیز نبوت اور انجام پر قسم ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں میں سے دو عظیم نشانیوں کے ساتھ قسم کھائی جو اس کی ربوبیت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور وہ رات اور دن ہے اور بعض مفسرین جیسے امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (وغیرہ) نے الضحیٰ سے نبی اکرم ﷺ کا چہرۂ انور اور اللیل سے آپ کے مبارک بال مراد لئے ہیں وہ فرماتے ہیں یہ بات بعید از عقل نہیں ہے۔

اس قسم کی مطابقت میں غور کیجئے یہ چاشت کی روشنی ہے جو رات کے اندھیرے کے بعد آتی ہے اور جس پر قسم کھائی جا رہی ہے وہ وحی کا نور ہے جو اس کے رکنے کے بعد آیا حتیٰ کہ آپ کے دشمنوں نے کہا حضرت محمد ﷺ کو ان کے رب نے چھوڑ دیا تو رات کے اندھیرے کے بعد دن کی روشنی کی قسم وحی کی روشنی اور نور پر اس کے رکنے اور حجاب میں ہونے کے بعد کھائی گئی۔

نیز اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ہمیشہ کے لئے رات کے اندھیرے میں نہیں چھوڑتا بلکہ دن کی روشنی میں ان کو ان کے مصالح اور معیشت کی طرف رہنمائی کرتا ہے اسی طرح ان کو جہالت اور گمراہی کے اندھیرے میں نہیں چھوڑتا بلکہ وحی اور نبوت کے نور کے ذریعے ان کو دنیا اور آخرت کی بھلائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے تو جس چیز کے ساتھ قسم کھائی اور جس پر کھائی ان کے درمیان کتنا عمدہ ربط اور تعلق ہے۔

تو ان الفاظ کی عمدگی اور ان کے معانی کے جلال پر غور کیجئے اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کی نفی فرمائی کہ اس نے اپنے نبی کو چھوڑ دیا اور آپ سے بغض رکھا ''التودیع'' چھوڑ دینا اور القلی بغض رکھنا۔

یعنی جب سے آپ میرے مقصود ہیں میں نے آپ کو چھوڑا نہیں اور جب سے آپ میرے محبوب ہیں میں نے آپ سے بغض و نفرت نہیں کی اور ''ماقلا'' سے ''کاف'' محذوف ہے (یعنی وماقلاک) کیونکہ ما ودعک کی ضمیر پر اکتفا کیا گیا نیز آیات کے آخر میں یاء ہے (جیسے والضحیٰ O واللیل اذا سجی وغیرہ) پس ان کی موافقت میں کاف کو

حذف کیا تا کہ یہاں بھی یاء رہے (وما قلی)۔

اور یہ آپ کے تمام احوال کو شامل ہے اور آپ جس حالت کی طرف جاتے ہیں وہ آپ کے لئے پہلی حالت سے بہتر ہے جس طرح قیامت کا گھر آپ کے لئے دنیا سے بہتر ہے پھر آپ سے وہ وعدہ فرمایا جس سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور آپ کے نفس کو خوشی حاصل ہوتی اور سینۂ مبارکہ کھل جاتا وہ یہ کہ آپ کو وہ کچھ عطا کرے گا جس پر آپ راضی ہوں گے۔

اور یہ حکم ان عطیات کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں جیسے قرآن مجید' مدد' بدر کے دن دشمنوں پر کامیابی' فتح مکہ لوگوں کا فوج درفوج آپ کے دین میں داخل ہونا' بنوقریظہ اور بنونضیر پر آپ کا غلبہ' آپ کے لشکروں کا عرب کے تمام شہروں میں پھیل جانا نیز آپ کے خلفائے راشدین کو زمین کے کناروں پر مختلف شہروں میں جو فتوحات حاصل ہوئیں اس کے علاوہ آپ کے دشمنوں کے دلوں میں آپ کا رعب ڈالا گیا آپ کی دعوت کا پھیلنا' آپ کے ذکر کی رفعت اور کلمہ کی بلندی علاوہ ازیں آپ کے وصال کے بعد آپ کو جو کچھ عطا ہوا اور قیامت کے دن شفاعت اور مقام محمود کی صورت میں جو کچھ آپ کو ملے گا جنت میں وسیلہ' بلند درجہ اور کوثر عطاء ہوگا یہ سب انعامات ہیں جو آپ کی رضا کے خاطر آپ کو عطاء ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو سفید موتیوں کے ایک ہزار محل عطا کرے گا جن کی مٹی کستوری کی ہوگی اور ان محلات میں ہر وہ چیز ہوگی جو ان کے موافق اور شایان شان ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر وہ چیز عطا کرے گا جس پر آپ راضی ہوں اور عام جاہل لوگوں کو یہ دھوکہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس پر راضی نہیں ہوں گے کہ آپ کا ایک امتی بھی جہنم میں رہے یا اس پر راضی نہ ہوں گے کہ آپ کا ایک امتی بھی جہنم میں داخل ہو تو یہ ان لوگوں کے ساتھ شیطانی دھوکہ ہے اور وہ ان سے کھیل کود کرتا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ اس بات پر راضی ہوں گے جس پر آپ کا رب راضی ہوگا اور اللہ تعالیٰ کافروں اور نافرمانوں میں سے جس کو چاہے گا جہنم میں داخل کرے گا پھر نبی اکرم ﷺ کے لئے ایک حد مقرر کی جائے گی جن کی آپ سفارش کریں گے جیسا کہ آخری مقصد میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ اور اس کے حق کی سب سے زیادہ پہچان رکھتے ہیں آپ کو یہ بات کہنے کی ضرورت نہ ہو گی کہ میں اس بات پر راضی نہیں ہوں کہ تو میرے کسی امتی کو جہنم میں داخل کرے اور جہنم میں چھوڑے بلکہ آپ کا رب آپ کو ان لوگوں کی شفاعت کی اجازت دے گا جس کی شفاعت وہ چاہے گا اور جن کے لئے اجازت نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوگا ان کی شفاعت نہیں فرمائیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ پر اپنی نعمتیں ذکر کیں کہ یتیم ہونے کے بعد اس نے آپ کو ٹھکانہ دیا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ○ (الضحیٰ: ٦) کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا پھر جگہ دی۔

بعض حضرات اس طرف گئے ہیں کہ یتیم کا معنیٰ ''یکتا موتی'' سے لیا گیا ہے یعنی کیا اس نے آپ کو قریش میں یکتا اور بے

مثال نہیں پایا پس آپ کو اپنے پاس ٹھکانہ دیا اور فقر کے بعد بے نیاز کر دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان تین نعمتوں کے مقابلے میں شایانِ شان شکر ادا کریں تو آپ کو یتیم پر غضب کرنے' سائل کو جھڑکنے اور نعمت چھپانے سے منع فرمایا بلکہ اسے بیان کرنے کا حکم دیا کیونکہ نعمت کے شکر کی ایک صورت اسے بیان کرنا ہے کہا گیا ہے کہ نعمت سے نبوت اور بیان کرنے سے تبلیغ کرنا مراد ہے۔

فصل نمبر ۳

اللہ تعالیٰ کا نبی اکرم ﷺ پر کی گئی وحی اور کتاب نیز خواہشات سے آپ کی پاکیزگی کی تصدیق پر قسم کھانا

جو کچھ وحی کیا گیا اس کی تصدیق پر قسم

ارشادِ خداوندی ہے:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ (النجم: ا۔۳)

اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم! جب یہ معراج سے اترے تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس گمراہی اور سرکشی سے نبی اکرم ﷺ کی برأت اور پاکیزگی پر جو آپ کے دشمن آپ کی طرف منسوب کرتے تھے' ستارے کی قسم کھائی۔

مفسرین نے ''النجم'' کی تاویل میں مختلف اقوال بیان کئے ہیں جو معروف ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ ''النجم'' اپنے ظاہر پر ہے پھر الف لام عہد کا ہے یہ ایک قول ہے دوسرے قول میں الف لام جنس کا ہے اور یہ وہ ستارے ہیں جن سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے پس کہا گیا کہ ثریا ستارے مراد ہیں جب غائب ہو جائیں حضرت علی بن ابی طلحہ اور حضرت عطیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بات روایت کی ہے اور عرب جب ''النجم'' بولتے ہیں تو ثریا ستارے مراد ہوتے ہیں۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اس سے وہ ستارے مراد ہیں جن کے ساتھ شیطانوں کو مارا جاتا ہے جب وہ چوری چھپے سنتے ہیں تو یہ ستارے ان کے پیچھے دوڑتے ہیں یہ حضرت حسن رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اور حضرت سدی (اسماعیل بن عبدالرحمٰن کوفی) فرماتے ہیں اس سے زہرہ ستارہ مراد ہے اور حضرت حسن رحمہ اللہ ہی سے مروی ہے کہ قیامت کے دن ستاروں کا گرنا مراد ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس سے وہ سبزی مراد ہے جس کا تنا نہ ہو اور ''ہوی'' یعنی زمین پر گر گئی۔

ایک قول کے مطابق اس سے قرآن مجید مراد ہے یہ بات کلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کیونکہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے ''نجوما'' رسول اکرم ﷺ پر نازل ہوا حضرت مجاہد' حضرت مقاتل اور حضرت ضحاک رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت جعفر بن محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں اس سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مراد ہیں جب آپ معراج کی رات آسمان سے اترے۔

ابن قیم کا قول سب سے زیادہ ظاہر ہے کہ اس سے وہ ستارے مراد ہیں جن کے ساتھ شیطانوں کو مارا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس ظاہری اور مشاہدہ کی جانے والی نشانی کی قسم کھائی جسے اللہ تعالیٰ نے شیطانوں کے چوری چھپے سننے کی وحی کی حفاظت اور نشانی کے طور پر مقرر کیا اور یہ اس بات پر علامت ہے کہ جو کچھ اس کے رسول ﷺ لائے ہیں وہ حق اور سچ ہے شیطان کا اس میں کوئی دخل نہیں اور نہ ہی اس کی طرف وہ راستہ پا سکتا ہے بلکہ ستارے کے ذریعے حفاظت کر دی جب وہ وحی کے آگے بطور حفاظت اترتا ہے اس بنیاد پر جس چیز کی قسم کھائی گئی (مقسم بہ) اور جس چیز پر قسم کھائی (مقسم علیہ) دونوں کے درمیان ربط نہایت واضح ہے اور مقسم بہ (جس کے ساتھ قسم کھائی) وہ مقسم علیہ (جس پر قسم کھائی) پر دلیل ہے۔

قرآن مجید جب نازل ہوا تو اس کا نام ''والنجم اذا ھوی '' نہیں تھا اور اس کے نزول کو ''ھوی '' بھی نہیں کہا گیا اور قرآن مجید میں بھی یہ بات معروف نہیں ہے کہ اسے اس پر محمول کیا جائے نیز ثریا جب وہ غائب ہوں تو یہ نام اس کے ساتھ خاص نہیں اور یہ بات بھی نہیں کہ قیامت کے دن جب ستارے بکھر جائیں گے تو ان کو نجوم کہا جائے گا بلکہ یہ (ستاروں کا انتشار) ان امور میں سے ہے جس پر اللہ تعالیٰ قسم کھاتا ہے اور اس پر اس کی آیات دلالت کرتی ہیں۔

لیکن خود یہ عمل دلیل نہیں کیونکہ مخاطبینِ قرآن میں یہ بات ظاہر نہیں بالخصوص ان لوگوں کے سامنے جو قیامت کے دن اٹھنے کے منکر ہیں اللہ تعالیٰ اس بات کو دلیل بناتا ہے جس کا انکار اور اس میں جھگڑا ممکن نہ ہو پھر مقسم بہ اور مقسم علیہ کے درمیان مناسبت ہے جو مخفی نہیں اگر ہم کہیں کہ اس سے وہ ستارے مراد ہیں جو راستہ دکھانے کے لئے ہیں تو مناسبت ظاہر ہے اور اگر ہم کہیں کہ ثریا مراد ہیں تو وہ دیکھنے والے کے لئے سب سے زیادہ ظاہر ستارے ہوتے ہیں کیونکہ وہ آسمان میں دوسرے ستاروں سے مشتبہ نہیں ہوتے بلکہ ہر ایک کے لئے ظاہر ہوتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ بھی ان واضح آیات کے ذریعے ممتاز ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہیں نیز جب ثریا مشرق میں ظاہر ہوتے ہیں تو پھلوں کے پکنے کا وقت آ جاتا ہے اور جب مغرب میں ظاہر ہوں تو خزاں کا آخری وقت قریب آ جاتا ہے پس بیماریاں کم ہو جاتی ہیں اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا ظہور ہوا تو شرک اور قلبی بیماریاں کم ہو گئیں اور اگر ہم کہیں کہ اس سے قرآن مجید مراد ہے تو یہ آپ کے معجزہ کے ساتھ آپ کی صداقت اور برأت پر استدلال ہے اور یہ کہ آپ نہ بھٹکے اور نہ سرکش ہوئے اور اگر ہم اس سے سبزی مراد لیں تو اس سے جسمانی قوتوں اور ان کی صلاح کی سبزی مراد ہوگی اور عقلی قوت کی صلاح کے زیادہ لائق ہے اور یہ رسولوں اور راستوں کو واضح کرنے کے ذریعے ہوتی ہیں۔

اور غور کیجئے اللہ تعالیٰ نے کس طرح ارشاد فرمایا ''ما ضل صاحبکم '' اور ''ما ضل محمد '' نہیں فرمایا یہ ان

لوگوں پر حجت قائم کرنے کی تاکید ہے کہ آپ ان کے ساتھی ہیں اور وہ لوگ آپ کو آپ کے حال' اقوال اور اعمال کو دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ جانتے ہیں اور انہیں معلوم ہے کہ آپ جھوٹ نہیں بولتے نہ سرکش ہیں اور نہ ہی بھٹکے ہوئے ہیں اور وہ آپ پر ایک بات کا عیب بھی نہیں لگا سکتے اور اللہ تعالیٰ نے اس معنیٰ کو اس آیت کے ذریعے بھی بتایا فرمایا:

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ. (المومنون:٦٩) کیا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا؟

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی گفتگو کی پاکیزگی بیان فرمائی کہ وہ خواہش سے صادر نہیں ہوتی فرمایا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ (النجم:٣-٤) اور آپ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے بلکہ آپ کا کلام وحی ہوتا ہے جو آپ کی طرف کی جاتی ہے۔

''عن الهوى'' فرمایا ''بالهوى'' نہیں فرمایا کیونکہ اس میں زیادہ بلاغت ہے اور یہ اس بات کو متضمن ہے کہ آپ کا کلام خواہش سے صادر نہیں ہوتا تو جب خواہش سے صادر نہیں ہوتا تو آپ اسے کیسے زبان پر لائیں گے پس اس کے ضمن میں دو باتیں ہیں کلام کے نکلنے کی جگہ سے خواہش کی نفی اور ذاتی طور پر بولنے کی نفی' پس آپ کا کلام حق کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کی جائے صدور ہدایت اور رشد ہے' سرکشی اور گمراہی نہیں۔

پھر ارشاد فرمایا:

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ (النجم:٤) یہ نہیں مگر وحی ہے جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

پس اس مصدر کی طرف جو فعل سے سمجھا گیا ضمیر لوٹائی گئی یعنی آپ کا بولنا وحی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی جاتی ہے تو ضمیر کو قرآن پاک کی طرف لوٹانے کے مقابلے میں یہ زیادہ بلیغ ہے کیونکہ آپ کا بولنا قرآن کے ساتھ بھی ہے اور سنت کے ساتھ بھی اور یہ دونوں وحی ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ. (النساء:١١٣) اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت اتاری۔

اور یہ قرآن اور سنت ہیں۔

امام اوزاعی (ابوعمرو عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی متوفی ١٥٧ھ) نے حضرت حسان بن عطیہ (عطیہ محاربی) سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں حضرت جبریل علیہ السلام' نبی اکرم ﷺ پر سنت بھی اسی طرح نازل کرتے تھے جس طرح آپ پر قرآن پاک نازل فرماتے وہ آپ کو سنت سکھاتے تھے۔

(الاعلام ج٣ص٣٢٠' فیات الاعیان ج١ص٢٧٥' حلیۃ الاولیاء ج٦ص١٣٥' شذرات الذہب ج١ص٢٤١' حلیۃ الاولیاء ج٦ص٧٠)

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے وصف کی خبر دی جس نے وحی اور قرآن آپ تک پہنچایا کہ وہ شیطانی اوصاف کے خلاف اور اس کی ضد ہے کیونکہ شیطان گمراہی اور سرکشی کا معلم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ○ (النجم:٥) انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے۔

اور اس سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں یعنی آپ کی علمی اور عملی قوت نہایت مضبوط ہے اور اس میں شک نہیں کہ معلم کی تعریف' متعلم کی تعریف ہوتی ہے۔

اگر یوں فرمایا ہوتا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو سکھایا اور ان کا وصف (شدید القوی) بیان نہ کیا جاتا تو اس سے نبی اکرم ﷺ کو ظاہر فضیلت حاصل نہ ہوتی اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے:

ذِی قُوَّۃٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ ۝ (التکویر:۲۰) وہ قوت والے عرش والے کے نزدیک۔

اس پر بحث ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی کہ جب نبی اکرم ﷺ کی آنکھ مبارک نے دیکھا تو دل نے آنکھ کی تصدیق کی اور آپ اس شخص کی طرح نہیں جو کسی چیز کو اس کے خلاف دیکھتا ہے تو اس کا دل اس کی آنکھ کو جھٹلاتا ہے بلکہ آپ نے جو کچھ اپنی آنکھ سے دیکھا دل نے اس کی تصدیق کی اور معلوم ہوا کہ وہ اسی طرح ہے۔ واقعہ معراج میں مزید گفتگو ہے جو میں (مصنف علیہ الرحمہ) نے اس مقام پر ذکر کی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا اور مدد کرنے والا ہے۔

صداقت کتاب کی قسم

ارشاد خداوندی ہے:

فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ ۝ الۡجَوَارِ الۡکُنَّسِ ۝ وَالَّیۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ ۝ وَالصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۝ اِنَّہٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ ۝ ذِیۡ قُوَّۃٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ ۝ وَمَا صَاحِبُکُمۡ بِمَجۡنُوۡنٍ ۝ وَلَقَدۡ رَاٰہُ بِالۡاُفُقِ الۡمُبِیۡنِ ۝ وَمَا ھُوَ عَلَی الۡغَیۡبِ بِضَنِیۡنٍ ۝ وَمَا ھُوَ بِقَوۡلِ شَیۡطٰنٍ رَّجِیۡمٍ ۝ (التکویر:۱۵۔۲۵)

توقسم ہے ان کی جو الٹے پھریں سیدھے چلیں تھم رہیں اور رات کی جب پیٹھ دے اور صبح کی جب دم لے بے شک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور عزت والا وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے اور تمہارے صاحب مجنون نہیں اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں اور قرآن، مردود شیطان کا پڑھا ہوا نہیں۔

یعنی میں قسم نہیں کھاتا کیونکہ معاملہ اس بات سے زیادہ واضح ہے کہ قسم کھائی جائے یا معنیٰ یہ ہوگا کہ میں قسم کھاتا ہوں اور ''لا'' زائدہ تاکید کے لئے ہوگا اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

وَاِنَّہٗ لَقَسَمٌ لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عَظِیۡمٌ ۝ (الواقعہ:۷۶) اور تم سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے۔

زمخشری نے کہا مناسب یہ ہے کہ ''لا'' نفی کے لئے ہو یعنی قسم کسی چیز کی بڑائی بیان کرنے کے لئے کھائی جاتی ہے گویا حرف نفی کو داخل کرنے سے یوں فرمایا کہ میرا قسم کے ذریعے اس کی عظمت کو بیان کرنا نہ بیان کرنے کی طرح ہے کہ یہ اس سے اوپر کا اہل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی تینوں حالتوں یعنی طلوع ہونے، جاری ہونے اور غروب ہونے کی قسم کھائی رات کے چلے جانے اور اس کے بعد متصلاً دن کے آنے کی قسم کھائی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی کمزوری اور پیٹھ پھیرنے اور اس کی قوت اور آنے کا ذکر کیا کہ دن کے سانس لینے سے رات کا اندھیرا دور ہو جاتا ہے۔

پس جب وہ سانس لیتا ہے تورات بھاگ جاتی ہے اور اس کے سامنے پیٹھ پھیر لیتی ہے اور یہ اس کی نشانیوں اور اس کی ربوبیت کے دلائل سے ہے کہ قرآن مجید رسول کریم کا قول ہے اور یہاں اس (رسول) سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ اس کے بعد قطعی طور پر ان کی صفت کا ذکر اس چیز کے ساتھ کیا جس کے ساتھ وہ آپ کی مدد کرتے ہیں۔

لیکن ''الحاقہ'' میں جس رسول کریم کا ذکر ہے وہ حضرت محمد ﷺ ہیں پس قرآن مجید کی اضافت کبھی فرشتہ رسول کی طرف کی جاتی ہے اور کبھی بشری رسول کی طرف' اور ان دونوں کی طرف اضافت (حقیقی اضافت نہیں بلکہ) تبلیغی اعتبار سے ہے کلام کا انشاء ان دونوں کی طرف سے نہیں (بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے) اور اس پر لفظ رسول دلالت کرتا ہے کیونکہ رسول اسے کہتے ہیں جو اپنے بھیجنے والے کا کلام پہنچاتا ہے۔

تو یہ اس بارے میں صریح ہے کہ اس ذات کا کلام ہے جس نے حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کو بھیجا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے لیا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے لیا۔

اور اس سورت (سورۂ تکویر) میں اللہ تعالیٰ نے فرشتہ رسول کا وصف بیان کیا کہ وہ کریم ہیں جو سب سے بہترین عطیات یعنی علم' معرفت' ہدایت نیکی اور رہنمائی دیئے گئے ہیں اور یہ انتہائی کرم ہے۔

وہ قوت والے ہیں جیسا کہ سورۂ النجم میں فرمایا:

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ○ (النجم:۵) انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے۔

تو وہ اپنی قوت سے شیطانوں کو اس (قرآن پاک) کے قریب آنے اور اس میں کمی زیادتی کرنے سے روکتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی چار بستیوں کو اپنے پروں کے اگلے حصے پر اٹھایا حتیٰ کہ آسمان والوں نے ان کے کتوں اور بچوں کی آواز سنی۔

عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ○ (التکویر:۲۰) مالک عرش کے حضور عزت والا۔

یعنی آپ کا مقام اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہونا اس اعتبار سے ہے کہ آپ کو شرف اور عظمت حاصل ہے (جسمانی قرب مراد نہیں ہے):

مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ○ (التکویر:۲۱) اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے۔

یعنی ملائکہ مقربین میں ان کی اطاعت کی جاتی ہے وہ ان کے حکم سے جاتے اور واپس آتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور رسالت پر امین ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو خیانت اور لغزش سے بچایا ہے (معصوم بنایا) تو یہ پانچ صفات ہیں جو قرآن پاک کی سند کے تزکیہ کو متضمن ہیں اور یہ کہ قرآن مجید کو حضرت محمد ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے سنا اور حضرت جبریل علیہ السلام نے تمام جہانوں کو پالنے والے سے سنا۔

تو تمہارے لئے اس کی بلندی اور جلالت پر یہی سند کافی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی پاکیزگی بیان کی پھر اپنے بشری رسول ﷺ کی ان باتوں سے پاکیزگی اور برأت بیان کی جو آپ کے دشمن آپ کے بارے میں کہتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ○ (التکویر:۲۲) اور تمہارا ساتھی مجنون نہیں۔

اور اس بات کو وہ لوگ جانتے تھے اور اس میں ان کو کوئی شک نہیں تھا۔ اگرچہ وہ اپنی زبانوں سے اس کے خلاف کہتے تھے

پس ان لوگوں کو اپنے جھوٹ کا علم تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا اس سے معلوم ہوا کہ وہ فرشتہ ہیں اور خارج میں موجود ہیں جن کو آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے جب کہ ایک جماعت کا اس میں اختلاف ہے ان لوگوں کے نزدیک آپ کی حقیقت محض ایک خیال ہے جو ذہنوں میں موجود ہے ظاہر میں نہیں یہ وہ بات ہے جس میں ان لوگوں نے تمام انبیاء کرام اور ان کی اتباع کرنے والوں کی مخالفت کی اور اس طرح وہ تمام ادیان سے خارج ہو گئے۔

اسی لئے نبی اکرم ﷺ کے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھنے کی تقریر آپ کے اپنے رب کو دیکھنے کی تقریر سے اہم ہے آپ کا جبریل علیہ السلام کو دیکھنا اصل ایمان ہے اس بات کا عقیدہ رکھے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا اور اس کا منکر قطعی طور پر کافر ہے لیکن اپنے رب کو دیکھنے کے بارے میں اختلاف ہے اس کا منکر بالاتفاق کافر نہیں ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے واضح طور پر فرمایا کہ آپ نے اپنے رب کی زیارت نہیں کی تو ہم حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھنے کی تقریر کے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی تقریر سے زیادہ محتاج ہیں اگرچہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھنے سے زیادہ عظیم ہے کیونکہ نبوت کا ثبوت کسی صورت میں بھی اس پر موقوف نہیں (اللہ تعالیٰ کی زیارت پر موقوف نہیں)۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں رسولوں (حضرت محمد ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام) کی پاکیزگی بیان کی ایک کی کلام کے ذریعے اور دوسرے کی بطور لزوم اور یہ پاکیزگی اس بات سے ہے جو مقصود رسالت کی ضد ہے یعنی چھپانا جو بخل ہے اور تبدیل کر دینا جو تہمت کو واجب کرتا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ○ (التکویر: ۲۴) اور وہ (نبی اکرم ﷺ) غیب بتانے پر بخیل نہیں ہیں۔

کیونکہ رسالت کا مقصود دو باتوں سے پورا ہوتا ہے ایک یہ کہ کچھ چھپائے بغیر اس کو ادا کیا جائے اور دوسری بات اسے کسی کمی زیادتی کے بغیر پہنچانا۔

اور دو قرأتیں دو آیتوں کی طرح ہیں جو ایک دوسرے کو متضمن ہیں اور یہ ضاد کے ساتھ قرآت ہے یعنی بخل سے پاک اور مبرا ہونا کیونکہ "ضنین" کا معنیٰ بخیل ہے کہا جاتا ہے "ضننت به اضن" میں نے اس سے بخل کیا میں اس سے بخل کرتا ہوں اور یہ "بخلت ابخل" کے وزن پر ہے اور اس کا ہم معنیٰ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اتارا آپ اس میں بخل کرنے والے نہیں ہیں۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ آپ جو کچھ جانتے ہیں اس (کے بتانے) میں ان سے بخل نہیں فرماتے۔

اور اس پر تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ یہاں غیب سے قرآن اور وحی مراد ہے۔

فراء نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس آسمان سے غیب آتا ہے اور آپ کو اس میں رغبت ہوتی ہے لیکن آپ اس کو تمہارے سامنے بیان کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے۔

اور یہ معنیٰ نہایت عمدہ ہے کیونکہ نفوس کی عادت ہوتی ہے کہ وہ نفیس چیزوں میں بخل سے کام لیتے ہیں خاص طور پر اس کو دینے سے جو اس کی قدر نہ جانتا ہو۔ اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ وحی کو تم تک پہنچانے میں بخل سے کام نہیں لیتے

حالانکہ یہ سب سے عمدہ اور اعلیٰ چیز ہے۔

ابوعلی الفارسی فرماتے ہیں معنیٰ یہ ہے کہ آپ کے پاس غیب کی خبریں آتی ہیں تو ان کو بیان کرتے' خبر دیتے اور ظاہر کرتے ہیں اور اسے چھپاتے نہیں جس طرح نجومی اس بات کو چھپاتا ہے جو اس کے پاس ہوتی ہے جب تک اسے اجرت نہ دی جائے۔

بعض قرأتوں میں ''ظاء'' کے ساتھ ''بظنین'' پڑھا گیا ہے اس کا معنیٰ ''تہمت لگایا ہوا'' ہے کہا جاتا ہے'' ضننت زیدا ''یعنی میں نے اس پر تہمت لگائی اور یہ'' ظن ''شعور اور ادراک کے معنیٰ میں نہیں ہے وہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ اس نبی پر قرآن مجید کے حوالے سے تہمت نہیں لگائی جاسکتی بلکہ آپ اس میں امین ہیں اور آپ اس میں کمی زیادتی نہیں کرتے۔

اور یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس میں ضمیر ''ہو'' حضرت محمد ﷺ کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ فرشتہ رسول کا امانت کے ساتھ موصوف ہونا پہلے گزر چکا ہے پھر فرمایا:

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝ (التکویر:۲۲) اور تمہارے صاحب مجنون نہیں ہے۔

پھر فرمایا اور وہ (مجنون) نہیں ہیں یعنی تمہارے صاحب پر تہمت بھی نہیں اور وہ بخیل بھی نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے ان تمام نقائص کی نفی کی اور سندِ قرآن کا تزکیہ سب سے بڑا تزکیہ ہے اور اللہ تعالیٰ سچ فرماتا ہے اور وہ سیدھے راستے پر چلاتا ہے۔

قرآن کے وحی ہونے پر قسم

ارشادِ خداوندی ہے:

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ (الحاقہ:۳۸۔۴۰) تو مجھے قسم ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو اور جنہیں تم نہیں دیکھتے بے شک یہ قرآن اے کرم والے رسول سے باتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کی قسم کھائی ان میں سے جن کو وہ دیکھتے ہیں اور جن کو نہیں دیکھتے اور قرآن پاک میں واقع ہونے والی یہ اہم قسم ہے کیونکہ علویات' سفلیات' دنیا اور آخرت جو کچھ دکھائی دیتا ہے اور جو کچھ دکھائی نہیں دیتا سب کو شامل ہے اس میں تمام فرشتے' جن انسان' عرش' کرسی اور سب مخلوق شامل ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ربوبیت کی نشانیوں میں سے ہے اس قسم کے ضمن میں یہ بات بھی ہے کہ جو کچھ دکھائی دیتا ہے یا دکھائی نہیں دیتا سب اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی صداقت کی نشانی اور دلیل ہے نیز جو کچھ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کسی شاعر' مجنون یا نجومی کا کلام نہیں ہے نیز وہ حق ہے اور ثابت ہے جیسا کہ تمام موجودات' چاہے وہ دکھائی دے یا دکھائی نہ دے۔

ارشاد خداوندی ہے:

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۝ (الذاریات:۲۳) تو آسمان اور زمین کے رب کی قسم بے شک یہ قرآن حق ہے ویسی ہی زبان میں جو تم بولتے ہو۔

گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے شک قرآن حق ہے جس طرح مخلوق جس کا تم مشاہدہ کرتے ہو یا نہیں کرتے وہ حق ہے موجود ہے اور جو کچھ انسان دیکھتا ہے اس سب کی جگہ اس کا نفس کافی ہے۔ اس کی تخلیق' پروان چڑھنا اور جو ظاہری اور باطنی احوال وہ دیکھتا ہے ان میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت' اس کی صفات کے ثبوت اور جس بات کی اس کے رسول ﷺ نے خبر دی اس پر واضح دلیل ہے اور جو شخص اپنے دل کو حقیقتاً اس طرف نہیں لگاتا اس کے دل میں ایمان کی خوشی نہیں آ سکتی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی صداقت پر قطعی دلیل قائم فرمائی نیز آپ نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں باندھا جیسا کہ وہ (مشرکین) کہتے ہیں اور اگر وہ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے اور اس کے بارے میں جھوٹی بات کہتے تو اللہ تعالیٰ آپ کو برقرار نہ رکھتا اور جلد ہلاک کر دیتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت اور حکمت کا کمال یہ ہے کہ جو شخص اس پر افتراء باندھے اور جھوٹ کہے وہ اسے برقرار نہیں رکھتا اس طرح اس شخص کو بھی باقی نہیں رکھتا جو اس کے بندوں کو گمراہ کرنے اور اپنے جھٹلانے والوں کے خون' عزت اور مال کو حلال قرار دے۔

تو وہ جو تمام حاکموں کا حاکم ہے اور سب سے بڑا قادر ہے اس کے شایانِ شان کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اسے اس بات پر برقرار رکھے بلکہ اس کے لائق کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کی مدد کرے بلند مرتبہ عطا کرے اور اس کو ان پر غلبہ عطا کرے کہ وہ ان کا خون بہائے ان کے مالوں' اولاد' شہروں اور عورتوں کو مباح سمجھے یہ کہتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات کا حکم دیا اور یہ کام میرے لئے مباح قرار دیا ہے بلکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے لائق کیسے ہو سکتی ہے کہ وہ متعدد طریقوں سے اس کی تصدیق کرے' اقرار کے ذریعے اس کی تصدیق کرے اور ان نشانیوں کے ذریعے جو اس کی صداقت کو مستلزم ہیں۔

پھر ان نشانیوں کے اختلاف کے باوجود ان کی تمام انواع کے ساتھ تصدیق کرے پس ہر نشانی الگ طور پر آپ کی تصدیق کرتی ہے پھر وہ قطعی دلائل قائم کرے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور آپ اس کے لئے اپنے اقرار' فعل اور قول سے شہادت دے۔

تو یہ بات بہت زیادہ محال اور سب سے زیادہ باطل ہے اور بڑا واضح بہتان ہے کہ احکم الحاکمین کے بارے میں افتراء باندھا جائے۔

یہاں رسول کریم سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے کیونکہ جب فرمایا ''**انہ لقول رسول کریم** '' تو اس کے بعد ذکر فرمایا ''**انہ لیس شاعر ولا کاھن** '' اور مشرکین حضرت جبریل علیہ السلام کو شاعر اور کاہن نہیں کہتے تھے۔

اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ○ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ○ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ○ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ○ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ○

(الواقعہ: ۷۵۔۷۹)

تو مجھے قسم ہے ان جگہوں کی جہاں ستارے ڈوبتے ہیں اور تم سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے بے شک یہ عزت والا قرآن ہے محفوظ نوشتہ میں اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔

کہا گیا ہے کہ ''کتاب مکنون'' سے لوح محفوظ مراد ہے۔

ابن قیم نے کہا صحیح بات یہ ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جو فرشتوں کے ہاتھوں میں ہے اور اس ارشاد خداوندی میں اسی کا ذکر ہے:

فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ ۝ کِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝ (العبس: ١٣-١٦)

ان صحیفوں میں کہ عزت والے ہیں بلندی والے پاکی والے ایسوں کے ہاتھوں لکھے ہوئے جو کرم والے نیکی والے ہیں۔

حضرت مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں سب سے اچھی بات جو اس سلسلے میں میں نے سنی ہے وہ اس کی مثل ہے جو سورۂ عبس میں ہے فرماتے ہیں بعض مفسرین نے کہا مراد یہ ہے کہ مصحف کو صرف پاک آدمی ہاتھ لگا سکتا ہے لیکن پہلی بات زیادہ ترجیح والی ہے (یعنی لوح محفوظ مراد ہے)۔

کیونکہ آیت کریمہ اس مقصد کے لئے لائی گئی کہ قرآن مجید کی اس بات سے پاکیزگی بیان کی جائے کہ اسے شیطان لے کر اترتے ہیں۔ شیطان اس تک نہیں پہنچ سکتے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّیٰطِیْنُ ۝ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهُمْ وَمَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ۝ (الشعراء: ٢١٠-٢١١)

اور اس قرآن کو لے کر شیطان نہ اترے اور وہ اس قابل نہیں اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں۔

نیز ''لا یمسه'' رفع کے ساتھ ہے اور یہ لفظاً اور معنیً خبر ہے۔

اگر یہ نہی ہوتی تو مفتوح ہوتا اور جنہوں نے اسے نہی پر محمول کیا ہے وہ خبر کو اس کے ظاہر سے نہی کے معنیٰ کی طرف پھیرنے کے محتاج ہیں اور خبر اور نہی دونوں میں اصل یہ ہے کہ ان کو ان کی حقیقت پر محمول کیا جائے اور یہاں کلام کو خبر سے نہی کی طرف پھیرنے کا کوئی سبب نہیں ہے۔

یہ بات جو ابن قیم نے کہی ہے ایک جماعت نے اس سے استدلال کیا جن میں داؤد (ظاہری) بھی شامل ہے کہ بے وضو کے لئے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا جائز ہے۔

ابن رفعہ نے ''الکفایہ'' میں ان لوگوں کے من گھڑت دلائل کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ نص سے یہ بات ثابت ہے کہ قرآن پاک کو (طہارت کے بغیر) ہاتھ لگانا صحیح نہیں پس معلوم ہوا کہ اس سے وہ کتاب مراد ہے جو مذکورہ لوگوں کے زیادہ قریب ہے اور نہی لوح محفوظ کی طرف متوجہ نہیں ہوتی کیونکہ لوح محفوظ کو اتارا نہیں گیا اور اسے ہاتھ لگانا ممکن بھی نہیں اور یہ بھی ممکن نہیں کہ طہارت والوں سے فرشتے مراد ہوں کیونکہ یہاں نفی اور اثبات دونوں ہیں گویا فرمایا طہارت والے اسے ہاتھ لگا سکتے ہیں اور جو طہارت کے بغیر ہیں وہ ہاتھ نہیں لگا سکتے اور اس بات پر اجماع ہے کہ آسمان میں ناپاک کوئی نہیں ہے معلوم ہوا کہ یہاں پاک لوگوں سے انسان مراد ہیں اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے جو نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ نے عمرو بن حزم کے خط میں فرمایا:

ولا تمس القرآن الا وانت علی طاهر.

قرآن مجید کو طہارت کے بغیر ہاتھ نہ لگانا۔

(سنن دارقطنی ج ١ص ١٢٢ رقم الحدیث: ٦، المستدرک ج ٣ص ٤٨٥، المعجم الکبیر ج ٣ص ٢٣٠، مجمع الزوائد ج ١ص ٢٧٦، نصب الرایہ ج ١ص ١٩٨، السنن الکبریٰ ج ١ص ٨٧، کنز العمال رقم الحدیث: ٢٨٢٩)

اس حدیث کو امام دار قطنی وغیرہ نے نقل کیا پھر ابن رفعہ نے فرمایا اگر کہا جائے کہ واحدی نے کہا ہے کہ اکثر اہل تفسیر کے نزدیک اس سے لوح محفوظ مراد ہے اور پاک لوگوں سے فرشتے مراد ہیں اور اگر تمہارا کہنا صحیح ہو تو بھی اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ "لا یمسہ" میں سین پر ضمہ (پیش) ہے اور یہ مراد سے نہی نہیں اگر نہی ہوتی تو سین پر فتح ہوتا پس یہ خبر ہے۔

ہم کہتے ہیں اکثر مفسرین کا قول دوسرے مفسرین کے قول سے ٹکراتا ہے اور رجوع دلیل کی طرف ہوتا ہے (اور اس سے استدلال نہیں کر سکتے کیونکہ تضاد آ گیا)۔

اور آیت سے خبر مراد ہونے کا جواب یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ لفظاً خبر ہے اور معنیً نہی ہے اور قرآن مجید میں اس کی کئی مثالیں ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا. (البقرہ:۲۳۳) اور ماں کو بچے کی وجہ سے تکلیف نہ دی جائے۔

نیز فرمایا:

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ. (البقرہ:۲۲۸) اور طلاق والی عورتیں انتظار کریں (عدت گزاریں)۔

علامہ بساطی (ابو المحاسن یوسف بن خالد بن نعیم بن مکرم البساطی متوفی ۸۲۹ھ) نے شیخ خلیل کی مختصر کی شرح میں یوں جواب دیا کہ "یمسہ" مجزوم ہے اور سین کا ضمہ ضمیر کی وجہ سے ہے جیسا کہ ایک جماعت نے تصریح کی ہے انہوں نے کہا کہ یہ بصریوں کا مذہب ہے ان میں ابن حاجب بھی ہیں جنہوں نے اپنے شافیہ میں لکھا ہے۔

(الضوء اللامع ج ۱۰ ص ۳۱۲، نیل الابتہاج ص ۳۵۳، معجم المؤلفین ج ۱۳ ص ۲۹۵)

علامہ شہاب الدین احمد بن یوسف بن محمد بن مسعود حلبی شافعی جو "السمین" کے لقب سے مشہور ہیں، نے یہ بات زیادہ وضاحت اور فوائد کے ساتھ لکھی ہے انہوں نے کہا اس "لا" (لایمسہ میں جو "لا" ہے) میں دو وجہ ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ نہی کے لئے ہے اور اس کے بعد فعل مجزوم ہے کیونکہ جب ادغام کھول دیا جائے تو اسی طرح ہوگا جیسا کہ ارشادِ خداوندی: لم یمسسھم سوء۔ (آل عمران:۱۷۴) ان کو برائی نہ پہنچی۔ میں ہے لیکن یہاں ادغام ہوا اور جب ادغام ہوا تو اس کے آخر کو ضمہ کی حرکت دی اور یوں مذکر غائب کی ضمیر "ہا" کی وجہ سے ضمہ دیا گیا اور سیبویہ اس طرح کی صورت میں ضمہ دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

انا لم نردہ علیک الا انا حرم.[1] ہم اسے تمہاری طرف صرف اس لئے لوٹا رہے ہیں کہ ہم حالتِ احرام میں ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۰، مسند احمد ج ۴ ص ۳۸۔۷۱، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۵۳، مسند الشافعی ص ۸۴، التمہید ج ۹ ص ۵۴)

اگرچہ تخفیف کے طور پر فتحہ دینا جائز ہے۔ حضرت سمین فرماتے ہیں جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے اس سے رد کرنے والوں کے رد کا فساد ظاہر ہو گیا کہ اگر یہ نہی ہوتی تو "لا یمسہ" فتح کے ساتھ ہوتا کیونکہ اس صورت میں ہاء سے پہلے ضمہ کا جواز ان لوگوں سے مخفی رہا خصوصاً سیبویہ کے نزدیک اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت جائز نہیں۔

---

[1] نبی اکرم ﷺ کو حضرت صعب بن جثامہ لیثی نے ایک جنگلی دراز گوش ہدیہ کے طور پر دیا تو آپ نے رد کر دیا یہاں "لم نردہ" میں محدثین دال پر فتح پڑھتے ہیں لیکن محققین نحویوں کے نزدیک دال پر ضمہ ہے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۲۶)

فصل نمبر ۴

اللہ تعالیٰ کا رسول اکرم ﷺ کی رسالت کے ثبوت پر قسم کھانا

ارشادِ خداوندی ہے:

یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۝ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ (یٰس: ۱۔۳)

حکمت والے قرآن کی قسم! بے شک آپ مرسلین (رسولوں) میں سے ہیں۔

جان لو جس سورت کو اللہ تعالیٰ نے حروف تہجی سے شروع کیا اس کے شروع میں ذکر یا کتاب یا قرآن کا لفظ ہو تو وہ نون کی صورت ہوتی ہے۔ [۱] سوائے سورہ ''ن'' کے۔ [۲]

پھر سورتوں کے شروع میں ان حروف کے ذکر میں کچھ ایسے امور ہیں جو دلالت کرتے ہیں کہ یہ حکمت سے خالی نہیں لیکن انسان کا علم اس حکمت تک نہیں پہنچ سکتا البتہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے یہ سربستہ راز کھول دے تو الگ بات ہے۔

مفسرین کا ''یٰسٓ'' کے معنیٰ میں اختلاف ہے اور اس سلسلے میں چند اقوال ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ ''اے انسان'' یہ قبیلۂ بنوطی کی لغت ہے اور حضرت ابن عباس' حضرت حسن' حضرت عکرمہ' ضحاک اور سعید بن جبیر (رضی اللہ عنہم ورحمۃ اللہ علیہم) کا یہی قول ہے بعض نے کہا یہ حبشہ کی لغت ہے کہا گیا کہ بنوکلب کی لغت ہے اور کلبی نے نقل کیا کہ یہ سریانی زبان میں ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے فرمایا اس کی تقریر یہ ہے کہ انسان کی تصغیر ''انیسین'' آتی ہے گویا اس کا شروع حذف کر کے پچھلا حصہ لے لیا گیا اور یٰس پڑھا گیا اس صورت میں نبی اکرم ﷺ کو خطاب ہوگا جس پر ''انک لمن المرسلین'' کے الفاظ دلالت کر رہے ہیں۔

ابوحیان نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اہل عرب سے انسان کی تصغیر ''انیسیان'' منقول ہے یعنی یاء اور اس کے بعد الف ہے۔

پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس کی اصل انسیان ہے کیونکہ تصغیر الفاظ کو ان کے اصل کی طرف لوٹاتی ہے اور یہ بات معروف نہیں کہ انہوں نے اس کی تصغیر ''انیسین'' کہی ہو اور اگر ایسی صورت میں تصغیر مان لیں تو منادیٰ کا مبنی بر ضم ہونا ہی جائز ہو کیونکہ یہ منادیٰ ہے جس کی طرف توجہ کی جا رہی ہے اس کے باوجود تصغیر جائز نہیں کیونکہ اس میں حقارت کا معنیٰ پایا جاتا ہے اور نبوت کے حق میں یہ بات منع ہے۔

''السمین'' نے فرمایا یہ آخری اعتراض صحیح ہے کیونکہ علماء کرام نے صراحتاً فرمایا کہ جو اسماء شرعاً معظم ہیں ان کی تصغیر

---

[۱] جیسے یہی سورت یٰسٓ اسی طرح صٓ والقرآن ذی الذکر' الٓر تلک آیات الکتاب وقرآن المبین۔

[۲] کیونکہ اس کے شروع میں کتاب' ذکر اور قرآن کا واضح الفاظ میں ذکر نہیں لیکن یسطرون سے مراد یکتبون القرآن ہے۔

نہیں ہوسکتی اسی لئے جب ابن قتیبہ نے کہا کہ لفظ "المہیمن" "مؤمن" سے مصغر ہے ہمزہ کو ہاء سے بدلا گیا ہے تو ان سے کہا گیا یہ بات کفر کے قریب ہے پس اس قائل کو بچنا چاہیے۔

کہا گیا ہے کہ "یٰس" کا معنیٰ "یا محمد" ہے ابن حنیفہ اور ضحاک نے یہ بات کہی ہے ایک قول کے مطابق جو ابو العالیہ نے کہا ہے اس کا معنیٰ "یا رجل" ہے ایک قول یہ ہے کہ یہ قرآن پاک کے ناموں میں سے ایک نام ہے یہ حضرت قتادہ کا قول ہے۔

حضرت ابوبکر وراق سے منقول ہے کہ اس کا معنیٰ "یا سید البشر" ہے حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے "یا سید" مراد ہے نبی اکرم ﷺ کو خطاب کیا گیا اور اس میں آپ کی تعظیم اور بزرگی بیان ہوئی جو مخفی نہیں ہے۔

حضرت طلحہ' حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ یہ ایک قسم ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ قسم کھائی اور یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے۔

حضرت کعب فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے اس کے ساتھ قسم کھائی کہ اے محمد ﷺ! بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں پھر فرمایا:

وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۞ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۞ (یٰس: ۲-۳) حکمت والے قرآن کی قسم! بے شک آپ مرسلین میں سے ہیں۔

یہ کفار کا رد ہے جب انہوں نے کہا "لست مرسلا" (آپ رسول نہیں ہیں) تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نام اور اپنی کتاب کی قسم کھا کر فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی وحی اس کے بندوں تک پہنچاتے ہیں آپ رسولوں میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر ایمان کے ساتھ سیدھے راستے پر ہیں ایسا راستہ جو ٹیڑھا نہیں اور نہ حق سے پھرا ہوا ہے۔

حضرت نقاش نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی نبی کی رسالت کی قسم نہیں کھائی۔

فصل نمبر ۵

نبی اکرم ﷺ کی مدت حیات' آپ کے زمانے اور آپ کے شہر کی قسم

آپ کی حیات طیبہ کی قسم

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِىْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ. (الحجر: ۷۲) اے محبوب! تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔

"العمر" اور "العُمر" دونوں ایک ہیں لیکن قسم کے موقعہ پر کثرتِ استعمال کی وجہ سے عین پر فتحہ آتا ہے پس جب وہ قسم

کھاتے ہیں تو کہتے ہیں "لعمرک القسم" تیری عمر کی قسم ہے۔

نحوی کہتے ہیں "لعمرک" مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور خبر محذوف ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ آپ کی عمر کی مجھے قسم ہے (لعمرک قسمی)۔

خبر کو حذف کر دیا گیا کیونکہ کلام میں اس پر دلیل پائی جاتی ہے اور قسم کے باب میں فعل حذف کر دیا جاتا ہے جیسے "تاللہ لا فعلن" اللہ کی قسم میں ضرور کروں گا معنیٰ یوں ہے "احلف باللہ" میں اللہ کے نام کی قسم کھاتا ہوں تو لفظ احلف (فعل) کو حذف کر دیا گیا کیونکہ مخاطب کو علم ہے کہ تم قسم کھا رہے ہو (عبدالرحمٰن بن اسحاق متوفی ۳۳۷ھ) زجاجی نے کہا جس نے "لعمر اللہ" کہا گویا اس نے اللہ تعالیٰ کے باقی رہنے کی قسم کھائی اسی لئے مالکی اور حنفی حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے یمین منعقد ہو جاتی ہے کیونکہ "بقاء اللہ" (اللہ تعالیٰ کا باقی رہنا) اس کی ذات کی صفات میں سے ہے اور حضرت مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے الفاظ کے ساتھ قسم کھانا پسند نہیں امام شافعی اور اسحاق کہتے ہیں یہ الفاظ نیت کے ساتھ قسم قرار پاتے ہیں اور حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے دونوں مذہب منقول ہیں لیکن ان کا راجح قول امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کی طرح ہے۔ (الاعلام ج ۳ ص ۲۹۹ فیات الاعیان ج ۱ ص ۲۷۸ بغیۃ الوعاۃ ص ۲۹۷)

اس بات میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں مخاطب کون ہے تو اس سلسلے میں دو قول ہیں۔

ایک یہ کہ جب حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو وعظ فرمایا۔

اور ارشاد فرمایا:

هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ O (الحجر: ۷۱) یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں اگر تم نے یہ کام کرنا ہی ہے۔

تو فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ O (الحجر: ۷۲) اے محبوب! تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشے میں بھٹک رہے ہیں۔

یعنی حیران پریشان ہیں تو آپ کی بات کو کیسے سمجھیں گے اور آپ کی نصیحت کی طرف کیسے متوجہ ہوں گے؟

دوسرا قول یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو خطاب ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی کی قسم کھائی ہے اس میں آپ کے شرف عظیم، مقام رفیع اور جاہ و مرتبہ کی عظمت کو بیان کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کسی نفس کو پیدا نہیں فرمایا جو اس کے ہاں حضرت محمد ﷺ سے زیادہ مکرم و معظم ہو اور میں نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے علاوہ کسی کی زندگی کی قسم کھائی ہو۔ ارشادِ خداوندی ہے:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ O (الحجر: ۷۲) اے محبوب! تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کی زندگی، آپ کی عمر اور دنیا میں آپ کے باقی رہنے کی قسم بے شک یہ لوگ اپنے نشے میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ابن جریر نے اسے روایت کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا کہ میں نے نہیں سنا اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمانی کتابوں میں جس کلام کی تلاوت ہوتی ہے اسے میں نے سنا (لیکن اس میں کسی کے نام کی قسم نہیں ملی)۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ان الفاظ میں ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی سوائے آپ کی حیات طیبہ کے اور آپ کے علاوہ کسی ایک کی زندگی کی قسم نہیں کھائی اور یہ قسم اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام مخلوق سے زیادہ معزز ہیں اس بنیاد پر نبی اکرم ﷺ کی زندگی کی قسم حضرت لوط علیہ السلام کے واقعہ میں جملہ معترضہ کے طور پر (ضمنی طور پر) آئی ہے۔ (تفسیر بغوی ج ۳ ص ۴۵)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی حیات طیبہ کی قسم کھاتا ہے تو اس نے ہمارے لئے وضاحت کا ارادہ فرمایا کہ ہمارے لئے بھی آپ ﷺ کی حیات طیبہ کی قسم کھانا جائز ہے۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا جو شخص نبی اکرم ﷺ کے نام کی قسم کھاتا ہے اس کی قسم منعقد ہو جاتی ہے اور اس قسم کو توڑنے کی وجہ سے کفارہ لازم ہو جاتا ہے انہوں نے اس کی دلیل اس طرح دی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کلمۂ شہادت کے دو رکنوں میں سے ایک رکن ہیں۔

ابن خویز منداد (ابوبکر محمد بن احمد) نے فرمایا کہ جو لوگ نبی اکرم ﷺ کے نام کی قسم کھانا جائز سمجھتے ہیں ان کا استدلال یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے سے لوگوں کا طریقہ جاری ہے کہ وہ آپ کے نام کی قسم کھاتے ہیں حتیٰ کہ آج تک اہل مدینہ سے کوئی جھگڑتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے میرے لئے اس حق کی قسم کھاؤ جو اس قبر والے کو حاصل ہے یا اس قبر میں آرام فرما ذات کے حق کی قسم کھاؤ اور اس سے نبی اکرم ﷺ مراد ہیں۔

نوٹ: جمہور فقہا کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کے نام یا حیات طیبہ کے ساتھ قسم کھانا جائز نہیں اور نہ ہی اس سے کفارہ لازم آتا ہے۔

(زرقانی ج ۷ ص ۲۳۲)

آپ کے شہر پاک کی قسم

ارشادِ خداوندی ہے:

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ (البلد: ۱۔۲)

مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب! اس شہر میں تم تشریف فرما ہو۔

اللہ تعالیٰ نے بلد امین یعنی مکہ مکرمہ کی قسم کھائی جو تمام بستیوں کی اصل اور نبی اکرم ﷺ کا شہر ہے اور آپ کی وہاں موجودگی کی قید لگائی (وانت حل بهذا البلد فرمایا) تاکہ آپ کی فضیلت کی عظمت ظاہر ہو اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مکان کا شرف مکین کے شرف سے ہوتا ہے یہ بات امام بیضاوی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے۔

پھر والد اور اولاد کی قسم کھائی اور جیسا کہ کہا گیا کہ والد سے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام مراد ہیں اور ولد سے نبی اکرم ﷺ مراد ہیں تو اس بنیاد پر یہ دو جگہوں پر آپ کی قسم کو متضمن ہے یہ بھی کہا گیا کہ اس سے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد مراد ہے جمہور مفسرین کا یہی قول ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی قسم اس لئے کھائی کہ زمین پر یہ سب سے زیادہ عجیب اور پسندیدہ مخلوق ہے کیونکہ ان کو

بیان اور غور و فکر نیز علوم کے استخراج کی صلاحیتوں سے بہرہ ور کیا گیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے اور اس کے دین کی مدد کرتے ہیں اور زمین میں جو مخلوق بھی ہے وہ انہی کے لئے پیدا کی گئی۔

اس بنیاد پر یہ قسم تمام جگہوں کی اصل اور تمام سکونت پذیر لوگوں کی اصل کو شامل ہے کیونکہ تمام شہروں کی اصل مکہ مکرمہ اور تمام انسانوں کی اصل حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

ارشاد خداوندی ''وانت حل بھذا البلد'' حلول سے بنا ہے جو ''ظعن'' کی ضد ہے ظعن کا معنیٰ کوچ کرنا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کا اپنے شہر کی قسم کھانا اس کے بندۂ خاص اور رسول ﷺ کو بھی شامل ہے پس یہ سب سے بہترین جگہ ہے اور یہ اس کے پسندیدہ بندوں پر بھی مشتمل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو لوگوں کی رہنمائی کا ذریعہ بنایا اور اپنے نبی ﷺ کو امام اور ہادی بنایا اور یہ اس کا اپنی مخلوق پر بہت بڑا احسان اور بہت بڑی نعمت ہے۔

یہ بھی کہا کہ ''انت حل'' کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ کو قتل کرنا اور اس امین شہر سے نکالنا لوگوں نے حلال قرار دیا حالانکہ اس میں پرندوں اور وحشی جانوروں کو بھی امن ملتا ہے لیکن آپ کی قوم نے اس میں آپ کی حرمت و عزت کو توڑنا حلال جانا۔

یہ قول حضرت شرحبیل بن سعد سے مروی ہے۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''وانت حل'' کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ گناہ کرنے والے نہیں ہیں اور آپ مکہ مکرمہ میں جس کو چاہیں قتل کر سکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ اور وہاں کے رہنے والوں پر آپ کو فتح عطا فرمائی اور آپ سے پہلے کسی کو بھی یہ فتح حاصل نہیں ہوئی پس آپ نے جس کے لئے چاہا اس کا خون بہانا حلال کیا اور جسے چاہا حرام قرار دیا۔

پس ابن خطل کو اس وقت قتل کرنے کا حکم دیا جب وہ کعبہ شریف کے پردوں سے لٹکا ہوا تھا اور ابوسفیان کے مکان کو پناہ گاہ قرار دیا۔

سوال: یہ سورت مکی ہے اور ''انت حل بھذا البلد'' حالت کی خبر ہے اور واقعہ جو ذکر کیا گیا یہ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی آخری مدت سے متعلق ہے تو دونوں باتوں کو کیسے جمع کیا جا سکتا ہے؟

جواب: بعض اوقات لفظ حال کے لئے ہوتا ہے اور مستقبل کا معنیٰ دیتا ہے جس طرح ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ○ (الزمر: ۳۰) بے شک تمہیں انتقال فرمانا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔

جو بھی صورت ہو یہ رسول اکرم ﷺ کے شہر مبارک کی قسم کو شامل ہے اور اس میں جس قدر تعظیم ہے وہ مخفی نہیں ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی فضیلت اس درجہ کو پہنچی ہے کہ اس نے آپ کی حیات طیبہ کی قسم کھائی دیگر انبیاء کرام کی زندگیوں کی قسم نہیں کھائی اور آپ کی فضیلت کا عالم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے مبارک پاؤں کی خاک کی بھی قسم کھائی اور فرمایا ''لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ''۔

آپ کے زمانہ مبارکہ کی قسم

ارشاد خداوندی ہے:

وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○ اس زمانہ محبوب کی قسم! بے شک انسان نقصان میں

(العصر:۱-۲) ہے۔

عصر کی تفسیر میں مختلف اقوال منقول ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اس سے زمانہ مراد ہے کیونکہ وہ عجیب باتوں پر مشتمل ہوتا ہے زمانے میں آسانی، تکلیف، صحت اور بیماری پائی جاتی ہے ایک قول یہ ہے کہ اس عصر کا ذکر ہے جس کے گزرنے سے تمہاری عمر ختم ہو جاتی ہے اگر اس کے مقابلے میں اعمال کا کسب نہ ہو تو وہ بعینہ نقصان ہے۔

شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

انا لنفرح بالایام نقطعها وکل یوم مضی نقص من الاجل

"ہم اس زندگی پر جو گزرتی ہے خوش ہوتے ہیں حالانکہ جو دن گزرتا ہے اس کی وجہ سے زندگی کم ہو جاتی ہے"۔

امام فخر الدین رازی کی تفسیر اور تفسیر بیضاوی نیز دیگر تفاسیر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارکہ کی قسم کھائی ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مفسرین نے نبی اکرم ﷺ کے اس قول سے استدلال کیا ہے آپ نے فرمایا۔

تمہاری اور تم سے پہلے لوگوں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے کچھ مزدوروں کو اجرت پر لیا اور کہا کہ کون شخص میرے لئے فجر سے ظہر تک ایک قیراط (دینار کا چوبیسواں حصہ) پر عمل کرے گا؟

پس یہودیوں نے عمل کیا پھر کہا کون ہے جو ظہر سے عصر تک ایک قیراط کے بدلے کام کرے گا؟ تو عیسائیوں نے عمل کیا پھر فرمایا کون ہے جو عصر سے مغرب تک دو قیراط کے بدلے عمل کرے گا تو تم نے عمل کیا اس پر یہودیوں اور عیسائیوں کو غصہ آیا اور انہوں نے کہا ہمارا کام زیادہ ہے اور اجرت کم ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تمہارے ثواب میں سے کچھ کم کیا گیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں فرمایا یہ میرا فضل ہے میں جس کو چاہوں عطا کروں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا (اے میرے امتیو!) پس تمہارا عمل کم اور ثواب زیادہ ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۶۸-۲۲۶۹، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۸۲، مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۱)

علماء کرام فرماتے ہیں یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عصر سے نبی اکرم ﷺ کا زمانہ مراد ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آپ کے زمانے کی قسم کھائی اور "وانت حل بھذا البلد" میں آپ کے مکان کی اور "لعمرک" میں آپ کی عمر کی قسم کھائی ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے آپ کے زمانے، شہر اور عمر کی قسم ہے اور یہ تینوں چیزیں آپ کے لئے ظرف کی طرح ہیں پس جب ظرف کی تعظیم واجب ہے تو مظروف کا کیا حال ہوگا؟

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قسم کی وجہ یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب وہ آپ سے اعراض کریں تو ان کا کتنا بڑا نقصان ہے؟

(اسی لئے اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں رحمہ اللہ نے فرمایا۔

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے ان کے در پر پڑ رہو قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا

۱۲ ہزاروی)

چھٹی نوع

اللہ تعالیٰ کا آپ کو نور اور سراج منیر سے موصوف کرنا

جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشادِ گرامی:

قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ O بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور (المائدہ:۱۵) روشن کتاب آ گئی۔

میں اپنے رسول ﷺ کی صفت ''نور'' بیان فرمائی ایک قول یہ ہے کہ اس (نور) سے قرآن مجید مراد ہے۔

نیز آپ کو سراج منیر (روشن چراغ) بھی قرار دیا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا O بے شک ہم نے آپ کو شاہد، خوشخبری دینے والا، ڈر وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا O سنانے والا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا (احزاب:۴۵-۴۶) اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ واضح طور پر ہدایت دینے والے ہیں جس طرح چراغ کی روشنی میں راستہ دکھائی دیتا ہے اور آپ رشد و ہدایت کو واضح اور بیان کرتے ہیں تو آپ کا بیان سورج کی روشنی سے زیادہ طاقتور، مکمل اور زیادہ نفع بخش ہے پس جب صورت حال یہ ہے تو ضروری ہوا کہ آپ کا نفس قدسیہ نورانیت میں سورج سے بڑھ کر ہو پس جس طرح سورج جسموں کی دنیا میں دوسروں کو روشنی کا فائدہ دیتا ہے اور دوسروں سے فائدہ حاصل نہیں کرتا اسی طرح نبی اکرم ﷺ بشری نفوس کو عقلی انوار کا فائدہ دیتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سورج کو سراج قرار دیا اور فرمایا:

وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِيْرًا O اور اس نے ان (برجوں) میں چراغ رکھا اور روشن (الفرقان:۶۱) چاند۔ [1]

اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کا وصف نور بیان کیا اپنی ذات مقدسہ کو بھی نور قرار دیا۔ فرمایا:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (النور:۳۵) اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

پس زمین، آسمان میں جو روشنی ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی (کا نور) ہے اور اس کا نور قدسی وجود، حیات، جمال اور عالم کو وجود میں لانا ہے وہی ہے جو عالم پر چمکا تو روحانی علم والوں پر چمکا اور وہ فرشتے ہیں پس روشن چراغ بن گئے ان سے نیچے والے اللہ تعالیٰ کے جود و کرم سے ان چراغوں سے فائدہ حاصل کرتے ہیں پھر یہ نور انسانی نفوس کی دنیا کی طرف سرایت کر گیا پھر نفوس نے اس کو جسموں کے کناروں پر ڈالا تو حقیقی وجود اللہ تعالیٰ کے نور ہی کا ہے جو ہر چیز میں اس کی قبولیت استعداد اور قوت قبول کے مطابق جاری ہے۔

[1] قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں ہمارے علماء نے فرمایا کہ آپ ﷺ کو سراج کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ایک سراج (چراغ) سے سینکڑوں چراغ روشن کئے جا سکتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس کی روشنی کم نہیں ہوتی اسی طرح عبادات کے چراغ، نبی اکرم ﷺ کے چراغ سے لئے جاتے ہیں لیکن آپ کے اجر میں کوئی کمی نہیں آتی۔ (زرقانی ج ۶ ص ۲۴۷)

اصل میں نور ایک ایسی کیفیت کا نام ہے کہ دیکھنے والا پہلے اس کا ادراک کرتا ہے اور اس کے واسطے سے تمام چیزوں کو جن کا دیکھے جانے سے تعلق ہے، دیکھتا ہے جس طرح دو چمکنے والوں یعنی سورج اور چاند کی کیفیت کا فیضان ان دونوں کے مقابل کثیف جسموں پر ہوتا ہے اس معنیٰ کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کا اطلاق تقدیر مضاف کے بغیر نہیں ہو سکتا جیسے تم کہتے ہو ''زید کرم'' تو اس کا معنیٰ ہے ''زید ذو کرم'' (زید کرم والا ہے) یا اس کا معنیٰ ہے ''منور السموت و الارض'' (وہ آسمانوں اور زمین کو روشن کرنے والا ہے) اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آسمانوں اور زمین کو ستاروں اور ان سے نکلنے والے انوار نیز فرشتوں اور انبیاء کرام کے ساتھ روشن کیا جس طرح کوئی رئیس جو تدبیر میں فائق ہو تو کہا جاتا ہے ''نور القدم'' اسی نے قوم کو روشن کر دیا کیوں کہ وہ لوگ امور میں اس سے ہدایت حاصل کرتے ہیں حضرت علی بن ابی طالب، زید بن علی اور ان کے علاوہ حضرات کی قرأت بھی اس معنیٰ پر دلالت کرتی ہے وہ فعل ماضی کے ساتھ ''نور'' پڑھتے ہیں اور لفظ ''الارض'' پر نصب پڑھتے ہیں۔ یعنی ''نور السموت والارض'' اس نے آسمانوں اور زمین کو منور کیا۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول ''مثل نورہ'' کا معنیٰ ''اس کی ہدایت کی مثال'' ہے نور کی اضافت آسمانوں اور زمین کی طرف یا تو اس لئے ہے کہ اس کی چمک بڑی وسیع ہے اور اس کی روشنی اس قدر چمکتی ہے کہ آسمان اور زمین روشن ہو گئے یا اس سے آسمان اور زمین والے مراد ہیں کہ وہ اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔

حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ قلبِ مصطفیٰ ﷺ میں ایمان کی مثال ایسی ہے جیسے قندیل میں چراغ ہو پس مشکوٰۃ حضرت عبداللہ کا سینہ (پشت کا لفظ زیادہ مناسب ہے) اور زجاجہ (فانوس) نبی اکرم ﷺ کے جسم اقدس کی نظیر، المصباح ایمان اور نبوت جو نبی اکرم ﷺ کے قلبِ مبارک میں ہے۔

دوسرے حضرات فرماتے ہیں مشکوٰۃ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نظیر زجاجہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نظیر مصباح نبی اکرم ﷺ کے جسم اقدس اور شجرۃ سے نبوت و رسالت مراد ہے۔

حضرت ابو سعید خراز فرماتے ہیں مشکوٰۃ سے نبی اکرم ﷺ کا بطن اقدس اور زجاجہ سے آپ کا قلب مبارک مراد ہے اور مصباح وہ نور ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے قلب مبارک میں رکھا حضرت کعب اور ابن جبیر فرماتے ہیں دوسرے نور سے یہاں نبی اکرم ﷺ مراد ہیں۔ (الاعلام ج ا ص ۱۹۱، شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۹۲)

حضرت سہیل بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا نور اقدس جو پشتوں میں بطور امانت رکھا گیا وہ مشکوٰۃ کی طرح ہے جس کی صفات وہ ہیں جو بیان ہوئیں اور مصباح سے آپ کا دل اور زجاجہ سے آپ کا سینۂ مبارکہ مراد ہے گویا وہ ایک چمکتا ستارہ ہے جس میں ایمان و حکمت ہے وہ ایک مبارک درخت سے روشن ہوتا ہے اس سے نور ابراہیم علیہ السلام مراد ہے اور شجرہ مبارکہ سے مثال دی گئی ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ (النور: ۳۵) قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے۔

یعنی قریب ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی نبوت آپ کے کلام سے پہلے لوگوں کے لئے ظاہر ہو جائے۔

یہ آخری قول قاضی ابو الفضل الیحصبی اور امام فخر الدین نے بیان کیا لیکن امام رازی نے اسے حضرت کعب احبار سے

نقل کیا (حضرت سہل بن عبداللہ سے نہیں)۔

حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ سے یوں منقول ہے کہ قریب ہے حضرت محمد ﷺ وحی سے پہلے حکمت بھری گفتگو فرمائیں یہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے۔

شاعر نے کہا:

لو لم تکن فیہ آیات مبینة كانت بديهته تنبيک بالخبر

''اگر آپ میں روشن نشانیاں نہ بھی ہوں تو بھی آپ کا ظاہر تمہیں خبر دے دیتا''۔

لیکن پہلی تفسیر مختار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ سے پہلے فرمایا:

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ. اور بے شک ہم نے تمہاری طرف روشن آیات نازل فرمائیں۔ (النور:۳۴)

پس جب ''مثل نورہ'' سے ''مثل ھداہ'' (آپ کی ہدایت کی مثال) مراد ہوگی تو یہ پہلی آیت کے موافق ہوگی۔

اس تشبیہ میں اختلاف ہے۔ یا یہ جملہ کی جملہ سے تشبیہ ہے جزء کی جزء سے تشبیہ یا ایک چیز کا دوسری چیز سے مقابلہ مقصود نہیں یا اس کا قصد کیا گیا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا نور جو ہدایت ہے نیز ہر مخلوق میں اس کی مضبوط صفت اور روشن براہین کی مثال۔ یہ سب اس نور کی طرح ہے جسے تم اس صفت پر پاتے ہو جو صفت اس نور کی سب سے زیادہ بلیغ ہے جو لوگوں کے سامنے ہے یعنی واضح ہونے میں اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال اس کی طرح ہے جو تمہارا منتہیٰ ہے اے انسانو!

کہا گیا ہے کہ یہ تشبیہ مفصل ہے جزء جزء کے مقابل ہے جو ان تین اقوال پر لوٹائی گئی۔

یعنی حضرت محمد ﷺ کے سلسلے میں اس کے نور کی مثال یا مؤمنوں کے بارے میں یا قرآن اور ایمان کے بارے میں (اس کے نور کی مثال) مشکوٰۃ کی طرح ہے پس مشکوٰۃ سے رسول اکرم ﷺ یا آپ کا سینہ مراد ہے اور چراغ سے نبوت اور آپ کا وہ علم اور ہدایت مراد ہے جو اس نبوت سے متصل ہے اور زجاجہ سے آپ کا قلب اقدس مراد ہے' شجرہ مبارکہ سے وحی اور وہ فرشتے مراد ہیں جو آپ کی طرف بھیجے گئے اور اس کے ساتھ فضیلت کو زیتون کے تیل سے تشبیہ دی اور وہ حجتیں' دلائل اور آیات ہیں جن پر وحی مشتمل ہے اور اگر مؤمنین مراد ہوں تو مشکوٰۃ سے مؤمن کا سینہ مصباح سے ایمان اور علم' زجاجہ سے اس کا دل اور شجرۂ مبارکہ سے قرآن مجید مراد ہے اور زیتون سے وہ دلائل اور حکمت مراد ہے جو اس قرآن مجید میں پائی جاتی ہے۔

اور اگر اس سے ایمان اور قرآن مجید مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ مؤمن کے سینے اور دل میں ایمان اور قرآن مشکوٰۃ کی طرح ہے۔

اور مؤمنین مراد لینے کی صورت میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت جو بعض تفاسیر میں مذکور ہے ضمیر کے بارے میں اشکال ہے کیونکہ وہ مفرد ہے (اور مؤمنین جمع کا صیغہ ہے)۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ ضمیر مؤمنین کی طرف لوٹتی ہے اور ان کی قرأت میں ''مثل نور المومنین'' ہے اور ان سے ایک روایت یوں ہے کہ اس کے نور کی مثال جو آپ پر ایمان لایا۔ حضرت حسن رحمہ اللہ سے

مروی ہے کہ یہ ضمیر قرآن مجید اور ایمان کی طرف لوٹتی ہے۔

ساتویں نوع

وہ آیات جو نبی اکرم ﷺ کی اطاعت اور آپ کی سنت کی اتباع پر مشتمل ہیں

ارشادِ خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ (الانفال:۲۰)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔

اور ارشاد فرمایا:

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ○ (آل عمران:۱۳۲)

اور اللہ تعالیٰ اور (اس کے) رسول ﷺ کا حکم مانو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

نیز ارشاد فرمایا:

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ○ (آل عمران:۳۲)

آپ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ اور (اس کے) رسول ﷺ کا حکم مانو پس اگر تم پھر جاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کو اپنے رسول ﷺ کی فرمانبرداری قرار دیا اور اپنی اطاعت کو حضور علیہ السلام کی اطاعت کے ساتھ ملایا اور اس پر بہت بڑے ثواب کا وعدہ فرمایا اور اس کی مخالفت پر سخت عذاب سے ڈرایا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء:۸۰)

جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔

یعنی جس نے رسول ﷺ کا حکم مانا' کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اس کے احکام مخلوق تک پہنچاتے ہیں پس وہ شخص درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی کرتا ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ○ (النساء:۸۰)

اور جو پھر جائے تو ہم نے آپ کو ان پر حفاظت کرنے والا (بنا کر) نہیں بھیجا۔

پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ راہ حق سے اندھا کر دے اور راستے سے بھٹکا دے تو مخلوق میں سے کوئی بھی اس کو ہدایت دینے پر قادر نہیں۔

اور یہ آیت اس بات پر مضبوط ترین دلیل ہے کہ رسول ﷺ تمام اوامر ونواہی میں اور جو کچھ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچا رہے ہیں' سب میں خطاء سے معصوم ہیں کیونکہ اگر ان باتوں میں سے کسی میں آپ سے خطا ہو جائے تو آپ کی اطاعت' اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہوگی۔

نیز یہ بات بھی لازم ہے کہ آپ اپنے تمام افعال (اور احوال) میں معصوم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ''واتبعوہ'' فرما کر آپ کی اتباع کا حکم دیا اور اتباع کسی دوسرے کے فعل جیسا عمل کرنے کا نام ہے پس ثابت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کے تمام اقوال وافعال میں سر تسلیم خم کرنا ضروری ہے۔ البتہ جو اعمال آپ کے ساتھ مخصوص ہیں (ان کا حکم الگ ہے) تو یہ اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے حکم کے سامنے جھکنا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ. (النساء:٦٩)

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم مانتے ہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی انبیاء کرام' صدیقین' شہداء اور صالحین۔

اور یہ حکم تمام اطاعت گزار لوگوں کو شامل ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوں یا آپ کے بعد کے لوگ' اور یہ معیت بھی عام ہے اس دنیا میں بھی سب کو شامل ہیں اگرچہ بدنی معیت نہ ہو۔[1]

اس آیت کے شان نزول میں مفسرین نے ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ آپ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور آپ کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے تھے ایک دن حاضر ہوئے تو چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا اور جسم میں بیماری معلوم ہو رہی تھی نیز چہرے پر غم کے آثار تھے نبی اکرم ﷺ نے ان کی حالت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی تکلیف نہیں لیکن آپ کی زیارت نہ کرنے کی وجہ سے مجھے سخت مشقت اور وحشت کا سامنا کرنا پڑا حتیٰ کہ آپ سے ملاقات ہوگئی تو مجھے آخرت کی یاد آ گئی کہ وہاں میں آپ کو نہیں دیکھ سکوں گا کیونکہ جب میں جنت میں داخل ہوں گا تو آپ نبیوں کے درجات میں ہوں گے اور اگر میں جنت میں نہ گیا تو آپ کو کبھی نہیں دیکھ سکوں گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابو الضحیٰ سے اور انہوں نے حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ صحابہ کرام نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں آپ سے جدا ہونا مناسب نہیں اور اگر آپ کا وصال ہو گیا تو آپ کو ہم سے بلند مرتبہ مل جائے گا اور ہم آپ کی زیارت نہیں کر سکیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مرسلاً مروی ہے فرماتے ہیں ایک نوجوان بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! دنیا میں ہم آپ کی زیارت کر لیتے ہیں اور جنت میں آپ کو دیکھ نہیں سکیں گے کیونکہ جنت میں آپ بلند درجات میں ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اس پر نبی اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا:

انت معي في الجنة.

تم جنت میں میرے ساتھ ہوگے۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو جسمانی طور پر ان انعام یافتہ لوگوں کی معیت حاصل نہیں ہوتی اور انہوں نے وہ زمانہ نہ پایا ان کو ان کی روحانی معیت اور فیض حاصل ہوتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

(الدر المنثور ج ۳ ص ۱۷۱‘ تاریخ دمشق ج ۶ ص ۲۰۳‘ العلل المتناهیہ ج ا ص ۲۱۵)

اس سلسلے میں کچھ دیگر روایات بھی ہیں جو ان شاء اللہ آپ کی محبت کے بیان میں آئیں گی۔

لیکن محققین نے فرمایا کہ ان روایات کی صحت کا انکار نہیں کیا جا سکتا البتہ واجب ہے کہ اس آیت کے نزول کا سبب اس سے بھی کوئی بڑی بات ہو اور وہ اطاعت پر ابھارنا اور اس کی ترغیب ہے ہم جانتے ہیں کہ خصوصی سبب لفظ کے عموم میں خرابی پیدا نہیں کرتا پس یہ آیت تمام مکلفین کے حق میں عام ہے یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کا حکم مانے اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے اس نے بلند درجات اور باعثِ شرف مراتب کو بارگاہ خداوندی سے حاصل کر لیا۔

پھر اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی ”ومن یطع اللہ والرسول“ کا ظاہر یہ ہے کہ ایک مرتبہ حکم مان لینا کافی ہے کیونکہ وہ لفظ جو صفت پر دلالت کرتا ہے جانبِ ثبوت میں اس مسمّٰی کے ایک مرتبہ حصول کے لئے کافی ہوتا ہے لیکن ضروری ہے کہ اسے ظاہر کے غیر پر محمول کیا جائے اور تمام مامورات کی بجا آوری اور تمام منہیات سے رکنا ہی اطاعت قرار پائے کیونکہ اگر ہم اسے ایک بار اطاعت پر محمول کریں تو اس میں فاسق اور کفار بھی داخل ہو جائیں گے کیونکہ بعض اوقات وہ ایک آدھ بار اطاعت کر ہی لیتے ہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اصول فقہ میں ثابت ہے کہ جو حکم‘ صفت کے بعد مذکور ہوتا ہے وہ اس بات کی خبر دیتا ہے کہ وہ حکم اس صفت سے معلل ہے اور جب یہ بات ثابت ہو گئی تو ہم کہتے ہیں ”من یطع اللہ“ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس کے معبود ہونے کی وجہ سے کرے اور معبود ہونے کے باعث اطاعت اس کی جلالت‘ عزت‘ کبریائی اور حمدیت کی معرفت ہے تو یہ اس معاد (آخرت) کے احوال میں سے دو عظیم باتوں پر تنبیہ ہو گی۔

پہلی بات یہ کہ قیامت کے دن تمام سعادتوں کا منشا اللہ تعالیٰ کی معرفت کے انوار سے روح کا روشن ہونا اور چمکنا ہے پس جس کے دل میں یہ انوار زیادہ ہوں گے اور دل کی صفائی زیادہ ہو گی وہ سعادت کے زیادہ قریب ہو گا اور نجات کے ذریعے کامیابی تک اس کی رسائی زیادہ ہو گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں ذکر فرمایا اور وعدہ کیا کہ اطاعت گزار لوگوں کے لئے بہت بڑا اجر اور بہت زیادہ ثواب ہے۔ پھر اس آیت میں ان کے ساتھ وعدہ کا ذکر کیا کہ وہ انبیاء کرام‘ صدیقین‘ شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔

اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والوں کے انبیاء کرام اور صدیقین کے ساتھ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی درجہ میں ہوں گے کیونکہ اس طرح فاضل اور مفضول کے درجہ میں برابری لازم آتی ہے اور یہ جائز نہیں پس مراد یہ ہے کہ وہ بھی جنت میں ہوں گے اور یہ بھی‘ لیکن اس طرح کہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے اگرچہ مکان کے اعتبار سے دور ہوں کیونکہ جب پردہ زائل ہو جائے گا تو وہ ایک دوسرے کو دیکھیں گے اور جب دیکھنے اور ملاقات کا ارادہ کریں گے تو اس پر قادر ہوں گے اس معیت سے یہی مراد ہے اور نبی اکرم ﷺ سے صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ. آدمی اس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے محبت کرتا ہے۔

آپ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

ان بالمدینة اقواما ما سرتم مسیرا ولا نزلتم منزلا الا وھم معکم حبسھم العذر.

مدینہ طیبہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ تم کسی راستے پر نہیں چلتے اور کسی منزل پر نہیں اترتے مگر وہ تمہارے ساتھ ہوتے ہیں ان کو عذر نے روک رکھا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۳۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۶۴۔۲۷۶۵)

پس حقیقی معیت اور حقیقی صحبت دل اور روح کے ساتھ ہوتی ہے محض بدن کے ساتھ نہیں پس یہ دل کے ساتھ ہوتی ہے' جسم کے ساتھ نہیں اسی لئے نجاشی بادشاہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اور آپ کے سب سے زیادہ قریب تھا حالانکہ وہ سرزمین حبشہ میں نصاریٰ کے درمیان تھا اور عبداللہ بن ابی آپ سے سب سے زیادہ دور تھا حالانکہ وہ آپ کے ساتھ مسجد میں تھا۔ یہ اس لئے ہے کہ بندہ جب دل سے کسی کام کا ارادہ کرتا ہے وہ اطاعت ہو یا نافرمانی یا کوئی شخص ہو تو وہ اپنے ارادے اور محبت کی وجہ سے اس کے ساتھ ہوتا ہے اس سے جدا نہیں ہوتا پس ارواح' رسول اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے ساتھ ہوتی ہیں اور ان ارواح کے اور ان کے درمیان مکان کے اعتبار سے بہت زیادہ مسافت ہوتی ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ. (آل عمران: ۳۱)

آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے لئے تمہارے گناہ بخش دے گا۔

اس آیت مبارکہ کو آیتِ محبت کہتے ہیں بعض بزرگوں نے فرمایا ایک قوم نے اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیتِ محبت (مذکورہ بالا آیت) نازل فرمائی (کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو) اور اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی: یحببکم اللہ. (آل عمران: ۳۱) اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

یہ محبت کی دلیل' فائدے اور نتیجے کی طرف اشارہ ہے پس اس محبت کی دلیل رسول اکرم ﷺ کی اتباع ہے اور اس کا فائدہ اور نتیجہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو تمہاری طرف بھیجنے والا تم سے محبت کرے گا پس جب تک اتباع نہیں ہوگی تمہیں محبت حاصل نہیں ہوگی اور اس کی محبت تم سے نفی میں رہے گی پس اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی اتباع کو ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کے ساتھ مشروط اور اللہ تعالیٰ کی ان سے محبت کے لئے شرط قرار دیا اور جب تک شرط نہ پائی جائے مشروط کا وجود نہیں پایا جاتا پس معلوم ہوا کہ متابعت کی نفی لازم آئے گی پس ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کا نہ ہونا رسول اکرم ﷺ کی متابعت کی نفی کو لازم ہے اور متابعت کی نفی اللہ تعالیٰ کی ان سے محبت کے لئے ملزوم ہے پس اس صورت میں اتباع رسول ﷺ کے بغیر ان کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ان سے محبت محال ہوگی پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی اتباع ہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت اور ان کی فرمانبرداری ہے اور بندگی میں یہ بات کافی نہیں ہے جب تک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ان دونوں کے غیر سے زیادہ محبوب نہ ہوں لہٰذا اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں ہو سکتی اور جب ان سے بڑھ کر کسی سے محبت ہوگی تو یہی مشرک ہے جس کی بخشش نہیں ہوگی اور ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ۣاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○ (التوبہ: ۲۴)

آپ فرما دیجئے اگر تمہارے باپ دادا' تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا خاندان اور تمہارا مال جسے تم جمع کرتے ہو اور تجارت جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد سے زیادہ پسند ہیں تو انتظار کرو حتیٰ کہ اس کا حکم آجائے اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

پس جو شخص ان مذکورہ بالا لوگوں میں سے کسی کی فرمانبرداری کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے مقدم کرے یا ان میں سے کسی کی بات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے قول پر یا ان میں سے کسی کی مرضی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا پر یا ان میں سے کسی کے خوف یا ان پر بھروسہ کو اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس پر توکل سے مقدم کرے یا ان میں سے کسی کے ساتھ معاملہ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے معاملے پر ترجیح دے تو وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ان کے غیر سے زیادہ محبوب نہیں ہیں اور اگر وہ زبان سے دعویٰ کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور ایسی بات کی خبر دیتا ہے' جس کا کوئی وجود نہیں۔

(ابن قیم کی کتاب) ''مارج السالکین سے'' خلاصہ پیش کیا گیا مزید تفصیل ان شاء اللہ محبت کے بیان میں آئے گی۔

ارشادِ خداوندی ہے:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ (الاعراف: ۱۵۸)

پس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ جو امی نبی ہیں وہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی اتباع کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ۔

یعنی سیدھے راستے کی ہدایت پاؤ تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت حاصل کرنے کی امید کو دو باتوں کا نتیجہ قرار دیا ایک رسول ﷺ پر ایمان اور دوسری بات آپ کی اتباع یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ جو شخص آپ کی تصدیق کرے لیکن آپ کی شریعت کو اختیار کر کے آپ کی اتباع نہ کرے وہ گمراہی میں ہے پس جو کچھ رسول اللہ ﷺ لائے ہیں ہم پر اس کی اتباع لازم ہے البتہ جو بات دلیل سے آپ کے ساتھ خاص ہو (وہ مستثنیٰ ہے)۔

ارشادِ خداوندی ہے:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا. (التغابن: ۸)

پس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا۔

اس نور سے قرآن مجید مراد ہے پس نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانا ہر شخص پر لازم و واجب ہے آپ کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا اور اس کے بغیر اسلام بھی صحیح قرار نہیں پاتا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ○ (الفتح:١٣)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو ہم نے کافروں کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے۔

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتا وہ کافروں میں سے ہے اور بے شک ہم نے کافروں کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے اور ارشاد خداوندی ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ. (النساء:٦٥)

آپ کے رب کی قسم یہ لوگ ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ اپنے باہمی جھگڑوں میں آپ کو حاکم تسلیم کریں۔

یعنی آپ کے رب کی قسم ہے جیسا کہ فرمایا:

فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ (الحجر:٩٢)

پس آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور بضرور پوچھیں گے۔

''لا'' معنیٔ قسم کی تاکید کے لئے زائد ہے جیسے ''لئلا یعلم'' میں ''لا'' زائدہ ہے اور ''لا یومنون'' جواب قسم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کریم ذات کی قسم کھائی کہ کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے تمام کاموں میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حاکم تسلیم نہ کرے اور آپ کے تمام فیصلوں پر راضی نہ ہو اور ظاہری و باطنی طور پر سر تسلیم خم نہ کرے چاہے وہ حکم ان لوگوں کی خواہش کے موافق ہو یا مخالف جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

والذی نفسی بیده لا یومن احدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به.

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی ایک اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی خواہش اس دین کے تابع نہ کر دے جسے میں لایا ہوں۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہو وہ مؤمن نہیں ہو سکتا اور اس بات پر بھی دلالت ہے کہ آپ کے فیصلے پر دل سے راضی ہونا بھی ضروری ہے یعنی دل میں پختہ یقین ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فیصلہ فرمایا وہ حق اور سچ ہے پس ظاہری اور باطنی دونوں طریقوں سے جھکنا ضروری ہے مزید بیان انشاء اللہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد میں آئے گا۔

پھر آیت کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قیاس کے ذریعے نص میں تخصیص نہیں ہو سکتی کیونکہ آیت آپ کے قول اور حکم کی اتباع کو واجب قرار دے رہی ہے اور اس سے دوسری طرف پھرنا صحیح نہیں۔

اور ارشادِ خداوندی ہے:

ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ. (النساء:٦٥)

پھر وہ آپ کے فیصلے سے اپنے دلوں میں کوئی حرج محسوس نہ کریں۔

اس آیت نے اس بات کی خبر دی کہ دل سے تسلیم کرنا ضروری ہے کیونکہ جب دل میں قیاس آجائے جو اس نص کے مدلول کی ضد کا تقاضا کرے تو نفس سے حرج پیدا ہو گیا پس اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا' ایمان کی تکمیل تب ہوگی جب اس حرج کی طرف توجہ نہ ہو اور نص قرآنی کو کامل طور پر تسلیم کرے۔ یہ بات امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

دوسرے حضرات نے قیاس کے ساتھ کتاب وسنت کی تخصیص کو جائز قرار دیا ہے علامہ تاج الدین بن سبکی رحمہ اللہ نے ''جمع الجوامع'' میں اسے وضاحت سے بیان کیا ہے۔

آٹھویں نوع

بارگاہِ نبوی کے آداب

رسول اکرم ﷺ سے آگے نہ بڑھنا

ارشادِ خداوندی ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُقَدِّمُوا۟ بَيْنَ يَدَىِ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ. (الحجرات:1)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو۔

آدابِ نبوی میں سے ہے کہ کسی امر' نہی' اذن اور تصرف میں نبی اکرم ﷺ سے آگے نہ بڑھے حتیٰ کہ آپ حکم دیں' منع کریں اور اجازت دیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسی بات کا حکم دیا اور یہ حکم قیامت تک باقی ہے منسوخ نہیں ہوا پس آپ کے وصال کے بعد آپ کی سنت سے آگے بڑھنا اسی طرح ہے جیسے آپ کی زندگی میں آپ سے آگے بڑھنا اور ہر عقلمند جانتا ہے کہ دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے کسی بات میں سبقت نہ کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک پر کوئی فیصلہ جاری کردے۔

حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو چھوڑ کر کسی بات کا فیصلہ نہ کرو۔

دوسرے حضرات فرماتے ہیں کسی بات پر عمل نہ کرو جب تک آپ حکم نہ دیں اور جب تک آپ منع نہ فرمائیں کسی کام سے نہ رکو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھئے آپ نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز میں ادب کا کیسے خیال رکھا کہ جب آپ آگے کھڑے تھے تو حضور علیہ السلام کی تشریف آوری پر کس طرح پیچھے ہٹ گئے اور فرمایا ابو قحافہ کے بیٹے کے لئے جائز نہیں کہ رسول اکرم ﷺ سے آگے بڑھے تو نبی اکرم ﷺ نے کس طرح ان کو ان کا مقام اور اپنے بعد امامت کا حق دیا پس یہ پیچھے ہٹنا حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو اپنی جگہ ٹھہرنے کا اشارہ فرمایا تھا تو پیچھے ہٹنے والے ہر قدم کے ذریعے ایسے مقام کی طرف بڑھ رہے تھے جس کے لئے سواریوں کی گردنیں کٹ جاتی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے پاس آواز بلند نہ کرنا

نبی اکرم ﷺ کے ساتھ آداب میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ آپ کی آواز سے آواز بلند نہ کی جائے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ. (الحجرات:۲)

اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی اکرم ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ آپ کو بلند آواز سے پکارو جس طرح ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

حضرت امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن آپ کے پاس اس طرح گفتگو نہ کرے جس طرح غلام اپنے آقا کے سامنے گفتگو کرتا ہے کیونکہ غلام اللہ تعالیٰ کے قول "**کجھر بعضکم لبعض**" میں داخل ہے کیونکہ یہ عموم کے لئے ہے پس مناسب نہیں کہ مؤمن نبی اکرم ﷺ کو اس طرح بلند آواز سے پکارے جس طرح غلام اپنے آقا کو بلند آواز سے پکارتا اور نہ وہ (غلام) اپنے آقا کو اس طرح بلند آواز سے پکارتا ہے جس طرح تم ایک دوسرے کے لئے آواز بلند کرتے ہو۔

وہ فرماتے ہیں ہماری اس بات کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ. (الاحزاب:۶)

نبی ﷺ مؤمنوں سے ان کی جانوں کی نسبت زیادہ قریب ہیں۔

جب کہ آقا اپنے غلام کے اس کی جان سے زیادہ قریب نہیں ہے حتیٰ کہ اگر وہ دونوں سخت بھوک کا شکار ہوں اور غلام کو ایسی چیز مل جائے کہ اگر اسے نہ کھائے تو مر جائے تو آقا کو دینا اس پر لازم نہیں جب کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کرنا لازم ہے اور اگر غلام کو معلوم ہو کہ اس کی موت سے اس کا آقا نجات پالے گا تو اس پر لازم نہیں کہ آقا کو بچانے کے لئے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالے لیکن حضور علیہ السلام کے لئے ایسا کرنا (امتی پر) واجب ہے جس طرح عضو رئیس دوسرے اعضاء کے مقابلے میں رعایت کے زیادہ لائق ہے کیونکہ دل میں خلل کی صورت میں ہاتھ اور پاؤں کے لئے استقامت نہیں رہتی۔

اور اگر انسان اپنے نفس کی حفاظت کرے اور نبی اکرم ﷺ کو چھوڑ دے تو وہ خود بھی ہلاک ہو جائے جب کہ غلام اور آقا کا یہ معاملہ نہیں ہے۔

جان لو کہ آواز بلند کرنے اور زور زور سے پکارنے میں توہین ہے جو کفر تک پہنچاتی ہے اور اس سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور یہ اس وقت ہے جب توہین کرنے کا ارادہ ہو اور اس بات کی کوئی پرواہ نہ کی جائے۔

ایک روایت میں ہے جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں آپ سے اس طرح گفتگو کروں گا جس طرح کسی سے سرگوشی کی جاتی ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ سے گفتگو کرتے تو سرگوشی کرنے والے کی طرح کرتے اس آیت کے نزول کے بعد نبی اکرم ﷺ ان کی گفتگو نہ سنتے حتیٰ کہ آپ ان سے

استفسار فرماتے۔ [1]

ایک روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین ابوجعفر منصور (عباسی خلیفہ) نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے مسجد نبوی شریف میں مناظرہ کیا تو حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے اس سے فرمایا اے امیر المؤمنین اس مسجد شریف میں آواز بلند نہ کر اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو ادب سکھاتے ہوئے فرمایا:

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ. (الحجرات:۲)
اپنی آواز کو نبی اکرم ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو۔

اور ایک دوسری جماعت کی تعریف میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى. (الحجرات:۳)
بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیز گاری کے لئے پرکھ لیا ہے۔

اور ایک قوم کی مذمت میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ○ (الحجرات:۴)
بے شک وہ لوگ جو آپ کو حجرات کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔

اور نبی اکرم کے وصال کے بعد بھی آپ کا احترام اسی طرح ہے جس طرح آپ کی ظاہری زندگی میں تھا تو ابوجعفر منصور نے اس بات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

جب نبی اکرم ﷺ کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کرنا اعمال کے ضائع ہونے کا سبب ہے تو اپنی آراء اور افکار کے نتائج کو آپ کی سنت اور آپ کے لائے ہوئے دین پر ترجیح دینے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

آپ کو پکارنے کا خاص طریقہ

رسول اکرم ﷺ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کو اس طرح نہ پکارا جائے جس طرح ہم ایک دوسرے کو پکارتے ہیں ارشاد خداوندی ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا. (النور:۶۳)
رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

اس میں مفسرین کے دو قول ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ کو آپ کے اسم گرامی کے ساتھ نہ پکارو جس طرح ایک دوسرے کو (نام لے کر) پکارتے ہو بلکہ "یارسول اللہ" اور "یانبی اللہ" کہو اور اس میں نہایت تواضع پائی جاتی ہے۔ اس صورت میں مصدر مفعول کی طرف

[1] صحیح بخاری میں ہے قریب تھا کہ دو بہترین انسان حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہلاک ہو جاتے نبی اکرم ﷺ کے پاس ان کی آواز بلند ہوئی جب بنوتمیم کے سوار آپ کے پاس حاضر ہوئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ یا ایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم الایہ (صحیح بخاری)

مضاف ہوگا یعنی "دعاء کم الرسول" (لفظ دعاء مصدر اور لفظ الرسول مفعول ہے)۔

دوسرا قول یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب تمہیں پکاریں تو اسے ایک دوسرے کو پکارنے کی طرح نہ سمجھو کہ اگر چاہے تو جواب دے اور چاہے تو چھوڑ دے بلکہ نبی اکرم ﷺ جب تمہیں پکاریں تو تمہارے لئے قبول کرنا (جواب دینا) ضروری ہے اور تمہارے لئے اس سے منہ پھیرنے کی گنجائش نہیں کیونکہ آپ کے بلانے پر فوراً لبیک کہنا واجب ہے اور آپ کے حکم کے بغیر واپسی حرام ہے۔ اس بنیاد پر مصدر فاعل کی طرف مضاف ہوگا "یعنی دعاءہ ایا کم" (دعاء مضاف اور ضمیر غائب فاعل)۔

چوتھے مقصد میں نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں یہ بات گزر چکی ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب میں نبی اکرم ﷺ کے بلانے پر حاضر ہونے کی صورت میں نماز باطل نہیں ہوتی۔ [1]

نبی اکرم ﷺ سے اجازت طلب کرنا

نبی اکرم ﷺ کی بارگاہِ اقدس کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جب آپ کے ساتھ کسی معاملے مثلاً خطبہ، جہاد، سرحدوں کی حفاظت وغیرہ میں اکٹھے ہوں تو کوئی شخص آپ سے اجازت لئے بغیر کسی کام کے لئے نہیں جا سکتا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُ. (النور:۶۲)

ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین لائے اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام میں حاضر ہوئے ہوں جس کے لئے جمع کئے گئے تو نہ جائیں جب تک ان سے اجازت نہ لے لیں۔

جب کسی حاجت کے لئے جانے کی صورت میں آپ کی اجازت ضروری ہے اور اس کے بغیر جانے کی گنجائش نہیں تو دین کی تفاصیل اور اس کے اصول و فروغ وہ دقیق ہوں یا واضح، آپ کی اجازت کے بغیر اس طرف جانا کیسے جائز ہوگا؟

ارشادِ خداوندی ہے:

فَاسْئَلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (النحل:۴۳)

پس اہل علم سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔

آپ کے قول پر اعتراض نہ کیا جائے

نبی اکرم ﷺ سے متعلق آداب میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کے کسی (ثابت شدہ) ارشاد گرامی پر اعتراض نہ کیا جائے بلکہ آپ کے ارشاد گرامی کے ذریعے لوگوں کی آراء پر اعتراض کیا جائے اور آپ کے ارشاد گرامی کے مقابلے میں قیاس کو نہ لایا جائے بلکہ قیاس کو ترک کر کے نصوص کو اختیار کیا جائے اور کسی مخالف خیال کی وجہ سے آپ کے کلام کو حقیقت سے پھیرا نہ جائے جسے وہ لوگ معقول کا نام دیتے ہیں ہاں وہ مجہول ہے اور صحیح راستے سے ہٹا ہوا اور جو کچھ نبی

[1] احناف کے نزدیک بھی حضور علیہ السلام کے بلانے پر حاضر ہونے کے لئے نماز توڑنے سے باطل نہیں ہوتی۔ (تفسیر مظہری جلد ۴ ص ۶۴ عربی)

اکرم ﷺ لائے ہیں اسے قبول کرنا کسی کی موافقت پر محمول نہیں ہے یہ ساری باتیں ادب میں کمی کی وجہ سے ہوتی ہیں اور یہ آپ کی ذات گرامی پر جرأت کرنا ہے۔

آپ کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا

رسول اکرم ﷺ کے ساتھ آداب کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آپ کے حکم کو کامل طور پر تسلیم کیا جائے اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے اور آپ کی خبر کو قبول کیا جائے اور اس کی تصدیق کی جائے اور کوئی خیال فاسد جسے لوگ معقول کہتے ہیں اس کے معارض نہ لایا جائے اسی طرح جسے شبہ یا شک کہا جاتا ہے اسے بھی جگہ نہ دی جائے آپ کے حکم یا خبر سے لوگوں کی آراء اور ان کی ذہنی اختراعات کو مقدم نہ کیا جائے بلکہ صرف آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے اور اس کے سامنے سر جھکایا جائے گویا اس سلسلے میں آپ کو واحد و یکتا سمجھا جائے جس طرح عبادت، خضوع، رجوع اور توکل صرف بھیجنے والی ذات اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

پس دو توحیدیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اسی صورت میں بچاؤ ممکن ہے جب دونوں کو مانا جائے بھیجنے والے (اللہ تعالیٰ) کی توحید اور متابعت رسول ﷺ کی توحید پس اس کے غیر کے پاس فیصلہ نہ لے جائے اور نہ اس کے علاوہ کسی کے حکم پر راضی ہو۔

یہ عبارت "مدارج السالکین" کا خلاصہ ہے اور قرآن مجید ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے جو آپ کی بارگاہ اقدس کا ادب سکھاتی ہیں پس اس طرف رجوع کیا جائے۔

نویں نوع

وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے خود نبی اکرم ﷺ کے دشمنوں کا رد کر کے آپ کی شان کو بلند فرمایا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ (القلم: ۱-۲)

قلم اور ان کے لکھے کی قسم تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی جب مشرکین نے کہا:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ (الحجرات: ۶)

اے وہ جن پر قرآن اترا بے شک تم مجنون نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بذات خود کسی واسطہ کے بغیر آپ کے دشمنوں کو جواب دیا اور دوستوں کا طریقہ یہی ہوتا ہے کیونکہ جب کوئی محب کسی سے سنتا ہے کہ وہ اس کے محبوب کو گالی دیتا ہے تو وہ خود اس کی مدد کرتے ہوئے جواب دیتا ہے یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کا مددگار بنتے ہوئے بذات خود جواب دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد زیادہ کامل اور آپ کے مقام کو زیادہ بلند کرنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ کا رد کرنا آپ کے خود رد کرنے کے مقابلے میں زیادہ پہنچنے والا ہے اور آپ کی بزرگی کے دیوان میں زیادہ ثابت اور قائم ہونے والا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنی بڑی بڑی نشانیوں کی قسم کھاتے ہوئے اپنے رسول' اپنے حبیب اور اپنے خلیل کی پاکیزگی بیان کر کے دشمنوں نے جو بہتان باندھا تھا اس کو جھوٹ قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

مَآ اَنۡتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ بِمَجۡنُوۡنٍ۝ (القلم:۲) تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔

اور عنقریب آپ کے وہ دشمن جو آپ کو جھٹلاتے ہیں انہیں معلوم ہو جائے گا کہ فتنے میں کون مبتلا ہے نبی اکرم ﷺ یا وہ لوگ؟ ان لوگوں اور دوسرے عقلمند لوگوں کو یہ بات دنیا میں ہی معلوم ہو گئی اور عالم برزخ میں ان کا علم بڑھ جائے گا اور آخرت میں مکمل طور پر ظاہر ہو جائے گا حتیٰ کہ اس بات کے علم میں سب لوگ برابر ہوں گے اور ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا صَاحِبُكُمۡ بِمَجۡنُوۡنٍ۝ (التکویر:۲۲) اور تمہارے صاحب مجنون نہیں۔

جب عاص بن وائل سہمی نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ مسجد سے باہر تشریف لا رہے ہیں اور وہ داخل ہو رہا تھا' باب بنو سہم کے پاس دونوں کی ملاقات ہوئی اور گفتگو بھی کی' قریش کے سردار مسجد میں بیٹھے دیکھ رہے تھے عاص اندر داخل ہوا تو انہوں نے پوچھا تم کس آدمی سے باتیں کر رہے تھے؟ اس نے کہا اس ابتر (جس کی نسل باقی نہ رہی) سے (معاذ اللہ)۔ حضور علیہ السلام کے بارے میں کہا اور نبی اکرم ﷺ کے صاحبزادے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھے انتقال کر گئے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے خود جواب دیتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ۝ (الکوثر:۳) بے شک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے۔

یعنی آپ کے دشمن اور آپ سے بغض رکھنے والے ہی ذلیل و حقیر ہیں۔

جب مشرکین نے کہا:

اِفۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ. (السبا:۸) کیا اللہ تعالیٰ پر اس نے جھوٹ باندھا۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بَلِ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ فِى الۡعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الۡبَعِيۡدِ۝ (السبا:۸) بلکہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ عذاب اور دُور کی گمراہی میں ہیں۔

اور جب انہوں نے کہا:

لَسۡتَ مُرۡسَلًا. (الرعد:۴۳) آپ رسول نہیں ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف سے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

يٰسٓ۝ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَكِيۡمِ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ۝ (یٰس:۱-۳) حکمت والے قرآن کی قسم! بے شک آپ مرسلین میں سے ہیں۔

اور جب انہوں نے کہا:

اَئِنَّا لَتَارِكُوۡۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجۡنُوۡنٍ۝ (الصافات:۳۶) کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر مجنون کی وجہ سے چھوڑ دیں؟

اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَ صَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ. (الصافات: ۳۷)
بلکہ آپ حق لے کر آئے اور آپ نے رسولوں کی تصدیق کی۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تصدیق فرمائی۔

پھر آپ کے دشمن کے لئے عذاب کا ذکر کیا:

اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ○ (الصافات: ۳۸)
بے شک تم دردناک عذاب چکھنے والے ہو۔

اور جب انہوں نے کہا:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ○ (الطور: ۳۰)
یا کہتے ہیں یہ شاعر ہیں ہمیں ان پر حوادث زمانہ کا انتظار ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ○ (یٰس: ۶۹)
اور ہم نے ان کو شعر نہیں سکھائے اور نہ ہی یہ ان کے شایانِ شان ہیں یہ تو ذکر اور واضح قرآن ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کا یہ قول ذکر کیا:

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ نِ افْتَرَاهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ○ (الفرقان: ۴)
یہ تو نہیں مگر ایک بہتان جو انہوں نے بنالیا ہے اور اس پر اور لوگوں نے انہیں مدد دی۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نام کاذبین (جھوٹ بولنے والے) رکھا ارشاد فرمایا:

فَقَدْ جَآءُوْا ظُلْمًا وَّزُوْرًا. (الفرقان: ۴)
بے شک وہ ظلم اور جھوٹ پر آئے۔

اور فرمایا:

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (الفرقان: ۶)
تم فرماؤ اسے تو اس نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر بات جانتا ہے۔

اور جب انہوں نے کہا کہ اس قرآن کو ان کی طرف شیطان القاء کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِيْنُ ○ (الشعراء: ۲۱۰)
اور اس قرآن کو لے کر شیطان نہ اترے۔

اور جب ان پر پہلے لوگوں کی خبر پڑھی تو نضر بن حارث نے کہا:

لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ. (الانفال: ۳۱)
اگر ہم چاہتے تو ایسے ہم بھی کہہ دیتے یہ تو نہیں مگر اگلوں کے قصے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جھٹلاتے ہوئے فرمایا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ. (الاسراء: ۸۸)
تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لا

سکیں۔

اور جب ولید بن مغیرہ نے کہا:

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ○ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ○ (المدثر: ۲۴-۲۵)

یہ تو وہی جادو ہے اگلوں سے سیکھا یہ نہیں مگر آدمی کا کلام۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ○ (الذاریات: ۵۲)

یونہی جب ان سے اگلوں کے پاس کوئی رسول تشریف لایا تو یہی بولے کہ جادوگر ہے یا دیوانہ۔

تو یوں نبی اکرم ﷺ کو تسلی دی۔

اور جب مشرکین نے کہا کہ حضرت محمد ﷺ کو ان کے رب نے چھوڑ دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا:

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ○ (الضحیٰ: ۳)

تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا۔

اور جب انہوں نے کہا:

مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ. (الفرقان: ۷)

اور رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے؟

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ. (الفرقان: ۲۰)

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب ایسے ہی کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے۔

اور جب اللہ تعالیٰ کے دشمنوں یہودیوں نے نبی اکرم ﷺ سے نکاح اور ازواج مطہرات کی کثرت پر حسد کیا اور کہا کہ آپ کا کام تو صرف نکاح کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی طرف سے اور آپ کے دفاع میں ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ○ (النساء: ۵۴)

یا لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا تو ہم نے تو ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں بڑا ملک دیا۔

اور جب انہوں نے اس بات کو (عقل سے) بعید سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو رسول بنا کر بھیجے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ قول نقل کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ (الاسراء: ۹۴)

اور کس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر اسی نے کہ بولے کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟

اور وہ اس بات سے جاہل تھے کہ ہم جنس ہونا انس پیدا کرتا ہے اور مخالف جنس سے مخالفت پیدا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو

جواب دیتے ہوئے فرمایا:

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا۝ (الاسراء:۹۵)

تم فرماؤ اگر زمین میں فرشتے ہوتے چین سے چلتے تو ان پر آسمان سے ہم رسول بھی فرشتہ اتارتے۔

یعنی اگر یہ لوگ فرشتے ہوتے تو ضروری ہوتا کہ ان کا رسول بھی فرشتوں سے ہو لیکن جب اہل زمین انسان ہیں تو واجب ہے کہ ان کا رسول بھی بشر ہو۔

تو یہ نبی اکرم ﷺ کا کتنا بڑا اعزاز ہے حالانکہ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام اپنا دفاع خود کرتے اور دشمنوں کو جواب دیتے تھے جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ (الاعراف:۶۱)

اے میری قوم مجھ میں گمراہی کچھ نہیں۔

اور حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا:

لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ (الاعراف:۶۷)

اے میری قوم مجھے بیوقوفی سے کیا تعلق۔

اور اس طرح کی کئی مثالیں ہیں۔

دسویں نوع

ان آیات سے ازالۂ شبہات جو نبی اکرم ﷺ کے بارے میں بطور متشابہات وارد ہوئی ہیں

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى

ارشادِ خداوندی ہے:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى. (الضحیٰ:۷)

اور تمہیں اپنی محبت میں وارفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔

یہ بات جان لو کہ علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک لحظہ کے لئے بھی نہیں بھٹکے۔ اور کیا عقلاً انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے نبوت سے پہلے یہ بات جائز ہے؟

تو معتزلہ کے لئے نزدیک عقلی طور پر بھی جائز نہیں کیونکہ اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

اور ہمارے اصحاب (اہل سنت وجماعت) کے نزدیک عقلی طور پر جائز ہے پھر اللہ تعالیٰ جس کے لئے نبوت کا ارادہ فرماتا ہے اس پر کرم فرماتا ہے مگر سمعی دلیل اس بات پر قائم ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے یہ بات واقع نہیں ہوئی۔

ارشادِ خداوندی ہے:

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى۝ (النجم:۲)

تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے۔

یہ بات امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

امام ابوالفضل الیحصبی نے ''الشفاء میں'' فرمایا صحیح بات یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نبوت سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے بے علم ہونے سے معصوم تھے اور اس سلسلے میں وہ کسی شک میں مبتلا نہ تھے اور مختلف اخبار وآثار اس بات پر ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام جب سے پیدا ہوئے اس خرابی سے پاک رہے اور وہ توحید وایمان پر پروان چڑھے بلکہ ان پر انوار معارف چمکے تھے اور سعادت کے لطف وکرم کی خوشبوئیں مہکتی رہیں اور اہل اخبار نے یہ بات نقل نہیں کی کہ کوئی شخص کفروشرک میں معروف ہو پھر اسے نبوت عطا کی گئی اور چن لیا گیا ہو اور اس سلسلے میں (عقل استعمال نہیں ہوسکتی بلکہ) نقل پر اعتماد ہوتا ہے۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۰۹)

پھر فرمایا کہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس سے تم پر واضح ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے حق کیا ہے؟ تو حق یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے بے خبر ہونے سے معصوم تھے یا ایسی حالت سے معصوم تھے جو ان تمام باتوں کے علم کے منافی ہو نبوت کے بعد معصومیت تو عقل اور اجماع دونوں سے ثابت ہے اور نبوت سے پہلے سمع اور نقل سے ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف جو وحی فرمائی ان امور شرع کی ادائیگی میں کسی قسم کی بے خبری سے بھی معصوم تھے یہ بات عقلاً اور شرعاً دونوں طرح ثابت ہے۔

اور جب سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت ورسالت عطا کی آپ جھوٹ اور وعدہ کی خلاف ورزی سے وہ قصداً ہو یا قصد کے بغیر معصوم ہیں اور یہ بات آپ پر شرعاً اور اجماعاً نیز غور وفکر اور دلیل کے اعتبار سے قطعاً محال ہے اور نبوت سے بھی آپ ان باتوں سے پاک تھے گناہ کبیرہ سے آپ کی پاکیزگی پر اجماع ہے اور حقیقت یہ ہے کہ صغیرہ گناہوں اور بھول' غفلت (شھوت) پر قائم رہنے سے بھی معصوم تھے اور امت کے لئے جو غلطی اور بھول معاف کی گئی اس پر قائم رہنے سے بھی پاک تھے اور آپ رضا اور غضب' سنجیدگی اور خوش طبعی ہر حال میں ان خرابیوں سے معصوم اور پاک ہیں۔

اس عقیدے کو مضبوطی سے اختیار کرو جس طرح بخیل آدمی مال کو مضبوطی سے سنبھالے رکھتا ہے کیونکہ یہ واجب ہے اور جو شخص اس بات سے غافل رہے جو نبی اکرم ﷺ کے لئے واجب ہے یا جائز یا محال ہے اور وہ ان احکام کی صورت کو نہ جانتا ہو تو وہ اس خلافِ حقیقت عقیدے سے بے خوف نہیں ہوسکتا اور ممکن ہے وہ آپ کی طرف ایسی بات کی نسبت کرے جو آپ کے لئے جائز نہیں تو اس طرح یہ شخص لاعلمی میں ہلاک ہو جائے گا اور جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں جا گرے گا کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں باطل کا گمان کرنا اور جو بات آپ کے لئے جائز نہیں اس کا عقیدہ رکھنا ہلاکت کی جگہ میں اُتارتا ہے۔ (المصدر السابق ج ۲ ص ۱۷۲)

بعض ائمہ کرام نے انبیاء کرام کے صغیرہ گناہوں سے بھی معصوم ہونے پر اس بات سے استدلال کیا کہ ان کے افعال پر عمل کرنا اور ان کے آثار اور سیرتوں کی مطلقاً اتباع کرنا لازم ہے اور جمہور فقہا مالکی' شافعی اور حنفی اسی بات کے قائل ہیں وہ کسی قرینے کی بات نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک یہ بات مطلق طور پر ہے اگرچہ اس کے حکم میں ان کا اختلاف ہے اور اگر ہم ان سے صغیرہ گناہوں کا سرزد ہونا جائز قرار دیں تو ان کے افعال میں ان کی اقتداء نہیں ہوسکے گی کیونکہ آپ کے تمام افعال میں مقصد کی تمیز نہیں ہوسکتی کہ وہ قربت کے طور پر ہے' مباح ہے' ممنوع ہے یا معصیت ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں متعدد وجوہ بیان کئے گئے ہیں۔

پہلی وجہ: آپ کو نبوت کی علامات سے بے خبر پایا۔

یہ بات حضرت ابن عباس' ضحاک اور شھر بن حوشب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے:

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْاِيْمَانُ. (الشوریٰ:۵۲) آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟

یعنی آپ وحی سے پہلے قرآن پڑھنا نہیں جانتے تھے اور نہ یہ بات کہ مخلوق کو ایمان کی طرف کیسے بلانا ہے؟ یہ بات سمرقندی (امام ابواللیث سمرقندی حنفی) نے کہی ہے۔

حضرت بکر قاضی فرماتے ہیں کہ ایمان سے مراد فرائض واحکام ہیں کیونکہ آپ پہلے سے ہی توحید پر ایمان رکھتے تھے پھر فرائض نازل ہوئے جن کے بارے میں آپ کو پہلے علم نہ تھا تو ان کے مکلّف ہونے سے ایمان بڑھ گیا اس سلسلے میں اس نوع کے آخر میں مزید تفصیل آئے گی ان شاءاللہ۔

دوسری وجہ: لفظ ''ضالا'' کے بارے میں خود نبی اکرم ﷺ سے حدیث مروی ہے جیسے امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

بچپن میں میرے جد امجد نے مجھے گم پایا حتیٰ کہ قریب تھا کہ بھوک مجھے ہلاک کر دیتی پس اللہ تعالیٰ نے میری رہنمائی فرمائی۔

تیسری وجہ: کہا جاتا ہے ''ضل الماء فی اللبن'' پانی دودھ میں گم ہو گیا۔

تو آیت کا معنی یہ ہوگا کہ آپ مکہ مکرمہ میں کفار کے درمیان پوشیدہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تقویت دی حتیٰ کہ آپ کا دین غالب آ گیا۔

چوتھی وجہ: اہل عرب جنگل میں تنہا درخت کو ''ضالۃ'' کہتے ہیں گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ شہر جنگل کی طرح تھے جن میں کوئی ایسا درخت نہ تھا جو اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی معرفت کا پھل اٹھاتا پس حمد کے جنگل میں آپ یکتا درخت ہیں۔

پانچویں وجہ: بعض اوقات سردار کو خطاب کیا جاتا ہے اور اس سے اس کی قوم مراد ہوتی ہے یعنی آپ کی قوم کو بھٹکا ہوا پایا پس آپ کے ذریعے اور آپ کی شریعت کے سبب ان کو ہدایت دی۔ [1]

چھٹی وجہ: اس لفظ ''ضال'' کا معنیٰ میری معرفت کی محبت رکھنے والے ہے یہ بات ابن عطاء سے مروی ہے اور ''الضال'' کا معنیٰ ''محبّ'' ہے۔

جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ○ (یوسف:۹۵) بے شک آپ اپنی اسی پرانی وارفتگی میں ہیں۔

یعنی پرانی محبت میں ہیں اور یہاں دین کے حوالے سے بھٹکنا مراد نہیں اس لئے کہ اگر وہ اللہ کے نبی (حضرت یعقوب علیہ السلام) کے بارے میں یہ بات کہتے تو کافر ہو جاتے۔ (المصدر السابق ج۲ ص۱۱۲)

---

[1] اہل سنت و جماعت نے اسی طرح ترجمہ کیا جب کہ بعض بدبختوں نے گناہ کی نسبت حضور علیہ السلام کی طرف کی ہے (العیاذ باللہ)۔۱۲ ہزاروی

ساتویں وجہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھولنے والا پایا تو یاد دلا دیا اور یہ شب معراج کی بات ہے کہ آپ ہیبت خداوندی کی وجہ سے بھول گئے کہ کیا کہا جائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہنمائی فرما کر ثناء کی کیفیت بتائی حتیٰ کہ آپ نے فرمایا "لا احصی ثناء علیک" (میں تیری تعریف کا شمار نہیں کر سکتا)۔

آٹھویں وجہ: آپ کو گمراہ لوگوں کے درمیان پایا تو آپ کو محفوظ رکھتے ہوئے ایمان اور ان لوگوں کو ہدایت دینے کی طرف رہنمائی کی۔ (المصدر السابق ج ۲ ص ۱۱۲)

نویں وجہ: جو کچھ آپ کی طرف اتارا گیا اس میں آپ کو حیران پایا تو اس کے بیان کے لئے آپ کی رہنمائی کی۔
(المصدر السابق ج ۲ ص ۱۱۳)

دسویں وجہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے دور جاہلیت کے کسی کام کا جو وہ لوگ کرتے تھے دو مرتبہ کے علاوہ کبھی ارادہ نہیں کیا لیکن ہر بار اللہ تعالیٰ (کا کرم) میرے اور میرے ارادے کے درمیان حائل ہو جاتا پھر اس کے بعد میں نے کسی (ایسی) بات کا ارادہ نہیں کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسالت سے مکرم فرمایا ایک رات میں نے قریش کے ایک لڑکے سے جو مکہ مکرمہ کے بلند مقام پر بکریاں چراتا تھا' کہا کہ اگر تم میری بکریوں کی حفاظت کرو تو میں مکہ مکرمہ جا کر قصے کہانیاں بیان کروں جیسا کہ نوجوان بیان کرتے ہیں چنانچہ میں نکلا حتیٰ کہ اہل مکہ کے مکانات میں سے پہلے مکان میں آیا اور میں نے دف اور باجوں کی آواز سنی تو بیٹھ کر ان کو دیکھنے لگا لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے کانوں کو بند کر دیا پس میں سو گیا پھر سورج کی تپش سے بیدار ہوا پھر دوسری رات بھی اسی طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے میرے کانوں کو روک دیا اور سورج کی دھوپ سے میں بیدار ہوا پھر رسالت کے اعلان تک میں نے کبھی بھی کسی برے کام کا ارادہ نہیں کیا۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۲۶' الشفاء ج ۱ ص ۱۳۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۴۳۸)

ووضعنا عنک وزرک

ارشاد خداوندی ہے:

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ○ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ○ (الانشراح: ۲۔۳)

اور تم پر سے تمہارا بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی۔

فقہاء' محدثین اور متکلمین کی ایک جماعت نے جو انبیاء کرام علیہم السلام سے صغیرہ گناہوں کے سرزد ہونے کو جائز سمجھتے ہیں' اس آیت کریمہ (کے ظاہر) اور قرآن وحدیث کے بہت سے ظاہری معانی سے استدلال کیا۔

جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا اگر وہ ظاہر کا التزام کرتے ہیں جوان تک پہنچا تو کبیرہ گناہوں کو بھی جائز قرار دینا ہوگا اور اس سے اجماع بھی ختم ہو جائے گا اور یہ بات کوئی بھی مسلمان نہیں کہتا اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جب وہ اس سلسلے میں ان آیات سے استدلال کرتے ہیں جن کے معانی میں مفسرین کا اختلاف ہے اور اس کے مقتضا میں مختلف احتمالات باہم ٹکراتے ہیں اور بزرگوں سے اس سلسلے میں مختلف اقوال منقول ہیں اور جس بات کا انہوں نے التزام کیا ہے ان میں مختلف احتمالات نہیں ہیں پس جب ان کا مذہب اجماع نہیں ہے اور جس سے انہوں نے استدلال کیا اس میں بہت پہلے سے اختلاف ہے اور ان کے قول کے غلط اور دوسرے قول کے صحیح ہونے پر دلائل قائم ہیں تو اسے چھوڑ کر صحیح قول کی طرف

رجوع کرنا ضروری ہے اس آیت کے سلسلے میں اختلاف ہے۔

اہل لغت فرماتے ہیں اس میں اصل یہ ہے کہ جب پیٹھ پر کسی وزن کا بوجھ ہو تو اس سے آواز سنائی دیتی ہے جس طرح وزن اور کجاووں کی آواز ہوتی ہے اور یہ مثال اس چیز کی ہے جو نبی اکرم ﷺ پر احکام تکلیفیہ کا بوجھ تھا۔

کہا گیا ہے کہ اس سے مراد نبوت کا بوجھ ہے جس کو قائم کرنے اور اس کے موجبات کی حفاظت نیز اس کے حقوق کی محافظت نے آپ کی پشت مبارک کو بوجھل بنا دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے آسانی پیدا کر دی اور اس بوجھ کو اتار دیا یعنی اسے آپ کے لئے آسان کر دیا۔

ایک قول یہ ہے کہ وزن (بوجھ) سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو تبدیل کیا تو یہ بات آپ کو ناپسند تھی اور آپ کو روکنے پر قادر نہ تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت بخشی اور آپ سے فرمایا:

اِتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ (النحل: ۱۲۳) آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر چلیں۔

کہا گیا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر کوئی گناہ ہوتا جو آپ کی پشت مبارک کو توڑ دیتا تو ہم نے اس بوجھ سے آپ کو پہلے ہی محفوظ کر لیا ہے تو اس عصمت اور حفاظت کو مجازی طور پر اتارنا کہا گیا حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک ولیمہ میں حاضر ہوئے وہاں دف اور باجے وغیرہ تھے اور یہ نبوت سے پہلے کی بات ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے کانوں کو بند کر دیا حتیٰ کہ (آپ آرام فرما ہوئے اور) دوسرے دن سورج کی گرمی سے بیدار ہوئے۔ تو یہ بھی ایک حفاظت ہے۔

اور کہا گیا کہ ہم نے آپ کے اندر کا نیز حیرت کا اور طلب شریعت کا بوجھ اتار دیا حتیٰ کہ آپ کے لئے شریعت مقرر کی (اور آپ کو اطمینان حاصل ہو گیا)۔

ایک قول کے مطابق اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جو بوجھ آپ نے اٹھایا ہم نے اپنی حفاظت کے ذریعے اسے ہلکا کر دیا جب آپ نے حفاظت طلب کی اور آپ کے پاس اس کی حفاظت کی گئی۔ اور ''انقض'' کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ کی پشت مبارک ٹوٹنے کے قریب تھی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کے نزدیک نبوت سے پہلے کی حالت مراد ہے ان کے مطابق نبی اکرم ﷺ نبوت سے پہلے کچھ امور کا اہتمام کرتے تھے اور ان کو بجالاتے اور نبوت کے بعد وہ کام آپ پر حرام کر دیئے گئے تو ان کو بوجھ شمار کیا گیا آپ پر یہ بات گراں ہوئی اور آپ کو اس سے خوف لاحق ہوا۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۵۸)

یہ بھی کہا گیا کہ اس سے امت کے گناہ مراد ہیں جو آپ پر بوجھ کی طرح ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو فوری عذاب دینے سے آپ کو بے خوف کر دیا اور ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (الانفال: ۳۳) اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب! تم ان میں تشریف فرما ہو۔

اور آپ سے مستقبل میں شفاعت (قبول کرنے) کا وعدہ فرمایا۔

لیغفر لک اللہ

ارشادِ خداوندی ہے:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ. (الفتح:۲) تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے سبب آپ کے اگلوں پچھلوں کے گناہ بخش دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لئے بخشش ہے اگر کوئی گناہ ہو بھی تو آپ کا مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

بعض حضرات نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ ہوا یا نہیں ہوا آپ کے لئے بخشش ہے۔

کہا گیا کہ اس سے مراد وہ عمل ہے جو بھول کر یا بے خبری میں یا کسی تاویل سے ہوا یہ طبری نے بیان کیا اور امام قشیری (عبدالکریم بن ہوازن رحمہ اللہ) نے اسے اختیار کیا یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''ما تقدم'' سے مراد آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش ہے اور ''ما تاخر'' سے آپ کی امت کے گناہ مراد ہیں یہ بات سمرقندی اور سلمی نے ابن عطاء سے نقل کی ہے (رحمہم اللہ)۔ (المصدر السابق ج ۲ ص ۱۵۷)

ایک قول کے مطابق آپ کی امت مراد ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ ''ذنب'' سے ترک اولیٰ مراد ہے جیسا کہ کہا گیا:

حسنات الابرار سیئات المقربین. نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے گناہ ہیں۔

اور ترک اولیٰ گناہ نہیں ہوتا کیونکہ اولیٰ اور اس کے مقابل فعل کے جواز میں برابر ہوتے ہیں۔

حضرت امام سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے اس (آیت) میں غور کیا اور اس کے سیاق وسباق کو دیکھا تو میرے خیال میں اس میں ایک ہی وجہ کا احتمال ہے وہ یہ کہ نبی اکرم ﷺ کا شرف بیان ہو رہا ہے بغیر اس کے کہ وہاں کوئی گناہ ہو لیکن آیت میں تمام اقسام کی نعمتوں کا احاطہ کرنے کا ارادہ کیا گیا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو عطا ہوئی ہیں اور اس سے اخروی نعمتیں مراد ہوں اور تمام اخروی نعمتیں دو چیزیں ہیں ایک سلبی یعنی گناہوں کی بخشش اور دوسری ثبوتی جس کی کوئی انتہا نہیں اس بات کی طرف یوں اشارہ فرمایا:

وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ. (الفتح:۲) اور وہ آپ پر اپنی نعمت کو پورا کرے۔

اور دنیوی نعمتیں بھی دو چیزیں ہیں یا وہ دینی نعمتیں ہوں گی جن کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا (الفتح:۲) اور وہ آپ کو سیدھے راستے کی ہدایت دے۔

یا دنیوی ہوں گی جس کی طرف یوں اشارہ فرمایا:

وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيزًا (الفتح:۳) اور وہ آپ کی ایسی مدد کرے جو غالب کرنے والی ہے۔

پس یہ آیت نبی اکرم ﷺ کی قدر ومنزلت کی تعظیم کو اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کے ساتھ شامل ہے جو دوسروں میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں اسی لئے اسے فتح مبین کی انتہا قرار دیا جس فتح کی عظمت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف منسوب کیا فرمایا ''انا فتحنا'' بے شک ہم نے فتح عطا کی اور ''لک'' فرما کر حضور علیہ السلام کے ساتھ خاص قرار دیا۔

ابن عطیہ نے یہی قول کیا ہے اور اس کا معنیٰ اس حکم کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کو شرف بخشنا ہے وہاں کسی قسم کا گناہ

نہیں ہے۔

پھر امام سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا اگر گناہ کو جائز بھی مانا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا اور اس کے خلاف بات کا خیال کیسے کیا جاسکتا ہے جب کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ (النجم: ۳-۴)

اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔

اور جہاں تک آپ کے فعل کا تعلق ہے تو آپ کی اتباع اور آپ کے تمام افعال چھوٹے ہوں یا بڑے ان کی اقتدا پر صحابہ کرام کا اجماع ہے اس سلسلے میں صحابہ کرام کے ہاں کوئی توقف اور بحث نہیں ہے حتیٰ کہ صحابہ کرام آپ کے خلوت کے اعمال کو بھی جاننا چاہتے تھے اور اس کی حرص رکھتے تھے وہ ان اعمال کی اتباع کرنا چاہتے تھے ان کا علم رکھتے ہوں یا نہ۔ اور جو شخص نبی اکرم ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کے احوال میں غور کرے گا وہ اس بات سے حیا کرے گا کہ اس کے دل میں کوئی دوسری بات آئے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ

ارشاد خداوندی ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ. (الاحزاب: ۱)

اے نبی ﷺ! اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ تمام مخلوق سے زیادہ متقی ہیں اور کسی چیز کا حکم اس وقت ہوتا ہے جب مامور (جسے حکم دیا گیا) مامور بہ (جس چیز کا حکم دیا گیا) میں مشغول نہ ہو کیونکہ یہ بات درست نہیں کہ بیٹھے ہوئے آدمی سے کہا جائے کہ بیٹھو اور خاموش آدمی سے کہا جائے خاموش ہو جاؤ اور یہ بات نبی اکرم ﷺ کے لئے جائز نہیں کہ آپ تبلیغ نہ فرمائیں اور نہ یہ کہ آپ اپنے رب کے حکم کی مخالفت کریں اور اسی طرح شرک کرنا اور کافروں، منافقوں کی بات ماننا بھی آپ کے لئے جائز نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تقویٰ کا حکم دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں آپ کی حاضری دائمی رہے۔

بعض حضرات نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم اور آپ کا مرتبہ دن بدن بڑھتا تھا حتیٰ کہ آپ کی پہلی حالت موجودہ حالت کے مقابلے میں افضل کو چھوڑنا ہوتا پس آپ کے لئے ہر گھڑی جدید سے جدید تقویٰ پیدا ہوتا (تو معنیٰ یہ ہوا کہ مزید تقویٰ اور علم طلب کیجئے)۔

اور یہ بھی کہا گیا کہ آپ تقویٰ پر قائم و دائم رہیں کیونکہ بیٹھے ہوئے آدمی سے کہنا کہ میرے آنے تک بیٹھے رہو اور خاموش آدمی سے کہنا کہ خاموش رہو سلامتی پاؤ گے یعنی اسی حالت پر رہو، صحیح ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ نبی اکرم ﷺ سے خطاب ہے اور اس سے آپ کی امت مراد ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ○ (الاحزاب: ۲)

بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔

تو (واحد مذکر حاضر کا صیغہ) ''بما تعمل'' نہیں فرمایا۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ

ارشادِ خداوندی ہے:

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ○ (القلم:٨) پس آپ جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں۔

اللہ تعالیٰ نے جب نبی اکرم ﷺ کے بارے میں کفار کے عقیدے اور ان باتوں کا ذکر کیا جو انہوں نے آپ کی طرف منسوب کی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ پر کئے گئے انعامات کا بھی ذکر فرمایا کہ آپ کو دین میں کمال اور خلق عظیم عطا فرمایا تو اس کے بعد ان باتوں کا ذکر فرمایا جو آپ کے دل کو مضبوط کریں اور آپ کو اپنی قوم (کے جھٹلانے والوں) کے ساتھ سختی کی دعوت دیں اور مسلمانوں کی تعداد کم اور کفار کی تعداد زیادہ ہونے کے باوجود آپ کے قلب مبارک کو تقویت حاصل ہو یہ سورت ابتدا میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے پس فرمایا:

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ○ (القلم:٨) پس آپ جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں۔

ان لوگوں سے مکہ مکرمہ کے سرداران کفار مراد ہیں کیونکہ وہ آپ کو اپنے دین کی طرف بلاتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی بات ماننے سے روک دیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی مخالفت میں سختی اختیار کرنے کی ترغیب ہے۔

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ

ارشادِ خداوندی ہے:

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَاسْاَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ. (یونس:٩٤)

اور اے سننے والے اگر تجھے کچھ شبہ ہو اس میں جو ہم نے تیری طرف اتارا تو ان سے پوچھ دیکھ جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھنے والے ہیں۔

مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں مخاطب کون ہے؟ ایک جماعت کہتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ مخاطب ہیں اور دوسرے حضرات کہتے ہیں آپ کے علاوہ کوئی مخاطب ہے۔

جن لوگوں نے پہلا قول کیا ہے ان کے نزدیک اس کی توجیہ میں چند اقوال ہیں۔

١۔ ظاہر میں نبی اکرم ﷺ سے خطاب ہے لیکن مراد آپ کے علاوہ کوئی ہے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ. (الطلاق:١) اے نبی! (ﷺ) جب تم عورتوں کو طلاق دو۔

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ. (الزمر:٦٥)

اے سننے والے! اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت جائے گا۔

اور جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا:

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ. (المائدہ:١١٦)

کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو اللہ کے سوا۔

عام طور پر اس طرح خطاب ہوتا ہے کیونکہ جب کسی بادشاہ کا ایک امیر ہو اور اس امیر کے جھنڈے کے نیچے ایک جماعت ہو تو جب وہ اس رعایا کو کسی خاص بات کا حکم دینے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ان لوگوں کو براہ راست خطاب نہیں کرتا بلکہ اس امیر کو مخاطب بناتا ہے تاکہ ان لوگوں کے دلوں میں تاثیر زیادہ مضبوط ہو۔

۲۔ فراء نے کہا اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کے رسول ﷺ شک کرنے والے نہیں ہیں لیکن یہ خطاب اسی طرح ہے جس طرح کوئی شخص اپنے بیٹے سے کہتا ہے اگر تم میرے بیٹے ہو تو مجھ سے اچھا سلوک کرو اور اپنے غلام سے کہتا ہے اگر تم میرے غلام ہو تو میری بات مانو۔

۳۔ سینے کی تنگی اور گھٹن کو "شاک" کہا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر ان لوگوں کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف اور اذیت سے آپ اپنے سینے میں تنگی محسوس کرتے ہیں تو صبر کیجئے اور ان لوگوں سے جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں پوچھیئے کہ انبیاء کرام نے اپنی قوم کی طرف سے پہنچنے والی اذیت پر کس قدر صبر کیا اور انجام کار کے طور پر کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی تو اس سے مراد اس بات کو ثابت کرنا اور پہلی کتب سے شہادت طلب کرنا ہے اور قرآن مجید ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے یا نبی اکرم ﷺ کو زیادہ ثابت قدم رکھتا ہے۔

یا یہ بات فرض کرنے کے طور پر ہے آپ کی طرف سے شک واقع ہونے کا امکان نہیں ہے اسی لئے جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

وَاللّٰهِ لَآ اَشُكُّ وَلَآ اَسْاَلُ. اللہ کی قسم نہ میں شک کرتا ہوں اور نہ پوچھتا ہوں۔

دوسری وجہ یعنی حضور علیہ السلام مخاطب نہ ہوں تو اس کی تقریر یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں لوگ تین جماعتوں میں منقسم تھے۔

(۱) آپ کی تصدیق کرنے والے (۲) آپ کو جھٹلانے والے اور آپ کے بارے میں توقف کرنے والے (۳) شک کرنے والے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کو اس خطاب کے ساتھ مخاطب کیا اور فرمایا۔

اے انسان! اگر تجھے اس ہدایت پر شک ہے جو ہم نے اپنے نبی ﷺ کی زبان پر اتاری ہے تو اہل کتاب سے پوچھ تاکہ وہ تجھے آپ کی نبوت کے صحیح ہونے پر رہنمائی کریں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝ (الانفطار:٦) اے انسان! تجھے اپنے کریم رب کے بارے میں کس نے دھوکے میں ڈالا؟

اور فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ. (الانشقاق:٦) اے آدمی! بے شک تجھے اپنے رب کی طرف ضرور دوڑنا ہے۔

اور فرمایا:

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ. (الزمر:٨) اور جب آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے (تو اپنے رب

کو پکارتا ہے اس طرح جھکا ہوا)۔

یہاں جنس انسان مراد ہے معین آدمی مراد نہیں اسی طرح مذکورہ بالا آیت میں بھی عام انسان سے خطاب ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے وہ بات ذکر فرمائی جو ان کے شبہات کو زائل کر دے تو ان کو دوسری قسم کے لوگوں کے ساتھ مل جانے سے ڈرایا اور وہ جھٹلانے والے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ○ (یونس:۹۵)

اور ہرگز ان میں سے نہ ہونا جنہوں نے اللہ کی آیتیں جھٹلائیں کہ تو خسارے میں ہو جائے گا۔

فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ

اور ارشادِ خداوندی ہے:

وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ○ (الانعام:۱۱۴)

اور جن کو ہم نے کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ یہ تیرے رب کی طرف سے سچ اترا ہے تو اے سننے والے! تو ہرگز شک والوں میں نہ ہو۔

یعنی جس بات کو نہیں جانتے اس میں شک کرنے والوں سے نہ ہوں یا مراد یہ ہے کہ اے محمد ﷺ! شک کرنے والے سے فرما دیں کہ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ تو یہ نبی اکرم ﷺ سے خطاب نہیں بلکہ آپ کے ذریعے دوسروں کو خطاب ہے۔

اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔

فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ

ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ○ (الانعام:۳۵)

اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان لوگوں کو ہدایت پر جمع کر دیتا پس اے سننے والے! ہرگز بے علم لوگوں میں سے نہ ہو۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو لوگ کہتے ہیں کہ آپ ان لوگوں میں سے ہرگز نہ ہوں جو اس بات سے بے علم ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو ہدایت پر جمع کرتا' کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت سے بے علم ہونا ہے اور یہ بات انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے جائز نہیں مقصود لوگوں کو وعظ کرنا ہے کہ وہ اپنے معاملات میں جاہلین کی علامت کی مشابہت اختیار نہ کریں اور آیت کریمہ میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ آپ ایسی صفت پر ہیں جس پر ہونے سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو منع فرمایا۔

پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی قوم سے اعراض پر صبر کرنے کا حکم دیا اور یہ کہ اس وقت آپ کے سینے میں کوئی حرج پیدا نہ ہو کہ آپ کی حالت سخت افسوس کی وجہ سے جاہل کی حالت جیسی ہو جائے۔ (الشفاء ج۲ ص۱۰۷)

یہ بات ابوبکر بن فورک نے ذکر کی ہے۔

کہا گیا ہے کہ خطاب کا معنیٰ آپ کی امت کی طرف لوٹتا ہے یعنی اے لوگو! جاہلوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ یہ بات ابو محمد مکی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے اور قرآن مجید میں ایسی مثالیں بہت زیادہ ہیں اسی طرح ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ. (الانعام:۱۱۶)

اور اگر (اے سننے والے) تم زمین میں رہنے والوں میں سے اکثر کی بات مانو۔

تو اس سے بھی نبی اکرم ﷺ کا غیر مراد ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا. (آل عمران:۱۴۹)

اگر تم کافروں کی بات مانو (تو وہ تمہیں الٹے پاؤں لوٹا دیں گے)۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ. (الشوریٰ:۲۴)

اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہارے دل پر مہر لگا دے۔

اور ارشاد فرمایا:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ. (الزمر:۶۵)

اگر (اے سننے والے) تم شرک کرو گے تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا۔

اور اس قسم کی دوسری آیات میں نبی اکرم ﷺ مراد نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جن کی حالت مشرکین کی حالت جیسی ہو اور نبی اکرم ﷺ کے لئے شرک جائز نہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو جس کام سے چاہے روک دیتا ہے اور جس کے بارے میں چاہے حکم دیتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ. (الانعام:۵۲)

اور ان لوگوں کو دور نہ کریں جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔

تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو دور نہ کیا اور آپ ظالموں میں سے نہ تھے۔ (المصدر السابق ج ۲ ص ۱۰۹)

وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ

ارشادِ خداوندی ہے:

وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ ۝ (یوسف:۳)

اور اگر چہ بیشک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی۔

یہ آیت اس آیت کے معنیٰ میں نہیں ہے۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ (یونس:۷)

اور وہ لوگ جو ہماری آیات سے غافل ہیں۔

معنیٰ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے بے خبر تھے کیونکہ آپ کے دل میں یہ بات نہیں آئی اور نہ کبھی آپ کے کان میں کھٹکی پس آپ کو ہماری وحی کے بغیر اس کا علم نہ ہوا۔ (المصدر السابق ج ۲ ص ۱۱۴)

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطَانِ نَزْغٌ

ارشادِ خداوندی ہے:

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ۔ (الاعراف:۲۰۰)

اور اے سننے والے! اگر شیطان کسی برے کام پر اکسائے تو اللہ کی پناہ مانگ۔

اگر آپ کو غصہ اس حد تک لے جائے کہ وہ آپ کو ان لوگوں سے منہ پھیرنے پر مجبور کرے۔

''النـــزغ'' ادنٰی حرکت کو کہتے ہیں جس طرح زجاج نے کہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جب دشمن کے خلاف آپ کے غصہ میں کوئی حرکت ہو یا شیطان اس طریقے سے آپ کو دھوکہ دینا چاہے اور آپ کے دل میں کچھ وسوسے ڈالنا چاہے جس کے لئے وہ راستہ نہیں پاتا (کیونکہ آپ معصوم ہیں) تو آپ اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں پس آپ کو کفایت ہو جائے گی اور یہ آپ کی عصمت کی تکمیل کا سبب ہو گا کیونکہ وہ سوائے چھیڑ خانی کے زیادہ تسلط پر قادر نہیں ہے اور اسی طرح یہ بات صحیح نہیں کہ شیطان آپ کے سامنے فرشتے کی صورت میں آئے اور دھوکہ دے نہ رسالت کے آغاز میں اور نہ بعد میں۔ (الشفاء ج۲ ص۱۲۰)

بلکہ نبی کو اس بارے میں شک نہیں ہوتا کہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو آیا ہے وہ فرشتہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہے یا تو نبی کو یہ بات علم ضروری سے حاصل ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے پیدا کیا یا دلیل کے ذریعے معلوم ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ اس وقت ظاہر کرتا ہے جس طرح میں نے مقصد اول میں بعثت کے ذکر میں بیان کیا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ صدق اور عدل میں پورا ہو۔ اس کے کلمات کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے۔

اِذَا تَمَنّٰۤی اَلْقَی الشَّیْطَانُ فِیْۤ اُمْنِیَّتِہٖ

ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْۤ اُمْنِیَّتِہٖ۔ (الحج:۵۲)

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے سب پر کبھی یہ واقعہ گزرا ہے کہ جب انہوں نے پڑھا تو شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف سے ملا دیا۔

جمہور مفسرین نے اس سلسلے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ سب سے عمدہ بات ہے یعنی یہاں تمنّٰی سے تلاوت مراد ہے اور شیطان کے القاء سے مراد اس کا دل کو مشغول رکھنا اور پڑھنے والے کو دنیوی امور یاد دلانا ہے حتیٰ کہ وہ جو کچھ پڑھتا ہے اس میں وہم اور نسیان داخل ہو جاتا ہے یا سننے والوں کے ذہنوں میں تبدیلی اور بری تاویل داخل کر دیتا ہے جسے اللہ تعالیٰ زائل کر دیتا اور مٹا دیتا ہے اور اس کے دھوکے کو دور کر کے اپنی آیات کو مستحکم (مضبوط) بنا دیتا ہے۔

یہ بات قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمائی ہے اور مقصد اول میں اس سے زیادہ بیان ہو چکا ہے۔

اور جب وادی والے واقعہ کے دن نبی اکرم ﷺ آرام فرما ہوئے اور (فجر کی) نماز قضاء ہو گئی تو آپ نے فرمایا:

ان ھذا وادیہ شیطان۔

اس وادی میں شیطان ہے۔

(موطارقم الحدیث: ۱۴، مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۸۷، تمہید ابن عبد البر ج ۵ ص ۲۰۳، دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۲۷۳)

تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ شیطان آپ پر مسلط ہوا یا اس کا وسوسہ آپ پر حاوی ہوا بلکہ اگر اس کے ظاہر کو دیکھیں تو بھی نبی اکرم ﷺ نے اس شیطان کا معاملہ بیان کر دیا آپ نے فرمایا۔

شیطان حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کو مسلسل لوریاں دیتا رہا جس طرح بچے کو لوری دی جاتی ہے حتیٰ کہ وہ سو جاتا ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ اس وادی میں شیطان کا تسلط حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر ہوا جو فجر کا خیال رکھنے پر مامور تھے یہ تاویل اس صورت میں ہوگی جب ہم کہیں کہ اس وادی میں شیطان تھا جو نماز سے غفلت کا سبب بنا اور اگر ہم کہیں کہ وہ وادی سے کوچ کرنے کا سبب تھا اور وہاں نماز نہ پڑھنے کی علت یہی تھی تو حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مقصد یہی ہے پس اس باب میں کوئی اعتراض نہیں کیونکہ اعتراض اٹھ گیا۔

عَبَسَ وَ تَوَلّٰی

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

عَبَسَ وَ تَوَلّٰی ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ۝ (العبس: ۱۔۲) تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا اس پر کہ اس کے پاس وہ نابینا حاضر ہوا۔

ان آیات میں نبی اکرم ﷺ کے لئے گناہ کا ثبوت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو خبر دی جا رہی ہے کہ آپ جس کے درپے ہیں وہ ان میں سے ہے جو پاک نہیں ہیں اور بہتر اور اولیٰ بات یہ ہے کہ اگر دونوں مردوں کا حال آپ پر ظاہر ہو تو آپ نابینا کی طرف متوجہ ہونے کو اختیار کریں اور نبی اکرم ﷺ کا اس کافر کی طرف متوجہ ہونا اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اس کی طرف سے تبلیغ کے طور پر تھا نیز اس کو مانوس کرنا مقصود تھا جس طرح اللہ تعالیٰ نے مشروع قرار دیا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور مخالفت نہ تھی اور اللہ تعالیٰ نے جو واقع بیان فرمایا تو وہ دو آدمیوں کے بارے میں خبر دینا اور یہ بتانا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کافر کا معاملہ کمزور ہے اور:

وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى. (العبس: ۷) اور تمہارا کچھ نقصان نہیں اس میں کہ وہ ستھرا نہ ہو۔

فرما کر اس سے اعراض کی طرف اشارہ فرمایا۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۶۱)

یعنی اگر وہ اسلام کے ذریعے پاکیزگی اختیار نہیں کرتا تو آپ پر کوئی حرج نہیں مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے اسلام لانے کے سلسلے میں آپ کی حرص اس حد تک نہ پہنچے کہ آپ ان کو اسلام کی دعوت دینے میں اس قدر مصروف ہو جائیں کہ مسلمانوں سے منہ پھیر لیں آپ پر تو صرف پہنچا دینا ہے۔

اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تادیب اور جھڑک کے مستحق تھے کیونکہ ان کی بینائی اگرچہ نہیں تھی لیکن وہ نبی اکرم ﷺ کا کفار سے خطاب سن رہے تھے اور اس سماعت کے باعث انہیں معلوم تھا کہ نبی اکرم ﷺ ان لوگوں (کفار) کے معاملے کا کس قدر اہتمام فرماتے ہیں؟ پس ان کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کو کلام توڑنا پڑا جس سے آپ کو سخت اذیت پہنچی اور یہ بہت بڑا گناہ تھا اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ عظیم غلطی ہوئی۔ [1]

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کا عذر قبول کیا کیونکہ وہ نبی اکرم ﷺ سے نفع بخش سننے کی زیادہ حرص رکھتے تھے اور اس وجہ سے ان کی توجہ اس بات کی طرف نہ ہوئی کہ نبی اکرم ﷺ کفار کی تالیف قلوب میں مشغول ہیں۔ (زرقانی ج ۶ ص ۲۷۱)

اور جو کچھ نبی اکرم ﷺ نے کہا وہی واجب اور متعین تھا اور نبی اکرم ﷺ کو صحابہ کرام کی تادیب کی اجازت تھی لیکن حضرت ابن ام مکتوم نابینا ہونے کی وجہ سے مزید ترقی کے مستحق تھے۔

عَفَا اللّٰہُ عَنکَ

ارشادِ خداوندی ہے:

عَفَا اللّٰہُ عَنکَ لِمَ اَذِنتَ لَھُم. (التوبہ:۴۳) اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے تم نے ان کو کیوں اجازت دی؟

حضرت ابن حاتم نے حضرت مسعر سے اور انہوں نے حضرت عون سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کیا تم نے اس سے زیادہ اچھا عتاب سنا' عتاب سے پہلے معافی کا ذکر فرمایا' حضرت مورق عجلی رحمہ اللہ (تابعی) نے بھی یہی بات فرمائی ہے۔

(شذرات الذہب ج اص ۱۴۲)

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا جیسا کہ تم نے سنا پھر سورۂ نور میں اجازت دینے کی رخصت دیتے ہوئے فرمایا:

فَاِذَا اسْتَأْذَنُوکَ لِبَعْضِ شَأْنِھِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْھُمْ. (النور:۶۲) پس جب وہ تم سے اجازت مانگیں اپنے کسی کام کے لئے تو ان میں جسے تم چاہو اجازت دے دو۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ معاملہ آپ کی رائے پر چھوڑ دیا۔

حضرت عمرو بن میمون رحمہ اللہ فرماتے ہیں دو کام ایسے ہیں جو نبی اکرم ﷺ نے کئے لیکن ان میں آپ کو کوئی حکم نہیں دیا گیا آپ کا منافقین کو (غزوۂ تبوک سے پیچھے رہنے کی) اجازت دینا اور (غزوۂ بدر میں) قیدیوں سے فدیہ لینا' پس اللہ تعالیٰ نے آپ پر عتاب فرمایا جس طرح تم سنتے ہو اور بعض لوگوں کا قول جو کہتے ہیں کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے گناہ سرزد ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عَفَا اللّٰہُ عَنکَ لِمَ اَذِنتَ لَھُم. (التوبہ:۴۳) اللہ تمہیں معاف کرے تم نے ان کو اجازت کیوں دی؟

اور معافی کا تقاضا ہے کہ پہلے گناہ پایا جاتا ہو۔ (شذرات الذہب ج اص ۲۱۶)

اور دوسرے لوگوں کا قول کہ ''لم اذنت لھم'' میں استفہام انکاری ہے (یعنی آپ اجازت نہ دیں) تو جان لو کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ ''عفا اللہ عنک'' سے گناہ کا وجوب لازم آتا ہے یہ بات کیوں نہ کہی جائے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی توقیر و تعظیم خوب فرمائی جس طرح ایک شخص کسی دوسرے کے نزدیک عظیم ہو تو وہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے جو کچھ تم نے میرے معاملے میں کیا اور اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو میرے کلام کا تمہارے پاس کیا جواب ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے کیا تم میرا حق نہیں پہچانتے تو اس کلام سے مقصود صرف اور صرف تعظیم میں اضافہ ہوتا ہے اور ''عفا'' یہاں ''غفو'' کے معنیٰ میں نہیں ہے بلکہ اس طرح ہے جس طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

عفا اللہ لکم عن صدقة الخیل و الرقیق. اللہ تعالیٰ نے تم سے گھوڑوں اور غلاموں کا صدقہ معاف کردیا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۶۲۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۹۰_۱۸۱۳' سنن دارمی رقم الحدیث: ۷' مسند احمد ج ۱ ص ۱۲۱_۱۳۲_۱۴۵_۱۴۶_۱۴۸' الشفاء ج ۲ ص ۳۶)

حالانکہ وہ تو ان پر واجب نہیں تھا معنیٰ یہ کہ اس نے تم پر لازم ہی نہیں کیا۔

امام قشیری رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں یہ بات کہ ''عفو'' کا لفظ گناہ کے بعد کے لئے ہوتا ہے وہی شخص کہتا ہے جو کلام عرب کی پہچان نہیں رکھتا وہ فرماتے ہیں ''عفا اللہ عنک'' کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ پر گناہ لازم نہیں ہے اور دوسری بات کہ یہ استفہام انکاری ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے گناہ سرزد ہوا یا نہیں؟ تو ہم کہتے ہیں نہیں اس بنیاد پر ''لم اذنت'' استفہام انکاری نہیں ہو سکتا اور اگر ہم کہیں کہ گناہ ہوا (حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ و معصوم فرمایا) تو ارشاد خداوندی ''عفا اللہ عنک'' معافی کے حصول پر دلالت کرتا ہے اور معافی کے بعد انکار کا اس کی طرف متوجہ ہونا محال ہے پس ثابت ہوا کہ ان تمام مفروضہ باتوں کو جمع کرنے کی صورت میں یہ کہنا ممتنع ہے کہ لفظ ''لم اذنت لھم'' سے رسول اکرم ﷺ کا گناہ گار ہونا ثابت ہوا۔

یہ جواب کافی' شافی' اور قطعی ہے اس وقت'' لم اذنت لھم'' کو اولیٰ اور اکمل کے ترک پر محمول کیا جائے گا۔

بلکہ اہل علم نے اسے عتاب پر محمول نہیں کیا اور جن لوگوں کا یہ نظریہ ہے ان کی بات کو غلط قرار دیا۔

(ابراہیم بن محمد ازدی نحوی) نفطویہ فرماتے ہیں بعض لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نبی اکرم ﷺ پر عتاب فرمایا (اللہ تعالیٰ ایسے عقیدے سے محفوظ رکھے) بلکہ آپ کو اختیار تھا پس جب آپ کو اجازت دی تو خبر دیتے ہوئے فرمایا اگر آپ ان کو اجازت نہ بھی دیں تو وہ اپنی منافقت کی وجہ سے خود بیٹھ جائیں گے اور اجازت دینے میں کوئی حرج نہیں۔ (الاعلام ج ۱ ص ۶۱' فیات الاعیان ج ۱ ص ۱۱' انباہ الرواہ ج ۱ ص ۱۷۶' شذرات الذہب ج ۲ ص ۲۹۸)

تُرِيدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا

بدر کے قیدیوں کے بارے میں فرمایا:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (الانفال: ۶۷_۶۸)

کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون نہ بہائے تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے اگر اللہ پہلے ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا تو اے مسلمانو! تم نے جو کافروں سے بدلے کا مال لیا اس میں تم پر بڑا عذاب آتا۔

حضرت امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ جب بدر کے دن مشرکین بھاگ گئے اور ان میں سے ستر قتل ہوئے جب کہ ستر قیدی بنائے گئے تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر' حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! (ﷺ)

یہ لوگ ہمارے چچازاد اور قبیلے کے لوگ ہیں اور بھائی ہیں میرے خیال میں آپ ان سے فدیہ لے لیں پس جو کچھ ہم ان سے لیں گے وہ کفار کے خلاف ہماری قوت ہوگی اور ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے اور ہمارے بازو بنیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے عمر! آپ کی کیا رائے ہے وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا میری رائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق نہیں ہے بلکہ میری رائے یہ ہے کہ آپ میرے فلاں رشتہ دار کو میرے حوالے کر دیں پس میں اس کی گردن ماردوں۔ آل عقیل کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قابو میں دیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے فلاں بھائی کو قابو کریں اور اس کی گردن ماردیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کی طرف کوئی میلان نہیں ہے۔ پس نبی اکرم ﷺ کا جھکاؤ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بات کی طرف ہوا اور میری رائے کی طرف نہ ہوا اور آپ نے ان سے فدیہ لے لیا۔

جب دوسرا دن ہوا تو میں بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا آپ تشریف فرما تھے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے اور آپ دونوں رو رہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ بتایئے آپ اور آپ کے ساتھی کیوں رو رہے ہیں اگر مجھے رونا آیا تو میں بھی روؤں گا اور اگر نہ آیا تو بتکلف روؤں گا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں اس بات پر رو رہا ہوں جو تیرے ساتھیوں نے مجھے فدیہ لینے کا مشورہ دیا بے شک اس درخت کے قریب مجھے تمہارا عذاب دکھایا گیا (قریب درخت کی طرف اشارہ فرمایا)۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''**ما کان لنبی ان یکون له اسری**''.

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۸، تفسیر طبری ج ۱۰ ص ۳۱، نصب الرایہ ج ۳ ص ۴۰۲، مشکل الآثار ج ۴ ص ۲۹۲، دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۱۳۷)

اور ارشاد خداوندی ''**حتی یثخن فی الارض**'' کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کو خوب قتل کیا جاتا یہاں تک کہ کفر ذلیل ہوتا اور اس کی جماعت کم ہو جاتی اور اسلام کو عزت حاصل ہوتی اور وہ ان لوگوں پر چھا جاتا۔

اس میں نبی اکرم ﷺ پر گناہ کا الزام نہیں بلکہ اس میں اس خصوصیت اور فضیلت کا بیان ہے جو نبی اکرم ﷺ کو دیگر انبیاء کرام کے مقابلے میں عطا فرمائی گئی پس گویا یوں فرمایا۔ یہ بات آپ کے علاوہ کسی نبی کے لئے نہیں ہے۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

احلت لی الغنائم ولم تحل لنبی قبلی. میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئیں اور مجھ سے پہلے کسی نبی کے لئے حلال نہ تھیں۔

اور ارشاد خداوندی:

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا. (الانفال: ۶۷) تم دنیا کا سامان چاہتے ہو۔

کہا گیا ہے اس میں ان لوگوں کو خطاب ہے جنہوں نے اس کا ارادہ کیا اور ان کی غرض محض دنیا اور اس کی کثرت کا حصول تھا اس سے نبی اکرم ﷺ اور جلیل القدر صحابہ کرام مراد نہیں ہیں۔

بلکہ حضرت ضحاک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب بدر کے دن مشرکین بھاگ اٹھے اور لوگ مال لوٹنے اور غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے اور لڑائی کی طرف توجہ نہ رہی حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈر محسوس کیا کہ کہیں دشمن ان پر چڑھ نہ دوڑیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَوْ لَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ. (الانفال:۶۸) اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے لکھا ہوا نہ ہوتا۔

اس آیت کے معنیٰ میں مفسرین کا اختلاف ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے اگر میری طرف سے یہ بات گزر نہ چکی ہوتی کہ میں کسی کو نہی (روکنے) سے پہلے عذاب نہیں دیتا تو میں تمہیں عذاب دیتا پس اس سے اس بات کی نفی ہو جاتی ہے کہ قیدیوں کا معاملہ گناہ تھا۔

یہ بھی کہا گیا کہ اگر قرآن مجید پر تمہارا ایمان نہ ہوتا اور یہ کتاب سابق ہے پس تمہیں غنیمت پر سزا دی جاتی لیکن اب تم درگزر کے لائق ہو گئے ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ اگر لوح محفوظ میں لکھا ہوا نہ ہوتا کہ یہ تمہارے لئے حلال ہے تو تمہیں سزا دی جاتی۔

یہ تمام تفاسیر گناہ اور نافرمانی کی نفی کرتی ہیں کیونکہ جو شخص حلال کام کرتا ہے وہ گناہ گار نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا. (الانفال:۶۹) پس مال غنیمت سے حلال اور پاکیزہ سمجھتے ہوئے کھاؤ۔

اور کہا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کو اختیار دیا گیا تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام بدر کے دن نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا اپنے صحابہ کرام کو قیدیوں کے معاملے میں اختیار دیجئے اگر چاہیں تو قتل کریں اور اگر چاہیں تو فدیہ لیں کہ آئندہ سال ان میں سے ان کی مثل قتل کئے جائیں گے تو انہوں نے عرض کیا ہم فدیہ لینا چاہتے ہیں اور ہم سے قتل کئے جائیں (تاکہ شہادت کا درجہ حاصل ہو)۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۵۶۷)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے وہی کام کیا جس کی ان کو اجازت ملی تھی لیکن بعض نے دونوں باتوں میں زیادہ کمزور کو لیا اور جو زیادہ بہتر تھی یعنی خون بہانا اور قتل کرنا اسے چھوڑ دیا اس پر جھڑک ہوئی اور ان کے لئے بیان کیا گیا کہ انہوں نے کمزور بات کو اختیار کیا اور دوسروں نے درست بات کو اختیار کیا لیکن کوئی بھی نافرمان یا گناہ گار نہیں ہے۔

قاضی بکر بن علاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے نبی ﷺ کو خبر دی کہ آپ کی تاویل اس کے موافق ہے جو آپ کے لئے لکھا گیا یعنی غنیمت کو حلال کرنا اور فدیہ دینا اور اس سے پہلے یہ ہوا کہ عبد اللہ بن جحش کا سریہ جس میں ابن حضرمی قتل ہوا حکم بن کیسان اور اس کے ساتھی کے بدلے میں فدیہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے ان پر عتاب نہیں فرمایا اور یہ واقعہ بدر سے ایک سال سے زائد عرصہ پہلے ہوا۔ [1]

یہ تمام باتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قیدیوں کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا عمل تاویل اور بصیرت پر مبنی

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں یہ سہو ہے کیونکہ سریہ عبد اللہ بن جحش رجب کے مہینے میں ہوا بعض نے کہا کہ جمادی الاخریٰ میں ہوا اور بدر کا واقعہ رمضان شریف میں ہوا اور یہ دونوں (سریہ اور غزوہ) ۲ھ میں ہوئے لہٰذا دونوں کے درمیان تین مہینے سے کم عرصہ تھا۔

(زرقانی ج ۶ ص ۲۷۶)

تھا جیسا کہ اس کی مثل پہلے گزر گیا پس اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی اعتراض نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے بدر کے معاملہ کی عظمت اور اس کے اسرار کی کثرت کے باعث اپنی نعمت کے اظہار اور اپنے احسان کی تاکید کا ارادہ فرمایا کہ جو کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہے ان کو اس کی معرفت ہو جائے کہ یہ ان کے لئے حلال ہے تو یہ ذکر ان پر عتاب یا اعتراض یا ان کو گناہ گار قرار دینا نہ تھا۔ یہ بات قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔ (الشفاء ج۲ ص۱۵۹)

لَقَدْ کدت ترکن اِلَیہِمْ

ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَوْ لَا اَنْ ثَبَّتْنَاکَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْهِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا O اِذًا لَّاَ ذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ O (الاسراء: ۷۴-۷۵)

اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف کچھ تھوڑا سا جھکتے اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دونی عمر اور دوچند موت کا مزہ دیتے۔

پس معنیٰ یہ ہے کہ اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی مراد کی اتباع کی جانب مائل ہو جاتے لیکن ہماری حفاظت نے آپ کو پالیا پس آپ کو میلان کے قرب سے بھی روک دیا میلان تو الگ بات ہے۔

یہ اس سلسلے میں صریح ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کی بات قبول کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا باوجود یکہ اس اجابت کے داعی مضبوط تھے پس اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آپ معصوم و محفوظ رہے اور اگر آپ قریب جاتے تو ہم آپ کو دوگنا زندگی اور دوگنا موت چکھاتے یا اگر آپ کے علاوہ کوئی یہ کام کرتا تو اسے دو جہانوں میں جو عذاب دیا جاتا ہے اس سے دوگنا آپ کے لئے ہوتا کیونکہ بڑوں کی خطا بھی بڑی ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں ایسی بات ڈالی کہ اپنے دشمنوں کی طرف مائل ہونے سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے بچالیا حریری کی طرف منسوب یہ اشعار اس بات کی تائید کرتے ہیں (کہ ''کاذ'' یہاں ''قرب'' کے معنیٰ میں ہے):

انحوی ھذا العصر ماھی لفظة — جرت فی لسانی جرھم و ثمود

اذا استعملت فی صورة الجحد اثبتت — وان اثبتت قامت مقام جحود

''کیا اس زمانے کا کوئی نحوی بتا سکتا ہے کہ وہ کیا کلمہ ہے جو قبیلہ جرہم اور ثمود کی زبان پر جاری ہوا جب یہ بطور جحد استعمال ہو تو مثبت ہو جاتا اور جب مثبت استعمال ہو تو انکار کا فائدہ دیتا ہے''۔

اور پہلے یعنی مثبت کی نفی کی ''ذبحوھا وما کادو یفعلون'' کے ساتھ اور دوسرے یعنی منفی کے ثبوت کو ''لقد کدت ترکن'' سے واضح کیا۔[1]

وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا دل ثابت رہا اور آپ اس طرف مائل نہیں ہوئے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا

ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ O لَاَ خَذْنَا — اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے ضرور ہم ان

---

[1] ذبحوھا مثبت ہے اور ''وما کادو یفعلون'' میں نفی ہے۔

مِنۡهُ بِالۡيَمِيۡنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِيۡنَ ۝ سے بقوت بدلہ لیتے پھر ان کی رگِ دل کاٹ دیتے۔

(الحاقۃ: ۴۴۔۴۶)

معنیٰ یہ ہے کہ اگر وہ ہم پر اپنی طرف سے کوئی بات بنائیں تو ہم ان کو دائیں ہاتھ سے پکڑیں اور ان کے دل کی رگ کاٹ دیں اور ان کو ہلاک کر دیں اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے آپ کو اللہ تعالیٰ پر کوئی بات اپنی طرف سے گھڑنے سے بچایا۔

سوال: اس میں کوئی شک نہیں کہ محب اور عمدہ سلوک اور احسان عظیم کرنے والوں کو جس طرح معاف کیا جاتا ہے دوسروں کو اس طرح معاف نہیں کیا جاتا اور ایسے لوگوں سے جس طرح چشم پوشی کی جاتی ہے دوسرے کسی سے نہیں کی جاتی جس طرح شاعر نے کہا ہے:

واذا الحبیب اتی بذنب واحد جاءت محاسنہ بالف شفیع

''جب محبوب ایک گناہ کرتا ہے تو اس کے محاسن ہزار سفارشی لے آتے ہیں''۔

اور اس میں شک نہیں کہ ہمارے نبی ﷺ محبوب اعظم ہیں اور حسن واحسان عظیم والے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ اگر آپ سے کوئی ناپسندیدہ عمل سرزد ہو تو دوگنا سزا اور سخت جھڑک کیوں ہے اور کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی طرف مائل ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں لیکن ان (کے اس عمل) کی پرواہ نہیں کی جاتی جس طرح بدعتی وغیرہ؟

جواب: ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں کیونکہ جس پر نعمت کامل ہو اور اسے ایسی خصوصیات عطا کی گئی ہوں جو دوسروں کو نہ دی گئی ہوں اور اس پر ایسے انعامات ہوں جو دوسروں پر نہ ہوں اور اسے مزید انعام اور زیادہ قرب واکرام سے نوازا جائے تو اس کی حالت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے مرتبۂ قرب وولایت اور اختصاص کی حفاظت کی جائے اور ادنیٰ قسم کی تشویشناک بات سے بھی اس کے مرتبہ کو محفوظ رکھا جائے پس اس کا زیادہ اہتمام اور زیادہ سے زیادہ قرب اور اپنے لئے اسے خاص کرنا اور دوسروں پر اسے چن لینا اس کے سردار اور ولی کے حقوق اور انعامات اس پر زیادہ کامل ہوتے ہیں پس اس سے جو کچھ مطلوب ہوتا ہے اس کے غیر سے نہیں ہوتا اس لئے جب وہ غافل ہو یا اس کے مرتبہ کے تقاضے میں کوئی خلل واقع ہو تو اسے زیادہ تنبیہ کی جاتی ہے اور اس بات سے چشم پوشی نہیں ہوتی اگرچہ اس سے چشم پوشی کی جائے تو اس کے حق میں دو باتیں جمع ہوتی ہیں۔

اور جب تم ان دو باتوں کے اجتماع اور ان کے درمیان تناقض نہ ہونے کی معرفت حاصل کرنا چاہو تو عام عرف اس پر گواہ ہے کہ بادشاہ اپنے خاص لوگوں اور دوستوں سے ان باتوں کی چشم پوشی بھی کرتا ہے جو دوسروں سے نہیں کرتا لیکن ان کا مؤاخذہ بھی دوسروں کے مؤاخذے سے زیادہ سخت ہوتا ہے اور جب تمہارے دو غلام یا دو بیٹے ہوں اور ان میں سے ایک تمہیں زیادہ محبوب ہو یا تمہارے دل کے زیادہ قریب ہو اور تمہارے نزدیک زیادہ معزز ہو تو تم اس سے یہ دونوں معاملے کرتے ہو یعنی جس قدر وہ تمہارے قریب اور زیادہ محبوب ہوتا ہے اسی حساب سے ان دونوں معاملوں میں فرق پڑتا ہے۔

جب تم اس پر اپنے احسان کے کامل ہونے کو دیکھتے ہو تو اس کے معاملہ کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے ساتھ وہ معاملہ کرو

جو دوسروں کے ساتھ نہیں کرتے کہ اسے تنبیہ کرتے ہو اور مہلت نہیں دیتے اور جب تم دیکھتے ہو کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے تمہاری بات مانتا اور خدمت کرتا ہے اور کامل غلامی اور خیر خواہی کا ثبوت دیتا ہے تو تم اس سے اس طرح چشم پوشی کرتے اور معاف کرتے ہو کہ دوسروں سے ایسا سلوک نہیں کرتے پس یہ دونوں معاملے اس رشتے اور تعلق کے حساب سے ہوتے ہیں جو تمہارے اور اس کے درمیان ہے۔

یہ معنیٰ شریعت میں بھی ظاہر ہے کہ جس کو نکاح کی نعمت سے نوازا گیا (یعنی شادی شدہ ہے) جب وہ زنا کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کی سزا رجم ہے اور جس کو یہ نعمت نہیں ملی اسے کوڑے لگائے جاتے ہیں۔

اسی طرح آزاد آدمی جو اپنے نفس کا مالک ہے اور اس پر نعمت مکمل ہے اسے غیر کا غلام نہیں بنایا گیا اس کی سزا دوگنا ہے اور غلام جس کی غلامی کی وجہ سے آزادی ناقص ہوگئی اور اسے یہ نعمت نہ ملی اس کی سزا نصف ہے تو وہ ذات پاک ہے جس کی حکمت مخلوق میں غالب ہے:

فلله سر تحت كل لطيفة فاخو البصائر غائص يتعقل

''پس اللہ تعالیٰ کے لئے ہر مہربانی کے تحت حکمت ہے پس اہل بصیرت غور وفکر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں''۔

مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتَابُ وَ لَا الْاِیْمَانُ

ارشاد خداوندی ہے:

مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتَابُ وَلَا الْاِیْمَانُ. اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام۔

(الشوریٰ:۵۲)

کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو تفصیل قرآن مجید میں مذکور ہے اس کے مطابق آپ کو ایمان کا علم نہ تھا۔

حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں یہ ایمان کی دعوت کے معنیٰ میں ہے کیونکہ وحی سے پہلے نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دینے پر قادر نہ تھے ایک قول یہ ہے کہ جب آپ پنگھوڑے میں تھے اور بلوغت سے پہلے ایمان کی معرفت نہیں رکھتے تھے یہ بات ماوردی' واحدی اور قشیری نے نقل کی ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی ''ما کنت تدری اهل الایمان '' آپ اہل ایمان کو نہیں جانتے تھے یعنی کون ایمان لائے گا ابو طالب یا عباس یا ان کے علاوہ کوئی؟

ایک قول کے مطابق اس سے ایمان کے احکام اور علامات مراد ہیں اور یہ سب ایمان ہیں اللہ تعالیٰ نے نماز کو ایمان کا نام دیا۔ فرمایا:

وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَکُمْ. (البقرہ:۱۴۳) اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرتا۔

یعنی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے تم نے جو نمازیں پڑھی ہیں پس لفظ عام ہے اور مراد خاص ہے۔ یہ بات ابن قتیبہ اور ابن خزیمہ نے کہی ہے۔

اور حدیث شریف میں یہ بات مشہور ہے کہ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے تھے' بتوں سے نفرت کرتے اور حج

وعمرہ کرتے تھے۔

ابونعیم اور ابن عساکر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کیا آپ نے کبھی بتوں کی پوجا کی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں پوچھا گیا کیا شراب پی ہے؟ فرمایا نہیں اور مجھے ہمیشہ یہ بات معلوم ہے کہ یہ لوگ کفر پر ہیں لیکن مجھے کتاب اور ایمان کا علم نہ تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: قریش اور جو لوگ ان کے دین پر تھے اور وہ حمس (کہلاتے) تھے وہ مزدلفہ میں ٹھہرتے اور کہتے ہم اہل حرم ہیں (عرفات نہ جاتے)۔

جب کہ رسول اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے عرفات میں وقوف فرماتے تھے اس حدیث کو امام بیہقی اور ابونعیم نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے۔

یہ بھی آیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین سے جو کچھ باقی تھا' اہل عرب اس پر تھے مثلاً بیت اللہ شریف کا حج کرنا' ختنہ کرنا اور جنابت سے غسل وغیرہ' اور نبی اکرم ﷺ بتوں کے قریب نہ جاتے بلکہ ان کا عیب بیان فرماتے تھے لیکن احکام شریعت جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمائے ہیں آپ ان کی پہچان نہیں رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ. (الشوریٰ:۵۲)

آپ کو معلوم نہ تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا؟

اس سے وہ ایمان مراد نہیں جو زبانی اقرار ہے کیونکہ آپ کے آباؤ اجداد جو شرک کے دور میں فوت ہوئے وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے اور حج بھی کرتے تھے حالانکہ وہ شرک بھی کرتے تھے۔ [1]

---

[1] امام رازی وغیرہ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے آباؤ اجداد میں کوئی مشرک نہ تھا کتاب (پہلی جلد) کے شروع میں تفصیل گزر چکی ہے (زرقانی ج۶ ص۲۸۰) شاید مصنف ایمان قبول نہ کرنے کو شرک کہہ رہے ہیں اور ظاہر بات ہے جب تک کسی رسول کی بعثت نہ ہو ایمان لانا کیسے ہوگا؟ ۱۲ ہزاروی

ساتواں مقصد

نبی اکرم ﷺ کی محبت' آپ کی سنت کی اتباع' آپ کی سیرت اور طریقے پر چلنا' آپ کے آل واصحاب سے محبت کرنے کی فرضیت نیز آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے حکم کا بیان

اللہ تعالیٰ آپ کے فضل وشرف کو زیادہ فرمائے۔
اس مقصد میں تین فصول ہیں۔

فصل نمبر ۱

نبی اکرم ﷺ کی محبت' آپ کی سنت کی اتباع اور سیرت طیبہ کی اقتدا کا وجوب

محبت کی تعریف

جان لو کہ ''المدارج (مدارج السالکین [1]) کے'' مصنف کے مطابق محبت ایک مرتبہ ہے جس کی طرف سبقت کرنے والے سبقت کرتے ہیں' عمل کرنے والے اس کی طرف نگاہ اٹھاتے ہیں اور سبقت کرنے والے اس کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں' محبت کرنے والے اس کے صحن میں اترنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں' عبادت گزار اس کی نسیم صبح سے راحت پاتے ہیں پس یہ دلوں کی قوت' ارواح کا رزق اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے یہی وہ زندگی ہے کہ اس سے محروم آدمی مردوں میں شمار ہوتا ہے اور یہ ایسا نور ہے کہ جس نے اس کو گم پایا وہ اندھیروں کے سمندر میں ہے' یہ ایسی شفاء ہے کہ جو اس سے خالی ہو اس کے دل میں تمام بیماریاں اترتی ہیں یہ وہ لذت ہے کہ جو اس کے ساتھ کامیابی حاصل نہ کرے اس کی زندگی غموں اور تکالیف کا شکار ہو جاتی ہے یہ (محبت) ایمان' اعمال اور مقامات کی روح ہے کہ اگر یہ نہ پائی جائے تو یہ تمام چیزیں ایسے جسم کی طرح ہیں جس میں روح نہ ہو محبت کسی شہر کی طرف جانے

[1] مدارج السالکین کے نام سے ابن قیم نے ''منازل السائرین'' کی شرح لکھی ہے اور ''منازل السائرین'' شیخ الاسلام عبداللہ بن محمد بن علی انصاری رحمہ اللہ کی کتاب ہے وہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں ساٹھ سال تک لوگوں کو وعظ کرتے رہے۔ ۴۸۱ھ میں ان کا وصال ہوا اس وقت ان کی عمر چھیاسی سال تھی۔ (زرقانی ج ۶ ص ۲۸۰)

والوں کے بوجھ کو اٹھاتی ہے کہ وہ سخت جسمانی مشقت کے بغیر وہاں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے اور یہ ان کو ایسی منازل تک پہنچاتی ہے کہ اس کے بغیر وہ کبھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتے یہ محبت ان کو سچائی کی مجالس سے ایسے مقامات کی طرف سکون عطا کرتی ہے کہ اس کے بغیر وہ ان مقامات میں داخل نہیں ہو سکتے۔

محبت اس قوم کی سواری ہے جو ہمیشہ محبوب کی طرف سفر جاری رکھتے ہیں اور یہ ان کا نہایت مضبوط راستہ ہے جو ان کو ان کی اصل منازل کی طرف کسی تکلیف کے بغیر لے جاتا ہے۔ اللہ کی قسم اہل محبت دنیا اور آخرت کا شرف حاصل کر گئے کیوں کہ ان کو اپنے محبوب کی معیت میں بہت وافر حصہ ملتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لئے تقدیر مقرر کی تو اپنی مشیت اور حکمتِ بالغہ سے یہ بات مقدر فرما دی کہ انسان اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا پس یہ ایسی نعمت ہے جو محبت کرنے والوں پر کشادہ ہے سعادت اس قوم سے سبقت کر گئی جو اپنے بستروں پر سوئے ہوئے ہیں اور جو لوگ اپنے سفر میں کھڑے ہیں ان سے یہ کئی مراحل آگے چلی گئی۔

من لی بمثل سیرک المذلل تمشی رویدا و تجئ فی الاول

''کون ہے جو تیری آسان سیر کی طرح میرے لئے کفیل بنے کہ تو آہستہ چلتا ہے لیکن پہلے پہنچتا ہے''۔

انہوں نے مؤذنِ شوق کی آواز پر لبیک کہا جب اس نے حی علی الفلاح (آؤ بھلائی کی طرف) کی آواز بلند کی اور اپنے محبوب تک پہنچنے کے لئے اپنے نفسوں کو استعمال کیا اور ان کا یہ استعمال خوشی خوشی تھا اور وہ رات کے اندھیرے میں، صبح اور شام چلتے رہے اور جب وہ منزل پر پہنچے تو ان کی تعریف کی گئی اور منزل کی طرف جانے والی قوم کی تعریف صبح کے وقت کی جاتی ہے (کیونکہ وہ اس وقت وہاں پہنچتے ہیں)۔

محبت کیا ہے؟

محبت کی تعریف میں اختلاف ہے اور علماء کرام کی عبارات اس سلسلے میں اگرچہ زیادہ ہیں لیکن یہ کلام کا اختلاف نہیں احوال کا اختلاف ہے اور اکثر اقوال اس کے نتیجہ کی طرف لوٹتے ہیں حقیقت کی طرف نہیں۔

بعض محققین نے فرمایا کہ اہل معرفت کے نزدیک محبت کی حقیقت ایسی معلومات ہیں جن کی تعریف نہیں ہو سکتی اور ان کی پہچان صرف اس شخص کو ہوتی ہے جو اس کی لذت کو پاتا ہے اور اس کو بیان کرنا ممکن نہیں۔

جس طرح ''مدارج السالکین'' کے مصنف اور دوسرے لوگوں نے کہا کہ محبت کی کوئی واضح تعریف نہیں ہو سکتی اس کی تمام تعریفیں اس کی پوشیدگی کو زیادہ کرتی ہیں پس اس کا پایا جانا ہی اس کی تعریف ہے اور محبت (کے پائے جانے) سے زیادہ ظاہر وصف کے ساتھ یہ موصوف نہیں ہو سکتی۔

لوگ اس کے اسباب، علامات، موجبات، علامات، شواہد، ثمرات اور احکام میں گفتگو کرتے ہیں پس ان کی تعریفیں ان چھ باتوں کے گرد چکر لگاتی ہیں اور ان کی وجہ سے ان کی مختلف عبارات ہیں اور ادراک، مقام اور حال کے اعتبار سے اشارات زیادہ ہیں۔

ان حضرات نے محبت کے لئے دو حرف وضع کئے ہیں جو مسمیٰ کے ساتھ انتہائی مناسبت رکھتے ہیں ایک ''حاء'' ہے جو حلق کی ابتداء سے نکلتا ہے اور دوسرا حرف ''باء'' ہے جو ہونٹوں سے نکلتا ہے اور یہ انتہا ہے پس حاء کے لئے ابتداء اور باء کے

لئے انتہاء ہے اور محبت نیز محبوب کے ساتھ اس کے تعلق کی شان یہی ہے کیونکہ اس کی ابتداء بھی محبوب سے ہوتی ہے اور انتہاء بھی اسی پر ہوتی ہے۔

اور ''الحب'' کو ضمہ کی حرکت دیتے ہے یعنی حاء پر ضمہ پڑھتے ہیں اور یہ تمام حرکات میں سے سب سے زیادہ سخت اور مضبوط حرکت ہے اور یہ اپنے مسمّی کی حرکت اور قوت کے مطابق ہے۔

اور محبوب کے لئے ''الحب'' کا لفظ حاء پر کسرہ کے ساتھ بولا جاتا ہے اور ''حب'' محبوب کو کہتے ہیں اس پر کسرہ اس لئے ہے کہ یہ حرکت ضمہ کے مقابلے میں آسان ہے اور محبوب اور اس کا ذکر دلوں اور زبانوں پر آسان ہوتا ہے۔

تو ان لطائف اور مناسبت عجیبہ میں غور کرو جو الفاظ اور معانی کے درمیان ہے اس سے تمہیں اس لغت کا علم ہو جائے گا اور اس لغت کی ایک شان ہے جو دوسری لغات کے لئے نہیں ہے۔

بعض تعریفات

یہ بعض تعریفات ہیں جو محبت کے سلسلے میں اس کے آثار و شواہد کے اعتبار سے قبول کی گئیں اور یہاں کچھ باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔

۱۔ حاضری کی حالت ہو یا غیب کی دونوں صورتوں میں محبوب کی موافقت ضروری ہے اور یہ محبت کا موجب اور تقاضا ہے۔

۲۔ محبّ کا اپنی صفات کو مٹا دینا اور ذات کو باقی رکھنا' اور یہ محبت میں فنا ہونے کے مقام سے ہے یعنی محبّ کی صفات مٹ کر وہ محبوب کی صفات اور ذات میں فنا ہو جائیں یہ بات اس سے زیادہ کامل بیان کا تقاضا کرتی ہے لیکن اس کا ادراک اسے ہی ہو سکتا ہے جسے محبت اس کی ذات سے فنا کر دے اور وہ محبت میں گم ہو جائے۔

۳۔ اپنے زیادہ کو کم اور محبوب کی طرف سے کم کو زیادہ سمجھنا اور یہ ابو یزید کا قول ہے اور یہ بات بھی محبت کے احکام اور اس کے موجبات اور شواہد سے ہے اگر محبِ صادق اپنے محبوب کے لئے وہ سب کچھ خرچ کر دے جس پر وہ قادر ہے تو اسے کم سمجھے اور اس سے حیا کرے۔

اور اگر اپنے محبوب کی طرف سے تھوڑی سی محبت بھی پائے تو اس کو زیادہ سمجھے اور اس کی تعظیم کرے۔

۴۔ اپنی معمولی غلطی کو بڑی غلطی اور فرمانبرداری کو کم سمجھے یہ پہلی صورت کے قریب ہے لیکن یہ محبّ کے ساتھ مخصوص ہے۔

۵۔ فرمانبرداری کو اپنایا جائے اور مخالفت کو دور کیا جائے یہ حضرت سہل بن عبد اللہ رحمہ اللہ کا قول ہے اور یہ بھی محبت کے حکم اور موجب سے ہے۔

۶۔ اپنا سب کچھ محبوب کو دے دو پس تمہارے پاس تمہاری کوئی چیز باقی نہ رہے یہ ہمارے سردار ابو عبد اللہ قرشی (محمد بن احمد بن ابراہیم متوفی ۵۹۹ھ) کا قول ہے۔ اور یہ بھی محبت کے موجبات اور اس کے احکام میں سے ہے اور مراد یہ ہے کہ اپنا ارادہ' عزم' افعال' نفس' مال اور وقت اپنے محبوب کو ہبہ کر دو اور یہ سب کچھ اس کی مرضی اور محبت کے لئے مخصوص کر دو اپنی ذات کے لئے صرف وہی کچھ لو جو وہ تمہیں دے وہ بھی محبوب کے لئے ہی لو۔

(الاعلام ج ۵ ص ۳۱۹' شذرات الذہب ج ۴ ص ۳۴۲)

۷۔ دل سے محبوب کے علاوہ سب کچھ مٹا دو یہ کمال محبت کا تقاضا ہے کیونکہ جب تک دل میں محبوب کے غیر کے لئے جگہ

ہوگی تو محبت میں دخل اندازی رہے گی۔

۸۔ محبوب کے بارے میں یہ غیرت ہو کہ تمہارے جیسا آدمی اس سے محبت کرتا ہے یہ حضرت شبلی (دلف بن جحدر اور ایک قول کے مطابق جعفر بن یونس رحمہ اللہ) کا قول ہے ان کی مراد یہ ہے کہ تم اپنے نفس کو اس بات سے حقیر اور چھوٹا سمجھو کہ تمہارے جیسا شخص اس محبوب کے محبین میں سے ہو۔

(الاعلام ج ۲ ص ۳۴۱، فیات الاعیان ج ۱ ص ۱۸۰، نجوم الزاہرۃ ج ۳ ص ۲۸۹، صفۃ الصفوہ ج ۲ ص ۲۵۸، حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۳۶۶، المنتظم ج ۱۴ ص ۵۰، تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۸۹، البدایۃ والنہایہ ج ۱۱ ص ۲۱۵)

۹۔ محبوب کے غیر سے غیرت کی وجہ سے اور محبوب کی ہیبت کی وجہ سے نگاہ جھکی رہے یہ بات بھی وضاحت کی طالب ہے پہلی بات تو ظاہر ہے لیکن جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے تو دل کی آنکھ کو محبوب سے بند رکھنا حالانکہ اس سے کامل محبت ہو محال کی طرح ہے لیکن جب محبت کا غلبہ ہو تو اس قسم کا کام ہو جاتا ہے اور یہ اس محبت کی علامات میں سے ہے جو ہیبت اور تعظیم سے ملی ہوئی ہو۔

۱۰۔ تم کسی چیز کی طرف مکمل میلان رکھتے ہو پھر تم محبوب کو اپنے نفس، روح اور مال پر ترجیح دو پھر ظاہری اور باطنی طور پر اس کی موافقت کرو پھر یوں خیال کرو کہ تم سے اس کی محبت میں کوتاہی ہوئی ہے۔

حضرت جنید فرماتے ہیں میں نے حضرت حارث محاسبی (ابوعبداللہ حارث بن اسد متوفی ۲۴۳ھ) کو یہ بات کہتے ہوئے سنا ہے۔

(الاعلام ج ۲ ص ۱۵۳، صفۃ الصفوہ ج ۲ ص ۲۰۷، حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۷۳، فیات الاعیان ج ۱ ص ۱۲۶، تاریخ بغداد ج ۸ ص ۲۱۱)

۱۱۔ تم پر سکر کی حالت طاری ہو صرف محبوب کو دیکھنے کے لئے ہوش آنا چاہیے پھر مشاہدہ کے وقت جو سکر (نشہ) ہوتا ہے اس کا وصف بیان نہیں ہو سکتا بعض حضرات نے یوں کہا:

فاسکرا لقوم دور الکأس بینھم   لکن سکری نشا من رؤیۃ الساقی

"قوم کے درمیان شراب کا پیالہ گردش کرتا رہا اور وہ نشہ میں مبتلا ہو گئے لیکن نشہ تو پلانے والے کو دیکھنے سے پیدا ہوا"۔

۱۲۔ محبوب کی طلب میں دل سفر کرے اور زبان اس کے ذکر میں ہمیشہ رطب اللسان رہے اس کی طلب میں دل کا سفر اس کی ملاقات کا شوق ہے اور زبان کا اس کے ذکر کے ساتھ جاری رہنا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص کسی سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر زیادہ کرتا ہے۔

۱۳۔ اس بات کی طرف میلان ہو جو انسان کے موافق ہے مثلاً حسین صورتوں اور اچھی آوازوں سے محبت کرنا نیز دوسری لذات کہ کوئی طبع سلیم ان کی طرف میلان اور ان کی موافقت سے خالی نہیں۔

یا کسی حسن کے ذریعے اس کا ادراک کر کے لذت حاصل کرے یا اس کی محبت اس لئے ہو کہ اس کے اس پر انعامات واحسانات ہیں کیونکہ دلوں میں فطری طور پر یہ بات رکھی گئی ہے کہ ان پر جو احسان کرے اس سے محبت کرتے ہیں جس طرح حضرت ابونعیم رحمہ اللہ نے "الحلیۃ میں" نیز ابوالشیخ اور دوسرے حضرات نے ذکر کیا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۱۲۱)

پس جب انسان اس شخص سے محبت کرتا ہے جو دنیا میں ایک یا دو مرتبہ اس پر ایسی چیز کا احسان کرے جو فانی ختم ہونے والی ہے یا عارضی ہلاکت اور تکلیف سے بچائے تو تمہارا کیا خیال ہے کہ جو شخص ہمیشہ رہنے والا عطیہ دے جس کے لئے زوال نہیں ہے اور اس کو ایسے دردناک عذاب سے بچائے جس کے لئے فنا یا پھر جانا نہیں اس سے محبت کس قدر لازم ہوگی؟

محبتِ رسول ﷺ

جب انسان کسی دوسرے سے اچھی صورتوں اور قابلِ تعریف سیرت کی وجہ سے محبت کرتا ہے تو کریم نبی اور عظیم رسول ﷺ کا کیا معاملہ ہوگا جو تمام محاسن اور اخلاق اور تکریم کے جامع ہیں جنہوں نے ہمیں تمام مکارم اور فضل عمیم عطا فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے ہمیں کفر کے اندھیروں سے ایمان کے نور کی طرف نکالا' جہالت کی آگ سے بچایا اور معارف و یقین کے باغات کی راہ دکھائی' ہمیشہ کی نعمتوں میں ہمارے دائمی بقا کا یہی سبب ہے اس سے زیادہ قدر و قیمت اور عظمت والا احسان کون سا ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے بقا کی قسم اللہ تعالیٰ کے بعد کسی دوسرے کا اس قدر احسان نہیں ہوسکتا جس قدر نبی اکرم ﷺ کا ہم پر احسان ہے اور ہمارے نزدیک آپ سے بڑھ کر کسی کو فضیلت حاصل نہیں ہے۔

ہم کس طرح آپ کا بعض شکریہ ادا کر سکتے ہیں اور آپ کے واجب حق کی ادائیگی عشر عشیر بھی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے ذریعے ہمیں دنیا اور آخرت عطا فرمائی اور ہم پر اپنی نعمتیں انڈیل دیں وہ ظاہری ہوں یا باطنی۔

پس آپ کا استحقاق ہے کہ ہماری اپنے نفسوں' اولاد' اہل وعیال' مال اور سب لوگوں سے محبت کے مقابلے میں آپ سے زیادہ محبت ہو۔

بلکہ ہمارے ہر بال کے اُگنے کی جگہ آپ کے لئے محبت تامہ ہو تو یہ بھی اس حق کا بعض ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ.

تم میں سے کوئی (کامل) مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۰' سنن نسائی ج ۸ ص ۱۱۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۷' مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۷۔ ۲۷۵۔ ۲۷۸' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۰۳۲۱' المستدرک ج ۲ ص ۴۸۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۵۴۷' سنن دارمی ج ۲ ص ۳۰۷' شرح السنہ ج ۱ ص ۵۰)

والد کا ذکر سب سے پہلے ہوا کیونکہ والد عام طور پر پایا جاتا ہے اور ہر شخص کا والد ہوتا ہے جب کہ دوسری صورت نہیں (یعنی بعض لوگوں کی اولاد نہیں ہوتی)۔

سنن نسائی میں ولد کا ذکر والد سے پہلے ہے کیونکہ اس میں شفقت زیادہ ہے عبد العزیز بن صہیب کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت میں: والناس اجمعین. اور سب لوگوں سے زیادہ۔ کے الفاظ بھی ہیں۔

صحیح ابن خزیمہ میں "من اھلہ و مالہ" کے الفاظ ہیں اور "من والدہ و ولدہ" کے الفاظ نہیں ہیں (یعنی اپنے اہل و مال کی محبت سے بڑھ کر مجھ سے محبت کرے) اس میں والد اور ولد معنوی طور پر زیادہ داخل ہیں کیونکہ عقلمند آدمی کے

نزدیک اہل و مال کے مقابلے میں والد اور ولد زیادہ عزیز ہوتے ہیں بلکہ بعض اوقات اپنے آپ سے بھی زیادہ عزیز ہوتے ہیں اسی لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں نفس کا ذکر نہیں ہے اور والد و ولد کے ذکر کے بعد ''الناس'' عام کے خاص پر عطف کے قبیل سے ہے (کیونکہ ''الناس'' میں ولد اور والد بھی داخل ہیں)۔

نبی اکرم ﷺ سے محبت کا معنیٰ

خطابی نے کہا کہ یہاں اختیاری محبت مراد ہے، طبعی محبت مراد نہیں ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا اس میں نفس امارہ اور نفس مطمئنہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جو شخص نفسِ مطمئنہ کی جانب کو ترجیح دیتا ہے وہ نبی اکرم ﷺ کی محبت کو ترجیح دیتا ہے اور جو نفس امارہ کی جانب کو ترجیح دیتا ہے اس کا فیصلہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کے کلام میں ہے کہ یہ محبت صحتِ ایمان کے لئے شرط ہے کیونکہ انہوں نے محبت کو تعظیم اور اظہارِ بزرگی پر محمول کیا ہے۔

صاحبِ مفہم نے ان پر اعتراض کیا کہ یہ بات مراد نہیں ہے کیونکہ اعظم ہونے کا عقیدہ محبت کو لازم نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات انسان کسی چیز کو عظیم سمجھتا ہے لیکن اس کی محبت سے خالی ہوتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں اس بنیاد پر جو شخص اپنے نفس کا میلان نہ پائے اس کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ ''صحیح بخاری کے باب الایمان والنذور میں'' حضرت عبداللہ بن ہشام سے مروی حدیث میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول میں اسی طرف اشارہ پایا جاتا ہے حدیث یوں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے میرے نفس کے علاوہ جو میرے پہلوؤں کے درمیان ہے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لن یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ.	تم میں سے کوئی شخص ہرگز (کامل) مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے نفس سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے آپ میرے نزدیک میری ذات سے بھی زیادہ محبوب ہیں اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ اے عمر! (تمہارا ایمان مکمل ہوا)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۳۲، الشفاء ج ۲ ص ۱۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۳۸۶)

تو اس محبت میں فقط اعظم ہونے کا عقیدہ نہیں کیونکہ یہ عقیدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے پہلے قطعی طور پر حاصل تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا والذی نفسی بیدہ حتی اکون احب الیک من نفسک.	نہیں، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے حتی کہ میں تمہارے نزدیک تمہارے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں۔

بعض زاہدوں کا قول ہے کہ تقدیر کلام یوں ہے:

لا تصدق فی حبی حتی تؤثر رضای علی هواک وان کان فیہ الهلاک. تم میری محبت میں سچے نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ میری رضا کو اپنی خواہش پر ترجیح دو اگر چہ اس میں ہلاکت ہو۔

جہاں تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا پہلے مرحلے میں توقف کرنے اور اپنے نفس کو مستثنیٰ کرنے کا تعلق ہے تو انسان کا اپنے نفس سے محبت کرنا ایک فطری امر ہے اور دوسرے سے محبت کرنا اسباب کے واسطے سے اختیاری ہے اور نبی اکرم ﷺ نے ان سے اختیاری محبت کا ارادہ فرمایا کیونکہ فطرت کو بدلا نہیں جا سکتا۔

اس بنیاد پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پہلا جواب فطرت وطبیعت کے مطابق تھا پھر غور کیا اور استدلال سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ انہیں ان کے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں کیونکہ آپ دنیا و آخرت میں ہلاکتوں سے نجات کا باعث ہیں پس انہوں نے اس بات کی خبر دی جو اختیار کا تقاضا تھا اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے یوں جواب دیا کہ اے عمر! اب آپ کو معرفت حاصل ہوئی اور آپ نے وہ بات کہی جو واجب تھی۔

اللہ تعالیٰ کی محبت

جب ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ جو اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں، کی یہ شان ہے کہ ہم آپ سے محبت کریں اور یہ بات واجب ہے کہ آپ کی محبت ہمارے نفسوں، اولاد، والدین اور تمام لوگوں کی محبت سے مقدم ہو تو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی غیر کی محبت سے اس کے مقدم ہونے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کی محبت اپنی قدر وصفت میں دوسروں کی محبت سے الگ خاص مقام رکھتی ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے پس بندے پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اسے اپنی اولاد اور والد سے بھی زیادہ محبوب ہو بلکہ اس کی سماعت، بصارت اور اس کے پہلو میں جو نفس ہے اس بھی زیادہ ہو پس اس کا معبود برحق اسے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو اور ایک چیز بعض وجہ سے محبوب ہوتی ہے اور بعض اعتبارات سے نہیں ہوتی اور کبھی اس (چیز) سے کسی غیر کی وجہ سے محبت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے ہر اعتبار سے اس کی ذات کی وجہ سے محبت نہیں اور معبود ہونا صرف اسی کو لائق ہے محبت، فرمانبرداری اور خضوع اختیار کرنا اسے معبود ماننا ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے محبت کی آزمائش

رسول اکرم ﷺ کے لئے مذکور محبت کی علامات میں سے ہے کہ انسان سوچے اگر اسے اختیار دیا جائے کہ اپنی کسی غرض کو چھوڑ دے یا نبی اکرم ﷺ کی زیارت کو چھوڑ دے (ان میں سے ایک بات اختیار کرے) پس اگر اپنی کسی غرض کو نہ پانے کے مقابلے میں آپ کو نہ پانا اس کے لئے زیادہ سخت ہو تو وہ رسول اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب سمجھنے والا قرار پائے گا اور جس میں یہ بات نہ ہو وہ اس صفت سے محروم ہے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں: جو شخص رسول اکرم ﷺ پر صحیح معنیٰ میں ایمان رکھتا ہو وہ یقیناً اس محبت کو ترجیح دینے کے وصف سے خالی نہیں ہو سکتا البتہ ان کی محبت میں اختلاف ہے پس کسی کو اس محبت سے بہت بڑا حصہ ملتا ہے اور کسی کو ادنیٰ حصہ حاصل ہوتا ہے جس طرح خواہشات میں غرق انسان عام طور پر غفلتوں کے پردے میں ہوتا ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ ایسے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کا ذکر کیا جائے تو ان کو آپ کی زیارت کا ایسا شوق پیدا ہوتا ہے کہ وہ اسے اپنے

اہل و مال اور اولاد پر ترجیح دیتے ہیں اور وہ اس مقصد کے حصول کے لئے اپنے آپ کو بڑی بڑی مشقتوں میں ڈالتے ہیں اور اپنے دل میں ایسا رجحان پاتے ہیں جس میں کوئی تردد نہیں ہوتا اور اس بات کا مشاہدہ کیا گیا کہ جو لوگ ان مذکورہ چیزوں پر نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت اور آپ کے آثار مبارکہ کی جگہوں کی زیارت کو ترجیح دیتے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ ان کے دلوں میں آپ کی محبت ثابت و قائم ہوتی ہے البتہ مسلسل غفلتوں کی وجہ سے یہ بات جلد زائل ہو جاتی ہے۔

پس جس مسلمان کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہو وہ اسی محبت کے ساتھ اسلام میں داخل ہوتا ہے اور آپ کی محبت میں لوگوں کے درجات مختلف ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے جو نفع دونوں جہانوں کی بھلائی کے لئے پہنچتا ہے اس کے اندازے اور اس سے غفلت کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس معنیٰ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حصہ نہایت کامل تھا کیونکہ یہ معرفت کا نتیجہ ہے اور وہ آپ کی معرفت زیادہ رکھتے تھے۔

صحابہ کرام کی نبی اکرم ﷺ سے محبت کے کچھ نمونے

ابن اسحاق نے روایت کیا جیسا کہ "الشفاء میں" نقل کیا گیا کہ انصار کی ایک عورت کا باپ' بھائی اور خاوند جو احد کے دن نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے شہید ہو گئے تو اس عورت نے پوچھا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کیا ہوا؟ صحابہ کرام نے جواب دیا آپ بہتر حالت میں ہیں جس طرح تم چاہتی ہو آپ اسی حالت میں ہیں اس نے کہا مجھے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کراؤ تا کہ میں آپ کو دیکھوں جب اس نے آپ کی زیارت کی تو کہا:

کل مصیبۃ بعدک جلل. آپ کے بعد ہر مصیبت چھوٹی ہے۔

اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے "دلائل النبوۃ میں" نقل کیا اور "اللباب کے" مصنف نے ان الفاظ میں ذکر کیا کہ جب احد کے دن کہا گیا کہ حضرت محمد ﷺ شہید کر دیئے گئے ہیں اور مدینہ میں بہت زیادہ چیخ و پکار ہوئی تو انصار کی ایک خاتون باہر نکلیں اس نے اپنے بھائی' بیٹے' خاوند اور باپ کو شہادت کی حالت میں پایا اسے معلوم نہ تھا کہ وہ پہلے کس کا استقبال کرے وہ جب بھی ان میں سے کسی ایک کے پاس سے گزرتی کہ وہ حالت شہادت میں زمین پر پڑے ہیں تو پوچھتی یہ کون ہے؟ صحابہ کرام فرماتے تمہارا بھائی' تمہارا باپ' تمہارا خاوند اور تمہارا بیٹا ہے اس نے پوچھا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کیا ہوا انہوں نے کہا وہ تیرے آگے ہیں حتیٰ کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی طرف چلی پس آپ کے کپڑے کا کنارہ پکڑ کر کہنے لگی یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے کوئی پرواہ نہیں جب آپ محفوظ ہیں۔ ابن ابی الدنیا نے اس کی مثل اختصار کے ساتھ روایت کیا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے زیادہ مجھے کسی سے محبت نہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ہمیں اپنے ماؤں' اولاد' آباؤ اجداد اور ماؤں اور حالت پیاس میں ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب تھے۔

جب اہل مکہ نے زید بن دثنہ کو حرم سے نکالا [1] کہ ان کو شہید کریں تو ابوسفیان بن حرب نے ان سے کہا اے زید!

---

[1] حضرت زید بن دثنہ بن معاویہ بن عبید بن معاویہ بن عامر بن بیاض انصاری کو حضرت خبیب ابن عدی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کفار نے قید کر لیا صفوان بن امیہ نے حضرت زید کو خرید لیا یہ ذی قعدہ ۳ھ کا واقعہ ہے پھر محرم کے بعد شہید کرنے کے لئے مقام تنعیم میں لے گئے اسی موقعہ پر یہ گفتگو ہوئی تھی۔ (زرقانی ج۶ ص۲۹۱)

میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم چاہتے ہو کہ اس وقت تمہاری جگہ محمد ﷺ ہوتے اور ان کی گردن ماری جاتی اور تم اپنے گھر والوں کے پاس ہوتے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اللہ کی قسم میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ اس وقت حضرت محمد ﷺ اس جگہ ہوتے اور آپ کو کانٹا بھی چبھتا اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ بیٹھا ہوتا۔ ابوسفیان نے کہا میں نے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ کسی سے اس طرح محبت کرے جس طرح حضرت محمد ﷺ کے صحابہ کرام آپ سے محبت کرتے ہیں۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا آپ میرے نزدیک میرے گھر والوں اور مال سے بھی زیادہ محبوب ہیں اور میں آپ کا ذکر کرتا ہوں لیکن مجھے صبر نہیں آتا جب تک حاضر ہو کر آپ کی زیارت نہ کرلوں میں اپنی موت اور آپ کے وصال کو یاد کرتا ہوں تو معلوم کرتا ہوں کہ جب آپ جنت میں تشریف لے جائیں گے تو انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ آپ کا بلند مقام ہوگا اور اگر میں جنت میں داخل ہوا تو آپ کو دیکھ نہیں سکوں گا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا○ (النساء:٦٩)

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم مانیں پس وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء کرام' صدیقین' شہداء اور صالحین اور ان لوگوں کی دوستی کتنی اچھی ہے؟

چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اسے بلا کر اس کے سامنے یہ آیت کریمہ پڑھی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آپ کو دیکھ رہا تھا اور نظر ہٹاتا نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا تمہیں کیا ہوا؟ اس نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں آپ کی زیارت سے نفع اٹھا رہا ہوں۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ آپ کو فضیلت عطا فرماتے ہوئے بلند مقام عطا فرمائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ان الفاظ میں ذکر کیا کہ یہ آیت نبی اکرم ﷺ کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ نبی اکرم ﷺ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور آپ کے بغیر صبر نہیں کر سکتے تھے۔ ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور غم کی وجہ سے ان کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو چکا تھا رسول اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا تمہارا رنگ کیوں بدل گیا؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے کوئی بیماری یا تکلیف نہیں صرف یہ بات ہے کہ جب آپ کو دیکھ نہیں پاتا تو سخت وحشت ہوتی ہے حتیٰ کہ آپ کی زیارت کرلوں۔ پھر انہوں نے آخرت کا ذکر کیا اور عرض کیا کہ مجھے ڈر ہے کہ میں آپ کو دیکھ نہیں سکوں گا کیونکہ آپ کو انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ بلند مقام عطا ہوگا اور میں اگر جنت میں داخل بھی ہوا تو آپ کی منزل و مقام سے میرا مقام ادنیٰ ہوگا اور اگر جنت میں داخل نہ ہوا تو آپ کو کبھی دیکھ نہیں سکوں گا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر بغوی ج ا ص ۴۵۸' تاریخ دمشق ج ۳ ص ۳۸۳)

امام واحدی نے بھی اسباب نزول میں اسی طرح ذکر کیا وہ اس کی نسبت کلبی کی طرف کرتے ہیں اور وہ حضرت ثوبان

رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ (اسباب النزول للواحدی ص ۹۵)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بعض صحابہ کرام نے کہا کہ جنت میں کیا حال ہوگا آپ بلند درجات میں ہوں گے اور ہم آپ سے نچلے درجات میں ہوں گے پس آپ کو کیسے دیکھ سکیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ظفر نے "ینبوع الحیاۃ میں" ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا کہ عامر شعبی فرماتے ہیں انصار میں سے ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اللہ کی قسم یا رسول اللہ! آپ میرے نزدیک میری جان' مال' اولاد اور گھر والوں سے بھی زیادہ محبوب ہیں اگر میں آپ کے پاس حاضر ہو کر آپ کی زیارت نہ کروں تو میں سمجھتا ہوں کہ میں مر گیا یا عنقریب مر جاؤں گا۔ پھر وہ انصاری رونے لگے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم کیوں روتے ہو؟ عرض کیا میں یہ بات یاد کر کے روتا ہوں کہ عنقریب آپ کا وصال ہو جائے گا اور ہم بھی مر جائیں گے پس آپ انبیاء کرام کے ساتھ بلند مقام پر ہوں گے اور اگر ہم جنت میں داخل ہوئے تو آپ سے نیچے ہوں گے نبی اکرم ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ (مذکورہ بالا) آیت نازل فرما دی۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۲۰۵' الدر المنثور ج ۲ ص ۱۸۲)

ابن ظفر فرماتے ہیں مقاتل بن سلیمان نے اس کی مثل ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ وہ (انصاری شخص) حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ انصاری ہیں جنہوں نے (خواب میں) اذان کا معاملہ دیکھا انہوں نے یہ بھی ذکر کیا کہ یہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ اپنے ایک باغ میں کام کر رہے تھے کہ ان کے بیٹے نے آ کر خبر دی کہ نبی اکرم ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے تو انہوں نے دعا مانگی یا اللہ! میری بینائی زائل کر دے تاکہ میں اپنے محبوب حضرت محمد ﷺ کے بعد کسی کو نہ دیکھوں پس ان کی نگاہ رک گئی۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت

یہ بات جان لو کہ دل میں دو محبتوں کا جمع ہونا ممکن نہیں کیونکہ سچی محبت' محبوب کے ایک ہونے کو چاہتی ہے تو آدمی کو اپنے لئے دو محبتوں میں ایک کو اختیار کرنا چاہیے کیونکہ دونوں دل میں جمع نہیں ہو سکتیں اور آدمی اپنے محبوب کے نزدیک وہی کچھ ہوتا ہے جو ہوتا ہے جیسا کہ کہا گیا:

انت القتیل بای من احببتہ — فاختر لنفسک فی الھوی من تصطفیٰ

"تم جس سے محبت کرتے ہو اس کے مقتول ہو (یعنی اس کے سامنے فوت شدہ انسان کی طرح بے بس ہو جاؤ) پس محبت کے حوالے سے اپنے لئے اسے اختیار کرو جو دین کے اعتبار سے صاف ہو"۔

بعض حکماء فرماتے ہیں جس طرح ایک میان میں دو تلواریں نہیں آ سکتیں اسی طرح ایک دل میں دو محبتوں کی گنجائش نہیں ہوتی تمہارا اپنے محبوب کی طرف متوجہ ہونا اس بات کو لازم کرتا ہے کہ اس کے سوا ہر چیز سے منہ پھیر لو پس جو شخص محبت میں مداہنت (منافقت) اختیار کرتا ہے یا حیلے بہانے سے کام لیتا ہے وہ غیرت کی چھری کے سامنے گلے کی رگوں کو پیش کرتا ہے پس رسول اکرم ﷺ کی محبت کے بغیر بلکہ نفوس' آباؤ اجداد اور اولاد کی محبت سے آپ کی محبت کو مقدم کئے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا کیونکہ آپ سے محبت درحقیقت اللہ تعالیٰ سے محبت ہے۔

حضرت ابو سعید خراز رحمہ اللہ سے منقول ہے جسے امام قشیری رحمہ اللہ نے اپنے رسالے میں ذکر کیا وہ فرماتے ہیں

میں نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے معذور سمجھیں اللہ تعالیٰ کی محبت نے مجھے آپ کی محبت سے دور رکھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا اے مبارک! جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ [1]

کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ انصار کی ایک خاتون کو بیداری کی حالت میں پیش آیا نیز ابن ابی مجد (ابراہیم دسوقی رحمہ اللہ متوفی ۶۷۶ھ) کو پیش آیا:

الایا محب المصطفی زد صبابة   وضمخ لسان الذکر منک بطیبه
ولا تعبان بالمبطلین فانما   علامة حب الله حب حبیبه

''اے مصطفیٰ ﷺ سے محبت کرنے والے! اپنے شوق کو زیادہ کر اور زبانِ ذکر کو آپ کی تعریف و تعظیم سے ملا دے اور بد عقیدہ لوگوں کی پرواہ نہ کر کیونکہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت اس کے حبیب ﷺ سے محبت کرنا ہے''۔ (الاعلام ج ۱ص ۵۹ طبقات الشعرانی ج ۱ص ۱۴۳ خطط مبارک ج ۱۱ص ۷)

اسی طرح ہر وہ محبت جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہو وہ بھی حضور علیہ السلام سے محبت ہے۔ [2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ثلاث من کن فیه وجد حلاوة الایمان' ان یکون الله ورسوله احب الیه مما سواهما' وان یحب المرء لا یحبه الا الله وان یکره ان یعود فی الکفر کما یکره ان یقذف فی النار.

تین باتیں ایسی ہیں کہ جس میں پائی جائیں وہ ایمان کی مٹھاس حاصل کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اسے ان کے غیر سے زیادہ محبوب ہوں کسی شخص سے محبت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور کفر میں جانا اسے اس طرح ناپسند ہو جس طرح جہنم میں ڈالا جانا ناپسند ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷' سنن نسائی ج ۸ص ۹۴' مسند احمد ج ۳ص ۱۰۳۔۱۷۴۔۲۳۰' موارد الظمآن ص ۲۸۵' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۲۰' مجمع الزوائد ج ۱ص ۵۵' اتحاف السادة المتقین ج ۵ص ۵۴۷' الترغیب والترہیب ج ۴ص ۱۴' حلیة الاولیاء ج ۱ص ۲۷۔ ج ۲ص ۲۸۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۲۱۲)

پس ایمان کے ذائقے کو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہونے سے معلق و مشروط کیا اور اس کی مٹھاس کا پایا جانا اس چیز سے معلق کیا جس پر یہ موقوف ہے اور اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی وہ یہ کہ بندے کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ سب سے زیادہ محبوب ہوں پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ ہے۔

---

[1] پس ایمان کے ذائقے کو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہونے سے معلق و مشروط کیا اور اس کی مٹھاس کا پایا جانا اس چیز سے معلق کیا جس پر یہ موقوف ہے اور اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی وہ یہ کہ بندے کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ سب سے زیادہ محبوب ہوں پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ ہے۔

[2] یعنی جو شخص کہتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے محبت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے ذکر خداوندی رک جاتا ہے اس بد عقیدہ کی پرواہ نہ کرو کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے احبونی لحب الله 'اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے مجھ سے محبت کرو۔ ۱۲ ہزاروی

ایمان کی مٹھاس عبادات سے لذت حاصل کرنا اور دین میں مشقت برداشت کرنا ہے اور ان باتوں کو دنیوی اغراض پر ترجیح دینا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اس کی اطاعت کو اختیار کرنے اور اس کی مخالفت کو چھوڑنے میں ہے اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا معاملہ ہے۔

یہ بات امام نووی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جس کا ایمان مکمل ہو وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حق والد' اولاد اور تمام لوگوں کے حق سے زیادہ ہے کیونکہ گمراہی سے ہدایت اور جہنم سے آزادی' رسول ﷺ کی زبان مبارک سے حاصل ہوتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی ''حلاوۃ الایمان'' میں استعارہ تخییلیہ ہے [1] کیونکہ ایمان میں مؤمن کی رغبت کو میٹھی چیز کے مشابہ قرار دیا اور اس کے لئے اس چیز کے لازم کو ثابت کیا اور اس کو اس کی طرف مضاف کیا اور اس میں مریض اور صحیح کے قصہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ صفراء کا بیمار شہد کو بھی کڑوا پاتا ہے اور صحیح آدمی اس کا ذائقہ اسی طرح پاتا ہے جیسے وہ ہے اور جب کسی چیز میں کمی آتی ہے تو اس قدر اس کا ذوق بھی کم ہو جاتا ہے۔

ایمان کی مٹھاس کا معنیٰ

عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث شریف میں مذکور اس حلاوت (مٹھاس) میں اختلاف ہے کہ یہ محسوسات میں سے ہے یا معنوی چیز ہے تو ایک قوم نے اسے معنوی قرار دیا اور یہ فقہاء ہیں اور ایک قوم نے اسے محسوس پر محمول کیا اور لفظ کو ظاہر پر باقی رکھا اور اس میں کوئی تاویل نہیں کی یہ صوفیاء کرام ہیں۔

ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سلسلے میں صوفیا کی بات درست ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ کیونکہ ان کے موقف میں لفظ کو ظاہر پر باقی رکھا جاتا ہے اور اس میں کوئی تاویل نہیں کی جاتی۔

وہ فرماتے ہیں صوفیا کے اس موقف پر صحابہ کرام' سلف صالحین اور اہل معاملہ کے احوال شاہد ہیں کیونکہ ان لوگوں کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے اس مٹھاس کو محسوس کیا۔

اسی سلسلے میں ایک واقعہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے آپ کے ساتھ جو سلوک ہوا کہ کفر پر مجبور کرنے کے لئے گرم ریت پر ڈالا گیا اور وہ ''احد احد'' (اللہ ایک ہے اللہ ایک ہے) پکارتے رہے تو سختی کی کڑواہٹ ایمان کی مٹھاس سے مل گئی اسی طرح جب ان کا وصال ہوا تو گھر والے کہتے تھے ہائے پریشانی! اور وہ فرماتے اے خوشی! میں کل اپنے محبوبوں یعنی نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے ملوں گا تو موت کی کڑواہٹ ملاقات کی حلاوت سے مل گئی اور یہ ایمان کی حلاوت ہے۔

اسی ضمن میں اس صحابی کی حدیث ہے جن کا گھوڑا رات کے وقت چوری ہو گیا اور وہ نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے چور کو دیکھا جب وہ چوری کر رہا تھا لیکن نماز کو نہیں توڑا اس سلسلے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا میں جس کام میں مصروف تھا وہ اس سے زیادہ لذیذ تھا اور یہ ایمان کی حلاوت تھی جسے انہوں نے اس وقت محسوس کیا۔

---

[1] جب مشبہ میں مشبہ بہ کے لوازم میں سے کسی لازم کو ثابت کیا جائے تو اسے استعارہ تخییلیہ کہتے ہیں تو ایمان کو میٹھی چیز سے تشبیہ دے کر اس میں مٹھاس ثابت کی گئی۔ ۱۲ ہزاروی

ان دو صحابہ کرام کی حدیث بھی اسی بات کو واضح کرتی ہے جن کو نبی اکرم ﷺ نے کسی غزوہ میں دشمن کی طرف بھیجا تو وہ آیا اور اس نے ان دونوں کو دیکھا جاسوس نے کمان نکالی اور صحابی پر تیر پھینک دیا جوان کو جا لگا لیکن انہوں نے اپنی نماز کو نہیں توڑا پھر دوسرا تیر مارا جوان کو جا لگا لیکن اس کے لئے نماز نہیں توڑی پھر تیسرا تیر مارا وہ بھی انہیں لگا اس وقت انہوں نے دوسرے ساتھی کو جگایا اور فرمایا اگر مجھے مسلمانوں کا خوف نہ ہوتا تو میں نماز نہ توڑتا۔

(دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۳۷۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۹۸' مسند احمد ج ۳ ص ۳۴۴' المستدرک ج ۱ ص ۱۵۶' السنن الکبری ج ۱ ص ۱۴۰۔ ج ۹ ص ۱۵۰' موارد الظمان رقم الحدیث: ۲۵۰' البدایۃ والنہایہ ج ۴ ص ۸۷' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۲۴ رقم الحدیث: ۱)

تو ان کا یہ عمل اس حلاوتِ ایمان کی وجہ سے تھا جس نے ان سے اسلحہ سے پہنچنے والی تکلیف کا احساس زائل کر دیا۔

ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل معاملہ کے ایسے کئی واقعات منقول ہیں ان دو صحابہ کرام والی حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ''باب من لم یر الوضوء الا من المخرجین'' میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ غزوہ ذات الرقاع میں تھے کہ ایک شخص کو تیر لگا جس سے خون نکل پڑا انہوں نے رکوع اور سجدہ کیا اور نماز کو جاری رکھا۔

ابن اسحاق نے مغازی میں متصل سند کے ساتھ ذکر کیا انہوں نے کہا مجھ سے صدقہ بن یسار نے بیان کیا وہ عقیل بن جابر سے اور وہ اپنے والد حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے طویل حدیث روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کو امام احمد' امام ابو داؤد اور دار قطنی رحمہم اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔ ابن خزیمہ' ابن حبان اور امام حاکم رحمہم اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ان سب نے ابن اسحاق کے طریق سے روایت کیا ''فتح الباری میں'' فرمایا ان کے شیخ جن کا نام صدقہ ہے ثقہ ہیں اور حضرت عقیل سے صدقہ (راوی) کے علاوہ کسی دوسرے کی روایت میرے علم میں نہیں ہے اسی لئے امام بخاری نے اس پر یقین نہیں کیا یا اس کے اختصار کی وجہ سے یا ابن اسحاق میں اختلاف کی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''الدلائل میں'' دوسری وجہ سے ذکر کیا ان دو صحابیوں میں سے ایک کا نام عباد بن بشر انصاری ہے اور دوسرے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ہیں جو مہاجرین میں سے ہیں اور وہ نماز میں سورۂ کہف پڑھ رہے تھے۔

''مما سواہما'' (اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے علاوہ) کی وضاحت

نبی اکرم ﷺ نے ''مما سواہما'' کے الفاظ ذکر کئے (یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے علاوہ) اور ''ممن'' نہیں فرمایا (یعنی من کی جگہ ما فرمایا) تاکہ عقل والوں اور بے عقل سب کو شامل ہو۔

اور یہ فرمایا:

وَاَنْ یَّکُوْنَ اللّٰہُ وَرَسُوْلہ احب اِلَیْہِ مِمَّا سِوَاھُمَا۔ — اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اس کے نزدیک ان دونوں کے غیر سے زیادہ محبوب ہوں۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں کو ایک ہی ضمیر کے ساتھ جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس خطیب کے بارے میں کہا ''ومن یعصھما'' (اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے) آپ نے فرمایا ''بئس الخطیب انت'' تو برا خطیب ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸' مسند احمد ج ۴ ص ۲۵۶ ۔ ۳۷۹' المستدرک ج ۱ ص ۲۸۹' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۸۶ ۔ ج ۳ ص ۲۱۶' مشکل الآثار ج ۴ ص ۲۹۶' تفسیر قرطبی ج ۱۴ ص ۲۳۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۹۹)

تو اس کا حکم یہ نہیں کیونکہ خطبوں میں وضاحت ہوتی ہے اور یہاں الفاظ میں اختصار مراد ہے تاکہ یاد ہو سکے اور اس پر نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی دلالت کرتا ہے آپ نے فرمایا:

ومن یعصھما فلا یضر الا نفسہ. اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے وہ اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچاتا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۹۷)

(آپ نے دونوں کے لئے ایک ضمیر استعمال فرمائی)۔

کہا گیا ہے کہ یہ آپ کے خصائص میں سے ہے پس آپ کے غیر سے منع ہے آپ سے منع نہیں ہے کیونکہ جب کوئی دوسرا جمع کرے گا تو برابری کے اطلاق کا وہم ہوگا جب کہ آپ کے اپنے جمع کرنے سے یہ وہم نہیں پڑتا کیونکہ آپ کے منصب عالی میں اس قسم کا وہم جگہ نہیں پاتا۔ ابن عبدالسلام کا میلان اسی طرف ہے۔

اس حدیث اور اس خطیب کے واقع کو جمع کرتے ہوئے اچھا اور عمدہ جواب یوں دیا جاتا ہے کہ یہاں ضمیر کا تثنیہ لانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ معتبر وہی محبت ہے جو ان دونوں محبتوں کا مجموعہ ہو دونوں کی انفرادی محبت نہیں کیونکہ صرف ایک کی محبت ہو تو وہ لغو ہے جب تک اس کے ساتھ دوسرے کی محبت ملی ہوئی نہ ہو پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرے اور رسول اکرم ﷺ سے محبت نہ کرے تو وہ اسے نفع نہیں دے گی۔ قرآن مجید کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: ۳۱) آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

تو نبی اکرم ﷺ کی اتباع کو دو کناروں کے درمیان رکھا ایک بندوں کی اللہ تعالیٰ سے محبت اور دوسری اللہ تعالیٰ کی بندوں سے محبت۔ اور خطیب والے معاملے میں انفرادیت ہے کیونکہ دونوں نافرمانیاں مستقل ہیں جو سرکشی اختیار کرنے سے لازم آتی ہیں کیونکہ عطف میں عامل کا تکرار ہوتا ہے اور اصل یہ ہے کہ معطوفین میں ہر ایک حکم میں مستقل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی اسی طرف اشارہ کرتا ہے:

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء: ۵۹) اور اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور رسول ﷺ اور ارباب اختیار کا جو تم میں سے ہیں۔

تو رسول ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے ''اطیعوا'' کا لفظ دوبارہ لایا گیا لیکن ''اولی الامر'' میں نہیں لایا گیا کیونکہ وہ اطاعت میں رسول ﷺ کی طرح مستقل نہیں ہیں۔

یہ بیضاوی اور طیبی کے قول کا اختصار ہے جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔

ایمان کا ذائقہ

صحیح حدیث میں ہے:

ذاق طعم الایمان من رضی باللہ ربا وبالاسلام دینا و بمحمد رسولا. اس شخص نے ایمان کا ذائقہ حاصل کیا جو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اسلام کے دین اور حضرت محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہوا۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث:۵٦)

''مدارج السالکین میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ نے اس بات کی خبر دی کہ ایمان کا ذائقہ ہوتا ہے جسے دل چکھتا ہے جیسا کہ زبان کھانا اور پانی کا ذائقہ محسوس کرتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ایمان واحسان کی حقیقت اور دل میں اس کے حصول کو کبھی ذوق (ذائقہ) سے تعبیر فرمایا اور کبھی کھانے اور مشروب سے اور کبھی مٹھاس پانے سے جس طرح لفظ ''ذاق'' فرمایا یعنی چکھا اور فرمایا:

ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان. جس شخص میں تین باتیں ہوں اس نے ایمان کی مٹھاس کو پایا۔

اور صحابہ کرام کو وصال کے روزے رکھنے سے منع فرمایا تو ارشاد فرمایا:

انی لست کھیئتکم انی اطعم و اسقی. میں تمہاری طرح نہیں ہوں مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۷ ٢٤' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۳٦۰' موطا امام مالک رقم الحدیث:۳۰۰' تمہید رقم الحدیث:۵۸۰' تاریخ اصبہان ج۲ ص۲۷۲)

جس کا خیال ہے کہ اس سے حسی کھانا اور مشروب مراد ہے جو منہ کے ذریعے کھایا جاتا ہے وہ سخت پردے میں ہے۔ اس کی مزید تحقیق ان شاء اللہ نبی اکرم ﷺ کی عبادات کے ضمن میں روزے کے ذکر میں آئے گی۔

مقصود یہ ہے کہ ایمان کی مٹھاس چکھنا ایک ایسا امر ہے جسے دل پاتا ہے اور اس کی نسبت دل کی طرف ہوتی ہے جس طرح کھانے کا ذائقہ منہ سے تعلق رکھتا ہے اور جماع کی حلاوت لذت سے متعلق ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

حتی تذوقی عسیلتہ و یذوق عسیلتک. حتیٰ کہ تم اس (دوسرے خاوند) کا ذائقہ چکھو اور وہ تمہارا ذائقہ (لذت) چکھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۱۱' صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۳۱۷' سنن نسائی ج٦ ص۱۴٦ رقم الحدیث:۱۷۰۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۹۳۳' مسند احمد ج٦ ص۳۴-۳۷-۱۹۳' السنن الکبریٰ ج۷ ص۳۳۳-۳۷۴' اتحاف السادۃ المتقین ج۷ ص۱۱۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج۴ ص۲۷۴' الدر المنثور ج۱ ص۲۸۴)

ایمان کا ذائقہ بھی ہے اور مٹھاس بھی جن دونوں سے ذوق اور کیفیت کا تعلق ہوتا ہے اور جب تک بندہ اس حالت تک نہ پہنچے شبہ اور شکوک باقی ہوتے ہیں اس کے بعد ایمان اس کے دل میں حقیقتاً جاگزیں ہو جاتا ہے پس وہ اس کا ذائقہ چکھتا اور مٹھاس پاتا ہے۔

عارف کبیر تاج الدین بن عطاء اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دل جو غفلت اور خواہش کی بیماریوں سے محفوظ ہوں وہ معانی کی

لذتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں جس طرح نفوس کو کھانوں کی لذت حاصل ہوتی ہے اور ایمان کا ذائقہ وہی شخص چکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہو کیونکہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہوگا تو اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے گا اور اس کی فرمانبرداری کرے گا پس وہ زندگی کی لذت اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کی راحت پائے گا اور جب وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے رب ہونے کی وجہ سے راضی ہو تو اسے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رضا حاصل ہو گی۔

پس جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے رضا حاصل ہوگی تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی مٹھاس عطا فرمائے گا تا کہ اسے معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کیا احسان کیا ہے نیز وہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسان کی پہچان حاصل کرے تو جب اس بندے پر عنایت ہوتی ہے تو احسانات کے خزانوں سے اس کے لئے عطائیں ظاہر ہوتی ہے اور جب اس تک اللہ تعالیٰ کی مدد اور انوار پہنچتے ہیں تو اس کا دل بیماریوں سے پاک ہو جاتا ہے پس اس کا ادراک صحیح ہوتا ہے اور ایمان کی لذت اور مٹھاس پاتا ہے کیونکہ اس کا ادراک صحیح اور ذوق سلامت ہے۔

اور حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی:

وبالاسلام دینا. اور میں اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ جب اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوگا تو اس پر اس کا مولیٰ راضی ہوگا اور یہ بات لازم ہے کہ جو شخص حضرت محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہو وہ آپ کی دوستی اختیار کرے' آپ کے آداب واخلاق کے زیور سے آراستہ ہو دنیا سے بے رغبتی اختیار کرے' اپنے مجرم کو معاف کرے اور برائی کرنے والے کو بھی معاف کر دے اس کے علاوہ وہ عمل کرے' قول وفعل' عمل اور ترکِ عمل محبت اور بغض پر اعتبار سے نبی اکرم ﷺ کی اتباع ثابت ہو۔

پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہوتا ہے وہ اس کے سامنے گردن جھکا دیتا ہے اور جو اسلام پر راضی ہوتا ہے اس کے مطابق عمل کرتا ہے اور جو شخص نبی اکرم ﷺ کی نبوت پر راضی ہوتا ہے وہ آپ کی اتباع کرتا ہے اور یہ نہیں کہ ان میں سے کسی ایک بات کو اپنائے بلکہ ان تمام باتوں کو اپنانا ضروری ہے کیونکہ یہ بات محال ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر راضی ہو اور دینِ اسلام کو پسند نہ کرے یا دین اسلام پر راضی ہو لیکن حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر راضی نہ ہو ان باتوں کا ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہونا واضح ہے جس میں کوئی پوشیدگی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کا حکم

اللہ تعالیٰ کی محبت دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہے۔

(۱) فرض (۲) مستحب

فرض محبت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے اوامر کی بجا آوری گناہوں سے رکنا اور اس کی تقدیر پر راضی ہونا ہے پس جو شخص حرام فعل کے ارتکاب یا ترک واجب کی وجہ سے گناہ میں پڑتا ہے تو اس کی وجہ محبت الٰہیہ میں کمی ہے کہ اس نے نفسانی خواہش کو مقدم کیا اور یہ کوتاہی مباح چیزوں کی کثرت حاصل کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے کیونکہ اس سے غفلت پیدا ہوتی ہے جو امید میں وسعت کا تقاضا کرتی ہے جس کے نتیجے میں وہ گناہ کا اقدام کرتا ہے یا مسلسل غفلت کی وجہ وہ گناہ میں پڑتا

ہے۔ اور یہ دوسری صورت (غفلت) ندامت کی حالت میں جلدی ختم ہو سکتی ہے۔

مستحب محبت یہ ہے کہ ہمیشہ نفل پڑھے اور شبہات میں پڑنے سے اجتناب کرے عام اوقات میں اس صفت سے موصوف لوگ شاذ و نادر ہوتے ہیں۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں اور آپ اپنے رب سے (حدیث قدسی کے طور پر) نقل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ما تقرب الی عبدی بمثل اداء ما افترضته علیه. وفی روایة بشیء احب الی من اداء ما افترضته علیه. ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبه' فاذا احببته کنت سمعه الذی سمع به' و بصره الذی یبصر به' و یده التی یبطش بها' ورجله التی یمشی بها فبی یسمع' وبی یبصر' وبی یبطش' وبی یمشی' ولئن سالنی لا عطینه' ولئن استعاذنی لا عیذنه' وما ترددت فی شیء انا فاعله ترددی عن قبض نفس عبدی المؤمن' یکره الموت' واکره مساء ته.

میرا بندہ فرائض کی ادائیگی کے ذریعے جس قدر میرا قرب حاصل کرتا ہے اس کی مثل کسی عمل سے (قرب) حاصل نہیں کرتا ایک روایت میں ہے کہ کسی ایسی چیز سے میرا قرب حاصل نہیں کرتا جو فرض کی ادائیگی سے زیادہ پسندیدہ ہو اور بندہ نوافل کے ذریعے ہمیشہ میرا قرب حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں پس جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے سنتا ہے اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ساتھ چلتا ہے پس وہ میری طاقت سے سنتا ہے اور میری طاقت سے دیکھتا ہے میری طاقت سے پکڑتا اور میری طاقت سے چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے عطا کرتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ طلب کرے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں اور مجھے کسی کام میں تردد نہیں جسے میں کرتا ہوں جس قدر تردد اپنے مؤمن بندے کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہے وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کی برائیوں کو ناپسند کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۰۲' السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۴۶۔ ج ۱۰ ص ۲۱۹' اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۴۷۷' الاتحافات السنیہ رقم الحدیث: ۵)

''وما تقرب الی عبدی بشی احب الی'' کے الفاظ سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل فرائض کی ادائیگی ہے۔

سوال: اس بنیاد پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نوافل کا نتیجہ محبت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے لیکن فرائض کے نتیجے میں محبت نہیں

آتی؟

جواب: نوافل سے مراد یہ ہے کہ وہ فرائض کے ساتھ ہوں فرائض پر مشتمل ہوں اوران کی تکمیل کا باعث ہوں اس کی تائید حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان نقل کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ابن آدم انک لا تدرک ما عندی الا باداء ما افترضته علیک.

اے ابن آدم! جو کچھ میرے پاس ہے اسے تم اسی صورت میں پاسکتے ہو جب اس عمل کی ادائیگی کرو جسے میں نے تم پر فرض کیا ہے۔

یا اس کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ نوافل کو عمل میں لانا محض محبت کی وجہ سے ہے چھوڑنے پر عذاب کا خوف نہیں ہوتا جب کہ فرائض کا معاملہ اس کے خلاف ہے (کیونکہ اس پر عمل کرنا نجات اور ترک کرنا عذاب کا باعث ہے)۔

فاکھانی نے کہا حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ جب فرض ادا کرے اور نفلی نماز اور روزے وغیرہ پر دوام ہو تو یہ بات اللہ تعالیٰ کی محبت تک پہنچاتی ہے۔

سوال: یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح بندے کی سماعت و بصارت بنتا ہے؟

جواب: اس کے کئی جواب ہیں۔

ایک جواب یہ ہے کہ یہ بطور مثال ہے معنیٰ یہ ہے کہ میں اس کی سمع اور بصر کی طرح ہو جاتا ہوں کہ وہ میرے حکم کو ترجیح دیتا ہے پس وہ میری اطاعت کو چاہتا ہے اور میری عبادت کو اس طرح ترجیح دیتا ہے جس طرح ان اعضاء کو پسند کرتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس کا مفہوم یوں ہوگا کہ وہ کلی طور پر میری ذات میں مشغول ہو جاتا ہے اور اس کے کان ادھر ہی متوجہ ہوتے ہیں جہاں میری رضا ہوتی ہے اور وہ اپنی آنکھوں سے اسے ہی دیکھتا ہے جسے دیکھنے کا میں نے اسے حکم دیا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ میں اس کی مدد میں اس کے کان' آنکھ' ہاتھ اور پاؤں کی طرح ہو جاتا ہوں یعنی دشمن کے خلاف اس کی مدد کرتا ہوں۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے مطلب یہ ہے کہ میں اس کی کانوں کی حفاظت کرتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے پس وہ وہی بات سنتا ہے جس کا سننا اس کے لئے جائز ہے اور اس کی نگاہوں کی حفاظت کرتا ہوں اسی طرح آخر تک ہے۔ یہ بات فاکھانی نے فرمائی ہے۔

فاکھانی فرماتے ہیں ایک اور معنیٰ کا بھی احتمال ہے جو پہلے معانی سے زیادہ باریک ہے یعنی سمع' مسموع کے معنیٰ میں ہو کیونکہ بعض اوقات مصدر مفعول کے معنیٰ میں آتا ہے مثلاً ''فلان املی'' یعنی ''مامولی'' فلاں میری امید گاہ ہے معنیٰ یہ ہے کہ وہ صرف میرا ذکر سنتا ہے اور میری کتاب کی تلاوت سے لذت حاصل کرتا ہے اور وہ میرے ساتھ مناجات سے ہی مانوس ہوتا ہے وہ میرے ملکوت (عالم غیب) کے عجائب دیکھتا ہے اور اپنے ہاتھ وہیں پھیلاتا ہے جہاں میری رضا ہو اور یہی حال پاؤں کا ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا قابل اعتماد علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ مجاز ہے اور بندے کی مدد' تائید اور

اعانت سے کنایہ ہے گویا اللہ تعالیٰ اس کے ہاں آلات کے قائم مقام ہوتا ہے جن آلات سے مدد لی جاتی ہے۔ اسی لئے ایک روایت میں یوں آیا ہے:

فبی یسمع وبی یبصر وبی یبطش وبی یمشی۔ وہ میری مدد سے سنتا ہے میری مدد سے دیکھتا میری مدد سے پکڑتا اور میری مدد سے چلتا ہے۔

اتحادی فرقہ (جو دو ذاتوں کو ایک سمجھتا ہے حالانکہ یہ باطل ہے) کا خیال یہ ہے کہ اسے حقیقت پر محمول کیا جائے گا اور حق عین عبد ہے۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں اور منکروں کے قول سے بہت بلند و بالا ہے۔

خطابی نے کہا کہ اس کا مطلب دعا کی جلد قبولیت اور مطلوب کے ساتھ کامیابی ہے اور وہ اس طرح کہ انسان کی تمام مساعی ان ہی مذکورہ اعضاء کے ساتھ ہوتی ہے۔

ابو عثمان الحیری (یا الجیزی) جو ائمہ طریقت میں سے ایک ہیں فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ میں اس کی دعا کو اتنی جلدی قبول کرتا ہوں کہ ابھی سننا' دیکھنا' چھونا اور چلنا نہیں پایا جاتا کہ دعا قبول ہو جاتی ہے امام بیہقی نے ان سے ''کتاب الزہد'' میں اسی طرح روایت کیا ہے۔ (الزہد الکبیر ص ۲۷۳ رقم الحدیث: ۷۰۲)

بعض کج رو (ٹیڑھے راستے پر چلنے والے) لوگوں نے اسے اپنے دعویٰ پر محمول کیا ہے وہ یوں کہ بندہ جب ظاہری اور باطنی عبادت کو لازم کر لیتا ہے حتیٰ کہ کدورتوں سے پاک ہو جاتا ہے تو وہ حق کے معنیٰ میں ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس قول سے پاک ہے (وہ کہتے ہیں) بندہ اپنے تمام جسم سے فنا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ گواہی دیتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اپنا ذکر کرتا ہے خود اپنی توحید بیان کرتا' خود اپنے آپ سے محبت کرتا ہے اور یہ اسباب اور رسوم بالکل معدوم ہو جاتے ہیں۔

یہ تمام احتمالات ہیں لیکن حدیث کا باقی حصہ اتحادیہ فرقہ اور وحدت مطلقہ کے قائلین کے استدلال کی نفی کرتا ہے کیونکہ فرمایا ''ولئن سألنی'' (اگر وہ مجھ سے سوال کرے) عبدالواحد کی روایت میں ''عبد'' کا لفظ بھی ہے (مطلب یہ کہ سائل اور ہے اور مسئول اور' لہٰذا اتحاد و وحدت کا تصور غلط ہوا)۔

ابن قیم نے کہا۔

''یہ حدیث قدسی شریف جس کا معنیٰ اور مراد سمجھنا سخت طبیعت اور سخت دل پر حرام ہے اس نے اللہ تعالیٰ کی محبت کو دو باتوں میں بند کر دیا فرائض کی ادائیگی اور نوافل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا پس جب بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے لئے ایک اور محبت کو جنم دیتی ہے جو پہلی محبت سے اوپر ہوتی ہے پس یہ محبت اس کے دل کو محبوب کے غیر میں مشغولیت اور اس کی فکر سے پھیر دیتی ہے اور اس کی روح اسی محبوب میں بند ہو کر رہ جاتی ہے اور اس میں غیر محبوب کے لئے ایک گھڑی بھی باقی نہیں رہتی۔

پس اس کے محبوب کا ذکر اور اس کی محبت اور شانِ عجیب اس شخص کے دل کی لگام کی مالک ہو جاتی ہے اور اس کی روح پر اس کا قبضہ اس طرح ہوتا ہے جس طرح محبوب اپنے سچے محب پر اس کی اس محبت میں غالب آتا ہے جس میں محبت کی تمام قوتوں کا مرکز محبوب ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ وہ سنتا ہے تو محبوب کے ساتھ سنتا ہے اگر دیکھتا ہے تو محبوب کے ساتھ دیکھتا ہے اور اسی کے ذریعے نظر کرتا اور اگر چلتا ہے تو اسی کے ساتھ چلتا ہے پس وہ اس کے دل اور نفس میں ہوتا

ہے اور اس کا انیس اور ساتھی ہوتا ہے۔ یہاں باء (بی میں باء) مصاحبت کی باء ہے (ساتھ کا معنیٰ دیتی ہے) اس کی کوئی مثال نہیں اور اس کا ادراک محض خبر دینے اور اس کے علم کے ساتھ نہیں پس یہ مسئلہ حال کے ساتھ تعلق رکھتا ہے محض علمی مسئلہ نہیں ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ جب بندے کی طرف سے اس کے رب کو محبت میں موافقت حاصل ہوتی ہے تو بندے کو اپنے رب کی طرف سے حاجات و مطالب میں موافقت حاصل ہوتی ہے (یعنی جب بندہ اپنے رب سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجات کو پورا کرتا ہے) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولئن سالنی لاعطینه ولئن استعاذنی لا عیذنه. اور اگر وہ (بندہ) مجھ سے کچھ مانگے تو میں اسے ضرور دوں گا اور اگر مجھ سے پناہ مانگے تو میں اسے ضرور پناہ دوں گا۔

یعنی جس طرح وہ میرے احکام کی بجا آوری کر کے میری مراد میں مجھ سے موافقت کرتا ہے اور میری محبت کے ذریعے مجھ سے قرب اختیار کرتا ہے میں اس کی موافقت یوں کرتا ہوں کہ جو کچھ مجھ سے مانگتا ہے میں اسے عطا کرتا ہوں اور پناہ مانگے تو اسے پناہ دیتا ہوں اس موافقت کا معاملہ دونوں طرف سے مضبوط ہوتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ بندے کو موت دینے میں تردد فرماتا ہے کیونکہ وہ (بندہ) موت کو پسند نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا جسے اس کا بندہ ناپسند کرتا ہے اور وہ اس کو تکلیف پہنچانا نہیں چاہتا پس اس جہت سے وہ چاہتا ہے کہ اسے موت نہ دے لیکن اس کی مصلحت اس شخص کو موت دینے میں ہے وہ اس کو اس لئے موت دیتا ہے کہ اسے (دوبارہ) زندہ کرے اور بیمار اس لئے کرتا ہے کہ اسے صحت عطا کرے محتاج اس لئے کرتا ہے کہ مالدار کر دے اور روکتا اس لئے ہے کہ اس کو عطاء کرے اور اسے حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں جنت سے اس لئے نکالا کہ دوبارہ اس کو اچھی حالت میں لوٹائے حقیقت میں یہی محبوب ہے اس کے سوا کوئی نہیں۔

خطابی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں تردد کا عقیدہ جائز نہیں اور کسی مصلحت کے اس کے سامنے ظاہر ہونے کی کوئی گنجائش نہیں (کیونکہ اس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں) لیکن اس کی دو تاویلیں ہیں۔

ایک تاویل یہ ہے کہ بعض اوقات بندہ کسی بیماری کی وجہ سے ہلاکت کے قریب پہنچ جاتا ہے یا اسے فاقہ پہنچتا ہے پس وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو وہ اسے شفاء عطا کرتا ہے اور اس سے ناپسندیدہ بات کو دور کرتا ہے پس اس کا یہ فعل اس شخص کے تردد کی طرح ہے جو کسی کام کا ارادہ کرتا ہے پھر اس کے لئے کوئی بات ظاہر ہوتی ہے تو وہ اس کو چھوڑ دیتا ہے اور اس سے اعراض کرتا ہے اور اس کے لئے وقت مقررہ پر موت سے ملاقات کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر فنا لکھ دی ہے اور صرف اپنی ذات کے لئے بقا رکھی ہے۔

دوسری تاویل یہ ہے کہ اس کا معنیٰ اس طرح ہوگا کہ میں جس کام کو کرنا چاہتا ہوں اس سے اپنے رسولوں کو واپس نہیں پھیرتا جس طرح ان کو اپنے مؤمن بندے کی روح قبض کرتے وقت پھیرتا ہوں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں مذکور ہے انہوں نے ملک الموت کی آنکھ پر تھپڑ مارا (اور اسے نکال دیا) اور وہ ایک کے بعد دوسری بار آپ کے

پاس آئے۔ [1]

خطابی فرماتے ہیں دونوں تاویلوں کے مطابق حقیقت معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر لطف وکرم فرماتا ہے اوراس پر شفقت کرتا ہے کلاباذی کے کلام کا خلاصہ اس طرح ہے۔

صفت فعل کو صفت ذات سے تعبیر کیا یعنی اس کے متعلق کے اعتبار سے ہے مطلب یہ کہ تردید کو تردد سے تعبیر کیا اور تردید کا متعلق بندے کے احوال کے مختلف ہونے کو بنایا یعنی اس کی کمزوری اور تھکاوٹ وغیرہ حتیٰ کہ اس کی زندگی سے محبت موت کی محبت کی طرف منتقل ہوجاتی ہے اوراس پر اس کی روح قبض کی جاتی ہے۔

وہ فرماتے ہیں بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں ان چیزوں کی رغبت اور شوق پیدا کردیتا ہے جواس کے پاس ہیں اوراپنی ملاقات کی محبت اس کے دل میں ڈالتا ہے جس کے ذریعے وہ موت کا شوق رکھتا ہے بجائے اس کے کہ اس سے موت کی کراہت کو دور کرے (وہ موت کو ناپسند نہیں کرتا اوراس کی سختیوں سے گھبراتا ہے)۔

خلاصہ یہ ہے کہ دل کی زندگی اللہ تعالیٰ کی محبت اوراس کے رسول ﷺ کی محبت سے ہی قائم ہوتی ہے اوراصل زندگی تو اہل محبت کی زندگی ہے جن کی آنکھوں کو ٹھنڈک ان کے محبوب سے حاصل ہوتی ہے اوراس سے ان کے نفسوں کو سکون ملتا ہے اوران کے دل اس کی وجہ سے مطمئن ہوتے ہیں' وہ اس کے قرب سے مانوس ہوتے ہیں اوراس کی محبت سے لطف اندوز ہوتے ہیں پس دل میں طاقت ہے جسے اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کی محبت ہی بند کرتی ہے اور جواس کے ساتھ کامیابی حاصل نہ کرے اس کی تمام زندگی غموں' تکالیف اور حسرتوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔

''مدارج السالکین کے'' مصنف نے کہا کہ بندہ اس بلند مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی پہچان حاصل نہ کرے اوراس کی طرف ایسے راستوں کی ہدایت نہ پائے جواس تک پہنچاتے ہیں نیز طبیعت کے اندھیروں کو بصیرت کی شعاعوں سے جلادے پس اس کے دل میں آخرت کے شواہد میں سے ایک شاہد کھڑا ہوگا اور یہ مکمل طور پر اس کی طرف کھینچا جائے گا اور فانی تعلقات سے بے رغبت ہوجائے گا' صحیح توبہ کا راستہ اختیار کرے گا اور ظاہری و باطنی مامورات کو قائم کرے گا نیز ظاہری و باطنی منہیات کو ترک کردے گا پھر اپنے دل کی حفاظت کرنے والا ہوگا اور ایسے خطرہ سے چشم پوشی نہیں برتے گا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اور نہ ایسی بات جو فضول ہے اوراس کا کوئی نفع نہیں پس اپنے رب کے ذکر' اس کی محبت اوراس کی طرف رجوع کے ذریعے اس کے لئے دل صاف ہوجائے گا اور طبیعت ونفس کے گھروں سے نکل کر اپنے رب کے ساتھ خلوت اوراس کے ذکر کی فضا میں چلا جائے گا۔

جیسا کہ شاعر نے کہا:

واخرج من بین البیوت لعلنی احدث عنک النفس فی السر خالیا

[1] صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا موت کے فرشتے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا جب وہ آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان کو تھپڑ ماردیا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف واپس لوٹ گئے اور عرض کیا اے اللہ! تو نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے جو موت نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ (جو نکل چکی تھی) لوٹادی اور فرمایا جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ بیل کی پیٹھ پر ہاتھ رکھیں ان کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے ہر بال کے بدلے ایک سال بڑھایا جائے گا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا پھر کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا موت' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ابھی روح قبض کرلو۔ (قصص الانبیاء ج ۲ ص ۱۸۰)

''اور گھروں (طبیعت اور نفس) کے درمیان سے نکل جا شاید میں تیری طرف سے نفس کے ساتھ خلوت میں پوشیدہ بات کروں''۔

اس وقت اس کا دل اور خیالات نیز حدیثِ نفس اپنے رب کے ارادے اور طلب نیز اس کے شوق پر جمع ہو جاتے ہیں جب وہ اس بات میں سچا ہوتا ہے تو اسے محبت رسول ﷺ عطا ہوتی ہے اور اس کی روحانیت اس کے دل پر غالب آ جاتی ہے پس وہ اسے اپنا امام' استاذ' معلم' شیخ اور پیشوا بنا دیتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا نبی' رسول اور ہادی بنایا۔

پس وہ آپ کی سیرت اور آپ کے ابتدائی امور اور کیفیت نزول وحی کا مطالعہ کرتا اور آپ کی صفات' اخلاق' آداب' حرکات اور سکون' بیداری' نیند' عبادت اور اہل و اصحاب کے ساتھ معاشرت وغیرہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ان سب چیزوں کی پہچان حاصل کرتا ہے اور ان میں سے بعض کا ذکر کیا گیا حتیٰ کہ وہ یوں ہو جاتا ہے کہ گویا وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ آپ کے بعض صحابہ کرام میں سے ہے۔ (مدارج السالکین ج ۳ ص ۲۶۷' ۲۶۸)

جب اس کے دل میں یہ بات مضبوط ہو جاتی ہے تو اس پر اپنے رب کی طرف سے یوں حقائق کھلتے ہیں کہ جب کوئی سورت پڑھتا ہے تو اس کا دل مشاہدہ کرتا ہے کہ اس میں کیا اترا اور اس سورت کے ذریعے کس بات کا ارادہ کیا گیا ہے اس سے اس کے لئے کونسا حصہ مختص ہے یعنی صفات اخلاق اور افعال مذمومہ پس وہ ان سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے جس طرح مرض اور خوف سے شفا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

محبتِ رسول ﷺ کی علامات

نبی اکرم ﷺ کی محبت کی کچھ علامات ہیں۔

(۱) آپ کی اقتدا

سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ آپ کی اقتدا آپ کی سنت کو اپنانا' آپ کے راستے پر چلنا آپ کی سیرت طیبہ سے رہنمائی لینا اور آپ کی شریعت کی حدود پر ٹھہر جانا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: ۳۱)

آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

پس اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی اتباع کو بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت قرار دیا۔ اور رسول اکرم ﷺ کی اچھی طرح اتباع کی جزاء بندے کے لئے اپنی محبت کو قرار دیا۔

حکیم محمود وراق نے کہا جیسا کہ محاسبی نے اپنی کتاب ''القصد والرجوع'' میں ذکر کیا:

تعصی الالہ وانت تظہر حبہ — ھذا لعمری فی القیاس بدیع
لو کان حبک صادقا لا طعتہ — ان المحب لمن یحب مطیع

''تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہو اور اس کی محبت بھی ظاہر کرتے ہو مجھے زندگی کی قسم یہ قیاس میں عجیب بات ہے اگر تمہاری محبت سچی ہوتی تو تم اس کی اطاعت کرتے کیونکہ محب جس سے محبت کرتا ہے اس کا حکم مانتا ہے''۔

(الاعلام ج ۷ ص ۱۶۷ فوات الوفیات ج ۴ ص ۹۷ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۸۷ طبقات ابن المعتز ص ۳۶۷) (الشفاء ج ۲ ص ۹)

اور یہ محبت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی ظاہری و باطنی نعمتوں کے احسان کا مطالعہ کرے جس قدر اس احسان کو دیکھے گا اسی قدر محبت مضبوط ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کے احسان کا سب سے بڑا مطالعہ یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی محبت' اس کی معرفت اور اس کے محبوب ﷺ کی اتباع کا اہل بنائے اور اس نور کا اصل اللہ تعالیٰ اس بندے کے دل میں ڈالتا ہے پس جب یہ نور چکر کاٹتا ہے تو اس کے لئے اس کی ذات روشن ہو جاتی ہے پس وہ اپنے نفس میں اور جس کا اسے اہل بنایا گیا کمالات اور محاسن دیکھتا ہے پس اس سے اس کی ہمت بلند اور عزیمت مضبوط ہوتی ہے اور اس سے نفس و طبیعت کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں کیونکہ نور اور ظلمت جمع نہیں ہو سکتے مگر یہ کہ ان میں سے ایک کو چھوڑ دیا جائے اس وقت روح' ہیبت اور انس کے درمیان محبوب اول کی طرف جاتی ہے:

نقل فوادک حیث شئت من الهوی ما الحب الا للحبیب الاول

کم منزل فی الارض یألفه الفتی وحنینه ابدا لاول منزل

''تم اپنے دل کو جس خواہشات کی طرف چاہو لے جاؤ لیکن محبت تو پہلے محبوب کے لئے ہے زمین میں کتنے مقامات ہیں جن سے نوجوان محبت کرتا ہے لیکن ہمیشہ وہ پہلی منزل کی طرف ہی رجوع کرتا ہے''۔

اور اس اتباع کے حساب سے محبت اور محبوبیت دونوں اکٹھے واجب ہوتے ہیں اور معاملہ ان دونوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتا پس شان یہ نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرو بلکہ شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے اور وہ تم سے محبت نہیں کرے گا مگر جب تم ظاہری و باطنی طور پر اس کے محبوب کی اتباع کرو اس کی خبر کی تصدیق کرو اس کا حکم مانو' اس کی دعوت قبول کرو اور خوشی خوشی اسے ترجیح دو اس کے حکم کے مقابلے میں اس کے غیر کے حکم سے اس کی محبت میں غیر کی محبت اور اس کی اطاعت میں غیر کی اطاعت سے اپنے آپ کو فنا کر دو اگر ایسا نہ ہو تو پھر تھکاوٹ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ تم کسی راہ پر نہیں ہو۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی: ''فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (آل عمران: ۳۱) تم میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا'' میں غور کرو شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے یہ نہیں کہ تم اس سے محبت کرو اور یہ درجہ اس محبوب ﷺ کی اتباع کے بغیر نہیں پا سکتے۔

محاسبی نے اپنی کتاب ''القصد والرجوع'' میں فرمایا:

بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر چلے اور اس کے رسول ﷺ کی سنتوں کو اختیار کرے پس جب بندہ ایمان کی مٹھاس چکھتا اور اس کا ذائقہ محسوس کرتا ہے تو اس کے ثمرات' اس کے اعضاء اور زبان پر جاری ہوتے ہیں پس زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس سے متعلق امور کو میٹھا سمجھتی ہے اور اعضاء اس کی اطاعت

کے لئے جلدی کرتے ہیں اس وقت ایمان کی محبت دل میں اس طرح داخل ہوتی ہے جس طرح سخت گرمی کے دن سخت پیاس میں بہت ٹھنڈا پانی اچھا لگتا ہے اس وقت عبادت کی تھکاوٹ اس (عبادت) کی لذت کے باعث ختم ہو جاتی ہے بلکہ عبادات اس کے دل کی غذا' خوشی کا سبب اور آنکھوں کی ٹھنڈک اور روح کی لذت بن جاتی ہیں اور ان عبادات کے ذریعے وہ جسمانی لذتوں سے بھی بڑی لذت محسوس کرتا ہے پس وہ عبادات کے وظائف میں کوئی تکلیف محسوس نہیں کرتا۔

''جامع ترمذی میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ومن احیا سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ.

اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا تحقیق اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۲۶۷۸)

حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص آداب سنت کو اپنے نفس پر لازم کر لے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نور معرفت سے منور کر دیتا ہے اور محبوب ﷺ کے اوامر و نواہی اور افعال و اخلاق کی اتباع سے بڑھ کر عزت کا کوئی مقام نہیں۔

ابو اسحاق الرقی رحمہ اللہ (ابراہیم بن داؤد القصار جو شام کے بڑے مشائخ میں سے اور) حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے ہم عصر تھے فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت اس کی عبادت کو ترجیح دینا اور اس کے نبی ﷺ کی اتباع کرنا ہے۔ (المنتظم ج ۱۳ ص ۳۷۴)

دوسرے حضرات سے منقول ہے کہ کسی شخص پر نور ایمان سنت کی اتباع اور بدعت سے اجتناب کے بغیر ظاہر نہیں ہوتا۔

اور جو شخص کتاب و سنت سے منہ پھیر لے اور مشکوٰۃ رسول ﷺ سے علم حاصل نہ کرے اور علم لدنی کا دعویٰ کرے تو اسے نفس و شیطان کی طرف سے یہ علم ملتا ہے اور علم لدنی روحانی کی پہچان یہ ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی اس شریعت کے مطابق ہو جو آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں پس علم لدنی کی دو قسمیں ہیں علم لدنی رحمانی اور علم لدنی شیطانی اور معیار وحی ہے اور رسول اکرم ﷺ کے بعد وحی نہیں ہے۔

جہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ کا تعلق ہے تو اس کو علم لدنی کے ذریعے علم وحی سے بے نیازی کی دلیل بنانا الحاد و کفر ہے ایسا شخص اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور یہ عقیدہ خون بہانے یعنی اس کے قتل کا موجب ہوتا ہے (یعنی اس کا قتل جائز ہو جاتا ہے کیونکہ وہ مرتد ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کی طرف مبعوث نہیں کیا گیا تھا اور نہ ہی حضرت خضر علیہ السلام کو آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا اگر ان کو حکم ہوتا تو ان پر واجب تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہجرت کرتے اور ان کے ساتھ رہتے اسی لئے حضرت خضر علیہ السلام نے پوچھا آپ بنی اسرائیل کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا ''ہاں''۔ (قصص الانبیاء ج ۲ ص ۱۳۱)

اور حضرت محمد ﷺ تمام جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے پس آپ کی رسالت ہر زمانے کے جنوں اور انسانوں کو شامل ہے اور اگر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام زندہ ہوتے تو وہ بھی آپ کی اتباع کرنے والوں میں شامل ہوتے۔

پس جو شخص دعویٰ کرے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھ اس طرح ہیں جس طرح حضرت خضر علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے یا وہ امت کے کسی فرد کے لئے اس بات کو جائز قرار دے تو اسے اسلام کی تجدید کرنی چاہیے نیز وہ حق کی شہادت دے (کلمہ شہادت پڑھے) کیونکہ وہ مکمل طور پر دین سے جدا ہو گیا خاص اولیاء کرام میں سے ہونا تو دور کی بات ہے وہ تو شیطان کے دوستوں' ساتھیوں اور نائبوں میں سے ہے۔

علم لدنی رحمانی بندگی اور نبی اکرم ﷺ کی اتباع کا نتیجہ ہوتا ہے اس سے کتاب و سنت کی سمجھ ایسے امر کے ساتھ حاصل ہوتی ہے جس کے ساتھ وہ شخص خاص ہوتا ہے جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اکرم ﷺ نے آپ کو کوئی خصوصی بات بتائی ہے جو کسی اور کو نہ بتائی ہو؟ آپ نے فرمایا نہیں البتہ وہ فہم (سمجھ) جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنی کتاب کے سلسلے میں عطا کرتا ہے پس یہ علم لدنی حقیقی ہے۔

پس نبی اکرم ﷺ کی اتباع دلوں کی حیات' بصیرتوں کا نور' دلوں کی شفاء' نفسوں کے باغات' ارواح کی لذت وحشت زدہ لوگوں کا انس اور حیران لوگوں کی رہنما ہے۔

(۲) شریعت پر راضی رہنا

نبی اکرم ﷺ کی محبت کی علامات میں سے یہ بات بھی ہے کہ اس محبت کا دعویٰ کرنے والا آپ کی شریعت پر راضی ہو حتیٰ کہ اپنے نفس میں آپ کے فیصلے سے کوئی تنگی محسوس نہ کرے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاO (النساء:۶۵)

تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم! یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ تمہیں کو اپنے جھگڑوں میں فیصل تسلیم کریں پھر تمہارے فیصلے سے اپنے نفسوں میں تنگی محسوس نہ کریں اور اچھی طرح تسلیم کریں۔

پس جو شخص آپ کے فیصلے سے اپنے سینے میں تنگی محسوس کرے اور اسے تسلیم نہ کرے اس سے ایمان کا نام سلب ہو جاتا ہے۔

شیخ المحققین امام العارفین تاج الدین بن عطاء اللہ شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے مشرب کی مٹھاس ہمیں چکھائے فرماتے ہیں اس آیت میں اس بات پر دلالت ہے کہ حقیقی ایمان اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جو قول' فعل' اختیار کرنے' چھوڑنے' محبت اور بغض ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو حاکم مانے اور یہ بات تکلیف اور تعریف دونوں کے حکم کو شامل ہے اور ہر مومن پر لازم ہے کہ وہ دونوں باتوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔

پس تکلیف کے احکام اوامر ونواہی ہیں جو بندوں کے کسب سے تعلق رکھتے ہیں اور تعریف کے احکام مراد کا فہم ہے جو عطا کیا جائے اس سے واضح ہوا کہ حقیقت ایمان دو باتوں سے حاصل ہوتی ہے اس کے حکم پر عمل کرنا اور جو کچھ اس نے لازم کیا اس کے سامنے سر جھکا دینا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو حضور علیہ السلام کے فیصلے کو نہیں مانتے یا مانتے ہیں لیکن دل میں حرج بھی محسوس

کرتے ہیں صرف ایمان کی نفی نہیں کی بلکہ اس پر اس ربوبیت کی قسم کھائی جو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے یہ آپ پر شفقت وعنایت ہے اور تخصیص رعایت کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ نہیں فرمایا:

فلا والرب. رب کی قسم ہے۔

بلکہ فرمایا:

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ. (النساء:٦٥) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مؤمن نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ تمہیں اپنے جھگڑوں میں فیصل تسلیم کریں۔

اس میں قسم کے ساتھ تاکید ہے اور قسم میں بھی تاکید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ انسانی نفس غلبہ کی محبت اور مدد کے وجود میں لپٹے ہوئے ہیں چاہے حق ان کے خلاف ہو یا ان کے ساتھ۔ اس میں نبی اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی عنایت کو بھی ظاہر کیا گیا کہ آپ کے فیصلے کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور آپ کے حکم کو اس کا حکم قرار دیا گیا۔

پس بندوں پر لازم کیا گیا کہ وہ آپ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور ان کا اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے پر ایمان اس وقت تک قبول نہیں ہوگا جب تک وہ رسول اکرم ﷺ کے حاکم ہونے پر یقین نہ رکھیں۔ کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ○ (النجم:٣۔٤) اور وہ (نبی اکرم ﷺ) اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے یہ تو وحی ہے جو آپ کی طرف کی جاتی ہے۔

پس آپ کا حکم اللہ تعالیٰ کا حکم اور آپ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔

جیسا کہ ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ. (الفتح:١٠) بے شک وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

اور اس بات کو اس ارشادِ گرامی سے موکد کیا۔

یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ. (الفتح:١٠) اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

اس آیت میں آپ کی قدر و منزلت کی تعظیم کی طرف ایک اور اشارہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول ''فلا وربک'' (آپ کے رب کی قسم ہے) تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی اضافت آپ کی طرف کی جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا:

کٓهٰیٰعٓصٓ ○ ذِکْرُ رَحْمَةِ رَبِّکَ عَبْدَهٗ زَکَرِیَّا ○ (مریم:١۔٢) یہ ذکر ہے تیرے رب کی اس رحمت کا جو اس نے اپنے بندہ زکریا پر کی۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات مبارکہ کو نبی اکرم ﷺ کی طرف مضاف کیا تاکہ بندوں کو دونوں مرتبوں کے درمیان فرق معلوم ہو جائے (نبی اکرم ﷺ کے ذکر اور حضرت زکریا علیہ السلام کے ذکر میں فرق سے ان کے مراتب میں فرق واضح ہے)۔

پھر اللہ تعالیٰ نے صرف ظاہری تحکیم (حاکم بنانے اور سمجھنے) پر اکتفاء نہیں فرمایا کہ اس سے وہ مؤمن ہو جائیں بلکہ حرج نہ ہونے کی شرط رکھی اور وہ آپ کے احکام سے دلوں کا تنگ ہونا ہے چاہے وہ حکم ان کی خواہشات کے موافق ہو یا

مخالف' اور دل تب تنگ ہوتے ہیں جب انوار سے خالی ہوں اور غیر کا ڈیرہ ہو اس وقت حرج یعنی تنگی ہوتی ہے اور مؤمنین کا معاملہ اس طرح نہیں ہے کیونکہ نور ایمان نے ان کے دلوں کو بھر دیا پس وہ کشادہ ہو گئے اور کھل گئے۔ پس وہ دل' وسعت عطا کرنے والے جاننے والے کے نور سے وسیع ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم سے کشادہ کئے گئے اور وہ ان خیالات محمودہ کے لئے تیار ہوتے ہیں جو ان پر وارد ہوئے ہیں اور ان کو توڑنا یا عمل میں لانا اس کے اختیار میں ہوتا ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص تمام احوال میں رسول اکرم ﷺ کی ولایت کو سامنے نہ رکھے اور نفس کا مالک خود کہلائے وہ آپ کی سنت کی حلاوت نہیں پاتا کیونکہ آپ نے فرمایا:

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ.	تم میں سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ میں اس کے نزدیک اس کے نفس سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

حضرت سیدنا عارف کبیر ابو عبداللہ قرشی رحمہ اللہ سے منقول ہے فرماتے ہیں حقیقتِ محبت یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو مکمل طور پر اپنے محبوب کے حوالے کر دو اور تمہاری کوئی چیز تمہارے لئے باقی نہ رہے۔

پس جو شخص نبی اکرم ﷺ کو اپنی ذات پر ترجیح دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنے انوار منکشف کر دیتا ہے اور جو شخص کسی دوسری طرف میلان کے بغیر آپ کے ساتھ ہو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے انس کے اسرار سے پوشیدہ حقائق ظاہر ہوتے ہیں۔

(۳) آپ کے دین کی مدد کرنا

رسول اکرم ﷺ سے محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ اپنے قول و فعل سے آپ کے دین کی مدد کرے' آپ کی شریعت کا دفاع کرے اور سخاوت میں آپ کی سیرت طیبہ کو اپنائے بردباری' صبر' تواضع وغیرہ میں آپ کے نقش قدم پر چلے یعنی آپ کے تمام اخلاق جن کا ذکر ہو چکا ہے اپنے سامنے رکھے۔

عارف ابن عطاء اللہ رحمہ اللہ کے کلام کے حوالے سے اس سے زائد پہلے بیان ہو چکا ہے پس جو شخص اس سلسلے میں اپنے نفس سے مجاہدہ کرتا ہے وہ ایمان کی حلاوت پاتا ہے اور جو آدمی یہ حلاوت پاتا ہے وہ عبادت میں لذت محسوس کرتا ہے اور دین کے حوالے سے مشقت برداشت کرتا ہے اور اسے دنیوی اغراض پر ترجیح دیتا ہے۔ تو اے شخص! محبت کی قیمت میں سے پہلی نقدی روح کو خرچ کرنا ہے۔

(۴) مصائب برداشت کرنا

رسول اکرم ﷺ کی محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ مصائب پر صبر کرے کیونکہ اس محبت سے محب کو ایسی لذت حاصل ہوتی ہے کہ وہ مصائب کو بھول جاتا ہے اور ان مصائب سے دوسروں کو جو تکلیف پہنچتی ہے وہ اسے نہیں پہنچتی ہے گویا یہ اس کی طبیعت ثانیہ بن گئی طبعی اور فطری طور پر ایسا نہ تھا بلکہ محبت کا اس طرح غلبہ ہو جاتا ہے کہ وہ ان مصائب سے اس سے بھی بڑی لذت حاصل کرتا ہے جس قدر لذت ان مصائب سے خالی ہونے کی صورت میں حاصل نہیں ہوتی ذوق اور وجود اس بات پر شاہد ہیں پس محبت کرنے والے کے لئے تکلیف مٹھاس کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے اگر وہ اس مٹھاس کو نہ پائے تو اس تکلیف کا مشتاق ہو جاتا ہے جیسا کہ کہا گیا:

تشکی المحبون الصبابة لیتنی نحلت بما یلقون من بینهم وحدی
فکانت لقلبی لذة الحب کلها فلم یلقها قبلی محب ولا بعدی

''محبت کرنے والے شوق کی شکایت کرتے ہیں کاش مجھے وہ شوق وعشق کی تکلیف عطا ہوتی اور اس میں میرے ساتھ کوئی شریک نہ ہوتا بلکہ میں تنہا ہوتا پس محبت کی لذت تمام کی تمام میرے دل کے لئے ہوتی اور مجھ سے پہلے اور بعد کسی کو یہ نہ ملی ہوتی''۔

(۵) نبی اکرم ﷺ کے ذکر کی کثرت

رسول اکرم ﷺ کی محبت کی ایک نشانی آپ کا بکثرت ذکر ہے پس جو شخص کسی چیز سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر زیادہ کرتا ہے بعض حضرات نے فرمایا محبت' محبوب کو ہمیشہ یاد رکھنے کا نام ہے اور کسی دوسرے بزرگ کا قول ہے کہ جس قدر سانس ہیں ان کے مطابق محبوب کا ذکر کیا جائے۔

ایک اور صاحب کا قول ہے کہ محبّ کے لئے تین علامات ہیں ایک یہ کہ اس کا کلام محبوب کا ذکر ہو' خاموشی محبوب کی فکر اور عمل اس کی فرمانبرداری ہو۔

محاسبی فرماتے ہیں محبت کرنے والوں کی علامت محبوب کا ہمیشہ ذکر کرنا ہے کہ نہ وہ اسے منقطع کریں نہ تھکاوٹ محسوس کریں اور نہ اکتائیں۔

دانا لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص جس چیز سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر زیادہ کرتا ہے پس محبت کرنے والوں کے دلوں پر محبوب کا ذکر ہی غالب ہوتا ہے وہ اس کے بدل یا اس سے پھر جانے کا ارادہ نہیں کرتے اگر وہ محبوب کے ذکر کو چھوڑ دیں تو ان کی زندگی پریشانی کا شکار ہو جائے اور لذت حاصل کرنے والے محبوب کے ذکر سے زیادہ کسی چیز سے لذت حاصل نہیں کرتے۔

محبت کرنے والوں کے دل لذتوں کو چھوڑ کر ذکر محبوب کو لازم کرنے میں مشغول ہو گئے اور ان کے وہم شہوتوں کے داعی امور پیش آنے سے منقطع ہو گئے اور وہ ذخائر کی کانوں اور طلبات کی تلاش میں اوپر کی طرف چلے گئے اور بعض اوقات محبّ کا وجد زیادہ ہو جاتا ہے' شوق بڑھ جاتا ہے' رونے کی آواز آتی ہے اور وجد' حرکت کی صورت اختیار کرتا ہے' رنگ بدل جاتا ہے' اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے ہیں' بدن ٹوٹنے لگتا ہے اور جسم پر بال کھڑے ہو جاتے ہیں بعض اوقات وہ چیختا ہے اور کبھی روتا ہے' کبھی سانس اکھڑتا ہے اور بعض اوقات عقل زائل ہو جاتی اور کبھی گر پڑتا ہے۔

حضرت سیدی محمد وفا رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا:

اذا اباح دم المهجور هاجره باح المحب بما تخفی ضمائره
ایکتم الحب صب باح مدمعه لما جری بالذی تخفی سرائره
کانما قلبه اجفان مقلته ودمعه فی اماقیه خواطره
یا جیرة الجزع هل من جیرة لفتی علیه فی حکمه قد جار جائره
آه وکم لی علی خطب الهوی خطب من الغرام به تعلو منابره

مھفھف ابلج بدر علی غصن	تخفی البدور اذا لاحت بوادرہ
مطرز الخد بالریحان فی ضرج	مورد آسہ تزھو ازاھرہ
مکحل الخلق ما تحصی خصائصہ	منضر الحسن قد قلت نظائرہ

''جب محبوب' عاشق کا خون مباح سمجھ لیتا ہے تو عاشق اپنے دل کی باتیں ظاہر کر دیتا ہے کیا وہ عشق جو آنسوؤں سے ظاہر ہو چکا ہے محبت کو چھپا سکتا ہے جب وہ اس محبت کی وجہ سے بہنے لگیں جس کا راز مخفی ہے گویا عاشق کا دل اس کی آنکھوں کی پلکیں ہیں اور اس کی آنکھوں میں آنسو اس کے خیالات ہیں۔

اے غموں کو برداشت کرنے والے! ہے کوئی پناہ دینے والا اس نوجوان کو جس پر ظالم (محبوب) نے اپنے فیصلے میں ظلم کیا آہ! مصیبت عشق پر میرے لئے کتنے حوادث ہیں کہ جن کے منبر بلند ہوتے جا رہے ہیں۔

وہ محبوب نرم و نازک جسم والا گویا چودھویں کا روشن چاند ہے جب اس محبوب کا چاند روشن ہو تو درخت کی شاخوں پر چاند چھپ جاتے ہیں رخساروں کو گل ریحان کی سرخی سے آرائش دیتی ہے اور اس کا گھاٹ پر سب سے پہلے اترنا اس کے حسن و جمال کو ظاہر کرتا ہے۔ مخلوق کے لئے مبداء فیض جس کی خوبیاں بے شمار ہیں حسین منظر والا جس کی مثال بہت کم ہے''۔

اور بعض محبّ پر وجد کا اضافہ ہوتا ہے اور وہ اسے ہلاک کر دیتا ہے محبت کی پہلی نقد قیمت روح کو پیش کرنا ہے مفلس بزدل اور اس کے بھاؤ لگانے والے کا کیا ہے؟ ان کا وصل محبّ کے خون کے بدلے میں بکتا ہے اللہ کی قسم! وہ اتنے کمزور نہیں کہ مفلس ان کی قیمت لگائیں اور نہ ان کا رواج ختم ہوا کہ تنگدست ان کو بطور ادھار خریدیں زیادہ قیمت لگانے والوں کے بازار میں پیش کرنے کے لئے ان کی قیمت لگائی گئی ہے پس ان کے لئے جانوں کا نذرانہ پیش کرنے سے کم قیمت پر رضامندی نہیں ہے پس جھوٹے لوگ پیچھے ہٹ گئے اور محبت کرنے والے کھڑے رہے کہ ان میں سے کون قیمت بننے کی صلاحیت رکھتا ہے پس سامان ان کے درمیان چکر کاٹتا ہے اور پھر ان کے ہاتھوں میں پڑتا ہے جن کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ ○ (المائدہ:۵۴)
وہ مؤمنوں کے لئے نرم اور کافروں پر غالب ہیں۔

جب محبت کا دعویٰ کرنے والے زیادہ ہو گئے تو ان سے صحتِ دعویٰ پر گواہی طلب کی گئی کیونکہ اگر لوگوں کو محض ان کے دعویٰ پر دیا جائے تو وہ شخص جو محبت سے خالی ہے وہ غمگین آدمی (محبّ) کے عمل کا دعویٰ کرے گا۔

پس شہادتیں مختلف ہو گئیں تو کہا گیا کہ یہ دعویٰ اس دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوگا۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:۳۱)
اے محبوب! تم فرما دو اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

پس ان میں سے بہت سے پیچھے ہٹ گئے پس محبوب کے افعال' اقوال اور اخلاق میں ان کی اتباع ثابت ہو گئی اب

ان سے گواہوں کے عادل ہونے کا مطالبہ کیا گیا کہ وہ اس صفت پر ہوں:

یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ. (المائدہ:۵۴) وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔

یہ سن کر اکثر محبین پیچھے ہٹ گئے اور مجاہدین کھڑے رہے پس ان سے کہا گیا کہ محبین کی جانیں اور مال ان کے اپنے نہیں ہوتے پس آؤ بیعت کرو:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ. (التوبہ:۱۱۱) بے شک اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں سے ان کی جانیں اور مال خرید لئے۔

پس جب انہوں نے خریدار (اللہ تعالیٰ) کی عظمت قیمت کی فضیلت اور جس کے ذریعے سودا ہو رہا ہے (یعنی نبی اکرم ﷺ) کی شان اور بزرگی کو جان لیا تو سامان کی قیمت بھی پہچان لی اور یہ کہ اس کی بہت بڑی شان ہے اور انہوں نے دیکھا کہ اگر اسے کھوٹے سکوں کے بدلے بیچیں تو بہت بڑا نقصان ہے پس وہ رضا مندی سے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بیعت رضوان میں بیٹھ گئے اور اپنا اختیار چھوڑ دیا اور کہا ہم اس سودے کو نہ تو واپس کرتے ہیں اور نہ واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں پس جب عقد مکمل ہو گیا اور مبیع (سامان جس کا سودا ہوا) ان کے حوالے کر دیا گیا تو ان سے کہا گیا تمہارے نفس اور تمہارے مال ہمارے ہوئے ہم نے تمہاری طرف ان سے زیادہ بلکہ اس سے کئی گنا مزید لوٹا دیا چنانچہ فرمایا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ. (آل عمران:۱۶۹۔۱۷۰) اور ہرگز ان لوگوں کو مردہ خیال نہ کرو جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو گئے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں ان کو رزق دیا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل پر خوش ہیں جو اس نے ان کو عطا فرمایا۔

پس نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہر حال میں ہمارے دلوں کی جلاء، سینوں کی شفاء اور زبانوں کی مٹھاس کا سبب ہے اگرچہ اوقات و ساعات مختلف ہوں تمام عبادات، جمعات، جماعتوں، خطبات، نمازوں اور تمام امور حتیٰ کہ خرید و فروخت، لین دین، صلح کے معاہدوں، عقدوں اور معاہدوں کے آغاز سب میں آپ کے ذکر سے شرف حاصل کیا جاتا ہے خصوصاً اللہ تعالیٰ کے ذکر اور دعا کے وقت کیونکہ آپ کے ذکر سے ہی قبولیت کے دروازے کھلتے ہیں۔

(۶) ذکر کے وقت آپ کی تعظیم

آپ کی محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ آپ کا ذکر کرتے وقت تعظیم ہو۔[1] نیز خشوع و خضوع کا اظہار کیا جائے جب آپ کا اسم گرامی سنے کیونکہ جو کوئی کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کے لئے جھک جاتا ہے جس طرح نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اکثر صحابہ کرام آپ کا ذکر کرتے ہوئے خشوع و خضوع اختیار کرتے اور ان کے جسموں پر بال کھڑے ہو جاتے اور وہ رونے لگتے اسی طرح اکثر تابعین اور ان کے بعد کے لوگ آپ کی محبت، شوق اور تعظیم و توقیر کے طور پر ایسا کرتے تھے۔

---

[1] اسی تعظیم کی وجہ سے مسلمان جب بارگاہ نبوی میں ہدیۂ سلام عرض کرتے ہیں تو کھڑے ہو جاتے ہیں کھڑا ہونا واجب نہیں لیکن تعظیم واجب ہے اور یہ اس کی ایک صورت ہے۔ ۱۲ ہزاروی

حضرت ابوابراہیم التجیبی فرماتے ہیں ہر مؤمن پر واجب ہے کہ جب آپ کا ذکر کرے یا اس کے سامنے آپ کا ذکر کیا جائے تو جھک جائے، خشوع ظاہر کرے، حرکت کی بجائے وقار اور سکون اختیار کرے اور آپ کی ہیبت و بزرگی کو پیش نظر رکھے جس طرح آپ کی (ظاہری) زندگی میں آپ کے سامنے ہونے کی صورت میں کرتا اور ان آداب کا خیال رکھے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کے بارے میں سکھائے ہیں۔

(الدیباج المذہب ج۱ص ۲۹۶، معجم المؤلفین ج۲ص ۲۲۹، کشف الظنون رقم الحدیث: ۱۴۶۷، سیر اعلام النبلاء ج۱۰ص ۱۶۳)

حضرت ایوب سختیانی رحمہ اللہ نبی اکرم ﷺ کے ذکر پر رو پڑے حتیٰ کہ ان کی اس حالت کو دیکھ کر ہم (پر رقت طاری ہو جاتی اور ہم) ان کے لئے رحمت کی دعا کرتے۔ (الاعلام ج۲ص ۳۸، حلیۃ الاولیاء ج۳ص ۳)

حضرت امام جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہ بہت خوش طبع اور تبسم فرمانے والے تھے لیکن جب نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہوتا ان کا رنگ پیلا پڑ جاتا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ کے پاس نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہوتا تو ان کے رنگ کو دیکھا جاتا گویا اس سے خون نکل گیا ہے اور ان کے منہ میں زبان خشک ہو جاتی یہ سب کچھ رسول اکرم ﷺ کی ہیبت کی وجہ سے ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہوتا تو وہ رو پڑتے حتیٰ کہ ان کی آنکھوں میں آنسو باقی نہ رہتے۔

حضرت ابن شہاب زہری رحمہ اللہ لوگوں سے بہت زیادہ میل جول رکھنے والے اور خوش خلق تھے لیکن جب ان کے پاس رسول اکرم ﷺ کا ذکر مبارک ہوتا تو گویا تم ان کو نہیں پہچانتے اور وہ تمہیں نہیں پہچانتے۔

حضرت صفوان بن سلیم رحمہ اللہ عبادت گزار مجتہدین میں سے تھے جب ان کے پاس نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہوتا تو وہ مسلسل روتے حتیٰ کہ لوگ ان کے پاس سے اٹھ جاتے اور ان کو چھوڑ دیتے۔

اور حضرت قتادہ (بن دعامہ مشہور تابعی مفسر ہیں) رحمہ اللہ جب حدیث سنتے تو رونے لگتے اور چیخ و پکار کرتے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (الشفاء ج۲ص ۴۲)

(۷) رسول اکرم ﷺ کی ملاقات کا شوق

نبی اکرم ﷺ کی محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ آپ کی ملاقات کا بہت زیادہ شوق ہو کیونکہ ہر محب اپنے محبوب سے ملاقات کا شوق رکھتا ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ محبت، محبوب کے شوق کا دوسرا نام ہے۔

حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں محبت، مشاہدۂ صفات کے ذریعے ذات کو ذہن میں حاضر کرنا ہے یا اسرار صفات کو دیکھ کر ذات کو دیکھے پس مسئول تک پہنچنا مقصود ہو چکا ہے قاصد کے مشاہدہ کے ذریعے ہو اسی لئے جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا شوق بڑھ جاتا اور محبت کی حرارت ان کو بے قرار کرتی تو وہ نبی اکرم ﷺ کا قصد کرتے اور آپ کی زیارت کے لئے مشقت برداشت کرتے اور آپ کی ہمنشینی آپ کی زیارت اور آپ سے برکت حاصل کرنے میں لذت محسوس کرتے۔ (الاعلام ج۷ص ۲۶۹، طبقات الصوفیہ ص ۸۳، فیات الاعیان ج۲ص ۱۰۴، صفۃ الصفوہ ج۲ص ۱۷۹، طبقات

الحنابلہ ج ۱ ص ۳۸۱، تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۹۹)

حضرت عبدہ بنت خالد بن معدان رحمہم اللہ فرماتی ہیں حضرت خالد رحمہ اللہ جب اپنے بستر پر جاتے تو نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام مہاجرین وانصار کے بارے میں اپنے شوق کا ذکر کرتے اوران کا نام لیتے۔[1]

وہ فرماتے یہ لوگ میری اصل اور میری زبان ہیں میرا دل ان کی طرف مائل ہے اوران کی طرف میرا شوق طویل ہے یااللہ جلد از جلد مجھے موت دے (تا کہ میں ان سے ملاقات کروں) پھران پر نیند غالب آجاتی۔

(الاعلام ج ۲ ص ۲۹۹، تاریخ دمشق ج ۵ ص ۸۶)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت ہوا تو ان کی زوجہ محترمہ نے کہا ہائے غم! انہوں نے فرمایا کیا خوشی ہے کل میں اپنے محبوبوں یعنی حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات کروں گا۔

جب محبّ، محبت کا مزہ چکھتا ہے تو اس کے دل میں محبت اور طلب کی آگ بھڑکتی ہے اور اسے شوق پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنے محبوب سے صبر کو بہت بڑا گناہ سمجھتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا:

والصبر یحمد فی المواطن کلها الا علیک فانه لا یحمد

"صبر ہر جگہ قابلِ تعریف ہوتا ہے لیکن تجھ سے صبر قابل تعریف نہیں"۔

حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک رات لوگوں کے حالات معلوم کرنے نکلے تو ایک گھر میں چراغ نظر آیا۔ آپ نے دیکھا ایک عورت سوت کات رہی ہے اور یوں کہتی ہے:

علی محمد صلاۃ الابرار صلی علیه الطیبون الاخیار
قد کنت قواما بکاء بالاسحار یالیت شعری و المنایا اطوار
هل تجمعنی و حبیبی الدار

"میری طرف سے حضرت محمد ﷺ پر ایسا درود ہو جیسا نیک لوگ پڑھتے ہیں آپ پر پاک اور بہترین لوگوں نے درود شریف پڑھا آپ سحری کے وقت بہت زیادہ کھڑے ہونے والے رونے والے تھے کاش مجھے علم ہوتا اور موت مختلف وقتوں میں آتی ہے کیا مجھے اور میرے محبوب حضرت محمد ﷺ کو دار آخرت جمع کرے گی"۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیٹھ کر رونے لگے پھر اس کے خیمے کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور تین مرتبہ "السلام علیکم" کہا۔ پھر فرمایا دوبارہ پڑھو اس نے غمگین آواز کے ساتھ ان اشعار کا اعادہ کیا آپ روئے اور اس سے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے عمر کو نہ بھولنا اس نے کہا اے بہت بخشنے والے! عمر رضی اللہ عنہ کو بخش دے۔

(الاعلام ج ۳ ص ۵۶، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳۲، طبقات المفسرین للداوودی ج ۱ ص ۱۸۲، شذرات الذهب ج ۱ ص ۱۹۴، الشفاء ص ۲۲)

منقول ہے کہ ایک عورت جو اپنے نفس پر زیادہ کرنے والی تھی موت کے بعد اسے دیکھا گیا تو پوچھا گیا اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا سلوک کیا؟ اس نے کہا مجھے بخش دیا پوچھا گیا کس وجہ سے؟ اس نے کہا نبی اکرم ﷺ کی محبت اور آپ کی زیارت کے شوق کی وجہ سے، پس آواز آئی جو شخص ہمارے محبوب کی زیارت کا خواہش مند ہو تو ہمیں حیا آتی ہے کہ ہم اسے جھڑک کر ذلیل کریں بلکہ ہم اسے اور اس کے محبوب کو اکٹھا کریں گے۔

---

[1] حضرت خالد بن معدان رحمہ اللہ نے ستر صحابہ کرام سے ملاقات کی۔ (زرقانی ج ۶ ص ۳۱۸)

(۸) قرآن مجید سے محبت

نبی اکرم ﷺ سے محبت کی ایک علامت قرآن مجید سے محبت ہے جسے آپ لائے' اس کے ذریعے راستہ پایا اور اس کو اپنی سیرت بنایا اگر تم معلوم کرنا چاہو کہ تمہارے پاس اور تمہارے غیر کے پاس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کس قدر ہے؟ تو اپنے دل میں قرآن مجید کی محبت کو دیکھو نیز یہ کہ تم قرآن سن کر اس سے زیادہ لذت حاصل کرتے ہو جتنی لذت کھیل کود اور گانے بجانے والے گانا سن کر پاتے ہیں کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ جو شخص کسی محبوب سے محبت کرتا ہے اس کا کلام اور باتیں اسے سب سے زیادہ پسند ہوتی ہیں جیسا کہ کہا گیا:

ان کنت تزعم حبی — فلم ھجرت کتابی
اما تاملت ما فیہ — من لذیذ خطابی

''اگر تو مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے تو تو نے میری کتاب کو کیوں چھوڑ رکھا ہے کیا تو نے اس میں میرے لذیذ خطاب میں غور نہیں کیا''۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اگر ہمارے دل پاک ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے کلام سے سیر نہ ہوتے اور محب کس طرح اپنے محبوب کے کلام سے سیر ہو سکتا ہے حالانکہ وہ اس کے مطلوب کی انتہاء ہے؟

نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا میرے سامنے قرآن مجید پڑھیں انہوں نے عرض کیا میں آپ کے سامنے پڑھوں حالانکہ یہ آپ پر نازل کیا گیا؟ آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ دوسرے آدمی سے سنوں چنانچہ انہوں نے شروع کیا اور سورۂ نساء پڑھنے لگے جب اس آیت پر پہنچے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَابِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا ۝ (النساء:۴۱)

پس کیسے ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور اے محبوب! تمہیں ان سب پر گواہ لائیں گے۔

آپ نے فرمایا بس کافی ہے انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا تو رونے کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کی مبارک آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۰۴۹۔۵۰۵۰۔۵۰۵۵۔۵۰۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۴۷۔۲۴۸' جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۰۲۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۱۹۴' مسند احمد ج۱ص۳۸۰۔۴۳۳' السنن الکبریٰ ج۱۰ص۲۳۱' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۲۱۹۵' اتحاف السادۃ المتقین ج۴ص۴۹۸' الدر المنثور ج۲ص۱۶۳' حلیۃ الاولیاء ج۷ص۲۰۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۶۶۸' کنز العمال رقم الحدیث:۲۸۲۶)

جو شخص دل کی اجازت سے قرآن مجید سنتا ہے اس کی یہی حالت ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ (المائدہ:۸۳)

اور جب وہ سنتے ہیں وہ کلام جو رسول ﷺ کی طرف اتارا گیا تو آپ دیکھیں گے کہ حق کو پہچاننے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔

عوارف المعارف میں ہے کہ:

یہی سماع، سچا سماع ہے جس میں دو ایمان والوں کا بھی اختلاف نہیں اور ایسا شخص ہدایت یافتہ ہے اس سماع کی حرارت یقین کے اولوں (برف) پر ڈالی جاتی ہے تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں کیونکہ بعض اوقات اس سے حزن (غم) پیدا ہوتا ہے اور غم گرم ہوتا ہے اور کبھی شوق جنم لیتا ہے اس میں بھی گرمی ہوتی ہے کبھی ندامت ہوتی ہے اور وہ بھی گرم ہوتی ہے جب یقین کی ٹھنڈک اور اولوں سے بھرپور دل والے شخص میں سماع سے یہ صفات پیدا ہوتی ہیں تو وہ روتا ہے اور رلاتا ہے کیونکہ حرارت اور ٹھنڈک کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو پانی نکلتا ہے پس جب سماع دل تک پہنچتا ہے تو بعض اوقات یہ نزول ہلکا ہوتا ہے تو جسم میں اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں'

ارشاد خداوندی ہے:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ: اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو (الزمر:۲۳) اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

اور کبھی اس کا وقوع بہت بڑا ہوتا ہے اور اس کا اثر دماغ کی طرف چڑھتا ہے تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں اور بعض اوقات روح کی طرف جاتا ہے تو روح موجزن ہوتی ہے اور قریب ہے کہ جسم کا بندھن تنگ پڑ جائے پس اس سے چیخ و پکار اور حرکت شروع ہو جاتی ہے یہ تمام ایسے احوال ہیں جن کو ارباب حال پاتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے وظیفہ میں جب کسی آیت سے گزرتے تو وعظ و عبرت سے آپ کی ہچکی بندھ جاتی اور آپ گر پڑتے اور ایک دو دن تک گھر میں بند ہو جاتے حتیٰ کہ آپ کی عیادت کی جاتی اور آپ کو بیمار شمار کیا جاتا۔

صحابہ کرام اکٹھے ہوتے اور ان میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہوتے تو وہ حضرات کہتے اے ابوموسیٰ! ہمارے سامنے ہمارے رب کا ذکر کیجئے پس وہ قرآن مجید پڑھتے اور باقی صحابہ کرام سنتے۔

سماع قرآنی سے محبت کرنے والے شیطانی سماع کی محبت رکھنے والوں سے زیادہ وجد' ذوق' لذت' حلاوت اور سرور حاصل کرتے ہیں پس جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اشعار سننے سے اسے وجد آتا ہے ذوق اور طرب پیدا ہوتا ہے جب کہ قرآن مجید کی آیات سن کر یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔ اور وہ خوش آوازی سنتا ہے قرآن مجید نہیں سنتا جیسا کہ کہا گیا ہم تمہارے سامنے قرآن مجید پڑھتے ہیں اور تم پتھر کی طرح جامد و ساکت ہو اور کوئی شعر پڑھا جائے تو نشے والے کی طرح ادھر ادھر جھکتے ہو۔ تو جان لو کہ یہ عمل اس بات کی نہایت مضبوط دلیل ہے کہ اس شخص کا دل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے فارغ ہے۔ [1]

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی محبت کی مٹھاس ہمیشہ عطا فرمائے اور اپنے احسان و رحمت کے ساتھ ہمیں اپنے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

---

[1] حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ کے مریدین قرآن سن کر وجد میں نہیں آتے جب کہ رباعیات سن کر وجد میں آتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے فرمایا قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کا ادراک مشکل ہے' رباعیات انسانوں کا کلام ہے اس کا سمجھنا آسان ہے نیز قرآن وعظ واحکام ہے اور انسان اس کا مکلف ہے اور آدمی جس بات کا مکلف بنایا جائے اس کو سن کر وجد میں نہیں آتا۔ (زرقانی ج ۶ ص ۳۲۱)

(۹) سنت کی محبت

نبی اکرم ﷺ کی محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ آپ کی سنت پر عمل اور آپ کی حدیث مبارک پڑھنے کی چاہت ہو بے شک جس آدمی کے دل میں ایمان کی چاشنی داخل ہو جب وہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں سے کوئی کلمہ یا کوئی حدیث رسول ﷺ سنتا ہے تو وہ اس کی روح' دل اور نفس میں جاگزیں ہو جاتا ہے۔شاعر کہتا ہے:

اشم منک نسیما لست اعرفہ　　اظن لمیاء جرت فیک اردانا

''میں تم سے نسیم صبح کی خوشبو سونگھتا ہوں لیکن میں اسے پہچانتا نہیں (کیونکہ اس سے پہلے میں نے ایسی خوشبو کبھی نہیں سونگھی) میں اسے گندمی رنگ کے ہونٹوں والی کے لباس سے جو تجھ تک پہنچا خیال کرتا ہوں''۔

پس یہ کلمہ (جو کلام الٰہی یا حدیث رسول ﷺ سے سنا) اس کو یوں گھیر لیتا ہے کہ اس کا ہر بال سماعت اور ہر ذرہ بصارت بن جاتا ہے پس کل کے ساتھ کل کو سنتا اور کل کے ساتھ کل کو دیکھتا ہے۔شاعر نے کہا:

لی حبیب خیالہ نصب عینی　　سرہ فی ضمائری مدفون

ان تذکرۃ فکلی قلوب　　او تاملتہ فکلی عیون

''میرا ایک محبوب ہے اس کا خیال میرا نصب العین ہے' اس کا راز میرے اندر مدفون ہے اگر میں اس کو یاد کروں تو میرا کل دل بن جاتا ہے اور اگر میں اس میں غور کروں تو میرا سب کا سب آنکھیں ہے''۔

اس وقت دل منور ہوتا ہے اور اس کا اندر روشن ہو جاتا ہے اور براہین ظاہر ہوتی ہیں تو تحقیق کی موجیں آپس میں ٹکراتی ہیں اور وہ محبوب کی توجہ کی سیرابی سے سیراب ہو جاتا ہے کہ محبوب کی توجہ سے بڑھ کر اسے سیراب کرنے والی کوئی چیز نہیں اور محبوب کے منہ پھیرنے سے زیادہ سخت جلانے والی اور ہیبت ناک چیز کوئی نہیں یہی وجہ ہے کہ جہنمیوں کے لئے جسمانی عذاب ہے۔زیادہ سخت عذاب اللہ تعالیٰ کے دیدار میں رکاوٹ ہوگی جس طرح اہل جنت کے لئے جسمانی نعمتوں سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار' اس کے خطاب کی سماعت' اس کی رضا اور اس کی توجہ ہوگی اللہ تعالیٰ ہمیں اس گھاٹ کی مٹھاس چکھنے سے محروم نہ فرمائے۔

(۱۰) نبی اکرم ﷺ کے ذکر کی چاہت

نبی اکرم ﷺ کی محبت کی علامات میں سے ایک بات یہ ہے کہ آپ کا محب آپ کے ذکر شریف سے لذت حاصل کرتا ہے اور جب آپ کا اسم گرامی سنتا ہے تو خوشی سے جھوم اٹھتا ہے اور بعض کی نشے جیسی حالت پیدا ہو جاتی ہے' جس میں اس کا دل' روح اور سماعت ڈوب جاتی ہے۔

اس نشے کا سبب وہ لذت ہے جو عقل پر غالب آ جاتی ہے اور لذت کا سبب محبوب کا ادراک ہے۔پس جب محبت مضبوط ہوگی اور اس محبوب کا ادراک بھی قوی ہوگا تو اس کے ادراک کی لذت ان دو باتوں کی قوت کے تابع ہوگی اگر عقل مضبوط مستحکم ہو تو اس میں تبدیلی نہیں آتی اور اگر کمزور ہو تو ایسا سکر پیدا ہوتا ہے جو اس عقل کو اس کے حکم (اس کے لائق امور) سے نکال دیتا ہے۔

علمائے طریقت نے سکر (حالت جذب) کی تعریف یہ کی ہے کہ حالت طرب میں صبر باقی نہ رہے گویا نشہ والے میں کچھ باقی ہے۔ جس سے وہ لذت حاصل کرتا اور جھومتا ہے پس ایسا شخص صبر نہیں کرسکتا اور اس کے ساتھ فنا بھی نہیں ہوتا۔

اور بعض اوقات سکر (نشہ) کا سبب محبوب کے ادراک کی خوشی کی قوت ہوتی ہے کہ اس کا کلام مخلوط اور افعال تبدیل ہوجاتے ہیں کہ اس کی عقل زائل ہوجاتی ہے اور شراب پینے والے کی نسبت اس کے اخلاق زیادہ برے ہوجاتے ہیں۔

اور بعض اوقات طبعی سبب کی بنیاد پر اس خوشی کا نشہ اسے ہلاک کردیتا ہے اور وہ دل کے خون کا یکدم پھیل جانا ہے اور یہ عام عادت کے خلاف ہوتا ہے اور خون ہی طبعی گرمی کو لاتا ہے پس اس (خون) کے پھیل جانے سے دل ٹھنڈا ہوجاتا ہے اور یوں موت واقع ہوجاتی ہے۔

ایک شخص جب جنگل میں اپنے جانور کو پاتا ہے لیکن اس کے خیال میں وہ مرچکا تھا تو وہ خوشی کے نشے میں کہتا ہے "یا اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں" تو وہ بہت زیادہ خوشی کی وجہ سے غلطی کرجاتا ہے اور خوشی کا نشہ شراب کے نشہ سے اوپر ہوتا ہے تم دل میں اس فقیر کی حالت کا تصور کرو جس کے پاس کچھ نہیں لیکن وہ دنیا کا عاشق ہے اس سے سخت عشق کرتا ہے اسے ایک بہت بڑا خزانہ مل جاتا ہے پس وہ مطمئن ہوکر اس پر قبضہ کرلیتا ہے تو اس کے نشے کا کیا عالم ہوگا یا جس سے غلام بہت بڑا مال لے کر کئی سالوں تک غائب رہے اور پھر اس کے انتظار کے بغیر تمام مال لے کر آجائے اور اس نے اس سے کئی گنا کمایا تو اس کے نشے کا عالم کیا ہوگا؟

ہم جس موضوع پر گفتگو کررہے ہیں اس میں سب سے زیادہ قوی سبب عجیب وغریب اور واضح الفاظ میں نبی اکرم ﷺ کی صفات پر مشتمل اشعار کی آوازوں کو سننا ہے یہ آواز جب کسی صلاحیت رکھنے والے محل تک پہنچتی ہے تو سننے والے کے نشے کے بارے میں نہ پوچھو۔ اس وقت یہ نشہ دو جہتوں سے پیدا ہوتا ہے۔

ایک یہ کہ ذاتی طور پر اس سے ایک مضبوط لذت لازم ہوتی ہے۔ جس سے عقل پر پردہ چھا جاتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نفس محبوب کی طرف اور اس کی جہت میں حرکت کرتا ہے اس وقت اس حرکت، شوق اور طلب کے ذریعے اور اس کے ساتھ ہی محبوب کو خیال میں لانے اور نفس میں حاضر کرنے نیز اس کی صورت کو دل کے قریب کرنے اور فکر پر اس کو غالب کرنے سے ایک عظیم لذت پیدا ہوتی ہے جو عقل کو ڈھانپ دیتی ہے اس وقت آوازوں کی لذت اور ادراک کی لذت جمع ہوجاتی ہیں پس روح پر ایسا نشہ چڑھتا ہے جو شراب کے نشے سے زیادہ عجیب، زیادہ پاکیزہ اور زیادہ لذیذ ہوتا ہے اور اس شخص کو شراب کے نشے سے زیادہ لذیذ نشہ حاصل ہوتا ہے۔

حضرت امام احمد وغیرہ رحمہم اللہ نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمائے گا اس آواز کے ساتھ میری بزرگی بیان کرو جس کے ساتھ دنیا میں میری بزرگی بیان کرتے تھے وہ کہیں گے کیسے بیان کروں وہ الفاظ تو تولے گیا ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں آپ پر لوٹاتا ہوں پس وہ عرش کے پائے کے پاس کھڑے ہوکر اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کریں گے تو جنت والے ان کی آواز سن کر جنتی نعمتوں کو چھوڑتے ہوئے ادھر مشغول ہوجائیں گے۔

اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ جب اپنے رب جل جلالہ کا کلام اور خطاب سنیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی ذات کریم کی زیارت بھی کریں گے تو دیدار الٰہی کی لذت ان کو جنت اور اس کی نعمتوں کو دیکھنے سے بے نیاز کردے گی تو یہ

ایسا معاملہ ہے کہ الفاظ اس کا ادراک نہیں کر سکتے اور اشارہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتا اور یہ ایسی صفت ہے کہ ہر کان میں داخل نہیں ہو سکتی ایسی موسلا دھار بارش ہے کہ ہر زمین کو سیراب نہیں کرتی ایسا چشمہ ہے کہ اس پر آنے والا ہر شخص اس سے پی نہیں سکتا ایسا سماع ہے کہ ہر سامع اس سے جھوم نہیں سکتا اور ایسا دستر خوان ہے کہ اس پر ہر طفیلی بیٹھ نہیں سکتا۔ مدارج السالکین میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا۔

محبت اور گناہ کا اجتماع

جو شخص ان مذکورہ بالا صفات سے موصوف ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے اس کی محبت کامل ہوتی ہے اور جو ان میں سے بعض کی مخالفت کرے اس کی محبت ناقص ہے لیکن وہ اس نام (محب ہونے) سے نہیں نکلتا اس پر دلیل یہ ہے کہ جس شخص کو شراب کی حد لگائی گئی اور بعض حضرات نے اس پر لعنت بھیجی اور کہا کہ یہ کس قدر (اس سزا کے لئے) لایا جاتا ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تلعنه فانه يحب الله ورسوله. اس پر لعنت نہ بھیجو یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے۔

تو باوجود اس گناہ کے صادر ہونے کے کہ نبی اکرم ﷺ نے بتایا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔[1]

اس میں ان لوگوں کا رد ہے جن کے خیال میں کبیرہ گناہ کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے کیونکہ اس پر لعنت سے نہی اور اس کے لئے دعا کا حکم ثابت ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۷۵ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۳۵۵۲۔۱۷۰۸۲ اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۶۲۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۳۷۴۹)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نہی کے ارتکاب اور اس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے ثبوت میں کوئی منافات نہیں یعنی دونوں باتیں جمع ہو سکتی ہیں اور جس شخص سے گناہ کا تکرار ہو جائے اس کے دل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت نکالی نہیں جاتی۔

اور ہو سکتا ہے نافرمانی کرنے والے کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت کا ثبوت اور اس کا باقی رہنا اس بات سے مقید ہو کہ جب وہ گناہ کے وقوع پر نادم ہو۔ یا جب اس پر حد نافذ کی جائے تو یہ اس کے اس مذکورہ گناہ کا کفارہ بن جائے بخلاف اس کے کہ جب اس سے یہ بات (ندامت وغیرہ) واقع نہ ہو تو گناہ کے تکرار سے اس بات کا ڈر ہے کہ اس کے دل پر مہر لگ جائے حتیٰ کہ اس سے یہ محبت سلب کر لی جائے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے معافی، اس کی محبت پر ثابت قدمی اور اس کی رحمت و احسان سے اس کے راستے پر چلنے کا سوال کرتے ہیں۔

---

[1] ایک شخص جس کا نام عبداللہ تھا اور حمار لقب تھا وہ رسول اکرم ﷺ کو ہنسایا کرتا تھا (ایسی گفتگو کرتا کہ آپ تبسم فرماتے) اور شراب نوشی پر آپ اسے کوڑے لگانے کا حکم دیتے ایک دن اسے لایا گیا تو ایک دوسرے شخص نے کہا یا اللہ! اس پر لعنت بھیج یہ کس کثرت کے ساتھ لایا جاتا ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اس پر لعنت نہ بھیجو یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے (زرقانی ج ۶ ص ۳۲۳) معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والے اگر کبھی گناہ کا ارتکاب کریں تو ان کے لئے اچھے الفاظ استعمال کئے جائیں یقیناً کسی وقت محبت خداوندی اور محبت رسول ان کو نیک اعمال کی راہ دکھائے گی۔ ۱۲ ہزاروی

محبت اور خلت میں فرق

علماء کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ محبت کا درجہ زیادہ بلند ہے یا خلت (خلیل ہونے) کا درجہ بلند ہے۔
حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ بعض حضرات نے دونوں کو برابر قرار دیا ہے پس حبیب وہی ہو سکتا ہے جو خلیل بھی ہو اور خلیل وہی ہوگا جو حبیب بھی ہو لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلت اور حضرت محمد ﷺ کو محبت کے ساتھ خاص کیا گیا۔
بعض حضرات نے فرمایا کہ خلت کا درجہ زیادہ بلند ہے انہوں نے اس حدیث شریف سے استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لو کنت متخذا خلیلا غیر ربی لا تخذت ابا بکر خلیلا.

اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۴، الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۵۴، الشفاء ج ا ص ۴۱۲، البدایۃ والنہایہ ج ۵ ص ۲۲۹، الموضوعات ج ا ص ۳۶۷)
پس آپ نے ان کو خلیل نہیں بنایا اور محبت کا لفظ حضرت فاطمہ، ان کے دونوں صاحبزادوں اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہم کے لئے استعمال فرمایا۔
معنیٰ اخص (یعنی خلت) سے یہی ظاہر ہے کیونکہ محبت، خلت کے معنیٰ سے ماخوذ ہے لیکن اس پر واقعہ معراج کے حوالے سے اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ سے فرمایا۔ اے محمد! ﷺ سوال کیجئے تو آپ نے عرض کیا اے میرے رب! تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں آپ کو اس سے بہتر وصف عطا نہ کروں؟ (یہاں تک کہ فرمایا) میں نے آپ کو حبیب بنایا جو اس کے معنیٰ میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت کا درجہ زیادہ بلند ہے۔
جن حضرات نے مقام محبت کو مقام خلت پر فضیلت دی ہے انہوں نے کئی وجوہ سے فرق کیا ہے حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "الشفاء میں" امام ابوبکر بن فورک سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا انہوں نے بعض متکلمین سے نقل کیا۔

ا۔ خلیل بالواسطہ پہنچتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (الانعام: ۷۵)

اسی طرح ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ بادشاہی دکھاتے ہیں۔

اور حبیب بلاواسطہ پہنچتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ○ (النجم: ۹)

پس دو کمانوں کا فاصلہ تھا یا اس سے بھی زیادہ قریب۔

۲۔ خلیل نے کہا:

وَلَا تُخْزِنِيْ. (الشعراء: ۸۷)

اور مجھے رسوا نہ کرنا۔

اور حبیب کے لئے کہا گیا:

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ. (التحريم:٨) — جس دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو رسوا نہیں کرے گا۔

۳۔ خلیل نے مشکل میں کہا:

حَسْبِيَ اللّٰهُ. (الزمر:٣٨) — مجھے اللہ کافی ہے۔

اور حبیب کے لئے کہا گیا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ. (الانفال:٦٤) — اے نبی! آپ کو اللہ کافی ہے۔

۴۔ خلیل وہ ہے جس کی مغفرت طمع کی صورت میں ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ (الشعراء:٨٢) — اور مجھے اس بات کی امید ہے کہ وہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دے گا۔

اور حبیب کی مغفرت حدِ یقین میں ہے' فرمایا:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ. (الفتح:٢) — تا کہ آپ کے سبب آپ کے اگلوں پچھلوں کے گناہ بخش دے۔

میری (مصنف علیہ الرحمہ کی) کتاب ''تحفة السامع والقاری بختم حجج البخاری'' میں کچھ دوسری وجوہ بھی ہیں جو قاضی عیاض رحمہ اللہ کی بیان کردہ وجوہ کے علاوہ ہیں۔

اور یہ تمام محل نظر ہیں جیسا کہ میں نے ''حاشیۂ شفا میں'' بیان کیا ہے اس لئے کہ دو چیزوں کے درمیان فرق کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی ذاتوں کی تعریف میں فرق ہو یعنی خلیل اور حبیب کے مدلول میں فرق ہو اور جو کچھ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے نقل کیا اور میں نے ''التحفہ'' میں ذکر کیا وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات پر فضیلت کا تقاضا کرتا ہے۔

اعتراض

یہ بات محض ذاتی نہیں بلکہ اس میں وصف خلت ملحوظ ہے اس لئے یہ فرق لازم آیا۔

جواب: دونوں شخصیتوں کے لئے خلت اور محبت دونوں باتیں ثابت ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وصف محبت کو سلب نہیں کیا جا سکتا۔ خاص طور پر جب کہ خلت' محبت سے زیادہ خاص ہے اور نبی اکرم ﷺ سے وصف خلت کو سلب نہیں کیا جا سکتا خاص طور پر جب کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی نبی اکرم ﷺ کے لئے ثابت ہے:

انی اتخذتک خلیلا. — میں نے آپ کو اپنا خلیل بنایا۔

(نوٹ) جامع ترمذی میں یوں ہے ''ان صاحبکم خلیل الرحمن بے شک تمہارا ساتھی رحمٰن کا خلیل ہے''۔

اور اس بات پر اجماع ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر بلکہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق پر مطلق فضیلت حاصل ہے۔

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ خلیل کو بالواسطہ وصل حاصل ہوتا ہے تو اس مقام پر جو غرض ہے اس کا فائدہ اس بات سے حاصل نہیں ہوتا اور اس سے معرفت تک رسائی مراد ہے کیونکہ حسی طور پر اللہ تعالیٰ کا پہنچنا محال ہے۔

اور یہ بات کہ حبیب ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تک رسائی بلاواسطہ ہی ہوتی ہے وہ حبیب ہو یا خلیل۔

اور یہ بات کہ خلیل وہ ہوتا ہے جو مغفرت کی طمع رکھتا ہے تو یہ بات خلیل کی تفسیر کے طور پر صحیح نہیں اور اس کے معنیٰ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

مذکورہ بالا تین وجوہ فرق میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ذاتی طور پر فضیلت عطا کی گئی اور اس میں علت معنویہ یعنی وصف محبت یا وصف خلت کا لحاظ نہیں رکھا گیا اور حق یہ ہے کہ خلت' محبت سے اعلیٰ' اکمل اور افضل ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ بعض لوگ جو غلط طریقے پر ہیں ان کا یہ خیال کہ محبت' خلت سے اکمل ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام' اللہ تعالیٰ کے خلیل اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے حبیب تھے تو یہ ان لوگوں کی جہالت ہے کیونکہ محبت عام اور خلت خاص ہے اور خلت' محبت کی انتہا ہے۔

ابن قیم نے کہا نبی اکرم ﷺ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلیل بنایا اور آپ نے اس بات کی نفی فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی آپ کا خلیل ہو اور اس کے ساتھ ساتھ آپ نے یہ خبر بھی دی کہ آپ کو حضرت عائشہ' ان کے والد (حضرت ابوبکر صدیق)' حضرت عمر بن خطاب اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت ہے نیز اللہ تعالیٰ خوب توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا اور خوب پاکیزگی حاصل کرنے والوں کو محبوب بناتا ہے صبر کرنے والوں' نیکی کرنے والوں' متقی لوگوں اور انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی خلت دو خلیلوں (حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نبی اکرم ﷺ) کے ساتھ خاص ہے۔

ابن قیم نے کہا ان لوگوں کا قول (کہ محبت' خلت سے اکمل ہے) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بارے میں علم اور سمجھ کی کمی کے باعث ہے۔

شیخ بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ نے قصیدہ بردہ شریف کی شرح میں فرمایا کہ بعض لوگوں کے خیال میں محبت' خلت سے افضل ہے اور انہوں نے کہا حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے حبیب اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ خلت خاص ہے اور وہ محبت کا کسی کے لئے خاص ہونا ہے جب کہ محبت عام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ. (البقرہ:۲۲۲) بے شک اللہ تعالیٰ خوب توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں یہ بات صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو خلیل بنایا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔

تنبیہ

لفظ خلیل، خلت سے مشتق ہے (خاء پر زبر ہے) اور اس کا معنیٰ حاجت ہے یا خُلت (خاء پر پیش) سے مشتق ہے اور اس کے معنیٰ خاص دوستی ہے یا خلل سے مشتق ہے ثعلب نے کہا خلیل کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ ایسی دوستی جو دل کے اندر داخل ہوتی ہے اور یہ شعر پڑھا:

قد تخللت مسلک الروح منی و بذا سمی الخلیل خلیلا

''تم میرے اندر روح کی طرح داخل ہوا اسی لئے خلیل کو خلیل کہا جاتا ہے''۔

امام راغب نے کہا الخلۃ (زبر کے ساتھ) نفس کو لاحق ہونے والے خلل کو کہا جاتا ہے اور وہ خلل یا تو کسی چیز کی خواہش ہے یا اس چیز کی حاجت سے ہوتا ہے اسی لئے خلہ کی تفسیر حاجت سے کی جاتی ہے اور پیش کے ساتھ خُلہ پڑھنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ یہ محبت نفس کے اندر داخل ہوتی ہے یا اس کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں یا اس لئے کہ یہ نفس میں داخل ہو کر اس طرح اثر کرتی ہے جس طرح تیر اس چیز میں اثر کرتا ہے جس میں لگتا ہے یا اس کی زیادہ حاجت کی وجہ سے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

فصل نمبر ۲

بارگاہِ نبوی میں ہدیۂ صلوٰۃ وسلام پیش کرنا

درود پڑھنا کب فرض اور کب سنت ہے، فضیلت، صفت اور محل کیا ہے؟

صلوٰۃ (درود) کا معنیٰ

ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا○ (الاحزاب:۵۶)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

ابو العالیہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنا فرشتوں کے سامنے آپ کی تعریف کرنا ہے اور فرشتوں کا درود پڑھنا یہ ہے کہ وہ آپ کے لئے دعا مانگتے ہیں۔

''فتح الباری میں'' فرمایا کہ سب سے بہتر قول یہی ہے پس اللہ تعالیٰ کے درود بھیجنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی تعریف فرماتا اور آپ کی عظمت کو بیان کرتا ہے اور فرشتوں وغیرہ کا درود بھیجنا یہ ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ سے اسی بات (ثناء اور تعظیم) کا مطالبہ کرتے ہیں اور مراد یہ ہے کہ یا اللہ تعالیٰ مزید درود بھیج محض درود بھیجنے کا مطالبہ نہیں کرتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں فرشتوں کا درود بھیجنا، برکت کی دعا کرنا ہے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت

مقاتل بن حیان رحمہ اللہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا درود بھیجنا مغفرت ہے اور فرشتوں کا درود بھیجنا طلب مغفرت ہے۔

(تذکرۃ حفاظ ج اص ۱۷۴' طبقات المفسرین ج ۲ص ۳۲۹' میزان الاعتدال ج ۴ص ۱۷۱)

ضحاک بن مزاحم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود اس کی رحمت ہے ان ہی سے ایک روایت میں ہے کہ اس کی طرف سے مغفرت ہے اور فرشتوں کا درود شریف دعا ہے۔ یہ دونوں قول اسماعیل قاضی نے ان سے نقل کئے ہیں گویا ان کی مراد مغفرت کی دعا ہے۔

مبرد نے کہا اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ (درود) رحمت ہے اور فرشتوں کا درود ایسی رقت (نرمی) ہے جو رحمت کی دعا کی ترغیب دیتی ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ اور رحمت کو الگ الگ چیز قرار دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ. (البقرہ:۱۵۷) ان لوگوں پر ان کے رب کی طرف سے صلوٰت اور رحمت ہے۔

اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ان دونوں کو ایک دوسرے کا غیر سمجھا:

صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا. (الاحزاب:۵۶) ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

حتیٰ کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے صلوٰۃ (درود شریف) کی کیفیت دریافت کی جب کہ سلام کی تعلیم میں رحمت کا ذکر پہلے ہو چکا تھا یعنی "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ" میں لفظ رحمت بھی ہے اور نبی اکرم ﷺ نے ان کو اس پر برقرار رکھا پس اگر صلوٰۃ' رحمت کے معنیٰ میں ہوتی تو نبی اکرم ﷺ ان سے فرماتے کہ تم سلام کے ذکر میں یہ بات معلوم کر چکے ہو۔

حلیمی نے اس کو جائز قرار دیا کہ صلوٰۃ آپ پر سلام کے معنیٰ میں ہو اور یہ بات محل نظر ہے۔

کہا گیا ہے کہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ خاص بھی ہے اور عام بھی' انبیاء کرام علیہم السلام پر صلوٰۃ سے مراد ان کی ثناء اور تعظیم ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور دوسرے لوگوں پر صلوٰۃ سے مراد رحمت ہے اور یہ وہ رحمت ہے جو ہر چیز کو شامل ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے حضرت بکر قشیری رحمہ اللہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ (درود) آپ کو شرف عطا فرمانا اور آپ کی تکریم کو بڑھانا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے علاوہ لوگوں پر صلوٰۃ سے رحمت مراد ہے اس سے نبی اکرم ﷺ اور دوسرے مؤمنین کے درمیان فرق ظاہر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب میں فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ. (الاحزاب:۵۶) بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجتے ہیں۔

اور اس سے پہلے اسی سورت میں فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ. وہی اللہ ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے
(الاحزاب:۴۳) رحمت کی دعا مانگتے ہیں۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ جو قدر نبی اکرم ﷺ کے شایانِ شان ہے وہ اس سے بلند ہے جو دوسروں کے مناسب ہے اور اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کی جس قدر شان بیان کی گئی ہے وہ دوسری جگہ بیان نہیں ہوئی۔

حلیمی نے ''الشعب (شعب الایمان) میں'' فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجنے کا مطلب آپ کی تعظیم ہے پس ہمارے قول ''اللھم صل علی محمد'' کا معنیٰ یہ ہے کہ اے اللہ! حضرت محمد ﷺ کو عظمت عطا فرما۔ دنیا میں آپ کی تعظیم آپ کے ذکر کو بلند کرنا' آپ کے دین کو غالب کرنا اور آپ کی شریعت کو باقی رکھنا ہے اور آخرت میں زیادہ ثواب عطا کرنا امت کے حق میں آپ کی شفاعت کو قبول کرنا اور مقام محمود کے ذریعے آپ کی فضیلت کو ظاہر کرنا ہے اس بنیاد پر ارشاد خداوندی ''صلوا علیہ'' سے مراد یہ ہے کہ تم اپنے رب سے نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کی دعا مانگو۔

اور آپ پر' آل' ازواج اور آپ کی اولاد (ذریت) کے عطف میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ان کی تعظیم کی دعا مانگنا ممنوع نہیں ہے اس لئے کہ ہر ایک کی تعظیم اس کی شان کے مطابق ہوتی ہے۔

اور جو کچھ ابوالعالیہ کے حوالے سے گزر چکا ہے وہ زیادہ ظاہر ہے کیوں کہ اس کے مطابق لفظ صلوٰۃ کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت فرشتوں کی طرف نسبت اور مؤمنوں کی طرف سے نسبت سے استعمال ایک ہی معنیٰ میں ہے اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ غیر انبیاء کے لئے رحمت کی دعا کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں البتہ لفظ صلوٰۃ کے بارے میں اختلاف ہے (کہ غیر انبیاء کے لئے جائز ہے یا نہیں)۔

اور اگر ہمارے قول ''اللھم صل علی محمد'' کا معنیٰ یا اللہ! حضرت محمد ﷺ پر رحم فرما ہوتا تو انبیاء کرام کے غیر کے لئے بھی درود شریف جائز ہوتا اسی طرح اگر برکت یا رحمت کے معنیٰ میں ہوتا تو جن لوگوں کے نزدیک تشہد میں درود شریف واجب ہے ان کے نزدیک السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ پڑھنے سے یہ وجوب ساقط ہو جاتا (حالانکہ ساقط نہیں ہوتا) اس بات کا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تشہد میں لفظ صلوٰۃ کا استعمال حکم شرعی کے طور پر ہے پس اسے عمل میں لانا ضروری ہے اگرچہ پہلے وہ الفاظ لا چکا ہے جو اس کے ہم معنیٰ ہیں۔

سوال: درود شریف پڑھنے کا حکم کب ہوا؟

جواب: جیسا کہ ابوذر ہروی نے فرمایا ہجرت کے دوسرے سال یہ حکم دیا گیا ہے ایک قول کے مطابق شب معراج حکم ہوا یہ بھی کہا گیا کہ شعبان کا مہینہ نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنے کا مہینہ ہے کیونکہ درود شریف والی آیت (ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی) شعبان المعظم میں نازل ہوئی۔ واللہ اعلم

درود شریف پڑھنے کا فائدہ

حلیمی نے فرمایا نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور نبی اکرم ﷺ کے ہمارے ذمہ حق کی ادائیگی ہوتی ہے۔

ابن عبد السلام نے بھی ان کی اتباع کی ہے چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب ''شجرۃ المعارف کے آٹھویں باب'' میں

فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنا ہماری طرف سے آپ کے لئے سفارش نہیں ہے کیونکہ ہمارے جیسے لوگ آپ جیسی شخصیات کی سفارش کا حق نہیں رکھتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا کہ جو کوئی ہم پر احسان کرے ہم اس کا بدلہ دیں پس اگر ہم اس سے عاجز ہوں تو دعا کے ذریعے بدلہ دیں پس جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ہم اپنے نبی ﷺ کے احسانات کا بدلہ نہیں دے سکتے تو ہمیں آپ پر درود شریف بھیجنے کا حکم دیا۔ شیخ ابو محمد مرجانی سے بھی اس کی مثل منقول ہے۔ ابن عربی نے فرمایا نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجنے کا فائدہ درود شریف پڑھنے والے کی طرف لوٹتا ہے کیونکہ یہ اس کے عقیدے کی پختگی، خلوص نیت، اظہار محبت اور واسطہ کریمہ ﷺ کی دائمی فرمانبرداری اور احترام کی دلیل ہے۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۲۷)

درود شریف پڑھنے کا حکم

آپ پر درود شریف پڑھنے کے حکم کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

پہلا قول: کسی قید کے بغیر درود شریف پڑھنا واجب ہے لیکن کم از کم ایک بار پڑھنا کفایت کرتا ہے۔

دوسرا قول: کثرت سے درود شریف پڑھنا واجب ہے لیکن کوئی تعداد مقرر نہیں ہے یہ بات قاضی ابوبکر بن بکیر مالکی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے ان کی عبارت جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے نقل کی ہے یوں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر لازم کیا ہے کہ وہ اس کے نبی ﷺ پر درود شریف اور خوب سلام بھیجیں اور اس کے لئے کوئی معلوم وقت مقرر نہیں فرمایا پس واجب ہے کہ زیادہ سے زیادہ درود شریف بھیجا جائے اور اس میں غفلت نہ برتی جائے۔ (اخبار القضاۃ ج ۳ ص ۳۲۱)

تیسرا قول: جب بھی آپ کا ذکر ہو درود شریف بھیجنا واجب ہے۔ یہ بات امام طحاوی، حنفیوں کی ایک جماعت، حلیمی اور شافعیوں کی ایک جماعت نے کہی ہے۔ ابن عربی نے فرمایا زیادہ احتیاط اسی میں ہے زمخشری نے بھی اسی طرح کہا ہے ان حضرات نے اس قول پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من ذكرت عنده فلم يصل على فمات فدخل النار فابعده الله.

جس آدمی کے سامنے میرا ذکر ہو پس وہ مجھ پر درود شریف نہ پڑھے اور وہ مر جائے تو جہنم میں داخل ہوگا پس اللہ تعالیٰ نے اسے (اپنی رحمت سے) دور کر دیا۔

یہ حدیث ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کی ہے۔

اور یہ حدیث بھی ہے:

رغم انف من ذكرت عنده فلم يصل على.

اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے پس وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے نقل کیا اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا۔

اور یہ حدیث بھی ہے:

شقي عبد ذكرت عنده فلم يصل علي. وہ شخص بد بخت ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود شریف نہ پڑھے۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کیونکہ ناک خاک آلود ہونے' رحمت سے دوری اور بد بختی کی بد دعا سزا کے ذکر کو چاہتی ہے اور کسی عمل کے چھوڑنے پر سزا کا ذکر علامات وجوب میں سے ہے۔

اور معنوی اعتبار سے نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجنے کا حکم آپ کے احسانات کا بدلہ دینے کا فائدہ دیتا ہے اور آپ کا احسان ہمیشہ کے لئے جاری ہے پس جب آپ کا ذکر ہو تو درود شریف پڑھنے کی تاکید ہو جائے گی۔

ان حضرات نے اس ارشاد باری تعالیٰ سے بھی استدلال کیا ہے:

لَا تَجْعَلُوا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا. (النور:٦٣) رسول ﷺ کو اس طرح نہ پکارو جس طرح ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

پس اگر آپ کے ذکر پر درود شریف نہ پڑھا جاتا تو آپ کا معاملہ دوسرے لوگوں کی طرح ہوتا۔

جن لوگوں نے یوں درود شریف پڑھنا واجب قرار نہیں دیا انہوں نے اس بات کے چند جوابات دیئے ہیں۔

ایک جواب یہ ہے کہ یہ قول صحابہ کرام یا تابعین میں سے کسی سے معروف نہیں ہے لہٰذا یہ خود ساختہ ہے۔اور اگر یہ اپنے عموم پر ہو تو مؤذن پر لازم ہے کہ جب وہ اذان کہے تو درود شریف پڑھے اسی طرح اذان سننے والے پر بھی لازم ہونا چاہیے۔

نیز قرآن مجید پڑھنے والے پر بھی لازم ہوتا کہ جب بھی وہ ایسی آیت کریمہ پڑھتا جس میں نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہوتا تو وہ درود شریف پڑھتا اور جو شخص حلقہ بگوش اسلام ہوتا تو کلمۂ شہادت پڑھتے وقت درود شریف پڑھنا بھی اس پر لازم ہوتا اور یہ ایک ایسی مشقت اور حرج ہے کہ شریعت مطہرہ جو آسان ہے وہ اس کے خلاف ہے نیز اس طرح اللہ تعالیٰ کا جب بھی ذکر کیا جائے اس کی تعریف کرنا زیادہ واجب ہوتا اور اس بات کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

امام قدوری (احمد بن محمد بن احمد بن جعفر القدوری فقیہی متوفی ۴۲۸ھ) اور دیگر ائمہ حنفیہ نے فرمایا کہ جب بھی نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہو اس وقت درود شریف پڑھنے کا وجوب اس اجماع کے خلاف ہے جو اس قول سے پہلے منعقد ہو چکا ہے کیونکہ کسی صحابی کے بارے میں یہ بات محفوظ نہیں کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے "یا رسول اللہ" کے ساتھ "ﷺ" بھی کہا ہو نیز اگر بات اس طرح ہوتی تو وہ کسی دوسری عبادت کے لئے فارغ ہی نہ ہوتے۔

(الاعلام ج ۱ ص ۲۱۲' فیات الاعیان ج ۱ ص ۲۱' نجوم الزاہرہ ج ۵ ص ۲۴)

احادیث کا جواب ان حضرات نے یوں دیا ہے کہ یہ درود شریف کی طلب میں مبالغہ ہے اور یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو درود شریف نہ پڑھنے کی عادت بنا لیتے ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ ایک مجلس میں تکرار ذکر رسول ﷺ سے درود شریف کا تکرار واجب نہیں ہے۔

چوتھا قول: ہر مجلس میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے اگرچہ آپ کا ذکر کئی بار ہو یہ بات زمخشری نے فرمائی ہے۔

پانچواں قول: ہر دعا میں درود شریف پڑھنا واجب ہے یہ بات بھی زمخشری سے منقول ہے۔

چھٹا قول: درود شریف پڑھنا مستحب کاموں میں سے ہے یہ ابن جریر طبری کا قول ہے اور انہوں نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اگرچہ درود شریف کے لئے امر کا صیغہ آیا لیکن وہ فرماتے ہیں امت کے تمام متقدمین ومتاخرین علماء کا اجماع ہے کہ اس سے فرضیت لازم نہیں آتی جس کے چھوڑنے سے آدمی گناہ گار ہو۔ پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس سلسلے میں امر کا صیغہ استحباب کے لئے ہے اور جو آدمی درود شریف پڑھ لیتا ہے چاہے نماز سے باہر پڑھے وہ حکم الٰہی کی تعمیل کر لیتا ہے۔

''فتح الباری میں'' فرمایا کہ ان کا اجماع کا دعویٰ دوسروں کی نماز کے اندر اس کی مشروعیت پر اجماع کے دعویٰ کے خلاف ہے چاہے نماز میں پڑھنا واجب ہو یا مستحب اور اسلاف سے اس کی مخالفت معروف نہیں۔

البتہ ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ ان کے نزدیک نمازی کا تشہد میں ''السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ'' پڑھنا درود شریف کی جگہ کفایت کرتا ہے تو اس کے باوجود انہوں نے درود شریف کی جگہ سلام کی کفایت کا دعویٰ کیا ہے۔

ساتواں قول: زندگی میں ایک بار درود شریف پڑھنا واجب ہے نماز میں ہو یا اس کے علاوہ حنفیہ میں سے ابوبکر رازی نے یہ بات فرمائی ہے۔

آٹھواں قول: نماز میں واجب ہے لیکن مقام کا تعین ضروری نہیں ہے یہ بات ابوجعفر باقر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

نواں قول: تشہد میں واجب ہے یہ امام شعبی اسحاق بن راہویہ کا قول ہے۔

دسواں قول: نماز کے آخری قعدہ میں تشہد اور سلام کے درمیان واجب ہے یہ بات امام شافعی اور ان کے متبعین رحمہم اللہ نے کہی ہے۔

اس بات پر اصحاب سنن (سنن ابی داؤد وغیرہ) کی روایت سے استدلال کیا گیا ہے اس روایت کو امام ترمذی، ابن خزیمہ اور امام حاکم رحمہم اللہ نے صحیح قرار دیا۔ حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! جہاں تک سلام کا تعلق ہے تو وہ ہمیں معلوم ہو گیا لیکن جب ہم نماز میں آپ پر درود شریف پڑھیں تو اس کی کیفیت کیا ہے آپ نے فرمایا۔ تم کہو اللھم صل علی محمد (درود ابراہیمی) ان کا یہ کہنا کہ سلام کے بارے میں ہمیں معلوم ہو گیا تو اس سے مراد تشہد میں پڑھا جانے والا سلام ہے نبی اکرم ﷺ ان کو یہ سلام اس طرح سکھاتے جس طرح قرآن مجید کی کوئی سورت سکھاتے تھے اور اس میں اس طرح السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ ہے امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کیا ہے۔

''فی صلاتنا'' کے اضافہ سے شافعی مسلک کی ایک جماعت جن میں ابن خزیمہ اور امام بیہقی رحمہما اللہ بھی شامل ہیں' نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ قعدے میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے درود شریف پڑھنا واجب ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے ''کتاب الام میں'' فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے ذریعے نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجنا فرض فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا	بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود

تَسْلِیْمًا○ (الاحزاب:۵۶) اور خوب سلام بھیجو۔

اور آپ پر درود شریف بھیجنے کی فرضیت کے لئے نماز سے زیادہ مناسب مقام کوئی نہیں۔ اور اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ سے بھی رہنمائی ملتی ہے۔

حضرت ابراہیم بن محمد نے ہمیں خبر دی وہ فرماتے ہیں ہم سے حضرت صفوان بن سلیم نے حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ پر درود شریف کیسے پڑھیں یعنی نماز میں آپ نے فرمایا تم یوں کہو **اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم** (آخر تک درود ابراہیمی)۔

ہمیں ابراہیم بن محمد نے خبر دی وہ فرماتے ہیں مجھ سے سعید بن اسحاق ابن کعب بن عجرہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے انہوں نے حضرت کعب بن عجرہ سے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نماز میں **اللھم صل علی محمد** (درود ابراہیمی آخر تک) پڑھا کرتے تھے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں پس جب یہ بات مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کو نماز میں تشہد سکھاتے تھے اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے ان کو نماز میں درود شریف پڑھنے کی کیفیت سکھائی تو یہ کہنا جائز نہیں کہ نماز میں تشہد تو واجب ہے لیکن درود شریف واجب نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے کا مناقشہ

بعض مخالفین نے امام شافعی رحمہ اللہ کے اس استدلال کی کئی وجوہ سے مخالفت کی ہے۔

۱۔ ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ (راوی) ضعیف ہیں اور ان کے بارے میں کلام مشہور ہے۔

۲۔ اگر اس کو صحیح مانا جائے تو پہلی حدیث میں ''یعنی نماز میں'' کے الفاظ کا قائل واضح نہیں کہ کون ہے (تاکہ معلوم ہو کہ اس کی تفسیر قابلِ قبول ہے یا نہیں)۔

۳۔ دوسری حدیث میں یہ الفاظ کہ نبی اکرم ﷺ یہ درود شریف پڑھتے تھے اگرچہ اس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے فرض نماز مراد ہے لیکن اس بات کا احتمال ہے کہ اس سے درود شریف پڑھنے کی صفت مراد ہو (یعنی فی الصلوٰۃ میں لفظ صلوٰۃ کا معنیٰ نماز نہ ہو بلکہ درود شریف پڑھنا ہی ہو) اور یہ قوی احتمال ہے کیونکہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے اکثر طرق اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ سوال درود شریف کی صفت سے متعلق ہے اس کے محل کے بارے میں نہیں ہے۔

۴۔ حدیث شریف میں کوئی ایسی بات نہیں جو تشہد میں اس کی تعیین پر دلالت کرے خصوصاً تشہد اور سلام کے درمیان۔

متاخرین مالکیوں کی ایک جماعت نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ پر نماز میں درود شریف کی شرط لگانے کی وجہ سے بہت زیادہ اعتراض کیا اور کہا کہ یہ ان کا انفرادی قول ہے۔

اور ایک جماعت نے اس کے خلاف اجماع نقل کیا ہے ان میں ابو جعفر طبری' طحاوی' ابن منذر اور خطابی بھی شامل ہیں۔
حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفاء میں'' ان کے اقوال نقل کئے ہیں اور متعدد لوگوں نے ان پر عیب لگاتے

ہوئے کہا کہ ان مقالات کے ذکر کرنے سے خاموش رہنا بہتر تھا کیونکہ ان کی کتاب ''الشفاء'' کی بنیاد نبی اکرم ﷺ کی تعظیم اور آپ کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں انتہائی مبالغہ پر مبنی ہے۔

اور نماز میں نبی اکرم ﷺ پر درود شریف کو واجب قرار دینا آپ کی تعظیم میں مبالغہ کی غرض سے ہے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے فضلات (پیشاب وغیرہ) کو پاک قرار دیا حالانکہ اکثر اس کے خلاف ہیں۔ [1] لیکن انہوں نے اس کو عمدہ قرار دیا کیونکہ اس میں آپ کی زیادہ تعظیم ہے اور آپ پر درود شریف کے وجوب کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے جب کہ یہ نماز کی جنس اور اس کے مقتضیٰ سے ہے [2] اور جب نماز میں خود نمازی اور اللہ تعالیٰ کے دیگر نیک بندوں پر سلام بھیجنا جائز (بلکہ ضروری) ہے تو نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنا واجب کیوں نہیں ہوگا؟

علماء کرام کی ایک جماعت نے بھی امام شافعی رحمہ اللہ کی تائید کی ہے ان علماء میں حافظ عماد الدین بن کثیر، ابن قیم، شیخ الاسلام والحفاظ ابو الفضل ابن حجر عسقلانی ان کے شاگرد ہمارے شیخ حافظ سخاوی، علامہ ابی امامہ بن نقاش اور ان کے علاوہ علماء کرام رحمہم اللہ جن کا ذکر بہت طویل ہے، شامل ہیں۔

ان حضرات نے اپنے موقف پر نقلی اور عقلی دلائل پیش کیے ہیں اور انفرادیت کے دعویٰ کا رد کیا۔ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے بھی وجوب کا ایک قول نقل کیا ہے ان صحابہ کرام میں حضرت ابن مسعود، ابو مسعود بدری انصاری اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب نے حضرت عمر بن خطاب اور آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما سے اور تابعین میں سے امام شعبی رحمہ اللہ سے یہ بات نقل کی ہے اور امام بیہقی نے اسے روایت کیا نیز ابو جعفر باقر اور مقاتل رحمہما اللہ نے بھی نقل کیا۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے قوی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ آدمی تشہد پڑھے پھر حضور علیہ السلام پر درود شریف پڑھے اور اس کے بعد اپنے لئے دعا مانگے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے دلائل میں سے یہ سب سے زیادہ مضبوط دلیل ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان (صحابہ کرام) کو تشہد سکھائی اور فرمایا پھر جو دعا چاہے مانگے۔

پس جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ دعا سے پہلے درود شریف پڑھا جائے تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ آپ اس اضافے پر مطلع ہیں جو تشہد اور دعا کے درمیان ہے (اور وہ درود شریف پڑھنا ہے) اور اس سے ان لوگوں کی دلیل ختم ہوگئی جنہوں نے امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک کا رد کرنے کے لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے

---

[1] علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے شیخ نے ہمیں املاء کراتے ہوئے فرمایا کہ اس قسم کی بات عیب نہیں اور نہ اس پر اعتراض ہوسکتا ہے کیونکہ حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ اور دوسرے علماء کا مقصد اظہار حق ہے تاکہ پڑھنے والے کو معلومات اور دلائل کا علم ہو اور ان مقالات کا نقل کرنا تعظیم کے منافی نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام کی عظمت صرف اس بات پر موقوف نہیں اور حضور علیہ السلام کے فضلات کا ذکر کیا تو یہ ان کا مذہب ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک ہے اور ان کے نزدیک یہ حق ہے۔ (شرح زرقانی ج ۶ ص ۳۳۳)

[2] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اعتراض ساقط ہے کیونکہ انکار تو صرف وجوب کا ہے اور وجوب کسی خاص دلیل سے ثابت ہوتا ہے۔
(زرقانی ج ۶ ص ۳۳۳)

استدلال کیا اور حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ کی طرح دعویٰ کرتے ہوئے کہا کہ یہ ابن مسعود رضی اللہ کا تشہد ہے جو نبی اکرم ﷺ نے ان کو سکھایا اس میں آپ پر درود شریف بھیجنے کا ذکر نہیں ہے۔

حسن بن عرفہ کی جزء (جس کتاب میں کسی ایک موضوع پر احادیث جمع ہوں اسے جزء کہتے ہیں) میں ہے اور (حضرت حسن بن علی بن شبیب بغدادی) معمری نے "عمل الیوم واللیلة میں" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عمدہ سند کے ساتھ نقل کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تکون صلوة الا بقراءة و تشهد و صلاة علی. [1] قرأت' تشہد اور مجھ پر درود شریف پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

(الاعلام ج ۲ ص ۲۰۰' تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۶۷' تاریخ بغداد ج ۷ ص ۳۶۹' العبر ج ۲ ص ۱۰۱)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے خلافیات میں مضبوط سند کے ساتھ حضرت شعبی رحمہ اللہ سے نقل کیا اور وہ بڑے بڑے تابعین میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں تشہد یوں سکھائی جاتی تھی کہ جب **اشهدا ن محمدا عبده ورسوله** کہے تو اپنے رب کی ثناء اور حمد بیان کر کے نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھے پھر دعا مانگے۔ [2]

حضرت ابوجعفر کی حدیث میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

مـــن صلی صلوة لم یصل فیها علی و علی اهل بیتی لم تقبل منه. [3] جس نے نماز پڑھتے ہوئے مجھ پر اور میرے اہل بیت پر درود شریف نہ پڑھا اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔

امام دارقطنی نے فرمایا صحیح یہ ہے کہ یہ ابوجعفر محمد بن علی بن حسین (رضی اللہ عنہم) کے قول سے ہے وہ فرماتے ہیں:

اگر میں نماز پڑھوں اور اس میں نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اہل بیت پر درود شریف نہ پڑھوں تو میں سمجھتا ہوں کہ میری نماز مکمل نہیں ہوئی لیکن حضرت ابوجعفر سے روایت کرنے والے جابر جعفی ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔ "الشفاء" میں اسی طرح ہے۔

فقہاء امصار (مختلف شہروں کے فقہا) میں سے حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے ایک روایت کے مطابق حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی موافقت کی ہے اور آخر میں اسی پر عمل کیا جس طرح ان سے (ان کے شاگرد) ابوزرعہ دمشقی (ابوزرعہ عبد الرحمٰن بن عمرو بن عبداللہ بن صفوان النصری حافظ الحدیث متوفی ۲۸۰ھ) نے نقل کیا اور اس بات کو حافظ ابن کثیر نے ذکر کیا۔ (الاعلام ج ۳ ص ۳۲۰' تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۲۴' شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۷۷' نجوم الزاہرہ ج ۳ ص ۸۷' العبر ج ۲ ص ۶۵' التہذیب ج ۶ ص ۲۳۶)

اسحاق بن راھویہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص بھول کر نہیں بلکہ جان بوجھ کر درود شریف نہ پڑھے تو اس پر نماز کا اعادہ

---

[1] نوٹ: امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں وجوب کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے اس میں کمال کی نفی اور یہی مفہوم زیادہ مناسب ہے کیونکہ تشہد کی احادیث میں درود شریف کا ذکر نہیں ہے۔ (شرح زرقانی ج ۶ ص ۳۳۴)

[2] اس میں بھی کوئی ایسی بات نہیں جو وجوب پر دلالت کرے کیونکہ تعلیم استحباب کے لئے بھی ہوتی ہے (ایضا)۔

[3] اس حدیث میں وجوب پر دلیل نہیں ہے کیونکہ نماز کے قبول نہ ہونے سے اس کا باطل ہونا لازم نہیں آتا (لہٰذا وجوب ثابت نہ ہوا)۔

واجب ہے اور امام احمد رحمہ اللہ سے مشہور یہ ہے کہ اس کے چھوڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے جان کر چھوڑے یا بھول کر۔ آپ کے اکثر شاگردوں کا یہی موقف ہے حتیٰ کہ بعض حنبلی ائمہ نے نماز میں "ﷺ" کہنا واجب قرار دیا کہ انہوں نے جب سوال کیا تو امام احمد رحمہ اللہ نے انہیں اسی طرح سکھایا ابن کثیر نے اسی طرح ذکر کیا (امام ابوالقاسم عمر بن حسین بغدادی) خرقی رحمہ اللہ نے جان بوجھ کر چھوڑنے کی قید میں اسحاق بن راھویہ کی موافقت کی ہے۔

(الاعلام ج ۵ ص ۴۴' فیات الاعیان ج ۱ ص ۳۷۹' نجوم الزاہراہ ج ۳ ص ۱۷۸' تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۲۳۴' مفتاح السعادۃ ج ۱ ص ۴۳۸)

مالکیوں کے نزدیک بھی اختلاف ہے جس طرح ابن حاجب نے نماز کی سنتوں کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا پھر فرمایا "علی الصحیح" (یعنی صحیح قول کے مطابق اختلاف ہے) ان کے شارح (علامہ محمد) بن عبد السلام (تولنی قاضی) نے فرمایا۔

ان کی مراد یہ ہے کہ وجوب کے بارے میں دو قول ہیں اور امام ابن مواز (محمد بن ابراہیم بن زیادہ اسکندری) کے کلام سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے ابن قصار (ابوالحسن علی بن احمد بغدادی) اور عبد الوہاب (بن علی بن نصر ابو محمد بغدادی) رحمہما اللہ نے ان سے (ابن مواز سے) اس بات کو صراحتاً نقل کیا جس طرح "الشفاء میں" ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ وہ امام شافعی رحمہ اللہ کی طرح اسے نماز میں فرض (واجب) سمجھتے تھے۔

(الاعلام ج ۵ ص ۲۹۴' شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۷۷' الوافی بالوفیات ج ۱ ص ۳۳۵) (الدیباج ج ۲ ص ۱۰۰' ترتیب المدارک ج ۴ ص ۶۰۲' شجرۃ النور الزکیہ ج ۱ ص ۱۹۲' المکنون ج ۲ ص ۱۳۳) (الاعلام ج ۴ ص ۱۸۴' فوات الوفیات ج ۲ ص ۴۱۹' فیات الاعیان ج ۲ ص ۳۸۷' شذرات الذہب ج ۳ ص ۲۲۳' تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۳۱' نجوم الزاہرہ ج ۴ ص ۲۷۶' مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۴۱' ترتیب المدارک ج ۴ ص ۶۹۱' الدیباج ج ۲ ص ۲۶' شجرۃ النور الزکیہ ج ۱ ص ۱۰۳' حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۳۱۴' البدایۃ والنہایہ ج ۱۲ ص ۳۲)

وہ فرماتے ہیں ابویعلیٰ (احمد بن محمد) عبدی رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں تین قول نقل کئے ہیں (۱) وجوب (۲) سنت (۳) استحباب۔ (الدیباج المذہب ج ۱ ص ۱۷۵' الصلۃ ج ۱ ص ۸۷)

میں نے "سراج المریدین میں" قاضی ابوبکر بن عربی کی طرف منسوب اقوال میں دیکھا کہ ابن مواز اور امام شافعی رحمہما اللہ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنا نماز کے فرائض میں سے ہے اور یہی صحیح ہے۔

(کشف الظنون ج ۲ ص ۹۸۴)

جو حنفی اس بات کے قائل ہیں کہ جب بھی نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہو درود شریف پڑھنا واجب ہے جیسا کہ امام طحاوی نے فرمایا اور سروجی نے اسے "شرح ہدایہ میں" المحیط' العقد اور التحفہ کے مصنفین سے ان کی کتب سے نقل کیا تو ان قائلین پر لازم آتا ہے کہ وہ تشہد میں بھی درود شریف پڑھنے کو واجب قرار دیں کیونکہ اس سے پہلے تشہد کے آخر میں اشھد ان محمدا رسول اللہ پڑھتے ہوئے آپ کا ذکر ہوتا ہے لیکن ان کو چاہیے کہ اس کا التزام کریں اور وہ اسے نماز کی صحت کے لئے شرط قرار نہیں دیتے (کیونکہ وجوب سے لازم نہیں آتا کہ وہ صحتِ نماز کے لئے شرط ہو۔ زرقانی ج ۶ ص ۳۳۵)۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۲۰۳۳)

امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب نے اس سلسلے میں ان کی مخالفت نہیں کی بلکہ ہمارے بعض اصحاب نے آل پر درود

شریف پڑھنے کو بھی واجب قرار دیا جس طرح بندنیجی (ابونصر محمد بن ہبۃ اللہ بن ثابت شافعی فقہی متوفی ۴۹۵ھ) اور دارمی نے نقل کیا اور امام الحرمین اور امام غزالی رحمہم اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے اس کا قول کیا۔

(الاعلام ج ۷ ص ۱۳۰' کشف الظنون ص ۵۷۵' ہدیۃ العارفین ج ۲ ص ۷۸' معجم المؤلفین ج ۱۲ ص ۸۹)

ابن کثیر نے کہا صحیح یہ ہے کہ یہ ان کا اپنا قول نہیں کسی دوسرے کا قول ہے کہ (اہل مذہب میں سے) جمہور اس کے خلاف ہیں اور وجوب کا قول حدیث کے ظاہر کی وجہ سے ہے (کہ فرمایا کہو **اللھم صل علی محمد**)۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب میں سے خطابی کا ان کی مخالفت کرنا غیر معتبر ہے کیونکہ امر کا مقتضیٰ جسے وجوب پر محمول کیا اجماعی ہے اور اس کا سب سے بہتر حال نماز ہے اور اس کے مراد ہونے کے احتمال میں کوئی رکاوٹ نہیں خطابی کا یہ کہنا کہ اس میں کوئی قیادت نہیں تو ان کو کہا جائے گا کہ بلاشبہ امام شافعی رحمہ اللہ کی قیادت ہے ان کی اقتدا کی جائے اور یہ مقامِ اجتہاد ہے لیکن کسی دوسری بات کی حاجت نہیں۔ اور شفاء میں جو فرمایا کہ امام شافعی رحمہ اللہ سے پہلے کے بزرگوں کا عمل اور ان کا اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ یہ درود شریف نماز کے فرائض میں سے نہیں ہے تو یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اگر عمل سے اعتقاد مراد ہے تو ان سے واضح نقل کی ضرورت ہوگی جس میں بتایا گیا ہو کہ یہ واجب نہیں اور یہ بات کہاں پائی گئی؟

اور یہ کہنا کہ لوگوں نے اس مسئلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ پر بہت تنقید کی ہے تو اس تنقید کا کیا معنیٰ ہے؟ انہوں نے کسی نص' اجماع' قیاس یا مصلحت راجحہ کی مخالفت نہیں کی بلکہ ان کا یہ قول ان کے مذہب کے حسن سے ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص مخلوق میں سے سب سے افضل شخصیت پر تمام عبادات کی بنیاد نماز جس میں خضوع اور شارع کو حاضر سمجھنا مطلوب ہے درود شریف چھوڑنے کو جائز قرار دیتا ہے اس کی مذمت کرنا زیادہ بہتر ہے۔ [1]

جہاں تک اجماع کی بات ہے تو پہلے بیان ہو چکا ہے اور یہ کہنا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کو اختیار کیا تو یہ بات کسی نے نہیں کہی اور امام شافعی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تشہد کو اختیار کیا جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کی عبادات کے بیان میں آئے گا۔

نماز میں درود شریف کے وجوب پر اس حدیث سے بھی استدلال کیا گیا جو امام ابوداؤد' امام نسائی اور امام ترمذی نے نقل کی اور اسے صحیح قرار دیا اسی طرح ابن خزیمہ' ابن حبان اور حاکم نے بھی حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو سنا کہ اس نے نماز میں اس طرح دعا مانگی کہ نہ تو اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور نہ ہی نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھا تو آپ نے فرمایا اس نے جلدی کی پھر آپ نے اسے اپنے پاس بلایا اور فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے ساتھ ابتدا کرے پھر نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھے پھر جو چاہے دعا مانگے۔ [2] (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۷۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: 1481' مسند احمد ج ۶ ص ۱۸' المستدرک ج ۱ ص ۲۳۰'

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں مذمت والی کوئی بات نہیں کیونکہ نماز میں درود شریف نہ پڑھنے کو جائز قرار دینا اس رحمت میں سے ہے جس کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کو بھیجا گیا تاکہ امت کو گناہ نہ ہو جب وہ نماز میں درود شریف نہ پڑھ سکیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ درود شریف پڑھنے اور وجوب کی مشقت برداشت کرنے پر انہیں ثواب حاصل ہو۔ (زرقانی ج ۶ ص ۳۳۶)

[2] نوٹ: امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث سے وجوب ثابت نہیں ہوتا اگر ایسا ہوتا تو اس شخص کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا۔

(زرقانی ج ۶ ص ۳۳۷)

السنن الکبریٰ ج ۲ص ۱۴۸' المعجم الکبیر ج ۱۸ص ۳۰۷' نصب الرایہ ج اص ۴۲۶۔ ج ۲ص ۲۷۲' مشکل الآ ثار ج ۳ص ۷۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ص ۴۱' موارد الظمان رقم الحدیث: ۵۱۰)

میں (مصنف) کہتا ہوں کہ ہمارے امام' حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی کرامات میں سے یہ بات ہے کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ امام ترمذی کے طریق سے نقل کیا اور اس کی سند پر کوئی طعن نہیں فرمایا' انہوں نے اسے ''**فصل فی المواطن التی تستحب فیھا الصلوۃ علی النبی ﷺ و یرغب**'' (اس فصل میں ان مقامات کا ذکر جن میں نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنا مستحب ہے اور اس کی ترغیب دی جاتی ہے) کے بعد نماز کے تشہد میں ذکر کیا اور یہ تشہد کے بعد اور دعا سے پہلے ہے۔[1]

اور یہ حدیث جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو ہمارے دلائل میں سے سب سے بڑی دلیل ہے (حالانکہ اس سے وجوب ثابت نہیں ہوتا اس سے ان دلائل کی کمزوری اور حنفی موقف کی قوت معلوم ہوتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی)۔

اعتراض

اگر کوئی کہے کہ اس میں تمہارے (شافعیوں کے) لئے کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس میں فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو نماز میں دعا مانگتے ہوئے سنا تشہد کا ذکر نہیں ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس کو بے محل ذکر کیا کیونکہ انہوں نے ایک فصل قائم کر کے ان مقامات کا ذکر کیا جن میں درود شریف پڑھنا مستحب ہے پھر فرمایا نماز کے تشہد میں درود شریف پڑھنا بھی اسی سے ہے۔

امام بغوی نے ''مصابیح میں'' حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ایسی بات کہی جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ تشہد کے بارے میں ہے اس کے الفاظ یوں ہیں۔ فرمایا ایک شخص داخل ہوا اور اس نے کہا ''**اللھم اغفرلی وارحمنی**'' 'یا اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اے نمازی! تو نے جلدی کی جب تم نماز پڑھو تو قعدہ کرو پس اللہ تعالیٰ کی اس طرح حمد بیان کرو جو اس کے شایانِ شان ہے پھر مجھ پر درود شریف پڑھ کر دعا مانگو۔ (سنن نسائی ج ۳ص ۴۴' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۷۶' المعجم الکبیر ج ۱۸ص ۳۰۸' مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۱۵۵' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۹۳۰' الترغیب والترہیب ج ۲ص ۴۸۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۶۱)

آپ کا یہ فرمانا کہ تم نے جلدی کی اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ نماز کے جواز کے لئے جو کمال ہے وہ فوت ہو گیا اس لئے اگر نماز جائز ہوتی تو ملامت کرنا اچھا نہ ہوتا اور صیغہ امر کے ساتھ تعلیم نہ ہوتی۔ (حالانکہ سنت و مستحب کے ترک پر بھی ملامت ہوتی ہے لہٰذا یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ زرقانی)

سوال: یہ مستحباب کی تعلیم کا مقام ہے کیونکہ اگر واجبات کی بات ہوتی تو آپ دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیتے جس طرح نماز میں جلدی کرنے والے کو حکم دیا (کہ جاؤ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی)؟

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کی کرامات اور فضائل کے لئے اس قسم کی دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ حدیث مستحب ہونے کی دلیل ہے وجوب کی نہیں۔

جواب: آپ کے اس ارشاد میں دوبارہ پڑھنے کے حکم سے بے نیازی ہے کیونکہ جب آپ نے اس شخص کو واجب بات کی تعلیم دی تو اسے قطعی طور پر معلوم ہو گیا کہ پہلے اس نے وہ عمل نہیں کیا لہٰذا اعادہ واجب ہے اور وہ فہم و عرفان والے تھے۔ [1]

سوال: آپ کا فرمانا کہ "فقعدت" میں اس بات کا احتمال ہے کہ مقدر عبارت پر عطف ہو تقدیر عبارت یوں ہو گی:

اذا صلیت و فرغت فقعدت للدعاء — جب تم نماز پڑھ کر فارغ ہو جاؤ پس دعا کے لئے بیٹھو

فاحمد الله. — تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو۔

جواب: اصل یہ ہے کہ عبارت مقدر نہ ہو اور عطف مذکور لفظ پر ہوتا ہے یعنی جب تم نماز میں ہو پس تشہد کے لئے قعدہ کرو تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو یعنی التحیات للہ (آخر تک) کے کلمات کے ذریعے اس کی ثناء بیان کرو۔

احناف میں سے جرجانی اور دوسرے حضرات نے فرمایا اگر نماز میں درود شریف پڑھنا واجب ہو تو وقتِ حاجت سے بیان کی تاخیر لازم آئے گی کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو تشہد سکھایا اور فرمایا پس جو دعا چاہے مانگو اور اس میں آپ پر درود شریف پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اس وقت تک اس کا پڑھنا فرض نہیں تھا۔ [2]

حافظ زین الدین عراقی رحمہ اللہ نے شرح ترمذی میں فرمایا کہ یہ صحیح حدیث "ثم لیتخیر" (پھر جو دعا چاہے مانگے) کے الفاظ کے ساتھ ہے اور ثم تراخی (تاخیر) کو چاہتا ہے لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں تشہد اور دعا کے درمیان کوئی چیز ہے۔ [3]

درود شریف پڑھنے کا طریقہ

نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنے کی کیفیت کے بارے میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کیا میں تمہیں ایک تحفہ نہ دوں؟ (پھر فرمایا) نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں یہ تو معلوم ہو گیا کہ ہم آپ پر سلام کیسے بھیجیں تو آپ پر درود شریف کیسے پڑھیں؟

آپ نے فرمایا یوں کہو: [4]

---

[1] یہ جواب صحیح نہیں کیونکہ اختلاف وجوب کے بارے میں ہے اور اسی بات کو بنیاد بنایا جا رہا ہے۔ (زرقانی ج ۶ ص ۳۳۷)

[2] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ احتمال بہت ہی بعید از عقل ہے کیونکہ تشہد کی حدیث روایت کرنے والوں میں حضرت ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم بھی ہیں اور یہ بعد میں اسلام لائے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو فتح مکہ کے بعد صحبت کا شرف حاصل ہوا لہٰذا درود شریف کا حکم وجوب پر نہیں استحباب پر محمول ہوگا۔ (زرقانی ج ۶ ص ۳۳۷)

[3] اگر درمیان میں کسی بات (مثلاً درود شریف) کا ہونا ثابت بھی ہو تو وجوب کیسے ثابت ہو گیا؟

[4] بعض حضرات اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ درود ابراہیمی ہی پڑھنا چاہیے نماز کے اندر بھی اور باہر بھی ان سے سوال یہ ہے کہ یہ تعلیم نماز کے بارے میں ہے یا نماز سے باہر؟ اگر نماز کے بارے میں ہے تو ٹھیک ہے درود ابراہیمی ہی پڑھا جائے کیونکہ اسلام الگ مذکور ہے اور اگر نماز سے باہر بھی یہی حکم ہے تو پھر نماز سے باہر سلام پڑھنے کے لئے "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" نہیں پڑھ سکتے تو السلام علیک ایها النبی ہی پڑھ لیا کریں۔ ۱۲ ہزاروی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ.

یا اللہ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی آل پر رحمت بھیج جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر رحمت نازل فرمائی بے شک تو تعریف والا بزرگی والا ہے یا اللہ! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر برکت نازل فرمائی بے شک تو تعریف والا بزرگی والا ہے۔

سوال: اگر تم کہو کہ ''اللھم صل علی محمد'' اور ''کما صلیت علی آل ابراھیم'' میں مطابقت کیسے ہوگی؟

جواب: قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ لفظ ''آل'' یہاں زائد ہے۔ جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

انہ اعطی مزمارا من مزامیر آل داؤد.

ان کو آل داؤد علیہ السلام کے مزامیر میں سے مزمار (خوش آوازی) دی گئی۔

حالانکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی آل خوش آوازی کے ساتھ مشہور نہ تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۴۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۵۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۴۱، مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۹۔۴۵۰۔ ج ۵ ص ۳۴۹)

اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے یوں نقل کیا ہے کہ جب آیت کریمہ:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○ (الاحزاب: ۵۶)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

نازل ہوئی تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر درود شریف کیسے بھیجیں آپ نے فرمایا یوں کہو:

اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید وبارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید.

اے اللہ! حضرت محمد اور آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرمائی بے شک تو تعریف والا بزرگی والا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم اور آپ کی آل پر برکت نازل فرمائی بے شک تو تعریف والا بزرگی والا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں نمازی یہ بھی کہے ''وعلینا معھم'' (اور ان کے ساتھ ہم پر بھی)۔

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ پر درود شریف کیسے

بھیجیں؟ آپ نے فرمایا یوں کہو:

اللھم صل علی محمد وازواجہ و ذریتہ کما صلیت علی ابراھیم و بارک علی محمد وازواجہ و ذریتہ کما بارکت علی (ابراھیم و علی) آل ابراھیم انک حمید مجید.

(مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۴)

یا اللہ! حضرت محمد ﷺ اور آپ کی ازواج و اولاد پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی اور حضرت محمد ﷺ اور آپ کی ازواج و اولاد پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر برکت نازل فرمائی بے شک تو تعریف والا بزرگی والا ہے۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں تھے کہ رسول اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو حضرت بشر بن سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم آپ پر درود شریف بھیجیں تو (فرمایئے) ہم آپ پر درود شریف کس طرح بھیجیں؟

فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے تمنا کی کہ وہ سوال نہ کرتے تو اچھا تھا۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یوں کہو:

اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم فی العالمین انک حمید مجید.

اے اللہ! حضرت محمد اور آل محمد (ﷺ) پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل فرمائی اور برکت نازل فرما حضرت محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ پر جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم علیہ السلام پر نازل فرمائی سب جہانوں میں تو تعریف والا بزرگی والا ہے۔

اور سلام یوں پڑھو جس طرح تمہیں معلوم ہو چکا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود شریف کے ساتھ تشبیہ کی وجہ

سوال: اگر تم کہو کہ "کما صلیت علی ابراھیم" میں تشبیہ کا کونسا مقام ہے حالانکہ یہ بات ثابت ہے کہ مشبہ 'مشبہ بہ' کے مقابلے میں کم درجہ میں ہوتا ہے جب کہ یہاں اس کے برعکس ہے (مشبہ یعنی حضور علیہ السلام سے افضل ہیں) کیونکہ حضرت محمد ﷺ تنہا' حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل سے افضل ہیں خصوصاً جب کہ آپ کی طرف آل محمد کی اضافت بھی کی گئی ہے اور آپ کے افضل ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے لئے مطلوبہ درود شریف ہر اس درود شریف سے افضل ہو جو دوسروں کے لئے حاصل ہوا یا ہوگا؟

جواب: علماء کرام نے اس کے کئی جوابات دیئے ہیں۔

ا۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ بات اس وقت فرمائی جب آپ کو معلوم نہ تھا کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں

چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کو "یا خیر البریہ" (اے مخلوق میں سے سب سے بہتر) کہا تو آپ نے فرمایا وہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۲' مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۸۔۱۸۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۵۱۸' دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۹۷' الدر المنثور ج ۱ ص ۱۱۶' الشفاء ج ۱ ص ۲۶۵' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۸۹۶' تفسیر قرطبی ج ۱۰ ص ۴۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۵۷۲)

اس بات کا رد یوں کیا گیا کہ اگر ایسا ہوتا تو افضلیت کا علم حاصل ہونے کے بعد آپ درود شریف کے الفاظ بدل دیتے۔

۲۔ آپ نے یہ بات تواضع کے طور پر فرمائی اور اپنی امت کے لئے یہ بات جائز قرار دی تا کہ وہ اس فضیلت کو حاصل کریں۔

۳۔ محض درود شریف میں تشبیہ ہے مقدار کو مقدار کے ساتھ تشبیہ نہیں دی گئی جس طرح ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّآ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡکَ کَمَآ اَوۡحَیۡنَآ اِلٰی نُوۡحٍ. (النساء: ۱۶۳) — بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی۔

اور یہ کسی شخص کے اس قول کی طرح ہے:

احسن الی وُلدک کما احسنت الی فلاں. — اپنی اولاد سے اچھا سلوک کرو جس طرح تم نے فلاں سے اچھا سلوک کیا۔

تو یہاں محض احسان مراد ہے اس کی مقدار مراد نہیں اسی سے ارشاد خداوندی ہے:

وَاَحۡسِنۡ کَمَآ اَحۡسَنَ اللّٰہُ اِلَیۡکَ. (القصص: ۷۷) — اور احسان کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا۔

(یہاں بھی مطلقاً احسان مراد ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے احسان کا مقابلہ کیسے ہو سکتا ہے)۔ (کشف الظنون ج ۱ ص ۵۵۷)

۴۔ "اللھم صل علی محمد" کو تشبیہ سے الگ کیا گیا پس تشبیہ صرف "وعلی آل محمد" سے متعلق ہے۔

اس پر یوں اعتراض کیا گیا کہ غیر انبیاء کے لئے انبیاء کرام کے مساوی ہونا ناممکن نہیں ہے پس ان کے لئے اس درود شریف کی مثل کا مطالبہ کیسے ہو سکتا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے واقع ہوا اور انبیاء کرام ان کی آل سے ہیں۔

ممکن ہے اس کا جواب یوں دیا جائے کہ اس سے وہ ثواب مطلوب ہے جو ان کو حاصل ہوتا ہے وہ تمام صفات مطلوب نہیں ہیں جو ثواب کا سبب ہیں (امام یحییٰ بن سالم) عمرانی رحمہ اللہ نے "البیان (المہذب کی شرح) میں" حضرت شیخ ابو حامد رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ انہوں نے یہ جواب حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی نص سے نقل کیا ہے لیکن ابن قیم نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے اس کی صحت کو بعید از عقل قرار دیا کیونکہ وہ اپنی فصاحت اور عربی زبان سے واقفیت کی بنیاد پر ایسا کلام نہیں کرتے جو اس رکیک اور کلام عرب سے بعید ترکیب کو مستلزم ہو۔ ابن قیم نے یوں کہا۔

(الاعلام ج ۸ ص ۱۴۶' مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۳۰۸' طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۴ ص ۳۲۴) (کشف الظنون ج ۱ ص ۲۶۴)

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ مذکورہ ترکیب رکیک نہیں ہے بلکہ تقدیر

عبارت یوں ہے۔

''اللھم صل علی محمد و صل علی آل محمد کما صلیت ''(آخر تک) پس دوسرے جملہ سے تشبیہ ممنوع نہیں ہے۔

۵۔ پہلے مقدمہ مذکورہ کو اٹھایا گیا یعنی یہ ضابطہ کہ مشبہ بہ مشبہ سے ارفع ہوتا ہے اور یہ بات قیاسی نہیں اور دائمی نہیں بلکہ بعض اوقات مثل کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے بلکہ بعض اوقات تو مشبہ بہ کم درجہ میں ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ. (النور:۳۵) اس کے نور کی مثال ایسی جیسے طاق۔

حالانکہ مشکوٰۃ (طاق) کا نور اللہ تعالیٰ کے نور کے مقابلے میں نہیں ہوسکتا لیکن جب مشبہ بہ سے مراد ایک ایسی چیز ہے جو سننے والے کے لئے ظاہر و واضح ہو تو نور کو مشکوٰۃ سے تشبیہ دینا اچھا ہوگا۔ اسی طرح یہاں بھی ہوگا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم علیہ السلام کی تعظیم تمام گروہوں کے نزدیک مشہور اور واضح ہے تو حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل کے لئے اس کی مثل کا مطالبہ اچھا قرار پایا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل کو حاصل ہے۔

اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اس طلب کو ''فی العالمین'' کے الفاظ کے ساتھ مکمل کیا یعنی جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر درود شریف کو تمام جہانوں میں ظاہر کیا (اسی طرح حضور علیہ السلام اور آپ کی اولاد پر بھی ظاہر کر) اسی لئے ''فی العالمین'' کے الفاظ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں آئے ہیں نبی اکرم ﷺ کی آل کے ذکر میں نہیں لائے گئے جیسا کہ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے اور وہ پہلے گزر چکی ہے۔

طیبی کے قول کا مفہوم بھی یہی ہے فرماتے ہیں یہ مذکورہ تشبیہ ناقص کو کامل کے ساتھ ملانا نہیں ہے بلکہ غیر مشہور کو مشہور کے ساتھ ملانا ہے۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں سب سے بہترین جواب وہ ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے کہ محض درود شریف میں تشبیہ ہے یا مجموعہ کی مجموعہ سے تشبیہ ہے۔

ابن قیم نے مجموعہ کی مجموعہ سے تشبیہ کے علاوہ باقی میں سے اکثر جوابات کو کمزور قرار دیا اور کہا کہ زیادہ مناسب قول یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ خود آل ابراہیم علیہ السلام سے ہیں اور یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں ثابت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (آل عمران:۳۳)

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت نوح (علیہما السلام) اور آل ابراہیم و آل عمران کو تمام جہانوں والوں پر منتخب فرمالیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت محمد ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل سے ہیں گویا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہم حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر درود شریف خصوصی طور پر اس مقدار میں پڑھیں جو ہم نے ان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کے ساتھ عمومی طور پر پڑھا ہے۔ پس آل کے لئے ان کی شان کے مطابق درود شریف ہوگا اور باقی تمام کا تمام آپ کے لئے ہوگا۔ اور یہ مقدار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل کے دوسرے لوگوں پر

پڑھے جانے والے درود شریف سے زیادہ ہوگی۔
اس وقت تشبیہ کا فائدہ ظاہر ہوگا اور یہ کہ اس لفظ سے جو کچھ مطلوب ہے وہ دیگر الفاظ سے مطلوب کے مقابلے میں زیادہ ہے۔
حلیمی نے فرمایا اس تشبیہ کا سبب یہ ہے کہ فرشتے آل بیت ابراہیم علیہ السلام سے کہتے ہیں:
رحمة الله و برکاته علیکم اهل البیت انه حمید مجید. اے اہل بیت! تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت ہو وہ تعریف والا بزرگی والا ہے۔
اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل اہل بیت ابراہیم سے ہیں گویا فرمایا یوں کہو۔
یا اللہ! فرشتوں کی دعا کو حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل کے بارے میں یوں قبول فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس آل کے بارے میں قبول کی تھی جو اس وقت موجود تھے اسی لئے اس درود شریف کو ان الفاظ کے ساتھ ختم کیا جسے آیت کریمہ کے آخر میں لایا گیا یعنی ''**انک حمید مجید**''۔
عارف ربانی ابو محمد مرجانی رحمہ اللہ سے منسوب ہے انہوں نے فرمایا نبی اکرم ﷺ نے ''**کما صلیت علی ابراهیم**'' اور ''**کما بارکت علی ابراهیم**'' فرمایا اور ''**کما صلیت علی موسی**'' نہیں فرمایا اس میں نکتہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے جلال الٰہی کی تجلی تھی پس آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے جمال الٰہی کی تجلی تھی کیونکہ محبت اور خلت تجلی بالجمال کے آثار میں سے ہیں اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ اس طرح درود شریف پڑھیں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر پڑھا گیا پس آپ کے لئے تجلی بالجمال کا سوال کریں اور یہ بات نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے درمیان مساوات کا تقاضا نہیں کرتی کیونکہ صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ اس وصف کے ساتھ تجلی کا سوال کریں جس کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تجلی ہوئی تو حدیث شریف صرف ایک وصف میں مشارکت کا تقاضا کرتی ہے اور وہ (وصف) تجلی بالجمال ہے۔ دونوں کے مقام اور مرتبہ میں برابری کا تقاضا نہیں کرتی کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ دو آدمیوں کے لئے ان کے مقام کے مطابق تجلی بالجمال فرماتا ہے اگرچہ وہ اس تجلی میں شریک ہوتے ہیں پس اس کے نزدیک جس کا جو مقام ہے اس پر اسی حساب سے تجلی فرماتا ہے اور اس میں اس کا رتبہ اور مقام سامنے ہوتا ہے۔
پس خلیل کے لئے ان کے مقام کے مطابق تجلی بالجمال فرمائی اور ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کے لئے ان کے مقام ومرتبہ کے اعتبار سے تجلی بالجمال فرمائی۔ یوں حدیث کو سمجھا جائے۔

آل محمد ﷺ سے کون لوگ مراد ہیں؟

سوال: اس حدیث میں جس آل کا ذکر ہے اس سے کون لوگ مراد ہیں؟
جواب: ترجیح اس بات کو ہے کہ جن لوگوں پر صدقہ حرام ہے وہ لوگ مراد ہیں جس طرح امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا اور جمہور نے اسے اختیار کیا اور اس کی تائید نبی اکرم ﷺ کے اس قول سے ہوتی ہے جو آپ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

انا آل محمد لا تحل لنا الصدقه ہم آلِ محمد کے لئے صدقہ حلال نہیں۔

(مسند احمد ج ۱ص ۲۰۰۔ ج ۳ص ۴۹۰۔ ج ۶ص ۳۹۰' المعجم الکبیر ج ۳ص ۶۷۔ ج ۱۱ص ۶۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ص ۲۱۵)

ایک قول یہ ہے کہ آل سے نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات اور آپ کی اولاد مراد ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ اس سے تمام امت اجابت مراد ہے (جو لوگ ایمان لائے وہ امت اجابت ہیں اور وہ تمام لوگ جن کی طرف آپ مبعوث ہوئے امت دعوت ہے۔۱۲ہزاروی)

ابو الطیب طبری نے بعض شافعیوں سے یہ بات نقل کی اور امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں اس کو ترجیح دی قاضی حسین نے ان میں سے متقی لوگوں کی قید لگائی ہے اور جن لوگوں کا کلام مطلق ہے ان کے کلام کو بھی اسی قید پر محمول کیا جائے گا اور اس کی تائید "تمام" نے اپنے فوائد حدیثیہ میں کی ہے اور امام دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے آلِ محمد کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

کل تقی من امة محمد. امتِ محمد یہ کا ہر متقی شخص (آلِ محمد ہے)۔

دیلمی نے یہ اضافہ کیا کہ پھر آپ نے فرمایا:

اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ. (الانفال:۳۴) آپ کے اہل تو صرف متقی لوگ ہیں۔

لیکن ان دونوں روایتوں کی سند ضعیف ہے البتہ اس کی شہادت صحیحین کی اس روایت سے ہوتی ہے آپ نے فرمایا۔

آل ابی فلاں میرے اولیاء نہیں میرا ولی (دوست) اللہ تعالیٰ اور نیک مؤمن ہیں۔[1]

درود شریف کے افضل الفاظ

نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کے پوچھنے پر ان کو تعلیم دیتے ہوئے یہ کیفیت بیان فرمائی تو اس سے علماء کرام نے استدلال کیا کہ درود شریف کا افضل طریقہ یہی ہے کیونکہ آپ نے اپنے لئے اشرف و افضل طریقہ ہی اختیار فرمایا۔

اور اس پر یہ بات مرتب ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ نبی اکرم ﷺ پر افضل درود شریف پڑھے گا تو قسم کو پورا کرنے کے لئے یہی درود شریف پڑھے امام نووی رحمہ اللہ نے "الروضہ" میں اس بات کو صحیح قرار دیا اور اس سے پہلے انہوں نے امام رافعی سے حضرت ابراہیم مروزی کا قول نقل کیا وہ فرماتے ہیں جب یہ الفاظ کہے تو قسم پوری ہو جائے گی:

کلما ذکره الذاکرون و کلما سها عن ذکره الغافلون. (آپ پر درود شریف ہو) جب بھی ذکر کرنے والے آپ کا ذکر کریں اور جب بھی غافل بھول جائیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں گویا انہوں نے یہ کیفیت حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کی انہوں نے "الرسالہ" کے خطبہ میں ذکر کیا لیکن وہاں لفظ "سہا" کی بجائے لفظ "غفل" ہے۔

اذرعی فرماتے ہیں یہ ابراہیم مذکور قاضی حسین کی تعلیقات سے زیادہ نقل کرتے ہیں اس کے باوجود قاضی نے قسم پورا کرنے کے سلسلے میں کہا کہ یوں کہے:

---

[1] آل ابی فلاں سے ابو العاص بن امیہ مراد ہیں یا آل ابی طالب مراد ہیں یہ مختلف قول ہیں مقصد یہ ہے کہ ان میں سے جو ایمان نہیں لائے کل بول کر بعض مراد لئے۔ (زرقانی ج ۶ص ۳۴۳)

اللھم صل علی محمد کما ھو اھله و یستحقه.

یا اللہ! حضرت محمد ﷺ پر رحمت بھیج جیسا کہ ان کی شان کے لائق ہے اور وہ مستحق ہیں۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنی تعلیق میں اسی طرح نقل کیا ہے۔

اگر ان تمام اقوال کو جمع کرے تو جو کچھ حدیث میں ہے (درود ابراہیمی) پڑھے اس کے ساتھ امام شافعی رحمہ اللہ کے اثر (قول) کو ملائے (کلما ذکرہ الذاکرون آخر تک) اور جو کچھ قاضی حسین نے فرمایا اسے بھی ملائے (اللھم صل علی محمد کما ھو اھله و یستحقه) تو یہ زیادہ جامع ہو جائے گا۔

اگر کہا جائے کہ روایات ثابتہ جس پر مشتمل ہیں اس کا قصد کیا جائے اور اس میں سے کچھ پڑھ لے تو قسم پوری ہو جائے گی تو یہ اچھی بات ہے۔

لفظ رحمت کا استعمال

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

جب تم میں سے کوئی ایک نماز میں تشہد پڑھے تو اس کے بعد یوں کہے:

اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد وارحم محمدا وال محمد کما صلیت و بارکت و ترحمت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید.

یا اللہ! حضرت محمد (ﷺ) پر اور آل محمد پر رحمت نازل فرما حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر رحم فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر رحمت و برکت نازل فرمائی بے شک تو تعریف اور بزرگی والا ہے۔

جو لوگ نبی اکرم ﷺ پر رحمت کا سوال کرنے کے قائل ہیں جیسا کہ جمہور کا قول ہے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اس اعرابی کی حدیث اس کی تائید کرتی ہے جس نے کہا:

اللھم ارحمنی وارحم محمدا ولا ترحم معنا احدا.

یا اللہ مجھ پر اور حضرت محمد ﷺ پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی پر رحم نہ فرما۔

تو نبی اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا:

لقد تحجرت واسعا.

تو نے کشادگی کو تنگ کر دیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۰' سنن نسائی ج ۳ ص ۲۴' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۴۷' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۹_۲۸۳' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۲۸' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۹۳۸' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۶۵۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۹۹_۴۹۳۶)

(اس حدیث سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کشادہ ہے سب کے لئے مانگنا چاہیے وہاں حضور علیہ السلام کے لئے رحمت کا سوال کرنا بھی ثابت ہوا۔ ۱۲ ہزاروی)۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جمہور مالکیہ سے اس کا عدم جواز نقل کیا وہ فرماتے ہیں لیکن ابو محمد بن ابی زید نے

اس کی اجازت دی ہے اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو نویں مقصد میں تشہد کے ضمن میں آئے گی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا درود شریف

حضرت سلامہ کندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ لوگوں کو دعا سکھاتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ لوگوں کو نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنا سکھاتے تو یوں فرماتے:

اللھم داحی المدحوات، وبارئ المسموکات، اجعل شرائف صلواتک، و نوامی برکاتک، ورأفة تحننک، علی محمد عبدک ورسولک، الفاتح لما اغلق، الخاتم لما سبق، والمعلن الحق بالحق، والدامغ لجیشات الاباطیل، کما حمل فاضطلع بامرک بطاعتک، مستوفزاً فی مرضاتک، واعیا لوحیک، حافظاً لعهدک، ما ضیاً علی نفاذ امرک، حتی اوری قبساً لقابس الاء الله تصل باهله اسبابه، به هدیت القلوب، بعد خوضات الفتن والاثم، وابهج موضحات الاعلام، ونائرات الاحکام، و منیرات الاسلام، فهو امینک المامون، وخازن علمک المخزون، و شهیدک یوم الدین، و بعیثک نعمة ورسولک بالحق رحمة، اللهم افسح له فی عدنک، واجزه مضاعفات الخیر من فضلک، مهنئات له غیر مکدرات، من فوز ثوابک المحلول، و جزیل عطائک المعلول، اللهم اعل علی بناء الناس بناءه، واکرم مثواه لدیک و نزله، واتمم له نوره، واجزه من ابتعاثک له مقبول الشهادة، و مرضی المقالة، ذا منطق عدل، و خطة فصل، و برهان عظیم.

الٰہی! زمینوں کے فرش کو بچھانے والے! بلند آسمانوں کو پیدا کرنے والے، دلوں کو ان کی فطرت پر اپنی قوت سے بنانے والے ان میں سے بد بخت کو اور نیک بخت کو، اپنے بزرگ درودوں اپنی بڑھنے والی برکتوں اور اپنی بخشائش کی مہربانی کو ہمارے سردار اور مولیٰ حضرت محمد ﷺ پر نازل کر جو تیرے بندے اور رسول ہیں بندش کو کھولنے والے، نبوت کو ختم کرنے والے، دین حق کو سچائی کے ساتھ ظاہر کرنے والے اور باطل کے لشکروں کو توڑنے والے جس طرح آپ کو یہ کام سونپا گیا پس تیرے حکم سے تیری بندگی میں مستعد ہو گئے تیری خوشنودی کی طلب میں جلدی کرنے والے تیری وحی کی حفاظت کرنے والے، تیرے قول کے محافظ تیرے حکم کو جاری کرنے میں وقت گزارنے والے حتیٰ کہ آپ نے نور اسلام کا شعلہ روشنی لینے والے کے لئے روشن کر دیا اللہ تعالیٰ نعمتیں اس شعلے کے مستحق کے لئے آپ کے ذریعے اسباب مہیا کرتی ہیں فتنوں اور گناہوں میں ڈوب جانے کے بعد دلوں کی رہنمائی کرنے والے دین کی ظاہر کرنے والی نشانیوں کو خوبی دی نیز اس کے چمکنے والے حکموں اور اسلام کے چمکتے ارکان کو، پس آپ تیرے امین ہیں امن دیئے گئے ہیں تیرے پوشیدہ علم کے نگہبان ہیں قیامت کے دن تیرے گواہ ہوں گے تیری طرف سے بھیجے ہوئے محض نعمت ہیں تیرے رسول برحق رحمت ہیں۔ الٰہی! اپنے بہشت میں ان کی جگہ کشادہ کر اپنے فضل سے ان کو نیکیوں کا بدلہ دو گنا دے کہ وہ آپ کے لئے خوشگوار ہوں کدورتوں سے پاک تیرے ثواب کے

ساتھ فتحیابی سے جو اتارا گیا اور پے در پے آنے والی بزرگ
بخششوں سے۔ یا اللہ! لوگوں کی منزلوں پر آپ کی منزل کو
بلند کر اپنے ہاں آپ کے ٹھکانے اور مہمانی کو بزرگی کو آپ
کے لئے آپ کے نور کو تمام کردے اور اپنی طرف سے ان
کی بعثت کی جزا عطا فرما ان کی گواہی مقبول اور ان کی بات
تیری مرضی کے موافق ہے سچ بولنے والے اور ایسی شان
والے جو حق و باطل کو جدا جدا کردے اور بڑی دلیل والے۔

یہ حدیث موقوف ہے اس کو امام طبرانی نے نقل کیا لیکن ابن کثیر نے کہا کہ اس کی سند محل نظر ہے وہ فرماتے ہیں ہمارے شیخ حافظ ابوالحجاج المزی نے فرمایا کہ یہ راوی سلامۃ الکندی معروف نہیں ہے اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے اس کی ملاقات ثابت نہیں۔ (الاعلام ج ۸ ص ۲۳۶' طبقات الشافعیہ للاسنوی رقم الحدیث: ۱۶۸' الدرر الکامنہ ج ۴ ص ۴۵۷' نجوم الزاہرہ ج ۱۰ ص ۷۶' تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۴۹۸' شذرات الذہب ج ۶ ص ۱۳۶' مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۲۲۴)

داحی المدحوات۔ زمین کو پھیلانے والا۔ جس چیز کو تم پھیلاؤ اور کشادہ کرو تو ''دحوۃ'' کا لفظ استعمال ہوگا۔

باری المسموکات۔ آسمانوں کا خالق۔ تم جس چیز کو بلند کرو اور اٹھاؤ تو کہا جائے گا ''سمکۃ''۔

الدامغ لجیشات الاباطیل۔ دشمن کے لشکروں سے جو ظاہر ہو اس کو ہلاک کرنے والا۔ ''الدامغ'' دماغ سے بنا ہے ''دمغہ'' اس کے دماغ تک پہنچا ''جیشات'' جاش سے بنا ہے جب بلند ہو۔

واضطلع. ضلاعۃ سے باب افتعال ہے قوت کو کہتے ہیں۔

اوری قبسا لقابس۔ طالب حق کے لئے نور کو ظاہر کیا۔

آلاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں۔

تصل باھلہ۔ اس ظہور کے لائق تک پہنچتا ہے اور وہ اسلام ہے اور حق اس کے اسباب ہیں اور اس کے اہل مؤمن ہیں۔

بہ ھدیت القلوب بعد خوضات الفتن۔ یعنی کفر اور فتنوں کے بعد واضح علامات کی طرف دلوں کی رہنمائی کی گئی۔

نائرات اور المنیرات۔ واضح کہا جاتا ہے ''نار الشیء وانار'' جب وہ واضح ہو۔

شہیدک یوم الدین۔ یعنی قیامت کے دن آپ اپنی امت پر گواہ ہوں گے۔

وبعثیک نعمۃ۔ یعنی تیری طرف سے مبعوث ہوئے فعیل' مفعول کے معنیٰ میں ہے۔

وافسح لہ۔ یعنی آپ کے لئے کشادہ کردے۔

فی عدنک۔ جنت عدن مراد ہے۔

المعلول۔ العلل سے بنا ہے بار بار پینا مراد دوگنا عطا کرنا ہے گویا آپ کے ذریعے لوگوں کو بار بار عطائیں ملتی ہیں۔

اعل علی بناء الناس۔ ایک روایت میں ''البانین'' ہے یعنی عمل کرنے والوں کے عمل پر آپ کے عمل کو برتری عطا فرما۔

اکرم مثواہ۔آپ کی منزل کو مکرم و محترم بنا۔
نزلہ۔آپ کا رزق۔
الخطة۔خاء نقطہ والی کے اوپر پیش ہے امر اور قصہ مراد ہے۔
الفصل۔کاٹنا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے درود شریف کے الفاظ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں جب تم نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھو تو اچھی طرح پڑھو کیونکہ تم نہیں جانتے شاید یہ آپ پر پیش ہو۔آپ کے اصحاب نے عرض کیا کہ ہمیں سکھایئے تو انہوں نے فرمایا یوں کہو:

اللھم اجعل صلواتک و برکاتک ورحمتک علی سید المرسلین' وامام المتقین' وخاتم النبیین محمد عبدک ورسولک' امام الخیر' ورسول الرحمة' اللھم ابعثه' مقاماً محمودا' یغبطه فیه الاولون والاخرون' اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد' کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید. (سنن ابن ماجہ)

یا اللہ! اپنے درود' برکتیں اور رحمتیں تمام رسولوں کے سردار' متقی لوگوں کے امام اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل فرما جو تیرے بندے اور رسول ہیں بھلائی کے امام ہیں' رحمت والے رسول ہیں۔یا اللہ! آپ کو مقام محمود عطا فرما جس پر پہلے اور پچھلے رشک کریں' یا اللہ! حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرمائی بے شک تو تعریف والا بزرگی والا ہے۔

یہ حدیث موقوف ہے اور اس کو امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے نقل کیا۔

کچھ دوسرے الفاظ

حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھتے ہوئے یوں کہے:

اللھم انزله المقعد الصدق المقرب عندک یوم القیامة.

یا اللہ! قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ کو اپنے پاس سچائی اور قرب کی جگہ عطا فرمانا۔

اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

اسے امام طبرانی نے روایت کیا اور ابن کثیر نے فرمایا اس کی سند حسن ہے اور اصحاب سنن نے اسے ذکر نہیں کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اس کا نامۂ اعمال پورے پیمانے میں تولا جائے تو وہ ہم اہل بیت پر درود شریف پڑھتے ہوئے یوں کہے:

اللھم صل علی محمد النبی الامی

یا اللہ! حضرت محمد ﷺ پر جو نبی امی ہیں اور آپ کی

وازواجه امهات المومنين و ذريته و اهل بيته كما صليت على ابراهيم انک حميد مجيد. ازواج واولاد پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی بے شک تو تعریف والا بزرگی والا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۹۸۲، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۱، اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۲۹۰، الدر المنثور ج ۵ ص ۲۱۶، مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث:۹۳۲، کنز العمال رقم الحدیث:۲۱۷۵۔۳۴۸۱)

حضرت طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا آپ فرماتے تھے:

اللهم تقبل شفاعة محمد الكبرى وارفع درجته العليا واعطه سؤله فى الاخرة والاولى كما اتيت ابراهيم و موسى. یا اللہ! حضرت محمد ﷺ کی بڑی شفاعت قبول فرما آپ کا بلند درجہ مزید بلند فرما آپ کے سوال کے مطابق آپ کو دنیا و آخرت میں عطا فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کو عطا فرمایا۔

اسے اسماعیل قاضی نے نقل کیا اور ابن کثیر نے فرمایا اس کی سند عمدہ مضبوط اور صحیح ہے۔

درود شریف پڑھنے کے مواقع ومقامات

جن جن جگہوں میں درود شریف پڑھنے کا حکم ہے۔

۱۔ ان میں سے ایک آخری قعدہ ہے اور اس میں یہ واجب ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے (احناف کے نزدیک سنت ہے ۱۲ ہزاروی) پہلے تشہد میں دو قول ہیں زیادہ ظاہر یہ ہے کہ منع ہے کیونکہ وہ تخفیف پر مبنی ہے اور یہ سنت ہے (نوافل اور سنت غیر مؤکدہ میں پڑھنا سنت ہے باقی نمازوں میں پہلے قعدے میں درود شریف پڑھنے سے سجدہ سہو لازم ہوگا اگر بھول کر پڑھے۔۱۲ ہزاروی)۔

پہلے قعدے میں آل رسول پر درود شریف پڑھنے کے مستحب ہونے میں دو قول ہیں اور آخری قعدے میں اس کے وجوب کے بارے میں دو رائے ہیں زیادہ صحیح یہ ہے کہ (وجوب) منع ہے بلکہ یہ سنت تابعہ (مؤکدہ) ہے اور کم از کم الفاظ یہ ہیں "اللهم صل على محمد" اسی طرح ﷺ اور آل پر درود شریف میں کم از کم "وآلہ" اور کفایہ میں "علیٰ" کا اعادہ کے ساتھ ہے یعنی وعلیٰ آلہ)۔

۲۔ دوسرا مقام جمعۃ المبارک کا خطبہ ہے اسی طرح دوسرے خطبوں میں بھی درود شریف پڑھنا پس جمعہ کے دونوں خطبے درود شریف کے بغیر صحیح نہیں ہوتے کیونکہ یہ عبادت ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر شرط ہے پس رسول اکرم ﷺ کا ذکر بھی واجب ہوا جس طرح اذان اور نماز میں ہے یہ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا مذہب ہے (احناف کے نزدیک واجب نہیں بہتر ہے)۔

۳۔ اذان کا جواب دینے کے بعد درود شریف پڑھنا چاہیے حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول، جب تم مؤذن سے (اذان) سنو تو اس کی مثل کہو پھر

ثم صلوا علی' فانه من صلی علی صلاة واحدة صل الله علیه بها عشرا' ثم سلوا الله لی الوسیلة' فانها منزلة فی الجنة لا تنبغی الا لعبد من عباد الله ' وارجو ان اکون انا هو' فمن سال الله لی الوسیلة حلت علیه الشفاعة.

مجھ پر درود شریف پڑھو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود شریف پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے پھر میرے لئے وسیلہ کا سوال کرو بے شک یہ جنت میں ایک منزل ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندے کے لئے ہی مناسب ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں پس جو شخص اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلے کا سوال کرے اس کے لئے شفاعت جائز ہوگئی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۲۳' جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۶۱۴' سنن نسائی ج ۲ ص ۲۵' صحیح خزیمہ رقم الحدیث:۴۱۸' شرح السنہ ج ۲ ص ۲۸۴' المغنی ج ۱ ص ۳۱۲' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث:۶۵۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۱۱۔ ج ۵ ص ۴۹' کنز العمال رقم الحدیث:۲۰۹۹۸۔۲۱۰۰۶)

اس حدیث کو امام مسلم' امام ابوداؤد' امام ترمذی اور امام نسائی رحمہم اللہ نے حضرت کعب بن علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے نقل کیا اور لفظ ''الرجا'' ذکر کیا (معنیٰ وہی ہے یعنی امید)۔

اگرچہ اس بات کا وقوع متحقق ہے لیکن ادب' تعلیم اور خوف یاد دلانے نیز اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف سوچنے کے اعتبار سے امید کا ذکر فرمایا۔ نیز یہ کہ طلب کرنے والے کو خوف اور امید کے درمیان رہنا چاہیے ''حلت علیه الشفاعة'' کا مطلب یہ ہے کہ شفاعت واجب ہوگئی یہ بھی کہا گیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شفاعت نے اسے ڈھانپ لیا اور اس پر اتر گئی۔

تنبیہ

ہمارے شیخ سخاوی رحمہ اللہ نے ''المقاصد الحسنہ میں'' فرمایا کہ ''الدرجۃ الرفیعۃ'' والی حدیث میں اضافہ ہے یعنی جو کچھ اذان کے بعد کہا جاتا ہے میں نے کسی روایت میں نہیں دیکھا اصل حدیث امام احمد' امام بخاری اور سنن اربعہ کے ائمہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے وہ یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص اذان سن کر یوں کہے:

اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلوة القائمة ات محمدا الوسیلة والفضیلة وابعثه مقاما محمودا الذی وعدته.

اے اللہ! اے دعوت کاملہ اور کھڑی ہونے والی نماز کے رب! حضرت محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور ان کو اس مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا۔

اس کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہوگئی۔

(سنن نسائی ج ۲ ص ۲۷' مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۴' صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۱۴۔۴۷۱۹' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۴۱۰' المعجم الصغیر ج ۱ ص ۲۴۰' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۸۵' شرح السنہ ج ۲ ص ۲۸۴' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث:۶۵۹' اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۶۔

ج ۵ ص ۵۰ الدر المنثور ج ۴ ص ۱۹۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۹۸۶)

وہ فرماتے ہیں جس نے اضافہ کیا گویا اس نے شفاء شریف کے بعض نسخوں سے دھوکہ کھایا جن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت درج ہے لیکن اس نسخہ میں جس پر اعتماد کیا گیا یہ اضافہ ہے اسے لکھنے والے نے اس میں ایسی بات جان لی جو اس میں شک کی طرف اشارہ کرتی ہے اور شفاء شریف کے باقی نسخوں میں اس اضافہ کو نہ دیکھا بلکہ شفاء شریف میں اس کے لئے الگ فصل مقرر کی گئی اور اس کی کوئی صریح حدیث نہیں ہے اور یہ اس کے غلط ہونے کی دلیل ہے۔[1]

۴۔ دعا کے اول، درمیان اور آخر میں درود شریف پڑھنا حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تجعلونی کقدح الراکب، فان الراکب یملأ قدحہ ثم یضعہ و یرفع متاعہ فاذا احتاج الی شراب شرب، او الوضوء توضأ، والا اھراقہ ولکن اجعلونی فی اول الدعاء واوسطہ و آخرہ.

مجھے سوار کے پیالے کی طرح نہ سمجھو کہ سوار اپنے پیالے کو بھرتا ہے پھر اسے رکھ دیتا ہے اور اپنا سامان اٹھا لیتا ہے پھر جب پینے کی ضرورت ہوتی ہے تو پی لیتا ہے یا وضو کی ضرورت ہو تو وضو کرتا ہے ورنہ بہا دیتا ہے بلکہ تم مجھے دعا کے اول، درمیان اور آخر میں کرو (درود شریف پڑھو)۔[2]

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۵۵، اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۴۲، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۳۱۱۷، تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۸۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۵۲-۳۱۱۷)

۵۔ یہ سب سے زیادہ تاکیدی ہے اور وہ دعائے قنوت کے بعد ہے امام احمد، اصحاب سنن، ابن جریر، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ نے حضرت ابو الجوزاء رحمہ اللہ کی حدیث سے نقل کیا وہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی اکرم ﷺ نے کچھ کلمات سکھائے کہ میں وتر نماز میں پڑھوں۔ وہ الفاظ یہ ہیں:

اللھم اھدنی فیمن ھدیت، و عافنی فیمن عافیت، و تولنی فیمن تولیت و بارک لی فیما اعطیت و قنی شر ما قضیت، فانک تقضی ولا یقضی علیک، انہ لا یذل من والیت، ولا یعز من عادیت تبارکت ربنا و تعالیت

(مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۹-۲۰۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۰۰)

یا اللہ! مجھے ہدایت یافتہ لوگوں میں ہدایت دے، جن کو عافیت عطا فرمائے ان میں مجھے بھی عافیت دے میری نگہبانی فرما ان میں جن کی نگہبانی فرماتا ہے جو کچھ مجھے عطا فرمائے اس میں مجھے برکت عطا فرما اپنے فیصلے کے شر سے مجھے محفوظ فرما بے شک تو فیصلہ فرماتا ہے اور تیرے خلاف فیصلہ نہیں ہو سکتا تو جس کا والی ہو وہ ذلیل نہیں ہوتا اور تیرا دشمن معزز نہیں ہو سکتا اے ہمارے رب! تو برکت والا اور بلند ہے۔

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن ابی عاصم نے ایسی سند کے ساتھ جس میں مسعودی ہیں اور وہ ثقہ ہیں یوں نقل کیا اللھم صل علی محمد وابلغہ الدرجۃ والوسیلۃ فی الجنۃ۔ تو وہ اس کا معنیٰ نقل کرتے ہیں (زرقانی ج ۶ ص ۳۵۲)

[2] یعنی میرا ذکر بالطبع اور ضمنی نہ ہو بلکہ اس کی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے شروع میں، درمیان میں اور آخر میں میرا ذکر کرو۔

(زرقانی ج ۶ ص ۳۵۲)

امام نسائی نے اپنی سنن میں ''وصلی اللہ علی النبی'' کا اضافہ کیا۔ [1]

نویں مقصد میں اس سلسلے میں زیادہ بحث ہوگی۔

۶۔ عیدین کی تکبیرات کے دوران درود شریف پڑھنا۔

اسماعیل قاضی نے روایت کیا کہ حضرت ابن مسعود' ابوموسیٰ اور حذیفہ رضی اللہ عنہم کے پاس ولید بن عقبہ آیا اور اس نے کہا کہ عید قریب آچکی ہے تو اس میں تکبیر کا کیا طریقہ ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تم ابتداء میں تکبیر کہہ کر نماز شروع کرو اپنے رب کی حمد بیان کرو اور نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھو پھر دعا مانگو اور تکبیر کہو اور پہلے کی طرح کرو پھر تکبیر کہہ کر اس کی مثل کرو پھر تکبیر کہو اور پہلے کی مثل کرو پھر قرأت کرو اور رکوع کرو پھر کھڑے ہو جاؤ تکبیر کہو اور اپنے رب کی حمد بیان کرو اور نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھو پھر دعا مانگو اور تکبیر کہتے ہوئے پہلے کی طرح کرو پھر رکوع کرو۔ حضرت حذیفہ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضرت ابوعبدالرحمٰن (عبداللہ بن مسعود) رضی اللہ عنہ نے صحیح فرمایا۔ ابن کثیر نے کہا اس کی سند صحیح ہے۔

۷۔ مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت درود شریف پڑھنا۔

امام احمد رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو اپنے آپ پر درود شریف پڑھتے پھر یوں دعا مانگتے:

اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک. یا اللہ! میرے خلافِ اولیٰ کام بخش دے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

اور جب باہر نکلتے تو درود شریف پڑھتے اور پھر یوں دعا مانگتے:

اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلک. [2] یا اللہ! میرے خلاف اولیٰ کام بخش دے اور میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۷۱' مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۹۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۴۰۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۹۶۲۔۲۳۱۰۹)

۸۔ نماز جنازہ میں درود شریف پڑھنا سنت ہے کہ ایک تکبیر کے بعد فاتحہ شریف پڑھے اور بہتر یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد پڑھے اور دوسری تکبیر کے بعد نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں ہدیۂ درود شریف بھیجے اور تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا مانگے اور چوتھی تکبیر کے بعد یوں کہے:

اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ. [3] یا اللہ! ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ کرنا اور اس کے بعد ہمیں فتنہ میں مبتلا نہ کرنا۔

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں یہ اضافہ غیر ثابت ہے کیونکہ عبداللہ بن علی راوی غیر معروف ہیں اور اگر عبداللہ بن علی بن حسن ہوں تو انہوں نے اپنے دادا حضرت حسن سے سماعت نہیں کی لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے۔ (زرقانی ج ۶ ص ۳۵۳)

[2] (ذنوبی کالفظ طلب) مغفرت کے وقت بارگاہ خداوندی میں انکساری اور عاجزی کے اظہار کے طور پر ہے۔ (زرقانی ج ۶ ص ۳۵۳)

[3] احناف کے نزدیک پہلی تکبیر کے بعد ثناء پڑھی جاتی ہے کیونکہ نماز جنازہ دعا ہے اس میں قرآن مجید کی قرأت نہیں ہوتی۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۱۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۱۰۳' المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۶۰)

اس سلسلے میں امام شافعی اور امام نسائی رحمہما اللہ سے حدیث مروی ہے۔

۹۔ تلبیہ (لبیک اللھم لبیک آخر تک) کہتے ہوئے درود شریف پڑھنا۔

امام شافعی اور دار قطنی نے حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ تلبیہ سے فارغ ہونے والے آدمی کو حکم دیا جاتا کہ وہ ہر حال میں نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھے۔

۱۰۔ صفا و مروہ کے پاس درود شریف پڑھنا۔

حضرت اسماعیل قاضی' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا جب تم آؤ تو طواف کے ساتھ چکر لگاؤ اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھو پھر صفا پر آ کر کھڑے ہو جاؤ۔

حتیٰ کہ بیت اللہ شریف کو دیکھو پس سات بار تکبیر کہو اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھے اور اپنے آپ کے لئے دعا مانگے اور مروہ پر بھی اسی طرح کرے۔ ابن کثیر نے کہا کہ اس کی سند حسن' عمدہ اور مضبوط ہے۔

۱۱۔ اکٹھا ہوتے اور جدا ہوتے وقت درود شریف پڑھنا۔

''ترمذی شریف میں'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کوئی قوم مجلس قائم کرے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے اور اس کے نبی ﷺ پر درود شریف نہ پڑھے تو یہ بات اس کے لئے نقصان اور حسرت کا باعث ہے اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو عذاب دے اور چاہے تو بخش دے۔ (موارد الظمآن رقم الحدیث: ۲۳۲۱' جامع تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۴۶۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۹' شرح السنہ ج ۵ ص ۲۷۔۲۸' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۰' الدر المنثور ج ۵ ص ۲۱۸' الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۴۰۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۱۱۔۲۵۴۶۲)

اسماعیل قاضی حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کوئی قوم بیٹھے پھر وہ کھڑے ہو جائیں اور نبی اکرم ﷺ پر درود شریف نہ پڑھیں تو یہ (مجلس) ان کے لئے حسرت کا باعث ہوتی ہے اور اگر وہ جنت میں داخل ہوں تو ثواب نہیں دیکھیں گے۔

۱۲۔ صبح اور شام درود شریف پڑھنا جیسا کہ امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

من صلی علی حین یصبح عشرا و حین یمسی عشرا ادرکتہ شفاعتی یوم القیامۃ۔

جو شخص صبح کے وقت مجھ پر دس بار اور شام کے وقت دس بار درود شریف پڑھے قیامت کے دن اسے میری شفاعت حاصل ہوگی۔

(الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۴۵۸' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۲۰' المغنی ج ۱ ص ۳۳۸' اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۲۸۹۔ ج ۵ ص ۵۱۔ ۱۳۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۶۴)

۱۳۔ وضو کرتے وقت درود شریف پڑھنا' حضرت ابن ماجہ رحمہ اللہ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ

فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا وضوء لمن لم یصل علی النبی (ﷺ). اس شخص کا وضو (کامل) نہیں جو نبی اکرم ﷺ پر درود شریف نہ پڑھے۔

۱۴۔ کان بجتے وقت درود شریف پڑھنا چاہیے۔

حضرت ابن ابی رافع کی روایت جسے ابن السنی نے مرفوعاً روایت کیا اس میں (نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی) ہے:

اذا طنت اذن احدکم فلیذکرنی ولیصل علی ولیقل ذکر اللہ من ذکرنی بخیر جب کسی کے کان سے آواز آئے تو وہ مجھے یاد کرے اور مجھ پر درود شریف پڑھے اور کہے اللہ تعالیٰ اسے یاد فرمائے جس نے مجھے بھلائی کے ساتھ یاد کیا۔

۱۵۔ کسی چیز کو بھول جانے کے وقت درود شریف پڑھنا۔

حضرت ابو موسیٰ مدینی سے ضعیف سند کے ساتھ مروی ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا آپ نے فرمایا:

اذا نسیتم شیئا فصلوا علی تذکروہ ان شاء اللہ تعالیٰ. جب تم کسی چیز کو بھول جاؤ تو مجھ پر درود شریف پڑھو ان شاءاللہ یاد آ جائے گی۔

۱۶۔ چھینک آنے کے بعد درود شریف پڑھنا۔ جیسا کہ ابو موسیٰ المدینی اور ایک جماعت کا مسلک ہے اور دوسرے حضرات نے ان سے اختلاف کیا اور کہا کہ اس جگہ صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے جیسے کھانے پینے اور جماع وغیرہ کے موقع پر ہوتا ہے۔

۱۷۔ رسول اکرم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کے موقعہ پر درود شریف پڑھنا۔ امام ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام. کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو لوٹا دیتا ہے حتیٰ کہ میں سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۴۱، مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۷، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۲۴۵، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۲، اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۴۱۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۰۰)

ابن عساکر نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

من صلی علی عند قبری سمعتہ. جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود شریف بھیجے میں اسے سنتا ہوں۔

جمعۃ المبارک کے دن اور رات کے وقت کثرت سے درود شریف پڑھنے کا حکم آیا ہے۔

حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

تمہارے دنوں میں سے افضل دن جمعہ کا دن ہے اس میں حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اسی دن

ان کی روح قبض ہوئی اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن گرج ہوگی پس اس میں مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھا کرو بے شک تمہارا درود شریف مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ پر ہمارا درود شریف کیسے پیش کیا جائے گا جب کہ آپ کا جسم سوجائے گا؟ آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کیا ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے جسم کو کھائے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۴۷ سنن نسائی ج ۳ ص ۹۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۵۔ ۱۶۳۶ مسند احمد ج ۴ ص ۱۱۔ ج ۴ ص ۸ سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۰۶ المستدرک ج ۱ ص ۲۷۸ الدرالمنثور ج ۵ ص ۳۳۸ موارد الظمآن رقم الحدیث: ۵۵۰ کنزالعمال رقم الحدیث: ۲۲۰۲۔ ۲۲۰۳۷)

اس حدیث کو امام احمد ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ نے نقل کیا اور ابن خزیمہ ابن حبان اور دارقطنی رحمہم اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے فرمایا کہ امام بیہقی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی وہ نبی اکرم ﷺ سے جمعۃ المبارک کی رات اور دن میں کثرت سے درود شریف پڑھنے کا حکم نقل کرتے ہیں لیکن اس کی سند میں ضعف ہے۔

سوال: جمعۃ المبارک کے دن اور رات میں بکثرت درود شریف پڑھنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: ابن قیم نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ تمام مخلوق کے سردار ہیں اور جمعۃ المبارک تمام دنوں کا سردار ہے پس اس دن آپ پر درود شریف کو جو فضیلت حاصل ہے وہ دوسرے دنوں میں نہیں۔

اور اس کے ساتھ ساتھ ایک اور حکمت بھی ہے وہ یہ کہ امت کو دنیا اور آخرت میں جو بھلائی حاصل ہوتی ہے وہ آپ کے واسطہ سے حاصل ہوئی پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے لئے دنیا اور آخرت کی بھلائی کو جمع کیا اور ان کو سب سے بڑا اعزاز جمعہ کے دن حاصل ہوتا ہے وہ جنت میں اپنی منازل اور محلات کی طرف جمعہ کے دن اٹھائے جائیں گے اور جب جنت میں جائیں گے تو یہ دن ان کے لئے مزید فضیلت کا باعث ہوگا اور دنیا میں یہ ان کی عید کا دن ہے اس دن اللہ تعالیٰ ان کی حاجات کو پورا کرتا ہے اور مانگنے والے کا سوال رد نہیں کرتا یہ تمام باتیں ان کو نبی اکرم ﷺ کے ذریعے معلوم ہوئیں اور آپ کے واسطے سے حاصل ہوئیں پس اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اور اس کی حمد بیان کرنا اور نبی اکرم ﷺ کے حق میں سے کچھ ادا کرنا یہ ہے کہ اس دن رات آپ پر کثرت سے درود شریف پڑھا جائے۔

نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنے کی فضیلت

نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں درود شریف کا تحفہ بھیجنے کی فضیلت کے بارے میں قوی احادیث میں وضاحت آئی ہے امام بخاری نے ان میں سے کوئی حدیث ذکر نہیں کی اور اس سلسلے میں سب سے اعلیٰ روایت امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

من صلی علی واحدۃ صلی اللہ علیہ بہا عشرا۔

جو شخص مجھ پر ایک بار درود شریف بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۰ سنن نسائی ج ۳ ص ۵۰ مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۳۰ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۷ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۲۔ الدرالمنثور ج ۵ ص ۲۱۸ کنزالعمال رقم الحدیث: ۲۱۶۲۔ ۲۲۰۶)

اس حدیث کو امام ابوداؤ د ترمذی نسائی احمد اور ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے تو کسی کو اپنے ساتھ جانے کے لئے نہ پایا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پانی کا برتن لے کر آپ کے پیچھے آئے انہوں نے آپ کو سجدے کی حالت میں پایا تو پیچھے ہٹ گئے حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنا سر انور اٹھایا تو فرمایا اے عمر! تم نے اچھا کیا کہ جب مجھے حالت سجدہ میں پایا تو پیچھے رک کے رہے بے شک حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے فرمایا کہ آپ کی امت میں سے جو شخص ایک مرتبہ درود شریف پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرے گا اور اس کے دس درجات بلند کرے گا۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے نقل کیا اور امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں حافظ ضیاء المقدسی نے اس حدیث کو اپنی کتاب **"المستخرج علی الصحیحین"** میں اختیار فرمایا۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو آپ کے چہرۂ انور سے سرور ظاہر ہو رہا تھا صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کے چہرۂ انور پر خوشی کے آثار دیکھ رہے ہیں (کیا وجہ ہے؟) آپ نے فرمایا ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور اس نے کہا اے محمد! کیا آپ اس پر راضی نہیں کہ آپ کا رب عزوجل فرماتا ہے کہ آپ کی امت کا کوئی فرد آپ پر درود شریف پڑھے تو میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں گا اور آپ کی امت کا کوئی شخص آپ پر سلام بھیجے تو میں اس پر دس مرتبہ سلام بھیجوں گا۔ آپ نے فرمایا ہاں (میں اس پر راضی ہوں)۔

(سنن نسائی ج ۳ ص ۴۴ المستدرک ج ۲ ص ۴۲۰ تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۴۵۷)

اس حدیث کو امام دارمی احمد ابن حبان حاکم اور نسائی نے نقل کیا اور الفاظ امام نسائی کے ہیں۔

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو فرشتے مسلسل اس کے لئے دعائے رحمت فرماتے ہیں جب تک مجھ پر درود شریف پڑھتا رہے اب بندہ اسے کم کرے یا زیادہ (اس کی مرضی ہے)۔

اس حدیث کو امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں جو شخص نبی اکرم ﷺ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر ستر مرتبہ رحمت بھیجتے ہیں اب بندہ چاہے تو کم کرے اور چاہے تو زیادہ کرے۔

درود شریف پڑھنے کا فائدہ بیان کرنے کے بعد اختیار دینا اس میں کمی سے ڈرانے کے طور پر ہے اور یہ جھڑک کے معنیٰ کے قریب ہے۔

امام ترمذی نے روایت کیا کہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ پر درود شریف بکثرت پڑھنا چاہتا ہوں تو آپ کے لئے درود شریف کا کتنا وقت مقرر کروں (یعنی اپنی دعا یا اپنے وظائف میں سے کتنا

وقت درود شریف کے لئے مختص کروں) آپ نے فرمایا جس قدر چاہو میں نے عرض کیا چوتھا حصہ؟ فرمایا جس قدر چاہو اور اگر زیادہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے میں نے کہا نصف؟ فرمایا جس قدر چاہو اور اگر زیادہ کرو تو بہتر ہے میں نے عرض کیا دو تہائی؟ فرمایا جس قدر چاہو اگر زیادہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے میں نے کہا میں اپنی دعا (یا اپنے وظائف) کا تمام وقت آپ کے لئے مقرر کرتا ہوں آپ نے فرمایا اب تمہارے کاموں کے لئے کفایت ہوگی اور تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

بارگاہِ نبوی میں ہدیۂ سلام

یہ تمام باتیں درود شریف سے متعلق تھیں جہاں تک سلام کا تعلق ہے تو امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سلام کو چھوڑ کر صرف درود شریف پڑھنا مکروہ ہے انہوں نے اس بات سے استدلال کیا کہ قرآن مجید میں دونوں باتوں کا حکم ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا O (الاحزاب:۵۶)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود شریف بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود اور اچھی طرح سلام بھیجو۔

لیکن امام نووی رحمہ اللہ پر اعتراض کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو درود شریف کی تعلیم سے پہلے سلام کا طریقہ سکھایا جیسا کہ ان کے قول میں وضاحت کے ساتھ منقول ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں معلوم ہو گیا کہ آپ پر سلام کیسے پڑھیں تو (بتایئے) آپ پر درود شریف کس طرح بھیجیں اور نبی اکرم ﷺ نے ان کو درود شریف سکھانے کے بعد فرمایا کہ سلام (اسی طرح پڑھو) جیسا کہ تم جان چکے ہو پس آپ نے ایک مدت تک سلام کو درود شریف سے الگ رکھا۔

لیکن ''فتح الباری میں'' فرمایا کہ صرف درود شریف پڑھنا اور سلام بالکل نہ پڑھنا مکروہ ہے اگر کسی وقت درود شریف پڑھ لے اور کسی دوسرے وقت سلام پڑھے تو اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے والا ہوگا۔

غیر نبی پر سلام پڑھنا

ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والوں) میں سے ابو محمد الجوینی نے فرمایا کہ سلام' درود شریف کے معنیٰ میں ہے پس یہ نہ تو غائب کے لئے استعمال ہوتا ہے اور نہ ہی غیر انبیاء کرام کے لئے الگ طور پر استعمال ہو سکتا ہے پس یوں نہیں کہا جائے گا ''علی علیہ السلام'' (حضرت علی علیہ السلام) اس میں زندہ اور فوت شدہ برابر ہیں البتہ حاضر کے لئے تو اسے خطاب کیا جا سکتا ہے پس ''سلام علیک'' یا ''سلام علیکم'' یا ''السلام علیک'' یا ''السلام علیکم'' کہا جائے گا اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔

اور بعض ناقلین کی عادت ہے کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہما کے لئے سلام کا لفظ استعمال کرتے ہیں مثلاً علیہ السلام یا علیہا السلام کہتے ہیں اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں

کرتے۔ تو اگر چہ معنوی طور پر یہ صحیح ہے لیکن اس سلسلے میں تمام صحابہ کرام کے درمیان مساوات اختیار کرنی چاہیے کیونکہ یہ تعظیم وتکریم کے باب سے ہے اور شیخین (حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق) نیز حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم ان دونوں سے اس بات کے زیادہ لائق ہیں۔ ابن کثیر نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی پر درود شریف پڑھنا

نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی پر درود شریف پڑھنے کے بارے میں اختلاف ہے۔

امام بیہقی نے ایک نہایت کمزور سند کے ساتھ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت نقل کی ہے (کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا):

لا تتركن في التشهد الصلوة علي و على انبياء الله. تشہد میں مجھ پر اور اللہ تعالیٰ کے (دیگر) انبیاء کرام علیہم السلام پر درود شریف پڑھنا نہ چھوڑو۔

اسماعیل قاضی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ:

صلوا على انبياء الله. اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام پر درود شریف پڑھو۔

امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ:

اذا صليتم على فصلوا على انبياء الله فان الله بعثهم كما بعثني. جب تم مجھ پر درود شریف پڑھو تو انبیاء کرام علیہم السلام پر بھی درود پڑھو بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کو مبعوث فرمایا جس طرح مجھے مبعوث فرمایا۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے درود شریف کا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اختصاص ثابت ہے ابن ابی شیبہ نے حضرت عثمان کے طریق سے حضرت عکرمہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں:

ما اعلم الصلاة تنبغي على احد من احد الا على النبي ﷺ. میں نہیں جانتا کہ نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی پر درود شریف بھیجنا مناسب ہو۔

اور اس کی سند صحیح ہے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بھی اس کی مثل آیا ہے۔

حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی پر درود شریف بھیجنا مکروہ ہے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کے بعض شیوخ سے منقول ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے علاوہ کسی پر درود شریف بھیجنا جائز نہیں۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ حضرات نے فرمایا کہ یہ بات امام مالک رحمہ اللہ سے معروف نہیں انہوں نے فرمایا میں غیر انبیاء پر درود شریف پڑھنے کو مکروہ جانتا ہوں اور (اس کی وجہ یہ ہے کہ) ہمارے لئے یہ بات مناسب نہیں کہ ہم اس بات سے تجاوز کریں جس کا ہمیں حکم دیا گیا۔

حضرت یحییٰ بن یحییٰ (بن کثیر اللیثی القرطبی فقیہ مستجاب الدعوات تھے) فرماتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ صلوٰۃ (درود) رحمت کی دعا ہے پس اس کی ممانعت نص یا اجماع کے ذریعے ہوسکتی ہے۔

(الاعلام ج ۸ ص ۱۷۶، نفح الطیب ج ۱ ص ۳۳۲، فیات الاعیان ج ۲ ص ۲۱۶، الدیباج رقم الحدیث: ۳۵۰)

غیر انبیاء پر درود شریف بھیجنا

جہاں تک انبیاء کرام علیہم السلام کے غیر کا تعلق ہے تو اگر وہ بالتبع ہو تو جائز ہے جیسا کہ حدیث شریف میں گزر گیا۔

اللھم صل علی محمد و آل محمد۔ وغیرہ۔

اس کے جواز پر اجماع ہے اختلاف اس بات میں ہے کہ غیر انبیاء پر متصلاً درود شریف بھیجا جاسکتا ہے یا نہیں۔

بعض لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں اور انہوں نے ان آیات سے استدلال کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِىْ يُصَلِّىْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ. (الاحزاب: ۴۳)

وہی اللہ ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی (رحمت کی دعا کرتے ہیں)۔

اور ارشاد ربانی ہے:

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ. (البقرہ: ۱۵۳)

وہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے درود اور رحمت ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ. (التوبہ: ۱۰۳)

آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے کر ان کو ظاہری اور باطنی طور پر پاک کریں اور ان کے لئے رحمت کی دعا کریں۔

اور حضرت عبداللہ بن اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرماتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی قوم آپ کے پاس صدقہ لے کر آتی تو آپ فرماتے:

اللھم صل علیھم. یا اللہ! ان پر رحمت نازل فرما۔

جب میرے والد صدقہ لے کر آئے تو آپ نے فرمایا:

اللھم صل علی آل ابی اوفیٰ. اے اللہ! ابو اوفیٰ کی آل پر رحمت فرما۔

جمہور علماء نے فرمایا کہ غیر انبیاء پر مستقلاً صلوٰۃ کا استعمال جائز نہیں کیونکہ یہ انبیاء کرام کا شعار بن گیا کہ جب ان کا ذکر ہو تو یہ الفاظ کہے جاتے ہیں پس ان کے ساتھ ان کے غیر کو نہیں ملایا جائے گا لہٰذا یوں نہ کہا جائے حضرت ابوبکر ﷺ' یا حضرت علی ﷺ اگر چہ معنوی اعتبار سے صحیح ہے۔ جس طرح یوں نہیں کہا جاتا ''محمد عزوجل'' اگر چہ آپ عزت و جلال والے ہیں کیونکہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کی ذات کا شعار و علامت ہیں۔

اور جو آیات اور حدیث پیش کی گئی ہے اسے ان لوگوں کے لئے دعا پر محمول کیا گیا ہے اسی لئے یہ لفظ (صلوٰۃ) حضرت ابو اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی آل کا شعار نہیں بنا۔ یہ مسلک' حسن ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا (یعنی جمہور کی تائید میں فرمایا) کہ یہ جائز نہیں کیونکہ انبیاء کرام کے غیر پر درود شریف بھیجنا خواہشات کے پجاری لوگوں کی نشانی بن چکی ہے وہ جس کے معتقد ہو جاتے ہیں اس پر درود شریف بھیجتے ہیں لہٰذا اس سلسلے میں ان کی اقتدا نہیں کی جائے گی۔

پھر منع کرنے والوں کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا یہ حرام ہے یا مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ؟

یہ تین قول حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے کتاب ''الاذکار'' میں نقل کرنے کے بعد فرمایا صحیح بات وہ ہے جو اکثر کا قول ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ بدعتی لوگوں کی علامت ہے اور ہمیں ان لوگوں کی علامت سے منع کیا گیا ہے۔

فصل نمبر ۳

نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام' آپ کی آل' آپ کے اہل بیت' قرابت داروں اور اولاد کی محبت کا بیان

آل بیت اور قرابت داروں کی محبت

طبری نے کہا یہ بات جان لو کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو آپ کے علاوہ تمام لوگوں پر چن لیا اور آپ کو ہر قسم کی فضیلت عطا فرمائی تو جو لوگ نسب یا نسبت کے اعتبار سے آپ سے منسوب ہیں آپ کی برکت سے ان کو بھی بلند مقام عطا فرمایا اور تمام مخلوق پر آپ کے مقربین کی محبت کو لازم قرار دیا آپ کے تمام اہل بیت اور اولاد معظم کی محبت کو فرض قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى. (الشوریٰ:۲۳)

آپ فرما دیجئے میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر اجرت طلب نہیں کرتا البتہ اپنے قرابت داروں کی محبت کا سوال کرتا ہوں۔

مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے قرابت دار کون ہیں؟ آپ نے فرمایا حضرت علی' حضرت فاطمہ اور ان کے دونوں صاحبزادے (حضرت حسن اور حضرت حسین) رضی اللہ عنہم۔

ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ○ (الاحزاب:۳۳)

اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے نجاست کو دور رکھے اور تمہیں خوب پاک کر دے۔

آل بیت سے کون لوگ مراد ہیں؟

اس آیت میں جن اہل بیت کا ذکر ہے ان سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس سلسلے میں اختلاف ہے۔

حضرت ابن ابی حاتم' حضرت عکرمہ سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے

فرمایا یہ آیت نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابن جریر نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ وہ بازار میں اعلان کررہے تھے:

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ. (الاحزاب:۳۳) اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے نجاست دور رکھے۔

یہ آیت نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے حافظ ابن کثیر نے کہا آیت کریمہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات جنت میں جائیں گی کیونکہ اس آیت کے نزول کا سبب وہی ہیں اور ایک قول کے مطابق وہ سبب دخول میں داخل ہیں مطلب یہ ہے کہ یا تو وہ تنہا اس کا سبب ہیں یا صحیح قول کے مطابق دوسروں کے ساتھ اس میں داخل ہیں۔

ایک قول کے مطابق یہاں اہل بیت سے نبی اکرم ﷺ مراد ہیں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص چاہے مجھ سے مباہلہ کرلے کہ یہ آیت نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے اگر یہ مراد ہو کہ وہی (تنہا) اس کے نزول کا سبب ہیں ان کے علاوہ کوئی نہیں تو یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اس سلسلے میں ایسی احادیث آئی ہیں جو عمومی معنیٰ پر دلالت کرتی ہیں۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور آپ کے ہمراہ حضرت علی المرتضیٰ، امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہم بھی تھے ان دونوں (صاحبزادوں) نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا حتیٰ کہ آپ اندر تشریف لائے اور حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہما کو اپنے قریب کر کے اپنے سامنے بٹھایا اور حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک کو اپنی ران پر بٹھایا پھر ان پر کپڑا یا ایک روایت کے مطابق چادر ڈالی پھر یہ آیت پڑھی۔ انما یرید اللہ (آخر تک گزر چکی ہے) اور فرمایا:

اللھم ھولاء اھل بیتی واھل بیتی احق یا اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں اور اہل بیت کا زیادہ حق ہے۔

ابن جریر کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ میں (حضرت واثلہ) نے عرض کیا یارسول اللہ! میں بھی آپ کی اہل سے ہوں؟ فرمایا تم بھی میری اہل سے ہو۔

حضرت واثلہ فرماتے ہیں، میں جن باتوں کی امید کرتا ہوں ان میں سے اس کی زیادہ امید ہے۔ [1]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ان کے حجرۂ مبارکہ میں تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک ہنڈیا لے کر حاضر ہوئیں جس میں گھی اور آٹے سے بنا ہوا ایک حلوہ تھا وہ حاضر ہوئیں تو آپ نے فرمایا اپنے خاوند اور دونوں بیٹوں کو بلا کر لاؤ فرماتی ہیں حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم آئے اور آپ کے پاس حاضر ہوئے وہ بیٹھ کر اس حلوے سے کھانے لگے اور آپ ﷺ کے نیچے ایک چادر تھی حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں مخبر صادق ﷺ کی خبر سچی ہے اس کے خلاف نہیں ہوسکتا اس کے باوجود اسے امید سے اس لئے تعبیر کیا کہ شاید یہ کسی عمل کے ساتھ مقید ہو کہ اگر فلاں کام کرو گے تو میری آل میں شامل ہوگے اور شاید وہ شرط پوری نہ ہوسکے۔ (زرقانی ج ۶ ص ۴)

میں حجرے میں نماز پڑھ رہی تھی کہ آیت کریمہ انما یرید اللہ الایہ (آخر تک) نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے چادر کے باقی حصے سے ان کو ڈھانپ لیا پھر اپنے ہاتھ نکال کر آسمان کی طرف کئے اور یوں دعا کی:

اللھم ھولاء اھل بیتی وحامتی فاذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیرا. یا اللہ! یہ میرے اہل بیت اور میرے خاص لوگ ہیں پس ان سے ناپاکی کو دور رکھ اور ان کو خوب پاک کردے۔

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں میں نے حجرے سے اپنا سر باہر کیا اور کہا یا رسول اللہ میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہوں؟ فرمایا تم بہتری پر ہو تم بہتری کی طرف ہو۔[1] اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا اور اس میں ایک راوی کا نام نہیں لیا باقی سند ثقہ لوگوں پر مشتمل ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۲ الدر المنثور ج ۵ ص ۱۹۸)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا آیت کریمہ انما یرید اللہ (آخر تک) پانچ شخصوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے میرے بارے میں حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسن، حضرت حسین اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں۔

اس حدیث کو ابن جریر نے روایت کیا اور امام احمد نے ''المناقب میں'' نیز طبرانی نے بھی روایت کیا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ہمارے درمیان خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد۔ اے لوگو! میں تمہاری طرح انسان ہوں قریب ہے کہ میرے پاس میرے رب کا قاصد (موت کا فرشتہ) آجائے تو میں اس کی بات مان لوں بے شک میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ان میں سے پہلی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں ہدایت ونور ہے پس اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو۔ آپ نے اس کے بارے میں خوب ترغیب دی پھر فرمایا اور میرے اہل بیت، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی (یعنی اس کے حکم کی) یاد دلاتا ہوں، تین بار فرمایا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں کیوں نہیں آپ کی ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت سے ہیں لیکن یہاں اہل بیت سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر نبی اکرم ﷺ کے بعد صدقہ حرام ہے پوچھا وہ کون ہیں۔

فرمایا وہ آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل عباس (رضی اللہ عنہم) ہیں پوچھا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ فرمایا ہاں۔

یہ حدیث امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۶، مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۷، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۴۸۔ ج ۷ ص ۳۰، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۱۳۱، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۳۴۱)

''الثقل''، میں قاف متحرک ہے جیسا کہ قاموس میں ہے ہر نفیس چیز جس کی حفاظت کی جائے، ثقل کہلاتی ہے اسی سے وہ حدیث ہے جس میں فرمایا:

---

[1] آپ نے بتایا کہ تمہارا اہل بیت میں شمار ہونا بعید نہیں ایک روایت میں ہے کہ تم ازواج نبی سے ہو (مقصد یہ کہ تم تو پہلے سے اہل بیت میں شامل ہو۔ ۱۲ ہزاروی)۔ (زرقانی ج ۷ ص ۴)

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی. (قاموس المحیط ج ۳ ص ۳۵۳)
بے شک میں دو عمدہ چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری اولاد۔

اس حدیث کو اختیار کرنا زیادہ مناسب ہے اور اہل سے فقط ازواج مطہرات مراد نہیں بلکہ وہ اہل کے ساتھ مراد ہیں اور جو شخص قرآن مجید میں غور کرے اسے اس بات میں شک نہیں ہوگا کہ ازواج مطہرات اس آیت کریمہ میں داخل ہیں کیونکہ سیاق کلام میں وہی مذکور ہیں اسی لئے اس تمام کلام کے بعد فرمایا:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ. (الاحزاب:۳۴)
اور یاد کرو جو اللہ تعالیٰ کی آیات و حکمت سے تمہارے گھروں میں پڑھا جاتا ہے۔

(عبدالحق بن غالب) ابن عطیہ رحمہ اللہ نے جمہور کا قول کہ اس سے حضرت علی المرتضیٰ، فاطمۃ الزہراء، امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہم مراد ہیں، نقل کرنے کے بعد اس (مندرجہ بالا) قول کو اختیار کیا اور فرمایا جمہور کی دلیل اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی میں "عنکم" اور "یطھرکم" کے الفاظ ہیں یہ میم کے ساتھ جمع مذکر حاضر کی ضمیر ہے اگر صرف عورتوں کے لئے ہوتا تو "عنکن" ہوتا۔

(الاعلام ج ۳ ص ۲۸۲، نفح الطیب ج ا ص ۵۹۳، قضاۃ الاندلس ص ۱۰۹، بغیۃ الملتمس رقم الحدیث: ۳۷۶، بغیۃ الوعاۃ ص ۲۹۵)

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ مذکر کے صیغے کے ساتھ خطاب تغلیب کے طور پر ہے (یعنی مردوں کو غالب رکھا گیا) پس اس سے مراد اسی طرح ہوگی جس طرح اس حدیث میں آل سے مراد ہے جو حدیث درود شریف کی کیفیت سے متعلق ہے اور اس کا ذکر گزر چکا ہے یعنی اس کے قول کے مطابق جس نے آل سے اولاد مراد لی ہے یہ ساری گفتگو پہلے ہو چکی ہے۔

شاعر نے کیا خوب کہا اللہ تعالیٰ اسے جزائے خیر عطا کرے:

یا ال بیت رسول اللہ حبکم — فرض من اللہ فی القرآن انزلہ
یکفیکم من عظیم الفضل انکم — من لم یصل علیکم لا صلاۃ لہ

"اے رسول اللہ! ﷺ کے آل بیت تمہاری محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کی گئی اور اس سلسلے میں قرآن مجید (میں حکم) نازل ہوا۔ تمہاری بہت بڑی فضیلت کے لئے یہی کافی ہے کہ جو شخص تم پر درود شریف نہ پڑھے اس کا درود شریف قبول نہیں ہے"۔

آل بیت کی محبت

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی اس مرفوع حدیث کا معنیٰ نقل کیا ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

انی اوشک ان ادعی فاجیب وانی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی، کتاب اللہ
قریب ہے کہ مجھے بلایا جائے اور میں لبیک کہوں اور میں تم میں دو عمدہ چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اللہ تعالیٰ کی

حبل ممدود من السماء الی الارض، و عترتی اھل بیتی، و ان اللطیف الخبیر اخبرنی انھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض فانظروا بماذا تخلفونی فیھما.

کتاب اور میری عترت اللہ تعالیٰ کی کتاب ایک رسی ہے جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے اور میری عترت میرے گھر والے ہیں اور لطیف وخبیر ذات نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ حوض پر مجھے ملیں پس تم دیکھو گے کہ میرے بعد تم ان سے کیا سلوک کرتے ہو۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۷، طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۵۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۹۴۴)

جوہری کے قول کے مطابق کسی شخص کی عترت اس کی اہل، نسل اور اس کا قریبی قبیلہ ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا:

یا ایھا الناس ارقبو محمدا فی اھل بیته.

اے لوگو! حضرت محمد ﷺ کے اہل بیت کے سلسلے میں آپ کا خیال رکھو۔

''مراقبہ'' کا معنیٰ کسی چیز کی حفاظت کرنا ہے یعنی ان کی حفاظت کرو اور ان کو اذیت نہ پہنچاؤ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک اور قول صحیح بخاری میں منقول ہے:

لقرابة رسول الله ﷺ احب الی ان اصل من قرابتی.

رسول اللہ ﷺ کی قرابت سے صلہ رحمی مجھے اپنی قرابت کے مقابلے میں زیادہ پسند ہے۔

جب حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے آپ سے نبی اکرم ﷺ کی وراثت کا مطالبہ کیا [1] تو آپ نے عذر پیش کرتے ہوئے یہ (مندرجہ بالا) بات فرمائی اور آپ کا یہ قول ایمان کا تقاضا تھا کیونکہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی جان، مال اور اولاد کے مقابلہ میں آپ سے زیادہ محبت ہو جس طرح اسی مقصد کی پہلی فصل میں بیان ہوا۔

پھر نبی اکرم ﷺ نے اپنے اقارب کے لئے وہی بات ثابت فرمائی جو اپنے لئے ثابت کی آپ نے فرمایا:

من احبھم فبحبی احبھم.

جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی۔

اور آپ نے ہم پر شفقت فرماتے ہوئے اس بات کی ترغیب دی آپ پر اور آپ کی آل واہل بیت پر اللہ کی رحمتیں اور سلام ہو۔

کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا:

رایت ولائی آل طٰہٰ فریضة	علی رغم اھل البعد یورثنی القربیٰ
فما طلب المبعوث اجرا علی الھدی	بتبلیغه الا المودة فی القربیٰ

[1] نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم انبیاء کرام کی جماعت کسی کے وارث ہوتے ہیں نہ کوئی ہمارا وارث ہوتا ہے چونکہ حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے علم میں یہ حدیث نہیں تھی اس لئے انہوں نے مطالبہ کیا لیکن جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی تو وہ خاموش ہو گئیں اور اس مطالبہ سے دستبردار ہو گئیں۔ ۱۲ ہزاروی

''میں آل طٰہٰ سے محبت کو فرض جانتا ہوں یہ دوری والوں کی مرضی کے خلاف ہے اور یہ محبت مجھے قرب عطا کرتی ہے اس نبی مبعوث نے ہدایت کی تبلیغ پر قرابت داروں کی محبت کے سوا کوئی اجرت نہیں مانگی''۔

''ترمذی شریف میں'' ایک حدیث منقول ہے جسے انہوں نے حدیث کہا ہے اس میں ہے:

احبوا الله لما يغزوكم به واحبونی بحب الله واحبوا اهل بيتی بحبی.

اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کہ وہ تمہیں غذا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت کرو۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۹' المستدرک ج ۳ ص ۱۴۹' المعجم الکبیر ج ۳ ص ۳۹' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۱۱)

امام احمد رحمہ اللہ کی کتاب ''کتاب المناقب'' میں ہے:

من ابغض اهل البيت فهو منافق.

جو شخص اہل بیت سے بغض رکھے وہ منافق ہے۔

حضرت ابن سعد نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من صنع الى احد من اهل بيتی معروفا فعجز عن مكافاته فی الدنيا فانا المكافی له فی يوم القيامة.

جو شخص میرے اہل بیت میں سے کسی سے اچھا سلوک کرے اور وہ دنیا میں اس کا بدلہ نہ دے سکے تو میں اس کی طرف سے قیامت کے دن بدلہ دوں گا۔

قرابت سے کون لوگ مراد ہیں؟

قرابت سے وہ لوگ مراد ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے جد اقرب یعنی حضرت عبد المطلب کی طرف منسوب ہیں اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی صحبت اختیار کی یا آپ کی زیارت کی وہ مرد ہوں یا عورتیں۔ اور وہ آپ کے اہل قرابت درج ذیل لوگ ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ اور ان کی اولاد یعنی حضرت امام حسن' حضرت امام حسین' حضرت محسن اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہم جو حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر سے ہیں۔

حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کی اولاد یعنی حضرت عبد اللہ' حضرت عون اور حضرت محمد' رضی اللہ عنہم۔ اور کہا جاتا ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب کے ایک اور صاحبزادے بھی تھے جن کا نام احمد تھا۔

حضرت عقیل بن ابی طالب اور ان کے صاحبزادے حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہما۔

حضرت حمزہ بن عبد المطلب اور ان کی اولاد یعنی حضرت یعلیٰ' حضرت عمارہ اور حضرت امامہ رضی اللہ عنہم۔

حضرت عباس بن عبد المطلب اور ان کی مذکر اولاد اور وہ دس ہیں حضرت فضل' حضرت عبد اللہ' حضرت قثم' حضرت عبید اللہ' حضرت حارث' حضرت معبد' حضرت عبد الرحمٰن' حضرت کثیر' حضرت عون اور حضرت تمام رضی اللہ عنہم ان کے بارے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تموا بتمام فصار و اعشرة يا رب فاجعلهم كراما بررة

''حضرت تمام کے ساتھ پورے ہو گئے پس دس ہوئے اے میرے رب ان (میرے بیٹوں) کو عزت

والے اور نیک بنادے''۔

کہا گیا کہ ان سب کو نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی ہے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیوں میں حضرت ام حبیبہ' حضرت آمنہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہن ہیں ان میں سے اکثر کی والدہ حضرت لبابہ ام الفضل ہیں۔(رضی اللہ عنہا)

معتب بن ابی لھب اور عباس ابن ابولھب اور یہ آمنہ بنت عباس کے خاوند ہیں۔(صحیح یہ ہے کہ عباس بن عتبہ بن ابی لھب ہیں)۔ [1] (الاصابہ ج۴ص۳۰)

حضرت عبداللہ بن زبیر بن عبدالمطلب اور ان کی بہن حضرت ضباعہ (رضی اللہ عنہم) یہ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔

ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور ان کے صاحبزادے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ۔

حضرت نوفل بن حارث بن عبدالمطلب اور ان کے بیٹے حضرت مغیرہ اور حارث۔ اور ان عبداللہ بن حارث کو زیارت کا شرف حاصل ہے ان کا لقب ببة تھا۔(دونوں جگہ باء دوسری باء مشدد ہے)۔

حضرت امیمہ' اروی' عاتکہ اور صفیہ جو حضرت عبدالمطلب کی صاحبزادیاں ہیں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اسلام لائیں اور صحابیت کا شرف حاصل کیا باقی کے اسلام لانے میں اختلاف ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مقام

''صحیح بخاری میں'' حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

انت منی بمنزله هارون من موسی الا انه لا نبی بعدی.

تمہیں مجھ سے وہی تعلق ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھا مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۳۰' جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۷۳۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۲۱' مسند احمد ج۱ص۱۷۹' حلیۃ الاولیاء ج۴ص۳۴۵' اتحاف السادۃ المتقین ج۲ص۲۲۷' مجمع الزوائد ج۹ص۱۰۹)

دوسری حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسی.

کیا آپ اس بات پر راضی نہیں کہ آپ کا میرے ساتھ وہی تعلق ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھا۔

[1] ''الاصابہ'' میں ہے کہ آمنہ بنت عباس بن عبدالمطلب ہاشمیہ' عباس بن عتبہ بن ابی لھب کی زوجہ تھیں مشہور شاعر فضل بن عباس ان کے صاحبزادے ہیں (زرقانی ج۷ص۱۱) حضرت عباس رضی اللہ عنہ (حضور علیہ السلام کے چچا) کے صاحبزادے حضرت فضل ان کے علاوہ ہیں۔۱۲ہزاروی

یعنی آپ کو میرے ہاں وہی مقام حاصل ہے، جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاں حضرت ہارون علیہ السلام کو حاصل تھا۔ باء زائدہ ہے۔

طیبی نے کہا حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ تم میرے ساتھ اس طرح ملے ہوئے ہو جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے اس میں تشبیہ مبہم ہے جسے آپ نے اس قول کے ساتھ بیان کیا:

الا انہ لا نبی بعدی. مگر یہ کہ میرے بعد نبی نہیں۔

پس معلوم ہوا کہ ان دونوں کے درمیان اتصال نبوت کی جہت سے نہیں بلکہ اس سے نچلے درجے کی جہت یعنی خلافت کے اعتبار سے (یعنی غزوۂ تبوک کے موقعہ پر خلافت) اور جب حضرت ہارون علیہ السلام مشبہ بہ ہیں اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں خلیفہ تھے تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے ساتھ خاص ہے۔ واللہ اعلم

ایک شبہ کا جواب

اس حدیث سے یہ استدلال کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلافت کا استحقاق حاصل ہے کسی دوسرے صحابی کو نہیں کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ان کے خلیفہ تھے ان کے وصال کے بعد نہیں کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا وصال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال سے پہلے ہوا اس بات کی طرف خطابی نے اشارہ کیا ہے۔

''ترمذی اور نسائی میں'' حدیث شریف ہے:

من کنت مولاہ فعلی مولاہ. جس کا میں مولا ہوں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اس کے مولا ہیں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۱۳، مسند احمد ج ۱ ص ۸۴۔۱۵۲، المستدرک ج ۳ ص ۱۱۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۱، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۷، حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۲۳، کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۷۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۹۰۴۔۳۶۵۱۵)

تو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے اسلام کی ولاء (یعنی مدد) مراد ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے:

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ مَوْلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْکٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَھُمْ○ (محمد: ۱۱) یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا مددگار ہے جو ایمان لائے اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ نے (حضرت علی المرتضیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا:

اصبحت مولی کل مؤمن. آپ ہر مؤمن کے مددگار ہیں۔

یعنی ہر مؤمن کے ولی ہیں۔

اس حدیث کے کئی طرق ہیں جن کو ابن عقدہ (احمد بن محمد کوفی مولیٰ بن ہاشم) نے کتاب مفرد میں جمع کیا اور اس کی اکثر اسناد صحیح اور حسن ہیں ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من اذی علیا فقد اذانی. جس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اذیت پہنچائی اس نے مجھے اذیت پہنچائی۔

(الاعلام ج۱ص۲۰۷ تذکرۃ الحفاظ ج۳ص۸۳۹ تاریخ بغداد ج۵ص۱۴ العمر ج۲ص۲۳۰ المستدرک ج۳ص۱۲۲ مصنف ابن ابی شیبہ ج۱۲ص۵۷ موارد الظمآن رقم الحدیث:۲۲۰۲ دلائل النبوۃ ج۵ص۳۹۵ کنز العمال رقم الحدیث:۳۲۹۰۱۔۳۶۴۴۵)

اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

اور مخلص الذہبی (ابو طاہر محمد بن عبدالرحمٰن) نے (نیز امام طبرانی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً) نقل کیا کہ:

من احب علیا فقد احبنی. جس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔

اور نقاش (مشہور مفسر دحافظ) نے ذکر کیا کہ ارشاد باری تعالیٰ:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا○ (المریم:۹۶) بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے عنقریب رحمٰن ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا۔

(یہ آیت) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تم کسی مؤمن کو نہیں پاؤ گے مگر وہ حضرت علی المرتضیٰ اور آپ کے اہل بیت سے محبت کرتا ہوگا۔

ابو حیان نے (اپنی تفسیر) ''البحر میں'' فرمایا لغوی امام رضی الدین ابو عبداللہ بن یوسف انصاری شاطبی لز بینا بن اسحاق نصرانی رسعنی نے عجیب بات کہی:

عدی و تیم لا احاول ذکرهم بسوء ولکننی محب لهاشم

وما یعترینی فی علی ورهطه اذا ذکروا فی الله لومة لائم

یقولون ما بال النصاری تحبهم واهل النهی من اعرب واعاجم

فقلت لهم انی لا حسب حبهم سری فی قلوب الخلق حتی البهائم

''میں بنو عدی اور بنو تیم کا ذکر برائی کے ساتھ نہیں کرتا لیکن میں ہاشم قبیلے کا محب ہوں اور جب حضرت علی المرتضیٰ اور ان کے خاندان کا ذکر کیا جائے تو مجھے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں وہ کہتے ہیں اے نصاریٰ تمہیں کیا ہے کہ تم ان سے محبت کرتے ہو جب کہ عرب وعجم کے عقلمند لوگ موجود ہیں میں ان سے کہتا ہوں کہ میں ان کی محبت کو مخلوق کے دلوں حتیٰ کہ جانوروں کے اندر بھی پاتا ہوں''۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا مقام

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو سب لوگوں سے زیادہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے محبت تھی اور ان کے خاوند مردوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے۔

صحیح بخاری میں ہے:

ان فاطمة بضعة منی فمن اغضبها اغضبنی. بے شک فاطمہ میرا ٹکڑا ہیں پس جس نے ان سے دشمنی رکھی اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۳۲۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۲۱۲_۳۴۲۴۲)

''البضعة'' کی باء پر فتح ہے ضمہ اور کسرہ بھی آیا ہے اور ضاد ساکن ہے اس سے مراد گوشت کا ٹکڑا ہے۔

امام سہیلی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت خاتون جنت کو گالی دینے والا کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔

حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کا مقام

''جامع ترمذی میں'' حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی روایت منقول ہے امام ترمذی نے فرمایا یہ حسن غریب ہے نبی اکرم ﷺ نے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا:

اللھم انی احبھما فاحبھما واحب من یحبھما. یا اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں پس تو بھی ان دونوں سے محبت کر اور جوان سے محبت کرے اسے بھی محبوب رکھنا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۸۲' مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۶' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۲۳۳' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۷۶۱' المعجم الکبیر ج ۳ ص ۳۹' الکامل ج ۳ ص ۱۰۴۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۲۵۵_۳۷۶۹۷)

امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے خاص امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کی اور ابو حاتم نے یہ اضافہ کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں جو کچھ فرمایا اس کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہ تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حافظ سلفی نے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں:

میں نے جب بھی حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دیکھا میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے کیونکہ ایک دن رسول اکرم ﷺ باہر تشریف لائے اور میں مسجد میں تھا آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور میرا سہارا لیا حتیٰ کہ ہم قینقاع کے بازار میں آئے آپ نے وہاں دیکھا پھر واپس لوٹ گئے حتیٰ کہ مسجد میں تشریف فرما ہوئے پھر فرمایا میرے بیٹے کو بلاؤ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو لایا گیا جو تیز تیز چل رہے تھے حتیٰ کہ آپ کی گود میں جا بیٹھے نبی اکرم ﷺ ان کے منہ کو کھولتے پھر ان کے منہ کو اپنے دہن مبارک میں ڈالتے (تاکہ برکت حاصل ہو) اور فرما رہے تھے:

اللھم انی احبه فاحبه واحب من یحبه. یا اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور ان سے محبت کرنے والے کو محبوب رکھنا۔

آپ نے یہ بات تین بار فرمائی۔

''جامع ترمذی میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ دونوں صاحبزادوں کو

سونگھتے اور اپنے ساتھ ملاتے اور فرماتے:

من احبنی واحب ھذین واباھما وامھما کان معی فی درجتی یوم القیامۃ.

جو مجھ سے محبت کرے اور ان دونوں سے نیز ان دونوں کے باپ اور ان کی ماں سے محبت کرے وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۷۳۳' مسند احمد ج ۱ص۷۷' کنز العمال رقم الحدیث:۳۴۱۶۱)

امام ترمذی نے '' کان معی فی الجنۃ '' (میرے ساتھ جنت میں ہوگا) کے الفاظ نقل کئے اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

اور معیت سے یہاں مقام کے اعتبار سے معیت مراد نہیں بلکہ پردہ اٹھنے کے اعتبار سے ہے جیسا کہ چھٹے مقصد میں آیت کریمہ:

فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ. (النساء:۶۹)

پس وہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی انبیاء کرام' صدیقین' شہدا اور صالحین۔

کے ضمن میں بیان ہوا۔

ابوزہیر بن ارقم' قبیلہ ازد کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

من احبنی فلیحبہ فلیبلغ الشاھد الغائب.

جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے وہ ان سے محبت کرے اور حاضر کو چاہیے کہ غائب تک (یہ بات) پہنچادے۔

''صحیح بخاری میں ہے'' آپ نے فرمایا:

ھمار یحانتا ی من الدنیا.

یہ دونوں (امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما) دنیا میں میری خوشبو ہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی زبان یا ہونٹوں کو چوستے تھے۔ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا۔

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اٹھا رکھا تھا اور فرما رہے تھے:

بابی شبیہ بالنبی لیس شبیھا بعلی.

میرے باپ ان پر قربان ہوں یہ نبی اکرم ﷺ کے مشابہ ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مشابہ نہیں ہیں۔

اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مسکرا رہے تھے۔

حضرت محمد بن سیرین' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ' یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ' رسول

اکرم ﷺ سے ان سب سے زیادہ مشابہ تھے۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت زہری کی روایت نقل کی ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

لم یکن احدا شبه بالنبی ﷺ من الحسن بن علی. کوئی شخص بھی حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر حضور علیہ السلام کا شبیہ نہ تھا۔

لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی صفت میں فرمایا:

لم ار قبله ولا بعده مثله. میں نے آپ سے پہلے اور بعد آپ جیسا نہیں دیکھا

یہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''شمائل میں'' ذکر کی ہے اور تیسرے مقصد میں ذکر ہو چکی ہے تو یہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس پہلی بات کے خلاف ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نفی کو عمومی تشبیہ پر محمول کیا جائے اور اثبات سے خصوصی تشبیہ مراد ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا جو قول پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی بھی حضور علیہ السلام سے زیادہ مشابہ نہ تھا تو حضرت ابن سیرین کی روایت جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے اور پہلے گزر چکی ہے وہ اس کے معارض ہے اس میں یہ تھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ زیادہ مشابہ تھے تو ان دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا وہ قول جو حضرت زہری نے نقل کیا وہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی کی بات ہوگی کیونکہ اس وقت آپ اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی نسبت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔

اور جو کچھ ابن سیرین کی روایت میں ہے وہ اس کے بعد کی بات ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسروں کے مقابلے میں حضرت امام حسین نبی اکرم ﷺ کے زیادہ مشابہ تھے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک اپنے بعض اعضاء کے اعتبار سے حضور علیہ السلام کے زیادہ مشابہ ہوں۔

امام ترمذی اور ابن حبان نے حضرت ہانی بن ہانی کے واسطے سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ سر سے سینے تک اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس سے نیچے رسول اکرم ﷺ کے زیادہ مشابہ تھے۔

نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کن کن لوگوں کی مشابہت تھی؟

حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم کے علاوہ جن حضرات کو نبی اکرم ﷺ سے مشابہت تھی ان میں حضرت جعفر بن ابی طالب ہیں نبی اکرم ﷺ نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اشبهت خلقی و خلقی. آپ خُلق اور صورت میں میرے مشابہ ہیں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۶۵' مسند احمد ج ۱ ص ۹۸۔ ج ۴ ص ۳۴۲' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۵' المستدرک ج ۳ ص ۱۲۰' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۹۴' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۳۷۷' تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۳۷۹' المغنی ج ۲ ص ۳۱' مشکل الآثار

ج ۴ص ۳۷۱ ٗ اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ص ۳۰۷ ٗ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۱۹۶۔ ۳۶۹۰۶)

ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن جعفر ٗ حضرت قثم بن عباس بن عبدالمطلب ٗ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ٗ مسلم بن عقیل بن ابی طالب ٗ سائب بن یزید المطلبی (حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے جداعلیٰ) حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز ٗ کابس بن ربیعہ (اہل بصرہ میں سے تھے) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف توجہ فرمائی ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور زمین کا ایک حصہ ان کے لئے مختص کیا حضرت انس رضی اللہ عنہ جب ان (کابس بن ربیعہ) کو دیکھتے تو رو پڑتے تھے۔

یہ دس حضرات ہیں۔ شیخ الاسلام حافظ ابوالفضل بن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ان کا ذکر نظم کی صورت میں کیا انہوں نے فرمایا:

شبہ النبی لعشر سائب وابی ——— سفیان والحسنین الطاهرین هما

و جعفر وابنہ ثم ابن عامر هم ——— ومسلم کابس یتلوہ مع قثما

''دس آدمی نبی اکرم ﷺ کے شبیہ تھے حضرت سائب ٗ ابوسفیان حسنین کریمین ٗ حضرت جعفر اور ان کے صاحبزادے حضرت ابن عامر ٗ حضرت مسلم ان کے بعد حضرت کابس اور حضرت قثم رضی اللہ عنہم''۔

بعض حضرات نے ان کی تعداد ستائیس لکھی ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے مشابہت رکھنے والوں میں آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضور علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ بھی تھے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادے حضرت عبداللہ (جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) اور حضرت عون رضی اللہ عنہما اور اہل بیت میں سے ان کے علاوہ حضرات بھی آپ سے مشابہت رکھتے تھے حضرت ابراہیم بن حسین بن حسن بن علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہم) بھی ان میں شامل ہیں۔

اور یحییٰ بن قاسم بن محمد بن جعفر بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم بھی آپ کے شبیہ تھے اور ان کو شبیہ ہی کہا جاتا تھا۔

شریف محمد بن اسعد نسابہ نے ''الزورۃ الانیسہ لمشهد السیدۃ النفیسہ میں'' فرمایا کہ حضرت یحییٰ بن قاسم کے جسم میں مہر نبوت کی جگہ پر کبوتری کے انڈے کے برابر مہر نبوت کی طرح ابھرا ہوا (گوشت) تھا اور جب آپ حمام میں داخل ہوتے اور لوگ آپ کو دیکھتے تو نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھتے اور آپ سے تبرک حاصل کرتے تھے آپ کی پیٹھ کی طرف ہجوم کرتے ہوئے بڑھتے اسی لئے آپ کو الشبیہ کہا گیا اور قاسم بن عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہم بھی آپ کے شبیہ تھے۔

حضرت علی بن علی بن نجاد بن رفاعہ رفاعی تبع تابعین میں سے مصری بزرگ بھی آپ کے شبیہ تھے۔

اور یہاں مشابہت سے جزوی مشابہت مراد ہے ورنہ آپ کا حسن کامل شریک سے منزہ ہے۔

امام بوصیری رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا:

منزہ عن شریک فی محاسنہ ——— فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

''آپ اپنے حسن میں شریک سے منزہ ہیں آپ میں جو جوہر حسن ہے وہ ناقابل تقسیم ہے''۔

جیسا کہ میں (مصنف علیہ الرحمہ) نے تیسرے مقصد میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

میں (مصنف) نے اس گفتگو کو کچھ طویل کر دیا لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا کہ انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو کاندھے پر اٹھایا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد جو شخصیت تمام انسانوں میں سے افضل ہے اس نے اہل بیت محمدی کا کس قدر احترام کیا اور ان کو کاندھوں پر بٹھایا خصوصاً آپ کا یہ فرمانا کہ نبی اکرم ﷺ کی قرابت سے صلہ رحمی کرنا مجھے اپنی قرابت کے مقابلے میں زیادہ پسند ہے۔

اور جب اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے مشابہت کا ذکر تھا تو میں نے اپنے کلام کو اس موضوع میں طول دیا میں نے اپنے اس مجموعہ (کتاب) میں اکثر اس طرح کا طریقہ اختیار کیا لیکن یہ عمل عمدہ فوائد سے خالی نہیں ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مقام

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اذیت نہ دو اس طرح تم مجھے اذیت دو گے۔ جس نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی۔ یہ حدیث امام بغوی (ابو القاسم عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز بن المرزبان، حافظ الحدیث متوفی ۳۱۷ھ) رحمہ اللہ نے اپنی معجم میں بیان کی ہے۔

(الاعلام ج ۴ص ۱۱۹، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ص ۷۳۷، شذرات الذہب ج ۲ص ۲۷۵، تاریخ بغداد ج ۱۰ص ۱۱۱، العبر ج ۲ص ۱۷۰)

نبی اکرم ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بھی فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لا یدخل قلب رجل الایمان حتی یحبکم للہ ولرسولہ.

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ وہ تم لوگوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خاطر محبت کرے۔

پھر فرمایا:

ایھا الناس من آذی عمی فقد آذانی فانما عم الرجل صنو ابیہ.

اے لوگو! جس نے میرے چچا کو اذیت پہنچائی اس نے مجھے اذیت دی بے شک کسی آدمی کا چچا اس کے باپ کا بھائی ہوتا ہے۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور آپ کا ارشاد گرامی کہ "لا یدخل قلب رجل الایمان حتی یحبکم" (کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہ ہوگا حتیٰ کہ وہ تم سے محبت کرے)۔

میں، حقیقی نجات دینے والے ایمان کی طرف اشارہ ہے اور وہ تصدیق قلبی ہے اور محبت و ایمان کے درمیان اس اعتبار سے رابطہ ہے کہ محبت، محبوب کی طرف دل کے میلان کا نام ہے اور ایمان تصدیق قلبی ہے پس یہ دونوں باتیں دل میں جمع ہوتی ہیں اور ان دونوں کو لازم قرار دیا گیا لہٰذا ایک کی نفی سے دوسرے کی نفی لازم آتی ہے۔

پھر اس محبت کے بارے میں بتایا کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہو لہٰذا کسی اور کی خاطر محبت کا اعتبار نہ ہوگا پھر ان کی اذیت کو اپنی تکلیف قرار دیا کیونکہ آپ ان کے عضو اور قریبی رشتہ دار ہیں پھر ان کے مقام کی عظمت یوں بیان کی کہ باپ کے قائم مقام قرار دیا تو جس طرح اولاد پر باپ کی تعظیم اور اس کے حقوق کی ادائیگی لازم ہے اسی طرح چچا کا معاملہ بھی ہے تو آپ نے فرمایا کسی شخص کا چچا باپ کے قائم مقام ہوتا ہے۔ (''وانما عم الرجل صنو ابیه'' کے الفاظ ارشاد فرمائے) اور یہ صاد کے کسرہ اور نون کے سکون سے ہے یعنی باپ کی مثل ہے۔

ابن اثیر نے کہا کہ اس (صیغہ) کی اصل یہ ہے کہ ایک جڑ سے دو درخت اُگیں آپ کی مراد یہ تھی کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور آپ کے والد ماجد کی اصل ایک ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت عباس اور ان کے صاحبزادوں رضی اللہ عنہم کو ایک چادر کے نیچے لے کر فرمایا:

اللھم اغفر للعباس وولده مغفرة ظاهرة وباطنة لا تغادر ذنبا اللھم احفظه في ولده.

یا اللہ! حضرت عباس اور ان کی اولاد (رضی اللہ عنہم) کو ظاہری اور باطنی طور پر بخش دے کہ کوئی گناہ نہ چھوڑے یا اللہ! ان کی اولاد میں ان کی حفاظت فرما۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۶۲، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۱۴۹، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۷۶۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۴۴۳)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا اور فرمایا یہ حسن غریب ہے۔

ابن السری نے اپنی روایت میں بیان کیا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وہ صاحبزادے جن کو چادر کے ساتھ ڈھانپا گیا، چھ تھے حضرت فضل، حضرت عبد اللہ، حضرت عبید اللہ، حضرت قثم، حضرت معبد اور حضرت عبد الرحمٰن (رضی اللہ عنہم) وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ان کو ایسی چادر سے ڈھانپا جو سیاہ رنگ کی تھی اور اس میں سرخ دھاریاں تھیں اور آپ نے فرمایا:

اللھم ان ھؤلاء اھل بیتی و عترتی فاسترھم من النار کسترھم بھذہ الشملة.

یا اللہ! یہ میرے اہل بیت اور میری اولاد ہیں پس ان کو آگ سے اس طرح ڈھانپ لے جس طرح اس چادر میں ان کو ڈھانپا گیا۔

پس گھر میں ہر ڈھیلے اور دروازے نے آمین کہی۔

حضرت عقیل اور ابو سفیان رضی اللہ عنہما کا مقام

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

انی احبک حبین حبا لقرابتک منی و حبا لما کنت اعلم من حب عمی لک.

(کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۶۱۸)

میں تم سے دو بار محبت کرتا ہوں ایک محبت اس بنیاد پر کہ تم میرے قرابت دار ہو اور دوسری محبت اس لئے کہ مجھے معلوم ہے کہ میرے چچا (ابو طالب دوسری اولاد کی نسبت)

تم سے (زیادہ) محبت کرتے تھے۔

طبری نے کہا کہ یہ حدیث ابوعمر (بن عبدالبر) اور بغوی نے نقل کی ہے اور دار قطنی نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے غزوۂ حنین کے دن فرمایا:

ابو سفیان بن الحارث (بن عبد المطلب) خیر اهلی او من خیر اهلی.

ابوسفیان بن حارث (بن عبدالمطلب) میرے اہل میں یا فرمایا میرے اہل میں سے بہترین ہیں۔

آل بیت کے بارے میں اصطلاحات

امام حاکم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی اور اسے صحیح قرار دیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا یبغضنا اهل البیت احد الا ادخله الله النار.

اے اہل بیت! ہم سے جو بھی بغض رکھے گا اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کرے گا۔

(المستدرک ج ۳ ص ۳۵۲، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۹۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۲۰۴)

آل بیت کے لئے چار الفاظ کا استعمال مشہور ہے جن سے وہ موصوف ہیں۔

۱۔ آله علیه الصلوٰة والسلام

۲۔ اهل بیة

۳۔ ذوی القربیٰ

۴۔ عترته

جہاں تک پہلے لفظ کا تعلق ہے تو ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ یہی لوگ آپ کے اہل بیت ہیں اور دوسرے حضرات نے فرمایا ان ہی لوگوں پر صدقہ حرام ہے اور اس کے بدلے میں ان کو خمس کا خمس دیا گیا' ایک اور جماعت نے کہا کہ جو لوگ نبی اکرم ﷺ کا دین اختیار کر کے آپ کی اتباع کریں وہی آپ کے آل ہیں۔

دوسرا لفظ آپ کے اہل بیت کے لئے ہی استعمال ہوتا ہے پس کہا گیا ہے کہ جو لوگ آپ کے قریب کے دادا کی طرف منسوب ہیں وہ لوگ آپ کے اہل بیت ہیں یہ بھی کہا گیا کہ جو لوگ آپ کے ساتھ رحم میں شریک ہیں اور ایک قول کے مطابق جو حضرات نسب یا سبب سے آپ کے ساتھ اتصال رکھتے ہیں وہ لوگ آپ کے اہل بیت ہیں۔

اور تیسرا لفظ یعنی ذوی القربیٰ کے بارے میں واحدی نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى. (الشوریٰ: ۲۳)

آپ فرما دیجئے میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر قرابت داروں کی محبت کے علاوہ کسی چیز کا سوال نہیں کرتا۔

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں جن سے محبت کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا حضرت علی المرتضیٰ حضرت فاطمۃ الزہراء اور ان کے دونوں صاحبزادے۔[1]

---

[1] حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما جو عنقریب پیدا ہوں گے کفار کے شر کو دور کرنے کے لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں قرآن مجید' دین اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت کے بدلے میں تم سے اور کچھ نہیں مانگتا میرے ساتھ جو تمہاری قرابت ہے اس کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو اور مجھے اذیت نہ دو۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۰)

اور چوتھے لفظ ''عترتہ'' کے بارے میں کہا گیا کہ اس سے قبیلہ مراد ہے اور ایک قول کے مطابق ذریت (اولاد) مراد ہے جہاں تک خاندان کا تعلق ہے تو یہ وہی اہل ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے اور ذریت سے کسی شخص کی نسل مراد ہوتی ہے اور کسی آدمی کی بیٹی کی اولاد اس کی ذریت ہوتی ہے اور اس پر یہ ارشاد باری تعالیٰ دلالت کرتا ہے:

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ O وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَ عِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ O (الانعام: ۸۴۔۸۵)

اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو اور زکریا اور یحیٰی اور عیسیٰ اور الیاس کو یہ سب ہمارے قرب کے لائق ہیں۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اتصال اپنی ماں حضرت مریم علیہا السلام کے واسطے سے ہے۔ (کیونکہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تو ماں کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت کہلائے)۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد اور سبز لباس

یہ پاکیزہ اولاد کچھ مزید اعزازات سے خاص کی گئی اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے واسطہ سے دوسروں کے مقابلے میں زائد فضیلت سے مختص ہوئے ان کو شرافت کی چادر پہنائی گئی اور وہ مزید اکرام اور تحفوں سے نوازے گئے۔

شرف والے لوگوں کے درمیان ان کے اختصاص کی اصطلاح بن گئی جس طرح عباسی (حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد) جعافرہ (حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اولاد) کہ وہ اپنے مزید شرف کی وجہ سے ''الخضراء'' کہلاتے جیسا کہ کہا گیا ہے اس کا سبب یہ تھا کہ مامون نے خلافت کو حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی اولاد میں منتقل کرنے کا ارادہ کیا تو ان کیلئے ایک نشانی بنائی اور ان کو سبز لباس پہنایا تاکہ سیاہ لباس عباسیوں کا شعار (علامت) ہو اور سفید لباس عام مسلمانوں کی علامت ہو۔ (الاعلام ج ۴ ص ۱۴۲' تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۱۸۳' فوات الوفیات ج ۲ ص ۲۳۵)

اور سرخ لباس کی کراہت (اور حرمت و جواز میں اختلاف ہے) زرد رنگ کا لباس آخر میں یہودیوں کی علامت بن گیا۔

اس کے بعد مامون نے یہ ارادہ بدل دیا اور خلافت بنو عباس کی طرف لوٹا دی لیکن یہ نشانی حضرت خاتون جنت کی اولاد میں سے علویوں کے لئے باقی رہی البتہ انہوں نے اس لباس کو مختصر کر دیا اور سبز کپڑے کا ایک ٹکڑا ان کی دستاروں پر بطور علامت رکھا جاتا لیکن آٹھویں صدی کے آخر میں یہ بھی ختم ہو گیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی کتاب ''انباء الغمر بابناء العمر'' میں سات سو تہتر ۷۷۳ھ کے واقعات کے ذکر میں فرمایا کہ سلطان اشرف نے حکم دیا کہ وہ دوسرے لوگوں سے یوں ممتاز ہوں کہ ان کی دستاروں پر سبز پٹیاں ہوں پس یہ کام مصر اور شام وغیرہ میں کیا گیا اسی سلسلے میں ادیب ابو عبداللہ بن جابر اندلسی نے کہا:

جعلوا لابناء الرسول علامة ان العلامة شان من لم يشهر

نور النبوة فی کریم وجوههم یغنی الشریف عن الطراز الاخضر

''ان لوگوں نے رسول اکرم ﷺ کی اولاد کے لئے ایک علامت مقرر کی لیکن علامت ان لوگوں کے

لئے ہوتی ہے جو مشہور نہ ہوں ان کے عزت والے چہروں میں نور نبوت نے سبز لباس سے شرف و عزت والوں کو بے نیاز کر دیا''۔

اور ادیب شمس الدین دمشقی نے کہا:

اطراف تیجان اتت من سندس خضر باعلام علی الاشراف

والاشرف السلطان خصهم بها شرفا لیفرقهم من الاطراف

''ریشمی چادروں کے سبز کنارے اشراف کی علامت بنی اور اشرف سلطان (شعبان بن حسن بن ناصر محمد بن قلاوون) نے ان لوگوں کو اس نشانی کے ساتھ خاص کیا کہ ان کو یہ شرف حاصل ہو اور وہ ممتاز ہوں''۔ (الاعلام ج ۳ ص ۱۶۳' الدرر الکامنہ ج ۲ ص ۱۹۰)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت

اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح:۲۹)

حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور باہم رحمدل رہیں۔

سورت کے آخر تک فضائل صحابہ بیان ہوئے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی کہ ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور اس بات میں کوئی شک نہیں تو فرمایا ''محمد رسول اللہ'' یہ مبتدا اور خبر ہے اور امام بیضاوی وغیرہ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ یہ جملہ مبینہ ہے مشہود بہ کو بیان کرتا ہے اس (مشہود بہ) سے مراد یہ آیت کریمہ ہے:

هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ (الفتح:۲۸)

وہی ذات ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس (دین حق) کو تمام ادیان پر غالب کر دے اور اللہ تعالیٰ کی شہادت کافی ہے۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ بھی جائز ہے کہ ''رسول اللہ'' صفت ہو اور اسم گرامی ''محمد'' مبتدا محذوف (ہ) کی خبر ہو۔

یہ آیت ہر اچھے وصف پر مشتمل ہے۔

پھر آپ کے صحابہ کرام کی تعریف میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ

اور آپ کے ساتھی (صحابہ کرام) کفار پر بہت سخت ہے۔

جیسا کہ فرمایا:

فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ. (المائدہ:۵۴)

پس عنقریب اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا جن سے وہ محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں وہ مؤمنوں کے لئے نرم اور کافروں پر سخت ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت کفار پر سختی اور مسلمانوں کے لئے رحمت بیان فرمائی پھر ان کی تعریف میں فرمایا وہ نہایت خلوص سے نیک اعمال کرتے ہیں پس جو شخص ان کو دیکھے گا وہ ان کے وقار اور سیرت کو پسند کرے گا جس کی بنیاد ان کی نیتوں کا خلوص اور اعمال کا اچھا ہونا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جن صحابہ کرام نے شام کو فتح کیا جب عیسائی ان کو دیکھتے تو کہتے۔

اللہ کی قسم! یہ لوگ ان حواریوں (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں) سے بہتر ہیں جن کی خبر ہمیں پہنچی ہے۔ ان عیسائیوں نے سچ کہا کیونکہ اس امت محمدیہ خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کتب الٰہیہ میں نہایت عظمت کے ساتھ ہوا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰاةِ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ. (الفتح:۲۹)

ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں جیسے ایک کھیتی اس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے طاقت دی پھر دبیز ہوئی پھر اپنی ساق (تنے) پر کھڑی ہوئی کسانوں کو بھلی لگتی ہے تا کہ ان سے کافروں کے دل جلیں۔

شطأہ' اس کا پٹھا۔ فآزرہ' اس کو سخت اور مضبوط کیا۔ **فاستغلظ**' دبیز ہو کر لمبی ہوئی۔ **فاستوی علی سوقه یعجب الزراع**' اس کا سخت و مضبوط ہونا اور حسن منظر کسان کو اچھا لگتا اسی طرح حضرت محمد ﷺ کے صحابہ کرام میں انہوں نے آپ کو قوت دی' مضبوط کیا' مدد کی تو وہ آپ کے ساتھ اسی طرح ہیں جس طرح کسان کے لئے پودا ہوتا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ کفار کو غصہ آئے اور جل جائیں۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے ایک روایت میں مروی ہے کہ آپ نے اس آیت کریمہ کی روشنی میں ان شیعہ کی تکفیر فرمائی ہے جو صحابہ کرام سے بغض رکھتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ان (شیعہ) کو صحابہ کرام پر غصہ آتا ہے اور جسے صحابہ کرام پر غصہ آئے وہ کافر ہے۔ ایک جماعت نے اس فتویٰ میں ان کی موافقت کی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل میں بے شمار احادیث مروی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ان کی تعریف کرنا اور ان سے راضی ہونا کافی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے مغفرت اور بہت بڑے اجر کا وعدہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق اور سچا ہے اس کے خلاف نہیں ہوتا اور اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا بھی نہیں ہے اور وہ سننے جاننے والا ہے۔

اور آیت کریمہ ''**وعد الله الذين امنوا وعملوا الصالحات منهم مغفرة واجرا عظيما**'' میں لفظ من (منہم میں من) بیان جنس کے لئے ہے (یہ مطلب نہیں کہ بعض کا ذکر ہے)۔

صحابی کی تعریف

صحابی کی تعریف میں اختلاف ہے۔
یہ بھی کہا گیا کہ جس مسلمان نے نبی اکرم ﷺ کی صحبت اختیار کی اور آپ کی زیارت کی وہ صحابی ہے امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے اور شیخ ابن مدینی (علی بن عبد البر بن جعفر المدینی بصری) نے اسی کی طرف سبقت کی اور جیسا کہ ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمہ اللہ) نے فرمایا ان کا قول یہ ہے:

من صحب النبی ﷺ اوراہ ولو ساعة من نهار فهو من اصحابه. جس شخص نے نبی اکرم ﷺ کی صحبت اختیار کی یا آپ کو دیکھا چاہے دن کی ایک ساعت ہو وہ آپ کے صحابہ کرام میں سے ہے۔

یہ راجح قول ہے۔
(الاعلام ج ۴ ص ۳۰۳، تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۴۵۸، مفتاح السعادة ج ۲ ص ۱۶۳، تذکرة الحفاظ ج ۲ ص ۴۲۸، شذرات الذہب ج ۲ ص ۸۱)
اور اسلام کی قید سے کفار نکل جائیں گے جنہوں نے آپ کی صحبت اختیار کی یا آپ کو دیکھا اگرچہ وہ آپ کے وصال کے بعد اسلام قبول کرے۔

لیکن اس تعریف پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جو شخص آپ کی مجلس اختیار کرے یا آپ کی زیارت کرے اور وہ مؤمن ہو پھر اس کے بعد مرتد ہو جائے اور اسلام کی طرف نہ لوٹے جیسا کہ عبید اللہ بن جحش تو وہ بالاتفاق صحابی نہیں ہے۔ [1]
(السیرة النبویة لابن ہشام ج ۴ ص ۶، الاصابہ ج ۱ ص ۵)
اسی طرح ابن خطل [2] (السیرة النبویة لابن ہشام ج ۴ ص ۵۲) اور ربیع بن امیہ بن خلف جمحی کا معاملہ ہے ربیعہ فتح مکہ کے دن اسلام لانے والوں میں سے تھا حجۃ الوداع میں شریک ہوا اور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ سے حدیث روایت کی۔ [3] پھر وہ ذلیل و رسوا ہوا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور تھا وہ کسی بات پر غصے میں آیا اور روم چلا گیا وہاں جا کر عیسائی بن گیا۔ [4] (راجع ج ۲ ص ۲۲۳)

---

[1] عبید اللہ بن جحش نے اسلام قبول کیا اور حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر عیسائیت قبول کر لی اور اسی حالت میں مر گیا۔

[2] ابن خطل نے اسلام قبول کیا پہلے اس کا نام عبد العزیٰ بن خطل تھا اسلام میں عبد اللہ نام رکھا گیا نبی اکرم ﷺ نے اسے صدقہ لینے بھیجا تو اس کا جو غلام خدمت گار کے طور پر تھا اس نے اسے قتل کیا اور مرتد ہو گیا اور اس نے دو لونڈیاں حاصل کیں جو نبی اکرم ﷺ کی توہین پر مبنی گانے گاتی تھیں فتح مکہ کے دن اسے خانہ کعبہ کے پردوں کے پاس قتل کیا گیا۔

[3] اس نے یہ حدیث روایت کی کہ نبی اکرم ﷺ عرفات میں ٹھہرے ہوئے تھے تو میں آپ کی سواری کی چھاتی کے نیچے تھا آپ کی آواز بلند تھی آپ نے فرمایا اے ربیع اعلان کرو کہ اے لوگو! اللہ کے رسول ﷺ تم سے پوچھتے ہیں کیا تم جانتے ہو کہ یہ کونسا شہر ہے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۴)

[4] الاصابہ میں ہے کہ ربیعہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شراب پی پھر بھاگ کر شام چلا گیا پھر قیصر کے پاس گیا اور عیسائی بن گیا اور بالآخر اسی حالت میں مر گیا۔ عبد الرزاق اور نسائی نے بیان کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے ملک بدر کیا وہ عیسائی بن کر رومی بادشاہ کے پاس چلا گیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا آئندہ میں کسی کو ملک بدر نہیں کروں گا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اس سے ایک حدیث بھی نقل کی ہے لیکن یہ نقل مشکل ہے شاید امام احمد اس کے مرتد ہونے پر مطلع نہ ہوئے۔

تو مناسب یہ ہے کہ صحابی کی تعریف میں یہ اضافہ کیا جائے کہ وہ شخص حالت اسلام پر ہی دنیا سے رخصت ہو۔
اگر مرتد ہو جائے پھر اسلام کی طرف لوٹ آئے لیکن دوبارہ نبی اکرم ﷺ کی زیارت نہ کر سکے تو صحیح یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام میں شامل ہوگا۔ (احناف کے نزدیک وہ صحابہ کرام میں شامل نہیں ہوگا یہ شافعی فقہ کے مطابق ہے)۔
کیونکہ محدثین نے بالاتفاق اشعث بن قیس وغیرہ کو صحابی شمار کیا اور ان لوگوں سے اپنی مسانید میں احادیث روایت کی ہیں۔

لیکن حافظ زین الدین عراقی نے فرمایا کہ یہ بات بہت زیادہ محل نظر ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مرتد ہونا اعمال کو ضائع کر دیتا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الام'' میں یہی فرمایا ہے۔
اگر چہ (امام شافعی رحمہ اللہ سے) امام رافعی نے نقل کیا کہ اعمال اس صورت میں ضائع ہوتے ہیں جب ارتداد اس کی موت سے متصل ہو اس وقت ظاہر ہے کہ ارتداد پہلی صحبت کو ضائع کر دیتا ہے لیکن جو شخص نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں اسلام کی طرف لوٹ آئے جس طرح عبداللہ بن ابی سرح تو اس کے دوبارہ اسلام میں داخل ہونے کی وجہ سے صحابیت کا شرف حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔
کیا نبی اکرم ﷺ کی زیارت کرنے والے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ دیکھ کر امتیاز بھی کر سکے یا محض دیکھنا کافی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا یہ بات محل نظر ہے اور صحابہ کرام کے بارے میں کتب تصنیف کی ہیں ان کا عمل دوسری بات پر دلالت کرتا ہے (یعنی محض دیکھنا کافی ہے) انہوں نے حضرت محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کی مثال ذکر کی کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے وصال سے تین دن پہلے پیدا ہوئے جیسا کہ ثابت ہے کہ ان کی والدہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے ان کو جنم دیا اور یہ ذی قعدہ ۱۰ھ کے آخر کی بات ہے۔

اور ان میں سے بعض نے مبالغہ سے کام لیا چنانچہ وہ ان ہی لوگوں کو صحابہ کرام میں شمار کرتے تھے جنہوں نے عرفی صحبت اختیار کی۔ (ملاقات وغیرہ) حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ صحابہ کرام میں ان ہی لوگوں کو شمار کرتے تھے جو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک سال یا اس سے زیادہ عرصہ رہے ہیں یا آپ کے ساتھ ایک یا زیادہ غزوات میں شریک ہوئے اور عمل اس قول کے خلاف پر ہے۔
ان میں سے بعض نے یہ شرط رکھی ہے کہ بلوغت کی حالت میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اجتماع ہو لیکن یہ قول بھی مردود ہے کیونکہ اس طرح حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور دیگر نوعمر صحابہ کرام صحابیت سے خارج ہو جائیں گے۔
جہاں تک زیارت کی قید کا تعلق ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ جب اس سلسلے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اگر رکاوٹ ہو جس طرح حضرت ابن مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا تھے تو وہ قطعی طور پر صحابہ ہیں پس زیادہ بہتر یہ ہے کہ زیارت کی بجائے ملاقات کی

قید لگائی جائے تا کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بھی اس میں داخل ہو جائیں۔

حافظ زین الدین العراقی نے فرمایا کہ ان کا قول "جو شخص نبی اکرم ﷺ کی زیارت کرے" سے کیا آپ کو حالت نبوت میں دیکھنا مراد ہے یا یہ بات اس سے عام ہے تا کہ وہ بھی داخل ہو سکیں جنہوں نے آپ کو (اعلان) نبوت سے پہلے دیکھا اور وہ اعلان نبوت سے پہلے دین حنفیہ (دین ابراہیمی) پر انتقال کر گئے جس طرح حضرت زید بن عمرو بن نفیل ہیں' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انه یبعث امة وحده. وہ تنہا ایک امت کی شکل میں اٹھائے جائیں گے۔

ابو عبداللہ بن مندہ نے ان کو صحابہ کرام میں ذکر کیا ہے اسی طرح جس نے آپ کو اعلان نبوت سے پہلے دیکھا پھر وہ غائب رہا اور بعثت نبوی کے زمانہ تک زندہ رہا پھر اسلام لایا اس کے بعد اس کا انتقال ہوا اور اس نے نبی اکرم ﷺ کو نہیں دیکھا۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے اس قسم کے لوگوں کا مسئلہ چھیڑا ہو اور یہ اس بات پر دلالت ہے کہ نبوت کے بعد آپ کو دیکھا ہو (تو وہ صحابی ہے) کیونکہ محدثین نے نبی اکرم ﷺ کے ان صاحبزادوں کو جو نبوت کے بعد پیدا ہوئے' جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما صحابہ کرام میں شمار کیا لیکن جو نبوت سے پہلے پیدا ہوئے اور انتقال کر گئے جیسے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ' ان کو صحابہ کرام میں شمار نہیں کیا۔

اور کیا یہ ساری باتیں انسانوں سے خاص ہیں یا ان کے علاوہ عقل والوں کو بھی شامل ہیں تو یہ بات محل نظر ہے۔

جہاں تک جنوں کا تعلق ہے تو راجح بات یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام میں داخل ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ کو ان کی طرف مبعوث کیا گیا یہ قطعی بات ہے اور وہ مکلف بھی ہیں ان میں نافرمان بھی ہیں اور اطاعت گزار بھی' پس ان میں سے جس کا نام معلوم ہو تو اسے صحابہ کرام میں شمار کرنے میں کوئی تردد مناسب نہیں ہے۔

ابن اثیر نے اس سلسلے میں ابو موسیٰ مدینی پر عیب لگایا لیکن اس سلسلے میں کوئی دلیل نہیں دی۔ [1]

جہاں تک ملائکہ کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں خاموشی اختیار کی جائے جب تک ان کی طرف بعثت ثابت نہ ہو کیونکہ اس میں اصولیوں کا اختلاف ہے حتیٰ کہ بعض نے اس کے ثبوت پر اجماع نقل کیا اور بعض نے اس کے برعکس کہا۔

یہ سب باتیں اس شخص کے بارے میں ہیں جس نے آپ کو آپ کی دنیوی زندگی میں دیکھا ہو جس نے آپ کو آپ کے وصال کے بعد لیکن دفن ہونے سے پہلے دیکھا (جس طرح ابوذویب ہذلی شاعر ہے) تو راجح قول یہ ہے کہ وہ صحابی نہیں ہے ورنہ جس کے بارے میں اس بات پر اتفاق ہوتا کہ اس نے آپ کے جسم اقدس کو قبر انور میں دیکھا ہے اسے صحابہ کرام میں شمار کیا جاتا۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۲۱۰' ترجمۃ الشماخ رقم الحدیث: ۳۹۱۳)

اسی طرح اولیاء کرام میں سے جو کشف کے ذریعے بطور کرامت آپ کی زیارت کرے اس کا بھی یہی حکم ہے اور یہ بحث چوتھے مقصد میں نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

قبر انور میں زیارت کرنے والے کی صحابیت کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ جاری و ساری ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیوی زندگی نہیں ہے بلکہ یہ اخروی زندگی ہے جس کے ساتھ احکام دنیا متعلق نہیں ہوتے۔

---

[1] ابن حزم نے کہا اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا کہ کئی جن ایمان لائے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے قرآن مجید سنا پس وہ فضیلت والے صحابہ ہیں۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۸)

اور جو شخص آپ کو خواب میں دیکھے اور اس نے واقعی آپ کو دیکھا ہے تو یہ امور معنویہ کی بات ہے دنیوی احکام نہیں ہیں اس لئے وہ صحابی شمار نہیں ہوگا اور اس حالت میں آپ جو حکم دیں اس پر عمل واجب نہیں ہوگا۔

صحابۂ کرام' مخلوق میں سے بہترین ہیں

پہلے اور پچھلے تمام جمہور علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق ہیں اور انبیاء کرام نیز خاص مقرب فرشتوں کے بعد سب سے افضل ہیں کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم.
سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر ان لوگوں کا زمانہ جو ان (میرے زمانے کے لوگوں) سے ملے ہوئے ہیں پھر وہ جو ان سے متصل ہیں۔

صحیح بخاری میں ہی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم.
میری امت کے سب سے بہتر لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں پھر وہ جو ان سے متصل ہیں پھر وہ جو ان سے متصل ہیں۔

حضرت عمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ آپ نے اپنے زمانے (کے ذکر) کے بعد دو مرتبہ فرمایا یا تین بار ذکر کیا۔

''فتح الباری میں ہے کہ''ایک زمانے کے لوگ جو قریب قریب ہوں ان کو قرن کہا جاتا ہے یہ لوگ مقصودی امور میں سے کسی ایک بات میں باہم شریک ہوتے ہیں اور زمانے کی ایک مدت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے لیکن اس کی حد بندی میں اختلاف ہے دس سال سے ایک سو بیس سال تک بیان کی گئی ہے لیکن میں نے کسی ایک شخص کو نہیں دیکھا جس نے نوے سال یا ایک سو دس کی تصریح کی ہو۔ اور اس کے علاوہ کا کوئی نہ کوئی قائل ہے۔

صاحب محکم نے کہا کہ زمانے والوں کی عمروں کی درمیانی مقدار ہے اور یہ سب سے مناسب قول ہے۔

اور اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرن سے صحابہ کرام مراد ہیں اور مقصد اول کے شروع میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ آپ نے فرمایا:

بعثت من خیر قرون بنی آدم.
مجھے انسانوں کے بہترین زمانے یعنی بہترین لوگوں میں مبعوث کیا گیا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خیر ھذہ الامۃ القرن الذی بعثت فیھم.
اس امت کے سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جن میں مجھے مبعوث کیا گیا۔

آخری انتقال کرنے والے صحابی

حفاظ ائمہ نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام میں سے سب سے آخر میں انتقال کرنے والے صحابی جن پر سب کا اتفاق ہے اور کوئی اختلاف نہیں وہ ابوالطفیل عامر بن واثلہ لیثی ہیں جس طرح امام مسلم رحمہ اللہ نے اس بات کو یقینی قرار دیا۔

صحیح قول کے مطابق ان کا وصال ۱۰۰ھ میں ہوا ایک قول کے مطابق ۱۰۷ھ میں اور ایک دوسرے قول کے مطابق ۱۱۰ھ میں انتقال فرمایا امام ذہبی نے اسی (آخری) قول کو صحیح قرار دیا اور یہ قول نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق ہے جو آپ نے وصال سے ایک مہینہ پہلے فرمایا:

علی راسة مائة سنة لا یبقی علی وجه الارض ممن هو علیها الیوم احد.

ایک سو سال کے بعد روئے زمین پر ان لوگوں میں سے کوئی ایک بھی باقی نہیں رہے گا جو اس وقت موجود ہیں۔

''صحیح مسلم کی'' ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا:

ارایتکم لیلتکم هذه فانه لیس من نفس منفوسة تاتی علیها مائة سنة.

کیا تم اپنی اس رات کو دیکھتے ہو کسی زندہ نفس پر سوواں سال نہیں آئے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۷۔۲۱۸۔۲۱۹، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵۱، مسند احمد ج ا ص ۹۳۔ ج ۳ ص ۳۴۵)

اور یہ جو ذکر کیا کہ حضرت عکراش بن ذویب جنگ جمل کے بعد ایک سو سال تک زندہ رہے تو یہ بات صحیح نہیں ہے اور اگر صحیح ہو تو اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ جنگ جمل کے بعد ان کے سو سال پورے ہوئے یہ مطلب نہیں کہ اس جنگ کے بعد وہ سو سال باقی رہے جس طرح ائمہ حدیث نے بیان کیا ہے۔

اور وہ جو بابا رتن [1] وغیرہ کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے تو جس شخص کے پاس تھوڑی سی عقل بھی ہے وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتا اور گرد و نواح کے لوگوں میں سے جس صحابی کا وصال آخر میں ہوا تو ابن مندہ نے اس سلسلے میں کتاب لکھی ہے۔

مجموعی فضیلت ہے یا افراد کی فضیلت ہے؟

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ''ثم الذین یلونهم'' سے مراد تابعین ہیں جو اس قرن والوں سے ملے ہوئے ہیں اس کے بعد ''ثم الذین یلونهم'' میں تبع تابعین کا ذکر ہے اور اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ صحابہ کرام، تابعین سے افضل ہیں اور تابعین تبع تابعین سے افضل ہیں لیکن یہ فضیلت جماعتی اعتبار سے ہے یا افراد کے حوالے سے؟

ابن عبدالبر پہلے قول کے قائل ہیں جیسا کہ چوتھے مقصد میں اس امت کے خصائص کے سلسلے میں یہ بات گزر چکی ہے اور انہوں نے اس گذشتہ گفتگو کے علاوہ اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

---

[1] امام ذہبی نے اپنی ''تجرید'' میں فرمایا کہ رتن ہندی ایک شیخ چھ سو سال بعد مشرق میں ظاہر ہوا اور اس نے صحابیت کا دعویٰ کیا اور جاہلوں نے اس سے سنا یا یہ کہ اس کا کوئی وجود نہیں بلکہ بعض جھوٹے لوگوں نے یہ واقعہ گھڑا، میزان میں فرمایا کہ رتن ایک دجال ہے جو ہجرت کے چھ سو سال بعد ظاہر ہوا۔ (زرقانی ج ۷ ص ۳۱)

مثل امتی مثل المطر لا یدری آخرہ خیر ام اولہ.
میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے معلوم نہیں اس کا آخر بہتر ہے یا اس کا اول؟

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا۔ یہ حدیث حسن ہے اور اس کے کئی طرق ہیں جن کی بنیاد پر یہ درجۂ صحت کو پہنچتی ہے۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن جبیر بن نضیر رحمہ اللہ سے جو ایک تابعی ہیں' حسن سند کے ساتھ روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے تین بار ارشاد فرمایا:

لیدرکن المسیح اقواما انھم لمثلکم او خیر.
حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام ایسی اقوام کو پائیں گے جو تمہاری مثل ہوں گی یا بہتر ہوں گی۔

پھر تین بار فرمایا:

ولن یخزی اللہ امۃ انا اولھا والمسیح آخرھا.
اور اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی ذلیل نہیں کرے گا جس کے شروع میں' میں اور آخر میں حضرت مسیح علیہ السلام ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۹۹' فتح الباری ج ۷ ص ۶)

امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

ایسا زمانہ آئے گا کہ عمل کرنے والوں کو پچاس کے برابر ثواب ملے گا عرض کیا گیا یا رسول اللہ! ان میں سے پچاس یا ہم میں سے پچاس کے برابر؟ فرمایا بلکہ تم میں سے پچاس کے برابر۔

یہ حدیث اس حدیث کی شاہد ہے جس میں فرمایا:

مثل امتی مثل المطر لا یدری اولہ خیر ام اخرہ.
میری امت کی مثال بارش جیسی ہے معلوم نہیں اس کا اول بہترین ہے یا اس کا آخر۔

لیکن گذشتہ حدیث ''کہ عمل کرنے والے کو پچاس کے برابر ثواب ملے گا'' غیر صحابہ کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ محض اجر کا زیادہ ہونا افضلیت مطلقہ کو ثابت نہیں کرتا نیز اجر کی فضیلت برابر کے لوگوں کی نسبت سے ہوتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے مشاہدہ کی فضیلت

جن لوگوں کو آپ کے مشاہدہ کی فضیلت حاصل ہوئی تو اس فضیلت میں کوئی دوسرا ان کے برابر نہیں ہوسکتا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں نے آپ کے زمانے میں آپ کے ہمراہ یا آپ کے حکم پر جہاد کیا یا اس کے لئے اپنے مال سے کچھ خرچ کیا تو بعد والوں میں سے کوئی بھی ان کی اس فضیلت تک نہیں پہنچ سکتا۔

ارشاد خداوندی ہے:

لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قَاتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ
تم میں سے کوئی ان لوگوں کے برابر نہیں ہوسکتا جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا ان لوگوں کا

بَعْدُ وَ قَاتَلُوْا. (الحدید:۱۰) درجہ ان لوگوں سے بہت بڑا ہے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور جہاد کیا۔

اسی طرح ان لوگوں کا درجہ بھی بلند ہے جنہوں نے آپ ﷺ سے شریعت کو حاصل کر کے بعد والوں تک پہنچایا۔

پس جمہور اور ابن عبدالبر کے درمیان اختلاف کا نتیجہ صرف ان لوگوں کے بارے میں ہے جنہوں نے صرف آپ کی زیارت کی اور یہ بات واضح ہے کہ جو مرتبہ ان کو حاصل ہوا وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوا اس طرح گذشتہ احادیث کے درمیان تطبیق کی جاسکتی ہے۔

طبقاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تین قسموں میں تقسیم ہوتے ہیں۔

۱۔ مہاجرین ۲۔ انصار (اور یہ اوس' خزرج اور ان کے حلیف اور آزاد کردہ غلام ہیں)۔

۳۔ وہ جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔

ابن اثیر نے ''الجامع میں'' فرمایا کہ مہاجرین' انصار سے افضل ہیں اور یہ اجمالی طور پر ہے لیکن تفصیل یہ ہے کہ انصار کی (اسلام میں) سبقت کرنے والی جماعت متاخرین مہاجرین سے افضل ہے اور سبقت کرنے والے مہاجرین' سبقت کرنے والے انصار سے افضل ہیں پھر اس کے بعد ان کے درجات میں تفاوت ہے کئی حضرات جو اسلام دیر سے لائے لیکن وہ پہل کرنے والوں سے افضل ہیں جیسے حضرت عمر فاروق اور حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہما علماء کرام نے صحابہ کرام کے لئے ترتیب کے ساتھ طبقات کا ذکر کیا ہے اس طرح تقسیم کرنے والوں میں امام حاکم رحمہ اللہ بھی ہیں جنہوں نے ''علوم الحدیث میں'' یہ طریقہ اختیار کیا۔

پہلا طبقہ: وہ لوگ جو اعلان نبوت کے ساتھ ہی مکہ مکرمہ میں اسلام لائے اور یہ لوگ مسلمانوں میں سبقت کرنے والے ہیں جیسے حضرت خدیجہ بنت خویلد' حضرت علی بن ابی طالب' حضرت ابوبکر صدیق' حضرت زید بن حارثہ اور عشرہ مبشرہ میں سے باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

سب سے پہلے کس نے اسلام قبول کیا تو اس سلسلے میں اختلاف مقصد اول میں گزر چکا ہے۔

دوسرا طبقہ: دارالندوہ والے حضرات یعنی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھ مسلمانوں کو دارالندوہ میں لے گئے اور اہل مکہ کی ایک جماعت نے اسلام قبول کیا۔

تیسرا طبقہ: جنہوں نے اپنے دین کی حفاظت اور مشرکین مکہ کی اذیتوں سے بچنے کی خاطر حبشہ کی طرف ہجرت کی ان میں حضرت جعفر بن ابی طالب اور ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہما بھی تھے۔

چوتھا طبقہ: عقبہ اولیٰ [۱] والے حضرات' یہ لوگ انصار میں سے سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے ہیں اور یہ چھ حضرات تھے اور عقبہ ثانیہ والے جو دوسرے سال آئے اور وہ بارہ حضرات تھے وہ بھی اسی طبقہ میں شامل ہیں دونوں عقبہ

---

[۱] یہ انصار تھے جو جمرہ عقبہ کے پاس نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جمع ہوئے اور جو دوسرے سال حاضر ہوئے وہ عقبہ ثانیہ والے کہلاتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

والوں کے اسمائے گرامی مقصد اول میں مذکور ہو چکے ہیں۔

پانچواں طبقہ: یہ عقبہ ثالثہ والے ہیں اور یہ انصار میں سے ستر افراد تھے ان میں حضرت براء بن معرور، عبداللہ بن عمرو بن حرام، سعد بن عبادہ، سعد بن ربیع اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔

چھٹا طبقہ: یہ وہ مہاجرین صحابہ کرام ہیں جو نبی اکرم ﷺ کی ہجرت کے بعد آپ کے پاس اس وقت پہنچے جب آپ قبا میں تھے اور ابھی مسجد شریف کی تعمیر بھی نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی آپ مدینہ طیبہ منتقل ہوئے تھے۔

ساتواں طبقہ: بدر کبریٰ والے حضرات ہیں نبی اکرم ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ والے واقعہ [1] میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: (السیرۃ النبویہ ابن ہشام ج ۴ ص ۴۱)

وما یدریک لعل اللہ اطلع علی ھذہ العصابۃ من اھل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم.

آپ کو کیا معلوم، اللہ تعالیٰ اہل بدر کی اس جماعت پر مطلع ہوا اور فرمایا جو چاہو کرو تمہیں بخش دیا گیا۔ [2]

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۴ ص ۴۲، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۸۱-۴۲۷۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۱، مسند احمد ج ۱ ص ۷۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۳۸۴، المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۹۹)

آٹھواں طبقہ: وہ صحابہ کرام جنہوں نے بدر اور حدیبیہ کے درمیان ہجرت کی۔

نواں طبقہ: بیعت رضوان والے حضرات جنہوں نے حدیبیہ کے مقام پر درخت کے نیچے بیعت کی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا یدخل النار ان شاء اللہ تعالی من اصحاب الشجرۃ احد. (البدایۃ والنہایہ ج ۴ ص ۱۷۳)

ان شاء اللہ تعالیٰ درخت (کے نیچے بیعت کرنے) والوں میں سے ایک بھی جہنم میں نہیں جائے گا۔

دسواں طبقہ: وہ لوگ جنہوں نے حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی جیسا کہ حضرت خالد بن ولید اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما ان میں سے بعض کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مثال دی گئی لیکن حافظ عراقی نے کہا کہ ان سے مثال دینا صحیح نہیں کیونکہ انہوں نے صلح حدیبیہ سے پہلے اور فتح خیبر کے بعد ہجرت کی بلکہ اس کے آخر میں کی۔ [3]

گیارھواں طبقہ: وہ لوگ جو فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور یہ بہت سے لوگ ہیں ان میں سے بعض نے خوشی سے اسلام

---

[1] حاطب بن ابی بلتعہ بدری صحابی ہیں فتح مکہ سے پہلے انہوں نے اہل مکہ کو خط لکھ کر راز فاش کرنا چاہا تھا اور حضور علیہ السلام نے اس عورت کو جو یہ خط لے جا رہی تھی اسے گرفتار کروایا حضرت حاطب نے اپنا عذر پیش کیا تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو معاف کر دیا۔ ۱۲ ہزاروی

[2] "لعل" (جو امید کے لئے آتا ہے) اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے کلام میں قطعیت کے لئے آتا ہے لہٰذا ان کی بخشش یقینی تھی اور ان کے اچھے اعمال کی پیشگوئی تھی یہ مطلب نہیں کہ وہ جو چاہیں کریں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی صادر ہی نہیں ہوگی۔ ۱۲ ہزاروی

[3] امام زرقانی فرماتے ہیں مجھے معلوم نہیں یہ کیا ہے کیونکہ صلح حدیبیہ ذی قعدہ ۶ ھ میں ہوا اور فتح خیبر کا واقعہ ۷ ھ میں محرم کے آخر میں ہوا آپ نے محاصرہ کیا اور آخر میں حضرت ابو ہریرہ تشریف لائے تو صلح حدیبیہ سے پہلے کیسے ہجرت کی حالانکہ حدیبیہ کا واقعہ فتح خیبر سے پہلے کا ہے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۳۵)

قبول کیا اور بعض بددلی سے اسلام لائے لیکن بعد میں بعض کا اسلام نہایت اچھا ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو بہتر جانتا ہے۔

بارھواں طبقہ: وہ بچے جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کو پایا اور فتح مکہ کے سال اور اس کے بعد حجۃ الوداع کے موقع پر اور اس کے علاوہ آپ کی زیارت کی جیسے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ پھر فتح مکہ کے بعد ہجرت کا سلسلہ ختم ہو گیا صحیح قول یہی ہے۔

صحابۂ کرام کی تعداد

جہاں تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد کا تعلق ہے تو جس نے ان کو شمار کرنے کا قصد کیا اس نے ایک بعید کام کا قصد کیا اور اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کیونکہ بعثت کے آغاز سے نبی اکرم ﷺ کے وصال تک اسلام لانے والوں کی بہت زیادہ تعداد ہے اور وہ مختلف شہروں اور دیہاتوں میں بکھر گئے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک سے پیچھے رہنے سے متعلق اپنے واقعہ میں بتایا کہ نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام بے شمار ہیں کوئی رجسٹر ان کو جمع نہیں کرتا۔

لیکن بعض غزوات میں ان کی تعداد ضبط میں آئی جس طرح غزوۂ تبوک ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے سال نبی اکرم ﷺ دس ہزار مجاہدین کے ساتھ تشریف لے گئے، حنین کی طرف بارہ ہزار کو لے کر گئے حجۃ الوداع میں نوے ہزار اور تبوک کی طرف ستر ہزار تشریف لے گئے اور ایک روایت میں ہے کہ جب آپ کا وصال ہوا تو ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام موجود تھے اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

صحابۂ کرام میں سے افضل

پھر اہل سنت و جماعت کے نزدیک ان میں مطلقاً سب سے زیادہ فضیلت والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ہم، صحابہ کرام کے درمیان سب سے افضل کا انتخاب کرتے تو حضرت ابوبکر صدیق پھر حضرت عمر فاروق اور پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم کو اختیار کرتے۔

حضرت عبید اللہ بن عمر، حضرت نافع (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے حضرت عمر فاروق اور پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما (کے برابر کسی کو نہ سمجھتے) پھر ہم صحابہ کرام کو چھوڑ دیتے اور ان میں سے کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو قرار نہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو ان کی مثل نہیں سمجھتے تھے۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت سالم کے طریق سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ (ظاہر زندگی کے ساتھ) زندہ تھے تو ہم کہا کرتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد آپ کی امت میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں پھر حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۲۷۔ ۴۶۲۸)

امام طبرانی نے ایک روایت میں یہ اضافہ کیا کہ نبی اکرم ﷺ یہ بات سنتے لیکن اس پر اعتراض نہ فرماتے۔
حضرت خیثمہ بن سلیمان نے ''فضائل الصحابہ میں'' سہیل بن ابی صالح سے روایت کیا وہ اپنے باپ سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں ہم کہا کرتے تھے کہ جب حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم چلے جائیں گے تو لوگ برابر ہو جائیں گے۔ نبی اکرم ﷺ یہ بات سنتے لیکن اعتراض نہ فرماتے۔
اس میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مقدم کیا گیا۔

حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مقام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ہے۔
اور بعض اسلاف کے نزدیک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مقدم ہیں حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ بھی اس بات کے قائلین میں سے ہیں۔
ایک قول یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دی جائے یہ بات امام مالک رحمہ اللہ سے ''المدونہ میں'' نقل کی گئی اور ایک جماعت نے ان کی اتباع کی جن میں حضرت یحییٰ بن قطان بھی شامل ہیں۔
ابن معین نے کہا جس نے (اس ترتیب سے کہا) حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے ان کی سبقت اور فضیلت کو پہچانا وہ سنت والا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اکتفا کرے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے فضیلت کی پہچان نہ رکھتا ہو وہ مذموم ہے۔
ابن عبدالبر نے دعویٰ کیا ہے کہ تین صحابہ کرام یعنی حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم پر اکتفا کرنا اہل سنت کے خلاف قول ہے کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان تین کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں۔
اس بات کا یوں تعاقب کیا گیا کہ آپ کی فضیلت سے خاموشی کا مطلب آپ کی فضیلت سے انکار نہیں پس اہل سنت و جماعت کے نزدیک قطعی بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں ان دونوں کے بعد اختلاف ہے جمہور کے نزدیک حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مقدم ہیں حضرت امام مالک رحمہ اللہ توقف فرماتے ہیں اور یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور مستند بات یہ ہے کہ ان چاروں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی خلافت اور آپ کے دین کو قائم کرنے کے لئے پسند فرمایا پس اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا مقام ان کی ترتیب خلافت کے اعتبار سے ہے۔

عشرہ مبشرہ میں سے باقی کی فضیلت

امام ابومنصور بغدادی فرماتے ہیں ہمارے اصحاب کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان (عشرہ مبشرہ) میں سے افضل چاروں خلفاء ہیں پھر باقی چھ ہیں یعنی حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت سعد' حضرت سعید' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم۔
امام ترمذی نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

(یہ) دس افراد جنت میں جائیں گے ابوبکر جنت میں جائیں گے، عمر جنتی ہیں عثمان جنت میں جائیں گے، علی، زبیر، طلحہ، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوعبیدہ بن جراح اور سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہم) آپ نے نو کو شمار کیا اور دسویں سے خاموش رہے۔

قوم نے کہا ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتے ہیں (بتایئے) دسواں کون ہے؟ فرمایا تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دی ہے سعید بن زید جنت میں جائیں گے یعنی انہوں نے اپنے بارے میں فرمایا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۴۹، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۴۸، المستدرک ج ۳ ص ۳۱۶۔ ۴۴۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۱۰۵)

بئر اریس کا واقعہ

(اریس مدینہ طیبہ میں قبا کے قریب ایک باغ تھا) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ مسجد نبوی شریف کی طرف نکلے تو نبی اکرم ﷺ کے بارے میں پوچھا صحابہ کرام نے بتایا کہ آپ اس طرف کو تشریف لے گئے ہیں فرماتے ہیں میں آپ کے پیچھے گیا حتیٰ کہ آپ بئر اریس میں تشریف لے گئے میں دروازے کے پاس بیٹھ گیا اور اس کا دروازہ کھجور کی ٹہنیوں کا بنا ہوا تھا حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ قضائے حاجت سے فارغ ہوئے اور آپ نے وضو فرمایا تو میں آپ کی طرف کھڑا ہوا آپ بئر اریس کے گرد (کنویں کے گرد) تشریف فرما تھے اور اس کی منڈیر درمیان میں تھی میں دروازے کے پاس بیٹھ گیا اور میں نے (دل میں) کہا کہ آج کے دن میں نبی اکرم ﷺ کا دربان بنوں گا۔

اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے پوچھا کون ہے؟ فرمایا ابوبکر ہوں میں نے کہا ٹھہریئے پھر میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں اور اجازت مانگتے ہیں آپ نے فرمایا ان کو اجازت دو اور جنت کی خوشخبری بھی دو میں آیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اندر تشریف لائیں اور نبی اکرم ﷺ آپ کو جنت کی خوشخبری دیتے ہیں چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ دائیں جانب کنویں کی منڈیر پر تشریف فرما ہوئے اور رسول اکرم ﷺ کی طرح اپنے پاؤں کنویں میں لٹکا دیئے اور اپنی پنڈلیوں کو ننگا رکھا میں واپس آ کر بیٹھ گیا اور میں اپنے بھائی کو گھر میں وضو کرتا ہوا چھوڑ گیا تھا کہ وہ مجھ سے مل جائیں گے میں نے کہا اللہ تعالیٰ فلاں (یعنی میرے بھائی) کے لئے نیکی کا ارادہ فرمائے تو اسے (یہاں) لے آئے۔

اتنے میں کسی نے دروازے کو حرکت دی تو میں نے پوچھا کون ہے؟ کہا عمر بن خطاب ہوں میں نے کہا رک جایئے پھر میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضرت عمر بن خطاب اجازت طلب کرتے ہیں آپ نے فرمایا ان کو اجازت دو اور جنت کی خوشخبری بھی دو میں نے کہا داخل ہو جائیں اور رسول اکرم ﷺ آپ کو جنت کی خوشخبری دے رہے ہیں۔

وہ بھی نبی اکرم ﷺ کے ساتھ آپ کی بائیں جانب کنویں کی منڈیر پر تشریف فرما ہوئے اور اپنے پاؤں کنویں میں لٹکا دیئے میں واپس آیا اور (دل میں) کہہ رہا تھا اگر اللہ تعالیٰ فلاں (یعنی میرے بھائی) سے بھلائی کا ارادہ فرمائے تو اسے لے آئے اب ایک شخص آیا اور اس نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے پوچھا کون ہے؟ فرمایا عثمان بن عفان ہوں میں نے کہا ٹھہر

جائیے اور میں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تو آپ نے فرمایا ان کو اجازت دیں اور اس مصیبت پر جوان کو پہنچے گی جنت کی خوشخبری دیں میں آیا اور کہا داخل ہو جائیں اور رسول اکرم ﷺ آپ کو اس مصیبت پر جو آپ کو پہنچے گی جنت کی خوشخبری دیتے ہیں چنانچہ وہ داخل ہوئے تو منڈیر کو بھرا ہوا پایا چنانچہ وہ آپ کے سامنے دوسری جانب تشریف فرما ہوئے۔ (معجم ما استعجم ج ۱ص ۱۴۳' معجم البلدان ج ۱ص ۲۹۸' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۱۰' مسند احمد ج ۲ص ۱۶۵' مجمع الزوائد ج ۹ص ۵۶۔۳' المعجم الکبیر ج ۱۲ص ۳۲۷' حلیۃ الاولیاء ج ۱ص ۵۸۔ج ۳ص ۲۴' مشکل الآ ثار ج ۲ص ۸۴' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ص ۱۸۷' تفسیر قرطبی ج ۱۲ص ۲۱۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۳۱۷)

حضرت شریک فرماتے ہیں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس کی تعبیر ان حضرات کی قبروں سے کرتا ہوں۔ اس حدیث کو امام احمد' امام مسلم اور ابو حاتم رحمہم اللہ نے روایت کیا اور امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اس کی مثل حضرت ابو سلمہ کے واسطہ سے حضرت نافع بن عبد الحارث خزاعی سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کے باغوں میں سے ایک باغ میں داخل ہوئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا دروازے پر ٹھہر جائیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر اجازت طلب کی۔ اس کے بعد اسی طرح ذکر کیا۔

امام طبرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک حدیث میں ہے کہ حضرت نافع بن حارث ہی اجازت طلب کرتے تھے۔

تو یہ بات واقعہ کے تکرار پر دلالت کرتی ہے لیکن شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے واقعہ کے متعدد نہ ہونے کو صحیح قرار دیا نیز یہ کہ یہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے اور دوسروں کے قول کو وہم قرار دیا اور انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

لقد بشر الهادی من الصحب زمرة　　بجنات عدن کلهم فضله اشتهر

سعید زبیر سعد طلحة عامر　　ابو بکر 'عثمان بن عوف علی عمر

''ہدایت دینے والے (نبی ﷺ) نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو جنت عدن کی خوشخبری دی اور ان سب کی فضیلت مشہور ہے حضرت سعید' زبیر' سعد' طلحہ' عامر (ابو عبیدہ بن جراح) ابو بکر صدیق' عثمان غنی' عبد الرحمٰن بن عوف' علی المرتضیٰ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہم''۔

ابو الولید بن الشحنہ (محمد بن محمد الحلبی ادیب' حنفی فقیہ' متوفی ۸۱۵ھ) نے کہا:

اسماء عشر رسول الله بشرهم　　بجنة الخلد عمن زانها و عمر

سعد سعيد علی عثمان طلحة　　ابو بکر 'ابن عوف ابن جراح الزبیر عمر

''وہ دس صحابہ کرام جن کو نبی اکرم ﷺ نے جنت الخلد کی خوشخبری دی کہ وہ اسے زینت بخشیں گے اور آباد کریں گے ان کے نام یہ ہیں حضرت سعد' سعید' علی' عثمان' طلحہ' ابو بکر' عبد الرحمٰن بن عوف' عبیدہ بن جراح' زبیر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہم''۔ (الاعلام ج ۷ص ۴۴' سیر اعلام النبلاء ج ۵ص ۱۶۱' الضوء اللامع ج ۱۰ص ۳)

افضیلت ومحبت

سوال: جوشخص چاروں خلفاء کی افضیلت معلوم ترتیب کے مطابق مانتا ہولیکن کسی سے دوسرے کے مقابلے میں زیادہ محبت کرتا ہوتو کیا وہ گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

جواب: شیخ الاسلام ولی بن عراقی نے فرمایا محبت بعض اوقات کسی دینی بات کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی دنیوی معاملہ کی بنیاد پر ہوتی ہے تو دینی محبت افضیلت کے لئے لازم ہے جو افضل ہو اس سے ہماری دینی محبت زیادہ ہوگی پس جب ہم ان میں سے ایک کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ وہ افضل ہے پھر ہم اس کے غیر سے دین کے حوالے سے زیادہ محبت کریں تو یہ تناقض ہے ہاں اگر ہم کسی دنیوی وجہ سے افضل کے مقابلے میں غیر افضل سے زیادہ محبت کریں جیسے رشتہ داری یا احسان وغیرہ تو اس میں کوئی تناقض اور امتناع نہیں ہے۔

پس جوشخص اس بات کا اعتراف کرے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد امت میں سے سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہیں لیکن وہ مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ سے زیادہ محبت کرے تو اگر یہ محبت دینی ہے تو اس کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی کیونکہ دینی محبت افضیلت کو لازم ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

تو ایسا شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضیلت کا محض زبانی دعویٰ کرتا ہے جب کہ دل سے وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتا ہے کیونکہ وہ ان سے دینی اعتبار سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں زیادہ محبت کرتا ہے اور یہ جائز نہیں اور اگر یہ دنیوی محبت ہو کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہے یا اس کے علاوہ کوئی سبب ہے تو اس میں کوئی ممانعت نہیں۔ واللہ اعلم

صحابۂ کرام کی محبت اور اس کی علامت

طبری نے ''الریاض (الریاض النضرۃ فی فضائل العشرۃ) میں'' ملاء (عمر موصلی) کی طرف نسبت کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی (کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا):

ان اللہ افترض علیکم حب ابی بکر و عمر و عثمان و علی کما افترض الصلوۃ والزکاۃ والصوم والحج فمن انکر فضلھم فلا تقبل منہ الصلوۃ ولا الزکاۃ ولا الصوم ولا الحج.

بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی محبت اسی طرح لازم کی جس طرح نماز یا زکوٰۃ، روزہ اور حج فرض کیا پس جو شخص ان کی فضیلت کا انکار کرے اس کی نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج قبول نہ ہوگا۔

حافظ (ابوطاہر احمد بن محمد بن احمد بن ابراہیم اصفہانی) سلفی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں جو مشائخ کے ذکر میں ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً حدیث ذکر کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

حب ابی بکر و اجب علی امتی.

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت میری امت پر لازم ہے۔

اور انصاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

اے ابوبکر! کاش میں اپنے بھائیوں سے ملتا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم آپ کے بھائی ہیں آپ نے فرمایا نہیں تم میرے صحابہ کرام ہو میرے بھائی وہ ہیں جنہوں نے مجھے نہیں دیکھا اور انہوں نے میری تصدیق کی اور مجھ سے محبت کی حتیٰ کہ میں ان میں سے ایک کے نزدیک اس کی اولاد اور والد سے بھی زیادہ محبوب ہوں۔

صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ تم میرے اصحاب ہو اے ابوبکر! کیا تم اس قوم سے محبت نہیں کرتے جو تم سے اس لئے محبت کرتے ہیں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں؟ آپ نے فرمایا تم بھی ان لوگوں سے محبت کرو جو تم سے اس لئے محبت کرتے ہیں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔

تو جس سے نبی اکرم ﷺ محبت کریں جیسے آل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ان کی محبت رسول اکرم ﷺ سے محبت کی علامت ہے جس طرح نبی اکرم ﷺ سے محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت ہے اسی طرح لوگوں سے آپ کی دشمنی یا بغض کا معاملہ بھی ہے کیونکہ جو کسی سے محبت کرتا ہے وہ اس کے محبوب سے بھی محبت کرتا ہے اور جو کسی سے بغض رکھتا ہے وہ اس سے بھی بغض رکھتا ہے جس کو اس کا محبوب اچھا نہیں سمجھتا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ. (المجادلہ:۲۲)

تم کسی ایسی قوم کو نہیں پاؤ گے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہوں (پھر) ان لوگوں سے دوستی رکھیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہیں۔

پس نبی اکرم ﷺ کے اہل بیت' صحابہ کرام' آپ کی اولاد اور ازواج مطہرات کی محبت ہر ایک پر واجب ہے اور ان سے نفرت و بغض ہلاک کرنے والے کاموں میں سے ہے۔

اور ان کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی تعظیم کرنا' ان سے نیکی کرنا اور ان کے حقوق قائم کرنا' ان کی اقتداء کرنا' ان کے اخلاق اور طریقوں پر چلے اور ان کے ایسے اقوال پر عمل کرنا جن میں عقل کے لئے کوئی راستہ نہیں' ان کی اچھی تعریف کرنا کہ تعظیم کے طور پر ان کے اچھے اوصاف بیان کئے جائیں یہ سب کام واجب ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی تعریف کی اور اللہ تعالیٰ جس کی تعریف کرے اس کی تعریف کرنا نیز ان کے لئے طلب مغفرت (بھی) واجب ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

امروا ان یستغفروا لاصحاب رسول اللہ ﷺ فسبوھم.

لوگوں کو حکم دیا گیا کہ رسول اکرم ﷺ کے صحابہ کرام کے لئے طلب مغفرت کریں تو انہوں نے ان کو گالیاں دیں۔

اور ان کے لئے بخشش طلب کرنے کا فائدہ خود اس شخص کی طرف لوٹتا ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

جو شخص صحابہ کرام کی توقیر و تعظیم نہ کرے اور ان کے اوامر کی عزت نہ کرے وہ (کامل) مؤمن نہیں۔

صحابہ کرام کی محبت میں یہ بات بھی واجب ہے کہ ان کے درمیان جو اختلاف ہو اس سے خاموشی اختیار کرے

مؤرخین کی خبروں اور راویوں کی جہالت نیز شیعہ اور بدعتی لوگوں کی ایسی باتوں کی طرف متوجہ نہ ہو جو ان صحابہ کرام کی شان میں نقص ثابت کرتی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا ذکر اصحابی فامسکوا. جب میرے صحابہ کرام کا ذکر ہو تو تم رک جاؤ۔

(یعنی اس غلط گفتگو میں شریک نہ ہو)۔

(المعجم الکبیر ج ۲ ص ۹۳' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۰۲۔۲۲۳' الدر المنثور ج ۳ ص ۳۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۴۲۔۲۲۳۔ ج ۸ ص ۵۵۔ ج ۹ ص ۴۰۲' المغنی ج ۱ ص ۳۰۔۴۱۴' الکامل ج ۶ ص ۲۱۷۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۹۰۱)

اور ان کے درمیان جو اختلاف ہوا اس کی کوئی تاویل ڈھونڈے اور اچھا راستہ تلاش کرے کیونکہ ان کی شان کے لائق یہی بات ہے۔

ان کے درمیان جو اختلاف یا جھگڑا ہوا اس کی کوئی وجہ ہے پس ان کو گالی دینا یا ان پر طعن کرنا جو قطعی دلائل کے خلاف ہے وہ کفر ہے جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام تراشی ہے اور اگر دلائل قطعیہ کے خلاف نہ ہو تو بدعت اور فسق ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

یا ایھا الناس احفظونی فی اختانی واصھاری واصحابی لا یطالبنکم اللہ بمظلمۃ احد منھم فانھا لیست مما یوھب.

اے لوگو! میرے دامادوں اور میرے سسرالی رشتہ داروں نیز میرے صحابہ کرام کے حوالے سے میری حفاظت کرو اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کی زیادتی کا تم سے مطالبہ نہیں کرے گا کیونکہ یہ ایسی بات نہیں جو کسی کے لئے ممکن نہ ہو۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۴۹۱' تاریخ ابن عساکر ج ۶ ص ۱۲۹' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۵۷)

یہ روایت (ابوالحسن علی بن حسن شافعی فقیہ) خلعی رحمہ اللہ نے نقل کی ہے۔

(الاعلام ج ۴ ص ۲۷۳' فیات الاعیان ج ۱ ص ۳۳۸' کشف الظنون رقم الحدیث: ۲۲۷۔۱۲۹۷)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا من بعدی من احبھم فقد احبنی ومن ابغضھم فقد ابغضنی ومن اذاھم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ ومن اذی اللہ فیوشک ان یاخذہ اللہ.

میرے صحابہ کرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو میرے وصال کے بعد ان کو نشانہ نہ بنانا جس نے ان سے محبت کی تحقیق اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی اور جس نے ان کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچائی تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا مؤاخذہ فرمائے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث:۳۸۶۲' مسند احمد ج۵ص ۵۴ـ۵۷' حلیۃ الاولیاء ج۸ص ۲۸۷' اتحاف السادۃ المتقین ج۲ص ۴۳ـ ص ۲۲۳' شرح السنہ ج۱۴ص ۷۰' الکامل ج۴ص ۱۴۸۵' جمع الجوامع رقم الحدیث:۹۶۵۷ـ۹۶۵۸' موارد الظمآن رقم الحدیث:۲۲۸۴' الشفاء ج۲ص ۶۰ـ ۱۱۸ـ ۱۵۱ـ ۶۵۱' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۶۰۰۵' میزان الاعتدال رقم الحدیث:۴۴۱۲' کنز العمال رقم الحدیث:۳۲۴۸۳ـ۳۲۵۳۰)

اس روایت کو مخلص ذہبی (ابو طاہر محمد بن عبدالرحمٰن ذہبی رحمہ اللہ) نے نقل کیا جیسا کہ بعض حضرات نے فرمایا یہ حدیث صحابہ کرام کے بارے میں تاکیدی وصیت اور ان سے محبت کی ترغیب اور ان سے بغض سے ڈرانا ہے اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان سے محبت کرنا ایمان سے ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے کیونکہ ان سے بغض نبی اکرم ﷺ سے بغض کی وجہ سے ہو تو بلا اختلاف کفر ہے کیونکہ حدیث شریف گزر چکی ہے جس میں آپ نے فرمایا:

لن یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ. تم میں سے کوئی شخص ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ مجھے اپنے نفس سے زیادہ محبوب سمجھے۔

تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ صحابہ کرام کو نبی اکرم ﷺ سے بطور کمال قرب حاصل تھا کہ آپ نے ان کو اپنی ذات کی جگہ رکھا حتیٰ کہ ان کو تکلیف پہنچانا گویا نبی اکرم ﷺ کو تکلف پہنچانا ہے۔

''غرض'' (جو حدیث شریف میں گزرا) اس نشانے کو کہتے ہیں جس پر تیر چلائے جاتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ سے ڈرانے کی تاکید کے ساتھ اس بات سے منع کیا گیا اور یہ بات اسی لئے کہ ایسا کرنا شدید حرام ہے'

ایک مرفوع حدیث میں ہے:

من سب احدا من اصحابی فاجلدوہ. جو شخص میرے کسی صحابی کو گالی دے اسے کوڑے لگاؤ۔

(مجمع الزوائد ج۱۰ص ۲۱' کنز العمال رقم الحدیث:۳۲۵۴۱)

''تمام'' نے اپنی کتاب ''الفوائد الحدیثیۃ'' میں یہ حدیث ذکر کی ہے جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ذکر کیا حضرت مالک بن انس اور دوسرے حضرات نے روایت کیا کہ جو شخص صحابہ کرام سے بغض رکھے اس کا مسلمانوں کے مال فئی (کفار سے جنگ کے بعد جو مال حاصل ہو) میں کوئی حصہ نہیں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس بات پر حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے سورۂ حشر کی اس آیت سے استدلال کیا:

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (الحشر:۱۰)

اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گزر گئے اور اے ہمارے رب! ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے کوئی کینہ نہ رکھنا بے شک تو نہایت مہربان رحم والا ہے۔

(تو مال فئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور ان مسلمانوں کے لئے رکھا جن کے دلوں میں مسلمانوں کے لئے بغض و نفرت نہیں ہے) اور انہوں نے فرمایا کہ جس شخص کو صحابہ کرام پر غصہ آئے وہ کافر ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارُ. (الفتح:۲۹) تا کہ ان (صحابہ کرام) کے ذریعے کفار کو غصہ دلائے۔

واللہ اعلم

الحمد للہ! آج بروز جمعۃ المبارک ۲۳ شوال المکرم ۱۴۲۱ھ/ ۱۹ جنوری ۲۰۰۱ء بوقت صبح سات بجے دوسری جلد (اردو) کا ترجمہ مکمل ہوا اللہ تعالیٰ اس ترجمہ کو اس کتاب کے سمجھنے کے لئے مفید بنائے اور راقم کے گناہوں پر عفوو درگزر کا قلم پھیر دے آمین بجاہ سیّد المرسلین ﷺ۔

محمد صدیق ہزاروی

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور